کحل الجواہر

جلد دوم

مولفہ

علامہ سید نصرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کحل الجواہر

(لارباب البصائر)

جلد دوم

جواب "ہدیہ مہدویہ" مؤلفہ مولوی زمان خان صاحب رام پوری

(من تالیفات)

جامع علوم معقول ومنقول حاوی مسائل فروع واصول فخر قوم مہدویہ واقف اسرار لدنیا دانائے رموز شریعت وحقیقت حضرت مولانا مولوی سید نصرت صاحب

(جسکو)

مجلس علماء مہدویہ (ہند) نے بغرض افادہ قوم مہدویہ شائع کیا

مطبوعہ صحیفہ مشین پریس چادرگھاٹ حیدرآباد دکن

۱۳۷۱ھ — ۱۹۵۲ء

قیمت فی جلد (۴) روپیہ سکہ ہند

ملنے کا پتہ:— سلطان خان صاحب تاجر کتب ۵۶۳-۳-۱۰۳ چیلگوڑہ حیدرآباد دکن۔

پیش لفظ

حامداً و مصلیاً و تسلیماً۔

الحمد للہ قوم مہدویہ کی مذہبی و تاریخی جلیل القدر کتاب "کحل الجواہر" کی دوسری جلد مجلس علمائے مہدویہ ہند کے زیر اہتمام شائع ہو رہی ہے۔ مولف کتاب "فخر قوم" اُستاذ العلماء علامۃ العصر حضرت مولانا سید نصرت علیہ الرحمۃ کے مختصر حالات اور سبب تالیف کے ضروری واقعات جناب مولانا سید نجم الدین صاحب افضل العلماء رکن مجلس علمائے مہدویہ ہند نے "کحل الجواہر" کی جلد اول کی ابتداء میں "تعارف" کے عنوان کے تحت ترجمۂ مولف علیہ الرحمۃ کے طور پر درج کئے ہیں "کحل الجواہر" جس قدر اہم ہے اس کی تاریخ بھی طویل اور اہم ہے۔ اس کے لئے مستقل تالیف کی ضرورت ہے۔

مختصر یہ کہ ابو رجا زماں خاں رامپوری نے جو گذشتہ صدی ہجری میں نظام الملک نواب میر محبوب علیخاں والئ سلطنت آصفیہ حیدرآباد دکن کے اتالیق تھے۔ نواب سر سالار جنگ اوّل مدار المہام وقت کی اجازت سے ۱۲۸۷ھ میں ایک کتاب موسوم بہ "ہدیہ مہدویہ" مذہب مہدویہ کے خلاف تیار کر کے کانپور کے مطبع نظامی میں طبع کروائی۔ اور حیدرآباد و بیرون جات میں شائع کی گئی۔ جو تین سو سے زائد صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب صرف مذہبی جذبات کے تحت نہیں بلکہ بعض سیاسی اسباب کے پیش نظر لکھی گئی تھی اسلئے اعتراضات کا دایرہ کافی وسیع کر دیا گیا۔ مذہبی مسائل سے تجاوز کر کے تاریخی حالات و واقعات، سماجی و خانگی معاملات اور قوم مہدویہ کے کسی بھی فرد کے کسی بھی فعل و عمل کو نشانۂ اعتراض بنانے کی کوشش کیگئی ہے خواہ وہ کہیں کا بھی باشندہ ہو۔

"ہدیۂ مہدویہ" میں جو انداز بیان اختیار کیا گیا ہے وہ مہدویہ کے لئے سخت دل خراش اور بے حد اشتعال انگیز ہے۔ مقتدائے مذہب امامنا حضرت سید محمد جونپوری مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

کی جناب میں استہزاء، بدکلامی، افتراآت اور سلف سے خلف تک تمام بزرگانِ مہدویہ پر طعن و تشنیع اور روایاتِ مہدویہ میں تحریفات لفظی و معنوی اور واقعات و حالات میں غلط بیانیاں، دلگداز طرزِ نگارش اور احکامِ دین و اصولِ علم کی سب کچھ خلاف ورزیاں اس کتاب میں موجود ہیں۔

"ہدیۂ مہدویہ" کی اشاعت سے پوری قوم مہدویہ میں عام ناراضی اور سخت اشتعال کی لہر دوڑ گئی۔ حیدرآباد اور بیرونجات سے "ہدیۂ مہدویہ" کے متعدد جوابات لکھے اور شایع کئے گئے۔ ان جوابات میں "کحل الجواہر" زیادہ تفصیلی اور ضخیم کتاب ہے۔ اس کی طباعت و اشاعت کا قوم کو بے حد اشتیاق رہا ہے لیکن اس کی طباعت و اشاعت پر حکومتِ حیدرآباد کی جانب سے سخت امتناع عاید رہا۔ اس لئے شایع نہ ہوسکی۔

چنانچہ ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ ۱۳۰۷ھ میں جناب شیخ احمد صاحب مرحوم سوداگر اہلِ سکندرآباد (جد امجد جناب خاں بہادر عبدالکریم بابو خاں صاحب) نے ایک مطبع خرید کر "کحل الجواہر" کی طباعت کا کام شروع کرنا چاہا۔ اور اس کی اشاعت کا اشتہار جاری کیا۔ چونکہ کنٹونمنٹ سکندرآباد برٹش رزیڈنٹ حیدرآباد کے زیرِ حکومت تھا اور وہاں حکومتِ ہند کے قوانین نافذ تھے اسلئے امید تھی کہ وہاں کوئی مزاحمت نہ ہوسکیگی۔ لیکن حکومتِ حیدرآباد کی طرف سے رزیڈنٹ حیدرآباد کے پاس تحریک کیگئی اور "کحل الجواہر" کی طباعت و اشاعت پر امتناع عاید کروانے میں کامیابی حاصل کی گئی۔

بلکہ حضرت مولف علیہ الرحمۃ کو مطلع کیا گیا کہ "کحل الجواہر" کی طباعت و اشاعت سے نقصِ امن کا اندیشہ ہے۔ جہاں کہیں بھی اس کی طباعت عمل میں لائی جائے گی اسکی تمام تر ذمہ داری آپ کی ذات پر عاید ہوگی۔

سوء اتفاق سے اسوقت حکومتِ حیدرآباد کے مقتدر عہدوں پر وہی لوگ فائز تھے جنہوں نے "ہدیۂ مہدویہ" کی تالیف میں کسی نہ کسی مقصد کے تحت شرکت و اعانت کی تھی اسلئے وہی "کحل الجواہر" کی اشاعت میں مقدور بھر حایل رہے۔

غرض ایسے ہی بنیادی وجوہ و اسباب سے عرصۂ دراز تک طباعت و اشاعت نہ ہوسکی جب حالات بدل گئے اور فضا سازگار ہوگئی تو بمصداق کل امر مرھون باوقاتھا "کحل الجواہر" کی تالیف کے کامل (۶۲) سال بعد ۱۳۶۹ھ م ۱۹۴۹ء میں جلد اول طبع و شایع ہوئی جو "ہدیۂ مہدویہ" کے

باب اول متعلق عقاید مہدویہ اور باب دوم متعلق تاریخ مہدویہ کے مدلل مبسوط
ومضبوط جوابات پر مشتمل ہے اس کی طباعت کا سہرا جناب مولوی سید محمود صاحب مرحوم ساکن محلہ
کالاڈیرہ حیدرآباد دکن مہتمم آبکاری حکومت آصفیہ کے سر ہے جنہوں نے ذاتی زرکثیر صرف کیا ہے
جزاہ اللہ متجعہ۔

کحل الجواہر کی دوسری جلد جو شایع ہو رہی ہے اس میں ہدیہ مہدویہ کے باب سوم کے جوابات ہیں
خط کسی قدر خفی ہونیکے باوجود اسکی ضخامت سوا چھ سو صفحات پر مشتمل ہے جسمیں مذہب مہدویہ کے بنیادی
اہم مسایل زیر بحث آئے ہیں۔ یہ پوری کتاب گویا ہدیہ مہدویہ کے مقصود بہ مسایل کا نچوڑ ہے
اس لئے کہ مولف "ہدیہ مہدویہ" نے اپنی پوری صلاحیتیں اس باب سوم میں صرف کردی ہیں
اور مذہب مہدویہ کے دلایل ثبوت کو غلط و بے بنیاد ثابت کرنیکی کوشش کی ہے اس باب سوم
کے مقابل "ہدیہ مہدویہ" کے بقیہ ابواب میں زیادہ تر پچھلے مباحث ہی کا مکرر اعادہ کیا گیا ہے

"کحل الجواہر" کی یہ دوسری جلد "ہدیہ مہدویہ" کے باب سوم کے مہتم بالشان جوابات پر
مشتمل ہے ہر اعتراض کا مکمل تجزیہ کرکے ہر جز پر بادلایل بحث کیگئی ہے۔ اور معترض کی
بے اصولیاں، غلط بیانیاں افترا پردازیاں اور متعصبانہ تنگ نظریاں سب کچھ واضح طور
پر دکھا دی گئی ہیں۔ صرف فہرست مضامین کے دیکھنے سے ہی ان مباحث کی اہمیت
کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

"ہدیہ مہدویہ" کی طرز نگارش کے بالمقابل "کحل الجواہر" میں جو وقار، حسن بیان اور
اخلاق محمدیہ صلعم کی جو پیروی جلوہ گر ہے وہ بھی اپنی آپ مثال ہے اور مولف علیہ الرحمۃ ہی
کے شایان شان ہے اور بافضال الہی و برکت اخلاق امامنا علیہ السلام معترض کا یہ بھی ایک
بدیہی جواب ہے کہ ایک مہدوی کے اخلاق کا معیار اسقدر بلند پایہ ہے تو اس کے معصوم عن الخطا
مقتدا و امام کے اخلاق کا کیا حال ہوگا؟!!! فاعتبروا یا اولی الابصار۔ مولوی عبدالحکیم
صاحب منشی فاضل مولوی عالم نے نہایت مستعدی و تندہی سے اس جلد کے اصل مرحومہ مسودہ کو بھی مروجہ
رسم الخط کے مطابق صاف اور خوشخط نقل کیا جس سے طباعت میں بڑی مدد ملی آپکے اس جوش مذہبی و خدمت
قومی کی اللہ تعالی جزاء خیر دے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین فقط

فقیر ابوسعید سید محمود تشریف اللہی معتمد مجلس علمائے مہدویہ ہند قطبی گوڑہ حیدرآباد اندھرا پردیش
المرقوم ۱۴ر رمضان المبارک ۱۳۷۵ھ مطابق ۲۴ر اپریل ۱۹۵۶ء

از کلک پرگہر جناب قمر الشعراء سید ابراہیم صاحب قمر حیدرآبادی

تضمین بر اشعار آبدار علامہ مندوزی صاحب المتخلص بہ ہوش زاد لطفہ

نصرت دین فخر ملت افتخار روزگار
فیض کی بہتی ہیں نہریں جسکی اب تک بے شمار
علم کی دنیا میں جسکا آج تک بھی ہے وقار
نے سزد گوئی کہ رفت از عالم ناپائیدار
آنکہ چوں کحل الجواہر میگذارد یادگار

سہل اور آسان تھا لکھنا کچھ اس ہدیہ کا رد
مشکلیں لاکھوں ہی حائل درمیاں تھیں مثل سد
کر دیا تصنیف لیکن آپ نے با جد و کد
چیست آں کحل الجواہر سرمۂ چشم خرد
از تصانیف گزین نصرت عالی تبار

ہست بر قرطاس نقطش مثل رہ پویان خلد
بنگرد این جا بیاید از جہاں جویان خلد
من ہماں گویم کہ میگویند مہ رویان خلد
در بیاض او بیاض چشم گلرویان خلد
در مداد او سواد عین خوبان تتار

دیکھنے والے کے دل میں اپنا کر لیتی ہے گھر
اس کے ہر ہر لفظ میں ہیں لاکھ جوہر جلوہ گر
عالمان دہر حیراں ہیں دلائل دیکھکر
ناظرے گر در سطور پاکش اندازد نظر
شکر تائید حق بیند قطرہا بدر بقطبار

سچ تو یہ ہے دے جواب اسکا یہ طاقت تھی کسے
اعتراض اسکے عجب کچھ بے تکے بیڈھب سے تھے
کر دیا پیدا ولیکن حق نے اپنے فضل سے
ہیچو تصنیفش نیامد در جہاں از صد یکے
چوں مصنف یک نیامد فاضلے از صد ہزار

بعد ہا یہ چھ برس تک حق نے دی جب اسکو ڈھیل
شاد تھا اپنی جگہ ہم کو سمجھکر بے دلیل
یہ نہ جانا تھا کہ اس کے رد کی یوں ہوگی سبیل
در سلاست بے عدیل و در فصاحت بے مثیل
از مقاصد مایہ دار و از فوائد نکتہ بار

حضرت شمسی نے لکھا ہے جو اس پر حاشیہ
بڑھ گئی ہے جس سے اس تیغ فصاحت کی جلا
اسکی نسبت ہوش صاحب نے قمر سے یوں کہا
خوب شد کردش محشی فاضل علامہ ما
تا کہ از انوار او تابندہ شد آئینہ وار

میں نے حضرت قمر الشعراء کی تضمین دیکھی ماشاء اللہ بڑی اچھی تضمین ہے، اشعار کو اپنا لئے ہیں

المرقوم ۷ر فبروری ۱۹۵۸ء

محمد سعادۃ اللہ خاں

مولوی کامل و متکلم سابق پرنسپل دار العلوم کالج

تاریخی تخمیس

چاپ شد کحل الجواہر یا بر آمد آفتاب
شپرہ چشماں از و گشتند اندر پیچ و تاب

آرزو اندر دلِ مخلص چو بوئے در گلاب
حاسداں را شد جگر از دید نش مثلِ کباب

کور مادر زاد را سرمہ نمی آید بکار

آج سے سو سال پہلے کی زباں میں تھی کتاب
تھی ضرورت اس زمانے کی زباں میں ہو جواب

زاں سبب تدوین کردہ جانشین او شہاب
یعنے آمد آفتابی در مکانِ آفتاب

سایہ اش بر قوم باد آنا قیامت برقرار

اہل علم و فضل کتنے ایک ہیں اور متقی
دل میں اپنے رکھتے ہیں اسکی اشاعت کی خوشی

بارک اللہ قدر داں ہیں اسکے سارے مہدوی
سال میگویم قمر من نیز باصد خرمی

چاپ شد کحل الجواہر کانِ جوہر زر نگار

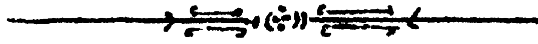
۱۳۷۷ ہجری

قطعہ توصیفی کحل الجواہر از حضرت منورؒ

اللہ نے اعلام کیا مہدی کی حجت
اعجاز ہے تصنیف میاں سید نصرت

آنکھوں پہ اسے رکھتے ہیں ارباب بصائر
نام اس کا سزاوار ہوا کحل جواہر

ہدیۂ تشکر



منجانب مجلس علمائے مہدویہ ہند

بخدمت علامۃ العصر مولانا سید شہاب الدین صاحب صدرِ مجلس علمائے مہدویہ (ہند)

صدرِ محترم مدظلہم لائق صد شکریہ ہیں کہ آپ نے کتاب لاجواب "کحل الجواہر" جلد دوم کی طباعت و اشاعت کے لئے فراہمی سرمایہ کا اہم کام اپنے ذمہ لیا اور طباعت و اشاعتِ کتاب کی اجازت مجلس کو دی۔ اسی بنا پر مجلس کی جانب سے اشاعت عمل میں لائی گئی اور اس کی اشاعت سے جمع ہونے والے سرمایہ کو مجلس علما کا سرمایہ قرار دیا تاکہ مجلس علما، دوسرے قومی علمائے پیشین و حال کی مفید تالیفات و تصنیفات کی نشر و اشاعت کی اہم خدمات انجام دے سکے۔

حضرت مولف کحل الجواہر تغمدہ اللہ بغفرانہ کے اس علمی فیضانِ جاریہ کے ساتھ ساتھ صدرِ محترم کا یہ گرانقدر اور فقید المثال ایثار بھی فیض جاریہ اور باقیات الصالحات میں شامل رہے گا۔ اللّٰھم زِد فزِد۔

صدرِ محترم کی خدمت میں مجلس علمائے مہدویہ ہند کی جانب سے ہدیۂ تبریک و تشکر پیش کیا جاتا ہے کہ جو خدمت مجلس علما کے تفویض کی گئی تھی وہ بفضل خدائے لایزال پوری ہوئی۔ یعنے کحل الجواہر جلد دوم طبع ہو کر قوم کے ہاتھوں تک پہنچنے کا مقدس فریضہ انجام پایا۔

قوم واقف ہے کہ استاذ العلما، علامہ سید نصرت تغمدہ اللہ بغفرانہ کی حیات طیبہ میں "کحل الجواہر" کی طباعت و اشاعت کی مسلسل کوشش ہونے کے باوجود جب اس میں کامیابی نہ ہو سکی تو آپ نے جہاد بالقلم کی اس جلیل القدر امانت کو اپنے منتخب و ممتاز فرزند اور وحید العصر جانشین مولانا سید شہاب الدین صاحب صدر مجلس علمائے مہدویہ ہند

کے تفویض فرما دیا تھا۔

صدر محترم نے اس مقدس امانت کی حفاظت، اس کی تہذیب، حوالجات کتب اور حاشیہ حواشی وغیرہ ضروریات کی تکمیل میں اپنے اوقات عزیز کا بڑا حصہ صرف فرمایا۔ اور ہر ممکن موقع اور ذریعہ سے اسکی طباعت واشاعت میں ساعی رہے۔ اللہ جل شانہ کا شکر ہے کہ اس کے فضل وکرم سے یہ دیرینہ تمنا پوری ہوی۔ اور "کحل الجواہر جلد اول ۱۳۶۸ھ میں آپ ہی کی نگرانی میں شائع ہوئی اور اب اسی کی "جلد دوم" بھی آپ ہی کی نگرانی میں شائع ہو رہی ہے خدائے برتر سے دعا ہے کہ "کحل الجواہر" کی جلد سوم کی طباعت کو بھی وہ پایۂ تکمیل کو پہنچائے۔ اور قوم کی اس وحید العصر ہستی صدر محترم کو صحت و توانائی عطا فرمائے اور آپ کا سایۂ فیض آیہ مجلس اور قوم پر عرصۂ دراز تک قائم رکھے۔ آمین ثم آمین۔

المرقوم ۱۷ رشوال المکرم ۱۳۷۷ھ م ۷ رمئی ۱۹۵۸ء روز چہار شنبہ

فقیر ابو سعید سید محمود تشریف اللّٰہی
معتمد مجلس علمائے مہدویہ (ہند)

فہرست مضامین کحل الجواہر

(جلد دوم)

فہرست مضامین کحل الجواہر جلد دوم

فہرست مضامین کحل الجواہر جلد دوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب دوم میں بیان کردہ واقعات اور ان کے متعلقات پر اس قدر مختصر اور سرسری طور پر بحث کرنے کے بعد مزید تفصیلات سے اعراض کرکے متوکلاً علی اللہ المعین باب سوم کے جوابات جو دلائل اثباتِ مہدیت سے متعلق ہیں ہم شروع کرتے ہیں۔

بابِ سوم

دلائل و علامات کی بحث

مولف صاحب "ہدیہ" نے اپنے زعم فاسد میں اثبات مہدیت کے چند دلائل کے جوابات اس باب میں لکھے ہیں۔ اصل مقصود بحث کے ساتھ تمہیدی اور ضمنی مباحث بھی درج ہیں۔ جا بجا طعن و استہزا، گستاخی، دروغ بیانی اور بدگوئی کے نمونے بھی حسب عادت موجود ہیں۔ جو جوابات دئے گئے یا جو بحثیں کی گئی ہیں اُن پر جگہ جگہ فخر و ناز بھی ٹپک رہا ہے اور اس سے غافل ہیں کہ ایسی ابلہانہ کوششیں جو خلفاء اللہ کے نورِ رشد و ہدایت کے خلاف کی جاتی ہیں وہ کبھی بارور نہیں ہوتیں۔ اللہ تعالےٰ نے ایسی کوششوں کو اللہ کے نور کو منہ سے پھونک مار مار کر بجھا دینے کا لاحاصل ارادہ بتایا اور اپنے نورِ حقانیت کو خود پورا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔

یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون

(۲۸ - ۹ - صف)

اللہ تعالیٰ کے نور کو وہ اپنے منہ سے پھونک مار مار کر بجھا دینے کا ارادہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے نور کو خود پورا کرنے والا ہے اگرچہ کفار کو یہ ناگوار ہی ہو۔

چنانچہ ہمیشہ ایسا ہی ہوا ہے اور اب بھی یہی ہوگا کہ نورِ حقانیت نہ کبھی بجھا ہے ورنہ کبھی بجھے گا البتہ یہ لاحاصل جرأت و جسارت کرنے والا دینا و آخرت میں ضرور ناکام

اور رسوا ہوگا ۔

مولف صاحب نے تمہیدی مباحث میں جو کچھ لکھا ہے اس کے کئی حصے ہیں ابتدائی حصہ کا خلاصہ یہ ہے۔

حقیقت حال یہ ہے کہ قاعدہ مُستمرۃ اور کلیۂ مُسلّمہ ہے کہ جب خدا ورسول کسی ایسی چیز کی خبر دیویں کہ اوس کی حقیقت قبل اس خبر دینے کے معروف ومعلوم نہ ہووے تو بنائے شناخت اوس چیز کی اونھیں علامات وآثار پر ہوتی ہے کہ جو صاحب خبر نے بیان فرمائی ہوویں یہانتک کہ ماہیت شرعیہ اوس چیز کی یہی مجموعہ آثار وعلامات مذکورہ ہوتا ہے فقط بلکہ تمام اُمور مصطلحہ کی ماہیت یہی مفہومات اصطلاحیہ ہوتے ہیں پس حقیقت میں مہدی وہی شخص ہے کہ جس میں علامات منقولہ بطور ماہیت شرعیہ مرکبہ ممیزہ کے جمع ہوویں کہ سائر الناس سے مابہ الامتیاز واقع ہوویں ۔

مناظرہ کا ایک عام اصول ہے کہ کسی بحث کے تصفیہ کیلئے اُسی مسئلہ کے مماثل کوئی ایسا متفقہ مسئلہ لیا جائے جو فریقین کا مسلمہ ہو تو اُس بحث کا فیصلہ سہولت سے ہوسکتا ہے پس جو اخبارِ مغیب حضرت امام مہدی علیہ السلام کی نسبت وارد ہیں وہ اخبار مغیب ہونے کی حیثیت سے اصولاً اُن اخبارِ مغیب سے پورے مشابہ ومماثل ہیں جو توریت وانجیل وغیرہ میں حضرت نبیٔ امی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت وارد ہیں جنھیں مسلمان علما نے بشارات سے تعبیر کیا ہے ۔

حضرت نبیٔ اُمیّ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت توریت و انجیل میں اخبار مغیب یا بشارتیں موجود ہونے کا مولف صاحب ہدیہ یا کوئی کلمہ گو مسلمان انکار نہیں کرسکتا کیونکہ خود قرآن شریف ناطق ہے کہ

الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہ مکتوباً عندھم فی التورٰۃ والانجیل الآیہ (۹-۹- اعراف)

جو لوگ رسول نبی امی (محمد) کی پیروی کرتے ہیں جن کا ذکر اپنے ہاں توریت وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں ۔

فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا دعاء ابی ابراھیم وبشارۃ اخی عیسیٰ (میں میرے باپ ابراہیم کی دعا اور میرے بھائی عیسیٰ کی بشارت ہوں) وغیرہ احادیث سے

اسکی تائید و توثیق ہوتی ہے کہ انبیاء سابقین نے حضرت کی ضرور خبر دی ہے

علمائے اسلام ہر زمانے میں اہل کتاب کے مقابلے میں حضرت محمد مصطفیٰ صلعم کی نبوت کے ثابت کرنے کیلئے انہی بشارتوں سے استدلال کرتے چلے آئے ہیں۔ اسی کی نسبت کسی نے کہا ہے۔

توریت ز وصف تست معمور انجیل ز نام تست مشہور

پس حضرت امام مہدی علیہ السلام سے متعلقہ اخبار مغیب کی نسبت جس قدر بحثیں ہو سکتی ہیں یا کی جاتی ہیں ان بحثوں کی صحت کے جانچنے یا ان کی نسبت کچھ اختلاف رائے ہو تو اس کے تصفیہ کیلئے یہی بشارتیں بہترین معیار ہو سکتی ہیں۔

اس موقعہ پر جو قاعدہ مستمرّہ اور کلیّہ مسلّمہ مولف صاحب ہدیہ نے بیان کیا ہے وہی قاعدہ اُن کے بیان کے موافق اِن بشارتوں اور مبشر (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذاتِ اقدس سے بھی متعلق ہونا چاہیئے کیونکہ اِن بشارتوں کی بھی ٹھیک یہی صورت ہے کہ خدا تعالیٰ اور اُس کے رسولوں نے آپ کی خبر دی ہے اور حضرت کی حقیقت اُن پیغمبروں کی امتوں کے لئے قبل اس خبر دینے کے معروف و معلوم نہ تھی۔

لہذا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بنائے شناخت بھی انھی علامات و آثار پر جو صاحب خبر نے بیان فرمائی ہوں موقوف ہونا بلکہ وہی مجموعۂ آثار و علامات مذکورہ اُس ذاتِ اقدس کی ماہیت شرعیہ ہونا اور وہی علامات منقولہ بطور ماہیت مرکبہ ممیّزہ کے جمع ہونا ضروری ہوگا تاکہ سائر الناس سے مابہ الامتیاز واقع ہوں۔

اگر اس قاعدے کو اِن بشارتوں اور مبشّر کی ذاتِ اقدس پر منطبق نہ کہا جائے تو پھر بقولِ مولفِ صاحب ہدیہ یہ قاعدہ کلّیہ او مستمرّہ نہ رہے گا۔ اسی پر منحصر نہیں بلکہ ہر وہ بحث جو حضرت امام مہدی علیہ السلام کی متعلقہ اخبار و روایات سے متعلق ہو سکتی ہے وہ حضرت نبیٔ امی علیہ السلام کی بشارتوں پر بھی منطبق ہونا یا جو بحث اُن بشارتوں سے متعلق ہوگی وہ اخبارِ مہدی علیہ السلام پر بھی موثّر ہونا چاہیئے۔

یہ تو ہر دو اخبار مغیب کی تطبیق و مطابقت کی اصولی بحث ہے۔ اب خاص اسلامی اصول اور خصوصاً اہل سنت کے مسلمہ اصول پر جو احادیث سے استنباط مسائل کرنے میں رائج و شائع ہیں مولف صاحب کے اس بیان پر نا قدانہ نظر ڈالی جاتی ہے۔ یہ تو ایک حد تک

صحیح ہے کہ اس چیز کی حقیقت و ماہیت وہی آثار و علامات ہوں گے لیکن شرط یہ ہے کہ اُن کا ماخذ صحیح و قوی اور عند الائمہ معتبر ہو اور وہ فیما بینہا متضادّہ نہ ہوں۔ خاص طور پر احادیث ہی سے مستنبط ہونے کی صورت میں وہ علامتیں کتاب اللہ سے صریح مخالفت نہ رکھتی ہوں ورنہ جس علامت کا ماخذ غیر صحیح و ضعیف ہوگا یا کسی علامت کا مفہوم و معنی سمجھنے میں کسی نے غلطی کر کے اپنے سمجھے ہوئے مفہوم کو علامت قرار دے لیا ہے تو ایسی علامتیں اُس مجموعہ کا جُز نہیں بن سکتیں اور اُس کو اُس شئی کی ماہیت شرعیہ میں اصلا مداخلت نہ ہوگی۔ پس جس قدر احادیث اس باب میں وارد ہیں وہ کل کی کل بلالحاظ صحت وعدم صحت وضعف و قوت ہرگز سند نہ ہونگی جیسا کہ ملا علی متقی کی غلط رائے ہے کہ

ان المہدی لا یتحقق اِلاّ وان یوجد فیہ جمیع ماورد فی شانہ من الاحادیث (رسالۂ رد مولفۂ ملا علی متقی)	مہدی کی ذات اس وقت تک متحقق نہ ہوگی جب تک کہ وہ کل حدیثیں نہ پائی جائیں جو مہدی کی شان میں وارد ہیں۔

گویا انھوں نے جمیع ماورد فی شانہ کو ماہیت قرار دیا ہے اگرچہ کہ وہ ضعیف و مرجوح اور باہم متضاد اور کتاب اللہ اور دوسری قوی و صحیح احادیث کے مخالف بھی ہوں۔ حالانکہ یہ بات اصولِ حدیث کے خلاف اور صریح البطلان ہے کیونکہ اِس صورت میں ایسی کئی باتیں جن کو فی الحقیقت امام مہدی علیہ السلام سے کوئی تعلق نہیں وہ سب علامات و آثار بن جائیں گی جن کا جمع ہونا محال ہے جیسا کہ اس سے پہلے باب اول میں ہم نے اس پر کسی قدر بحث کی ہے غرض اسلامی اصول پر احادیث کی صحت وعدم صحت اور قوت وضعف کے اصول کو کبھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

خود مولف صاحب ہدیہ نے بھی اس سے پہلے احادیثِ صحیحہ سے علامات ماخوذ ہونے کو تسلیم کیا ہے چنانچہ یہ لکھا ہے کہ

> اہلِ سنت کا اعتقاد یہ ہے کہ ایک شخص آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے بلا شک مہدی ہونے والا ہے اور شناخت اس کی موقوف ہے وجود اُن علامات پر کہ احادیثِ صحیحہ میں حق مہدی میں مذکور ہیں (ہدیہ مہدویہ ص۲)

لیکن اس مقام پر اس اصولِ مسلّمۂ اہلِ سنت اور خود اپنے پہلے قول کے خلاف احادیث کی صحت کا لحاظ نہیں کیا اور ملا علی متقی کے قدم پر قدم رکھکر سب احادیث صحیح وغیر صحیح کے

جمع ہونے کو معیار قرار دے لیا ہے جو خلاف تحقیق ہے۔

اِس بے اصول دعوی کے غیر صحیح ہونے کی توضیح اِس سے بھی ہو سکتی ہے کہ احادیث و اخبار کے صحیح و غیر صحیح و قوی و ضعیف ہونے کی نسبت تمام فرقہائے اسلامیہ میں جو اختلافات ہیں اُن سے قطع نظر کرکے صرف اہل سنت ہی کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دینی تقدمات و مسائل میں سے بہت سے مقدمات ایسے ہیں کہ اُن میں جسقدر احادیث وارد ہیں وہ تمام کی تمام سب علما و مجتہدین اہل سنت کے نزدیک بلا خلاف صحیح و معتبر اور متفق علیہ نہیں ہیں بلکہ کسی امام یا مجتہد نے کسی حدیث کو صحیح قرار دیکر اپنے مذہب کی بنیاد اس پر رکھی ہے اور دوسری احادیث کا اعتبار نہیں کیا ہے۔ دوسرے ائمۂ مجتہدین نے اسکے برعکس پہلے امام یا مجتہد کی استدلالی احادیث کا لحاظ نہ کرکے دوسری احادیث پر اپنے مذہب کی بنا رکھی ہے اگر ایسا نہ ہوتا اور بلالحاظ صحت و غیر صحت و ضعف و قوت سب احادیث کی ہیئت اجتماعی معتبر ہوتی تو مسائل دینی میں ائمۂ مجتہدین کا اختلاف اصلا صورت پذیر نہ ہوتا مثال کے طور پر دیکھو مقتدی کے قرأت کرنے نہ کرنے کے مسئلہ میں حنفیہ حدیث "قراۃ الامام قراۃ الماموم"[1] اور "مالی انازع فی القرآن"[2] وغیرہ کا اعتبار کرکے مقتدی کیلئے قرأت ناجائز کہتے ہیں۔ شافعیہ نے حدیث "لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب"[3] کی شہرت و صحت کا اعتبار کرکے مقتدی کے لئے قرأت ضروری قرار دی ہے۔ اسی طرح امام مالک اور امام احمد حنبل کے اقوال بھی اسی مسئلہ میں ان دونوں اماموں کے اقوال سے کسی قدر مختلف ہیں۔ پس ثابت ہے کہ قرأت کے متعلق جس قدر احادیث وارد ہیں سب کے سب مجموعی طور پر تمام ائمہ مجتہدین کے نزدیک صحیح اور قابل عمل نہیں ہیں اسی لئے انھوں نے بعض پر عمل کیا اور بعض کو چھوڑ دیا ہے۔ اِسی ایک مسئلہ پر موقوف نہیں بلکہ اعتقادیات و عملیات میں اسی قسم کے بہت سے مسائل و مقدمات ملتے ہیں جن کی ٹھیک یہی حالت ہے کہ جو مجتہد جن احادیث کو صحیح و قوی پاتے ہیں اُنہی پر اپنے مذہب کی بنا رکھتے ہیں اور اپنے مخالف مذہب احادیث کی نسبت صحت و ضعف کی بحث اور تاویل و توجیہ کرتے ہیں اور جو احادیث اُن کے نزدیک ضعاف اور ناقابل توجیہ و تاویل ہوتی ہیں وہ فروگذاشت کر دیجاتی ہیں۔

---

[1] امام کی قراءت مقتدی ہی کی قراءت ہے ۱۲ [2] میرے لئے یہ درست نہیں ہے کہ میں قرآن میں جھگڑا کروں یعنی امام ... کچھ پڑھوں اور مقتدی کچھ پڑھتا رہے ۱۲ [3] سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی ۱۲۔

چنانچہ یہ مقدمہ کتبِ اصولِ فقہ وعلمِ کلام سے خوب واضح ہو سکتا ہے

جس شخص کی درایت کا پایہ اس سے بھی کسی قدر بلند ہے وہ خوب سمجھ سکتا ہے کہ قرآن مجید باوجودیکہ کلامِ الٰہی اور قدیم وازلی ہے تب بھی علما، ومجتہدینِ اہلِ سنت کے پاس اس میں ماوّل ۔ متشابہ ۔ منسوخ وغیرہ سب اقسام کی آیتیں موجود ہیں اور ان کے مفہوم ومطالب کی نسبت انہی علما ومجتہدین کے اقوال مختلف پائے جاتے ہیں پھر احادیث بلالحاظ قوی وضعیف، صحیح وسقیم، راجح ومرجوح، ناسخ ومنسوخ متعارض ومتضاد سب کی سب کسی مسئلہ میں خود اہلِ سنت کے اصول پر بھی کس طرح جمع ہو سکتی ہیں اور ان سب کا مجموعہ کسی چیز کی شرط کیسے قرار دیا جا سکتا ہے؟

اس کے بعد مولف صاحب ہدیہ نے اپنی اس تمہید کا یہ نتیجہ نکالا ہے کہ

"شیخ جونپوری میں چونکہ ہیئتِ اجتماعی علامات کی مفقود تھی مہدویہ نے اس طریق اثباتِ مُسَلَّم النبوت کو ترک کر کے ایک طریق جدید اختراع کیا کہ تمام علاماتِ ممیزۂ مخصصہ کو چھوڑ کر چند علاماتِ عامہ مشترکہ کو دلائلِ مہدویت کی ٹھہرایا حالانکہ وہ تمام علامات بھی بر تقدیرِ ثبوت کے مخصص وممیز نہیں ہو سکتی ہیں چہ جائے واحد واحد کے کہ ہرگز دلیل براسہ مستقل نہیں ہو سکتی ہیں"

قولنا - امام ہمام حضرت سید محمد بن سید عبداللہ مہدی موعود علیہ السلام وعلیٰ آبائہ الکرام میں علاماتِ صحیحہ وآثار قویۂ معتبرہ موجود تھے مہدویہ نے آنحضرت علیہ السلام کے دعوئے مہدیت کو بجان ودل قبول کیا ۔ مولف صاحب کا یہ تجاہل یا تعاند ہے کہ وہ اس طریقہ قدیمہ اور اصولِ مسلّمہ کو مہدویہ کا مخترعہ طریقہ بتا رہے ہیں حالانکہ ہر امرِ دینی کی تحقیق واثبات میں یہی قدیم دستور ہے کہ جو آثارِ صحیحہ واخبارِ معتبرہ اس باب میں وارد ہوتے ہیں انہی سے سند لی جاتی ہے اور جو کچھ اُن سے مستفاد ہوتا ہے وہی معتبر سمجھا جاتا ہے ۔ ان کے مقابل جو اخبار وآثار ضعیف اور غیر صحیح ہوں گے وہ سب بے اصل وغیر معتبر ٹھہریں گے ۔ پس بریں قیاس اگر مہدویہ نے علما ومجتہدین کے اصول کے مطابق جو تمام مسائلِ دینی میں رائج وشائع ہے اُن تمام احادیث کو جو بابِ مہدی میں وارد ہیں کمالِ تحقیق وتنقیح کر کے صحیح کو سقیم سے اور قوی وقطعی کو ضعیف وظنی سے امتیاز کیا اور جو باہم متعارض یا کتاب اللہ یا دوسری قوی احادیث کے متضاد تھیں اُن کو خیرٗ

توقف میں رکھا تو اس کو طریقۂ مخترعہ کہنا۔ کہنے والے کی نادانی ہوگی۔ چنانچہ اس کے موقع پر ہر ایک کا تفصیلی بیان انشاء اللہ تعالیٰ آئے گا۔

علم کلام میں حضرت رسول اللہ صلعم کے اثبات نبوت کے لئے اخبار انبیاء سے بہت کم بحث ہوتی ہے

یہ تو ہمارا اصولی جواب ہے لیکن مولف صاحب ہدیہ اس کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟ کہ علم کلام میں حضرت رسول اکرم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ثابت کرنے کیلئے جو دلائل پیش کئے جاتے ہیں اُن میں کسی نے حضرت کے دعویٰ نبوت کرنے اور آپ سے معجزات ظاہر ہونے کو اور کسی نے حضرت کے اخلاق کو زبردست دلیل قرار دیا ہے اور انبیائے سابقین کے اخبار سے زیادہ بحث نہیں کی ہے چنانچہ شرح مواقف میں لکھا ہے۔

المقصد الرابع فی اثبات نبوۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وفیہ مسالک الاول وھو العمدۃ انہ ادعی النبوۃ وظہرت المعجزۃ علی یدہ۔

مقصد رابع محمد صلعم کی نبوت کے اثبات میں اس میں کئی مسلک ہیں مسلک اول جو بہترین ہے یہی ہے کہ آپ نے نبوت کا دعویٰ کیا اور آپکے ہاتھ پر معجزہ ظاہر ہوا۔

اخلاق یا دعویٰ نبوت علامات ممیّزۂ مخصصہ سے ہیں یا علامات عامہ مشترکہ سے ہے؟

اگر علامات ممیّزۂ مخصصہ سے ہیں تو انبیائے سابقین کی بشارتوں میں اُن کا اس طرح ذکر کہاں ہے کہ اُس سے حضرت ہی کی تخصیص ثابت ہوتی ہو اور کسی اور میں نہ پائی جاسکتی ہوں۔

اور اگر یہ علامات عامۂ مشترکہ سے ہیں جو بقول آپکے مخصص ومميّز اور دلیل براسہ و مستقل نہیں ہوسکتی ہیں تو کیا اس سے یہ لازم آئے گا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں انبیائے سابقین کی خبر دی ہوئی علامتوں کی ہیئت اجتماعی مفقود تھی اس لئے متکلمین نے یہ طریقہ ایجاد کیا حالانکہ ایسا کہنا یا سمجھنا کبھی صحیح نہیں ہے

کثرت ظنون مفید یقین ہے

اس کے بعد مولف صاحب ہدیہ نے ہر قطعی علامت کا انتفا نقض بہت کی قطعی دلیل اور ہر ظنی علامت کا انتفا ابطال مہدیت کی ظنی دلیل ہونا بیان کرکے ظن یا ب اعتقاد میں بالکل غیر معتبر ہونے کو غلط کہا ہے اور کثرت ظنون مفید یقین ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔

مولف صاحب کا یہ دعویٰ اور انکار کس حد تک صحیح یا غیر صحیح ہے اس وقت اُس سے

قطع نظر کرکے مولف صاحب ہی کے قول کو دیکھا جائے تو اس سے بدیہی طور پر خود ثابت ہوتا ہے کہ جب کسی قطعی یا ظنی علامت کا انتفا یعنی نہ پایا جانا نفی مہدیت کی قطعی یا ظنی دلیل ہوسکتا ہے تو پھر اُسی علامت کا اُسی ذریعہ اور طریقہ سے پایۂ ثبوت کو پہنچ جانا جس ذریعہ سے اس کا انتفا سمجھا گیا ہے ضرور ثبوتِ مہدیت کی قطعی یا ظنی دلیل ہونا چاہیئے۔ مثلاً مہدی علیہ السلام کا فاطمی النسب ہونا مہدیت کی قطعی علامت ہے اور کتبِ انساب سے یہ ثابت نہ ہونا مولف صاحب کے خیال میں ابطالِ مہدیت کی قطعی دلیل ہوسکتا ہے تو پھر کتب انساب وغیرہ ذرائع ہی سے مولف صاحب کا خیال غلط ثابت ہوکر حضرت امامنا علیہ السلام کا فاطمی النسب ہونا ثابت ہوجائے تو یہ بقول انہی کے ثبوتِ مہدیت کی قطعی دلیل ہونا چاہیئے۔ اسی طرح کسی ظنی علامت کو کوئی اپنے خیال میں جس بنا پر غیر ثابت سمجھا ہے اگر اُسی قسم کے ذرایع سے اس کے خیال کا فساد ظاہر ہوکر وہی علامت متحقق ہوجائے تو اس سے دعوئ مہدیت کی صداقت کا ظن غالب حاصل ہونا ضرور ہوگا۔ ایسا ہی جب مولف صاحب کے پاس کثرت ظنون مفید یقین ہوتی ہے تو متعدد علامتیں ثابت ہوجانے سے دعوئ مہدیت کی صداقت کا بھی یقین حاصل ہوتے جانا چاہیئے۔ اب رہی آپ کی یہ بات کہ "ظن باب اعتقادیات میں بالکل غیر معتبر ہونا غلط ہے" آپ اس غلطی کا اطلاق کس پر کررہے ہیں یہ قول شرح عقائد کا ہے کہ

لاعبرة بالظن فی باب الاعتقادیات خصوصاً اذا اشتمل علی اختلاف روایة	باب اعتقادیات میں ظن کا اعتبار نہیں خصوصاً جبکہ اس میں روایت کا اختلاف ہو۔

مولف صاحب کے بیان میں عمدگی یہ ہے کہ جس مصنف کو غلط ٹھہرا رہے ہیں پھر اسی کی دوسری کتاب یعنی شرح مقاصد کے قول سے حجت اور سند بھی لیتے ہیں حالانکہ شرح عقائد اور شرح مقاصد دونوں بھی علامہ سعدالدین تفتازانی ہی کی تصنیف ہیں۔ اور دونوں اقوال کا ماحصل ایک ہے۔

مولف صاحب کے دعوئ اور دلیل کے درمیان بھی بُعد المشرقین ہے کیونکہ دعوئ یہ ہے کہ "باب اعتقاد میں ظن کا بالکل غیر معتبر ہونا غلط ہے" (ہدیہ مہدویہ ص۲) یعنی اعتقادیات میں ظن معتبر ہوتا ہے اس پر دلیل شرح مقاصد کا یہ قول لایا گیا ہے

وما یقال انه لاعبرة بالظنیات	باب اعتقاد میں ظنیات کا اعتبار نہ ہونا

فی باب الاعتقادیات فان ارید انه لایحصل منه الاعتقاد الجازم ولایصح الحکم القطعی به فلانزاع فیه وان ارید انه لایحصل الظن بذالك الحکم فظاهر البطلان۔

جو کہا جاتا ہے اگر اس سے مراد یہ ہے کہ ظن سے اعتقاد جازم اور حکم قطعی حاصل نہیں ہوتا تو اس میں کوئی خلاف نہیں ہے اور اگر یہ مراد لی جائے کہ اس سے ظن بھی حاصل نہیں ہوتا تو یہ باطل ہے۔

حالانکہ اس قول کا خلاصہ بھی یہی ہے کہ ظنیات سے اعتقاد جازم اور حکم قطعی نہیں حاصل ہوتا اگر کچھ ہوتا ہے تو ظن ہی ہو سکتا ہے۔ اب دیکھئے یہ قول شرح عقائد کے قول سے متحد المطلب ہے کیونکہ جب دلیل ظنی سے ظن ہی کا فائدہ ہوتا ہے اور حکم قطعی حاصل نہیں ہوتا اور اعتقادیات تو دلائل قطعیہ سے ثابت ہوتے ہیں ظنیات سے نہیں ہوتے تو " ہموں آتش در کاسہ " ہے آپ کے دعوی سے دلیل کہاں مطابق ہے۔

امام مہدی علیہ السلام کے فاطمی النسب ہونے کی بحث۔

ان تمہیدی مباحث کے بعد مولف صاحب ہدیہ نے دلیل اول یعنی حضرت امام مہدی علیہ السلام کے فاطمی ہونے کی بحث شروع کی ہے اور یہ مسئلہ خود مہدویہ کا بھی مسلّمہ ہونا ظاہر کرتے ہوئے معارضۃ الروایات مولفہ جناب مولوی سید عیسیٰ صاحب کے حوالہ سے لمعات شرح مشکوٰۃ (مولفہ شیخ عبد الحق دہلوی) کے قول کی یہ تلخیص نقل کی ہے کہ امام مہدی علیہ السلام کا اولاد فاطمہ سے ہونا متواتر المعنی ہے اور شعب الایمان (مولفہ امام بیہقیؒ) کا یہ قول کہ

اختلف الناس فی امر المہدی فتوقف جماعۃ واحالوا العلم الی عالمہ واعتقدوا انه واحد من اولاد فاطمۃ الزہراء یخرج فی آخر الزمان (مہدیؑ کی نسبت لوگوں میں اختلاف ہے۔ ایک جماعت نے اس کا کوئی فیصلہ کرنے میں توقف کرکے اللہ تعالےٰ ہی کو اس کا حقیقی علم ہونے کا اعتراف کیا ہے اور اس کے معتقد ہیں کہ آپ فاطمۃ الزہرا کی اولاد سے ہیں جو آخر زمانہ میں مبعوث ہوں گے) نقل کرکے شعب الایمان کا ایک ناقص نسخہ خود کو دستیاب ہونا اور اس میں یہ عبارت نہ ہونا بتلاتے ہوئے حضرت بندگی میاں سید خوندمیرؓ پر تحریف کا افترا کیا ہے اور قول شعب الایمان میں کوئی کلمۂ حصر بھی نہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے آخر میں یہ نتیجہ نکالا ہے کہ

" بالفرض والتقدیر یہ قول صحیح بھی ہو دے تب بھی مہدویوں کو کچھ مفید نہیں بلکہ

سراسر مضر ہے کیونکہ ان کے مہدی کا اولاد فاطمہؓ سے ہونا بھی ثابت نہیں ہوسکتا ہے (ہدیہ ص ۴۳)

حضرت مہدی علیہ السلام کا فاطمی ہونا تو قطعی و یقینی ہے جس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے جس کا بیان بعد میں کیا جائے گا۔ شعب الایمان کا جب کامل نسخہ آپ کو دستیاب ہی نہیں ہوا تو اس میں یہ قول نہونے کا آپ کس طرح یقین کرسکتے ہیں۔

امام بیہقی رح کی اس عبارت میں کوئی کلمۂ حصر نہ ہونے کا عذر بھی کچھ معقولیت نہیں رکھتا کیونکہ کلمۂ حصر کی حاجت اُس وقت ہوتی جب کہ خود عبارت سے حصر مفہاد نہ ہوتا۔ جہاں خود سیاق عبارت ہی حصر کا افادہ کرے وہاں کلمۂ حصر کی چنداں ضرورت نہیں ہوتی جو معنی کلمۂ حصر سے سمجھا جاسکتا ہے وہی معنی بغیر کلمۂ حصر کے خود سیاق کلام سے حاصل ہوجاتا ہے۔ شعب الایمان کی عبارت کی یہی صورت ہے پہلے امور متعلقۂ امام مہدی علیہ السلام کا مختلف فیہ ہونا۔ پھر ان کی نسبت کوئی قطعی فیصلہ کرنے میں ایک جماعت کا تامل و توقف کرنا اور خدائے تعالیٰ ہی کو ان کا علم ہوتے کا اعتراف اور اپنے عجز کا اقرار کرلینا۔ آخر میں صرف اولاد فاطمہ سے ہونے پر سب کا متفقہ اعتقاد بیان کرنا خود بتا رہا ہے کہ ان امور میں سے یہی ایک بات سب کی متفقہ اور قابلِ اعتقاد ہے۔

اربابِ انصاف و دیانت پر مخفی نہ رہے کہ مولف صاحب ہدیہ نے جو قانون مستمرہ اور کلیۂ مسلمہ ابتدائے باب سوم میں قرار دیا ہے اور اسی بنا پر ان سب امور کو جو صحیح و غیر صحیح۔ قوی و ضعیف متعلق و غیر متعلق احادیث میں مذکور ہیں بہ ہیئت اجتماعی امام مہدی علیہ السلام کی علامات و آثار ہونا خیال کرلیا ہے شعب الایمان کے اس قول سے اُس غلط خیال کی تردید ہوجاتی ہے گویا بندگی میاں سیّد خوند میر صدیق ولایت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کرامت کے طور پر مولف صاحب ہدیہ کا یہ سوال ظاہر ہونے سے سینکڑوں سال قبل ہی اس کا یہ جواب ادا فرما دیا ہے کہ اس مفروضہ مجموعۂ علامات کے بہت سے اجزا اختلافی اور غیر صحیح ہونے کی خود علمائے متقدمین ہی نے تصریح کردی ہے۔

جب مولف صاحب ہدیہ نے قول شعب الایمان میں کوئی رخنہ نہ پایا اور دیکھا کہ اس سے اپنا وہ خیالی قلعہ تباہ و تاراج ہوجا رہا ہے کیونکہ اس میں وہ تمام علامتیں جیسے زمین سے خزانے نکلنا۔ مہدی و عیسیٰ علیہما السلام کا اجتماع وغیرہ مذکور نہیں ہیں پھر مزید براں شعب الایمان کے اس قول سے کہ "اختلف الناس فی امر المھدیؑ" ثابت

ہے کہ یہ علامتیں متفقہ نہیں ہیں " توقف جماعۃ" کا جملہ ان کے غیر صحیح ہونے پر صاف دلالت کر رہا ہے کیونکہ امر صحیح میں کسی کو تامل و توقف کی گنجائش نہیں ہوتی۔ "احالوا العلم الی عالمہ" سے اُن کے غیر قطعی و یقینی ہونے کی اور بھی تاکید ہو رہی ہے کیونکہ انکی حقیقت کا خدا تعالیٰ ہی کو علم حاصل ہونے کا حوالہ دینا عدم تیقن و لاعلمی کا اعتراف کرنا ہے۔ آخر میں یہ قول فیصل کہ "واعتقدوا انہ واحد من اولاد فاطمۃ الزہراء یخرج فی آخر الزمان" صاف بتا رہا ہے کہ امام مہدی علیہ السلام کا صرف فاطمی النسب ہونا ہی ان علامتوں میں سے ایک امر یقینی و معتبر اور قابل اعتقاد ہے۔ پس مولف صاحب ہدیہ نے بحکم "اذا یئس الانسان طال لسانہ" (جب آدمی مایوس اور عاجز ہو جاتا ہے تو اس کی زبان دراز ہو جاتی ہے) زبان درازی شروع کردی اور حضرت بندگمیاں سید خوندمیر صدیق ولایت پر تحریف و تبدیل کی تہمت لگائی اور افترا باندھا ہے۔ یہ ہے معاندین و منکرین حق کا قدیم سے یہی دستور چلا آیا ہے کہ وہ برگزیدہ ذوات کو اسی طرح اپنی زبان درازیوں اور تہمتوں کا نشانہ بناتے رہتے ہیں خود حضرت خاتم الانبیاء والمرسلین صلعم پر حضرت کے معاندین و منکرین نے قرآن شریف کی آیتوں کو اپنی ذات سے ایجاد کر کے خدائے تعالیٰ کے نام سے بیان کرنے کی تہمت لگائی تھی۔ مولف صاحب ہدیہ نے اُنہی کی پوری تقلید کی ہے یہ کوئی نئی تہمت نہیں ہے بلکہ اسی سے جناب صدیق ولایت رض کا حضرت خاتم الانبیا و حضرت خاتم الاولیاء علیہما السلام کے پورے تابع ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔

اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ "شعب الایمان میں" یہ قول نہیں ہے یا شعب الایمان کا کوئی نسخہ ہی کہیں موجود نہیں ہے تو ایسا فرض کر لینے سے بھی نفس مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا کیونکہ جن احادیث کی بنا پر یہ رائے قائم کی گئی ہے وہ احادیث ہر وقت موجود ہیں ان پر صحیح غور اور فکر صائب کر کے ہر شخص اسی نتیجہ پر پہنچیگا جو امام بیہقی کی طرف منسوب ہے چنانچہ دوسرے علمائے متقدمین اہل سنت نے بھی یہی رائے قائم کی ہے۔ شرح مقاصد میں علامہ سعدالدین تفتازانی یوں لکھتے ہیں۔

علماء کا اتفاق ہے کہ مہدی (علیہ السلام)	فذھب العلماء الی انہ امام عادل

من ولد فاطمة رض یخلقہ اللہ متی شاء ویبعثہ نصرۃ لدنیہ	اولاد فاطمہ کے ایک عادل امام ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی نصرت کے لئے ان کو جب چاہے پیدا اور مبعوث کرے گا۔

دیکھو یہ قول بھی شعب الایمان ہی کے مضمون کا افادہ کر رہا ہے اور اس سے بھی اسی کی تائید ہو رہی ہے وہی فاطمی النسب ہونے کو اہمیت دی گئی ہے اور دوسری علامات و آثار کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ اور مولف صاحب ہدیہ کو شرح مقاصد کے ناپید ہونے کا عذر بھی نہیں ہو سکتا وہ اصل سے مقابلہ کر سکتے ہیں۔

اب ناظرین پر تمکین خود فیصلہ فرمائیں کہ امام مہدی علیہ السلام کے فاطمی النسب اور متخلق با خلاق انبیا ہونے کو کیا صرف مہدویہ ہی اہمیت دیتے ہیں جیسا کہ مولف صاحب ہدیہ کا بیان ہے (دیکھو ہدیہ صفحہ ۴۷) یا متقدمین علمائے اہل سنت کے نزدیک بھی یہی امر زیادہ معتبر ہے۔

اب رہا مولف صاحب کا یہ زعم باطل کہ "یہ قول بالفرض صحیح بھی ہو تو مہدویہ کے لئے مفید نہیں بلکہ سراسر مضر ہے کیونکہ ان کے مہدی کا اولاد فاطمہ سے ہونا ثابت نہیں ہو سکتا ہے" اس کے متعلق ہم ذرا تفصیل سے بحث کرنا مناسب سمجھتے ہیں اس لئے پہلے مولف صاحب ہدیہ کے اقوال پیش کر دئے جاتے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے اس کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ

کتاب مطلع الولایت تصنیف سید قاسم بن سید یوسف بن سید یعقوب بن سید محمود بن سید محمد جونپوری اور کتاب شواہد الولایت تصنیف برہان الدین بن اللہ بخش بن سید شہاب الدین بن سید خوندمیر داماد سید محمد جونپوری میں لکھا ہے کہ ان کے مہدی جونپوری اولاد سے امام موسیٰ کاظم کے ہیں اور درمیان مہدی مذکور اور حضرت امام موسیٰ کے بارہ پشت ہیں۔

شواہد الولایت کے باب دوم میں لکھا ہے کہ ولادت مہدی جونپوری کی ۸۴۷ھ میں ہے پس ثابت ہوا کہ ان کے مہدی کی پیدائش اور امام موسیٰ کے انتقال میں چھ سو چونسٹھ برس کا فاصلہ ہے اس واسطے کہ امام موسیٰ کاظم نے ۱۸۳ھ میں پچپن برس کی عمر پاکر انتقال فرمایا ہے۔ معلوم نہیں کہ یہ سید نعمت اللہ

سید اعلیٰ مہدی کے وقت انتقال امام موسیٰ کاظم کے چند سال کے تھے
غرض معلوم ہوا کہ بارہ پشت مہدی مذکور میں ہر شخص تقریباً چھپن برس کے
بعد معمر ہوکر ایک بیٹا جنتا تھا اور اگر کسی نے ان میں سے اس عمر سے کم میں
جنا تو ضرور ہوا کہ دوسری پشت والا چھپن برس کی عمر سے بھی زیادہ میں جنے
مثلاً اگر ایک شخص تیس برس میں صاحب اولاد ہو تو ضرور دوسرا بیاسی برس کا
بوڑھا ہو کر بیٹا جنے تاکہ بارہ پشت مہدی کی اس مدت چھ سو چوسٹھ میں پوری
ہوجاویں۔

یہ مقدمہ نہایت غریب و نادر ہے کہ کسی دوسرے کے نسب
صحیح میں دنیا میں ایسا نہ ہوا ہوگا۔

اور طرہ یہ ہے کہ سید خوندمیر داماد مہدی کا نسب بھی انھیں
سید نعمت اللہ کو پہنچتا ہے اور وہاں بھی فقط بارہ واسطے درمیان ہیں
حالانکہ سید خوندمیر مہدی کے تولد سے چالیس برس کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔

پس ان کے تولد اور امام موسیٰ کاظم کے انتقال میں سات سو چار برس کا
فاصلہ ہوا اور نسب میں ان کے بھی بارہ پشت سے زیادہ نہ ہوئیں۔
اگر سید نعمت اللہ کو وقت رحلت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کے چار برس
کا بھی فرض کریں تو بھی چاہیئے کہ ہر شخص ساٹھ برس کی عمر میں بچہ جنے اور اگر
کم میں جنے مثلاً تیس برس میں تو بیٹا اس کا نوے برس میں جنے تاکہ یہ بارہ
بطن اس مدت دراز میں برابر اتریں ہل ہذا الا عجاب۔

جس شخص نے اس نسب کو تصنیف فرمایا اس حساب کو خیال میں
نہ لایا ورنہ اس کے نزدیک آسان تھا کہ دس پانچ نام اور بڑھا کر قصہ
مٹا دیتا یہ علامات و امارات تکذیب اس نسب کی تھیں جس سے بطن غالب
معلوم ہوتا ہے کہ اس نسب میں خلل ہے۔

تاریخ انساب کی واقفیت رکھنے والے اصحاب سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے
کہ اکثر سلسلہ ہائے نسب میں اختلافِ روایات پایا جاتا ہے جس کی بہت سی مثالیں انساب
کی تاریخوں میں ملتی ہیں۔ خود حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ نسب کی روایتوں کا

اختلاف اس قسم کے اختلافات کی ایسی واضح مثال ہے جس کا کوئی مسلمان بھی انکار نہیں کر سکتا

اس کی توضیح یہ ہے کہ تمام مسلمان متفق ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسمعیل بن ابراہیم علیہما السلام کی اولاد سے ہیں لیکن حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام میں کتنے واسطے یا پشت ہیں اس میں اختلاف ہے یعنی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے "عدنان" تک جو حضرت کے جد اعلیٰ ہیں بیس کے قریب واسطے ہیں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی عدنان ہی تک اپنا سلسلۂ نسب بیان کرتے اور اس کے بعد کیلئے کذب النسابون (مورخین انساب نے جھوٹ کہا ہے) ارشاد فرماتے تھے چنانچہ مذاہب لدنیہ عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب۔ صحاح الاخبار وغیرہ میں لکھا ہے کان النبی صلعم ینتسب الیٰ عدنان و بعد ذالک یقول کذب النسابون۔

"عدنان" سے اوپر حضرت ابراہیم علیہ السلام تک کتنے واسطے ہیں اور ان کے نام کیا کیا ہیں اس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی صحیح روایت مروی نہیں ہے اور مورخین انساب کے بیانات میں بھی زیادہ اختلاف ہے کسی روایت میں عدنان اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان صرف چھ ۶ واسطے ہیں اور کسی میں نو ۹ کسی میں پندرہ ۱۵ کسی میں تیس ۳۰ کسی میں چالیس ۴۰ بیان کئے گئے ہیں (عمدۃ الطالب) پس ظاہر ہے کہ چالیس سے کم کی تمام روایتوں میں سے کسی میں بیس ۲۰ کسی میں پچیس ۲۵ کسی میں چونتیس ۳۴ نام چھوٹ جاتے ہیں۔

عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب میں جس کو مولف صاحب ہدیہ دوسری کتب انساب کے مقابلہ میں گویا زیادہ معتبر سمجھتے ہیں اور اسی کے قول سے اس بحث میں حجت لی ہے روایات میں کثیر اختلاف ہونا ظاہر کرتے ہوئے ان روایتوں میں نو ۹ واسطوں والی روایت کو علماء انساب کے پاس مشہور بتایا ہے چنانچہ لکھا ہے کہ

وفیما بین عدنان وابراهیم علیه السلام اختلاف کثیر وقد اشتهر فیما بین النسابِ انه ابن اد بن ادد بن الیسع بن الهمیسع بن سلامان بن النبت بن حمل

عدنان اور ابراہیم علیہ السلام کے درمیان وسائط میں بہت اختلاف ہے علما انساب کے پاس مشہور یہ ہے کہ عدنان بن اد بن ادد بن الیسع بن الہمیسع بن سلامان بن النبت بن حمل

بن قیدار[9] بن اسمٰعیل[10] بن ابراھیم[11] | بن قیدار بن اسمٰعیل بن ابراہیم ۔

اس مشہور روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس میں چھ[6] واسطوں والی روایت کے نظر کرتے تین واسطے اضافہ ہیں اور نو[9] سے زیادہ واسطوں والی دوسری روایتوں کے مقابلہ میں اس میں چھ[6] یا گیارہ[11] یا سولہ[16] یا اکتیس[31] واسطے چھوٹ گئے ہیں جن کو دوسروں نے بیان کیا ہے

اسی عمدۃ الطالب میں "کلبی" کی چالیس واسطوں والی جو روایت لکھی ہے اس سلسلۂ نسب میں "اُد" اور "یسع" کے نام نہیں ہیں اور عدنان کو آدد کا بیٹا لکھا ہے یعنی عدنان کو ان کے دادا کی طرف منسوب کیا اور باپ کا نام چھوڑ دیا ہے اور دوسری روایتوں کے خلاف عدنان کو حمل بن قیدار بن اسمٰعیل کے عوض عرام بن قیدار بن اسمٰعیل کی اولاد بنایا ہے ۔

اسی عمدۃ الطالب میں بعض اہل کتاب کی روایت سے جو سلسلہ یا شجرہ عدنان سے قیدار تک نقل کیا گیا ہے اس میں عدنان کو سمیع بن قیدار کی اولاد بنایا ہے اور اس کے بطنوں یا پشتوں کی تعداد اگرچہ "کلبی" کی بیان کردہ تعداد کے قریب ہے لیکن اس سلسلہ کے مندرجہ نام اسلامی روایتوں خصوصاً کلبی کی روایت کے مندرجہ ناموں سے بوجہ اختلافِ السنہ یا اور دوسری وجوہ اختلاف کے باعث اس قدر مختلف ہیں کہ دونوں کو مقابلۃً دیکھنے سے یہ نہیں خیال کیا جا سکتا کہ یہ دونوں شجرے ایک ہی شخص یا ایک ہی خاندان کے ہوں گے ۔

بعض معاندین اسلام نے انہی اختلافات کی بنا پر اور خاص کر اہل کتاب کے بیان کردہ اسمائے سلسلہ سے اسلامی روایتوں کے اسمائے سلسلہ کے مطابق نہ ہونے کی وجہ سے اس سلسلۂ نسب کو غیر صحیح قرار دیا ہے اور حضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے اولاد اسمٰعیل بن ابراہیم (علیہما السلام) ہونے کا انکار[عله] کیا اور آپ کے سلسلۂ نسب کو من گھڑت سلسلہ کہا ہے۔

عله مجیب علامہ کے اس بیان کی توضیح یہ ہے کہ حضرت نبی عربی محمد مصطفی صلعم کے متعلق توریت و انجیل میں جو بشارتیں آئی ہیں ان میں سے توریت کی ایک بشارت کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام کو خطاب کر کے فرماتا ہے کہ میں ان (بنی اسرائیل) کے لئے ان کے بھائیوں کی اولاد میں سے تیرے جیسا ایک نبی

لیکن ان تمام اختلافات کے باوجود سب مسلمان آنحضرت (ارواحنا فداہ) کے اولادِ ابراہیم ہی سے ہونے کا اعتقاد جازم رکھتے ہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قبیلۂ قریش سے ہونا اور قریش کا اسمٰعیل بن ابراہیم علیہما السلام کی اولاد ہونا مشہور اور متواتر ہے پس اس شہرت و تواتر کے مقابلہ میں جو تمام تاریخوں اور خصوصاً تاریخ انساب کا اصل اصول اور ماخذ ہے کسی مورخ کے بیان یا کسی روایت میں کوئی ایک یا کئی نام مذکور نہ ہونے سے حضرت کے اولاد اسمٰعیل ہونے میں کوئی شبہ لاحق نہیں ہوسکتا خصوصاً جبکہ تمام مختلف روایتوں کا جزء مشترک یہی برآمد ہوتا ہو کہ وہ سب کے سب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام) ہی کو پہنچتے ہیں تو درمیانی واسطوں کی تعداد کی کمی وزیادتی کا یا ان کے ناموں کے اختلاف کا کوئی اثر نہیں پڑسکتا چنانچہ علمائے انساب نے بھی یہی تصریح کی ہے کہ درمیانی وسائط خواہ زیادہ لکھے گئے ہوں یا مختصر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ابراہیمی النسب ہونا قطعی ہے۔ "صحاح الاخبار فی نسب السادۃ الفاطمیۃ الاخیار" میں عدنان اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان نو اور چالیس پشت کا اختلاف ذکر کرکے لکھا ہے کہ

وکان النبیؐ ینتسب الی عدنان وبعد ذالك یقول کذب النسابون وقد ذکرت اقوال النسابۃ لیدرك ان نبینا علیه الصلوٰۃ والسلام ابراهیمی النسب وان طال او قصر عمود الحسب

حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم عدنان تک نسب بیان کرتے اور اس کے بعد کذب النسابون (مورخین انساب نے جھوٹ کہا ہے) فرماتے تھے۔ ہم نے مورخین انساب کے اقوال کو ذکر کردئے ہیں تا معلوم ہوجائے کہ خواہ وسائط طویل ہوں خواہ مختصر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابراہیمی النسب ضرور ہیں۔

بقیہ حاشیہ صہ ۱۵ ؎ ۔مبعوث کروں گا" (توریت۔ کتاب پنجم باب ۱۸) یہودی وعیسائی حجت کرتے ہیں کہ وہ نبی بنی اسرائیل ہی میں سے ہوگا۔ مگر مسلمان یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ بشارت میں بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے اس نبی کو مبعوث کرنے کا وعدہ ہے اور بنی اسرائیل کے بھائی بنی اسمٰعیل (عرب) ہی ہیں اور بنی اسماعیل میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی اور نبی ظاہر ہی نہیں ہوا لہذا اس بشارت کے مصداق آپ ہی ہیں مسلمانوں کی اس دلیل کی تردید میں بعض معاندین اسلام نے حضرت نبی عربی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اولاد اسماعیل ہونے کا انکار کرتے ہوئے حضرت کے سلسلۂ نسب پر من گھڑت سلسلہ ہونے کا طعن کیا ہے چنانچہ

ایسا ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے حضرت نوح علیہ السلام تک جتنے واسطے ہیں ان کی نسبت تین روایتیں ہیں ان میں سے جو روایت مشہور ہے اس میں نوُ واسطے ہیں (عمدۃ الطالب)۔ اسی طرح حضرت نوحؑ سے حضرت آدمؑ تک جس قدر بطن یا پشت ہیں ان کے متعلق پانچ روایتیں ہیں جن میں سے دسؔ واسطے ہونا زیادہ مشہور ہے۔ (عمدۃ الطالب)

غرض اس طرح کے اختلافات دوسرے انبیاء علیہم السلام کے سلسلہ ہائے نسب میں بھی پائے جاتے ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے علاوہ ائمہ اہل بیت کے سلسلہ ہائے انساب میں بھی اسی طرح کی مختلف روایتیں مروی ہیں ان کی اولاد کی تعداد۔ ان کے نام اور ان کی اولاد الاولاد کی تعداد اور ان کے ناموں کی تفصیل میں مورخین انساب کے بیانات مختلف ہیں جس مورخ کو جس قدر تحقیق ہوئی اس نے وہی اور اسی قدر بتائی ہے۔ اور دوسرے مورخ کی تحقیق میں جو ثابت ہوا اس نے اپنی تحقیق کے مطابق اسی قدر تعداد اور نام لکھے ہیں۔

حضرت امامنا مہدیؑ موعود علیہ السلام کے سلسلۂ نسب کی روایتوں میں بھی تھوڑا سا اختلاف پایا جاتا ہے۔ مطلع الولایت اور شواہد الولایت کی روایت میں "اسماعیل بن نعمت اللہ بن موسیٰ کاظم" درج ہے لیکن سلطان النصیر۔ سراج منیر وغیرہ کتب سیر میں "نعمت اللہ بن اسماعیل بن موسیٰ کاظم" لکھا ہے۔ تاریخ سلیمانی وغیرہ میں اسی آخری روایت کو مشہور و مختار بتایا ہے۔ غور کیا جائے تو زیادہ سے زیادہ یہ ایک انقلاب کی صورت ہے کہ ناموں میں تقدم و تاخر ہو گیا ہے یا پوتے کو دادا کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔

جن روایتوں میں سید نعمت اللہ کو امام موسیٰ کاظم کا بیٹا لکھا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ اصل میں سید نعمت اللہ امیر اسماعیل کے اور امیر اسماعیل امام موسیٰ کاظم کے فرزند ہیں۔

بقیہ حاشیہ ص ۱۶:۔ "سر ولیم میور" نے لائف آف محمد میں لکھا ہے۔

یہ خواہش کہ مذہب اسلام کے پیغمبر کو اسمٰعیل کی اولاد میں سے خیال کیا جائے اور غالباً یہ کوشش کہ وہ اسمٰعیل کی نسل میں سے ثابت کئے جائیں ان کی عین حیات میں پیدا ہوئی تھی اور اس طرح پر محمد کے ابراہیمی نسب نامہ کے ابتدائی سلسلے گھڑے گئے تھے اور ابراہیم و اسمٰعیل اور بنی اسرائیل کے بیشمار قصے نصف یہودیانہ اور نصف عربی سانچے میں ڈھالے گئے تھے؟ (خطبات احمدیہ۔ خطبہ عاشر) ؁ ۱۲: شہاب بن نصرت عفرلہما۔

لیکن سید نعمت اللہ کو خرد سالی ہی سے امام موسیٰ کاظمؒ نے فرزند کی طرح پرورش کیا اور سید نعمت اللہ دادا ہی کو باپ کہتے تھے۔ عرب میں اس کی بہت سی نظیریں ملتی ہیں کہ دادا اپنے پوتے کو "ابنی" اور پوتا اپنے دادا کو "ابی" پکارا گئے ہیں۔ نیز سلسلہ ہائے انساب میں اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں کہ درمیانی ایک یا کئی نام چھوڑ کر پوتے کو دادا کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے چنانچہ حضرت رسول اللہ صلعم نے انا ابن عبد المطلب فرمایا ہے اور آپ امام حسن وامام حسین کو ابنی پکارتے تھے خود حضرت کے سلسلۂ نسب میں بھی اس کی مثال موجود ہے کہ "کلبی" کی روایت میں حضرت کے جدِ اعلیٰ "عدنانؑ کو عدنان بن اُدد" لکھا ہے حالانکہ دوسری روایتوں کے لحاظ سے "اُدد" عدنان کے دادا ہیں اور اصل سلسلہ "عدنان بن اُد بن اُدد" ہے یعنی عدنان کے باپ کا نام چھوڑ کر ان کو ان کے دادا "اُدد" کا بیٹا کہا گیا ہے پس بعض نسب ناموں میں سید نعمت اللہ کو ابن موسیٰ کاظم لکھنے کی یہی صورت ہے۔

مولف صاحب ہدیہ انھی غیر مسلم معاندین اسلام کے نقش قدم پر گام زن ہوئے ہیں جنھوں نے اختلافِ روایات کو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی نفئ نسب کی وجہ قرار دی ہے چنانچہ مولف صاحب نے بھی اپنی تنگ نظری سے مہدویہ کی پہلی روایات ہی پر اپنی تمام ہرزہ سرائی کی بنا رکھی ہے اور دوسری روایت کا نام تک نہیں لیا ہے حالانکہ خود مولف صاحب نے ہدیہ میں اقرار کیا ہے کہ جناب مولوی سید عیسیٰ عالم میاں صاحب سے انھوں نے اس سلسلۂ نسب کی نسبت دریافت کیا اور جناب ممدوح نے اس انقلاب سے مولف ہدیہ کو ہدیہ کی تالیف سے پہلے ہی آگاہ فرمایا تھا چنانچہ خود مولف صاحب لکھتے ہیں کہ

"ایک روز عالم میاں مصنف رسائل جدیدۂ مہدویہ سے راقم الحروف نے پوچھا کہ نسب مہدی کہ تمہاری کتابوں میں مسطور ہے اس میں کچھ شبہ وشک تو نہیں بولے دریں چہ شک میں نے کہا اس سند میں کہیں انقطاع تو نہیں بولے ہرگز نہیں مگر اتنا ہے کہ ایک جائے پر اس میں انقلاب ہے کہ اسمٰعیل بن نعمت اللہ جو لکھا ہے وہ نعمت اللہ بن اسمٰعیل ہے۔

(ہدیہ مہدویہ صفحہ ۵۱)

اس آگاہ کرنے کے باوجود مولف صاحب ہدیہ کو اس کی تحقیق کی توفیق نہیں ہوئی اور شیطان نے آپ کی راہ ماری اور یہ خیال کر لیا کہ

"جناب عالم میاں صاحب بات بنانے کو یہ کہہ رہے ہیں شاندان کو یہ پتہ چل گیا ہے کہ امام موسیٰ کاظم کو نعمت اللہ کوئی فرزند نہیں ہے"

مولف صاحب صرف اس ذرا سے تقدم و تاخر پر اس قدر چراغ پا ہوکر جو بدگوئی و بدزبانی پر اُتر آئے ہیں حضرت محمد صلعم کے مذکورہ سلسلوں میں بطنوں کی تعداد اور ان کے ناموں میں جو کثیر اختلافات ہیں اور کئی کئی نام جو بالکلیہ چھوٹ گئے ہیں ان کے نظر کرتے کیا تعجب ہے کہ مولف صاحب ہدیہ اپنے اسی اصول کے تحت حضرت محمد مصطفیٰ صلعم کے اولاد ابراہیم علیہ السلام سے ہونے کا انکار کر بیٹھیں

خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا جس کے متعلق بعد میں ضروری مباحث ان کے موقعوں پر ہوں گے۔ مولف صاحب ہدیہ نے جس طرح مہدویہ کی ایک ہی روایت پر اپنی تمام ہرزہ سرائی کی بنا رکھی ہے اور دوسری روایت کو بالکل نظرانداز کر دیا ہے اسی طرح امام موسیٰ کاظم کی اولاد کے متعلق بھی صرف ایک ہی روایت پر اپنی تمام بحث کا مدار رکھا ہے اور دوسری روایتوں کو پس پشت ڈال دیا ہے جو خلاف تحقیق ہے۔ مولف صاحب نے مہدویہ کے عناد میں یہ خیال تک نہیں کیا کہ اس طرح کی بے اصول نکتہ چینی سے نہیں کی بنا کسی ایک ہی روایت پر ہو معاندین اسلام کے جو اعتراضات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلۂ نسب پر کئے گئے ہیں وہ سب ثابت و متحقق ہو جاتے ہیں اور کوئی مسلمان مولف صاحب کے اس غلط اصول کا پابند رہ کر ان اعتراضات کا جواب کس طرح ادا کر سکتا ہے۔؟

مولف صاحب نے اسی عناد مہدویہ کے جوش میں اس حقیقت کو بھی فراموش کر دیا ہے کہ علمائے انساب کے مذکورہ بیانات کے مطابق جبکہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلۂ نسب کی نسبت مورخین انساب کی روایتوں میں اختلاف ہونے اور کئی کئی نام چھوٹ جانے کے باوجود آنحضرت صلعم کا ابراہیمی النسب ہونا تسلیم و تواتر کی بنا پر ثابت ہو سکتا ہے اور سلسلہ کے درمیانی نام خواہ زیادہ ہوں یا کم ہوں کل سب سلسلے اسمٰعیل علیہ السلام ہی کو پہنچتے ہیں اسلئے ہی ایک وجہ حضرت کے ابراہیمی النسب ہونیکے

ثبوت میں کافی ہے تو حضرت امامنا مہدی موعود علیہ السلام کے فاطمی النسب ہونے یا آپ کے اثبات سیادت کیلئے وہی شہرت و تواتر کیوں کافی نہیں ہے؟ اور جبکہ دونوں روایتوں کے لحاظ سے خواہ "اسماعیل بن نعمت اللہ بن امام موسیٰ کاظمؒ کہا جائے یا نعمت اللہ بن اسمٰعیل بن امام موسیٰ کاظمؒ" دونوں صورتوں میں آخر امام موسیٰ کاظم ہی کو سلسلہ پہنچتا ہے اور دونوں روایتوں کا جزء مشترک حضرت امامنا علیہ السلام کا امام موسیٰ کاظم کی اولاد سے ہونا برآمد ہوتا ہے تو یہ حضرت کے فاطمی النسب ہونے کیلئے کیوں کافی نہیں ہے؟ کیونکہ یہاں تو تھوڑا انقلاب تقدم و تاخر ہے نہ کئی کئی نام چھوٹے ہیں نہ کوئی نام ہی بدلے ہیں۔

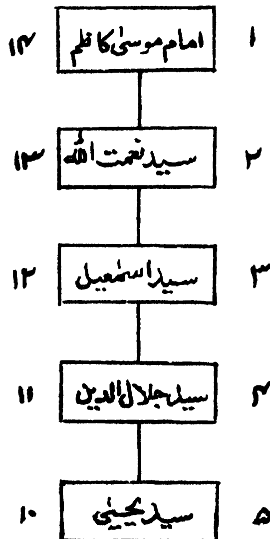
خدا کی قدرت دیکھو اور اس کو حضرت امامنا خاتم الاولیا علیہ السلام کا معجزہ سمجھو۔ اسی موقع پر جبکہ مورخین انساب کی سہو نظریوں کی یہ بحث درپیش ہے کہ کسی نے کوئی نام چھوڑ دیا ہے یا کسی نے پوتے کو اس کے باپ کا نام لئے بغیر اس کے دادا کی طرف منسوب کر دیا ہے یا کسی نے باپ کی جگہ بیٹے کا نام لکھ دیا ہے اسی قسم کی غلطیوں کی ایک بدیہی مثال خود مولف صاحب ہدیہ سے یہ سرزد ہوگئی ہے کہ انھوں نے "کتاب مطلع الولایت" کو سید قاسم بن سید یوسف کی تصنیف بتایا ہے حالانکہ وہ حضرت سید قاسم رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف نہیں بلکہ آپ کے والد ماجد حضرت سید یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔ اگر کوئی شخص مولف صاحب کے اصول پر عمل کر کے صرف اسی غلط بیان پر بھروسہ کر لے اور دوسری روایتوں سے اس کی تحقیق نہ کرے جیسا کہ مولف صاحب ہدیہ کا عمل ہے تو وہ غلط فہمی کی گھٹا ٹوپ تاریکی میں ہمیشہ کے لئے پڑا رہے گا اور اس سے نکلنے کی کوئی سبیل بھی نہ ہوگی۔ گویا قدرت ازغیب یہ تنبیہ کر رہی ہے کہ سہو و خطا لازمۂ بشریت ہے جس طرح تم انسان ہو مورخین انساب بھی انسان ہی تھے جس طرح تم نے باپ کی جگہ بیٹے کا نام لکھ دینے کی غلطی کی ہے اسی طرح اگر مورخین انساب سے ایسی ہی غلطیاں ہوئی ہیں اور ہو سکتی ہیں تو غلطی غلطی ہی ہے وہ قابل حجت نہیں ہوتی۔

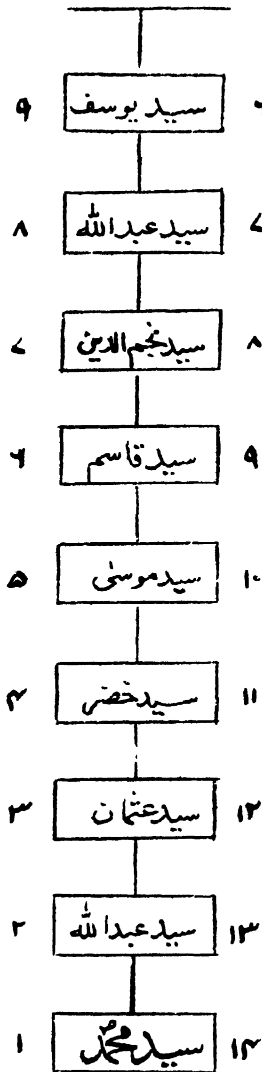
اس کے بعد امام موسیٰ کاظم کی وفات اور امامنا علیہ السلام کی ولادت میں چھ سو چونسٹھ (۶۶۴) برس کی مدت اور امامین علیہما السلام کے درمیان بارہ پشت ہونا اور ہر شخص کا چھپن برس کی عمر میں صاحب اولاد ہونے کا نتیجہ نکالنا وغیرہ قیاس آرائیاں جو مولف صاحب ہدیہ نے کی ہیں ان میں ناظرین انصاف پسند کے لئے کئی امور قابل غور ہیں۔

اولاً اگر چھ سو چونسٹھ (۶۶۴) برس کو بارہ پر تقسیم کیا جائے تو خارج قسمت پچپن برس (۵۵) برس چار مہینے برآمد ہوتے ہیں چھپن برس نہیں ہوتے جتنے حسابات چھپن برس سے لگائے گئے ہیں وہ سب غیر صحیح ٹھہرتے ہیں
ثانیاً امامین کی وفات و پیدائش کی درمیانی مدت بھی چھ سو اکسٹھ (۶۶۱) ہوتی ہے اس واسطے کہ امام موسیٰ کاظم کا انتقال ۱۸۶ھ میں ہوا ہے جیسا کہ شواہد النبوۃ میں لکھا ہے کہ

ومات فی حبس هارون الرشید ببغداد یوم الجمعة بخمس خلون من رجب سنة ست وثمانین ومائة من الهجرة	آپ نے ہارون الرشید کی قید میں مقام بغداد میں جمعہ کے روز ۵/ رجب ۱۸۶ھ کو رحلت فرمائی ہے۔

پس مولف صاحب ہی کے اصول پر اس روایت کے نظر کرتے ۱۸۶ھ سے ۸۴۷ھ تک جو امامنا علیہ السلام کا سنہ ولادت ہے چھ سو اکسٹھ (۶۶۱) برس ہوتے ہیں۔
ثالثاً مولف صاحب نے جو بارہ پشت پر حساب کیا ہے وہ بھی صحیح نہیں ہے اسکی توضیح یہ ہے کہ خود مولف صاحب نے جو سلسلۂ نسب "مدیہ" میں لکھا ہے اس کے نظر کرتے امامنا علیہ السلام حضرت امام موسیٰ کاظم سے چودھویں پشت پر ہیں۔ چنانچہ اس میں جو انقلاب یا تقدم و تاخر ہو گیا ہے اُس سے اِس وقت قطع نظر کر کے یہاں اسی سلسلہ کے ناموں کو شجرہ کے طور پر درج کیا جاتا ہے تاکہ ان بطنوں یا پشتوں کی صحیح تعداد معلوم ہو سکے۔





دیکھو اس سلسلہ کے ناموں پر دو طرح سے نمبر لگائے گئے ہیں۔ ایک طرف اوپر کی پشت سے آخری پشت تک دوسری طرف آخری پشت سے اوپر کی پشت تک لیکن خواہ اوپر سے نیچے کی طرف گنتے جاؤ یا نیچے سے اوپر کو شمار کرو دونوں صورتوں میں ثابت ہوتا ہے کہ حضرت امامنا علیہ السلام سے حضرت امام موسیٰ کاظم تک چودھویں پشت ہے۔

مولف صاحب نے ان پشتوں کے گننے میں امام موسیٰ کاظم اور امامنا علیہ السلام کے

نام بالکل چھوڑ دئے ہیں اور صرف درمیانی پشت گن کر بارہ پشت بتائی ہیں۔ مگر مدت شمار کرنے میں ایک طرف امام موسیٰ کاظم اور دوسری طرف امامنا علیہ السلام کے نام شمار کرلئے ہیں کیونکہ ان میں سے ایک امام کی وفات اور دوسرے امام کی ولادت سے حساب لگایا گیا ہے حالانکہ یہ بات صاف واضح ہے کہ سلسلہ کے اول و آخر نام چھوڑ کر اگر بارہ پشت گنی جاتی ہیں تو مدت کا حساب بھی انھی درمیانی بارہ پشت ہی تک کرنا چاہئے اور جب پورے چودہ پشتوں کی مدت محسوب کی جارہی ہے تو پشتوں کی بھی پوری تعداد لینا اور اس مدت کو چودہ۱۴ یا طرف اول یا طرف آخر میں سے کسی ایک کو محسوب نہ کرنے کی صورت میں کم از کم تیرہ۱۳ بطن پر تقسیم کرنا چاہئے اس کو بارہ پر تقسیم کرنا کبھی صحیح نہیں۔

پس امام موسیٰ کاظم کی وفات سے امامنا علیہ السلام کی ولادت تک چھ سو کسٹھ۶۶۱ برس کی مدت کو چودہ۱۴ یا کم از کم تیرہ۱۳ پر تقسیم کریں تو پہلی صورت میں نتیجہ سینتالیس سال اور دوسری صورت میں پچاس۵۰ سال دس مہینے برآمد ہوتا ہے چھپن۵۶ سال کسی طرح نہیں ہوتے۔

رابعاً مولف صاحب کا یہ مفروضہ خیالی ڈھکوسلہ کہ "اگر کسی نے کم عمر مثلاً تیس برس میں جنا تو ضرور ہوا کہ دوسرا بیاسی۸۲ برس بعد جنے" مذہبی نقطہ نظر کے قطع نظر سرسری اصول ریاضی کے مدنظر بھی سراسر مہمل اور بے اصل ہے چنانچہ ہم تیرہ بطن کی چند مثالیں ایسی بتاتے ہیں کہ اگر کوئی تیس برس یا اس سے کم میں بھی صاحب اولاد ہو تو تب بھی کوئی پشت ستر سے نہیں بڑھتی ذیل کی جدول نموتہً ملاحظہ فرمائیے۔

جدول صفحہ ۲۴ پر ملاحظہ ہو

بطنوں کا شمار	عمروں کی جدول				
۱	۱۹	۴۰	۱۲	۱۸	۱۵
۲	۲۱	۴۲	۲۲	۲۸	۲۳
۳	۳۸	۴۳	۳۳	۳۵	۳۰
۴	۴۷	۴۵	۴۴	۳۸	۳۵
۵	۴۸	۴۶	۵۵	۳۹	۵۵
۶	۴۹	۴۷	۵۷	۴۷	۵۷
۷	۵۶	۴۸	۵۹	۵۸	۵۹
۸	۵۷	۵۰	۶۰	۵۹	۶۰
۹	۵۹	۵۲	۶۱	۶۵	۶۱
۱۰	۶۰	۵۴	۶۳	۶۷	۶۳
۱۱	۶۸	۵۷	۶۴	۶۸	۶۵
۱۲	۶۹	۶۸	۶۵	۶۹	۶۸
۱۳	۷۰	۶۹	۶۶	۷۰	۷۰
	۶۶۱	۶۶۱	۶۶۱	۶۶۱	۶۶۱

اس جدول میں اعداد بارہ(۱۲)۔ پندرہ(۱۵)۔ اٹھارہ(۱۸)۔ انیس(۱۹)۔ چالیس(۴۰)۔ موجود ہیں۔ لیکن کوئی پشت ستّر سے متجاوز نہیں ہوئی ہے اور تمام تیرہ پشتیں اس مدت چھ سَو اکسٹھ(۶۶۱) میں پوری ہوجاتی ہیں۔ اگرچہ ہم نے مرتبۂ انتہائی سَتّر کو قرار دیا ہے لیکن پیر نود سالہ کو بھی اولاد ہوتی ہے۔ اس کے مقابل نظر بحال طاعن (مولف ہدیہ) تو ایام طفلی وجوانی وزمانۂ پیری سب کا ایک عالم ہے کہ تصورِ اولاد مانندِ مشتِ خاک برباد ہے[عہ]۔

عہ۔ مولف صاحب "ہدیۂ مہدویہ" نے عمر بھر شادی نہیں کی اور وہ نعمت اولاد سے محروم رہے مجیب علا نے اسی کی طرف یہ لطیف اشارہ فرمایا ہے ۱۲ شہاب بن نصرت غفرلہما

الحاصل مولف صاحب ہدیہ کا یہ قول کہ

"ہر شخص چھپین برس ہی کی عمر میں بیٹا جننا چاہیئے اگر کوئی تیس برس میں
صاحب اولاد ہوے تو دوسری پشت والا بیاسی برس کا بوڑھا ہو کر
بیٹا جنے تاکہ اس مدت میں یہ بارہ پشت پورے ہوں"

عقل و فہم سے دور اور رائے صائب سے بے بہرہ انسانوں کی ہفوات سے مشابہ ہے۔

جب یہ حیرت و استعجاب دامنگیر ہوا کہ مولف کے جیسے ضعیف العقل شخص جو ادنیٰ مقدمۂ علم انساب و ریاضی کے سمجھنے میں اس قدر قاصر ہوا علیٰ مدارج پر کس طرح فائز ہو سکا تو یہ خیال آتے ہی لسان الغیب حافظ شیرازی سے اس تحیر و استعجاب کا یہ جواب ملا کہ

ابلہاں راہمہ شربت زگلاب و قند است — قوت دانا ہمہ از خون جگر می بینم
اسپ تازی شدہ مجروح بزیر پالاں — طوق زریں ہمہ در گردن خر می بینم

خاصۃً یہ بحث تو مولف صاحب کے اختراعی مفروضہ کی غلطیوں سے متعلق تھی ورنہ مذہبی و دینی نقطۂ نظر سے ایک راسخ الاعتقاد مسلمان کے نزدیک اولاد کا مسئلہ خالق قدیر کی موہبت و مشیئت پر موقوف ہے وہ جس کو چاہے اور جب چاہے اولاد ذکور یا اناث یا دونوں عطا فرماتا ہے اور جس کو چاہے لاولد اور عقیم رکھتا ہے۔ اس میں بزرگوں کی تقلید یا زمانہ کی تقنید یا قیاس و تخمین کو مطلق دخل نہیں ہے جیسا کہ ارشاد ہوئے۔

لله ملك السموات والارض يخلق ما يشاء يهب لمن يشاء اناثا ويهب لمن يشاء الذكور او يزوجهم ذكرانا واناثا ويجعل من يشاء عقيما انه عليم قدير۔ (۲۵ - ۶ - شوریٰ)	آسمانوں اور زمین کی حکومت اللہ ہی کو حاصل ہے۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جس کو چاہے اولاد اناث اور جس کو چاہے اولاد ذکور یا دونوں ملا کر عطا کرتا ہے اور جس کو چاہے بانجھ یعنی لاولد رکھتا ہے۔ وہ زیادہ جاننے والا اور قدرت والا ہے۔

زیادہ عمر میں اولاد ہونے کا مسئلہ جو مولف صاحب ہدیہ کے لئے نسب صحیح کے انکار کا باعث ہو رہا ہے اسی موہبت و قدرت الٰہی سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کی ایسی متعدد مثالیں موجود ہیں جن کا دینی لحاظ سے کوئی مسلمان انکار نہیں کر سکتا۔ البتہ

ے۔ مولف صاحب ہدیہ حیدرآباد میں حضور آصف جاہ سادس کے اتالیق مقرر کئے گئے تھے۔ ۱۲ شہاب بن نصرت غفرلہا

مولف صاحب ہدیہ کے نزدیک وہ سب یقیناً نسب صحیح میں شمار نہ ہوں گے کیونکہ آپ کے خیال فاسد میں زیادہ عمر میں اولاد ہونے سے نسب کی صحت میں شبہ لاحق ہوجاتا ہے۔

مثال کے طور پر دیکھو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نوّد (۹۰) سال کی عمر میں حضرت اسماعیل علیہ السلام تولد ہوئے ہیں جیسا کہ ابن سعد نے واقدی سے روایت کی ہے۔ حضرت اسحاق علیہ السلام جس وقت پیدا ہوئے ہیں بی بی سارہ کی عمر بروایت ابن اسحاق نوّد (۹۰) برس اور بروایت مجاہد ننانوے (۹۹) برس کی تھی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر بروایتِ مجاہد سو برس اور بروایتِ ابن اسحاق ایک سو بیس (۱۲۰) برس تھی (دیکھو معالم التنزیل)

اللہ تعالیٰ نے اسی واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ جب ملائکہ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے بی بی سارہ کو اولاد کی بشارت دی تو بی بی سارہ نے اپنی اور حضرت ابراہیمؑ کی کبر سنی کا اس طرح ذکر کیا کہ

قالت یا ویلتیٰ ءَاَلِدُ واَنا عجوز وھذا بعلی شیخا انّ ھذا لشئ عجیب (۱۷۔۷۔ ہود)	سارہ نے کہا کم بختی کیا مجھے اولاد ہوگی حالانکہ میں بوڑھی ہوگئی ہوں اور یہ میرے شوہر بھی بوڑھے ہیں یہ تو عجیب بات ہے۔

ملائکہ نے اس کے جواب میں وہی خدا تعالیٰ کی قدرت کا مسئلہ پیش کردیا ہے کہ

قالوا اتعجبین من امر اللہ رحمة اللہ وبرکاته علیکم اھل البیت انه حمید مجید۔ (۱۲۔۷۔ ہود)	فرشتوں نے کہا کیا تم خدا کی قدرت سے تعجب کرتی ہو۔ اے اہل بیت تم پر اللہ کی رحمت و برکات نازل ہوں وہی سزاوار حمد اور بزرگ و برتر ہے۔

اگر کوئی کہے کہ یہ تو معجزہ تھا جو ابراہیم علیہ السلام سے ظاہر ہوا تھا تو ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ باوجود مدت زیادہ ہونے کے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسباً اقرب الناس ہونا یعنی واسطے کم ہوکر زیادہ عمر میں صاحب اولاد ہوجانا تسلیم کرلیا جائے تو یہ بھی حضرت خاتم الاولیا امام مہدی علیہ السلام کا معجزہ ہے اس پر بھی کسی عادت پرست کوتہ نظر کو مجال اعتراض نہیں۔

سادساً مولف صاحب کا یہ قول کہ "یہ مقدمہ نہایت غریب و نادر ہے کسی دوسرے کے نسب صحیح میں دنیا میں ایسا نہ ہوا ہوگا" آپ کی تنگ نظری اور

کج فہمی کا بین ثبوت ہے کیونکہ اس سے یہ دعویٰ ہمہ دانی ٹپک رہا ہے کہ گویا آپ نے دنیا بھر کے انساب کا پورا جائزہ لے لیا ہے اور آپ کی محدود دانست میں کسی دوسرے کے نسب صحیح میں ایسا ہوا ہی نہیں ہے۔ اگر مولف صاحب کے نزدیک صحیح نسب کا انحصار اسی پر ہے اور کسی نسب کی صحت کے جانچنے کا یہی اصول ہے تو آپ کو تمام دنیا بھر کے انساب کی جھڑتی لینے کی ضرورت نہیں ہم آپ ہی کے معتقد علیہ ذوات مقدسہ کی ایسی مثالیں بتاتے ہیں جو آپ کی پیش کردہ صورت سے بھی زیادہ غریب و نادر ہیں۔

اس کے ساتھ ہی ناظرین کرام کو یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے کہ ہم جو کچھ لکھ رہے ہیں وہ ہمارا ذاتی خیال نہیں بلکہ مولف صاحب ہدیہ کے اختراعی اصول کا اعادہ یا نقل کلام ہے۔ اس کا وبال بھی مولف صاحب ہی کی گردن پر ہے۔

کتاب "عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب" مولف صاحب ہدیہ کے پاس بڑی معتبر کتاب ہے اور انھوں نے اپنے تمام بے سروپا اعتراضات کا دارومدار "عمدۃ الطالب" ہی پر رکھا ہے۔ ہم اسی کتاب سے ایک مثال پیش کرتے ہیں جس کا مولف صاحب انکار نہیں کرسکتے۔

"عمدۃ الطالب" میں حضرت پیغمبر اسلام محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے "عدنان" تک جو سلسلہ لکھا ہے اُس سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور عدنان کے درمیان بیس پشت ہیں۔ صاحب عمدۃ الطالب ہی نے عدنان اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان نو واسطوں والی روایت کو علمائے انساب کے پاس مشہور روایت ہونا لکھا ہے۔ پس اس مشہور روایت اور اس حساب کے نظر کرتے حضرت سرور کائنات محمد مصطفیٰ صلعم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مابین انتیس ۲۹ اور بشمول عدنان تیس ۳۰ پشت ہوتی ہیں۔ عمدۃ الطالب ہی میں لکھا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی وفات اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت میں دو ہزار چھ سو دس ۲۶۱۰ سال کے قریب ہیں۔

اب مولف صاحب ہدیہ کے اختراع کردہ اصول کے موافق ان دونوں میں نسبت دیکھی جائے تو گویا اس سلسلہ میں ہر شخص سنتیاسی سال کا بوڑھا ہوکر صاحب اولاد ہونا لازم آتا ہے اور یہ بھی کہ اگر کوئی اس سے کم عمر میں صاحب اولاد ہوا ہو مثلاً چھپن ۵۶ سال ہن

میں جو مولف صاحب کی پیش کردہ مدت ہے اگر کوئی بیٹا جنا ہو تو دوسری پشت والے کو ایک سو اٹھارہ ۱۱۸ سال کی عمر میں جننا پڑے گا تا کہ یہ دو ہزار چھ سو دس ۲۶۱۰ سال کی مدت میں یہ تیس پشت پوری ہو جائیں۔ کیا یہاں بھی مولف صاحب ہدیہ یہی درفشانی کریں گے کہ "یہ مقدمہ نہایت غریب و نادر ہے کہ کسی دوسرے کے نسب صحیح ہیں دنیا میں ایسا نہ ہوا ہوگا" کیونکہ چھبیس سال میں جو غرابت و ندرت تھی یقیناً ستیاسی سال میں تو اس سے زیادہ غرابت وندارت ہے خصوصاً اس اعتبار سے بھی "عمدۃ الطالب" کے خود مولف نے یہ سلسلہ لکھکر یہ تصریح بھی کی ہے کہ

وتناسق ھذا الولادت فی مقدار ھذہ المدۃ مستنکر۔	ان ولادتوں یعنی بطنوں کا اس قدر مدت میں ہونا نادر (قابلِ انکار) ہے

مولف صاحب ہدیہ کے اسی مخترعہ اصول کے موافق اسی سلسلۂ نسب کو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ختم نہ کرکے حضرت آدم علیہ السلام تک دیکھا جائے اور کسی ایک ہی روایت کو لیا جائے اور دوسری روایتوں کے درپے تحقیق نہوں جیسا کہ مولف صاحب ہدیہ نے کیا ہے تو اس کے نتائج اور بھی زیادہ تعجب خیز برآمد ہوتے ہیں۔

اس کی توضیح یہ ہے کہ شیخ جلال الدین سیوطی نے جو بڑے محدث و مفسر اور مستند مورخ مانے جاتے ہیں اپنی کتاب "مسالك الحنفا باحیاء والدی المصفیٰ" میں تفسیر ابن حاتم سے روایت کی ہے کہ

قال ابن موسیٰ بن ایوب الضبیبی بن ضمرہ عن عثمان بن عطاء عن ابیہ قال بین النبی صلی اللہ علیہ وسلم وبین آدم (علیہ السلام) تسع واربعون اباً	عثمان بن عطاء اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آدم علیہ السلام کے درمیان انچاس ۴۹ بطن ہیں۔

جامع الصغیر سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آدم علیہ السلام سے چھ ہزار برس کے بعد پیدا ہوئے ہیں چنانچہ اصل روایت یہ ہے کہ

الدنیا سبعۃ الاف سنۃ انا فی آخرھا الفاً	دنیا کی مدت سات ہزار برس ہے اور میں اس کے آخری ہزار میں ہوں۔

دوسرے مورخین مثل صاحب "تقویم التواریخ" اور صاحب "تاریخ بیت المقدس" نے

حدیث مذکور کی شرح کے طور پر تحقیق کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہبوط آدم علیہ السلام سے چھ ہزار ایک سو تریسٹھ (۶۱۶۳) برس کی مدت میں ہوئی ہے پس ثابت ہوگا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انچاس پشت اس چھ ہزار ایک سو تریسٹھ برس کی مدت میں پوری ہوں۔

اب مولف صاحب ہدیہ کے اختراعی مفروضہ کے مطابق لازم آئے گا کہ اس سلسلۂ نسب میں ہر شخص تقریباً ایک سو پچیس (۱۲۵) برس نو ماہ کی عمر میں بیٹا جنتا تھا اور اگر کوئی ان میں سے اس سے کم عمر میں جنا ہو تو ضرور ہوا کہ دوسری پشت والا سوا سو برس سے بھی زیادہ عمر میں جنے۔ مثلاً کوئی شخص چھپن برس میں صاحب اولاد ہوا ہو (جو مولف صاحب کی بیان کردہ انتہائی مدت ہے) تو دوسرا ضرور ایک سو چورانوے (۱۹۴) برس کا پیر فرتوت ہوکر بیٹا جنے تاکہ یہ انچاس (۴۹) پشت اس چھ ہزار ایک سو تریسٹھ برس کی مدت میں پوری ہوجائیں

یقیناً مولف صاحب ہدیہ کو بدرجہ اولیٰ اس نسل کے بے اصل ہونے کا فیصلہ کرنا اور ضرور یہی ہرزہ سرائی کرنا ہوگا کہ "یہ مقدمہ نہایت غریب و نادر ہے کہ کسی دوسرے کے نسب صحیح میں دنیا میں ایسا نہ ہوا ہوگا" کیونکہ اگر وہاں ہر شخص بقول مولف ہدیہ چھپن برس میں صاحب اولاد ہوتا تھا تو یہاں اس کی دوگنی سے بھی زیادہ عمر میں بیٹا جننا لازم آتا ہے۔

ہم اس موقع پر مکرر یہ عرض کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ ہمارا ذاتی قول نہیں بلکہ مولف ہدیہ کے ہزیانات کا نقل کلام ہے تاکہ انھیں اور ان لوگوں کو جو ان کی اس قسم کی ہرزہ سرائی کو امامنا حضرت مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سلسلۂ نسب کی نسبت صحیح سمجھتے ہوں یہ معلوم ہوجائے کہ اگر اس قسم کی اتہامانہ تک بندی کو صحت نسب کا معیار قرار دیا جائے تو یہی اعتراض معاندین اسلام کی طرف سے رسول عربی (ارواحنا فداہ) کے نسبی سلسلہ پر عائد ہوجاتا ہے۔ افسوس ہے کہ مولف صاحب ہدیہ سے انتہائی بغض و عناد میں ان پر بے سوچے سمجھے ایسے ایسے اعتراضات کر بیٹھتے ہیں جن سے معاندینِ اسلام کے اعتراضات کو تقویت پہنچتی اور اسلام ہی کی بیخ کنی ہوجاتی ہے۔

بندگیمیاں سید خوندمیرؓ کے نسب پر حملہ اور اس کا جواب

سابعاً۔ مولف صاحب ہدیہ کا یہ قول کہ

"اور یہ طرہ ہے کہ سید خوندمیر داماد مہدی کا نسب بھی انہی نعمت اللہ کو پہنچتا ہے اور وہاں بھی فقط بارہ واسطے درمیان میں ہیں حالانکہ یہ مہدی کے تولد سے چالیس برس کے بعد پیدا ہوئے اور ان کے تولد اور امام موسیٰ کاظم کے انتقال میں سات سو چار برس کا فاصلہ ہے"۔

یہ بھی اسی کوتہ نظری کا ایک اور مزید ثبوت ہے جو اس سے پہلے تمام سلسلہائے انساب کی نسبت ظاہر ہوئی ہے درحقیقت یہ طرہ انہی عقلمندوں کے زیب دستار ہے جنھوں نے اپنی کم فہمیوں سے سلسلہ ہائے انساب کے جانچنے کا ایک ایسا انوکھا اصول ایجاد کیا ہے کہ اس معیار پر بہت سے مسلّمہ سلسلہ ہائے انساب کا مخدوش و مطعون ہوجانا لازم آتا ہے۔

ہم نہیں سمجھتے کہ حضرت بندگیمیاں سید خوندمیرؓ بھی امام موسیٰ کاظم کی اولاد سے ہونے کو مولف صاحب ہدیہ کیوں خلاف عقل و نقل سمجھ رہے ہیں۔ اصل نسب سے متعلق جو توجیہات جواب سابق میں مذکور ہوئے ہیں وہ تمام یہاں بھی منطبق ہیں جن کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔ اگر حضرت امامنا مہدی موعود علیہ السلام کے ہم جد ہونا مولف ہدیہ کیلئے باعث حیرانی ہے تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے کہ کبھی اور کہیں ایسا ہوا ہی نہو اور اس سے مولف ہدیہ کے کان آشنا ہی نہ ہوں۔ متعدد صحابۂ رسول اللہ صلعم آنحضرتؐ کے ہم جد ہیں۔ آنحضرت صلعم کے سلسلۂ اجداد میں سے کسی صحابی کا سلسلۂ نسب کسی جد پر ملتا ہے اور کسی کا کسی پر۔ حضرت امیرالمومنین عمر بن الخطابؓ کی شاخ مُرّہ بن کعب بن لوی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ملتی ہے اور حضرت امیرالمومنین عثمان ذی النورینؓ کا سلسلۂ نسب عبد مناف بن قصی پر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملجاتا ہے (صحاح الاخبار) اسی طرح دوسرے جلیل القدر صحابۂ کرام اور بعض امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی حالت ہے۔ اور پھر ان سے اوپر کا سلسلۂ نسب کا متحد ہے

جو مباحث ان سلسلوں کے متعلق مولف ہدیہ کے مخترعہ اصول پر ہو سکتے ہیں وہ سب ان تمام صحابہ کے سلسلہ ہائے نسب کو بھی شامل ہیں۔

اگر بند گبیا نسید خوند میرؒ کا حضرت امامنا علیہ السلام سے کم عمر ہونا اور پھر اسی قدر واسطے درمیان میں ہونا مولف صاحب ہدیہ کو مبہوت کر رہا ہے تو اسکی بھی واضح اور کھلی مثال حضرت امیرالمومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی موجود ہے کہ امیرالمومنین کا سن شریف حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریباً تیس سال کم ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت عامِ الفیل عہ میں ہونا جمہور اہل سیر و تواریخ کا متفقہ قول ہے جیسا کہ مدارج النبوہ میں لکھا ہے کہ

بدانکہ جمہور اہل سیر و تواریخ برآنند کہ تولد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در عام الفیل عہ بود بعد از چہل روز تا پنجاہ و پنج روز و این قول اصح اقوال است (مدارج النبوۃ جلد دوم)

اور عمدۃ الطالب میں لکھا ہے کہ

ثم علی ولد بمکۃ فی بیت الحرام یوم الجمعۃ الثالث عشر من رجب سنۃ ثلثین من عام الفیل (عمدہ الطالب ذکر اولاد ابی طالب)

علیؓ مکہ میں بیت اللہ میں روز جمعہ تیرھویں رجب عام الفیل سے تیسویں سال پیدا ہوئے۔

پس اس تفاوت عمر کے باوجود امیرالمومنین سے عدنان تک اور عدنان سے حضرت آدمؑ (علیہم و علی نبینا الصلوٰۃ والسلام) تک اسی قدر واسطے درمیان میں ہیں جس قدر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں۔ ان سلسلوں کے بطنوں کی تعداد اور اجداد کے ناموں کے متعلق جو اختلافِ روایات پایا جاتا ہے وہ

عہ۔ ظہور اسلام سے قبل جس سال ابرہہ کی فوج بڑے بڑے ہاتھی لیکر کعبہ کو ڈھانے کیلئے آئی تھی اور خدا کی قدرت سے ایک غول ابابیل سے تباہ و تاراج ہو کر کعبہ کو ڈھانیکے قصد میں ناکام رہ گئی اس کو "عام الفیل" کہتے ہیں۔ چونکہ اس زمانہ میں عرب اور خصوصاً قریش میں کوئی مستقل سنہ رائج نہیں تھا اور اصحاب الفیل کا واقعہ نہایت مشہور اور اہم واقعہ تھا اس کے بعد کے واقعات کا حساب اسیؔ "عام الفیل" سے

سب حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کے سلسلۂ نسب کو بھی شامل ہے نیز مولف صاحب ہدیہ کے مخترعہ اصول کی بنا پر جو مفروضہ صورتیں پیش کی جا سکتی ہیں وہی بعینہ اس سلسلہ کیلئے بھی پیش ہو سکتی ہیں۔ پھر ہم نہیں سمجھتے کہ اس واضح مثال کے ہوتے مولف ہدیہ نے اپنی دستار فضیلت و لیاقت پر استعجاب و حیرانی کا یہ طرہ کیوں لگا لیا ہے جس سے ان کی دستار فضیلت و لیاقت کو زینت حاصل ہونے کے عوض اُسکے لئے لاعلمی و جہالت کا بدنما داغ لگ رہا ہے۔

ثامناً۔ مولف ہدیہ کی یہ ہرزہ سرائی کہ "جس شخص نے اس نسب کو تصنیف فرمایا اس حساب کو خیال میں نہ لایا ورنہ اس کے نزدیک آسان تھا کہ دس پانچ نام اور بڑھا کر قصہ مٹا دیتا" جس نے اس نسب کو ایجاد اور ان نسب والوں کی بر صورت مسطورہ تخلیق کی اگرچہ اس پر سہو و نسیان محالات و ممتنعات سے ہے مگر وہ ضرور قادر تھا کہ اسی مدت میں چاہتا تو دس پانچ اشخاص کو اور پیدا فرما دیتا۔ لیکن وہ حکیم مطلق ہے غالباً اُس کی حکمت کا اقتضا یہی ہوا اور اسی لئے اس نے اس مدت میں اتنے ہی واسطے پیدا کئے تاکہ اولاً حضرت امام مہدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معجزہ ظاہر ہو۔ ثانیاً بمصداق آیۂ کریمہ واکثرھم لا یومنون (اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے) مولف صاحب ہدیہ کے جیسے منکرین کے عناد و انکار میں ترقی اور ان کی ضلالت وگمراہی و سرکشی میں اضافہ کا باعث ہو جیسا کہ ارشاد ہوا ہے کہ

ونقلب افئدتھم وابصارھم کما لم یومنوا بہ اول مرۃ ونذرھم فی طغیانھم یعمھون۔ (۷ – ۱۹ – انعام)	ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو (اسی طرح) الٹ دیں گے جس طرح وہ پہلی مرتبہ اس پر ایمان نہیں لائے تھے اور ہم ان کو ان کی سرکشی میں بھٹکتے رہنے دیں گے۔

یہ تو تحقیقی جواب ہے کہ جس قادر مطلق نے اس برگزیدہ سلسلۂ نسب کے افراد کو پیدا فرمایا ہے اس کی مشیت اسی طرح جاری ہوئی تھی اور اسی کے موافق ظہور ہوا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۱ :۔ لگایا جاتا تھا۔ اسی عادت کے مطابق اہل سیر و تواریخ ظہور اسلام سے قبل کے واقعات کا حساب اسی عام الفیل سے بتاتے رہے ہیں۔ .. شہاب بن نصرت عفی عنہا۔

لیکن مولف ہدیہ کے اس انداز بیان سے جس خبثِ باطنی کا اظہار ہو رہا ہے اور اہل بیت کرام کے نسب پر طعن کرنے کی جو بیجا جرأت ٹپک رہی ہے اور فرمان رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم " اشتد غضب اللہ علیٰ من اذانی فی عترتی " (جو شخص میری اہلبیت کے متعلق مجھے رنج دیتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب شدید ہوگا) کا مورد بننے سے ذرا بھی نہیں جھجک رہے ہیں اس کے مدنظر کچھ عجب نہیں کہ مولف ہدیہ کی ذات معاندین اسلام کے لیے معلم ملکوت کی قائم مقام ثابت ہوا اور وہ حضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے اولاد اسمٰعیل علیہ السلام ہونے پر یہی اعتراض کر بیٹھیں تو مولف صاحب ہدیہ فرمائیں کہ آپ اپنے اصول کے موافق حسب مفروضہ چھپن سال کے لئے دس پانچ نام بڑھا دینے کا خدائے قدیر کو مشورہ دے رہے ہیں تو ستیاسی سال اور سوا سو سال کی عمر میں بیٹا بننے کی صورتوں کا مفروضہ قصہ مٹانے کے لئے اس نسب کا تصنیف کرنے والا کس کو قرار دیں گے اور کتنے نام بڑھا دینے کی ضرورت محسوس کریں گے ۔

بروز حشر گر پرسند خسرو راچرا کشتی　　چہ خواہی گفت قربانت شوم تا من ہما گویم

امیر نعمت اللہ امام موسیٰ کاظم کی اولاد ہونے کی تحقیق

ان مزخرفات کے بعد مولف صاحب ہدیہ نے اپنے خیال میں ایک دلیل تحقیقی یہ قرار دی ہے کہ کتاب "عمدۃ الطالب فی نسب آل ابی طالب" میں امام موسیٰ کاظم رض کی اولاد صلبی اور اولاد الاولاد میں نعمت اللہ نامی کوئی نہیں چنانچہ اس کی نسبت انھوں نے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے ۔

اب دلیل تحقیقی کہ جس سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ یہ نسل سراسر بے اصل ہے بیان کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ سید نعمت اللہ جنکی بدولت مہدی سید بنے ہیں عنقا صفت معلوم الاسم معدوم الذات ہیں اور ان کو امام موسیٰ کاظم کا بیٹا بنانا سراسر بہتان و افترا ہے حضرت امام موسیٰ کاظم کوئی شخص غیر مشہور مجہول الحال نہیں ہیں کہ جس کا جی چاہے ان کا بیٹا بن جائے بلکہ ان کی اولاد اور اولاد الاولاد کا حال معتبر کتابوں میں بہ تفصیل تمام مذکور ہے اور اس میں کوئی شخص سید نعمت اللہ نہیں ہے اور نہ کسی کا نعمت اللہ لقب و عرف ہے ؟

اس کے بعد عمدۃ الطالب میں امام موسیٰ کاظم رض کے جن فرزندوں اور لڑکیوں کا ذکر ہے ان کی تعداد اور ان کے نام لکھے ہیں "فصل الخطاب" اور "لطائف اشرفی" سے یہ وضاحت کی ہے کہ امام موسیٰ کاظم کے فرزندوں میں سے کون کون لاولد ہیں اور کون کثیر العیال اور قلیل الاولاد ہیں۔ اس کے بعد مولف صاحب نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ

اب خوب ملاحظہ کیجئے کہ ان میں سید نعمت اللہ تمہارے مہدی کے دادا صاحب کہاں ہیں پس ثابت ہوا کہ تمھارے مہدی کا قصر سیادت بے بنیاد ہے اور اس پر بالا خانہ مہدیت جو بنایا ہے وہ برباد ہے۔
"یہ دعویٰ کہ ہم سید نعمت اللہ کی اولاد میں ہیں اور سید نعمت اللہ بیٹے امام موسیٰ کاظم کے ہیں بجائے اس کے ہے کہ کوئی کہے کہ میں ناصرالدولہ فرمانروائے دکن کی اولاد میں ہوں۔ جب اس سے پوچھیں کہ ان کے کس بیٹے کی آپ اولاد ہیں تو کہے کہ بندہ شیخ نعمت اللہ بن ناصرالدولہ کی اولاد میں ہے۔" سننے والے کو نہایت ہنسی آوے گی کہ نواب ناصرالدولہ کے فقط دو فرزند ہیں ایک نواب افضل الدولہ بہادر فرمانروائے حال دوسرے نواب روشن الدولہ یہ شیخ نعمت اللہ کہاں سے تیسرے بیٹے نکلے کہ تمھاری نسل کا پتہ لگے پس بلاشبہ واقفین حال انساب اس نسب مہدوی کو بھی سن کر ایسی استعجاب واستہزا کریں گے۔"

مولف صاحب ہدیہ نے اس ضمن میں جو بدزبانی اور گستاخیاں کی ہیں وہ ایک مقدس مقتدائے مذہب کے خلاف شان اور اہل مذہب کیلئے جس قدر دل آزار وموجب اشتعال ہیں اس کے علاوہ صاف طور پر اصول اخلاق کے بھی صریح خلاف ہے۔ اس کا انتقام تو ہم اللہ تعالیٰ پر سونپ دیتے ہیں کیونکہ وہی منتقم حقیقی ہے اور ایسے ہی بدلگام بدکرداروں کے متعلق اس کا وعدہ ہے۔

فاخذ ناھم بغتۃ وھم لایشعرون (۹-۲)	ہم نے ان سے اچانک مواخذہ کیا جس سے وہ بے خبر تھے۔

نفس مسئلہ کی تحقیق سے متعلق مولف صاحب ہدیہ نے جو خیال آرائی کی ہے اور اس میں اُن سے جو فاحش غلطیاں سرزد ہوئی ہیں انکے متعدد پہلو قابلِ تنقید ہیں۔

اولاً ۔ رحم اللہ من الصنف۔ ناظرینِ پرتمکین کو چاہئیے کہ اس موقع پر دیانت و انصاف کے ساتھ غور فرمائیں کہ مولف ہدیہ نے اس سے پہلے ابتدائے باب سوم میں اقرار کیا ہے کہ امام مہدی علیہ السلام کا اولادِ فاطمہ سے ہونا باتفاق فریقین بتواتر معنوی ثابت ہے۔ اصولِ حدیث اور اصولِ فقہ کا یہ مسلّمہ ضابطہ ہے کہ جو بات احادیث سے بتواتر ثابت ہوتی ہے وہ قطعی و یقینی ہوتی ہے۔ اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہوتی۔ پس کسی امرِ قطعی کی صحت و صداقت کا فیصلہ بھی دلیلِ قطعی و یقینی ہی سے ہو سکے گا کسی دلیلِ ظنی و وہمی سے امرِ قطعی کا بُطلان لازم نہیں آسکتا۔ اس لئے کہ دلیلِ ظنی ظن کا افادہ کریگی نہ قطع و یقین کا جیسا کہ شرح مقاصد وغیرہ میں لکھا ہے۔ اور مولف صاحب ہدیہ نے بھی اس کو سنداً پیش کیا ہے۔

پس ہم مولف صاحب ہدیہ سے پوچھتے ہیں کہ جو مضمون کتب انساب سے مستنبط ہوتا ہے وہ قطع و یقین کا فائدہ دیتا ہے یا ظن کا؟ اگر یہ کہا جائے کہ وہ مفید قطع و یقین ہے تو عندالجمہور رد یہ بیح البطلان ہے اور اگر یہ کہیں کہ ان سے علم ظنی حاصل ہوتا ہے تو یہ ایک حد تک صحیح ہوگا لیکن یہ علم ظنی کسی امرِ قطعی کی نفی و بطلان کیلئے اصلا بکار آمد نہیں ہوسکتا کیونکہ احادیث رسول اللہ علیہ وسلم بھی جو احاد ہوں اہلسنت کے نزدیک افادہ ظن کا کرتی ہیں نہ قطع و یقین کا اور ان سے کسی ایسے امر کی نفی و تردید نہیں ہوسکتی جو احادیث متواترہ سے ثابت ہو پھر مورخین انساب کے اقوال کس شمار و قطار میں ہیں اُن سے قطع و یقین کس طرح حاصل ہو سکتا ہے اور ایک امرِ قطعی و یقینی کی نفی اُن سے کس طرح لازم آسکتی ہے۔

ثانیاً۔ جبکہ کتب انساب میں بھی اختلاف ہو اور ایک روایت دوسری روایت کی ضد و مخالف واقع ہو تو کسی ایک روایت سے وہ ظن صحیح بھی حاصل نہیں ہوسکتا۔ مثلاً عمدۃ الطالب میں امام موسیٰ کاظم رضہ کو تیئیس لڑکے ہونا لکھا ہے۔ فصل الخطاب میں لکھا ہے کہ بائیس تھے۔ روضۃ الاحباب میں ہے کہ بیس تھے اسی کتاب کے ایک اور مقام سے معلوم ہوتا ہے کہ حمد اللہ مستوفی نے تاریخ گزیدہ سے نقل کیا

ہے کہ اکتیس[۳۱] تھے میر محمد حسین خاں کے شجرہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اڑتیس[۳۸] تھے کتاب بحرالانساب وکنزالانساب میں جن کا ذکر بعد میں کیا جائے گا علی الترتیب انچالیس[۳۹] اور بیالیس[۴۲] لکھا ہے چنانچہ ان کتابوں کی اصل عبارت یہ ہے۔

امّا راویان اخبار و ناقلان آثار چنیں روایت می کنند کہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام راسی و نہ[۳۹] فرزند بودند الخ (بحرالانساب)

آوردہ اند کہ حضرت امام موسیٰ کاظم راچہل و دو فرزند بود الخ (کنزالانساب)

اب ظاہر ہے کہ ان روایتوں سے امام موسیٰ کاظمؑ کے فرزندوں کی تعداد بیس[۲۰] سے بیالیس تک ثابت ہو رہی ہے تو کسی ایک ہی روایت کی مبینہ تعداد میں حضرت کے فرزندوں کے منحصر ہو جانے کا ظن صحیح بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح امام ممدوح کی اولاد الاولاد کے بیان میں عمدۃ الطالب سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسمٰعیل بن امام موسیٰ کاظمؑ کی نسل ان کے ایک ہی بیٹے موسیٰ سے پھیلی ہے۔ حالانکہ انساب المعقبون میں لکھا ہے کہ موسیٰ کے سوا اسمٰعیل بن امام موسیٰ کاظم کے اور بھی بیٹے صاحب اولاد ہیں۔ عمدۃ الطالب میں ہے کہ موسیٰ بن اسمٰعیل کو صاحب اولاد صرف ایک ہی بیٹے جعفر تھے مگر انساب المعقبون میں لکھا ہے کہ اُن کی نسل اُن کے پانچ بیٹوں سے پھیلی ہے۔

غرض ابھی مذکورہ مثالوں پر موقوف نہیں بلکہ اس قسم کے اختلاف روایات کی اور بہت سی مثالیں کُتُبِ انساب میں ملتی ہیں جن کا استیعاب موجب طوالت اور اس موقع کے ناموزوں ہے۔ پس جبکہ سلسلہ ہائے انساب کی نسبت اس قسم کا اختلاف روایات پایا جا رہا ہے اور کوئی وجہ ترجیح نہیں بتائی گئی ہے تو ایسی صورت میں امام موسیٰ کاظم کی اولاد کی تعداد اور ان کے نام اور ان کے صاحب اولاد ہونے نہ ہونے کی کیفیت وغیرہ جو مولف عمدۃ الطالب نے لکھی ہے اس سے کسی طرح یہ ظن بھی حاصل نہیں ہو سکتا کہ امام ممدوح کو اسی کی بیان کردہ تعداد کے موافق صرف تنتیس[۳۳] ہی بیٹے تھے اور ان کے وہی نام تھے جو اس نے لکھے ہیں اور بس۔

ثالثاً۔ عمدۃ الطالب ہی میں جو مولف صاحب ہدیہ کے پاس نہایت

معتبر کتاب ہے اور دوسری کتب انساب وسیر میں بھی یہ روایت آئی ہے کہ حضرت مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے نسابین یعنی نسب بیان کرنے والوں کی نسبت "کذب النسابون" (نسب بیان کرنے والے جھوٹے ہیں) ارشاد فرمایا ہے جلیل القدر صحابی عبد اللہ بن مسعود رض سے اس حدیث کی شرح کے طور پر مروی ہے

کان ابن مسعود اذا قرأ قوله تعالیٰ الم یاتکم نبأ الذین من قبلکم قوم نوح وعاد و ثمود والذین من بعدھم لا یعلمھم الا اللہ قال کذب النسابون یعنی انھم یدعون علم الانساب ونفی اللہ علمھم عن العباد۔
(مواہب لدنیہ)

ابن مسعود رض جب یہ آیت پڑھتے جس کا معنی یہ ہے کہ کیا تم سے پہلے لوگوں کی خبر تمہیں نہیں ہے جیسے قوم نوح قوم عاد وثمود اور وہ جو ان کے بعد ہوئے ہیں جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا ہے" تو ابن مسعود کہتے نسب بیان کرنے والے جھوٹے ہیں یعنی وہ علم انساب کا دعویٰ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے بندوں کو یہ علم واصل ہونے کی نفی فرمائی ہے۔

پس مخبر صادق نے جن کے اقوال کو محض کذب فرمایا ہے ان سے قطع و یقین کیسے حاصل ہو سکتا ہے اور کوئی مسلمان ان اقوال کو ایک ایسے امر کی صحت کا مایۂ کس طرح قرار دے سکتا ہے جو حضرت مخبر صادق (ارواحنا فداہ) سے متواتراً قطعی و یقینی طور پر ثابت ہے۔

رابعاً۔ اول تو تمام تاریخی واقعات کا اصل ماخذ شہرت وتسامع واقع ہوا ہے یعنی کسی بھی واقعہ کے ظہور ہونے کے بعد اس کے واقفین کے ذریعہ اس واقعہ کا علم دوسروں کو ہوتا چلا آیا ہے اور جب یہی واقعات ضبط تحریر میں آتے ہیں وہی عادتاً تاریخ کہلاتے ہیں۔ ظہور واقعات اور ان کے ضبط تحریر میں آنے کے متعلق کسی خاص اصول کی پابندی بھی نہیں پائی جاتی یعنی تمام واقعات ان کے ظہور سے کسی مقررہ مدت ہی کے بعد منضبط نہیں ہوئے ہیں بلکہ بہت سے واقعات عرصۂ دراز تک اسی طرح شہرت و تسامع کے طور پر ایک سے دوسرے کو معلوم ہوتے رہے ہیں۔ عرب کی تاریخ اور مسلمانوں [illegible] سے ثابت ہی ہے کہ عرصۂ دراز تک

اس کے مندرجہ واقعات سماعی طور پر اسلاف سے اخلاف کو منتقل ہوتے رہے ہیں اور اس کے بہت عرصہ بعد کہیں وہ قلمبند ہوئے ہیں۔ خصوصاً تاریخ انساب کا مدار و موقوف علیہ تو بالکل یہ شہرت و تسامع ہی ہے۔ قریباً تمام اقوام عالم میں نسب کا ثبوت اور اس کی تمام تفصیلات اور اس کے جملہ متعلقات کا ذریعۂ معلومات شہرت و تسامع ہی ہے۔ انھی وجوہ کی بنا پر فقہی احکام میں کسی نسب کی شہادت شہرت و تسامع کی بنا پر قابل قبول قرار دیگئی ہے یعنی جب کوئی شخص کسی کا بیٹا ہونا مشہور ہو تو اسی شہرت کی بنا پر ایسے لوگ جو یہ سنتے چلے آئے ہیں یہ شہادت دے سکتے ہیں کہ فلاں، فلاں کا بیٹا ہے شہادت دینے والے کا اس شخص کی ولادت کے وقت موجود ہونا یا شاہد عینی ہونا ضروری نہیں ہے۔ مورخین انساب کی بھی یہی حالت ہے ان کا اصل ماخذ بھی یہی شہرت و تسامع ہوتا ہے۔ انکو شہرت و تسامع کے طور پر جو معلوم ہوتا ہے وہ لکھ لیتے ہیں یہ نہیں ہوتا کہ کوئی مورخ انساب خود بذاتہ ہر شخص کی پیدائش کے وقت موجود رہ کر قلمبند کرتا ہے کہ فلاں فلاں کو تولد ہوا ہے یا فلاں فلاں کا بیٹا ہے۔

کوئی یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ مورخین نے جو کچھ لکھا ہے انھیں اللہ تعالیٰ نے الہام فرمایا ہے یا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انھیں سنداً یہ معلوم ہوا ہے کہ فلاں، فلاں کا بیٹا ہے اور فلاں نہیں ہے یا فلاں کو اتنی اولاد ذکور اور اتنی اولاد اناث ہے۔ حاصل یہ کہ تاریخ انساب کا اصل ماخذ شہرت و تسامع ہی ہے۔

بنظر تحقیق دیکھا جائے تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ عالم میں واقعات عالم کا جس قدر حصہ ضبط ہوا ہے وہ تمام واقعات عالم کا بہت تھوڑا سا حصہ ہے ان کا بہت بڑا حصہ ضبط ہونے سے رہ گیا ہے چنانچہ ہر شخص اپنے ملکی و قومی واقعات پر غور کرے تو اس کی تصدیق ہو گی کہ اپنے ملک و قوم میں جس قدر واقعات گزرے ہیں وہ سب کے سب اور اسی قدر تفصیل کے ساتھ جیسے کہ وہ ہوئے ہیں تاریخوں میں درج نہیں ہیں۔ تاریخ انساب کی بھی یہی حالت ہے کہ بہت کم سلسلہ ہائے انساب ضبط تحریر میں آئے ہیں اور بہت سے ضبط ہونے سے رہ گئے ہیں۔ اس کا ثبوت اس طرح مل سکتا ہے کہ آج بھی ہر ملک و قوم میں سینکڑوں ہزاروں اشخاص اور خاندان ایسے ہیں جن کے سلسلہ ہائے نسب کسی تاریخ میں درج نہیں ہیں لیکن اس کے باوجود وہ بالکل صحیح سلسلے

سمجھے جاتے ہیں۔ اگر کسی تاریخ ہی میں ان کے مذکور ہونے پر صحت نسب کا دار و مدار رکھا جائے اور شہرت و تسامع کا اعتبار نہ کیا جائے تو بیشمار خاندانوں کے صحیح سلسلے غیر صحیح ٹہریں گے خصوصاً اس سے یہ مشکل پیش آئے گی کہ عرب کے وہ تمام سلسلہ ہائے انساب جو حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے صحابہ کرام کے سلسلوں کا اصل ماخذ ہیں جو عرصۂ دراز تک قلمبند نہیں ہوئے تھے اُن کو ناقابلِ اعتبار اور لکھے جانیکے بعد سے قابلِ اعتبار قرار دینا ہوگا حالانکہ ایسا کہنا اصول تحقیق کے صریح خلاف ہے کیونکہ اس صورت میں قابلِ اعتبار حصہ کی بنا اور ماخذ وہی ناقابلِ اعتبار حصے ہوں گے۔

اس لحاظ سے حضرت امامنا مہدئ موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس سلسلۂ عالیہ کی صحت میں اس لئے کوئی شبہ لاحق نہیں ہو سکتا کہ اصل شہرت و تواتر جو تاریخ کا حقیقی ماخذ ہے یہاں موجود ہے۔ ایک قوم کی قوم ہزاروں لاکھوں افراد آج تک حضرت کے امام موسیٰ کاظم رض کی اولاد ہونے کی شہادت دیتے چلے آرہے ہیں اپنے اور بیگانے حضرت کے فاطمی النسب ہونے کے معترف ہیں۔ بعض معاندین بھی جنھوں نے حضرت کے مہدئ موعود ہونے کے مسئلہ میں مغالطہ میں پڑکر اس کا سختی سے انکار کیا ہے جیسے ملا علی متقی وغیرہ وہ بھی حضرت کی سیادت کے مقر ہیں ان کو اس امر واقعی کے انکار کی جرأت نہیں ہو سکی ہے۔

پس جس طرح حضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ابراہیمی النسب ہونیکی نسبت شہرت و تواتر سب سے زیادہ معتبر شہادت سمجھی جاتی ہے اور اس کے مقابل کتب انساب کا اختلافِ بیان۔ تعدادِ بطون کی کمی بیشی۔ اجداد کے ناموں کا اختلاف اور خصوصاً اہل کتاب کی روایتوں کا اسلامی روایتوں سے مختلف ہونا علمائے انساب کے نزدیک حضرت کے ابراہیمی النسب ہونے میں خلل انداز نہیں ہو سکتا ہے۔ اسی طرح حضرت امامنا علیہ السلام کے فاطمی النسب ہونے کی نسبت جو شہرت و تواتر سلفاً و خلفاً ہر زمانہ میں بیشمار افراد کا پایا جارہا ہے اس کی قوت کو نسب کی کوئی کتاب خواہ وہ کتنی بھی صحیح و معتبر سمجھی جائے نہیں پہنچ سکتی اور کسی کتاب کے منفرد قول سے اس شہرت و تواتر کی نفی نہیں ہو سکتی۔

خامساً۔ اگر مولف صاحب ہدیہ اس تواتر اور قومی تاریخی مواد کے علاوہ

اس سلسلہ نسب کی تحقیق متعارف طریقوں ہی سے چاہتے ہیں تو اس کا بھی کافی مواد موجود ہے اس کی تحقیق یہ ہے کہ سلسلہ انساب کی یہی روایتیں ایک عرصہ تک (جس کی کوئی حد معین نہیں ہے) شہرت و تواتر کے ذریعہ ایک سے دوسرے تک منتقل ہوتے رہنے کے بعد جب ضبط تحریر میں آئی ہیں تو وہ عموماً دو طرح لکھی گئی یا لکھی جاتی ہیں۔ ایک اختصار کے طور پر جس میں کسی بزرگ خاندان یا جداعلیٰ کی اولاد اور اولاد الاولاد کی شاخیں اور ان میں سے ہر ایک شخص کے صرف "نام" بتا دیے جاتے ہیں اور حالات و واقعات اور دوسری تفصیلات اس میں درج نہیں ہوتیں۔ ان کو "شجرات" کہتے ہیں۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ہر شخص کے آباواجداد۔ اولاد بعد اولاد الاولاد کے ناموں کے ساتھ ان کے مقام ولادت و سکونت ان کے اخلاق و عادات اور اہم واقعات و حالاتِ زندگی وغیرہ کی کچھ تفصیلات بھی حسب ضرورت درج ہوتی ہیں۔ تواریخ انساب کی یہی صورت ہے۔ آئمۂ اہل بیت کی اولاد اور اولاد الاولاد کی تفصیلات بھی ان دونوں طریقوں سے ضبط کیگئی ہیں شجرات کے طور پر بھی لکھی گئی ہیں اور تاریخ کے طور پر بھی۔ چنانچہ آج بہت سے شجرات اور بہت سی کتب انساب موجود ہیں جن سے ائمۂ اہل بیت کی اولاد اور اولاد الا ولاد کی تفصیلات ہم کو ملتی ہیں۔

آیئے اب امر مابہ البحث یعنی جناب نعمت اللہ کے امام موسیٰ کاظمؑ کی اولاد ہونے کے مسئلہ کو ان دونوں طریقوں یعنی شجرات اور تاریخ انساب سے جو آج ذرائع معلومات تصور کئے جاتے ہیں تحقیق کریں راقم الحروف کی نظر سے بہت سے شجرے گزرے ہیں کوئی بھی شجرہ وجود نعمت اللہی سے خالی نہیں دیکھا گیا چنانچہ ان میں سے چند کا ذکر کیا جاتا ہے حضرت خواجہ بندہ نواز سید محمدؒ گیسو دراز رہ کے خاندان میں جو شجرۂ قدیم مشہور ہے اس میں بھی "سید نعمت اللہ" کا نام نامی موجود ہے جس کی نقل فی الحال موجود ہے اور جس کی تصحیح کے لئے جناب سید شاہ قطب الدین صاحب ثانی سجادۂ روضہ بزرگ نے اپنی دستخط سے اس کو مزین کیا ہے۔

جناب سید شاہ امر اللہ حسینی رضوی ساکن سنکنڈہ کے نزدیک جو شجرات ہیں ان کے بھی دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ از انجملہ ایک شجرہ کہ بہت قدیم و کہنہ شائدکہ

لکھا ہوا کم وبیش چار سو برس کا ہوگا۔ اس میں بھی اولاد امام موسیٰ کاظم رضہ کے ذیل میں "سید نعمت اللہ" کا نام موجود ہے۔ دوسرا شجرہ جو بہت منقش ومطول طولانی میں تخمیناً تیرہ ۱۳ گز ہوگا جس کو دیکھتے ہی اس نسب عالی کے منکرین ومعاندین کا سینہ پھٹ جائیگا اس میں بھی سید نعمت اللہ کا نام معہ تفصیل اولاد کے موجود ہے۔

نواب الف خاں بہادر والی کرنول نے اپنے دور حکومت میں علمائے انساب داں کو جمع کرکے بہ تحقیق تمام ایک شجرہ تیار کیا تھا اس میں بھی سید نعمت اللہ کا نام اولاد امام موسیٰ کاظم رہ کی ذیل میں موجود ہے چنانچہ اس کی نقل معہ اصل اب حاضر ہے مولف صاحب ہدیہ چاہیں تو دیکھ سکتے ہیں غرضکہ کوئی شجرہ بھی ظہور نعمت الٰہی سے خالی نہیں دیکھا گیا یا تو حضرت امام موسیٰ کاظم رہ کے فرزندوں میں یہ نام موجود ہے جس کی وجہ وہی ہوسکتی ہے جو پہلے ذکر کی گئی ہے یا حضرت کے بیٹے اسمٰعیل کے فرزندوں میں درج ہے اور دونوں صورتوں میں حضرت امامنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کاظمی الغسب ہونا ثابت ہے جس سے مولف ہدیہ کی سب ہرزہ سرائی کی کافی تردید ہو جارہی ہے۔

ان مذکورہ شجروں کے علاوہ تحقیق وتفحص کرنے والوں پر اور بھی شجروں سے ان شجروں کی تائید ہوسکیگی ممکن ہے کہ کسی میں یہ نام نہ بھی ہو جسکی وجہ وہی اختلافِ روایات ہوسکتی ہے۔ لیکن کسی شجرہ میں فرضاً وتقدیراً نہ ہونے سے جن شجروں میں یہ نام موجود ہے ان میں اس کی موجودگی پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا بلکہ یہی سمجھا جائے گا کہ ان میں یہ نام درج ہونے سے چھوٹ گیا ہے کیونکہ کسی قافلۂ رفتہ کے نشانِ قدم کہیں موجود ہوں اور کہیں موجود نہ ہوں تو یہی سمجھا جائے گا کہ یہاں بھی نشان قدم ضرور موجود تھے اور مٹ گئے ہیں لیکن مٹے ہوئے نشانِ قدم کی بنا پر موجودہ نشانات کو کالعدم نہیں قرار دیا جا سکتا۔

سادساً۔ شجرات کی اس تحقیق کے بعد تواریخ انساب سے بھی اس نسبِ عالی کی تحقیق ہم مناسب سمجھتے ہیں کیونکہ بعض لوگوں کا یہ خیال معلوم ہوتا ہے کہ شجرہ کتاب کے درجۂ اعتبار کو نہیں پہنچتا ہے۔ اگرچہ یہ خیال درست نہیں ہے اس لئے کہ جو اصل کتب انساب کا ہے وہی شجرات کا بھی ہے۔ جو علم ظنی ان سے حاصل ہوتا ہے ان سے بھی حاصل ہوتا ہے یہ دونوں جملہ اعتبارات ۰ وجوہ میں سواسوا نظر آتے ہیں۔

چنانچہ کتاب "سبائک الذہب فی انساب العرب" اگرچہ بظاہر صورت کتاب ہے لیکن خاص طریق شجرات پر ہی مرتب ہوئی ہے اس میں بعینہ وہی خطوط اور جدولیں ہیں جو شجروں میں ہوا کرتی ہیں۔ غرض اِن دونوں میں اس کے سوا کوئی تفاوت نہیں ہے کہ شجرات بطور اختصار مرتب ہوتے ہیں اور کتب انساب کسی قدر تفصیلی۔ اور ظاہری صورت میں شجرہ عموماً بصورت بوق ہوتا ہے اور کتاب بشکل صندوق۔ تاہم ایسے لوگوں کی تسکین و اطمینانِ خاطر کے لئے اس سلسلۂ عالی کی تحقیق کتب انساب سے بھی کی جاتی ہے تاکہ کسی کو بھی اس بارہ میں شک وشبہ باقی نہ رہے اور ہر دانا و نادان کو اس مقدمہ میں یکساں علم حاصل ہو جائے اور ناظرین انصاف پسند اس بدگوئی و بدزبانی کے بدلہ میں جو جگر گوشۂ رسول اللہ جناب نعمت اللہ کی نسبت مولف ہدیہ سے سرزد ہوئی ہے اس پر نفرین و ملامت کریں کہ وہ بار دیگر کسی سید کی جناب میں ایسی بدگوئی اور بے ادبی سے پیش نہ آئے۔

واضح ہو کہ امیر اسماعیل کا حضرت امام موسیٰ کاظم کے فرزند ہونا اور ان کا صاحب اولاد بھی ہونا تو خود عمدۃ الطالب سے ثابت ہے چنانچہ حضرت امام موسیٰ کاظم کے فرزندوں کے ذکر میں لکھا ہے۔

ومنہم عشرۃ اعقبوا بغیر خلاف وھم علیؑ ابراھیم الاصغر والعباس واسماعیل الخ	ان میں سے یہ دس فرزند بلاخلاف صاحب اولاد ہیں علی۔ ابراہیم اصغر۔ عباس۔ اسمٰعیل۔ الخ

اس سے امیر اسمٰعیل کا امام موسیٰ کاظمؑ کے فرزند اور بلاخلاف صاحب اولاد ہونا ثابت ہے اور اس حد تک مولف ہدیہ کو بھی تسلیم ہے اس لئے اس کے اثبات کی ضرورت باقی نہیں ہے۔ اب تصفیہ طلب بات صرف اسی قدر ہے کہ اسمٰعیل کے فرزندوں میں "نعمت" بھی کوئی فرزند ہیں یا نہیں؟ کتاب "بحر الانساب" جس کا داخلہ کتاب "کشف الظنون" میں موجود ہے اور لکھا ہے کہ اسکی ابتدائی عبارت الحمد للہ الذی لایبلغ مدحتہ القائلون ہے۔ اس کی تدوین کی نسبت بعض آئمہ اہل بیت کی طرف کی جاتی ہے اس کے بعد ایک شیعہ عالم نے فارسی میں اس کا ترجمہ کیا ہے اور کچھ واقعات وحکایات وغیرہ دوسری تواریخ سے اس کے ترجمہ میں اضافہ کئے ہیں۔ اس کتاب میں اسمٰعیل بن امام موسیٰ کاظم کے فرزندوں کی

یہ تفصیل لکھی ہے۔

امام اسماعیل بن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام را ہشت فرزند بودند
ہیبت و عابد و ثابت و نعمت و اسد و محب و احمد و ساجد۔

اسی کتاب میں دوسرے مقام پر امام زادہ "نعمت" کے نام کا چند بار اعادہ کیا ہے چنانچہ دوسرے امام زادگوں کے ساتھ ان کے بغداد سے شہر آمل کو جانے کا اس طرح ذکر کیا ہے کہ

اما اسد و عابد و ثابت و نعمت و محب ــــــ ایں شصت تن
امام زادگاں از بغداد روے بہ شہر آمل نہادند۔

یہ کتاب جو مسمی باسم اصل ہے بہت قدیم خوش خط ۱۰۳۵ھ کی لکھی ہوی اس محرر اوراق کے پاس فی الحال موجود ہے جس کو مطالعہ کی خواہش ہو مطالعہ فرما سکتے ہیں۔
جناب مولوی سید عیسیٰ عالم میاں صاحب مہدوی کے پاس بھی ایک رسالہ مسمیٰ "بہ نسب نامۂ سادات" ۱۱۰۳ھ کا لکھا ہوا ہے جس کی اصل عبارت یہ ہے۔

امام اسمٰعیل بن حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام را ہشت فرزند
بودند ہیبت و عابد و ثابت و نعمت و اسد و محب و احمد و ساجد

کتاب کنز الانساب و بحر المصاب" انساب کی ایک مشہور کتاب ہے جس کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ اس کے کاتب امام جعفر صادق ؑ ہیں اس کا بعض حصہ امام حسن عسکری ؑ کا لکھا ہوا ہے۔ یہ کتاب ایک مدت تک مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) میں تھی ۶۵۳ھ میں سید ابو طاہر بن جعفر (نبیرہ حضرت امام محمد تقی) نے اس کو مسجد اقصیٰ سے ملک فارس میں لایا اور اس کے ایک عرصہ بعد علامہ سید مرتضیٰ علم الہدیٰ نے اس عربی نسخہ کا فارسی میں ترجمہ کیا چنانچہ اس کی اصل عبارت یہ ہے۔

کاتب ایں کتاب حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام است بدست
مبارک خود نوشتہ بودند و بعضے بخط حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام
بودہ۔ ایں کتاب شریف مدتے روزگار در مسجد اقصیٰ ماند از ہجرت حضرتنا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہ ششصد و پنجاہ و سہ سال رسیدہ بود
کہ حضرت سید ابو طاہر بن جعفر بن عمران بن موسیٰ بن حضرت امام محمد تقی علیہ السلام

این کتاب شریف را از مسجد افعلی بولایت عجم آوردتا مدتے روزگار گذشت

که حضرت سید ابوطاہر در شہر سبزوار بجوار رحمت حق پیوست[1] و این کتاب

بلفظ عربی بوده حضرت سید مرتضیٰ علم الہدیٰ رحمۃ اللہ علیہ از عربی بفارسی

درآورده تا نام امامان و امامزادگان و سادات و بچهتان دیگر نگان آل محمد

بر روی زمین مخفی نماند ۔

اس کتاب میں بھی حضرت امام موسیٰ کاظم رضہ کے فرزندوں میں حضرت اسمٰعیل

کا نام درج ہے اور حضرت اسمٰعیل بن امام موسیٰ کاظمؑ کی اولاد کی یہ تفصیل لکھی ہے۔

امام اسمٰعیل بن حضرت امام موسیٰ کاظم رضہ راہشت فرزند بود

بدیں اسامی محبیب و عابد و ثابت و نعمت و اسد و حبیب و احمد و ماجد۔

ان تواریخ انساب سے بالاتفاق نعمت کا اسمٰعیل کے فرزند ہونا ثابت ہے

اگرچہ اسماعیل کے دوسرے فرزندوں کے ناموں میں کسی قدر اختلاف پایا جاتا ہے

مگر جناب نعمت کا نام سب میں بلا اختلاف موجود ہے ۔ الحمد للہ علیٰ ذالک دیکھو

" واللہ متم نوره ولو کره الکافرون " کا دعویٰ حق کس طرح پورا ہورہا ہے اور

مولف ہدیہ کی وہ تمام بیہودہ سرائی کی بنیادیں جو صرف ایک عمدۃ الطالب کے

مجرد بیان پر قائم کیگئی ہیں کیسے برباد ہو جارہی ہیں ۔ ہم اس وقت انھی حوالہ جات

شجرات وکتب انساب پر اکتفا کرتے ہیں کیونکہ مردِ حق طلب کیلئے یہی بس ہیں اور

ضد و تعصب کی صورت میں تو کتاب آسمانی بھی عبث ہے ۔

سابعاً ۔ اس تحقیق کے مقابل مولف ہدیہ کی یہ تنگ نظری اور قلت معلومات

کس قدر قابل مضحکہ ہے کہ انھوں نے صرف " عمدۃ الطالب " ہی کے مجرد بیان پر مدار

رکھکر جناب نعمت اللہ کے اولاد امام موسیٰ کاظم رضہ سے ہونے کا انکار کیا ہے نہیں معلوم

مولف ہدیہ نے یہ کیسے خیال کر لیا اور یہ طرز استدلال کہاں سے سیکھا ہے کہ عمدۃ الطالب ہی

---

[1] یہ کتاب مرزا محمد شیرازی ملک الکتاب بمبئی نے طبع میں ۱۳۱۳ھ میں طبع ہوگئی ہے ۔ اس کا ایک نسخہ کتب خانہ آصفیہ

حیدرآباد دکن میں بھی منقولہ موجود ہے اس مطبوعہ نسخہ میں ... علامہ حبیب نے نقل

فرمائی ہیں صفحہ ۲ و ... ۱۲ ... کتاب ... ۔

جو کچھ ہے وہی حق ہے اور شہرت و تواتر۔ دوسری تمام روایتیں۔ شجرات۔ کتب انساب اور وہ تمام وجوہ و دلائل جو علمائے انساب کے نزدیک ثبوت نسب کیلئے مسلّمہ اصول ہیں ان سب کا اعتبار نہ کیا جائے حالانکہ خود مصنف عمدۃ الطالب نے بھی یہ دعویٰ نہیں کیا ہے کہ میری ہی کتاب سب میں زیادہ معتبر ہے اور جو اس کے خلاف ہو وہ لائق اعتبار نہیں ہے

مولف عمدۃ الطالب کا شیخ عبدالقادر کے نسب پر جرح

اگر مولف ہدیہ کے نزدیک عمدۃ الطالب ہی کا اس قدر اعتبار ہے کہ اس میں جو کچھ لکھا ہے وہی صحیح اور جو اس میں نہیں وہ صحیح نہیں تو مصنف عمدۃ الطالب نے جس سلسلۂ نسب کا ذکر نہ کیا ہو یا اس کا باصرار انکار کیا ہو اس کا یہ قول مولف ہدیہ کے پاس مقدم و قوی و اقوی ہونا اور اس کے مقابل کسی دوسرے کے قول کا اور کسی دوسری روایت کا اعتبار نہ ہونا چاہیے پس مولف ہدیہ کو چاہیئے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی سیادت سے ہاتھ دھو بیٹھے اور اپنے اسی اصول کے مطابق حضرت کو سید کہنے سے باز آئے کیونکہ مصنف عمدۃ الطالب کے بیان سے حضرت ممدوح کا سلسلۂ نسب بے اصل ٹھہرتا ہے اس لئے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلۂ نسب کے دیکھنے سے جو فصل الخطاب وغیرہ میں لکھا ہے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت داؤد بن موسیٰ الجون کی اولاد میں ہیں۔ لیکن عمدۃ الطالب میں موسیٰ الجون کی اولاد ان کے دو ہی فرزندوں عبداللہ اور ابراہیم سے جاری ہونا لکھا ہے اور داؤد کا ذکر نہیں کیا ہے چنانچہ لکھا ہے۔

وعقبہ من رجلین عبد اللّٰہ الشیخ الصالح ویلقب بالرضی ایضاً وابراھیم ابن الجون۔

ان (موسی الجون) کی نسل دو ہی شخصوں عبداللہ شیخ صالح سے جن کا لقب رضی بھی ہے اور ابراہیم بن الجون سے ہے۔

پس جبکہ مولف ہدیہ نے عمدۃ الطالب کے اس بیان کی بنا پر کہ اسماعیل بن موسیٰ کاظم کی اولاد ان کے ایک فرزند موسیٰ سے پھیلی ہے" یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اسمٰعیل کے فرزندوں میں نعمت اللہ کا پتہ نہیں ہے۔ تو اسی عمدۃ الطالب ہی میں جب موسی الجون کی اولاد کا سلسلہ ان کے دو ہی فرزندوں عبداللہ اور ابرہیم سے جاری ہونا لکھا ہے اور داؤد کا نام نہیں ہے جو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رح کے جد اعلیٰ ہیں تو مولف ہدیہ کو شیخ رح کا قصر سیادت بھی اصل سے بے بنیاد ہونے کا فیصلہ کرنا چاہیئے

کیونکہ داؤد بن موسیٰ الجون ہی کے واسطہ سے آپ کا سلسلہ امام حسنؓ بن علی بن ابی طالبؓ کو پہنچتا ہے اور عمدۃ الطالب میں داؤد کا ذکر نہیں ہے۔

کیا یہاں بھی مولف ہدیہ یہی کہیں گے کہ موسی الجون کوئی شخص غیر مشہور اور مجہول الحال نہیں ہیں کہ جس کا جی چاہے بیٹا بن جائے اور کیا یہاں بھی ناصر الدولہ فرمانروائے دکن کے دو ہی فرزند ہونے اور تیسرے فرزند کہاں سے آنے کی مثال حضرت شیخ کو سید کہنے والوں کے لئے بھی آپ فرمائیں گے یا نہیں۔ اگر نہ کہیں تو یہ کونسی دیانت ہوگی؟ اور اگر یہ بے ادبی کریں تو تمام قادریہ اور حضرتؒ کے معتقدین اس کا جو جواب دیں گے وہی ہمارا بھی ہو سکتا ہے۔

اس کے علاوہ مصنف عمدۃ الطالب نے اسی پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلۂ نسب پر ایک اور سخت حملہ کیا ہے اگر آپ کا دارومدار عمدۃ الطالب ہی پر ہے تو آپ اس کے اس طعن کو بھی صحیح سمجھنا چاہئے چنانچہ اس کی اصل عبارت یہ ہے۔

وقد نسبوا الی عبد اللہ بن محمد بن یحییٰ بن محمد بن الرومیۃ المذکور الشیخ الجلیل محی الدین عبد القادر الجیلانی فقالوا ھو عبد القادر بن محمد جنگی دوست بن عبد اللہ المذکور ولم یدع الشیخ عبد القادر ھذا النسب ولا احد من اولادہ وانما ابتدأبہا ولد ولدہ القاضی ابو صالح نصر بن ابی بکر بن عبد القادر ولم یقم علیہا بینۃ ولا عرفہا لہ احد علی ان عبد اللہ بن محمد بن یحییٰ رجل حجازی لم یخرج عن الحجاز وھذا الاسم اعنی جنگی دوست اعجمی صریح کما تراہ ومع ذالک کلہ فلا

انہی مذکور عبد اللہ بن محمد بن یحییٰ بن محمد بن رومیہ کی طرف جلیل القدر شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی رحمہ کو منسوب کرتے اور کہتے ہیں کہ عبد القادر بن محمد جنگی دوست عبد اللہ مذکور کے بیٹے ہیں حالانکہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ یا ان کے فرزندوں میں سے کسی نے اس نسب کا دعوی نہیں کیا۔ اس کی ابتدا ان کے پوتے قاضی ابو صالح نصر بن ابی بکر بن عبد القادر سے ہوئی ہے اور اس کا نہ کوئی ثبوت انہوں نے دیا اور نہ کوئی ان کی دلیل معلوم کر سکا۔ اس کے علاوہ عبد اللہ بن محمد بن یحییٰ حجازی ہیں اور کبھی حجاز سے باہر نہیں نکلے اور یہ جنگی دوست صریح عجمی نام ہے

طریق الی اثبات هذا النسب الا
بالبینة الصریحة العادلة وقد
اعجزت القاضی اباصالح واقربها
عدم موافقة جده عبد القادر
واولاده له والله سبحانه اعلم۔

ان تمام وجوہ کے ہوتے اس نسب کے ثابت
کرنیکے لئے کوئی بینہ عادلہ نہیں ہے جس نے
قاضی ابو صالح کو اس بحث میں عاجز کر دیا ہے اور
انھوں نے اپنے دادا عبدالقادر اور انکے فرزندوں میں سے
کوئی اس نسب سے موافق نہ ہونیکا اقرار کرلیا ہے واللہ اعلم

کتاب "صحاح الاخبار فی نسب السادۃ الفاطمیۃ الاخبار" میں شریف ابو النظام
کی "المشجرۃ الکشاف لاصول السادۃ الاشراف" اور "العمری" کے "مشجرات"
سے اسی مضمون کے اقوال نقل کئے ہیں جن سے عمدۃ الطالب کے اس بیان کی مزید تائید
ہوتی ہے چنانچہ اس میں ان کے اقوال نقل کرنے کے بعد اس کے وجوہ واسباب کی
یہ توضیح کی ہے کہ

ومن المعلوم ان اباصالح بن ابی بکر
عبدالرزاق بن الشیخ عبدالقادر الجیلی
لما ابتدأ بهذه الدعوی عورض علیها
من علماء النسب ولم یقم علیها بینة
شرعیة وبقیت هذه الدعوی
مطویة تحت سجف الانکار لاسباب
منها ان النسبة التی ادعاها نصر بن
ابی بکر عبدالرزاق کتب فیها ان اباه
عبدالرزاق ابن الشیخ عبدالقادر ابن
ابی صالح جنگی دوست ابن موسی بن
عبدالله بن یحیی بن محمد والذی صح

یہ بات معلوم ہے کہ ابوصالح بن ابوبکر عبدالرزاق
بن شیخ عبدالقادر جیلانی نے جب اس نسب کا
دعوی شروع کیا تو اس کا علمائے انساب نے
خلاف کیا اور وہ اس دعوی پر شرعی ثبوت
پیش نہ کرسکے اور یہ دعوی کئی اسباب سے
انکار کے پردوں ہی میں لپیٹا رہ گیا جن میں
ایک یہ ہے کہ یہ نسب جس کا دعوی نصر بن
عبدالرزاق نے کیا ہے اس کی نسبت لکھا ہے
کہ اپنے باپ عبدالرزاق بن شیخ عبدالقادر
ابو صالح جنگی دوست بن موسی بن عبداللہ
بن یحیی بن محمد ہیں ۔ حالانکہ کل

عـه۔ اس کتاب کے مولف سید سراج الدین ابن سید عبداللہ رفاعی مخزومی ہیں ۔ یہ بزرگ عراق کے شہر واسط
میں ۷۹۳ھ میں پیدا ہوے اور ۸۸۵ھ میں ۹۲ سال کی عمر میں وفات پائی ہے ۔ یہ کتاب ۱۳۰۶ھ میں
مطبع نخبۃ الاخبار" بمبئی میں چھپ گئی ہے ۔ شہاب بن نصرت غفرلہما ۔

عند علماء هذا الشان كافة ان عبد الله
الذى نسبوا اليه جنگی دوست هو ابن
محمد بن يحيىٰ وعبد الله هذا ابن محمد
هو المعروف بابن الرومية ولم يعقب
وانما الذى اعقب اخوه يحيىٰ بن محمد
بن يحيىٰ فمن اختلاف الاسماء
والالحاق بالعقيم انكرت النسبة
المذكورة ومن اسباب الانكار ان
عبد الله بن محمد بن الرومية الذى
نسبوا اليه جنگی دوست توفى فى المدينة
ليلاً عام اربعمائة ۴۵ وخمسين و
قيل عام اربعمائة وستين على الاصح
ودفن فى البقيع وعمره يوم وفاته
دون العشرين ولم يعقب احداً
كما صححه الافطس الشريف والعميدى
وغيرهما ۔ ومن المعلوم ان ولادة
الشيخ عبد القادر عام سبعين و
اربعمائة فعلى هذا يقال حسن الظن
يلزم بتصديق ما غاب علمه
حقيقة عن الرجل اه

علمائے انساب کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ
جن عبد اللہ کی طرف جنگی دوست کو منسوب
کیا گیا ہے وہ محمد بن یحییٰ کے بیٹے ہیں ۔ اور
یہ عبد اللہ ان محمد کے بیٹے ہیں جو ابن رومیہ
مشہور ہیں اور یہ لاولد ہیں ۔ البتہ ان کے
بھائی یحییٰ بن محمد بن یحییٰ صاحب اولاد ہیں ۔
پس ناموں کے اختلاف اور ایک لاولد
شخص سے نسب کا الحاق کر دئے جانے کی
وجہ سے نسب مذکور کا انکار کیا گیا ہے ۔ اس
نسب کے انکار کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ
عبد اللہ بن محمد ابن رومیہ جن کی طرف جنگی دوست
کو منسوب کیا جا رہا ہے وہ ۴۵۰ھ اور
بقول صحیح ۴۶۰ھ میں مدینہ میں رات کو وفات
پائے بقیع میں دفن ہوئے اور وفات کے وقت
ان کی عمر بیس سال سے کم تھی اور ان کی کوئی
اولاد نہیں ہوئی جیسا کہ عمیدی اور افطس شریف
وغیرہ نے تصحیح کی ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ
شیخ عبد القادر کی ولادت ۴۷۰ھ میں ہے
اس پر کہا جاتا ہے کہ جس چیز کا حقیقی علم نہ ہو
اس کی نسبت حسن ظن لازم ہے ۔

صحاح الاخبار سے ایک اور واقعہ کا پتہ چلتا ہے کہ قاضی ابو صالح نبیرۂ
حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رہ نے ابن میمون الشریف النسابہ (ماہر نسب) کو ایک
خط لکھا تھا جس میں یہ درخواست کی تھی کہ اس نے جو شجرہ لکھا ہے اس میں اپنا
سلسلۂ نسب آل امام حسن علیہ السلام میں درج کر دے ۔

ابن میمون نے اس کے جواب میں لکھا ہے کہ ہم تم کو جانتے ہیں کہ قاضی ہو۔

تمھارے والد عبدالرزاق فقیہ و صالح تھے۔ تمھارے دادا شیخ عبدالقادر صوفی متقی ہیں جن سے برکت اور نیک دعا چاہی جاتی ہے۔ لیکن آپ کا نسب جیسا کہ تم نے اپنی بعض کتابوں میں لکھا ہے "بشتبری" ہے جو بشتبر" پر منتہی ہوتا ہے جو فارس میں ہرمزیوں کا ایک قبیلہ ہے خدا سے ڈرو اور ہاشمی ہونے کا دعویٰ ہاشمیوں ہی کے لئے چھوڑ دو"

اس ضمن میں مصنف "صحاح الاخبار" نے ان اقوال کی کچھ توجیہات کی ہیں لیکن ہم کو اس وقت ان کی صحت و عدم صحت سے بحث کرنا مقصود نہیں ہے اور نہ معاذ اللہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے نسب پر طعن کرنا مقصود ہے بلکہ خاص مولف ہدیہ سے جنھوں نے عمدۃ الطالب کے بیان کو وحیٔ اسمانی سمجھ لیا ہے یہ جواب لینا ہے کہ جناب نعمت اللہ کی نسبت تو عمدۃ الطالب" میں صرف سکوت ہے کہ اس کے مصنف نے امام موسیٰ کاظم یا اسمٰعیل بن امام موسیٰ کاظم کی اولاد کی ذیل میں آپ کا نام نہیں لکھا ہے لیکن حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلۂ نسب کا تو اس طرح صاف انکار کیا ہے کہ حضرت شیخ رح کے نبیرہ قاضی ابوصالح نے اس کو وضع کر لیا ہے اور اس پر کوئی بینۂ عادلہ نہیں ہے۔ تو ظاہر ہے کہ مصنف عمدۃ الطالب کا کسی امر کو فقط ذکر نہ کرنا اگر مولف ہدیہ کے پاس نفیٔ نسب کے لئے کافی ہے اور دوسری سب روایتیں اور علمائے انساب کے تمام اقوال اس کے مقابل نظرانداز ہو جا سکتے ہیں تو پھر اسی مصنف عمدۃ الطالب کا کسی امر کا باصرار انکار و نفی کرنا تو آپ کے لئے ضرور اس نسب کی نفی کے لئے واجب الیقین ہونا چاہیئے۔

جناب نعمت اللہ کے متعلق عمدۃ الطالب میں جو سکوت پایا جاتا ہے اسکی کوئی تائید دوسرے علمائے انساب کے اقوال سے نہیں ملتی بلکہ اُن علمائے انساب کی تحریرات سے اس سکوت کی تردید و تغلیط ہو جاتی ہے جنھوں نے امام موسیٰ کاظم رح کی اولاد میں نعمت اللہ کا نام لکھا ہے۔ اس کے برخلاف حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے اس سلسلۂ نسب کی جو تکذیب عمدۃ الطالب میں کی گئی ہے اس کی تائیدِ مزید دوسرے علمائے انساب کی تحریرات سے بھی واضح طور پر ہو رہی ہے تو بالضرور عمدۃ الطالب کا یہ قول اس کے مجرد سکوت کے مقابل قابل اعتبار ہوتا اور اس کے مقابل دوسری

کسی روایت کا بالکلیہ لحاظ نہ ہونا چاہیئے۔

اس کے علاوہ عمدۃ الطالب میں یہ بھی صراحتیں موجود ہیں کہ "حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ یا آپ کے فرزندوں میں سے کسی نے بھی اس نسب کا کبھی دعوئ نہیں کیا ہے۔

"مصنف عمدۃ الطالب نے قاضی ابو صالح سے اس نسب کی نسبت بحث کر کے ان کو عاجز کر دیا ہے۔

خود قاضی ابو صالح نے اس نسب کو وضع کرنے اور اپنے دادا کا اس کے موافق نہ ہونے کا اقرار کر لیا ہے" اس کے مقابل ان تمام صورتوں میں سے کوئی بھی صورت "عمدۃ الطالب" سے حضرت امامنا مہدئ موعود علیہ السلام کے سلسلۂ نسب کی نسبت نہیں پائی جاتی۔

پس ان تمام وجوہ و دلائل سے مولف ہدیہ کو حضرت شیخ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کے نسب سیادت کو غیر صحیح تسلیم کرنا چاہیئے یا کتاب "عمدۃ الطالب" کو جو وحئ آسمانی سمجھ رکھا ہے اس سے توبہ کر کے اُس کو غیر صحیح قرار دینا لازم ہے۔ پہلی صورت میں اگر آپ حضرت شیخ رح کی سیادت کے قائل نہیں ہیں تو پھر تمام قادریے اور وہ لوگ جو حضرت غوث کی سیادت کے قائل ہیں ان سب پر ناصر الدولہ بہادر فرمانروائے دکن کے تیسرے فرزند کی مثال اور وہ سب ہرزہ سرائیاں جو آپ نے کی ہیں پوری پوری منطبق ہو جائیں گی اور وہ ان کا ہدف بنیں گے اور انہی کو اس کا جواب دینا لازم ہو گا۔

دوسری صورت میں مولف ہدیہ کی وہ تمام اعتراضی بحثیں جو عمدۃ الطالب کے بیان پر مبنی ہیں خود بخود بیخ و بنیاد سے اکھڑ جاتی اور ہباءً منثورا ہو جاتی ہیں وہوالمقصود۔

مولف ہدیہ کی بیجا تعلّی کی تردید

ان تمام مباحث کی روشنی میں ناظرین کرام یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ ان سب وجوہ و دلائل کی جوابدہی مولف صاحب ہدیہ کے ذمہ ہے اور جب تک وہ ان کی جواب دہی نہ کریں یا اپنی غلطیوں کا اعتراف نہ کر لیں انہیں اس مسئلہ میں کچھ بھی کہنے کا منہ نہیں ہے لیکن اس کے باوجود ان کی یہ

تعلّی اور یہ شوخی کس قدر قابل تعجب ہے کہ وہ ان سب خامیوں اور کمزوریوں کو بغل میں دبا کر یہ لکھنے کی جرأت بیجا کرتے ہیں کہ

اب مہدویوں کو لازم ہے کہ اس بزرگ کو ناحق داخل النسب کرکے گنہگار نہ ہوویں اور ان کی روح کو زیادہ آزار نہ دیویں۔ اور کیا عجب ہے کہ مہدوی اس عاجز کی اس کتاب کے دیکھنے کے بعد اپنی پورانی کتابوں میں بھی کمی و بیشی کرکے نسب نامہ مذکور کو درست کرلیویں یا دوسرے مقدمات شنیعہ میں اصلاح کرلیویں اس کا کیا اعتبار ہے اور اگر یہ روایت تمھاری کسی قدیم کتاب میں موجود ہے تو اس کو بتاؤ اور اس کی تقویت کے وجوہ اور روایت مطلع الولایت وشواہد الولایت کی تضعیف کے وجوہ بیان کرو۔

مولف صاحب ہدیہ کی اس تمام ہرزہ سرائی کی بنا جبکہ وہی عمدۃ الطالب کے بیان پر ہے تو خود مولف صاحب کو کہنے والا یہی کہہ سکتا ہے کہ آپ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر اپنے اسی قول کو دستور العمل بنائیں اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو نسب سادات میں داخل کرکے گنہگار نہ ہوں اور حضرت کی روح کو زیادہ آزار نہ دیں کیونکہ مصنف عمدۃ الطالب نے کئی وجوہ و دلائل سے حضرت کی سیادت کا انکار کیا ہے اور آپ کا تمام تر دار و مدار اسی کے قول پر ہے۔ مہدویہ پر تو داخل النسب کرنے کا اطلاق ہی درست نہیں کیونکہ حضرت امامنا مہدئ موعود علیہ الصلوٰہ والسلام کا سلسلۂ نسب شہرت و تواتر۔ شجرات۔ کتب انساب۔ سبھی سے ثابت و متحقق ہے پس مہدویہ کی طرف داخل النسب کرنے کی تہمت سراسر غلط ہے البتہ مولف ہدیہ نے جگر گوشۂ رسول اللہ جناب نعمت اللہ کے نسب پر باغوائے نفس و شیطان جو طعن کرکے جناب ممدوح کو امام موسیٰ کاظم کے نسب سے خارج کردیا ہے اس سے توبہ کرے کیونکہ ایسا کرنے والا فقط گنہگار ہی نہیں ہوتا بلکہ مردود ازل اور مطرود بارگاہ عزوجل ہوجاتا ہے چنانچہ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ

اثنتان فی الناس ھما بھم کفر الطعن فی النسب والنیاحۃ علی المیت (صحیح مسلم)

• لوگوں میں دو باتیں کفر ہیں ایک نسب پر طعن کرنا دوسرے میت پر چلا کر رونا۔

بعض شارحین حدیث نے اس کی یہ شرح کی ہے۔

ای انھما من اعمال الکفر لا من خصائص الابرار۔ الطعن فی النسب کان یقال ھذا لیس ابن فلاں مع ثبوت نسبہ فی ظاھر الشرع و الثانیۃ النیاحۃ علی المیت وھو رفع الصوت بالندب مع تعدید شمائلہ	یعنی یہ دونوں اعمالِ کفر سے ہیں ابرار کے خصائل سے نہیں ہیں۔ ایک تو نسب پر طعن کرنا جیسے یہ کہنا کہ یہ فلاں کا بیٹا نہیں ہے حالانکہ ظاہر شریعت کی رو سے اس کا نسب ثابت ہے۔ دوسرے میت کے عادات وخصائل ذکر کرکر کے چلاّ کر رونا۔

جبکہ عام لوگوں کے نسب پر طعن کرنا اعمال کفر سے ہے تو آلِ رسول کے نسب پر طعن کرنا تو ضرور بدترین کفر اور یقیناً روح مقدس حضرت ختم نبوت علیہ الف الف تحیۃ کی اذیت ورنج کا باعث ہوگا جیساکہ اس باب میں حدیث شریف وارد ہے۔

اشتدّ غضب اللہ علیٰ من آذانی فی عترتی۔	میری آل کی نسبت جو شخص مجھے اذیت دے اس پر اللہ تعالیٰ کا شدید غضب نازل ہوگا۔

پس روح رسولؐ کے لئے اس سے بڑھکر کونسی ایذارسانی ہوسکتی ہے کہ آلِ رسول کو نسب رسول سے خارج کرکے ناصرالدولہ کے نسب میں داخل کیا جائے۔ قاتلھم اللہ انی یوفکون (اللہ انھیں غارت کرے وہ راہ حق سے کیسے پھرے جاتے ہیں)

مولف صاحب کی کتاب (ہدیہ مہدویہ) دیکھکر مہدویہ کا اپنی کتابوں میں کمی وبیشی کرلینے کا خیالِ فاسد اور جناب نعمت اللہ بن اسمٰعیل بن امام موسیٰ کاظم ہونے کی روایت کو ہماری کسی کتاب سے بتلانے اور روایت مطلع الولایت وشواہد الولایت کی تضعیف کے وجوہ بیان کرنے کا مطالبہ بھی مولف ہدیہ کی بیجا تعلّی اور شرارت وتنگ نظری کو اور بھی طشت از بام کررہا ہے کیونکہ امر اول کا لغو ہونا اسی سے ظاہر ہے کہ ہدیہ مہدویہ کی جیسی پوچ ولچر کتاب کو شاید انھوں نے اس قابل سمجھا ہے کہ نعوذ باللہ اس سے مہدوی نسب نامہ کو درست کرلیں گے؟ استغفراللہ مہدویہ کے نزدیک تو اس کے مندرجہ معترضانہ مباحث تارعنکبوت سے بھی زیادہ کمزور اور بودے ہیں جیساکہ انصاف پسند ناظرین پرخود منکشف ہوتا جارہا ہے۔ پس ایسے بے تکے بیانات سے جو خود نادرست ہوں کسی امرِ حق اور مسئلۂ ثابت ومتحقق کی درستی کا دعویٰ۔

ابن خیالست و محالست و جنوں

اسماعیل بن امام موسیٰ کاظم کے فرزند نعمت اللہ ہونے کے ثبوت میں جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے لکھا ہے "سلطان نصیر۔ سراج منیر۔ تاریخ سلیمانی" وغیرہ کتب سیر و تواریخ موجود ہیں ایسی صورت میں مہدویہ کی کسی کتاب سے اس روایت کو بتانے کی حجت بھی پوری ہوگئی ہے خصوصاً جبکہ متقدمین کی کتب انساب اور مشہور شجروں کے حوالوں سے اس کی تائید و تصدیق بھی کالنور علیٰ شاہق الطور ہو چکی ہے۔

مطلع الولایت و شواہد الولایت کی روایت کی تضعیف کے وجوہ بتلانے کا سوال بھی اس وجہ سے اب باقی نہیں ہے کہ یہ بحث اس صورت میں ہوتی جب دونوں روایتوں میں تعارض ہوتا اور تطبیق نہ ہوسکتی۔ جبکہ نعمت اللہ بن امام موسیٰ کاظم لکھنے کی معقول وجہ موجود ہے اور اس سے ان دونوں روایتوں میں تطبیق ہو جا رہی ہے تو کسی بھی روایت کے ضعف و قوت کی بحث کی ضرورت ہی باقی نہیں ہے۔ بعض شجروں میں بھی نعمت اللہ بن امام موسیٰ کاظم ہی لکھا ہے جس سے روایت مطلع الولایت و شواہد الولایت کی تائید اور اس توجیہ کی تصدیق ہوتی ہے کہ نعمت اللہ کو اپنے دادا کی طرف منسوب کر کے ابن امام موسیٰ کاظم لکھنا درست ہے چنانچہ اسکی بہت سی مثالیں کلام عرب۔ کتب انساب۔ حضرت ختمی مرتبت صلعم کے نسب نامے اور احادیث[عہ] میں اور سب سے بڑھکر خود قرآن شریف میں ملتی ہیں کہ درمیانی وسائط کا ذکر چھوڑ کر کئی کئی درجے نیچے کے نبیروں کو "ابن فلاں" اور کئی کئی درجے اوپر کے دادا کو "ابو فلاں" کہا جاتا ہے کیا مولف صاحب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی جناب میں بھی

عہ۔ نووی شرح مسلم میں لکھا ہے کہ " وکان کثیر من الناس یدعون النبی صلی اللہ علیہ وسلم ابن عبد المطلب منسوبۃ الی جدہ لشہرتہ (اکثر لوگ رسول اللہ صلعم کو شہرت کی وجہ سے حضرت کے دادا کی طرف منسوب کر کے ابن عبد المطلب پکارتے تھے) خود حضرت نے بھی " انا ابن عبد المطلب" فرمایا ہے۔ حضرت نے خود کو " انا ابن الذبیحین" بھی فرمایا ہے یعنی میں دو ذبیح اللہ کا بیٹا ہوں جن سے حضرت عبد اللہ آنحضرت صلعم کے والد اور آپ کے جد اعلیٰ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام مراد ہیں۔

اسی طرح حضرت نے " ابیکم ابراھیم" اور " انا دعاء ابی ابراھیم" بھی فرمایا ہے قرآن شریف میں بھی

یہی کہیں گے کہ " سیکڑوں برس کے گزرے ہوئے دادوں پردادوں کو اب مرتب اور مقرر کرتے ہیں کہ دادا کو باپ اور باپ کو دادا اور بیٹے کو باپ اور باپ کو بیٹا ٹھہرا لیتے ہیں"۔

اس موقع پر اس بحث کا سب سے زیادہ اہم پہلو تو یہ ہے کہ مولف صاحب ہدیہ کو دوسروں کی آنکھ کا تنکا تو نظر آجاتا ہے مگر اپنی آنکھ کا یہ شہتیر نظر نہیں آتا کہ "عمدۃ الطالب" کا قول جبکہ " بحرالانساب "۔ نسب نامۂ سادات "۔ کنزالانساب" اور متعدد شجرات وغیرہ کے خلاف ہے تو آپ خود اول یہ بیان کریں کہ عمدۃ الطالب کے قول کی تقویت اور ان سب کی تضعیف کے کیا وجوہ ہیں ؟ جو آپ نے صرف اسی ایک کو معتبر سمجھ لیا ہے جب تک وہ وجوہ بیان نہ کریں اور وہ صحیح ثابت نہوں آپ کی اس تمام بحث کی بنیادیں سرے سے کھوکھلی ہیں ۔

اسی ضمن میں مولف صاحب ہدیہ نے مطلع الولایت کے قول کی تائید کے طور پر اور حضرت بندگیمیاں نسید خوندمیرؒ کی سیادت کو بھی بے اصل ثابت کرنیکی غرض سے پنج فضائل کو معتبر کتاب بتایا ہے اور جناب مولوی سید عیسٰی عالم میاں صاحب کے نام سے یہ لکھا ہے کہ

> جب وہ تصنیف ہوئی اس عصر کے مہدویوں اور مشایخ وعلماکے مہدویوں کو دکھائی گئی سب نے اجماع کیا کہ جو کچھ اس میں مسطور ہے سب صحیح و معتبر ہے سوائے ایک نقل کے کہ اس میں لکھا ہے کہ جب خوندمیر اور ان کے رفقا کو لشکر اہل سنت نے بحکم بادشاہ قتل کیا خوندمیر اور انکے رفقا کے سر لیکر طرف شہر چاپانیر کے واسطے ملاحظے سلطان مظفر بادشاہ کے روانہ ہوئے راستے میں یہ سب سر سڑ گئے تب انکے پوست کھینچکر بھس بھر لیا ۔ الخ

بقیہ مضمون حاشیہ ص ۵۳ ۔ مِلّۃ ابیکم ابراھیم" اور " یا بنی آدم" اور " یا بنی اسرائیل" کہا گیا ہے ۔ غرض کہ اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں جن سے مجیب علامہ کے اس قول کی تصدیق اور مولف ہدیہ کے اعتراض کی غلطی واضح ہوتی ہے ۔ اشرف کان اللہ لہ

اس کے قطع نظر کہ جناب مولوی سید عیسٰی صاحب کے نام سے جو لکھا ہے وہ کس حد تک صحیح ہے؟ جس سے بعد میں بحث کیجائے گی خود مولف صاحب ہدیہ کے اس بیان سے ثابت ہے کہ شہدا (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے سروں کے سڑجانے کا واقعہ جو مولف صاحب نے ہدیہ کے باب دوم میں لکھا ہے (ہدیہ ص۵۲) وہ صحیح نہیں ہے۔ پس سب سے پہلے مولف صاحب کی یہ بے دیانتی قابل غور ہے کہ باب دوم میں تو اسی نقل (روایت) کو ایک صحیح واقعہ کے طور پر بیان کیا ہے اور اس کی عدم صحت کا اشارہ تک نہیں کیا ہے۔ اور اس موقع پر پنج فضائل کو معتبر کتاب بتانے کے لئے خود اس نقل کا غیر صحیح و غیر معتبر ہونا ظاہر کر رہے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ مولف صاحب ہدیہ کو حق پسندی و دیانت سے کوئی غرض نہیں ہے بلکہ ان کا عمل محض عیب جوئی کے مذموم اصول پر ہے۔ کسی نے کیا صحیح کہا ہے جو مولف صاحب کے حسب حال ہے

بے ہنرے چند زخود بے خبر عیب پسندند برغم ہنر
دود شوند از بد ماغے رسند باد شوند ار بچراغے رسند

جناب مولوی سید عیسٰی صاحب کے نام سے جو کچھ لکھا ہے وہ قابل تامل ہے کیونکہ مولف صاحب ہدیہ نے جبکہ بہت سی تحریری روایتوں کو اصل کے خلاف تحریف و تبدیل کر کے پیش کیا ہے تو اس زبانی روایت کی نسبت ان کا بیان صحیح ہونے کا کیا اعتماد ہو سکتا ہے؟ کیا عجب ہے کہ مولف ہدیہ کا جناب ممدوح پر افترا ہو اس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ جب پنج فضائل مرتب ہوئی اس میں بعض غلط نقلیں (روایتیں) درج ہو گئی تھیں جن میں سے ایک نقل تو یہی تھی دوسری یہ کہ جب حضرت بندگی میاں سید خوندمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت امامنا مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں آکر تصدیق مہدیت سے مشرف ہوئے اس وقت بندگیمیاں سید خوندمیر کی والدہ زندہ تھیں اور آپ نے اپنی والدہ سے اپنی تصدیق کا اخفا کیا۔ یہ واقعہ بھی غلط تھا اس وقت آپ کی والدہ زندہ ہی نہیں تھیں۔

بہرحال جب یہ بے اصل روایتیں زبان زد ہوئیں علما و مشائخین عصر نے جناب مولف صاحب پنج فضائل رح سے ان کی سند دریافت کی چونکہ وہ بالاتفاق

بے اصل اور غلط تھیں جناب مولف صاحب "پنج فضائل" نے بکمال انصاف و دیانت ان کی غلطی کا اعتراف فرمایا چنانچہ وہ تحریر جو اس کے متعلق لکھی گئی ہے بعض کتب تاریخ و سیر میں اور اکثر خاندانوں میں موجود ہے۔ پس اس سے یہ تو ضرور ثابت ہے کہ یہ نقلیں بالاجماع بے اصل و غلط ہیں لیکن اس سے اس کتاب کی بقیہ روایتوں کی صحت و عدم صحت پر اجماع ہونا کہاں ثابت ہے کیونکہ اجماع کی صورت یہ ہے کہ کوئی کتاب من اولہ الی آخرہ اجماع میں پڑھی جائے اور اہل اجماع اس کے رطب و یابس پر مطلع ہو کر مضامین مندرجہ کی صحت و عدم صحت کا حکم لگائیں تو یہ صورت اجماعی کہلاتی حالانکہ ایسا نہیں ہوا ہے۔ البتہ اس قدر یقینی ہے کہ بقیہ نقلیات کے بارے میں اہل اجماع کو کوئی اعتراض نہیں ہوا۔

اس کے قطع نظر جبکہ مولف صاحب ہدیہ کی اصل غرض اس تمام کارستانی سے یہی ہے کہ پنج فضائل میں بھی "نعمت اللہ بن امام موسیٰ کاظمؒ" لکھا ہے تو مطلع الولایت وشواہد الولایت کی روایت کا اور اس کا مفہوم ایک ہوا پس جو توجیہ اُن کی ہے وہی توجیہ اس کی بھی ہوسکتی ہے۔ پھر مولف صاحب ہدایہ کو اس تمام کارستانی سے کوئی مفید مطلب نتیجہ حاصل نہیں ہوسکتا۔

مولف ہدیہ کا مہدیت و فاطمیت میں دور محال سمجھنا غلط ہے۔ | بحث سیادت کے آخر میں مولف صاحب ہدیہ۔ مہدویہ سے یہ سوال کرتے ہیں کہ

مہدی ہونا سیادت پر موقوف ہے جب سیادت کا پتہ نہیں لگا مہدی ہونا کہاں سے یقینی ہوگیا یا تمہارے نزدیک مہدی کے واسطے اولادِ فاطمہ سے ہونا ضروری نہیں ہے۔ اگر کہیں کہ اثباتِ فاطمیت میں ہم کو قول مہدی کا بس کرتا ہے تو نہایت بےجا ہے اس واسطے کہ مہدیت بالاتفاق والاجماع فاطمیت پر موقوف ہے۔ اگر فاطمیت کا ثبوت مہدیت پر موقوف اور خارج سے اس کا پتہ نہ لگا تو دورِ محال لازم آیا۔

یہ سوال "بنائے فاسد علی الفاسد" ہے کیونکہ فاطمیت کا ثبوت یہاں خارج سے موجود ہے۔ مولف صاحب نے اپنی کج فہمی سے خلافِ اصولِ تحقیق و دیانت اپنے خیالی مفروضوں اور محض عمدۃ الطالب کے مجرد قول کی بنا پر امامنا مہدی موعود علیہ السلام کی

سیادت کو امر غیر ثابت سمجھ لیا اور اسی غلط فہمی کی بے اصل بنیاد پر یہ سوال بھی کھڑا کر لیا ہے اس کا جواب یہی ہے کہ جس طرح اس سے پہلے ثابت ہو چکا ہے کہ مہدی کا فاطمی ہونا قطعی ہے اسی طرح حضرت امامنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فاطمی النسب ہونا بھی یقینی ہے کیونکہ خود آپ ہی کے قول کے موافق مہدیت سیادت پر موقوف ہے تو مہدیت موقوف اور سیادت موقوف علیہ ہوی ۔ پس جب موقوف علیہ یعنی سیادت ثابت ہے تو مہدیت بھی ضرور ثابت و یقینی ہے ۔

اب رہی دورِ محال کی بحث اس کی تحقیق اولاً دینی اور مذہبی اصول پر یہ ہے کہ مہدیٔ موعود علیہ السلام کا فاطمی النسب ہونا امر قطعی ہے ۔ مولف صاحب نے جن کتب انساب و تواریخ یا جن طریقوں اور ذریعوں کو اس امر قطعی کے جانچنے کا معیار سمجھ لیا ہے وہ سب مفید قطع و یقین تو کجا مفید ظن صحیح بھی نہیں ہیں ان کے مقابل حضرت مہدی علیہ السلام کی ذات معصوم عن الخطا ہے اس لئے حضرت کا فرمان مفید قطع و یقین ہے۔ پس جس طرح ایک معصوم عن الخطا یعنی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے مہدی کے فاطمی النسب ہونے کا علم قطعی و یقینی ہم کو حاصل ہوا ہے اسی طرح دوسرے معصوم عن الخطا یعنی حضرت مہدی موعود علیہ السلام کے فرمان سے آپ کا فاطمی النسب ہونا ثابت اور ہمارے لئے موجب قطع و یقین ہے ۔

مولف صاحب نے جو اس کو دورِ محال سمجھا ہے ان کی سمجھ میں تھوڑا سا پیچ پڑ گیا ہے کیونکہ منطقیین کے اصول پر بھی یہاں دَورِ محال لازم نہیں آتا جس کی تقریر یہ ہے کہ یہاں لزوم جانب واحد سے ہے نہ جانبین سے یعنی جو مہدی ہے اس کا فاطمی ہونا ضروری ہے لیکن جو بھی فاطمی ہے اس کا مہدی ہونا ضروری نہیں ہے ۔ پس مہدیت و فاطمیت میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے ۔ دَورِ محال اُس وقت لازم آتا جبکہ تلازم جانبین سے ہو کر جہت توقف متحد ہوتی ۔ لیکن جب جہت توقف بدل جاتی ہے تو دَورِ محال لازم نہیں آتا جیسے کہ ہیولیٰ اور صورت کہ ان دونوں میں تلازم ہے ہر ایک دوسرے کا محتاج ہے لیکن چونکہ جہت جو " وجود و تشکل " ہے مختلف ہے اس لئے ان میں دَورِ محال نہیں پایا جاتا ۔

علیٰ ہٰذا القیاس مسئلۂ زیر بحث میں جہت مختلف ہے ۔ دونوں جہتوں کے

درمیان بیّن فرق ہے کیونکہ مہدیت جیساکہ مولف صاحب نے بیان کیا ہے فقط سیادت ہی پر موقوف نہیں ہے ورنہ لازم آئے گا کہ جو سید ہے وہ مہدی ہو جائے جب یہ صحیح نہیں ہے تو ضرور ہوا کہ مہدیت کا موقوف علیہ اس کے سوا اور کوئی امور بھی ہیں جیسے اخلاق انبیاؑ و معجزات وغیرہ ۔

نفس سیادت بھی کچھ مہدیت پر موقوف نہیں ہے ورنہ لازم آئے گا کہ بجز مہدی کے کوئی سید نہ ہو حالانکہ یہ بالبداہتہ باطل ہے پس ثابت ہوا کہ ہر ایک کا توقف دوسرے پر بجہاتِ متفاوتہ ہے اور یہ دَورِ محال نہیں ہے ۔

اس کے علاوہ مولف صاحب کی یہ سب تقریر اس موقع پر سراسر بے محل ہے کیونکہ امامنا مہدئ موعود علیہ السلام کی فاطمیت کا ثبوت خارج سے بھی کماحقہ موجود ہے جس کا کسی قدر بیان اس سے پہلے ہو چکا ہے ۔

اگر مولف صاحب ہدیہ کسی خبرِ مغیب میں خود مخبر عنہ کی شہادت سے جو بات ثابت ہو اس کو خبرِ مغیب کا مصداق بننے کے لئے کافی نہیں سمجھتے اور ایسی صورت کو دَورِ محال ہی خیال کرتے ہیں تو ان کو بہت سے مسئلوں میں دَورِ محال کے قائل ہونا پڑے گا ۔ اس کی ایک بدیہی مثال یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی جو بشارت دی ہے وہ قرآن شریف میں اس طرح ذکر کی گئی ہے ۔

اذ قال عیسیٰ بن مریم یا بنی اسرائیل انی رسول اللّٰہ الیکم مصدقا لما بین یدیّ من التورٰیۃ و مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد ط فلما جاء ھم بالبینٰت قالوا ھٰذا سحر مبین ۔ (۲۸ — ۹ — الصف)

جبکہ عیسیٰ بن مریم نے کہا کہ اے بنی اسرائیل میں اللہ کا رسول ہوں جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں میں توریت کی تصدیق کرتا ہوں اور ایک نبی کی بشارت دیتا ہوں جو میرے بعد آنے والا ہے جس کا نام احمد ہے ۔ جب وہ نبی کھلی دلیلوں (معجزات) کے ساتھ آیا تو انھوں نے کہا کہ یہ تو علانیہ جادو ہے ۔

مولف صاحب ہدیہ نے باب سوم کی ابتدا میں جو قاعدۂ کلیہ بیان کیا ہے کہ "جب خدا اور رسول کسی ایسی چیز کی خبر دیویں کہ اس چیز کی حقیقت قبل اس خبر دینے کے معروف و معلوم نہ ہووے تو بنائے شناخت اس چیز کی انھیں علامات و آثار پر ہوتی ہے

جو صاحب خبر نے بیان فرمائی ہو ویں" اس قاعدہ کے موافق اس بشارت سے ثابت ہو رہا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد آنے والے نبی کا نام احمد ہونا چاہیئے۔ احادیث سے ثابت ہے کہ اس بشارت کی نسبت حضرت رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "انا بشارۃ اخی عیسیٰ" یعنی میرے بھائی عیسیٰ کی بشارت میں ہی ہوں (تفسیر معالم التنزیل) یہ بھی فرمایا ہے کہ لی خمسۃ اسماء انا محمد و انا احمد الحدیث یعنی میرے پانچ نام ہیں۔ میں محمد ہوں میں احمد ہوں الخ (تفسیر لباب التاویل) اس لئے تمام مسلمانوں کا اعتقاد ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی اس بشارت کی مصداق حضرت رسول عربی ہی کی ذات اقدس ہے۔ لیکن مولف صاحب ہدیہ کے اس بیان کے موافق جبکہ نبی مبشر کی نبوت احمد نام ہونے پر موقوف ہے اور احمد نام ہونے کا ثبوت اُسی نبی کے قول سے ہو رہا ہے تو وہی دَورِ محال لازم آیا اور بقولِ مولف ہدیہ مسلمانوں کا یہ اعتقاد نہایت بے جا ٹھہرا نعوذ باللہ من سوء الفہم۔ اللہ تعالیٰ مولف ہدیہ کو فہم درست کی توفیق عطا فرمائے ورنہ اُن کی غلط فہمی نہیں معلوم کیا کیا شگوفے کھلاتی ہے۔

اگر مولف صاحب ہدیہ کے خیال میں احتمالِ دور سے کوئی عقیدہ بے جا ٹھہرتا ہے تو پھر آپ اس مسئلہ عقیدہ کے متعلق کیا فرماتے ہیں کہ حضرت محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت اس طرح ثابت ہے کہ جبرئیل آپ پر نازل ہوتے اور اللہ تعالیٰ کا حکم پہنچاتے ہیں اور جبرئیل کا آنا خود حضرت ہی کے کہنے سے ثابت ہے خارج سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے تو یہاں بھی بقول آپ کے وہی دَورِ محال لازم آتا ہے۔ چنانچہ یہ ہمارا ہی قول نہیں بلکہ امام فخر الدین رازی رح نے تفسیر کبیر میں یہی شبہ ظاہر کیا ہے اور تفسیر نیشاپوری میں بھی اس کا ذکر کیا گیا ہے

انا لا نعلم کون جبرئیل صادقاً معصوماً عن الکذب والتلبیس الا بالدلائل السمعیۃ وصحۃ الدلائل السمعیۃ وکون ابلیس غیر صادق ولا معصوم من الکذب والتلبیس موقوف علی ان محمداً صادق وصدقہ یتوقف علی ھذا ان القرآن

جبرئیل کا جھوٹ اور مکر سے معصوم ہونا ہم کو سماعی دلیلوں (قرآن و حدیث) ہی سے معلوم ہوا ہے اور ابلیس کا جھوٹ اور مکر سے معصوم اور صادق نہ ہونا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صادق ہونے پر موقوف ہے کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے

معجز من قبل الله تعالیٰ لا من قبل الشیطان الخبیث فالعلم بذالك یتوقف علی العلم بان جبرئیل صادق محق مبرأعن التلبیس وافعال الشیطان وح یلزم الدور وھذا مقام صعب۔

ہے اور معجزہ ہے شیطانِ خبیث کی طرف سے نہیں ہے پھر اس علم پر موقوف ہے کہ جبرئیل صادق ہیں مکر اور شیطانی افعال سے بری ہیں پس اس صورت میں دور لازم آتا ہے اور یہ مشکل مقام ہے۔

پس مولف صاحب ہدیہ اس دَور کا جو جواب دیں گے اور اس دَور کا جو اثر عقائد اسلامیہ پر مرتب ہونا تسلیم کریں گے ہمارا بھی وہی جواب ہوگا۔

الحمد للہ حضرت امامنا مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فاطمی النسب ہونے کے متعلق مولف ہدیہ نے جو شبہات پیش کئے تھے اور اپنی غلط فہمیوں و غلط بیانیوں کے جو نمونے دکھائے تھے وہ سب بے اصل ثابت ہوے اور حضرت کی سیادت کا مسئلہ کالنور علیٰ شاہق الطور ظاہر و باہر ہوچکا اب بتوفیق اللہ دلیل دوم کا بیان شروع کیا جاتا ہے۔

امام مہدی علیہ السلام کے والد کے نام کی تحقیق۔

بحث سیادت کے بعد مولف صاحب ہدیہ نے جو دلیل دوم قرار دی ہے اور اس کے متعلق ان کو جو اعتراض ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ

دلیل دوم۔ قال رسول اللہ صلعم لا تذھب الدنیا حتی یبعث اللہ رجلاً من اھل بیتی یواطی اسمہ اسمی واسم ابیہ اسم ابی فیملأ الارض قسطاً وعدلاً کما ملئت ظلماً وجوراً رواہ ابن ابی شیبۃ والطبرانی فی الافراد والحاکم عن ابن مسعود۔ یعنی فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دنیا تمام نہ ہوگی یہاں تک کہ قایم کرے گا اللہ تعالیٰ ایک مرد میری اہلبیت سے کہ موافق ہوگا نام اس کا میرے نام کے اور اس کے باپ کا نام میرے باپ کے نام کے پس بھردے گا زمین کو عدل و انصاف سے جیسا کہ بھری ہوگی ظلم و بیداد سے انتہی غرض کہ یہ حدیث مہدویوں اور ان کے مہدی کے نزدیک مسلم اور صحیح ہے۔

یہ حدیث باختلاف الفاظ مختلف طریقوں سے مروی ہوئی ہے جن میں سے بعض میں کچھ کمی اور بعض میں کچھ زیادتی بھی پائی جاتی ہے۔ بعض کے سلسلۂ روایت میں محدثین کو بحث بھی ہے لہذا مولف صاحب ہدیہ نے اسی خاص روایت کو جو مہدویہ کے مسلمات سے بتایا ہے وہ قابل تامل ہے کیونکہ اس کا سلسلۂ روایت مولف ہدیہ نے نہیں لکھا ہے البتہ وہ جزء مشترک جو مختلف طرق اسنادیا مختلف احادیث سے برآمد ہوتا ہے وہ ہمارے نزدیک واقعی صحیح و مسلم ہے۔ غرض ہم اس وقت ان احادیث کی تفصیلی بحث سے قطع نظر کر کے صرف مولف صاحب کے اعتراض ہی کی حقیقت کو واضح کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ مولف صاحب ہدیہ کو اس کے متعلق دو ہی اعتراض ہیں۔

ایک یہ کہ امامنا حضرت مہدی موعود علیہ السلام کے والد کا نام "عبداللہ" نہیں بلکہ "سید خاں" تھا جو حدیث کے مطابق ہو سکے۔

دوسرا یہ کہ حضرت امامنا علیہ السلام صاحب حکومت نہیں تھے جو زمین کو عدل و انصاف سے بھر دینا ان پر صادق آوے۔"

اولاً ہم پہلے اعتراض کے مالہ و ماعلیہ سے بحث کرتے ہیں اور بعد میں دوسرے اعتراض پر تحقیقی نظر ڈالیں گے۔

مولف ہدیہ نے پہلے اعتراض کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اول اس کا خلاصہ درج کر دیا جاتا ہے جو یہ ہے کہ

(۱) "ان کے میراں کے باپ کا نام عبداللہ کہنا سراسر افترا ہے ان کے والد کا نام سید خاں تھا چنانچہ تواریخ کی کتابیں جو ان کے عصر کے قریب تصنیف ہوئی ہیں اس میں فقط سید خاں مذکور ہے۔"

(۲)۔ "چونکہ اس وقت یہ بات چھپ نہیں سکتی تھی متقدمین مہدویہ نے بھی یہ دعویٰ نہیں کیا چنانچہ عبدالملک سجاوندی صاحب سراج الابصار نے اصالۃً وعبدالغفور صاحب اعجاز الدلائل نے متابعۃً جس جگہ کہ احادیث موافقہ اپنے میراں کی تائید میں نقل کیں اس حدیث کا نام نہیں لیا ہے۔"

(۳) "متاخرین نے جبکہ زمانہ گزر گیا اور ان کے باپ دادا کے پہچاننے والے مر گئے بے دھڑک ان کے باپ کا نام بدل ڈالا بلکہ صاحب شواہد الولایت نے

ان کی ماں کا نام بھی " آمنہ " ٹھیرا دیا حالانکہ مطلع الولایت والا کہ اس سے مقدم ہے ان کی ماں کا نام بی بی آغا ملک لکھتا ہے "

(۴) " ان کے مہدی نے کبھی دعوٰی نہیں کیا کہ میرا باپ سید عبداللہ ہے "

(۵) " کتاب انصاف نامہ کے باب اول میں لکھا ہے کہ ان کے مہدی سے جب لوگوں نے سوال کیا کہ حدیث میں آیا ہے کہ یواطی اسمہ اسمی واسم ابیہ اسم ابی اور تمھارے باپ کا نام " سید خاں " ہے تب ان بزرگ نے جواب دیا کہ کیا خدائے تعالیٰ اس بات پر قادر نہیں ہے کہ سید خاں کے بیٹے کو مہدی کرے اور بعضوں کو یوں جواب دیا کہ خدا سے کہو سید خاں کے بیٹے کو کیوں مہدی کیا " سیدھا جواب یہی تھا کہ میرے باپ کا نام بھی عبداللہ ہے اس ٹیڑھے جواب کی کیا حاجت تھی

(۶) " سب پر طرہ ایک اور جواب ہے کہ کوئی عاقل و مسلمان اوس کو قبول نہ کرے گا اسی انصاف نامہ کے باب اول میں لکھا ہے کہ علما نے ان کے مہدی سے سوال کیا کہ رسول اللہ نے فرمایا یواطی اسمہ اسمی واسم ابیہ اسم ابی یعنی مہدی کا نام میرے نام کے اور مہدی کے باپ کا نام میرے باپ کے نام کے موافق ہوگا اور تمھارے باپ کا نام تو سید خاں ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ رسول خدا کے باپ مردکا فر تھے ان کا نام عبداللہ کیونکر ہو سکتا ہے بلکہ محمد رسول اللہ کا نام محمد عبداللہ تھا اور مہدی کا نام محمد عبداللہ ہے اور ابن کا لفظ سہو کاتب ہے کہ محمد بن عبداللہ لکھ دیا ہے "

(۷) " حالانکہ محققین حضرت کے والدین کے ایمان کے بھی قائل ہیں چنانچہ شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے دس رسالے اثبات ایمان والدین حضرت میں تصنیف فرمائے ہیں "

قولنا ۔ حضرت امامنا مہدی موعود علیہ السلام کے والد کا نام " عبداللہ " ہونے کو سراسر افترا اور اصل نام سید خاں بتانا بھی مولف صاحب ہدیہ کی اسی نوعیت کی غلط بیانی ہے جیسی کہ مسلئہ سیادت سے متعلق کیگئی ہے چنانچہ ہم

ترتیب وار ان غلطیوں کو واضح کرتے ہیں۔

(۱) ۔حضرت کے والد کا اصل نام سید عبداللہ ہے اور سید خاں عرف ولقب ہے جس کی بنا اس خطاب خانی پر ہے جو شاہانِ عصر سے ملا تھا۔ چنانچہ تاریخ سلیمانی میں حضرت امامنا علیہ السلام کے جد امجد میاں سید عثمان رح کی اولاد کی تفصیل اس طرح لکھی ہے۔

حق تعالیٰ سید عثمان را دو پسر کرامت کرد یکے امیر سید جلال الدین
دوم امیر سید عبداللہ و لقبش "سید خان" و امیر سید جلال الدین را سہ پسر
و دو دختر شدند ـــــــ و امیر سید عبداللہ را دو پسر عطا فرمود یکے
میاں سید احمد دوم میراں سید محمد" الخ

اس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ حضرت کے والد امجد کا نام سید عبداللہ ہے اور "سید خاں" آپ کا لقب و عرف ہے۔ تاریخ میں اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں کہ عرف، کنیت، خطاب، تخلص، لقب، وغیرہ کبھی عام طور پر ایسے مشہور اور زبان زد ہو جاتے ہیں کہ اصل نام اتنا زباں زد نہیں رہتا۔ چنانچہ فی زمانناً بعض امرائے ذوی الاقتدار جو سادات صحیح النسب سے ہیں اپنے خطاب خانی سے اس قدر مشہور ہیں کہ ان کی سیادت کی کسی کو اطلاع نہیں اور ان کے اصلی نام کو کوئی نہیں جانتا۔

تاریخوں میں حضرت کے والد کا نام سید خاں لکھنے کا دعویٰ بھی بے دلیل ہے کسی تاریخ کا نام نہیں بتایا گیا ہے کہ کس تاریخ میں یہ نام ہونا لکھا ہے اور نہ اس کا قول نقل کیا گیا ہے تاکہ یہ معلوم ہو سکتا کہ یہ بیان کہاں تک صحیح اور اس دعویٰ کے مطابق ہے۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ کسی تاریخ میں سید خاں لکھا بھی ہو تو اُس کے اس بیان سے اصل نام اور نسب کی نفی لازم نہیں آتی کیونکہ مورخین کی عادت ہے کہ جو نام مشہور ہو وہی لکھ دیتے ہیں چنانچہ اس کی کئی مثالیں ملتی ہیں۔ خضر خاں پسر ملک سلیمان جو امیر تیمور صاحبقران کے عہد میں پنجاب و ملتان کا حاکم تھا اور آخر میں دہلی کا بادشاہ ہو گیا تھا اس کو تمام مورخین خضر خاں ہی لکھتے ہیں حالانکہ وہ سید ہے جناب رسالتمآب صلعم کے خاندان سے نسبت صحیحہ رکھتا ہے جیسا کہ تاریخ فرشتہ میں مذکور ہے۔ پس اگر مورخین اس کو خضر خاں لکھیں تو اس سے اس کا اصل نام باطل اور اس کی سیادت کالعدم

نہیں ہوسکتی ۔

تاریخ مہدویہ میں بھی اس کی بعض مثالیں موجود ہیں مثلاً سید مصطفیٰ عرف غالب خاں (انصاف نامہ وغیرہ) نواب شرزہ خاں مہدوی جو بیجاپور کی عادل شاہی حکومت میں مشہور امیر گذرے ہیں ان کو سب مورخین "شرزہ خاں" ہی لکھتے ہیں جو ان کا خطاب ہے حالانکہ ان کا اصل نام "سید الیاس" ہے اور یہ نام تاریخوں میں اگرچہ بہت کم رائج ہے لیکن اس کے رائج نہ ہونے سے شرزہ خاں ہی اصل نام نہیں ہوسکتا اور اصل نام کی نفی لازم نہیں آتی ۔ پس اگر کسی تاریخ میں بقول مولف صاحب ہدیہ حضرت امامنا علیہ السلام کے والد کا نام فقط سید خاں لکھا بھی ہوتا تو اس سے وہی اصل نام ہونا یا اصل نام کی نفی ہو جانا لازم نہیں آتا ۔

اگر اس اصول کے خلاف مولف صاحب ہدیہ کے نزدیک صرف مورخین کے لکھنے پر مدار کار ہے تو یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ تمام مورخین جنہوں نے حضرت امامنا علیہ السلام کا ذکر کیا ہے عموماً حضرت کو میر سید محمد جونپوری " لکھتے ہیں تو آپ کو حضرت کی سیادت پھر کیوں تسلیم نہیں آپکو اس میں چوں و چرا نہ کرنا چاہیئے تھا ۔

یہ تمام تقریر تو اس سے متعلق تھی کہ بقول مولف صاحب ہدیہ مورخین کا فقط سید خاں ہی لکھنا فرض کرلیا جائے ورنہ حقیقت میں حضرت امامنا علیہ السلام کے والد ماجد کا اصل نام "سید عبداللہ" غیر رائج نہیں بلکہ عرف و لقب کے ساتھ اصل نام بھی مشہور رہے ۔

عـہ ۔ مورخین کا یہ طریقہ قریباً تمام اقوام اور تمام ممالک کی تاریخ نویسی میں یکساں طور پر رائج ہے ۔ خود حیدرآباد کی تاریخ میں علامہ عجیب کے بیان کے مطابق ان لوگوں کے لئے جو تاریخی مذاق رکھتے ہیں اس کی بہت سی نظائر موجود ہیں کہ کئی امرا اور عہدہ دار ایسے ہیں جن کا خطاب ہی زیادہ مشہور رہے اور اصل نام اتنا مشہور نہیں ہے اور تاریخ میں ہر جگہ ان کا یہی خطاب لکھا گیا ہے جیسے شمس الامرا ۔ امیر کبیر ۔ ارسطو جاہ ۔ خانخاناں ۔ خان دوران یسالار جنگ فتحیاب خاں وغیرہ جن میں سے آخر الذکر کا اصل نام سید عبدالفتح ہے غرض ان کے اصل نام بہت کم زبان زد ہیں ۔ لیکن ان خطابات کی شہرت کے باوجود ان کے اصل نام کچھ اور ہی ہونے کا کوئی انکار نہیں کرسکتا اور نہ ان خطابات کو اصل نام قرار دے سکتے ہے ۔ ۱۲
شہاب بن نصرت غفرلہا

خاندانی شجروں میں بھی یہی نام ہے خاص قومی تاریخ اور سیر کی سب کتابوں میں بھی یہی نام لکھا ہے اور یہ مسلمہ مسئلہ ہے کہ ہر قوم میں اسی کی خاص تاریخی تحقیق بیگانوں کی بہ نسبت زیادہ معتبر سمجھی جاتی ہے جسکی بہترین مثال اسلامی تاریخ موجود ہے چنانچہ ہم یہاں بعض قومی کتب تواریخ و سیر کے اقتباس سنداً درج کرتے ہیں مطلع الولایت میں حضرت امامنا علیہ السلام کے شجرہ نسب کے بیان میں لکھا ہے۔

درمیاں آنحضرت و امام موسیٰ کاظم دوازدہ پشت اند چنانچہ از کرسی ایشاں روشن است حضرت میراں سید محمد مہدئ موعود خاتم الولایت المقیدۃ المحمدیۃ بن سید عبداللہ بن سید عثمان بن سید خضر الخ

شواہد الولایت میں جس کے مولف نے جنت الولایت مصنف منصور خاں رحمۃ اللہ علیہ اور تحفۃ المنصفی وغیرہ کتب متقدمین کو اپنا ماخذ بنایا ہے حضرت کا آبائی سلسلہ یہ لکھا ہے۔

امیر امیراں سید محمد مہدئ موعود خاتم الولایت المحمدی صلی اللہ علیہ وسلم بن سید عبداللہ بن سید عثمان بن سید خضر الخ

تاریخ سلیمانی میں حضرت کا آبائی شجرہ اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

و شجرۂ رفیعۂ حضرت خاتم الاولیا مبشر بہ بشارت رجل من اہل بیتی یواطی اسمہ اسمی بدوازدہ درجہ بحضرت امام موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ می رسد میراں سید محمد مہدئ موعود آخر الزماں خلیفۃ الرحمان بن سید عبداللہ بن سید عثمان بن سید خضر الخ

جس طرح ان آبائی شجروں میں حضرت کے والد ماجد کے نام کی یہ صراحت موجود ہے اسی طرح جہاں کسی بزرگ خاندان کی اولاد کی تفصیل بتائی گئی ہے وہاں بھی حضرت امامنا علیہ السلام اور حضرت کے والد ماجد کا یہی نام ذکر کیا گیا ہے چنانچہ "پنج فضائل" میں لکھا ہے۔

حق تعالیٰ میاں سید عثمان را دو پسر بداد یکے میاں سید جلال و دوم میاں سید عبداللہ میاں سید جلال را دو دختر و سہ پسر شدند میاں سید سلام اللہ و میاں سید کریم اللہ و میاں سید غنی اللہ و بی بی الہدیٰ تی

وبی بی راستی ۔ ومیاں سید عبداللہ را دو پسر شدند یکے میاں سید
احمد ودیگر میاں سید محمد ویک دختر الخ

"تذکرہ الصالحین" میں لکھا ہے ۔

از شکم جدا ایشاں سید عثمان دو پسر بودند سید جلال وسید عبداللہ
ودر شکم سید جلال سہ پسر شدند سید سلام اللہ وسید کریم اللہ وسید غنی اللہ
ودو دختر بی بی راستی وبی بی الہدتی ودر شکم سید عبداللہ نیز دو
پسر شدند میاں سید احمد ومیراں سید محمد بی بی راستی را بمیاں سید احمد
دادند وبی بی الہدتی در نکاح میراں سید محمد در آمدند ۔

ان آبا واجداد اور اولاد کی تفصیلات کے ضمن میں جو تصریحات موجود ہیں
ان کے علاوہ حالات وواقعات کے ضمن میں بھی جہاں کہیں حضرت کے والد ماجد
کا ذکر آیا ہے وہاں آپ کا یہی نام ذکر کیا گیا ہے چنانچہ حضرت امامنا علیہ السلام
کی ولادت کے حالات کے ضمن میں لکھا ہے ۔

چوں آواز ہاتف بگوش مرشد زماں مخزن عرفاں پیر شریعت
وطریقت واستاد حقیقت ومعرفت عالیجناب شیخت مآب برگزیدہ حضرت
لایزال مخدوم شیخ دانیال رحمۃ اللہ علیہ کہ ساکن شہر جونپور پر نور
بودند رسید بعد از ساعتے خبر افتادن تیاں بر روئے تبییں نیز آمدہ
شیخ بزرگوار دُر بار فرمودند کہ امروز مردے عزیز دریں شہر تولد شدہ
است چوں تفحص کردند معلوم شد کہ سید عبداللہ را حق پسرے بخشیدہ
است الخ (شواہد الولایت)

رسم مکتب کی ادائی کے وقت جو واقعات مذکور ہوئے ہیں ان میں
لکھا گیا ہے کہ

چوں عمر آں سرور بچہار سال وچہار ماہ رسید میر سید عبداللہ برائے
مکتب میراں علیہ السلام اسباب ضیافت راست کرد واکابر بلدہ را
حاضر ساخت ۔ (تاریخ سلیمانی)

ہم نہیں سمجھتے کہ کتنے حوالے نقل کئے جائیں سبھی کتب سیر وتواریخ میں یہی

نام مبارک درج ہے ان کتابوں میں سے خصوصاً مطلع الولایت ۔شواہد الولایت۔ پنج فضائل ۔ تذکرۃ الصالحین ۔ تو وہ کتابیں ہیں جن کے ثقات و معتبر ہونے کا خود مولف صاحب ہدیہ نے باب دوم میں اعتراف کیا ہے اور انہی سے بعض واقعات وہاں نقل کئے ہیں ۔ جب انہی کتابوں کے مندرجہ واقعات جو نقل کئے گئے ہیں آپ کے نزدیک صحیح سمجھے گئے ہیں تو انہی کتابوں کی یہ مسلسل تصریح صحیح نہ ہونیکی کوئی وجہ نہیں ۔ ایک اور بات قابل لحاظ یہ ہے کہ اگرچہ جناب سید نعمت اللہ بن امیر اسماعیل کی نسبت تاریخ سلیمانی اور مطلع الولایت و شواہد الولایت کی روایتوں میں کچھ اختلاف بیان پایا جاتا ہے جس کی تحقیق اس سے پہلے ہو چکی ہے لیکن حضرت امامنا علیہ السلام کے والد ماجد کا نام "سید عبد اللہ" ہونے میں سب متفق ہیں اور اس میں کوئی اختلاف ہی نہیں ہے [عہ]

۲ و ۳ ۔ اس تحقیق کے بعد مولف صاحب ہدیہ کی یہ غلطیاں خود بخود فاش ہو جاتی ہیں جو انھوں نے عرف و لقب کو اصل نام قرار دے لیا ہے اور میاں عبد الملک سجاوندی و میاں عبد الغفور رحمۃ اللہ علیہما کے اس حدیث کو ذکر نہ کرنے سے متقدمین مہدویہ کے اس امر کا دعویٰ نہ کرنے کا غلط نتیجہ نکالا ہے اور متاخرین پر نام بدل دینے کا افترا کیا ہے ۔

میاں عبد الملک سجاوندی رحمۃ اللہ علیہ نے اگر اس حدیث کو سراج الابصار میں ذکر نہیں کیا ہے تو اس کا سبب یہ ہے کہ آپ کی تقریر سائل و معترض یعنے شیخ علی متقی کے جواب اور تردید میں ہے جس امر میں سائل کا سوال ہی نہ ہو اس کا

عہ ۔ مہدوی مورخین و اہل سیر کے علاوہ دوسرے مورخین اور تذکرہ نویسوں نے بھی حضرت کے والد ماجد کا نام عبد اللہ اور "خاں" عرف ہونے کی تصریح کی ہے ۔ "تحفۃ الکرام" میں لکھا ہے ۔

سید الاولیا سید محمد الملقب بمیراں مہدی بن میر عبد اللہ المعروف بہ خاں کہ نسبش

بہ امام موسیٰ کاظم می پیوندد (تحفۃ الکرام ۔ جلد دوم مطبوعہ مطبع ناصری ۔ صفحہ ۲۲) ۔

میراں سید محمد جونپوری یہ بزرگ امام موسیٰ کاظم کی بارھویں پشت میں ہیں سید عبد اللہ عرف بڈھا صاحب متوطن جونپور کے صلب اور بی بی امینہ سے ۸۴۷ھ میں بمقام جونپور متولد ہوئے (فرہنگ آصفیہ ۔ جلد اول مطبوعہ لاہور صفحہ ۳۲)

جواب ضروری نہیں ہوتا اور ایسی دلائل کے ذکر نہ کرنے سے جو سائل کے سوال سے تعلق نہ رکھتی ہوں اُن دلائل کا ابطال لازم نہیں آسکتا اگر حضرت امامنا علیہ السلام کے والد ماجد کا نام سید عبداللہ ہونا میاں عبدالملک سجاوندی رحمۃ اللہ علیہ کے اس حدیث کو ذکر کرنے ہی پر آپ کے پاس موقوف ہے تو خود میاں عبدالملک سجاوندیؒ نے اپنی دوسری تصنیفات و تالیفات مثلاً "منہاج التقویم" میں حدیث "یواطی اسمہ اسمی واسم ابیہ اسم ابی" کو پیش کیا ہے۔ اس کے علاوہ بندگیمیاں شاہ عبدالرحمٰن رح جو بندگیمیاں عبدالملک سجاوندی رح کے ہمعصر اور متقدمین سے ہیں اپنی کتاب میں جو حضرت امام علیہ السلام کی سیرت و حالات میں لکھی ہے ہر جگہ امام علیہ السلام کے باپ کا نام مبارک سید عبداللہ لکھا ہے۔ پس مولف ہدیہ کا یہ عذر بھی باقی نہیں ہے۔

اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ میاں عبدالملک سجاوندی رح نے اس حدیث کو کہیں ذکر نہیں کیا ہے تب بھی اس سے تمام متقدمین مہدویہ کا اس حدیث کو ذکر نہ کرنے سے حضرت امام علیہ السلام کے والد ماجد کا نام مبارک سید عبداللہ نہ ہونا لازم نہیں آتا۔

اگر مولف صاحب ہدیہ کے نزدیک یہی اصول صحیح ہے کہ متقدمین میں سے کسی نے اگر کوئی بحث نہ چھیڑی ہو تو اس بحث کا بے اصل ہونا ثابت ہوتا ہے تو پھر ان کا حضرت امامنا علیہ السلام کی سیادت اور حضرت کے والد ماجد کا نام مبارک سید عبداللہ ہونے کا انکار کرنا اس اصول کے خلاف ہے کیونکہ ان کے شیخ علی متقی نے ان امور کا انکار نہیں کیا ہے۔ حالانکہ ان کا زمانہ مولف ہدیہ کی بہ نسبت حضرت امام علیہ السلام سے نہایت قریب تھا چنانچہ شیخ صحابہ امام علیہ السلام کی خدمت میں ایک عرصہ تک رہے ہیں اور زمانہ کی قربت کی وجہ سے حضرت کے آبا و اجداد کے سلسلے اور حضرت کے والد ماجد کے اصل نام سے کماحقہ واقف تھے۔ یہی وجہ ہوئی ہے کہ ان ثابت و متحقق امور کے انکار کی شیخ کو جرأت نہیں ہوئی۔ اگر شیخ کے نزدیک اس اعتراض کی کچھ بھی اصلیت ہوتی تو وہ بھی ضرور یہی اعتراض کر دیتے بلکہ اس کے مقابل شیخ کو حضرت امامنا علیہ السلام کی

سیادت کا اقرار و اعتراف ہے چنانچہ مذہب مہدویہ سے مرتد ہونے کے بعد جو رسالہ "رد" لکھا ہے اس میں وہ لکھتے ہیں کہ

فمثل هذه الطائفة مثل هذا الرجل بالمجرد علمهم انه من اولاد رسول الله واسمه محمد يعتقدون انه هو المهدی	اس گروہ (مہدویہ) کی مثال اس شخص کے جیسی ہے کہ فقط یہ جان کر وہ اولاد رسول علیہ السلام سے ہیں اور ان کا نام محمد ہے یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ مہدی ہیں۔

اس قول سے ثابت ہے کہ حضرت امام علیہ السلام کا اولاد رسول ؑ سے ہونا شیخ کو تسلیم ہے جو مولف ہدیہ کے متقدمین سے ہیں پھر آج آپ کا انکار کرنا محض بے اصل ہونا چاہئے۔

نام بدل دینے کا بیان بھی محض افترا ہے کیونکہ اصل نام اور عرف ولقب میں سے کوئی بھی ذکر کرنا تبدیل نام نہیں کہلاتا۔ اگر یہ کہا جائے تو پھر اس حدیث شریف کی نسبت کیا کہا جائے گا جو اس سے پہلے لکھی گئی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قرآن میں میرے پانچ اور بروایتے سات نام ہیں۔ محمد۔ احمد۔ طٰہٰ۔ یسین۔ مزمل۔ مدثر۔ عبداللہ (معالم التنزیل و مواہب لدنیہ) ظاہر ہے کہ ان میں سے سب اصل نام نہیں بلکہ بعض اسمائے صفت اور بعض لقب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر اسما والقاب متعدد ہونے کو یا کہیں کوئی نام اور لقب اور کہیں دوسرا نام ولقب ذکر کرنے کو نام بدل دینے سے تعبیر کیا جائے اور ایسی تعبیر صحیح سمجھی جائے تو معاندین اسلام یہ کہہ سکیں گے اور ان کا کہنا مولف ہدیہ کو صحیح تسلیم کرنا ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کا خود کو مصداق بنانے کے لئے نعوذ باللہ اپنا نام بدل ڈالا تھا۔ اسی سے ثابت ہے کہ کتب مہدویہ میں کہیں حضرت امامنا علیہ السلام کے والد ماجد کا عرف ولقب "سید خاں" اور کہیں اصل نام "سید عبداللہ" مذکور ہونے کو نام بدل دینے سے تعبیر کرنا سراسر غلط اور افترائے محض ہے۔

اسی ضمن میں یہ بھی اعتراض کیا گیا ہے کہ "صاحب شواہد الولایت نے ماں کا نام بھی آمنہ ٹھہرادیا ہے حالانکہ مطلع الولایت والا کہ اس سے متقدم ہے

ان کی ماں کا نام آغا ملک لکھتا ہے"۔ حضرت امامنا علیہ السلام کی والدہ کا نام بی بی آمنہ ہی ہے اور آغا ملک گھر کا نام ہے جو گھر والے پکارتے تھے۔ خود مطلع الولایت میں یہ تصریح موجود ہے کہ حضرت کی والدہ کا نام آمنہ تھا چنانچہ بی بی آغا ملک عرف بی بی آمنہ لکھا ہے۔ بی بی نے حضرت امامنا علیہ السلام کی ولادت سے پہلے جو معاملہ دیکھا تھا کہ آفتاب اور بروایتے چاند اپنے گریبان میں داخل ہو کر آستین سے نکل گیا ہے (جس کے بعد کے واقعات طویل ہیں) اس معاملہ کے بعد حضرت سید عثمان نے بی بی کا نام آغا ملک رکھدیا اور یہی پکارا کرتے تھے۔ پس مولف ہدیہ نے مطلع الولایت میں امامنا علیہ السلام کی والدہ کا نام فقط آغا ملک درج ہونا جو ظاہر کیا ہے وہ غلط ہے اور مطلع الولایت وشواہد الولایت میں جو اختلاف روایت بتایا ہے وہ بھی غلط در غلط ہے دونوں میں اصل نام آمنہ ہی لکھا ہے۔ اسی طرح ان دونوں کتابوں کے مصنفین میں تقدم و تاخر زمانہ جو بتایا ہے وہ بھی صحیح نہیں ہے۔ دونوں کتابوں کی تالیف میں اگرچہ تقدم و تاخر ہے لیکن دونوں کے مولفین قریباً ہم زمانہ ہیں۔ ان کے علاوہ سیرت امام علیہ السلام کی سب سے پہلی کتاب مولفہ بندگیمیاں شاہ عبدالرحمٰن المعروف بہ مولود امام جو ان دونوں سے باعتبار زمانہ متقدم ہے اس میں بھی حضرت کی والدہ کا نام بی بی آمنہ لکھا ہے چنانچہ اسکی اصل عبارت یہ ہے۔ "والدۂ حضرت میراں علیہ السلام عفیفہ عابدہ صالحہ زاکیہ زاہدہ مخلصہ رابعہ ساجدہ صائمہ کریمہ علیمہ اسمہا شریفہ بی بی آمنہ مدام شب خیز و صائم النہار و قائم اللیل بودند"۔ اس سے ثابت ہے کہ مولف ہدیہ کا یہ کہنا غلط ہے۔ کہ مصنف شواہد الولایت نے ماں کا نام آمنہ ٹہرا دیا ہے کیونکہ شواہد الولایت کی تصنیف سے پہلے بھی یہ نام ہی مشہور تھا۔

(۴)۔ مولف صاحب ہدیہ کا یہ بیان بھی غلط اور خلاف واقع ہے کہ حضرت امامنا علیہ السلام نے اپنے والد کا نام سید عبداللہ ہونے کا کبھی دعویٰ نہیں کیا ہے۔ کیونکہ پہلے خود مولف ہدیہ نے حدیث یواطی اسمہ اسمی واسم ابیہ اسم ابی نقل کرکے لکھا ہے کہ

"یہ حدیث مہدویوں اور ان کے مہدی کے نزدیک مسلم اور صحیح ہے"۔

پس مولف صاحب کے اس اقرار سے خود یہ ثابت ہوتا اور لازم آتا ہے کہ حضرت کو اپنے والد کا ہمنام والدِ رسول اللہ ہونے کا دعویٰ ہے جبھی تو حضرت نزدیک یہ حدیث صحیح اور مسلّم بھی ہے ورنہ کیسے ہوتا کہ حضرت کو اپنے والد کا نام عبداللہ ہوتے کا دعویٰ بھی نہ ہو اور پھر یہ حدیث مسلّم بھی ہو۔ اس کی ٹھیک ٹھیک صورت یہ ہوگی کہ کوئی کہے کہ حضرت سرور کائنات محمد مصطفےٰ صلعم کو عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت بھی مسلّم خود اس بشارت کا مورد و مصداق ہونے کا دعویٰ بھی مگر خود کا نام "احمد" ہونے کا دعویٰ نہیں تو اس صورت میں اضداد جمع ہوجائیں گے جو بالبداہتہ قرینِ صواب نہیں۔ یہاں بھی اس کی بعینہ یہی صورت ہے۔

اس کے علاوہ کئی روایتیں مروی ہیں کہ حضرت امامنا علیہ السلام سے بعض نے سوال کیا کہ آپ کے آباؤ اجداد کا سلسلہ کس طرح ہے تو حضرت نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ سید محمد بن سید عبداللہ چنانچہ بندگیمیاں شاہ عبدالرحمٰنؒ کے مولود میں حضرت امام علیہ السلام کے آخری جمعہ ادا فرمانے کے واقعہ کے ضمن میں لکھا ہے۔

چوں از نماز فارغ شدند علمائے مذکور پیش حضرت عرض کردند نام خوندکار چیست و روز تولد خوندکار کدام و روز رحلت خوندکار کدام خواہد شد فرمودند نام بندہ سید محمد بن سید عبداللہ و روز تولد ما و دعوت ما و رحلت ما دوشنبہ است۔

بعض وقت یہ بھی ہوا ہے کہ حضرت نے خود بیان فرمانے کے عوض میاں سید سلام اللہ کو جو حضرت کے برادرِ عم زاد ہیں یہ حکم کیا کہ ان سائلوں سے آبا و اجداد کے نام بیان کردو اور میاں سید سلام اللہ رضہ نے حسب الحکم آبائی سلسلہ بیان کیا کہ سید محمد بن سید عبداللہ بن سید عثمان الخ

پہلی صورت میں تو خود حضرت ہی کا ارشاد ہے دوسری صورت میں چونکہ یہ بھی حضرت کے حکم سے اور حضرت کے روبرو بیان کیا گیا اور حضرت نے اس سلسلہ کو صحیح و مسلّم رکھا گویا یہ بھی حضرت ہی کا بیان ہے۔ پس ان روایتوں کے نظر کرتے مولف ہدیہ کا مذکورہ قول صریح غلط بیانی ہے۔

(۵) انصاف نامہ کے حوالہ سے جو یہ لکھا ہے کہ حضرت امامنا علیہ السلام نے

بعض لوگوں کے سوال کے جواب میں یہ فرمایا کہ خدائے تعالیٰ سید خاں کے بیٹے کو مہدی کرنے پر کیا قادر نہیں ہے یا خدائے تعالیٰ سے کہو کہ سید خاں کے بیٹے کو کیوں مہدی کیا۔

اگرچہ انصاف نامہ کی روایت کے الفاظ یہی ہیں مگر جب تک روایت کا شان نزول اور اس کی حقیقت و ماہیت نہ معلوم کی جائے کلام کا حقیقی منشاو مطلب سمجھ میں نہیں آسکتا اور ہر بات کے محل ورود کا لحاظ کئے بغیر صرف الفاظ و عبارت سے غرض متکلم کا صحیح پتہ نہیں چل سکتا۔

اس روایت کا مورد جیسا کہ دوسری روایتوں سے ثابت ہے یہ ہے کہ بعض ایسے لوگ اور علمائے جہالت سرشت جو حضرت امام علیہ السلام کے حسب و نسب سے کما حقہ واقف تھے اور خوب جانتے تھے کہ والد امجد کا نام "سید عبداللہ" اور "سید خاں" عرف و لقب ہے جو خانی خطاب پر مبنی ہے۔ انھیں یہ بھی معلوم تھا کہ حضرت کے خاندان عالیہ میں حضرت کے ظہور سے پہلے حسب طریقۂ چشتیہ پیری و مریدی کا جو سلسلہ جاری تھا اور جو شجرۂ پیرانِ طریقت کا مریدین کو عطا ہوتا تھا اس میں "سید عبداللہ ہی لکھا جاتا تھا۔ باوجود اس علم و دانست کے نہ بنیت تحقیق بلکہ محض عناداً و جدالاً بکمال خبث باطنی جیسا کہ مجادلین کا طریقہ ہے یہ سوال کئے تھے اس لئے اس کے حقیقی جواب سے حضرت نے اعراض فرمایا۔

علم مناظرہ کا بھی ایک مقررہ اصول یہی ہے کہ مجادل کو حقیقی جواب دینے کی ضرورت نہیں بلکہ اس سے اعراض اور قطع بحث ہی مناسب ہے چنانچہ "رشیدیہ" میں لکھا ہے کہ

اما اذا کان المجادل احدھما فکان من شان غیر المجادل ان لا یتوجہ الیٰ قول المجادل و یعرض عنہ	جبکہ ان دونوں میں سے ایک مجادلہ کرنے والا ہو تو جو مجادل نہیں ہے اس کا فرض ہے کہ وہ مجادل کے قول کی طرف توجہ نہ کرے اور اس سے اعراض کر جائے۔

خلفاء اللہ کا یہی اصول عمل رہا ہے کہ جب انکو محض ہٹ دھرمی سے جھٹلایا جاتا ہے تو وہ ان معترضین کے مجادلانہ لاطائل حجتوں میں الجھنے کے عوض اللہ تعالیٰ ہی کا حوالہ دیکر بحث کو ختم کر دیتے ہیں۔ خود اللہ تعالیٰ نے بھی رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کو اسی کا حکم دیا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا ہے کہ

یقول الذین کفروا لست مرسلا قل کفیٰ باللہ شہید ابینی و بینکم و من عندہ علم الکتاب (۱۳-۱۲-رعد)

کافر کہتے ہیں کہ آپ رسول نہیں ہیں کہدو کہ میرے اور تمھارے درمیان اللہ تعالیٰ اور کتاب کا جاننے والا کافی گواہ ہے ۔

جو لوگ لَسْتَ مُرْسَلا (آپ رسول و پیغمبر نہیں ہیں) کہتے تھے ان کا لفظاً اصل جواب یہ تھا کہ اثبات نبوت و رسالت کے دلائل و براہین پیش کئے جاتے لیکن اس کے عوض ان لوگوں کے لئے جو یا توخود ذات باری تعالیٰ ہی کے منکر تھے یا ذات رسول کو اللہ کا فرستادہ نہیں مانتے تھے اللہ تعالیٰ ہی کی شہادت پیش کی گئی ہے کہ تم مانو یا نہ مانو خدائے تعالیٰ اس کا گواہ کافی ہے ۔

اسی کی ایک اور نظیر قرآن شریف میں دیکھو اوسبحانہ و تعالیٰ و تقدس ارشاد فرماتا ہے ۔

ویقول الذین کفروا لولا انزل علیہ اٰیۃ من ربہ قل ان اللہ یضل من یشاء و یھدی الیہ من اناب ۔ (۱۳ - ۱۰ - رعد)

کفار یہ کہتے ہیں کہ اس شخص پر (محمد صلعم پر) اس کے پروردگار کی طرف سے کوئی معجزہ کیوں نہیں اترتا ۔ (تم ان سے) کہو کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع ہوتا ہے اس کو ہدایت کرتا ہے ۔

یعنی جب کفار نے یہ کہا تھا کہ کس لئے محمد پر اس کے پروردگار کی طرف سے کوئی معجزہ نہیں نازل کیا جاتا تو اس کا سیدھا جواب یہی تھا کہ حضرت کے معجزات گن دئے جاتے کہ ان کے یہ یہ معجزات ہیں ۔ یا ان سے پوچھا جاتا کہ تم کونسا معجزہ چاہتے ہو کہو تاکہ وہی ظاہر کیا جائے مگر خدائے عزوجل نے اس جواب سے اعراض کرکے یہ فرمایا ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان سے کہدو کہ اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع ہوا اس کو ہدایت کرتا ہے ۔ تفسیر بیضاوی میں لکھا ہے ۔

ھذا جواب یجری مجری التعجب من قولھم کانہ قال قل ما اعظم عنادکم

یہ جواب ان کے قول پر اظہار تعجب ہے گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ آپ ان سے یہ کہدو کہ

ان اللہ یضل من یشاء فمن کان علیٰ صفتکم فلا سبیل الی اهتدائم و ان انزلت کل آیۃ یهتدی الیه من اناب بماجئت به بل بادنیٰ منه من الآیات۔

تمھارا عناد کس قدر بڑھا ہوا ہے۔ اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے جو لوگ تمھارے جیسے معاند ہوں ان کے ہدایت پانے کی کوئی صورت نہیں اگرچہ ان پر تمام معجزات بھی نازل کر دئے جائیں جن سے یا ان کے کم از کم حصہ سے بھی حق کی طرف رجوع ہونے والا ہدایت پا سکتا ہے۔

تفسیر کبیر میں امام فخر الدین رازیؒ نے بھی یہی لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ جواب تعجب کا قائم مقام ہے یعنی اکثر آیات و معجزات ظاہر ہونے کے باوجود پھر یہ لوگ طالب معجزہ ہیں؟ ان کو کس قدر عناد ہے؟ گویا ان کے عناد کے نظر کرتے انھیں یہ جواب دیا گیا ہے کہ تم کو ظہور معجزات سے کچھ فائدہ نہیں کیونکہ گمراہی و ہدایت خدائے تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ پس ظہور معجزات کی بے فائدہ طلب نہ کرو بلکہ جناب الٰہی میں حصول ہدایت کی التجا کرتے رہو۔

ہمارے مولف صاحب اس موقع پر کیا فرماتے ہیں کیا یہ پر از حکمت و حقائق جوابات معاندین کا سیدھا جواب ہیں یا معاذ اللہ تیڑھا؟ اور بصورت ثانیہ اس قسم کے جوابات کی کیا حاجت تھی؟ اور کیوں سیدھا جواب نہیں ادا کر دیا گیا؟ پس امامنا علیہ السلام کے جواب کی بھی نوعیت اسی کے پوری مطابق ہے۔

(۶)۔ مولف صاحب ہدیہ کا یہ بیان ان کی سب غلط بیانی و غلط فہمی اور مغالطہ دہی میں طرۂ امتیاز رکھتا ہے کہ "علما کے استفسار کرنے پر کہ رسول اللہ نے یواطی اسمه اسمی و اسم ابیه اسم ابی فرمایا ہے اور تمھارے والد کا نام تو سید خاں ہے حضرت امامنا علیہ السلام نے فرمایا کہ رسول خدا کے باپ مرد کافر تھے ان کا نام کیونکر عبد اللہ ہو سکتا ہے بلکہ محمد رسول اللہ کا نام محمد عبد اللہ تھا اور مہدی کا نام محمد عبد اللہ ہے اور ابن کا لفظ سہو کاتب ہے کہ محمد بن عبد اللہ لکھدیا ہے"۔

مولف ہدیہ نے اس پر بڑا ہی طومار باندھا ہے۔ پہلے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس کو کوئی عاقل و مسلمان قبول نہیں کرے گا اور پھر آنحضرت صلعم کے والد کا نام

عبد اللہ ہونا اجماعی اور ایسا کہنا خلاف اجماع قرار دیا ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں مشرکین عرب اللہ کے قائل ہونے کا دعوی کر کے کئی ایک صحابۂ کرام کے باپ دادا کے نام گنائے ہیں جن کا نام عبد اللہ تھا اور وہ کافر تھے۔ آخر میں یہ ہرزہ سرائی بھی کی ہے کہ خود آنحضرت کا نام عبد اللہ تھا تو پھر آنحضرت صلعم کے والد کا نام کیا تھا۔

ناظرین کرام یہ سن کر حیران رہ جائیں گے کہ یہ سب طومار بے اصل ہے۔ مولف صاحب ہدیہ کا سلسلۂ نسب شاید انہی علما سے ملتا ہے جن کی شان میں یحرّفون الکلم عن مواضعہ (الفاظ کو ان کی جگہ سے تحریف کر دیتے ہیں) وارد ہے انھوں نے حق گوئی سے انحراف کر کے اصل عبارت میں تحریف کر دی ہے اور اپنی تحریف کردہ عبارت پر اپنے سب طومار کی بنا رکھی ہے۔ انصاف نامہ کی اصل عبارت جس کے حوالہ سے مولف ہدیہ نے یہ مضمون لکھا ہے یہ ہے۔

پدر رسول اللہ مرد کافر بود عبد اللہ چوں باشد۔ محمد عبد اللہ است و مہدی عبد اللہ۔

اس میں مولف ہدیہ نے ایک لفظ "نام" کئی جگہ زیادہ کر کے اپنی مغالطہ دہی کا کام نکالنا چاہا ہے یعنی یہ لکھا ہے کہ رسول خدا کے باپ مرد کافر تھے ان کا "نام" عبد اللہ کیونکر ہو سکتا ہے بلکہ محمد رسول اللہ کا "نام" عبد اللہ تھا اور مہدی کا "نام" عبد اللہ ہے اس قول کو اصل سے مقابلہ کر کے دیکھو کہ اصل عبارت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کا نام عبد اللہ ہونے کی نفی نہیں ہے بلکہ "عبد اللہ" کا مفہوم ان پر صادق آنے کی نفی مقصود ہے اسی طرح حضرت محمد و مہدی علیہما السلام کا نام عبد اللہ کہاں بتایا گیا ہے بلکہ یہ اطلاق عبدیتِ خاصہ کی بحث ہے جس کو رمز شناس اصحاب خوب سمجھ سکتے ہیں۔

اسی سے مولف ہدیہ کے سب ہزیانات کی خود بخود تردید ہو جا رہی ہے نہ مشرکین جاہلیت کے نام "عبد اللہ" ہونے کو ثابت کرنے کی حاجت ہے اور نہ اجماع کا دعوی ہی بر محل ہے نہ اس احمقانہ سوال کی ہی گنجائش ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام عبد اللہ تھا تو پھر آنحضرت کے والد کا نام کیا تھا۔ کیونکہ یہاں عبد اللہ نام ہونے کی بحث ہی نہیں بلکہ عبدیت خاصہ کا اطلاق صحیح

ہونے نہ ہونے سے بحث ہے۔ پس اس اطلاق کی صحت اور اس کی نفی واثبات کی مزید توضیح یہ ہے کہ اولاً علم معانی کے اعتبار سے مجیب کے سوال کو نظر بمصالح متعددہ دوسرے معنی پر محمول کرنا درست ہے جس کی بہت سی نظائر ملتی ہیں[۱] اس موقع پر یہی ہوا ہے کہ سائل نے محض اسمیت یعنی ظاہری نام کا لحاظ کیا تھا اور جواب میں عبداللہ کی حقیقت ومفہوم کا اعتبار کیا گیا ہے۔ ثانیاً یہ بھی قاعدہ مقررہ ہے کہ ایک اعتبار سے کسی امر کی نفی کیجاتی ہے تو دوسرے اعتبار سے اسی امر کا اثبات بھی درست ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ

ما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ	نہیں[۲] پھینکا تم نے جبکہ پھینکا بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکا۔

اس آیت میں فعل " رمیٰ " کی نفی اور اس کا اثبات دونوں موجود ہیں حالانکہ ایک ہی شیئی کا اثبات اور اس کی نفی ایک ہی جہت سے صحیح نہیں ہوتی البتہ جہاں جہت

---

[۱] ۔ اس کی واضح مثال ایک واقعہ ہے کہ حجاج بن یوسف نے ایک شخص سے پوچھا احفظت القرآن (کیا تو نے قرآن حفظ کیا ہے) اس نے جواب دیا اوخفت علی القرآن ضیاعا حتیٰ احفظه (کیا مجھے قرآن کے ضائع ہونے کا خوف تھا جو اس کی حفاظت کرتا) پھر حجاج نے کہا اجمعته (کیا تو نے قرآن کو جمع کیا ہے) جواب دیا اوکان متفرقاً حتی اجمعه (کیا وہ پریشان تھا جو میں اس کو جمع کرتا) پھر حجاج نے کہا ا احکمته (کیا تو نے اس کو استوار کیا ہے) جواب دیا الیس اللہ انزل محکمته (کیا خدا نے اس کو محکم نازل نہیں کیا ہے) پھر حجاج نے کہا افا ستظهرته (کیا تو نے قرآن سے مدد لی ہے) جواب دیا معاذ اللہ ان اجعله وراء ظهری (معاذ اللہ میں قرآن کو پس پشت ڈال دوں) حجاج غصہ میں آکر کہا یا ویلك ماذا اقول (تجھے بدبختی نصیب ہو میں پھر کیا کہوں) جواب دیا الویل لك قل اوعیت القرآن فی صدرك (بدبختی تجھے نصیب ہو یہ کہہ کہ تو نے کیا اپنے سینہ میں قرآن کو بھر لیا ہے) غرض مجیب ہر ہر لفظ یا قول کو دوسرے معنی پر محمول کرتا گیا ہے اور یہ مناظرہ میں جائز ہے ۔ ۱۲ شہاب بن نصرت غفر لہما ۔

[۲] ۔ یہ آیت غزوۂ بدر میں نازل ہوئی ہے۔ مفسرین کا قول ہے کہ غزوۂ بدر میں جب کفار قریش کی فوج رؤسائے قریش کی سرکردگی میں اسلامی فوج کے مقابل جنگ کیلئے صف آرا ہو رہی تھی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے مٹھی بھر ریت کفار کی طرف پھینکی اور

مختلف ہوجاتی ہے تو اس پر صحت کا حکم ہوسکتا ہے پس اس آیت شریفہ کا بھی یہ معنی ہے کہ

ما رمیت باعتبار ایصالھا الیٰ عیونھم واظھار اثرھا و رمیت صورۃً کسائر البشر لکن اللہ رمی فی الحقیقۃ باعتبار الایصال۔

تم نے ظاہر اسب لوگوں کی طرح ریت پھینکدی مگر ان کافروں کی آنکھوں تک پہنچنے اور اس کا اثر ظاہر ہونیکے اعتبار سے تم نے نہیں پھینکا بلکہ حقیقت میں ان کی آنکھوں تک پہنچانے کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے پھینکا۔

علیٰ ہذا القیاس اس موقع پر بھی عبدیت کی یہ نفی اور اس کا اثبات دو مختلف اعتبارات سے ہے جس کی توضیح یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد کے ظاہری نام کے اعتبار سے "عبداللہ" ہیں لیکن عبودیت خاصہ کے معنی ومفہوم کے اعتبار سے "عبداللہ" نہیں ہیں بلکہ اس جہت سے خود محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

بقیہ حاشیہ صلہ۔ شاہت الوجوہ فرمایا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کفار میں سے ہر شخص کی آنکھوں اور منہ اور نتھنوں میں اس ریت کا کچھ نہ کچھ حصہ داخل ہوگیا جس کا اثر یہ ہوا کہ اُن پر مسلمانوں کا رعب چھا گیا۔ اس آیت میں جو "رمی" کا ذکر ہے اس سے وہی آنحضرت (صلعم) کا ریت پھینکنا مراد ہے۔ علامہ مجیب نے جو کچھ لکھا ہے وہ مفسرین کے اقوال کا خلاصہ ہے تفسیر لباب التاویل کے اس قول سے اس کی مزید توضیح وتائید ہوتی ہے فذالک قولہ عزوجل وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ اذ لیس فی وسع احد من البشران یرمی کفا من حصی فی وجوہ فلا یبقیٰ فیہ عین الاوقد دخل فیھا شئ من ذلک فصورۃ الرمی صدرت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتاثیرھا صدر من اللہ عزوجل فلھذا المعنی صح النفی والاثبات یعنی اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان جو کہ ما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی ہے (اس کا بیان یہ ہے کہ) کسی آدمی کی یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ مٹھی بھر ریت ایک بڑی جماعت کی طرف پھینکے اور سب کی آنکھوں میں اس کا حصہ کچھ نہ کچھ داخل ہوجائے۔ پس ظاہراً پھینکنے کا فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر ہوا ہے اور اس کا اثر ونتیجہ اللہ تعالیٰ سے صادر ہوا ہے اسی جہت سے نفی اور اثبات دونوں صحیح ہیں۔ ۱۲

شہاب بن نصرت غفرلہما

"عبداللہ" ہیں۔ حضرت امامنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو فرمایا ہے کہ "محمد عبد اللہ است و مہدی عبداللہ" اسی معنیٔ حقیقی پر محمول ہے اگر اس معنیٔ حقیقی سے قطع نظر کرلیا جائے تو محض اسمیت ظاہری کے اعتبار سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے والد کا نام "عبداللہ" ضرور ہے اور آنحضرت (صلعم) کا نام عبداللہ نہیں ہے چنانچہ یہی وجہ ہے کہ حضرت امامنا علیہ السلام نے آنحضرت کے والد کا نام "عبداللہ" ہونے کی نفی نہیں کی ہے اور نہ حضرت محمد (صلعم) کا نام "عبداللہ" ہونا کہیں بیان فرمایا ہے۔

ثالثاً۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عبداللہ کا مفہوم صادق آنا اس کی تحقیق کئی طریقہ سے ہوتی ہے۔

حضرت کیلئے مقام عبدیت حاصل ہونے کے اہل شرع اور اہل حقایق سب قائل ہیں۔ اہل شرع کے نزدیک مقام عبدیت و عبودیت کا اقرار ضروریات سے ہے ہر مسلمان کلمۂ شہادت میں اشہد انّ محمداً عبدہ و رسولہ کا اعتراف کرتا ہے عہ

عہ ۔ میں کہتا ہوں کہ مولوی محمد زماں خاں صاحب نے جو بے سمجھے حضرت مہدی علیہ السلام کے اس فرمان پر اعتراض کر دیا ہے دراصل "عبداللہ کے معنی ہی کو نہیں سمجھا ہے۔ کتاب "لطائف الاعلام" میں مذکور ہے کہ عبد اللّٰہ هو العبد الذی لا یکون فی عباد اللّٰہ عزوجل ارفع منه مقاما ولا اشرف منه شانا تجلیات الحق له هی اکمل التجلیات و اعمها و اشرفها و اتمها فلا اتم من کشفه ولا اعلیٰ من تجلیته بحیث لم یبق اللّٰہ تعالیٰ اسمه ولا صفته ولا وجها من وجوه معارفه الا وقد کشفها اللّٰہ لهذا العبد الذی سماه بعبد اللّٰہ ولیس ذالك لاحد من الانبیاء بالاصالة الا له و للاقطاب من ورثته بالتبعیة له۔ یعنی عبداللہ وہ ہے جو بندگان خدا میں سب سے افضل اور بلند تر ہو اس پر اللہ تعالیٰ کی پوری اور عام اور بزرگ تر تجلیات نازل ہوتی ہوں اس کے کشف سے کسی کا کشف اعلیٰ اور اس کی تجلی سے کسی کی تجلی بڑھکر نہ ہو یہاں تک کہ خدا کا ہر اسم اور ہر صفت اور ہر طرح کی معرفت کے طریقے اس پر کھل جائیں اور اسی واسطے ایسے بندہ کا نام اللہ تعالیٰ نے "عبداللہ"

اہل حقائق کے اصول پر مقام عبدیت کی نسبت متعدد حیثیتوں اور جہتوں سے بحث ہوتی ہے اس کی ایک بحث تو یہ ہے کہ عبدیت کی دو قسمیں ہیں - ایک عبدیت عامہ - دوسری عبدیت خاصہ - عبدیت عامہ یہ ہے کہ بندہ خدائے تعالیٰ کے ساتھ کبھی کسی کو شریک نہ کرے اور عبادت و استعانت میں ایاك نعبد وایاك نستعین کا معتقد اور عامل رہے. اس درجہ میں تمام عباد اللہ المومنین داخل ہیں -

عبدیت خاصہؔ جو ربوبیت وعبودیت کے درمیاں برزخ جامع ہے اور بینهما برزخ لایبغیان کا حکم اسی سے پیدا ہوتا ہے جس کو انسان کامل کہتے ہیں - گلشن راز میں اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے .

کسے مرد تمام است کز تمامی　　کند با خواجگی کارِ غلامی

مولانا رومی بھی اسی مقام کی طرف اشارہ کرتے ہیں -

چوں ز خود رستی ہمہ برہاں شدی　　چونکہ گفتی بندہ ام سلطاں شدی

بعض صوفیائے محققین نے "عبد اللہ" کی یہ تحقیق کی ہے کہ جتنے انبیاء ومرسلینؑ وبندگان صالحینؒ ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی کسی نہ کسی صفت کے مظہر ہیں اور اسی مظہریت کے اعتبار سے ان کی عبدیت اسی اسم صفت کی طرف منسوب ہے چنانچہ کوئی عبد الرحیم ہے کوئی عبد الجبار ہے کوئی عبد الغفور ہے کوئی عبد الصبور ہے وغیرہ اور حضرت خاتم الانبیاء علیہ السلام خاص اسم ذات

بقیہ حاشیہ صؔ ۷۸ - رکھا ہے یہ رتبہ انبیا میں سے اصالتہً سوائے آنحضرتؐ کے کسی کو حاصل نہیں ہے اور آپ کی اتباع میں آپ کے وارث اقطاب کیلئے ہے - غرض "عبد اللہ" کے معنی کا مال مولوی صاحب کو اگر معلوم ہوتا تو یہ اعتراض نہ فرماتے - اب کہئے کہ یہ مقام رسول اللہ صلعم کو حاصل تھا یا آپ کے والد کو؟ اور اس مقام کے اعتبار سے آپ خود "عبد اللہ" ہیں یا نہیں؟ اور اس اعلیٰ مقام کے نظر کرتے آنحضرت صلعم کو ابن عبد اللہ کہنا سہو نہیں تو پھر کیا ہے اس حقیقت کے انکار کرنے والے کے لئے کہنا پڑتا ہے . والنوك داءٌ لمرءٍ غیر منفصم (حماقت آدمی کے لئے دور نہ ہونے والی بیماری ہے) اشرف کان اللہ لہٗ -

"اللہ" کے مظہر ہیں جو تمام صفات کو ایسا جامع اور حاوی ہے کہ کوئی صفت اس سے خارج نہیں ہے۔ اسی جامعیت کی جہت سے حضرت صلعم "عبد اللہ" ہیں کہ آپ میں تمام صفات الٰہیہ علی وجہ الکمال موجود ہیں۔

پس اس اعتبار سے آپ کو "عبد اللہ" کہنا گویا آپ کے جامع صفاتِ الٰہیہ ہونے کو ثابت کرنا ہے جو سب سے زیادہ فضیلت و منقبت کا اظہار ہے۔

رابعاً۔ "عبد اللہ" کا اطلاق حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر صحیح ہونے کا سب سے بڑھکر واضح ثبوت آیات و احادیث سے بھی موجود ہے۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرقل قیصر روم کو جو مکتوب لکھا تھا اس کا عنوان یہی تھا۔" من محمد عبد اللہ اِلیٰ ھرقل عظیم الروم" دیکھو آنحضرت (صلعم) خود اپنے آپ کو عبد اللہ فرما رہے ہیں نکہ ابن عبد اللہ اور حضرت امامنا علیہ السلام نے بھی یہی فرمایا ہے پس آپ کا فرمانا فرمانِ رسول اللہ صلعم سے عین مطابق ہے۔

قرآن شریف میں بھی یہی خلعت عبدیت جو تمام اعتبارات و کمالات ظاہری و باطنی کو جامع ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے عطا ہوئی ہے واقعۂ معراج میں حضرت کو اسی سے یاد کیا گیا ہے۔

سبحان الذی اسری بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ الذی بارکنا حولہ لنریہ من ایاتنا۔	پاک ہے وہ ذات جس نے رات کے کچھ حصہ میں اپنے بندہ کو اپنی نشانیاں بتانے کیلئے مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی طرف سیر کرایا جس کے اطراف و جوانب متبرک ہیں۔

سورۂ جن میں ارشاد ہوا ہے۔

وانہ لما قام عبد اللہ یدعوہ کادوا یکونون علیہ لبدا	جبکہ عبد اللہ (اللہ کا بندہ) اللہ کی عبادت کرنے کھڑا ہوتا ہے تو وہ اس کے گرد اگرد گھرے آتے ہیں اور قریب ہے کہ وہ (اسکو) چمٹ جائیں۔

تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ ان آیتوں میں عبد اللہ سے مراد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں پس حضرت امامنا علیہ السلام کا حضرت محمد کو "عبد اللہ" کہنا ان آیتوں کے بھی ٹھیک مطابق ہے۔ "مولف ہدیہ" سے ہم دریافت کرتے ہیں کہ

ان آیات واحادیث میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو "ابن عبداللہ" نہیں بلکہ خود عبداللہ جو کہا گیا ہے آپ اس کو قبول کرتے ہیں یا نہیں؟ اگر قبول نہیں کرتے تو آپ قرآن وحدیث کے منکر ٹھہرتے ہیں اگر آپ کو یہ اطلاق قبول ہے تو پھر آپ عاقل ومسلمان نہیں ہیں کیونکہ آپ کا تو قول ہے کہ محمد عبداللہ کہنے کو کوئی عاقل ومسلمان قبول نہیں کرسکتا پس آپ خود اپنے قول سے عاقل ومسلمان نہیں رہتے۔

خامساً۔ حضرت امامنا علیہ السلام کے مذکورہ فرمان میں تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام "عبداللہ" ہونا کہیں نہیں بتایا ہے مگر تفسیر "معالم التنزیل" و "مواہب لدنیہ" کے حوالہ سے جو حدیث پہلے لکھی گئی ہے کہ لی فی القرآن سبعۃ اسماء محمد واحمد ویٰس وطٰہٰ والمزمل والمدثر وعبداللہ (مواہب لدنیہ جلد ثانی مقصد ثانی فصل اول) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قرآن میں میرے سات نام ہیں محمد۔ احمد۔ یٰس۔ طٰہٰ۔ مزمل۔ مدثر۔ عبداللہ) اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خود حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا نام قرآن میں عبداللہ ہونا بیان فرمایا ہے اب اس سے دو نتیجے برآمد ہوتے ہیں اولاً یہ کہ امامنا علیہ السلام کے مذکورہ فرمان میں اگر مولف ہدیہ کی تحریف کے مطابق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام عبداللہ ہوتا بھی تو وہ اس حدیث کے عین مطابق ہوتا اور کسی مسلمان کو تو اعتراض کرنے کی گنجائش نہ ہوتی۔ ثانیاً حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام عبداللہ ہونے کے متعلق مولف ہدیہ نے جس قدر بیہودہ گوئی کی ہے اس سب کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے متعلق کرنا اور ان تمام بے ادبیوں کے مرتکب ہونا ہوگا جو امامنا علیہ السلام کی جناب میں کی گئی ہیں۔

اس بحث کے آخر میں مولف صاحب ہدیہ کے اس قول پر بھی ایک نظر ڈالنے کی ضرورت ہے کہ

ایمان والدین رسول اللہؐ کی بحث	محققین حضرت کے والدین کے ایمان کے بھی قائل ہیں چنانچہ شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے

درمثل رسالے اثبات ایمان والدین آنحضرت میں تصنیف فرمائے ہیں۔

مولف صاحب نے یہ بحث ناحق چھیڑی ہے جو جمہور علمائے اہل سنت اور

ان کے اصول کے خلاف ہے۔ چونکہ یہ مقدمہ نہایت نازک ہے محرر اوراق ایسے مقدمات میں بحث کرنے سے بہت احتراز کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کی نسبت کوئی بات خلاف فرامین آنحضرت صلعم کہیں سرزد نہو جائے مگر اس بحث کے اصل محرک اور باعث بھی چونکہ مولف ہدیہ ہی ہیں اس لئے اس تقریر کا وبال ونکال بھی انہی کے سر ہے۔ تاہم اس مسئلہ میں ہم اپنی طرف سے کچھ لکھنا پسند نہیں کرتے صرف نفس مسئلہ کی توضیح کر دینے اور فقط ائمہ وعلمائے سلفِ اہل سنت کے اقوال نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

واضح ہو کہ یہ مسئلہ اہل تشیع اور اہل سنت کے درمیان اختلافی ہے۔ فرقہ شیعہ کا یہ اعتقاد ہے کہ جمیع انبیا (علیہم وعلی نبینا الف الف تحیات) کے آباو امہات طاہرین وطاہرات ہیں۔ علی الخصوص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین بلکہ آدم علیہ السلام تک کے اجداد سب ساجدین و ساجدات ہیں انکی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے الذی یراک حین تقوم وتقلبك فی الساجدین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ لم ازل انقل من اصلاب الطاھرین (میں پاک لوگوں کی صلب سے منتقل ہوتا چلا آیا ہوں)

اہل سنت کے نزدیک انبیا علیہم السلام کے آباو امہات کا ایمان امر ضروری نہیں ہے وہ اہل تشیع کے دلائل کے جوابات دیتے اور اس آیت وحدیث کی دوسری تاویل وتوجیہ کرتے ہیں چنانچہ تفسیر بیضاوی وغیرہ میں لکھا ہے کہ

ان معنی الآیۃ وتردد ك فی تصفح احوال المتہجد ین کما روی انه لما نسخ فرض قیام اللیل طاف علیه السلام تلك اللیۃ ببیوت اصحابه لینظر ما یصنعون حرصاً علی کثرۃ طاعاتہم فوجدھا کبیوت الزنابیر لما سمع لھا من دندنتہم بذکر اللہ۔

آیت کا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالی آپ کو تہجد ادا کرنے والوں کی تلاش ودریافت میں آتے جاتے دیکھتا ہے جیسا کہ مروی ہے کہ جب رات کی عبادت کی فرضیت منسوخ ہوگئی تو اس رات حضرت اپنے صحابہ کے مکانات کے اطراف گھومتے رہے تاکہ یہ دیکھیں کہ وہ شوق عبادت میں کیا کر رہے ہیں۔ پس آپ نے انکے مکانات کو بھڑوں کے چھتوں کی طرح ذکر کی آوازوں سے گونجتے ہوے پایا

یعنی اہل سنت کے استدلال کی تلخیص یہ ہے کہ لفظ "تقلب" کے معنی لغت کی رو سے ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف الٹ دینے اور آنے جانے کے آتے ہیں۔ آیت میں کوئی ایسا قرینہ نہیں ہے جو لفظ "تقلب" ایک پشت سے دوسری پشت کی طرف یا صلب سے رحم کی طرف منتقل ہونے پر دلالت کرے اور اس کو اسی معنی کیلئے مخصوص کردے۔ جب کوئی قرینہ مذکور نہیں ہے تو تقلب کا معنی عام ہی رہے گا اور عام کی تخصیص بلا مخصص کے درست نہ ہوگی لہذا تقلب کا معنی تقلب الی الصلب والرحم ہی لینا صحیح نہیں۔

دوسری دلیل بھی ضعیف ہے کیونکہ طہارت سے ایمان ہی مراد نہیں ہو سکتا اس لئے کہ ایمان و طہارت میں لزوم نہیں ہے بلکہ جائز ہے کہ طہارت ہو ایمان نہ ہو اور نیز جائز ہے کہ ایمان ہو اور طہارت نہ ہو جیسے مومن ناپاک۔ اس صورت میں طہارت سے مراد زنا وغیرہ ناجائز طرق تناسل سے پاکی ہوگی۔ ایمان کا ثبوت اس صورت میں ہوتا کہ آپ کے آباو اجداد ابراہیمی ملت پر کاربند رہتے اور یہ امر تاریخ جاہلیت کے نظر کرتے زیر بحث ہے۔

خود قرآن شریف میں ابراہیم علیہ السلام کے باپ اللہ تعالیٰ کے عدو ہونا اور محض اسی وجہ سے ابراہیم علیہ السلام کا ان سے برأت ظاہر کرنا صراحتاً موجود ہے جیسا کہ ارشاد ہوا ہے۔

ماکان للنبی والذین اٰمنوا ان یستغفروا للمشرکین ولو کانوا اولی قربیٰ من بعد ما تبین لھم انھم اصحاب الجحیم۔ وما کان استغفار ابراھیم لابیہ الا عن موعدۃ وعدھا ایاہ فلما تبین انہ عدوٌ للہ تبرء منہ ان ابراھیم لاواہ حلیم (۱۱ - ۳ - سورۂ توبہ)

یعنی اللہ تعالیٰ نے اولاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کو اپنے قرابتدار مشرکین کیلئے جبکہ ان کا جہنمی ہونا ثابت ہوگیا ہو مغفرت چاہنے سے منع فرمایا ہے۔ اس کے بعد ابراہیم نے اپنے باپ کیلئے جو مغفرت طلب کی تھی اس کی وجہ بیان فرمائی ہے کہ انھوں نے اپنے باپ سے وعدہ کیا تھا اور محض ایفاے وعدہ کے لئے انھوں نے ایسا کیا۔ لیکن جب ان پر یہ ظاہر ہوگیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے براءت ظاہر کر لی۔ ابراہیم رحیم مزاج

اور حلیم ہیں ۔

غرض یہ اہل سنت کے دلائل کا خلاصہ تھا اب یہاں ان علمائے اہلسنت کے چند اقوال لکھے جاتے ہیں جنھوں نے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ رسول اللہ صلعم کے والدین ایمان سے مشرف نہیں تھے ۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ "فقہ اکبر" میں فرماتے ہیں کہ

والدا رسول اللہ ماتا علی الکفر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کفر کی حالت میں مرے ہیں ۔

ملا علی قاری نے اس کی شرح میں لکھا ہے ۔

وھذہ رد علی من قال انھما ماتا علی الایمان او ماتا علی الکفر ثم احیاھما اللہ فماتا فی مقام الایقان وقد افردت لھذہ المسئلہ رسالۃ مستقلۃ ورفعت ماذکرہ السیوطی الی آخرہ ۔

یہ قول ان لوگوں کی تردید ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ آنحضرت کے والدین ایمان کی حالت میں مرے ہیں یا یہ کہ وہ کافر مرے مگر اللہ تعالیٰ نے انھیں زندہ کیا پھر وہ مقام یقین میں وفات پائے ۔ میں نے اس مسئلہ میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے اور سیوطی نے جو کچھ لکھا ہے اس کی تردید کی ہے ۔

مواہب لدنیہ میں لکھا ہے کہ

کذا روی عن عائشہ رض احیاء ابویہ حتی آمنا بہ اوردہ السھیلی وقال فی اسنادہ مجاھیل وقال ابن کثیر انہ حدیث منکر جداً وسندہ مجھولٌ وقال ابن دحیۃ ھذا الحدیث موضوع یردہ القرآن والاجماع ۔

ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا زندہ کیا جانا اور ان کا ایمان لانا عائشہ رض سے مروی ہے جس کو سہیلی نے روایت کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ یہ حدیث منکر ہے اور اسکی سند مجھول ہے ۔ ابن دحیہ کا قول ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے جس کی تردید قرآن اور اجماع سے ہوتی ہے ۔

وقد جزم بعض العلماء ان ابویہ ناجیان ولیس فی النار تمسکا لھذا الحدیث

بعض علما نے اس حدیث اور دوسری روایتوں سے استدلال کرکے یہ رائے قایم کی ہے کہ

وغیرہ وتعقبه عالم آخر بانه لم یر احداً صرح بانّ الایمان بعد انقطاع العمل بالموت ینفع صاحبه فان ادعی احد الخصوصیة فعلیه الدلیل وقد سبقه لذلك ابوالخطاب بن دحیه وعبارته من مات کافراً لم ینفعه الایمان بعد الرجعة بل لوآمن عند المعاینة لم ینفعه ذلك فکیف بعد الاعادة۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین ناجی ہیں دوزخ میں نہیں ہیں۔ بعض دوسرے علما نے اس کی اس طرح مخالفت کی ہے کہ کسی نے بھی یہ صراحت نہیں کی ہے کہ انقطاع عمل یعنی موت کے بعد ایمان مفید ہوسکتا ہے۔ اگر کوئی شخص خصوصیت کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کی کوئی دلیل پیش کرنا چاہئیے۔ اس سے پہلے ابوالخطاب بن وحیہ نے بھی یہی لکھا ہے کہ جو شخص کافر مرے اس کیلئے رجعت کے بعد بھی ایمان مفید نہیں ہوسکتا بلکہ موت کے آثار معائنہ کرنے (غرغرہ) کے بعد ایمان فائدہ نہیں دیتا تو مرجانے کے بعد اس کے زندہ کئے جانے کی صورت میں کیسے مفید ہوگا۔

امام فخرالدین رازی نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ

واما اصحابنا فقد زعموا ان والد رسول اللّٰہ کانا کافرین وذکروا ان نص الکتاب فی ھذہ الآیة تدل علیٰ انّ آذر کان کافرا وکان والد ابراھیمؑ۔

ہمارے اصحاب کا خیال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کافر تھے اور انھوں نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ قرآن کا سیاق کلام اس آیت میں اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آذر کافر تھے اور وہ ابراہیم (علیہ السلام) کے باپ تھے۔

اسی کتاب میں دوسرے مقام پر لکھا ہے کہ

ان رجلاً اتی الرسول علیه السلام و قال کان ابی فی الجاھلیة یصل الرحم ویقری الضیف ویمنح من ماله فاین ابی فقال امات مشرکا قال نعم قال

ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ میرا باپ جاہلیت میں قرابتداروں کے ساتھ نیک سلوک اور مہمان نوازی کرتا اور اپنا مال بخشش کرتا تھا

فی ضحضاح من النار فولّی الرجل یبکی فدعاہ علیہ السلام فقال ان ابی واباك وابا ابراھیم فی النار

میرا باپ کس مقام میں ہے حضرت نے فرمایا کیا تیرا باپ مشرک مرا تھا اس نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا تب تو وہ دوزخ میں ہے پس وہ شخص روتا ہوا لوٹا حضرت نے اس کو پھر بلایا اور فرمایا کہ میرا باپ۔ تیرا باپ اور ابراہیم کے باپ دوزخ ہی میں ہیں۔

مسلم نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

قال ان ابی واباك فی النار

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا باپ اور تیرا باپ دوزخ میں ہے۔

نووی شارح مسلم لکھتے ہیں۔

ان من مات علی الکفر فھو فی النار ولاینفعہ قرابۃ المقربین وفیہ ان من مات فی الفطرۃ علی من کانت علیہ العرب من عبادۃ الاوثان فھو فی النار ولیس فی ھذا مواخذۃ قبل بلوغ الدعوۃ فانّ ھؤلاء کانت بلغتھم دعوۃ ابراھیم وغیرہ من الانبیاء وقال الامام فخرالدین من مات مشرکا فھو فی النار وان مات قبل البعثۃ لان المشرکین کانوا قد غیّروا الحنیفۃ دین ابراھیم واستبدلوا بھا الشرك وارتکبوہ ولیس لھم حجۃ من اللہ ولم یزل معلوما من دین الرسل

جو شخص کفر کی حالت میں مرے وہ دوزخ میں ہے اور اس کیلئے نیکوں کی قرابت کا تعلق کچھ نفع بخش نہیں۔ اسی سے یہ بھی ثابت ہے کہ جو شخص عرب کی عادت کے موافق بت پرستی کی حالت میں مرے وہ دوزخ میں ہے۔ اس سے دعوت پہنچنے سے پہلے مواخذہ ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ انھیں ابراہیم وغیرہ انبیا علیہم السلام کی دعوت تو پہنچ چکی تھی امام فخرالدین رازی کا قول ہے کہ جو شخص مشرک مرے وہ دوزخ میں ہے اگرچہ رسول اللہ (صلعم) کی بعثت سے پہلے ہی مرا ہو کیونکہ مشرکین اصل دین ابراہیم کو شرک سے بدل کر شرک کے مرتکب ہوگئے تھے حالانکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کیلئے اسکی کوئی اجازت نہیں ہے اور آدم علیہ السلام سے خاتم الانبیا تک تمام انبیا (علیہم السلام) کے ادیان میں

شرک کی مذمت اور شرک کیلئے دوزخ اور اسکے عذاب کی وعید اک امر معلوم اور تمام امتوں میں یکے بعد دیگرے ہر زمانہ میں متداول رہی ہے ۔

تفسیر کشاف میں آیت ما کان للنبی والذین اٰمنوا ان یستغفروا للمشرکین الاٰیہ کا شان نزول یہ لکھا ہے ۔

قال رسول اللہ صلی انی استاذنت ربی فی زیارۃ قبر امی فاذن لی واستاذنتہ فی الاستغفار لھا فلم یاذن لی فنزلت وھذا اصح ۔

رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ میں نے اپنی ماں کی قبر کی زیارت کرنے کی اجازت چاہی اور مجھے اس کی اجازت دیگئی میں نے اپنی ماں کیلئے مغفرت مانگنے کی اجازت چاہی تو اسکی اجازت نہیں دیگئی اور یہ آیت نازل ہوئی یہی صحیح ہے ۔

مواہب لدنیہ میں ہے کہ

روی ابن جریر عن علقمۃ بن مرثد عن سلیمان بن بریدۃ عن ابیہ ان النبی (صلعم) لما قدم مکۃ اتی رسم قبر فجلس فجعل یخاطب ثم قام مستعبرا فقلنا یا رسول اللہ انا رأینا ما صنعت قال انی استاذنت ربی فی زیارۃ قبر امی فاذن لی واستاذنتہ فی الاستغفار لھا فلم یاذن لی فما رای اکثر باکیا من یومئذ وروی ابن حاتم فی تفسیرہ عن عبد اللہ بن مسعود ان رسول اللہ (صلعم) اوما الی المقابر فاتبعناہ فجاء حتی جلس الی قبر منھا نناجاہ طویلا ثم بکی فبکینا

سلیمان بن بریدہ نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ نبی صلعم جب مکہ کو آئے تو ایک قبر کے پاس تشریف لائے بیٹھکر اس سے خطاب کرنے لگے پھر روتے ہوئے اٹھے ہم نے حضرت سے اس کی وجہ پوچھی فرمایا کہ (یہ میری ماں کی قبر ہے) میں نے اپنے پروردگار سے اس کی زیارت کی اجازت چاہی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کی اجازت دی اور اپنی ماں کی مغفرت کی میں نے اجازت چاہی تو اجازت نہیں دیگئی (راوی کہتے ہیں کہ) رسول اللہ صلعم کو اس روز سے زیادہ کبھی روتے ہوئے انھوں نے نہیں دیکھا۔ ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں عبد اللہ بن مسعود سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے قبرستان کا قصد فرمایا ہم آپ کے پیچھے ہولئے آپ ایک قبر

لبکائه ثم قام فقام الیه عمر بن الخطاب فدعاه ثم دعانا فقال ما ابکاکم قلنا لبکائك فقال ان القبر الذی جلست عنده قبر امنة وانی استاذنت ربی فی زیارتها فاذن لی وانی استاذنته فی الدعاء لها فلم یاذن لی وانزل الله علیّ ما کان للنبی والذین امنوا ان یستغفروا للمشرکین ولو کانوا اولی قربی فاخذنی ما یاخذ الولد للوالد۔ وفی مسلم انی استاذنت ربی ان استغفر لامی فلم یاذن لی واستاذنته فی ان ازور قبرها فاذن لی فزوروا القبور فانها تذکر الآخرة قال القاضی عیاض بکاءہ علیه السلام علی ما فاتها ادراك ایامه والایمان به

کے پاس بیٹھ گئے اور دیر تک آہستہ آہستہ کچھ فرماتے رہے پھر رونا شروع کیا اور آپکے رونے سے ہم بھی رو پڑے اس کے بعد آپ اُٹھے عمر بن الخطاب آپ کی طرف بڑھے آپ انھیں اور ہم کو پاس بلایا اور پوچھا تم کیوں رو رہے ہو ہم نے عرض کیا آپکے رونے کی وجہ سے۔ فرمایا میں جس قبر کے پاس بیٹھا تھا وہ آمنہ کی قبر تھی میں نے ان کی زیارت کی اللہ تعالیٰ سے اجازت چاہی اور مجھے اسکی اجازت دیگئی۔ میں نے ان کیلئے دعا کرنیکی اجازت چاہی تو اس کی اجازت نہیں دیگئی اور مجھ پر یہ آیت نازل ہوئی کہ (نبی اور مومنوں کے لئے مشرکین کے حق میں مغفرت کی دعا کرنا جائز نہیں ہے خواہ وہ ان کے قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں) پس مجھے وہی رنج ہوا جو فرزند کو اپنے ماں باپ کیلئے ہوتا ہے۔ مسلم کی روایت یہ ہے کہ میں نے اپنے پروردگار سے اپنی ماں کیلئے مغفرت چاہنے کی اجازت طلب کی تو اسکی اجازت نہیں ہوئی اور ان کی قبر کی زیارت کرنے کی اجازت ملی۔ تم قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ وہ آخرت کی یاد دلاتی ہے۔ قاضی عیاض کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم کی زاری اسوجہ سے تھی کہ حضرت کی ماں نے حضرت کے زمانہ کو نہ پایا اور وہ حضرت پر ایمان نہ لائیں۔

غرض ایسی ہی اور بہت روایتیں۔ ابن کثیر۔ عبدالوہاب۔ سہیلی وغیرہم نے لکھی ہیں جن کا استیعاب خیلے دشوار اور اس موقع پر غیر ضروری ہے۔ ان روایتوں کا خلاصہ یہی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین ایمان سے مشرف نہیں تھے اور علمائے محققین اہل سنت جیسے امام اعظم رح ابن ابی حاتم۔ ابن کثیر۔ ابن دحیہ۔ سہیلی۔ محی الدین نووی۔ عبدالوہاب شعرانی۔ امام فخرالدین رازی وغیرہم کا یہی مذہب ہے۔

پس ظاہر ہے کہ مولف صاحب ہدیہ کا یہ قول کہ محققین حضرت کے والدین کے ایمان کے بھی قائل ہیں خلاف تحقیق ہے۔

شیخ جلال الدین سیوطی نے بھی جو کچھ لکھا ہے وہ بھی زیادہ تر قیاسات ہیں روایات نہیں ہیں ان کے مباحث کی بنا محض آداب پر ہے کہ والدین آنحضرت صلعم کی نسبت دخول نار اور وقوع عذاب وغیرہ اطلاقات کو وہ ناپسند کرتے ہیں۔ نہیں کہ فی الحقیقت ان کا ایمان سنداً متحقق اور ثابت ہے۔

خود سیوطی نے اس مسئلہ میں چھ رسالے تالیف کرنا بیان کیا ہے تذکرہ بستن چنانچہ رسالہ دوران فلکی میں انھوں نے لکھا ہے کہ

والثانی انہ تکلم فی حق والدی المصطفیٰ بما لا یحل لمسلم ذکرہ و لا یسوغ ان یجترم علیہ فکرہ فوجب علیّ ان اقوم بالانکار والفت فی ذلک ستۃ مولفات شحنتہا بالفوائد۔

دوسری بات یہ کہ اس نے مصطفیٰ صلعم کے والدین کے حق میں ایسی باتیں کیں ہیں جا ذکر کسی مسلمان کو درست نہیں اور نہ اپنی قطعی رائے قایم کر لینا مناسب ہے پس میں اس کا انکار کرنا اپنے اوپر واجب پاتا اور اس مسئلہ میں چھ رسالے تالیف کئے جو فوائد سے مملو ہیں۔

مولف یواقیت نے بھی یواقیت کے چالیسویں مبحث میں یہی لکھا ہے۔

وفی حکم ابوی النبی للشیخ جلال الدین السیوطی فی ھذہ المسئلۃ ست مولفات وقد طالعنا کلہا فرأیتہا یرجع الی ان الادب مع رسول اللہ واجب۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے متعلق شیخ جلال الدین سیوطی کے چھ رسالے ہیں ان سب کا میں نے مطالعہ کیا ہے میں نے دیکھا کہ ان کا مآل بحث یہ ہے کہ رسول اللہ صلعم کے ساتھ ادب محفوظ رکھنا واجب ہے۔

پس مولف صاحب ہدیہ کا یہ قول بھی قرین صحت نہیں معلوم ہوتا کہ شیخ جلال الدین سیوطی نے دس رسالے اثبات ایمان والدین حضرت میں تصنیف فرمائے ہیں۔

یملاء الارض قسطاً وعدلاً کی تحقیق

یہاں تک جس قدر بحث کی گئی ہے وہ حضرت امامنا مہدی موعود علیہ السلام کے والد ماجد کے نام کی تحقیق اور اس کے متعلقہ مضامین سے متعلق تھی۔ اب مولف صاحب "ہدیہ" کے دوسرے اعتراض پر نظر تحقیق ڈالی جاتی ہے کہ "زمین کو عدل وانصاف سے بھر دینا حضرت امامنا علیہ الصلوٰۃ والسلام پر صادق نہیں آتا کیونکہ آپ صاحب حکومت نہیں تھے۔

یہ اعتراض حدیث کے اس حصہ سے تعلق رکھتا ہے جو "یملاء الارض قسطاً وعدلاً کما ملئت ظلماً وجوراً" ہے۔ چنانچہ مولف صاحب نے اس کی نسبت جو کچھ خیالات ظاہر کئے ہیں ان کا ماحصل یہ ہے کہ

> مہدوی لا تقربوا الصلوٰۃ کا سا عمل کرتے ہیں۔ حدیث کے پچھلے حصہ کو دیکھ کر بہت گھبراتے اس واسطے کہ ان کے مہدی کو حکومت نصیب نہ ہوئی کہ زمین کو عدل سے بھر دینا ان پر صادق آئے اس لئے مہدوی اس میں طرح طرح کی تاویلیں اور تحریفیں کرتے ہیں۔

مولف صاحب ہدیہ کے یہ تمام اعتراض بے اصل ہیں مہدویہ تو آیات قرآنی اور دوسری احادیث کا پورا پورا لحاظ کرکے اس حدیث کا معنی کرتے ہیں لہذا ان پر لا تقربوا الصلوٰۃ کا واقعہ کسی طرح صادق نہیں آسکتا البتہ خود مولف صاحب اور ان کی طرح وہ لوگ جو یملاء الارض کے صرف الفاظ دیکھکر اور دوسرے احکام قرآن وحدیث سے آنکھیں بند کرکے اس حدیث کا غلط سلط معنی کرتے ہیں وہ ضرور لا تقربوا الصلوٰۃ کے واقعہ کا مصداق ہیں۔

ایسا ہی مہدوی اس حدیث کے جو معنی کرتے ہیں وہ لغت اور قواعد نحو اور محاورۂ عرب کے ٹھیک مطابق ہیں لہذا ایسے معنی پر تاویل وتحریف کا اطلاق بھی کسی طرح صحیح نہیں۔

مولف صاحب ہدیہ کا یہ خیال بھی بے بنیاد ہے کہ عدل پھیلانے کیلئے حکومت ظاہری لازمی ہے کیونکہ ایسا خیال کرنا آیات واحادیث کے صریح خلاف ہے۔

اس تمام اجمال کی تفصیل علی الترتیب ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں حدیث کا آخری حصہ جسکی طرف مولف صاحب ہدیہ اشارہ کر رہے ہیں اسی کا معنی سمجھنے میں انھوں نے غلطی کی ہے اس کی تحقیق یہ ہے کہ زبان عرب میں الف لام (ال) کئی معنی کا فائدہ دیتا ہے کبھی یہ مضاف کے عوض میں آتا ہے جیسے قرآن شریف میں یوسف علیہ السلام کے قصہ میں ان کے بھائیوں کا قول نقل کیا گیا ہے کہ

واسئل القریۃ التی کنا فیھا والعیر التی اقبلنا فیھاوانا لصادقون - (۱۳-۴-یوسف)

آپ قریہ والوں یا قافلہ والوں سے دریافت کر لیجئے جس میں ہم تھے کہ ہم اپنے قول میں سچے ہیں -

اس آیت میں واسئل القریۃ سے مراد واسئل اہل القریۃ ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ قریہ سے کوئی بات کس طرح پوچھی جا سکتی ہے - کبھی الف لام معہود ذہنی یا خارجی کا معنی دیتا ہے یعنی جس لفظ پر آئے اس سے مخصوص شی یا شخص مقصود ہوتا ہے جیسے ان آیتوں کو دیکھو -

اذا خرجہُ الذین کفروا ثانی اثنین اذھما فی الغار الایۃ (۱۰-۱۲-توبہ)

جبکہ کفار نے آپ کو (اپنے وطن سے) نکال دیا اور غار میں آپ دو میں سے ایک ہیں -

ایضاً اذ یبایعونک تحت الشجرۃ) الایۃ (۲۶-۱۲-فتح)

جبکہ وہ ... کر رہے ...

یہاں مخصوص غار اور شجر مراد ہے تمام روئے زمین کے غار اور اشجار مراد نہیں ہے -

اسی طرح یہ آیت کہ

وقال موسیٰ لقومہ استعینوا باللہ واصبروا ان الارض للہ یورثھا من یشا من عبادہ

موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تعالیٰ سے مدد چاہو اور صبر کرو یہ زمین اللہ تعالیٰ کی ملک ہے وہ اپنے بندوں سے جس کو چاہے اس کا وارث بناتا ہے -

یہاں ارض (زمین) سے مراد خاص ارض فرعون یعنی سرزمین مصر ہے نہ کہ تمام روئے زمین -

۱- یہ موسیٰ علیہ السلام کا قول ہے جو آپ نے اپنی قوم کو خطاب کرکے فرمایا ہے پہلے اپنی قوم کو صبر کرنے اور

کبھی "الف لام" جنس پر دلالت کرتا ہے یعنی جس لفظ پر یہ آئے اس کی جنس مراد ہوتی ہے نہ کہ افراد جیسے کوئی حلف کرے کہ لا البس الثیاب (میں کپڑے نہیں پہنوں گا) تو اس سے جنس ثوب مراد ہے تمام افراد ثوب مراد نہیں اسی لئے کوئی بھی کپڑا اور کتنا بھی کپڑا پہننے سے حلف ٹوٹ جائے گی۔

کبھی استغراق کا فائدہ دیتا ہے یعنی جس پر یہ "الف لام" آئے اس سے اس کے تمام افراد مقصود ہوتے ہیں جیسے

والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین امنوا وعملوا الصالحات وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر۔ یعنی ایمان وعمل صالح سے متصف اور ایک دوسرے کو حق اور صبر کی وصیت کرنے والوں کے سوا سب افراد انسانی خسران میں ہیں۔

یہ علمائے نحو کے اقوال کی تلخیص ہے (دیکھو معنی اللبیب۔ شرح الفیہ وغیرہ)

ان نحوی قواعد کے تحت اس حدیث میں جو "ارض" پر الف لام آیا ہے وہ کبھی یا تو عوض مضاف۔ یا عہد یا جنس یا استغراق کیلئے ہوسکتا ہے۔ پہلی صورت میں "الارض" سے اہل ارض مراد ہوں گے تو سب کے سب اہل ارض کا فعل "املا" سے متاثر ہوجانا ضروری نہیں ہے جیسے سب اہل قریہ سے سوال کیا جانا ضروری نہیں۔ اسی کی دوسری نظیر قرآن شریف میں دیکھو ارشاد ہوا ہے۔

فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون | یعنی اگر تم نہ جانتے ہوں تو اہل علم سے پوچھ لو

یہاں بھی تمام کے تمام اہل علم یا اہل ذکر سے فعل سوال متعلق ہونا ضروری نہیں ہے۔ اسی طرح تمام اہل ارض کا فعل "املا" سے متاثر ہونا ضروری نہیں۔ معنی عہد میں تو کوئی حصۂ معینہ ہی مراد ہونا لازمی ہے تمامی حصص ارض مراد نہیں ہو سکتے۔ جنس کا معنی ملحوظ ہو تو اس کا اطلاق بھی کم سے کم مقدار "مایصدق علیہ مفہوم الجنس" پر

بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۱۔ اللہ تعالیٰ ہی سے مدد چاہنے کی تلقین فرماکر بعد میں یہ زمین اللہ تعالیٰ کی ملک ہونا اور اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے عطا کرنے کی امید دلائی ہے اس لئے اکثر مفسرین نے الارض سے مراد ارض فرعون فی مدینہ مصر بیان کی ہے چنانچہ خادم مجیب نے بعد میں امام فخر الدین رازیؒ کا قول تفسیر کبیر سے پیش کیا ہے۔

* یعنی جنس کا مفہوم جس پر صادق آتا ہے اس کی کم سے کم مقدار کا پایا جانا معنی جنس کیلئے کافی ہے۔ ۱۲

ہوگا۔ کل افراد یا کل مقدار کا وجود ضروری نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ ایک معنیٔ استغراق کے سوا باقی تینوں صورتیں مفید بعضیت ہیں مستلزم کلیت نہیں

اب ہم مولف صاحب ہدیہ سے پوچھتے ہیں کہ زمین کو عدل وانصاف سے بھرنے سے آپ کی کیا مراد ہے۔ اہل زمین عدل وانصاف سے مملو ہوجانا مقصد ہے یا نفس زمین۔ نفس زمین مقصود ہو تو بعض حصہ زمین مراد ہے یا تمام روئے زمین از جز تا کل کہ اس کا کوئی حصہ بھی اس سے خالی نہ رہے۔ اگر معنیٔ اول مراد ہے تو آپ بھی مہدویہ کے ہمنوا ہوئے اور مہدویہ پر حدیث کے آخری حصہ میں تاویل وتحریف کرنے کا اتہام خود بخود غلط ثابت ہوگیا۔ کیونکہ مہدویہ بھی اس حدیث کے وہی معنی کرتے ہیں جو آپ کر رہے ہیں۔ اور اگر معنیٔ ثانی مراد ہے تو یہ معنی "الارض" کے الف لام کو استغراقی لینے کی صورت میں حاصل ہوگا لیکن حدیث میں کوئی ایسا قرینہ موجود نہیں ہے جو اسی پر دلالت کرتا ہو اور جس کی وجہ سے "الارض" کے الف لام کو معنی استغراقی ہی پر محمول کرنا ضروری ہو بلکہ زیادہ سے زیادہ یہ ایک معنی محتمل ہوگا۔ چونکہ علم نحو کے قواعد کے موافق یہاں دوسرے معانی محتملہ یعنی عہد وجنس وعوض مضاف بھی ہوسکتے ہیں اسی لئے استغراق کے سوا دوسرے معنی بھی لینا جائز ہے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ نے ایک معنیٔ محتمل کئے دوسرے اہل نے اسی حدیث کے دوسرے معنی محتمل لئے یہ بھی نہ تاویل ہے نہ تحریف اگر اس کو تاویل وتحریف کہا جائے تو آپ کے سمجھے ہوئے معنی بھی ضرور تاویل وتحریف ہوں گے کیونکہ اس کا کوئی قرینہ یا کوئی وجہ ترجیح نہیں ہے۔

یہ تو قواعد نحوی کی بحث تھی جس سے ثابت ہو رہا ہے کہ متعدد معانی محتملہ میں سے کسی معنی کی قرائن سے تائید نہ ہوتی ہو تو کوئی بھی معنی لینا جائز ہے۔ اب آئیے اصول شرعی وعقلی پر ان معانی کو جانچیں کہ اس حدیث کا یہ معنی کہ تمام روئے زمین کا عدل وانصاف سے اس طرح بھر جانا کہ اس کا کوئی جز اور کوئی حصہ عدل وانصاف سے خالی نہ رہے یا یہ کہ تمام روئے زمین کے جملہ انسانوں کا ہدایت یافتہ اور تمام دنیا میں ایک ہی ملت یا ایک ہی دین ہوجانا جیسا کہ بعض کہتے ہیں کس حد تک عقل ونقل کے مطابق یا مخالف ہے ذرا سے غور و تامل سے دیکھئے تو ثابت ہوتا ہے کہ حدیث مذکور کا یہ معنی کئی وجوہ سے عقل ونقل کے صریح خلاف ہے

اور ایسا معنی لینے کی صورت میں اس کے بہت سے معارضات کتاب وسنت کے ساتھ لازم آتے ہیں ۔ اولاً امام مہدی علیہ السلام کی ذات بالاتفاق حضرت رسول اللہ صلعم کی تابع تام ہے ۔ تمام روئے زمین پر عدل وانصاف اس طرح پھیلا نا کہ کوئی حصہ اُس کا اس سے خالی نہ رہے ۔ یا تمام انسانوں کا ملت واحدہ ہوجانا ایسا کام ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ظہور میں نہیں آیا ہے کیونکہ آنحضرت صلعم کی حیات تک تمام جزیرۃ العرب میں بھی دین حق نہیں پھیل سکا تھا اور دنیا کے بیشمار ممالک میں ظلم وجور اور ضلالت وگمراہی کا دور دورہ تھا پس جو بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں نہ ہوسکی وہ آپ کے تابع تام یعنی امام مہدی علیہ السلام سے کس طرح ظہور میں آئے گی ۔

ثانیاً حضرت امام مہدی علیہ السلام کی دعوت کی مدت اکثر احادیث سے کم از کم پانچ (۵) روز زیادہ سے زیادہ نو (۹) سال ثابت ہوی ہے ایسی صورت میں لازم آئے گا کہ تمام روئے زمین کا ہر ملک اور ہر ملک کا ہر صوبہ وہر ضلع وہر تعلقہ اور ہر ہر قصبہ وقریہ بلکہ روئے زمین کے پہاڑ ۔ جنگل ۔ صحرا ۔ دریا ۔ سمندر غرضکہ اس کا چپہ چپہ عدل وانصاف سے اس قلیل مدت میں ایسا بھر جائے کہ کوئی حصہ اس کا اس سے خالی نہ رہے اور اس دنیا میں بسنے والی تمام اقوامِ عالم اپنے اپنے آئین ومذاہب کو چھوڑ کر سب کے سب ہدایت یافتہ اور دینِ حق کے پیرو بن جائیں ۔

ظاہر ہے کہ اس قلیل مدت میں اس دشوار بلکہ محال بات کی تکمیل ہوجانا صریح خلاف عقل ہے کیونکہ احادیث سے کہیں غیر معمولی تیز رفتاری کی صراحت بھی نہیں ہے پس اس مدت میں جبکہ تمام روئے زمین کا سفر ہی متعذر رہے تمام اقوام عالم کا مغلوب یا مطیع ہوجانا کجا ۔ پس اس سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ یہاں دو میں سے کوئی ایک بات ضرور غلط ہونا چاہیئے یا تو یہ مدت صحیح نہیں ہے یا اس حدیث کا یہ خلاف عقل مطلب ومفہوم لینا غلط ہے ۔ مذکورہ مدت چونکہ متعدد احادیث سے ایسے واضح طور پر ثابت ہوی ہے کہ اس کا انکار یا اس میں تاویل وتوجیہ کرنے کی گنجائش نہیں ہے لہذا مذکورہ مدت غلط نہیں ہوسکتی ۔ اس کے مقابل یہ مطلب ومفہوم نصِ حدیث سے واضح طور پر مستفاد نہیں ہورہا ہے بلکہ ایک احتمالی معنی ہے

جو دوسرے صحیح اور موافق عقل و نقل معانی کو چھوڑ کر قیاس مع الفارق کے طور پر بیان کیا جا رہا ہے لہٰذا اس حدیث کا یہ مفہوم بیان کرنا ضرور غلط ہے۔ ثالثاً تمام روئے زمین سے ظلم و جور کا بالکلیہ اُٹھ جانا کتاب وسنت سے بھی غیر صحیح اور از قسم محالات معلوم ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ

فاغرینا بینہم العداوۃ والبغضاء الیٰ یوم القیامۃ (۶۔۷۔ رکوع)	ہم نے ان میں قیامت تک باہم دشمنی اور بغض کا مادہ ڈال دیا ہے۔
ایضاً۔ والقینا بینہم العداوۃ والبغضاء الیٰ یوم القیامۃ (۶۔۱۴۔ رکوع)	ہم نے ان میں قیامت تک باہم دشمنی اور بغض کا مادہ ڈال دیا ہے۔

پہلی آیت نصاریٰ سے اور دوسری آیت یہود سے متعلق ہے یہ آیتیں اس امر کی نص صریح اور حکم قطعی ہیں کہ ان قوموں میں باہمی عداوت و بغض جو ظلم و جور کا اصلی مادہ ہے قیامت تک موجود رہے گا۔ تفسیر مدارک اور تفسیر کشاف میں لکھا ہے۔

فکلہم ابدا مختلف وقلوبہم شتّٰی لا یقع اتفاق بینہم ولا تعاضد ولا توافق۔	پس وہ کل کے کل ہمیشہ باہم مختلف اور ان کے دل پریشان رہیں گے کہ ان میں اتفاق و موافقت اور تعاون نہ ہوگا۔

چونکہ یہ ایک ضابطہ ہے کہ جس امر کی نسبت ''الیٰ یوم القیامۃ'' کی صراحت شارع کی طرف سے وارد ہوتی ہے اس کا دواماً وابداً ہر وقت پایا جانا ضروریات سے ہے اور اس کا انقطاع وارتفاع محالات سے ہوتا ہے۔ اس لئے قیامت تک کوئی وقت بھی ایسا نہیں ہوسکتا جو بغض و عداوت اور ظلم و عدوان سے خالی ہوسکے۔ اگر حدیث مذکور کا معنی یہی لیا جائے تو امام مہدی علیہ السلام کا زمانہ بھی چونکہ قیامت تک کے ازمنہ کا ایک جزو ہے اور آپ کا عدل و انصاف تمام اقوام عالم کو شامل ہونا فرض کیا جا رہا ہے لہٰذا آپ کے زمانہ میں تمام روے زمین میں عدل و انصاف پھیل جانے کے ساتھ ساتھ یہود و نصاریٰ سے وہ بغض و عداوت بھی دور ہوجانا لازم آئے گا جس کی اللہ تعالیٰ نے نفی کی ہے اور یہ صورت قرآن شریف کے معارض اور صریح خلاف ہے۔

رابعاً۔ ملتِ واحدہ ہونے کا مضمون بھی کتاب اللہ کے صریح خلاف ہے کیونکہ اس بارہ میں آیات صاف اور قطعی طور پر ناطق ہیں کہ سب کے سب انسان

ملتِ واحدہ اور ہدایت یافتہ نہیں ہوسکتے چنانچہ ارشاد فرمایا ہے۔

لوشاء ربك لجعل الناس امة واحدة ولا يزالون مختلفين الا من رحم ربك ولذلك خلقهم۔ الآية (۲۱-۱۰- ہود)	اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو سب آدمیوں کو ایک ہی امت بنا دیتا ان لوگوں کے سوا جن پر آپ کے پروردگار نے رحم کیا ہے ہمیشہ وہ اختلاف ہی کیا کرتے رہیں گے اور اسی کیلئے انھیں پیدا کیا ہے۔
ایضاً۔ لوشئنا لاتینا کل نفس هدٰها ولکن حق القول منی لاملئن جهنم من الجنة والناس اجمعین (۲۲-۱۵- سجدہ)	اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت عطا کرتے لیکن یہ بات محقق ہو چکی ہے کہ میں جنات اور انسانوں دونوں سے جہنم کو بھر دوں گا۔
ایضاً۔ ولو شاء الله لجمعهم على الهدى (انعام)	اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر اکٹھا کر دیتا۔
ایضاً۔ ولو شاء ربك لامن فی الارض کلهم جمیعاً (۱۱-۱۵- یونس)	اور اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو جو لوگ زمین میں ہیں وہ سب کے سب ایمان لاتے

ان آیتوں کا خلاصہ یہی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی امت بنا دیتا۔ اگر چاہتا تو ہر شخص کو ہدایت عطا کرتا۔ اگر وہ چاہتا تو زمین پر بسنے والے سب کے سب ایمان لالیتے۔ اس کے معنی یہی ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے نہیں چاہا اس لیئے ایسا نہیں ہوا۔ چنانچہ علمائے نحو اور علمائے اصول کا قول ہے کہ "لو" ایک حرف شرط ہے جو دو امر یعنی شرط وجزا پر داخل ہوتا ہے۔ ان کی اصطلاح میں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ انتفائے ثانی بہ سبب انتفائے اول کا فائدہ دیتا ہے یعنی امر اول نہ ہونے کی وجہ سے امر ثانی بھی نہیں ہوا۔ اس کی واضح دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ لوکان فیهما الهة الا الله لفسدتا یعنی اگر آسمان وزمین میں کئی خدا ہوتے تو یہ آسمان وزمین فاسد ہو جاتے۔ اس کا حاصل معنی یہی ہے کہ آسمان وزمین میں کئی خدا نہیں ہیں اس لئے آسمان وزمین فاسد نہیں ہوئے۔

پس اسی طرح ان آیتوں میں بھی حرف "لو" آیا ہے ان کا بھی حاصل معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت جاری نہیں ہوئی اس لیئے سب لوگ ایک ہی امت نہیں ہوئے۔ اور ہر شخص ہدایت یافتہ نہ ہو سکا اور نہ سب کے سب ایمان لا سکے چنانچہ

مفسرین نے بھی ان آیتوں کی تفسیر میں یہی صراحت کی ہے۔ تفسیر مدارک میں پہلی آیت کی یہ تفسیر کی ہے۔

لکن لم یشاء ولکن شاء ان یکونوا مختلفین

لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کا ملت واحدہ ہونا نہیں چاہا بلکہ یہی مشیت جاری ہوئی ہے کہ وہ مختلف ہی رہیں۔

تفسیر کشاف میں لکھا ہے

لجعل الناس امة واحدة یعنی لاضطرهم الی ان یکونوا من امة واحدة وهذا الکلام یتضمن نفی الاضطرار وانه لم یضطرهم الی الاتفاق علی دین الحق الا من رحم ربك الا ناسا هداهم الله ولطف بهم فاتفقوا علی دین الحق غیر مختلفین۔

(اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ) اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان کو ایک امت بنا دیتا یعنی ان کو ایک ہی امت والے بننے پر مجبور کر دیتا یہ کلام نفی اضطرار پر مشتمل ہے اور یہ کہ دین حق پر اتفاق کیلئے انھیں اللہ تعالیٰ نے مضطر نہیں کیا سوائے ان لوگوں کے جن پر اللہ تعالیٰ نے رحم کیا اور ان پر مہربانی کی اور ان کو ہدایت کی پس وہی بغیر اختلاف کے دین حق پر متفق ہوگئے۔

تفسیر معالم التنزیل میں،

ولذالك خلقهم قال الحسن وعطاء وللاختلاف خلقهم

اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ ان کو اسی کیلئے پیدا کیا ہے حسن اور عطا نے کہا ہے اس کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اختلاف ہی کیلئے پیدا کیا ہے۔

تفسیر کبیر میں آیت " لو شاء ربك لآمن من فی الارض کلهم جمیعاً" کے تحت لکھا ہے۔

لو شاء لآمن کلهم لکن ما حصلت تلك المشیئة وما حصل ایمان اهل الارض بالکلیة فدل هذا علی انه تعالیٰ ما اراد ایمان الکل الخ

اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ اگر اللہ چاہتا تو کل کے کل ایمان لاتے لیکن یہ مشیت جاری نہیں ہوئی اور کل اہل زمین کو ایمان حاصل نہیں ہوا پس یہ آیت اس بات پر دلالت کر رہی ہے

کہ اللہ تعالیٰ نے کل کے ایمان کا ارادہ نہیں
کیا ہے۔

حاصل یہ کہ ان آیات قرآنی سے ثابت ہے کہ تمام انسانوں کے امت واحدہ ہو جانے یا سب کے سب ایمان لانے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی مشیت جاری نہیں ہوئی ہے اس لئے وہ سب ملت واحدہ نہیں ہوئے اور نہیں ہو سکتے اور نہ سب کے سب ہدایت یافتہ ہوگئے اور نہ ہو سکتے ہیں۔ اس کے مقابل بقول مولف ہدیہ اس حدیث کا یہ معنی ہوا کہ امام مہدی علیہ السلام کے زمانہ میں مشیتہ اللہ کے خلاف سب خلائق ایک ملت یا یہ کہ سب دین حق کے پیرو ہو جائیں گے پس اس حدیث کا یہی معنی لیا جائے تو یہ حدیث کتاب اللہ کے صریح خلاف ہو جاتی ہے۔ چونکہ حسب فرمان رسول اللہ تکثر لکم الاحادیث بعدی فاذاروی لکم عنی حدیث فاعرضوہ علی کتاب اللہ فما وافق فاقبلوہ وما خالف فردوہ۔ (اصول الشاشی) (میرے بعد احادیث زیادہ ہونگی جب مجھ سے کوئی حدیث روایت کی جائے تو پس اس کو کتاب اللہ پر پیش کرو اگر اس کے موافق ہو تو قبول کرو ورنہ اس کو رد کر دو) احادیث کے جانچنے کا اصل معیار کتاب اللہ کی موافقت وعدم موافقت ہے لہذا یہ حدیث یا اس کا وہ جزجو کتاب اللہ کے صریح خلاف ہے غلط ہوگا لیکن نفس حدیث کتاب اللہ کے خلاف نہیں ہے کیونکہ اس کا صحیح وحقیقی معنی کتاب اللہ کے ٹھیک مطابق ہے۔ پس ثابت ہوا کہ صحیح وحقیقی معنی کو چھوڑ کر جو معنی سمجھا جارہا ہے وہ کتاب اللہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے ضرور غلط ہے۔

خامساً۔ اس حدیث کا یہ معنی لینے سے جس طرح کتاب اللہ کی مخالفت لازم آتی ہے اسی طرح سنت صحیحہ سے بھی یہ حدیث معارض واقع ہوتی ہے۔ عمران بن حصین سے مشکوٰۃ میں روایت کی گئی ہے۔

قال رسول اللہ صلعم لا تزال طائفۃ من امتی یقاتلون علی الحق ظاہرین علی من ناداھم حتیٰ یقاتل آخرھم مسیح الدجال۔ رواہ ابوداؤد۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ میری امت میں ایک نہ ایک جماعت ہمیشہ حق کیلئے لڑتی اور اپنے معاندین پر غالب آتی رہے گی تاآنکہ ان کے آخری لوگ دجال سے لڑیں گے۔ ابوداؤد نے اس کو روایت کیا۔

عن ثوبان قال رسول اللہ صلعم۔ اذا
وضع السیف فی امتی لم یرفع عنہم
الی یوم القیامۃ (مشکاۃ ناقلا
عن ابی داؤد والترمذی)
قال انس رض قال قال رسول اللہ صلعم
ثلث من اصل الایمان الکف عمن
قال لا الہ الا اللہ لا تکفرہ بذنب
ولا تخرجہ من الاسلام بعمل والجہاد
ماض من بعثنی اللہ تعالی الی ان
یقاتل اخر امتی الدجال لا یبطلہ
جور جائر ولا عدل عادل الخ

ثوبان سے روایت ہے رسول اللہ صلعم نے
فرمایا میری امت میں جب تلوار چل جائے گی
پھر قیامت کے دن تک نہ رُکے گی۔
انس رضی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا کہ تین باتیں اصول ایمان ہیں جس نے
لا الہ الا اللہ کہا ہو اس سے ہاتھ روک لینا
کہ اس کے کسی گناہ کی بنا پر تکفیر نہ کرے اور
کسی عمل کی وجہ سے اس کو اسلام سے خارج
نہ سمجھے۔ میری بعثت سے لیکر اس وقت تک
جہاد جاری رہے گا کہ میری امت کا آخری
شخص دجال سے لڑے اس کو کسی ظالم کا ظلم
اور نہ کسی عادل کا عدل باطل و معطل نہ کر سکے گا۔

ان حدیثوں میں بھی الی یوم القیامۃ اور دجال سے مقاتلہ کی صراحت موجود ہے جو سب سے آخری اور قیامت سے بالکل ملحق وقت ہے۔ پہلی حدیث سے صاف متبادر ہے کہ امت محمدیہ کی ایک نہ ایک جماعت حق کی تائید میں قیامت تک ہمیشہ لڑتی رہیگی اس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ قیامت تک ہمیشہ مخالفین حق کا وجود بھی رہے گا جن سے اہل حق لڑینگے۔

دوسری حدیث سے ثابت ہے کہ امت محمدیہ کا آخری شخص جو دجال سے لڑے گا اس وقت تک جہاد جاری رہے گا چونکہ اسلامی اصطلاح میں کفار کے ساتھ لڑنے کو جہاد کہتے ہیں اور یہاں "یقاتل" کا قرینہ جہاد کو قتال ہی کے معنی میں لینے کا موید ہے اس سے ثابت ہے کہ ظہور دجال تک بھی دنیا میں کفر وضلالت کا وجود پایا جائے گا جس کے مقابل جہاد ہوتا رہے گا۔ تو پھر امام مہدی علیہ السلام کے زمانہ میں کوئی مخالف حق کا وجود ہی نہ رہنا کس طرح ہو سکے گا کیونکہ قیامت تک کے زمانوں میں سے کوئی زمانہ جب اس سے خالی نہیں ہے تو کونسا وقت فرصت ہو سکتا ہے جو کل زمین عدل و انصاف سے بھر جائے گی۔

تیسری حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ خود مسلمانوں میں قیامت تک جنگ و جدال

ہوتا رہے گا چنانچہ دوسری احادیث سے بھی اس مضمون کی تائید و توثیق ہوتی ہے جیسے مسلم نے کتاب الفتن میں عامرہ بن سعد سے روایت کی ہے کہ

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقبل ذات یوم من العالیۃ حتی اذا مر بمسجد بنی معاویۃ دخل فرکع رکعتین وصلینا معہ ودعا ربہ طویلا ثم انصرف الینا فقال سالت ربی ثلاثا فاعطانی اثنتین ومنعنی واحدۃ سالت ربی ان لا یہلک امتی بالسنۃ فاعطانیہا وسالت ان لا یہلک بالغرق فاعطانیہا وسالت ان لا یجعل باسہم بینہم فمنعنیہا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز عالیہ (مدینہ کے بالائی حصہ) سے تشریف لائے جب بنی معاویہ کی مسجد پر گزر ہوا مسجد میں داخل ہوئے اور دو رکعت نماز ادا فرمائی ہم نے بھی آپ کے ساتھ نماز ادا کی۔ نماز کے بعد آپ دیر تک دعا کرتے رہے۔ پھر آپ نے ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا میں نے اللہ تعالیٰ سے تین باتیں چاہیں جن میں دو مجھے دی گئیں اور ایک نہیں قبول ہوی میں نے دعا کی کہ میری امت قحط اور غرق کے ذریعہ ہلاک نہ ہو یہ قبول ہو گئی۔ میں نے دعا کی میری پس میں جنگ و جدال میں مبتلا نہ ہو پس مجھے اس سے منع کیا گیا۔

پس جب کہ فیما بین امت مقاتلہ و مجادلہ نہ ہونے اور بعض بعض کو ہلاک نہ کرنے کی دعا قبول نہیں ہوی اور قیامت تک مسلمانوں میں تلوار چلتی رہے گی تو پھر قیامت تک کوئی زمانہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ خود مسلمان ہی باہم متفق و متحد ہو سکیں تمام دنیا کی اقوام کا ایک ملت ہو جانا تو درکنار۔

سادساً۔ جو لوگ اجتماع مہدی و عیسیٰ (علیہما السلام) کے قائل ہیں ان کے خیال کی بنا پر تو اس حدیث یملاء الارض کا مذکورہ معنی کبھی منطبق نہیں ہو سکتا کیونکہ اجتماع خلیفتین اور دوسرے معارضات جو مسئلۂ اجتماع کے متعلق پیش ہوتے ہیں ان کے قطع نظر اس سے لازم آتا ہے کہ مہدی علیہ السلام کے زمانہ میں فتنہ دجال برپا رہے گا جو تمام اقسام کے فتنہ و فساد اور جور و ظلم سے بڑھکر ہے جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے۔ پس امام مہدی علیہ السلام کے زمانہ میں تمام روے زمین میں عدل

وانصاف پھیل جانا اور سب کے سب دین حق کے پیرو ہو جانا اور دجال کے فتنہ کا برپا ہونا باہم ایسے متضاد ہیں کہ دونوں وقت واحد میں جمع ہونا محال ہے۔

سابعاً یہ بھی مسلّم قول ہے کہ امام مہدی علیہ السلام کے اکثر اعدا علمائے مذاہب ہوں گے پس خلیفہ اللہ کے ساتھ بغض و عداوت رکھنا ہی خود بڑا ظلم ہے کیونکہ ظلم کا معنی "وضع الشئ فی غیر محلہ" ہے اور یہ ظلم تو وہ ظلم ہے جو ظہور امام علیہ السلام ہی سے پیدا ہوگا پھر ظلم کا ارتفاع کیا معنی۔ غرض امام مہدی علیہ السلام کا آیات و احادیث کے خلاف اور ان تمام وجود کے باوجود انواع ظلم و جور کو تمام روئے زمین سے مٹا دینا مخالف عقل و نقل ہے ولا یقول له العاقل۔

ثامناً۔ یہ معارضات اور سب دشواریاں "الارض" سے تمام روئے زمین مراد لینے کی غلطی کرنے کی صورت میں لاحق ہوتی ہیں اس کے عوض اگر "الارض" کے الف و لام کو استغراقی نہیں اور "بعض الارض" (زمین کے بعض حصے) مراد لیں جو نحوی قواعد کے لحاظ سے صحیح اور رائج بھی ہیں تو حدیث کے معنی عقل و نقل اور قانون قدرت کے موافق ہوتے ہیں چنانچہ اس کی بہت سی مثالیں آیات واحادیث اور محاورات میں بکثرت وارد ہیں جن میں "الارض" سے بعض حصہ ہائے زمین ہی مراد ہیں اور مثال کے طور پر چند آیتیں لکھی جاتی ہیں جن میں "الارض" سے بعض خاص خاص حصہ ہائے زمین مراد ہیں مثلاً۔

(۱) قال موسیٰ استعینوا باللّٰہ واصبروا ان الارض للّٰہ یورثہا من یشاء من عبادہ (۹-۵-اعراف)

موسیٰ نے کہا اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مانگو اور صبر کرو البتہ زمین اللہ تعالیٰ کی ملک ہے وہ اپنے بندوں میں سے جن کو چاہے اس کا وارث بناتا ہے۔

اس آیت میں بھی وہی "الارض" مذکور ہے لیکن اس سے مراد ارض فرعون یعنی سرزمین مصر ہے نہ کل روئے زمین چنانچہ مفسرین کا بھی یہی قول ہے تفسیر کبیر میں لکھا ہے۔

قولہ ان الارض للّٰہ یورثہا من یشاء من عبادہ وھذا اطماع من موسیٰ

اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ زمین اللہ تعالیٰ کی ملک ہے اپنے بندوں میں سے جن کو چاہے

علیہ السلام فی ان یورثھم اللہ تعالیٰ ارض فرعون بعد اھلاکہ وذلک معنی الارث وھو جعل الشیٔ للخلف بعد السلف۔

اس کا وارث بناتا ہے۔ یہ موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے اس بات کی امید دلاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرعون کو ہلاک کر کے اس کی سرزمین کا بنی اسرائیل کو وارث بنا دے گا کیونکہ وراثت کا معنی یہی ہے کہ سلف کے بعد ان کی کوئی چیز خلف کے لئے ہو جائے۔

(۲)۔ قال عسیٰ ربکم ان یہلک عدوکم ویستخلفکم فی الارض۔

(۹۔ ۵۔ اعراف)

(موسیٰ نے) کہا قریب ہے کہ تمھارا پروردگار تمھارے دشمن کو ہلاک کر دے اور تم کو زمین میں اس کا جانشین بنا دے

یہ آیت بھی حضرت موسیٰ اور فرعون کے قصہ ہی سے متعلق ہے یہاں بھی الارض سے زمین فرعون ہی مراد ہے کیونکہ قال کے فاعل موسیٰ علیہ السلام ہی ہیں اور بنی اسرائیل سے خطاب ہے۔ ہلاکت دشمن سے فرعون کی ہلاکت مقصود ہے۔ چنانچہ مفسرین نے بھی یہی لکھا ہے۔

(۳) وعد اللہ الذین اٰمنو منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم۔ (۱۸۔ ۱۳۔ نور)

اللہ تعالیٰ تم میں سے مومنین وصالحین کے ساتھ وعدہ فرمایا ہے کہ اگلے لوگوں کو جس طرح دوسروں کا قائم مقام بنایا تھا اسی طرح تم کو بھی ان کا قائم مقام بنائے گا۔

اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے مومنین کو جو زمین عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے اس سے بعض حصہ ہائے زمین مراد ہیں تمام روئے زمین مراد نہیں ہے امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ

المراد بھذا الاستخلاف طریقۃ الامامۃ ومعلوم ان بعد الرسول الاستخلاف الذی ھذا وصفہ انما کان فی ایام ابی بکر وعمر وعثمان لان فی ایامھم کانت الفتوح العظیمۃ وحصل التمکین وظھور الدین والامن

اس قائم مقام بنانے سے مراد امامت کا طریقہ ہے کیونکہ یہ معلوم ہے کہ رسول اللہ صلعم کے بعد وہ قائم مقامی جس کا یہ بیان ہے ابوبکر صدیق۔ عمر۔ عثمان رضی اللہ عنھم ہی کے زمانہ میں ہوئی ہے اسلئے کہ انہی کے زمانہ میں بڑی بڑی فتوحات ہوئیں اور طاقت وامن حاصل ہوا۔

غرض اس صورت میں بھی "الارض" سے مراد بعض حصص زمین ہی ہے نہ کل ارض کیونکہ زمانۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ابتک اہل اسلام کو کل روئے زمین کی حکومت حاصل نہیں ہو سکی ہے چہ جائیکہ خلفائے راشدین کے عہد میں جس قدر حصۂ زمین پر ان کی حکومت تھی وہ مخصوص ملک اور روئے زمین کے خاص خاص قطعات تھے خود آیت کے الفاظ سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے اس لئے کہ اللہ تعالے نے کما استخلف الذین من قبلھم فرمایا ہے۔ یعنی مومنین صالحین کو ہم ایسا ہی زمین کا حاکم بنائیں گے جیسا کہ ان کے پہلے لوگوں کو بنایا تھا۔ پہلے لوگوں سے مراد مفسرین نے بنی اسرائیل بیان کی ہے۔ پس ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل کو بھی مصر و شام وغیرہ کی حکومت دی گئی تھی نہ کہ تمام روئے زمین کی تو مومنین صالحین کو بھی خواہ ان سے خلافت راشدہ مراد لیں یا اور کوئی اسلامی دور بعض حصہ زمین ہی کی حکومت عطا کرنے کا وعدہ ثابت ہوا نہ کہ تمام روئے زمین کا۔ ایسا ہی ایک اور آیت میں بھی یہی وعدہ کیا گیا ہے کہ

(۴) لقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصالحون۔ (۱۷۔۷۔ سورۃ الحج)	ہم نے زبور میں (پند و) نصیحت کے بعد یہ بات لکھی ہے کہ ہمارے نیک بندے زمین کے وارث ہوں گے۔

تفسیر بیضاوی میں لکھا ہے کہ "الارض" سے مراد اس آیت میں زمین جنت ہے یا زمین بیت المقدس۔ دونوں صورتوں میں بھی زمین خاص ہوئی ایسا ہی بعض مفسرین نے عباد صالحین سے امت محمدیہ مراد لی ہے اس صورت میں بھی ارض جنت عام نہیں بلکہ تخصیص بعد التخصیص ہوتی ہے کیونکہ اولاً ارض مطلق سے ارض جنت مراد لینا خود تخصیص ہے بعد ازیں ایک اور تخصیص یہ ہوئی کہ ارض جنت کا بھی وہ خاص حصہ مراد ہوا جو امت محمدیہ کو ملیگا کیونکہ صاف ظاہر ہے کہ کل جنت کی وراثت امت محمدیہ کو حاصل نہیں ہے بلکہ سابقہ امتوں کے مومنین بھی جنت میں رہیں گے۔ پس امت محمدیہ بعض حصۂ زمین جنت کی وارث ہوگی نہ کل کی۔

ان آیتوں کے علاوہ جو اوپر لکھی گئی ہیں اور بھی کئی آیتیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ لفظ "الارض" سے تمام روئے زمین کہ اس کا کوئی حصہ بھی خارج نہ

مراد نہیں ہے بلکہ خاص خاص حصہ ہائے زمین مراد ہیں۔ پس حدیث زیر بحث میں "ملأ الارض" سے زمین کے سارے کے سارے حصے اور قطعات نہیں بلکہ اس کے بعض حصے اور قطعات مراد ہو سکتے ہیں۔

اگر کوئی خیال کرے کہ حدیث مذکور میں "یملاء" کا قرینہ ایسا موجود ہے کہ اس سے تمام روئے زمین مراد ہونے کی تائید ہوتی ہے تو ہم کہتے ہیں کہ ایسا خیال بھی صحیح نہیں کیونکہ "املاء" کے معنی بھرنے کے ہیں۔ "الارض" سے جو حصۂ زمین مراد ہوگا اسی کا بھرنا مقصود ہوگا پس "یملاء الارض" کا معنی "یملاء کل الارض" لینا ضروری نہیں ہے بلکہ "یملاء بعض الارض" بھی صحیح ہو سکتا ہے۔

اس کے علاوہ محاورہ میں خود املا کا یہ معنی بہت کم مراد ہوتا ہے کہ کوئی چیز اس طرح بھر دی جائے کہ اس میں کسی اور چیز کی بالکل گنجائش نہ رہے۔ بلکہ اکثر اس کا معنی مجازی لیا جاتا ہے جیسے ملاء السوق بُرّاً (بازار گیہوں سے بھر گیا ہے) کہتے ہیں مگر اس سے بازار کا گیہوں سے اس طرح بھر جانا مراد نہیں ہوتا کہ بازار میں کوئی اور جنس ہی نہیں ہے یا یہ کہ بازار میں تل دھرنے یا قدم رکھنے کی جگہ باقی نہیں ہے۔

بعض آیات قرآنی سے بھی اس کی توضیح ہوتی ہے مثلاً خدائے تعالیٰ نے ابلیس کو خطاب کر کے فرمایا ہے۔

لاملئن جہنم منك وممن اتبعك منهم اجمعين	البتہ میں تجھ سے اور تیرے سب پیروؤں سے جہنم کو بھر دوں گا۔

چونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا ایسا وعدہ حق ہے کہ اس کا خلاف کسی وجہ اور کسی طرح سے ممکن نہیں اس لئے اگر "املا" سے مذکورہ معنی مراد ہو تو لازم آئے گا کہ جہنم ابلیس اور اس کے پیروؤں سے اس طرح بھر دی جائے کہ کوئی جگہ بھی ان سے خالی نہ رہے اور کوئی اور چیز اس میں سمانہ سکے۔ حالانکہ یہ معنی دوسری آیت سے مطابق نہیں ہوتے کیونکہ دوسری آیت میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ

یوم نقول لجهنم هل امتلئت وتقول هل من مزید (۲۶-۱۷-ق)	اس دن ہم دوزخ سے پوچھیں گے کہ تو (دوزخیوں) سے بھر گئی وہ کہے گی کیا اور بھی ہے؟

ظاہر ہے کہ یہ سوال اس حالت میں ہوگا جبکہ ابلیس اور اس کی پیروی کرنے والے سب کے سب دوزخ میں ڈالے جانے کے بعد بھی اس کے کچھ حصے خالی ہی رہیں گے جبھی تو وہ اور بھی زیادہ ڈالے جانے کی خواہش کرے گی پس اس سے ظاہر ہے کہ پہلی آیت میں لاملئن جہنم (میں جہنم کو ضرور بھر دوں گا) جو وارد ہے اس سے کل جہنم بھر دینا مراد نہیں ہے بلکہ بعض حصۂ جہنم مراد ہے کیونکہ اگر یہ معنی لیا جائے تو دوسری آیت سے مطابق نہ ہوگا۔

یہ تو تفسیر القرآن بالقرآن کے اصول پر آیت لاملئن جہنم کا معنی ہوا اب تفسیر القرآن بالحدیث کے اصول پر اس آیت کو دیکھیے تو تب بھی "املا" کے یہی معنی مجازی ثابت ہوتے ہیں چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

لا یلقی فیہا فوج الا ذہب فیہا ولا یملاہا شیٔ فتقول الست قد اقسمت لتملأنی فیضع قدمہ علیہا تعالیٰ عما یقول الظالمون ثم یقول ہل امتلئت فتقول قط قط قد امتلئت

(معالم التنزیل)

جہنم میں جو بھی جماعتیں ڈالی جائیں گی وہ اس میں چلی ہی جائیں گی اور کوئی چیز جہنم کو نہ بھر سکیگی وہ اللہ تعالیٰ سے کہے گی یا اللہ تو نے تو مجھے بھرنے کی قسم کھائی فرمائی ہے پس اللہ تعالیٰ اس پر اپنا قدم رکھے گا (اسکی نسبت ظالم جو کچھ بھی کہتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے پاک اور برتر ہے) پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تو بھر گئی وہ کہے گی بس بس میں بھر گئی۔

بخاری کی روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ۔

لا تزال جہنم تقول ہل من مزید حتی یضع رب العزۃ فیہا قدمہ فتقول قط قط۔

جہنم ہل من مزید ہی کہتی رہے گی تا آنکہ رب العزت اپنا قدم اس میں رکھے گا بس وہ قط قط کہنے لگیگی۔

ان حدیثوں کے لحاظ کرتے جب قدم رب العزت سے وہ بھر رہی ہے تو ثابت ہوا کہ "لاملئن جہنم" سے حقیقتاً جہنم کا ابلیس اور اس کے پیرؤں سے پوری طرح بھر جانا مراد نہیں ہے۔ یا یہ ہوگا کہ املا کے معنی ادخال کے لئے جائیں گے یعنی ہم جہنم میں ابلیس اور اس کی پیروی کرنے والوں کو داخل کریں گے۔

پس حدیث " یملاء الارض قسطاً و عدلاً کے معنی بھی عدل و انصاف ظاہر کرنیکے ہوں گے یا اس سے " یملاء بعض الارض قسطاً و عدلاً مراد ہیں ۔ لفظ املاء کی وجہ سے تمام روئے زمین مراد نہیں ہو سکتی

ہمارے اس بیان کی تائید و تصدیق اس سے ہوتی ہے کہ بعض روایتوں اور محاوروں میں یہی الفاظ املاء الارض کے آئے ہیں اور ان سے قطعاً تمام روئے زمین مراد نہیں ہے چنانچہ جمع الجوامع میں یہ روایت لکھی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا

یا امیر المومنین ان اسلامك ... وان امارتك لفتحا واللّٰہ لقد ملئت الارض عدلا فقال عمرؓ اشہد لی بھذا عند اللّٰہ یوم القیامۃ قال نعم ۔	اے امیر المومنین آپ کا اسلام (لانا دین کی) نصرت ہے اور آپ کی امارت فتح ہے اللہ کی قسم آپ نے زمین کو عدل سے بھر دیا ہے ۔ عمرؓ نے کہا تم قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے اس کی شہادت دینا کہا ہاں دونگا ۔
اخرج ابن سعد ان عمرؓ بن الخطاب قال لیت شعری من ذو الشین من ولدی الذی یملاء الارض عدلا کما ملئت جوراً	ابن سعد نے روایت کی ہے کہ عمر بن الخطابؓ نے فرمایا کہ کاش میں اپنے سخت گیر فرزند کو جانتا جو زمین کو عدل سے ایسا بھر دے گا ۔ جیسا کہ وہ ظلم سے بھر گئی ہو گی ۔

شیخ جلال الدین سیوطی ۔ نے تاریخ الخلفاء میں ولید بن عبد الملک کے حالات کے ضمن میں لکھا ہے ۔

خ ابو نعیم فی الحلیۃ عن ابن شوذب قال قال عبد العزیز وکان الولید بالشام والحجاج بالعراق وعثمان بن حبارۃ بالحجاز وقرۃ بن شریك بمصر امتلأت الارض واللّٰہ جوراً	ابو نعیم نے اپنی کتاب " حلیہ " میں ابن شوذب سے روایت کی ہے کہ عبد العزیز نے کہا کہ ولید شام کا حاکم تھا اور حجاج عراق کا ۔ عثمان بن حبارہ حجاز کا اور قرہ بن شریک مصر کا واللہ زمین ظلم سے بھر گئی تھی ۔

تاریخ الخلفاء میں عمر بن عبد العزیز کے بیان میں لکھا ہے ۔

بویع بالخلافۃ فی صفر سنۃ تسع وتسعین	عمر بن عبد العزیز سے ماہ صفر ۹۹ھ میں بیعت خلافہ

فمکث فیها سنتین وخمسة اشهر ملاء فیها الارض عدلا ورد المظالم وسن السنن الحسنة

ہوئی اور دو سال پانچ مہینہ خلیفہ رہے اس مدت میں انھوں نے زمین کو عدل سے بھر دیا اور مظالم کو رد کیا نیک طریقے جاری کئے۔

سیوطی نے رسالہ تبیض الصحیفۃ فی مناقب الامام ابی حنیفہ میں لکھا ہے کہ

بشر بالامام الشافعی فی حدیث لا تسبوا قریشا فان عالمها یملاء الارض علماً

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے) اس حدیث میں امام شافعی کی بشارت دی ہے کہ تم قریش کو دشنام نہ دو کیونکہ ان کا ایک عالم زمین کو علم سے بھر دے گا۔

اب انصاف پسند حضرات کے لئے انصاف و دیانت کے ساتھ اس امر کا فیصلہ کرنا آسان ہے کہ ان تمام روایتوں میں بھی قریباً وہی الفاظ اور مضمون مندرج ہے اور زمین کا خواہ عدل یا ظلم یا علم سے بھر جانا جو مذکور ہے اس سے کل روئے زمین مراد لینا کسی طرح صحیح نہیں کیونکہ خواہ حضرت عمرؓ ہوں یا عمر بن عبدالعزیزؒ ان کا عدل و انصاف تمام روئے زمین پر کہاں پھیل سکا اور کب امام شافعیؒ نے تمام روئے زمین کو علم سے بھر دیا! بلکہ ان سب میں "املاء الارض" سے قطعاً و یقیناً بعض قطعات زمین ہی مراد ہیں اور تمام روئے زمین مقصود نہیں ہے۔ اور یہ حسب محاورۂ عرب صحیح بھی ہے۔ لہٰذا اس حدیث میں بھی جبکہ الفاظ و عبارت متحد ہیں بعض قطعات ارض مراد لینا ضرور صحیح ہونا چاہئے۔

اس وقت تک جو وجوہ و دلائل بیان کئے گئے ہیں اُن میں ہر ایک سے کافی طور پر یہ ثابت ہے کہ "یملاء الارض قسطاً وعدلاً" سے تمام روئے زمین عدل و انصاف سے بھر جانے کا مطلب نکالنا صحیح نہیں ہے۔ ان کے علاوہ اسی مسئلہ کا ایک تحقیقی پہلو یہ بھی ہے کہ خلفاء اللہ کی نسبت جہاں اس قسم کے اطلاق ہوتے ہیں وہاں ان سے ان کی تعلیمات کی خوبی و جامعیت اور تاثیر و صلاحیت کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ ان سے بالفعل اسی وقت یہ نتائج ظہور میں آجانا مقصود نہیں ہوتا۔ حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ بعثت لاتمم مکارم الاخلاق۔ (میں اخلاق حسنہ کی تکمیل و

تمامیت کے لئے مبعوث ہوا ہوں۔

اسی طرح رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے) لی خمسۃ اسماء انا محمد وانا احمد وانا الماحی الذی یمحوا اللّٰہ بی الکفر الحدیث (لباب التاویل) میرے پانچ نام ہیں۔ میں محمد ہوں۔ میں احمد ہوں میں ماحی (محو کرنے والا) ہوں میرے ذریعہ اللہ تعالےٰ کفر کو محو کر دے گا۔ شرح عقائد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توصیف میں لکھا ہے واکمل کثیراً من الناس فی الفضائل العلمیۃ والعملیۃ ونور العالم بالایمان والعمل الصالح (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثر لوگوں کو علمی وعملی فضائل میں کامل کر دیا اور عالم کو ایمان اور عمل صالح سے منور فرما دیا۔)

ان کے علاوہ بھی اور بے شمار اقوال اسی قسم کے آنحضرت صلعم کی شان میں ملتے ہیں لیکن ان سے مراد یہی ہوتی ہے کہ دعوت حق جو عالم کو نور ایمان وعمل صالح سے منور کرنے اور کفر کے محو ہونے اور مٹ جانے کا باعث ہے اس کی تبلیغ ہو گئی۔ بالفعل کفر کو محو کر دینا مقصد نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں حضرت شعیب علیہ السلام کے متعلق جو ارشاد فرمایا ہے وہ بھی اسی کی واضح مثال ہے۔

والیٰ مدین اخاھم شعیبًا قال یا قوم اعبدوا اللّٰہ ما لکم من الٰہ غیرہٗ قد جاءتکم بینۃ من ربکم فاوفوا الکیل والمیزان ولا تبخسوا الناس اشیاءھم ولا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحھا ذالکم خیر لکم ان کنتم مومنین۔

ہم نے اہل مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا انھوں نے ان لوگوں سے کہا کہ اے میری قوم تم اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمھارا اور کوئی معبود نہیں ہے۔ تمھارے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل آگئی ہے تو اب ناپ اور تول پورا کرو لوگوں سے جو چیزیں خریدو ان میں کمی نہ کیا کرو۔ اور زمین کی اصلاح ہو جانے کے بعد اس میں فساد برپا نہ کرو۔ اگر تم ایماندار ہو تو تمھارے لئے یہی بہتر ہے۔

اب دیکھئے کہ اولاً "فی الارض" سے کل روئے زمین نہیں بلکہ ارض مدین مراد ہے اور تمام ارض مدین بھی کہاں اصلاح پذیر ہوئی تھی کیونکہ شعیب پر چند افراد کے سوا

تمام اہل مدین ایمان نہیں لائے تھے۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے شعیب علیہ السلام کے مبعوث ہونے کو بینہ اور دعوت شعیب کو اصلاح زمین قرار دیا ہے۔ تفسیر معالم التنزیل میں لکھا ہے۔

بعد اصلاحھا ای ببعث الرسل و الامر بالعدل وبعث کل نبی الی قوم فھو صلاحھم۔

اللہ تعالیٰ نے زمین کی اصلاح کے بعد جو فرمایا ہے اس کا معنی پیغمبروں کا مبعوث ہونا اور عدل کا حکم کرنا ہے ہر نبی کا ان کی قوم کی طرف مبعوث ہونا اس قوم کی اصلاح ہے۔

پس معلوم ہوا کہ ہر خلیفۃ اللہ کی بعثت اور فقط عدل وایمان کے احکام کی تبلیغ ہی اصلاح ارض ہے اور عدل وانصاف کی اشاعت ظاہری حکومت یا بادشاہت پر موقوف نہیں ہے جیسا کہ مولف صاحب ہدیہ نے سمجھا ہے ورنہ ثابت کرنا ہوگا کہ حضرت شعیبؑ اور حضرت پیغمبر اسلام صلعم کو حکومت ظاہری یا بادشاہت کہاں حاصل تھی جو ان پر اصلاح زمین کرنا اور نور ایمان سے تمام عالم کو منور فرمانا صادق آئے۔ یہاں بھی بلاکسی تفاوت کے یہی صورت ہے کہ "یملاء الارض قسطاً وعدلاً" بھی بلا کم وکاست "یمحوا اللہ بی الکفر" اور "نور العالم بالایمان والعمل الصالح" وغیرہ کے ٹھیک مماثل ہے۔ اس سے بھی امام مہدی علیہ السلام کی مفید عدل وانصاف تعلیمات کی طرف اشارہ ہے بالفعل اس کا ظہور ہوجانا مقصود نہیں ہے۔

اگر مولف صاحب ہدیہ اس معنی کی صحت کا انکار کریں تو ان سے پوچھا جاتا ہے کہ اگر کوئی مخالفِ اسلام آپ پر یہ اعتراض کرے کہ تمھارے پیغمبر کا تو یہ دعویٰ ہے کہ وہ مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے آئے ہیں اور ان کے ذریعہ کفر محو ہوجائے گا۔ تمھارے بڑے بزرگوں کا قول ہے کہ پیغمبر اسلام نے عالم کو ایمان سے منور کردیا ہے مگر دنیا میں بے انتہا بداخلاقیاں موجود ہیں سارے جہاں سے کفر کہاں محو ہوا ہے اور تمام عالم ایمان سے کب منور ہوگیا ہے تو آپ اس کا کیا جواب دیں گے؟ بیان فرمائیں۔

ان مباحث کے علاوہ اور بھی کئی مباحث ہیں جو اس حدیث کے معانی مے

متعلق ہو سکتے ہیں اور ان سے حضرت امامنا مہدی موعود علیہ السلام کی ذات اقدس پر یہ حدیث پوری منطبق ہوتی ہے اور مولف صاحب ہدیہ کے دعوی ہائے باطل ہباءً منثوراً ہو جاتے ہیں لیکن ہم اس وقت اسی قدر قلیل پر اکتفا کرتے اور دلیل سوم کی نسبت جو شبہات پیش کیئے گئے ہیں ان کی تحقیق شروع کرتے ہیں ۔

مولف صاحب ہدیہ نے " دلیل سوم بیان کرکے اس پر جو اعتراضات کیئے ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ

رایاتِ سود کی تحقیق کہ وہ شرط مہدیت نہیں ہیں ۔

دلیل سوم ۔ عن ثوبانؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا رایتم الرایات السود قد جاءت من قبل خراسان فاتوھا فان فیھا خلیفۃ اللہ المہدی رواہ احمد والبیہقی فی دلائل النبوۃ کذا فی المشکواۃ ۔ یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت دیکھو تم نشان کالے کہ آتے ہیں طرف سے خراسان کے پس آؤ ان میں اس لئے کہ ان نشانوں میں خلیفہ اللہ کا مہدی ہے انتہی ۔ یہ صحیح معنی اس حدیث کے ہیں موافق محاورہ وزبان اور روایت و درایت کے ۔"

" یہ حدیث اگرچہ مہدوی اپنے مہدی کے واسطے شاہد و دلیل ٹھہراتے ہیں لیکن ان پر ہرگز منطبق نہیں ہوتی اس واسطے کہ ان کے مہدی کے ساتھ سوائے چند مفلوک الحال کے کچھ فوج و سپاہ نہ تھی کہ ان میں کالے نشان ہوتے ۔ دوسرے یہ کہ ان کے مہدی ہندوستان سے خراسان کو گئے اور وہیں بعد نو مہینے کے مرگئے خراسان کی طرف سے آنا ان پر کہاں صادق آتا ہے کہ مصداق حدیث کے ہو ویں ۔ مگر مہدوی فقط لفظ خراسان کا دیکھ کر اپنے واسطے سند ٹھہراتے ہیں اور سراسر تحریف معنوی کرکے اپنے پر جماتے ہیں ۔"

اس ضمن میں مولف صاحب ہدیہ نے جو کچھ لکھا ہے اس کے دو حصے ہیں ایک حدیث سے متعلق ہے ۔ دوسرا مولوی سید علی صاحب کے ترجمہ سے تعلق رکھتا ہے

حدیث سے متعلق دو شبہات پیش کئے گئے ہیں اول یہ کہ حضرت امامنا علیہ السلام کے ساتھ چند مفلوک الحال کے سوا کوئی فوج وسپاہ نہ تھی کہ ان میں کالے نشان ہوتے۔ ثانی یہ کہ آپ ہندوستان سے خراسان کو گئے ہیں آپ پر خراسان کی طرف سے آنا صادق نہیں آتا۔ ہم پہلے انہی شبہات پر بحث کرتے ہیں۔ مولوی سید عیسٰی صاحب کے ترجمہ سے متعلقہ اعتراضات پر بعد میں بحث کریں گے۔

مولف صاحب ہدیہ کا پہلا شبہ کئی وجوہ سے غلط ہے۔

اولاً حدیث مذکور الصدر میں صرف "رایات سود" کے الفاظ ہیں فوج وسپاہ کا ہونا حدیث میں کہیں مذکور نہیں ہے۔ پس مولف صاحب ہی کا بیان کردہ معنی اگر صحیح فرض کر لیا جائے تو امام مہدی علیہ السلام کے ساتھ محض "رایات سود" رہنا چاہئے وبس۔ فوج وسپاہ نہ ہونے کے اعتراض کی کوئی تائید الفاظ حدیث سے مطلق نہیں ہوتی۔

ثانیاً۔ کالے نشان اور فوج کا وجود بھی لازم وملزوم نہیں ہے کہ فوج کہتے ہی نشان کا تصور یا نشان کہتے ہی فوج وسپاہ کا تصور لازمی ہو کیونکہ یہ ممکن ہے کہ فوج بے نشان ہو یا نشان ونشانی بغیر فوج کے رہے۔ یا نشان ہوں بھی تو کالے نہ ہوں کوئی اور رنگ کے ہوں۔

ثالثاً۔ فوج اور نشان کا وجود بھی مہدیت کی علامات مخصوصہ ممیزہ سے ہرگز نہیں ہو سکتا کیونکہ صدہا امرا صاحب فوج ونشان ہوتے ہیں کیا بوجہ فوج اور کالے نشان ہونے کے اُن کا مہدی ہونا بھی تسلیم کر لیا جائے گا۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ امام مہدی علیہ السلام کی علامات مخصوصہ ممیزہ اخلاق حسنۂ محمدی ہیں نہ یہ کہ ایک کالا کپڑا لکڑی پر لگا رہتے ہی وہ کالے کپڑے والا آپ کے پاس مہدی ہو جائے گا۔ لا یقولہ عاقل فضلاً عن العالم الماھر (یہ ایسی بات ہے کہ کوئی عقلمند تو نہ کہے گا چہ جائیکہ کوئی ذی علم اور ماہر دینیات ایسی بات کہدے)

رابعاً۔ رایات سود کا معنی و مطلب کالے نشان لینا بھی صحیح نہیں ہے جیسا کہ ہم بعد میں بیان کریں گے۔

خامساً۔ مولف صاحب ہدیہ اگر فوج کا لزوم ہی سمجھتے ہیں تو ان کی سمجھ کے موافق امامنا علیہ السلام پر اس کے صادق آنے کے بڑا اسباب بھی منجانب اللہ تو طرح مہیا تھے۔

اول حضرت کے ہمراہ سفر خراسان میں ڈھائی ہزار کے قریب گجرات اور دیگر بلاد و امصار کے شرفا و امرا کی باہتھیار جماعت موجود تھی جو فوج کا مفہوم صادق آنے کیلئے کافی ہے کیونکہ اس سے کم جماعت پر بھی فوج کا اطلاق ہوتا ہے۔

دوم۔ ایک اور صورت ظاہری یہ بھی پائی جاتی ہے کہ حضرت امامنا علیہ السلام کے حالات و سیر کی سب سے پہلی کتاب موسومہ بند گیمیا نشاہ عبدالرحمن ابن بندگیمیاں شاہ نظام رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں لکھا ہے کہ جب امام علیہ السلام نگر ٹھٹھہ (ملک سندھ) سے بجانب خراسان روانہ ہوئے دریا خاں سپہ سالار سندھ اپنی فوج کیساتھ حضرت کے ہمراہ ہوگئے۔ حضرت نے اگرچہ دریا خاں کو واپس ہو جانے کیلئے فرمایا مگر دریا خاں نے عرض کیا کہ میں سرحد قندھار تک ہمراہ رکاب رہونگا کیونکہ راستہ بہت ویران ہے۔ چنانچہ وہ کچھ طے مسافت کے بعد واپس ہوئے ہیں۔ گویا حدودِ خراسان میں داخل ہونے کے وقت حضرت امام علیہ السلام کے ساتھ فوج ولشکر بھی تھا۔

سوم۔ اسی کتاب میں باطنی نوعیت کا ایک اور واقعہ یہ لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سفر خراسان کے دوران میں ایک مرتبہ میاں ولی رضی اللہ عنہ قافلہ سے چھوٹ کر پیچھے رہ گئے تھے ایک گاؤں سے آپ کا گزر ہوا تو اس سرزمین کا دیسائی یعنی رئیس نے آپ کو بلا کر پوچھا کہ یہ بڑا لشکر جو ادہر سے گزرا کس کا تھا۔ میاں ولیؓ نے کہا کہ یہ تو بے سرو سامان فقراء کا قافلہ ہے جس کے حاکم امام مہدی علیہ السلام ہیں۔ اس نے کہا تم غلط کہتے ہو اتنے قوی ہیکل ہاتھی اور یہ عظیم لشکر بے سر و سامان فقرا کے پاس کیسے رہنا۔ جب میاں ولیؓ قافلے سے آملے تو حضرت امام علیہ السلام سے اس دیسائی کا بیان نقل کیا۔ امام علیہ السلام نے فرمایا۔ ہاں اللہ تعالیٰ کے وعدہ نہ (بلیٰ ان تصبروا وتتقوا ویاتوکم من فورھم ھذا یمددکم ربکم بخمسة آلاف من الملائکة مسومین) کے موافق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ ملائکہ کی فوج رہتی تھی بندہ کیساتھ بھی غیبی فوج رہتی ہے۔ دوسرے اہل ادیان سے بحث نہیں وہ مانیں یا نہ مانیں لیکن مسلمان تو اس

عہ۔ اگر تم صبر کرو اور تقویٰ کرو اور کفار کی فوج تم پر یکدم ٹوٹ پڑے تو تمہارا پروردگار پانچ ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا جو نشان دار گھوڑوں پر سوار رہیں گے۔

باطنی وغیبی فوج کے وجود سے انکار نہیں کر سکتے جس کی تصدیق قرآن شریف سے ہوتی ہے ۔ پس ان ظاہری و باطنی دونوں اعتبارات سے معترض کو امام علیہ السلام کیساتھ فوج ہونے سے انکار کرنے کی گنجائش نہیں ہے ۔

سادساً ۔ یہ تو اظہار واقعات کی جہت سے تھا کہ قدرت نے فوج کو لازم سمجھنے والے معاندین کو مسکت کرنے کے لئے یہ اسباب بھی مہیا کر دئے تھے لیکن امام مہدی علیہ السلام کے لئے کالے نشان اور فوج کا لزوم اس لئے بھی غیر ثابت ہے کہ اسی حدیث میں امام مہدی علیہ السلام کے خلیفۃ اللہ ہونیکی صراحت موجود ہے پس سنۃ اللہ کے مطابق امام علیہ السلام کا حال بھی دوسرے خلفاء اللہ یعنی انبیا و مرسلین کے حالات سے مشابہ و مماثل ہونا چاہیئے نہ امرا و سلاطین کے ۔ اور ایسے ہی مفلوک الحال امام علیہ السلام کے ساتھ رہنا چاہیئے جیسے بلال ۔ صہیب ۔ انس بن مالک ۔ عبد اللہ بن مسعود وغیرہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے ۔

حاصل کلام حق یہی ہے کہ امام مہدی علیہ السلام کی ذات خلیفۃ اللہ ہے ۔ امیر و سلطان نہیں ہے جس کو خزائن و لشکر کی حاجت ہو ۔ کیونکہ حکمت و مشیت الہٰی کا اقتضاء یہی ہے کہ جس کو اپنی جانب سے خلق کی ہدایت کے لئے خلیفہ بناتا ہے اس کو عموماً فقر و مسکنت عنایت کرتا ہے نہ جاہ و سلطنت چنانچہ فرمایا ہے ۔

وجعلنا بعضکم لبعض فتنہ ۔ (۱۸ــ۱۷ فرقان)

ہم نے تم سے بعض کو بعض کے لئے فتنہ (ذریعہ آزمائش) بنایا ہے ۔

تفسیر کشاف میں لکھا ہے کہ

وجعلناك فتنة لهم لانك لوكنت صاحب كنوز وجنان لكان ميلهم ليك وطاعتهم لك للدنيا او ممزوجة بالدنيا فانما بعثناك فقيرا ليكون طاعة من يطيعك خالصة لوجه الله من غير طمع بيتوى ۔

یعنی ہم نے آپ کو اے محمد کفار کے لئے فتنہ (ذریعہ آزمائش) بنایا ہے اس لئے اگر آپ خزانوں اور باغوں والے نبی ہوتے تو اُن کو آپ کی طرف رغبت اور اطاعت خالص دنیا کے لئے یا دنیا سے ملوث ہوتی ۔ ہم نے آپ کو فقیر بنا کر اس لئے مبعوث کیا ہے تاکہ آپ کی اطاعت کرنے والوں کی اطاعت بغیر کسی

| دنیاوی طمع کے خالص لوجہ اللہ ہو۔

پس یہاں بھی حضرت امامنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ فقرائے مہاجرین رہنے میں یہی سنت انبیا اور یہی حکمت ملحوظ ہے جو صداقت کی دلیل ہے۔

بعض احادیثِ ضعاف میں جو امام مہدی علیہ السلام کے صاحب خزائن ہونے کا ذکر ہے اس سے کیا مراد ہے اور ان کا کیا جواب ہے اس کے موقع اور محل پر لکھا جائے گا۔

سابعاً۔ رایات سود کی تحقیق ذرا غائر نظر سے کیجائے اور خود مولف صاحب ہدیہ ہی کے اقوال کو تنقیدی نظر سے دیکھیں تو مولف صاحب کا یہ شبہہ کہ امامنا مہدی موعود علیہ السلام کے ساتھ کالے نشان نہیں تھے سراسر بے اصل ثابت ہوتا ہے۔ اس کی توضیح یہ ہے کہ مولف صاحب ہدیہ نے "دلیل سوم" کے ضمن میں جو حدیث لکھی ہے وہ احمد کی روایت کردہ ہے۔ یہ پوری حدیث نہیں ہے بلکہ اس کا کچھ حصہ راویوں سے چھوٹ گیا ہے۔ ایسا بہت سی حدیثوں میں ہوا ہے کہ کسی راوی کی روایت میں کوئی جز چھوٹ جاتا ہے اور اس کا وہ حصہ دوسرے راویوں کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ یہاں بھی ایسا ہی ہوا ہے کہ یہی حدیث "ابن ماجہ" میں ثوبانؓ ہی سے روایت ہوئی ہے جس میں کسی قدر زیادتی ہے اور اس میں ترتیب واقعات یہ مذکور ہوئی ہے کہ

یقتتل عند کنزکم ثلاثۃ کلھم ابن خلیفہ ثم لا یصیر الی واحد منھم ثم تطلع الرایات السود من قبل المشرق فیقتلونکم قتلا لم یقتلہ قوم ثم ذکر شیئا لا احفظہ فقال اذا رأیتموہ فبایعوہ ولو حبوا علی الثلج فانہ خلیفۃ اللہ المہدی۔

تمہارے خزانہ کے پاس تین شخص لڑیں گے جو سب کے سب خلیفہ کے بیٹے ہوں گے پھر ان میں سے کسی کو بھی وہ نہ ملے گا اس کے بعد مشرق میں رایات سود نمودار ہونگے پس وہ تم کو ایسا قتل کریں گے کہ کوئی قوم نہ قتل کی ہوگی۔ پھر آپ نے کچھ اور ذکر فرمایا جو مجھے یاد نہیں ہے پھر کہا جب اس کو دیکھو تو اس سے بیعت کرو اگرچہ برف پر سے گھستے جانا پڑے کیونکہ وہ اللہ کا خلیفہ مہدی ہے۔

اس روایت میں بہ نسبت احمدؒ کی روایت کے بعض واقعات زیادہ ہیں جو

اُس میں چھوٹ گئے تھے اور کچھ الفاظ میں اختلاف بھی ہے۔ مثلاً اس میں خراسان کے عوض "من قبل المشرق" ہے اسی طرح "فیقتلونکم قتلاً لم یقتله قوم" زیادہ ہے۔ ایسا ہی "فاتوھا" کے عوض اذا رایتموہ فبایعوہ ولوحبوا علی الثلج ہے۔ اس زیادتی کے باوجود راوی کو پھر بھی اس بات کا اعتراف ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "لم یقتله قوم" کے بعد اور کچھ فرمایا تھا جو مجھ کو یاد نہیں ہے۔ لیکن دوسرے محدثین حاکم اور ابونعیم کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن ماجہ کے راویوں نے جو حصہ چھوڑ دیا اور یاد نہ ہونے کا اعتراف کیا تھا وہ خلیفۃ اللہ امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کا ذکر تھا اور اسی جز کے ملانے سے حدیث کے معنی میں ربط قائم ہوتا اور ضمیروں کا مرجع معلوم ہو جاتا ہے۔ ورنہ ابن ماجہ کی روایت کے بعض جملے غیر مربوط رہ جاتے ہیں اور ضمائر کا مرجع بھی غیر مذکور رہتا ہے۔ خود مولف صاحب ہدیہ کو بھی یہ سب تسلیم ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ

> معنی اوس کے یہ ہیں کہ راوی کہتا ہے کہ لم یقتله قوم کے بعد حضرت رسالتمآب نے ایک اور بات فرمائی تھی کہ مجھ کو یاد نہیں ہے انتہیٰ اس بات کا سراغ یوں لگا کہ حاکم اور ابونعیم نے بھی اسی حدیث کو روایت کیا ہے اور اون کے راویوں کو وہ بات برابر یاد رہی ان کی روایت میں یہ عبارت ہے "عن ثوبان قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقتتل عند کنزکم ثلٰثۃ کلھم ابن خلیفۃ لا یصیر الی واحد منھم ثم تطلع الرایات السود من قبل المشرق فیقاتلونکم قتلاً لم یقتله قوم ثم یجیٔ خلیفۃ اللہ المھدی فاذا سمعتم به فاتوہ فبایعوہ ولوحبوا علی الثلج فانه خلیفۃ اللہ المھدی۔
>
> اب مابعد کے ضمائر کا مرجع کھل گیا اور قاعدہ مقررۂ علمائے حدیث ہے کہ صحیح بخاری میں بھی موجود ہے کہ زیادت ثقہ کی مقبول ہے اور مثبت مقدم ہے نافی پر۔ حیرت ہے کہ مصنف رسالہ معارضہ باوجودیکہ اپنا لقب عالم میاں ٹھیرائے ہیں اس قدر بھی نہیں سمجھتے ہیں کہ اگر یہاں کچھ رہ نہیں گیا ہے تو رایتموہ اور بایعوہ اور فانه کی ضمیریں کس طرف

راجع ہیں۔ اس فہم و فراست پر معارضہ روایت پونہچانے کا دعوی ہے۔
غرض کہ خلاصۂ حدیث یہ ہوا کہ پہلے اولاد خلیفہ جنگ کریں گے کنز پر
بعد اوس کے کالے نشانوں والے جانب مشرق سے آویں گے پس جنگ
شدید کریں گے بعد اس کے آویں گے خلیفۃ اللہ مہدی۔ یہ ترتیب قطعی
ہے اس لئے کہ حرف ثم خاص ہے واسطے تعقیب مع التراخی کے اور خاص
قطعی ہوتا ہے جیسا کہ اصول میں مبرہن ہے۔ (ہدیہ مہدویہ صد ۶۱)

اس موقع پر مولف صاحب ہدیہ نے مولوی سید عیسیٰ عالم میاں صاحب کے
بیان کردہ معانی کی جو غلطیاں بیان کی ہیں اس وقت ہم کو اس سے بحث نہیں ہے
اس کے متعلق بعد میں بحث کی جائے گی لیکن مولف ہدیہ کو ثقہ راویوں کی زیادتی
مقبول ہونا اور مثبت کا نافی پر مقدم ہونا مسلم ہے اور جو ترتیب خود مولف صاحب
نے بیان کی ہے اور جس کے قطعی ہونے کا اعتراف بھی کیا ہے اس کے نظر کرتے واضح
طور پر ثابت ہو رہا ہے کہ اس حدیث میں علحدہ علحدہ چار واقعوں کی پیشین گوئی درج ہے۔

(۱) ۔تین اولاد خلیفہ کا جنگ کرنا۔
(۲)۔ کالے نشان نکلنا۔
(۳) ۔مسلمانوں کا ایسا قتل عام ہونا جس کی اس سے پہلے نظیر نہ ہو۔
(۴) ۔خلیفۃ اللہ مہدی علیہ السلام کا ظہور۔

ان میں سے ہر ایک دوسرے کے بعد تاخیر کے ساتھ ظہور میں آنا چاہئے کیونکہ
کلام عرب میں لفظ "ثم" تعقیب مع التراخی یعنی بیک وقت نہیں بلکہ یکے بعد
دیگرے تاخیر سے ہونے پر دلالت کرتا ہے لہذا صاف طور پر ثابت ہوا کہ کالے جھنڈوں
یا نشانوں کو امام مہدی علیہ السلام سے تعلق نہیں ہے بلکہ امام علیہ السلام کا ظہور
کالے نشانوں کے نکلنے کے زمانہ بعد ہونا چاہئے پس خود بقول مولف ہدیہ حضرت
امامنا علیہ السلام کے ساتھ فوج و سپاہ نہ ہونے یا کالے نشان نہ رہنے کا اعتراض
مفہوم حدیث کے صریح خلاف ہے کیونکہ ان کا حضرت کے ساتھ رہنا حدیث سے
ثابت ہی نہیں ہے بلکہ اس کو امام علیہ السلام کی علامات میں شمار کرنا تحقیق سے کوسوں
دور ہے۔

من قبل خراسان کا معنیٰ فی خراسان ہے ۔	مولف صاحب ہدیہ کا دوسرا شبہ بھی غلط ہے اس کا جواب یہ ہے کہ محاورۂ عرب اور قواعد نحو کے مطابق حدیث کا معنیٰ خراسان کی طرف سے آنے کا نہیں ہے جیسا کہ مولف صاحب

نے سمجھا ہے بلکہ جاءت من قبل خراسان کا صحیح معنی یہ ہے کہ خراسان میں داخل ہو نگے یا آئیں گے ۔ اس واسطے کہ علمائے نحو کی تحقیق کے مطابق حرف "من" متعدد معانی کا فائدہ دیتا ہے جب یہ ظرف پر آتا ہے تو اس کے معنی "فی" یعنی میں کے ہوتے ہیں اور یہ مسئلہ علمائے نحو کے نزدیک متعارف ہے جیسا کہ "رضی شرح کافیہ" میں لکھا ہے ۔

لان من فی الظروف کثیرا ما یقع بمعنی فی نحو جئت من قبل زید ومن بعدہ ومن بینك وبیننا حجاب وکنت من قدامك	حرف من (جس کے معنی "سے" کے ہیں) جب ظروف پر داخل ہوتا ہے تو اکثر فی یعنی "میں" کے معنی کا فائدہ دیتا ہے جیسے مِنْ بعدہ ومن قبل زید ومن بینك وبیننا حجاب وکنت من قدامك ۔

پھر اس کے استدلال میں رضی نے بیان کیا ہے کہ بعض حروف جر باعتبار معنی دوسرے حرفِ جر کے قائم مقام ہوتا کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ کثیرا استعمال ہے ۔ نیز انھوں نے لکھا ہے کہ

فمن فی آیة اذا نودی للصلوٰة من یوم الجمعة بمعنی "فی"	یعنی آیت اذا نودی للصلوٰة من یوم الجمعة میں من کا معنی "فی" کا یعنی فی یوم الجمعة ہے ۔

بعض اوقات "من" ظروف کے بغیر بھی "فی" کے معنی میں آتا ہے چنانچہ اتقان میں لکھا ہے ۔

وفی الشامل من الشافعی" ان مِنْ فی قوله تعالیٰ وان کان من قوم عدو لکم بمعنی فی	شامل میں شافعی" سے یہ روایت کی گئی ہے کہ آیت " وان کان من قوم عدو لکم" میں "من" "فی" کے معنی میں ہے ۔

"مغنی اللبیب" میں لکھا ہے کہ حرف "مِنْ" با فی ۔علیٰ وغیرہ کئی

حروف کے معنی میں آتا اور جملہ پندرہ معانی کا فائدہ دیتا ہے لیکن ائمۂ نحاۃ کی اس صراحت کے باوجود مولف صاحب ہدیہ نے مولوی سید علیٰی صاحب پر یہ اعتراض کر دیا ہے کہ مِنْ قبل خراسان" کے معنی غلط کئے ہیں شرح مأتہ عامل پڑھنے والا بھی ایسی غلطی نہ کرے گا وہ بھی سمجھے گا کہ من واسطے ابتداء مسافت کے ہے نہ واسطے انتہاے مسافت کے" تعجب ہے کہ مولف صاحب ہدیہ کی عمر شریف مأتہ عام (سو سال) کے قریب پہنچ رہی ہے اور ابھی آپ "مأتہ عامل" (نام کتاب) ہی میں غوطے کھا رہے ہیں۔ اور یہ نہیں سمجھتے کہ حرف "من" کہاں ابتدا کے واسطے آتا ہے اور کہاں بمعنیٔ دیگر۔ من ابتدا کے واسطے وہاں آتا ہے جہاں اس کے مقابل الیٰ یا اور کوئی حرف بمعنیٔ الیٰ ہوتا ہے یہاں حدیث کے الفاظ "من قبل خراسان" کے ساتھ الیٰ یا کوئی اور حرف جو اس کے معنی کا فائدہ دے موجود نہیں ہے اور "فأتوھا" کا جملہ "اذا رأیتم" کا جزا ہے خراسان سے اس کو کوئی تعلق نہیں ہے۔ پس اس موقع پر "مِنْ" کے سب متعلقہ معانی کو چھوڑ کر صرف ایک معنی ابتداے مسافت بیان کرنا خود اپنے جوہر قابلیت کا راز فاش کرنا ہے۔ جو شرح مأتہ عامل پڑھنے والے بچوں کے مناسب حال ہو تو ہو لیکن علما کے کبھی شایان نہیں کیونکہ اس سے نحو کی اعلیٰ کتابوں اور تفصیلی مسایل سے ناواقفیت ظاہر ہوتی ہے۔

پس مذکورہ نحوی قواعد اور محاورہ واستعمالِ اہلِ زبان کے مطابق "جاءت من قبل خراسان" کا صحیح معنی و مطلب "جاءت فی خراسان" ہے۔ یعنی مولف صاحب ہدیہ کے بیان کردہ معنی کہ خراسان کی طرف سے آئیں گے غلط ہیں بلکہ خراسان میں آئیں گے صحیح ہیں۔ اس صورت میں یہ حدیث بھی بلاخدشہ و وسوسہ جناب ہمام امامنا مہدیٔ موعود علیہ السلام پر صادق ہے۔

غرض حضرت امام ہمام مہدیٔ موعود علیہ السلام کی جناب میں مولف ہدیہ کی یہ گستاخی کہ "اگر مہدی موعود ہوتے تو ضرور کالے نشانوں کے ساتھ جانب خراسان سے آتے" سراسر بے اصل ہے کیونکہ نہ کالے نشان ہی معنی لینا درست ہے نہ کالے نشانوں کو امام مہدی علیہ السلام کی ذات سے کچھ تعلق ہے اور نہ خراسان کی جانب سے آنا حدیث سے مستفاد ہوتا ہے۔

مولف صاحب ہدیہ کے ان بے اصل شبہات کے حل ہو جانے کے بعد انھوں نے جناب مولوی سید عیسیٰ عالم میاں صاحب کی جو غلطیاں اپنے خیال میں سمجھیں اور بیان کی ہیں اُن سے بحث کرنے کی کئی وجہ سے ضرورت باقی نہیں ہے کیونکہ اولاً ان میں سے بعض اہم خطاؤں کی حقیقت ظاہر ہو گئی ہے ثانیاً بعض ایسی صریح غلط ہیں کہ ان کی غلطی بلا کسی حجت کے ظاہر و ہویدا رہے۔ ثالثاً اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ جناب ممدوح نے حدیث مذکور کا ترجمہ غلط ہی کیا ہے تو تب بھی اہل مذہب کے کسی فرد سے کوئی غلط توجیہ یا غلط ترجمہ ہو جانے سے اصل مذہب یا دوسرے اہل مذہب پر کوئی اثر مترتب نہیں ہو سکتا اور نہ حدیث کا اصل مفہوم بدل سکتا ہے۔ چنانچہ متعدد مفسرین طبقۂ صحابۂ و تابعین و تبع تابعین نے بھی آیات قرآنی کی جو توجیہات بیان کی ہیں ان سب میں باہم بہت سا اختلاف ہے اور ظاہر ہے کہ دو یا کئی مختلف توجیہات جو ایک دوسر کے مخالف ہوں سب کے سب صحیح و درست نہیں ہو سکتیں اور نہ اس اختلاف کے سبب کسی توجیہ کے صحیح نہ ہونے سے دین اسلام کی حقیقت پر کوئی اثر مترتب ہو سکتا ہے۔ یہی حالت شارحین حدیث کی ہے کہ ان کی کسی غلطی سے نفس حدیث یا اس کا حقیقی معنی و مفہوم غلط نہیں ہو سکتا۔ پس اگر فرضاً مولوی سید عیسیٰ صاحب کا ترجمہ غلط بھی ہو تو نہ اصل حدیث بدل جائے گی اور نہ مذہب مہدویہ کی حقیقت پر اس کا کوئی اثر مترتب ہوگا۔ رابعاً۔ خود جناب مولوی سید عیسیٰ صاحب نے اپنے بعض رسالوں میں جو" ہدیہ مہدویہ" کی تردید میں آپ نے لکھے ہیں ان بیان کردہ اغلاط کے متعلق رد و قدح فرمائی ہے۔ اس لئے بھی ہم کو اگرچہ مولف ہدیہ کے بیان کردہ ان اغلاط سے بحث کرنیکی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی ہم ان پر ایک ناقدانہ نظر ڈالنا مناسب سمجھتے ہیں اور ترتیب وار ان کا خلاصہ درج کر کے اُن پر اپنی رائے ظاہر کرتے ہیں۔ چنانچہ پہلی خطا جو بیان کی گئی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ

مولوی سید عیسیٰ صاحب کی چند غلطیاں مولف ہدیہ کی نظر میں	اس فرقہ کے سلف و خلف کی عادت ہے کہ معنی ان کے نہ الفاظ سے تعلق رکھتے ہیں اور نہ عقل سے چنانچہ سید عیسیٰ اس جگہ حدیث اول میں

" رأیتہم " کہ معنی رویت بصر یا رویت قلب کے ہے اس کو معنی سماعت ترجمہ کیا۔

مولف ہدیہ سے یہ اصولی غلطی ہر موقع پر سرزد ہوئی ہے کہ وہ اپنے خیال میں جس بات کو غلط سمجھ لیتے ہیں اس کو بے سوچے سمجھے بڑے شد و مد سے بیان کرتے ہیں حالانکہ وہ درحقیقت غلطی نہیں بلکہ خود مولف "ہدیہ" کی غلط فہمی یا غلط بیانی ہوتی ہے کہ دوسرے کسی شخص خاص کی مفروضہ غلطی کی بنا پر تمام فرقہ کو اس غلطی سے متہم کر دیا کرتے ہیں جسکی بے شمار مثالیں "ہدیہ" میں موجود ہیں جن میں سے بعض کی طرف ان کے موقعوں پر ہم نے اشارہ کیا ہے۔ یہاں بھی انھوں نے یہی غلطی کی ہے اگر بالفرض جناب سید عیسیٰ صاحب نے کسی لفظ یا عبارت کا غلط ترجمہ کیا تھا تو یہ غلطی خاص اُن کی ذات سے متعلق ہوگی اسلافِ مہدویہ کو اس میں کیا مداخلت ہے جو اُن کی جناب میں یہ زبانِ طعن دراز کی جارہی ہے۔ اس کا انتقام منتقم حقیقی لے گا۔

اس کے قطع نظر یہاں جو اعتراض یا طعن کیا گیا ہے وہ مہدویہ سے کچھ مخصوص اور انھی پر محدود نہیں رہتا بلکہ جن متقدمین و متاخرین اہل سنت علما نے رویت کا معنی سماعت لیا ہے وہ سب کے سب مورد طعن ہو جاتے ہیں اور مولف صاحب کا یہ اعتراض ان سب پر عائد ہوتا ہے۔ پھر اس نکتہ چینی میں لطف یہ ہے کہ مولف ہدیہ خود جو معنی کرتے ہیں اس کی بھی نہ لفظ سے تائید ہوتی ہے اور نہ عقل سے چنانچہ "مِن قِبَلِ خُرَاسَانَ" میں جو "من" ہے اس کو من ابتدائی سمجھا ہے جو غلط ہے اور جس کی تحقیق اس سے پہلے ہو چکی ہے۔ اسی طرح "سود" کے معنی فقط سیاہ کے کیا ہے اور تطلع الرایات کے معنی جھنڈے آنا لکھا ہے غرض اور بھی کئی غلطیاں کی ہیں جن کی تحقیق بعد میں انکے موقع پر آئیگی۔

نفس مسئلہ کی توضیح یہ ہے کہ صیغۂ "رایتم" یہاں اپنے اصلی معنی پر محمول نہیں ہے اس واسطے کہ یہ خطاب مطلق اور جمیع مومنین کی طرف ہے۔ صرف حاضرین اور اپنی آنکھوں سے دیکھنے والوں سے مخصوص نہیں ہے چنانچہ خود مولف ہدیہ کو بھی یہ تسلیم ہے کہ ایسے موقعوں پر جمیع مومنینِ امت مخاطب ہوتے ہیں۔ وہ ہدیہ کے صفحہ (۲۶۱) پر لکھتے ہیں کہ

> قرآن و حدیث میں جبکہ مطلقاً خطاب طرف مومنین کے ہوتا ہے تو حاضرین پر انحصار نہیں ہوتا بلکہ جمیع مومنین امت مخاطب ٹھہرتے ہیں۔

اب بانصاف ملاحظہ فرمائیں کہ خود بقول آپکے جب جمیع مومنین شارع علیہ السلام کے

خطاب کے مخاطب ہیں تو ان رایات خراسانی کی رویت بصری جمیع مومنین امت مرحومہ کو کس طرح حاصل ہوگی؟ صرف وہی لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں گے جو اس وقت اور اس جگہ موجود ہوں گے جہاں وہ رایات نزول فرما ہوں گے اور دوسروں کو ان کی

[illegible]

میں بھی اس کی مثالیں موجود ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرکے ارشاد فرمایا ہے۔

الم ترکیف فعل ربك باصحاب الفیل۔	کیا تم نے (اے محمد) نہیں دیکھا کہ تمہارے پروردگار نے اصحاب فیل (یعنی ہاتھیوں والوں) کے ساتھ کیا سلوک کیا۔

دیکھو اصحاب فیل کے اس واقعہ کی رویت بصری جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کو کہاں حاصل تھی کیونکہ اس وقت حضرت پیدا ہی نہیں ہوئے تھے اس کے کچھ دنوں بعد آپ کی پیدائش اور کئی سال بعد آپ کی بعثت ہوئی ہے یہی وجہ ہے کہ مفسرین نے اس رویت کا بمعنی سماعت اور علم لیا ہے جیسا کہ تفسیر کشاف اور تفسیر مدارک وغیرہ میں لکھا ہے کہ

والمعنی انّك رایت اٰثار فعل اللّٰه بالحبشة وسمعت الاخبار به متواترة فقامت لك مقام المشاهدة۔	یعنی تم نے اللہ تعالیٰ کے ان کاموں کے آثار دیکھے جو اہل حبشہ کے ساتھ ہوئے ہیں اور تم نے ان کے متعلق متواتر خبریں سنیں جو تمہارے لئے مشاہدہ کی قائم مقام ہیں۔

مواہب لدنیہ وغیرہ میں لکھا ہے۔

المراد من الرویة العلم والتذکر۔	رویت سے مراد علم وتذکر یعنی جاننا اور یاد کرنا ہے۔

غرض یہ علم جو سماعت سے حاصل ہوتا ہے چونکہ حصول یقین کے لئے مشاہدہ ورویت کے مساوی ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اور بھی کئی موقعوں پر اسی طرح رویت ہی کا اطلاق فرمایا ہے جیسے اس آیت میں کہ

اولم یروا کم اهلکنا قبلهم من القرون	کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی امتوں کو ہلاک کیا ہے۔

اس آیت میں " قبلهم من القرون " کے الفاظ خود دلالت کر رہے ہیں کہ سابقہ امتوں کی ہلاکت کا واقعہ مخاطبین بلکہ اُن کے آبا و اجداد سے پہلے ہوا ہے اس کے باوجود " اَوَلَمْ یَرَوْا (کیا انھوں نے نہیں دیکھا) ارشاد فرمایا ہے حالانکہ انھوں نے ان امتوں کی ہلاکت کے واقعات کو جو ان کے وجود سے پہلے ہوئے ہیں کب دیکھا ہے ؟ لیکن چونکہ ان کے آثار کو دیکھنا اور ان واقعات کو سننا حصول علم کیلئے رویت کا قایم مقام ہے اسی لئے اولم یروا سے مراد اولم یسمعوا (کیا انھوں نے نہیں سنا) ہے۔

پس اگر جناب مولوی سید عیسیٰ عالم میاں صاحب نے " دایتم " کو " سمعتم " کے معنی میں لیا تو کیا غلطی کی اور کونسا محل اعتراض تھا جو اس پر نکتہ چینی کیگئی ہے۔ حالانکہ اس معنی کی اس سے بھی تائید ہوتی ہے کہ حاکم اور ابونعیم نے ثوبان سے یہی حدیث جو روایت کی ہے اسمیں صاف " اذا سمعتم " (جب تم اس کو سنو) کے الفاظ موجود ہیں گویا اس روایت کے یہ الفاظ پہلی حدیث کے الفاظ " اذا دایتم " کا بیان واقع ہوئے ہیں۔ پس ایسا ترجمہ جس کی تائید خود حدیث ہی کے الفاظ سے ہوتی ہو کبھی قابل اعتراض نہیں ہوسکتا۔

مولف صاحب ہدیہ نے دوسری خطا یہ بیان کی ہے کہ

الرایات السود کی ترکیب توصیفی و ترکیب اضافی کہ گفتہ۔	تمام روایات الرایات السود ترکیب توصیفی ہے اس کو ترکیب اضافی کر دیا ہے۔

یہ اعتراض بھی کئی وجوہ سے غلط ہے اولاً مولف صاحب نے ساری کتب احادیث نہیں دیکھی ہیں اور اس کے باوجود تمام روایتوں میں ترکیب توصیفی ہونیکا غلط دعویٰ کر دیا ہے۔ ثانیاً۔ جو روایت ابن ماجہ نے علقمہ سے کی ہے اور ترمذی میں ابوہریرہ سے مروی ہے مولف صاحب نے اسے نہیں دیکھا یا عمداً نظرانداز کر دیا ہے کہ اس میں بغیر لام تعریف کے " رایات سود " لکھا ہے۔ شاہ ولی اللہ دہلوی نے

"ازالۃ الخفا" میں اسی حدیث کو متعدد موقعوں پر نقل کیا ہے اور "رایات سود" کو لام تعریف کے بغیر ہی نقل کیا ہے۔ اس ترکیب میں جیسا کہ صفت موصوف کا احتمال ہے ایسا ہی مضاف و مضاف الیہ کا احتمال بھی ہے یعنی اس کو "رایاتِ سود" پڑھنا صحیح ہے اس صورت میں مولف صاحب ہدیہ کا یہ دعویٰ باطل ہے کہ ساری روایتوں میں ترکیب توصیفی ہی ہے۔

ثالثاً۔ جن روایتوں میں لفظ "رایات" معرّف باللام یعنی "الرایات السود" واقع ہوا ہے وہاں بھی کوفیین کے مذہب پر صحتِ ترکیب اضافی سے کوئی امر مانع نہیں ہے اسواسطے کہ کوفیین کے نزدیک مضاف کا لام تعریف سے معرّا رہنا شرط نہیں ہے جیسے الثلاثۃ الاثواب میں ترکیب اضافی کا معنی لیا جاتا ہے۔ بہجۃ المرضیہ میں جو نحو کی مشہور کتاب ہے اس کی مثال "الجعد الشعر" اور "مررت بالضارب الرجل" لکھا ہے۔ اسی کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ امام شافعی نے اپنے رسالے کے خطبہ میں مضاف کو معرف باللام ہی استعمال کیا ہے چنانچہ اس کی اصل عبارت یہ ہے۔

وقد استعمل الامام الشافعی فی خطبۃ رسالتہ فقال الجاعلنا من خیرامۃ اخرجت للناس۔

(بہجۃ المرضیہ باب الاضافۃ)

امام شافعی نے اپنے رسالہ کے خطبہ میں اسکو (مضاف کو معرف باللام) استعمال کیا ہے چنانچہ "الجاعلنا من خیرامۃ اخرجت للناس" لکھا ہے۔

اس اعتبار سے "الرایات السود" سے بھی ترکیب اضافی کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔[عہ]

عہ۔ میں کہتا ہوں کہ اشعار عرب کے ملاحظہ سے بھی واضح ہوتا ہے کہ الف لام کی حالت میں بھی اضافت کے معنی لئے جاتے ہیں چنانچہ "ذوالرمہ" کا یہ شعر ہے۔

وھل یرجع التسلیم او یکشف العمیٰ ؎ ثلث الاثافی والدیار البلاقع

اب یہاں بحث والدیار البلاقع سے ہے جس کے معنی ویران زمینوں کے مکانات ہیں۔ یہ ایک زبردست شاعر ہے جس کے اشعار سے استدلال کیا جاتا ہے۔

بصریئین کے مذہب کی بنا پر مضاف لام تعریف سے مجرد ہوتا ہے اس لئے وہ " الثلاثۃ الاثواب " کی جیسی صورت میں جہاں دونوں لفظ معرف باللام ہوں بدلیت پر محمول کرتے ہیں ۔ اس توجیہ کی بنا پر جبکہ " الرایات السود " کے دونوں جز معرف باللام ہوں تو زیادہ سے زیادہ ایک جز دوسرے کا بدل ہوگا یعنی مطلب یہ ہوگا وہ رایات بزرگی و کمال ہیں ۔

ان وجوہ کے نظر کرتے " رایات سود " خواہ لام تعریف سے معرّا ہو خواہ معرف باللام دونوں صورتوں میں بھی اس کا ترکیب توصیفی ہی ہونا ضروری نہیں ہے جیسا کہ مولف ہدیہ کا خیال ہے بلکہ وہ ترکیب اضافی اور بدلیت پر محمول ہوسکتا ہے اور جناب مولوی سید علیؔی صاحب کا ترجمہ نحوی قواعد کے تحت بالکل صحیح ہے ۔

تیسری خطا یہ بیان کی گئی ہے کہ

لفظ سود کہ جمع اسود کی ہے صفت رایات کی ہے اس کو مصدر سمجھکر بمعنی سیادت کے ترجمہ کیا ہے ۔

مولف صاحب ہدیہ نے محض ادّعائی طور پر " سود " کے معنی سیادت کے لینے کو خطا کہدیا ہے اور کوئی دلیل نہیں پیش کی ہے ۔ لیکن ہم لغت اور محاورۂ عرب اور دوسرے دلائل و شواہد کے ساتھ بتاتے ہیں کہ سود کا معنی سیادت کرنا خطا نہیں بلکہ عین صواب ہے چنانچہ قاموس وغیرہ میں لکھا ہے کہ

السُّود بالضم والسود د والسؤدد بالھمزۃ کقنفذ السیادۃ ۔

صراح میں لکھا ہے کہ

سیادۃ سود و سیددۃ مہتر شدن ۔

بقیہ حاشیہ ص ۱۲۳ ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بالالف العینا ۔ غرض لام تعریف داخل ہوتے سے اضافی معنی کلام عرب میں مستعمل ہیں مگر بصریئین نے ان اقوال میں تاویل کرکے ان کے معانی میں کہیں تغیر کردیا ہے اور کہیں بدلیت کہدیا ہے مگر یہ سب تاویلات ہیں جیسا کہ فاضل مجیب استاذی نے بیان فرمایا ہے اس صورت میں بھی ترکیب اضافی کا معنی لیا جاسکتا ہے ۱۲ اشرف کان اللہ لہ ۔

صحاح جوہری میں لکھا ہے۔

سود ساد قومہ یسودھم سیادۃ وسوددا وسیدودۃ فھو
سیدھم وھم سادۃ۔

سود کا معنی بزرگی و جلال کا بھی ہے چنانچہ "صحاح" میں لکھا ہے کہ
ھو اسود من فلان ای اجلّ منہ

بخاری کی حدیث سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔

قال عمرؓ تفقھوا قبل ان تسودوا	بڑے بننے سے قبل ہی علم حاصل کرو۔

اسود کا معنی سیادت۔ شرف۔ فضل۔ کرم۔ حلم۔ تحمل والے کا بھی ہے
چنانچہ مجمع البحار میں ہے۔

قال ابن عمرؓ ما رایت بعد رسول اللہ اسود من معاویۃ قیل ولا عمر قال کان عمر خیر امنہ وکان اسود من عمر قیل اراد اسخیٰ واعطیٰ للمال، وقیل احلم منہ والسیّد یطلق علی الرب والمالک والشریف والفاضل والکریم والحلیم والمتحمل علی اذی قوم والزوج والرئیس والمتقدم۔	ابن عمر نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد معاویہ سے زیادہ کسی کو اسود (حلیم و سخی) نہیں دیکھا۔ آپ سے کہا گیا کیا عمر بھی نہیں تھے تو آپ نے کہا عمر بہترین امت تھے لیکن معاویہ عمر سے بھی زیادہ اسود تھے اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ معاویہ زیادہ سخی اور مال عطا کرنے والے اور بقولے زیادہ حلیم تھے۔ سید کا اطلاق آقا۔ مالک شریف۔ کریم۔ حلیم اور قوم کی اور زوجہ کی اذیتیں سہنے والے اور رئیس اور دوسروں سے بڑھے ہوئے پر ہوا کرتا ہے۔

پس اصحاب لغت کی تحقیق۔ محاورۂ اہل زبان۔ روایت، درایت کے لحاظ سے "سود" کے معنی سیادت۔ شرف۔ جلال۔ کرم۔ حلم۔ کمال۔ بزرگی کے ہوے اور مولف ہدیہ کا اس کو غلط سمجھنا اور غلط بتانا خود غلط ثابت ہوا۔

دوسری خطا کے ضمن میں اضافت کے متعلق جو تحقیق کی گئی ہے۔ اس کے نظر کرتے "رایاتُ سود" بلکہ اگر ایات السود" کا بھی مرکب اضافی ہونا درست ہے تو حدیث کا معنی سیادت و بزرگی کے نشان کرنا بھی بالکل صحیح و درست ہے

اور "سود" کو فقط "اسود" کی جمع اور اس کا معنی فقط سیاہ اور کالے کے سمجھنا جیسا کہ مولف صاحب ہدیہ نے سمجھا ہے عین خطا ہے۔ چنانچہ مولف صاحب کے خیال کے موافق اگر "اسود" کے معنی صرف سیاہ اور کالے کے لئے جائیں اور دوسرے معانی سے آنکھیں بند کر لی جائیں تو ابن عمر کی مذکورہ روایت کے یہ معنی ہوں گے کہ (معاذ اللہ) رسول اللہ صلعم کے بعد سب سے زیادہ کالے اور عمر سے بڑھکر سیاہ معاویہؓ تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ معنی صریح غلط ہیں جس سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی منقصت ظاہر ہوتی ہے جو خلافِ ادب اور خلافِ واقع بھی ہے۔ اسی سے مولف صاحب ہدیہ کے بیان کی یہ غلطی روز روشن کی طرح روشن ہو جاتی ہے کیونکہ "سود" کے معنی صرف کالے یا سیاہ کے نہیں ہیں۔

چوتھی خطا یہ بیان کی ہے کہ

جاءت کہ زبان عربی میں بمعنی آنے کے ہے اس کو معنی جانیکے سمجھے شائد کہ خیال کیا کہ آدت جاوت پوربی زبان ہے۔

پانچویں یہ کہ

"مِن خراسان" میں "مِن" کے معنی غلط کئے کہ شرح مائة عامل پڑھنے والا بھی ایسی خطا نہ کرے گا وہ بھی سمجھے گا کہ "مِن" واسطے ابتدائے مسافت کے ہے نہ واسطے نہایت مسافت کے۔

ان دونوں بحثوں کی تحقیق مدلل طور پر پہلے ہو چکی ہے جس سے یہ اعتراضات خود غلط ہونا واضح ہو گیا ہے یہاں ان مباحث کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

اس کے علاوہ جناب مولوی سید عیسٰی صاحب نے جاءت کا معنی صاف جانے کا نہیں کیا بلکہ یہ لکھا ہے کہ "متوجہ ہوئے ہیں طرف خراسان کے" جب کہ یہاں حرف مِن ظرف پر داخل ہونے کی وجہ سے "فی" کے معنی کا فائدہ دے رہا ہے تو یہ معنی غلط نہیں ہے۔ لیکن یہ تو فرمائیے کہ اگر ایسی ہی خردہ گیری سے کام لیا جائے تو آپ نے ابن ماجہ اور حاکم کی روایت کردہ حدیث میں تطلع الرایات السود کے جملہ میں "تطلع" کا معنی جو آنے کا کیا ہے یہ کونسی زبان ہے۔

ــہ۔ ایسا ہی مولوی صاحب نے جاءت کے معنی بھی کے فرمایا ہے شاید ماضی کے صیغے کے معنی بلا قرینہ

چھٹی خطا یہ بیان کیگئی ہے کہ

حدیث سوم میں کنز کو بمعنی خلافت کے ترجمہ کیا۔

کنز سے علم۔ خلافت۔ حکومت مراد لینا کچھ ممتنعات سے نہیں ہے۔ اس واسطے کہ علمائے محققین نے بہت سی ایسی ہی تاویلیں کی ہیں چنانچہ مسلم نے بروایت ثوبان یہ حدیث لکھی ہے کہ

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اعطیت الکنزین الاحمر والابیض	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے سرخ اور سفید دو خزانے دئے گئے ہیں۔

امام نووی نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ علمانے "کنزین" سے مراد ملک شام وعراق لیا ہے یعنی حدیث کا یہ معنی ہے کہ اس امت کا ملک ایسا وسیع ہوگا جس کی وسعت جہتِ شرق و مغرب تک پہنچے گی۔

بخاری میں ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ

قالت استیقظ النبی صلعم ذات لیلۃ فقال سبحان اللہ ماذا انزل اللیلۃ من الفتن وماذا فتح من الخزائن ایقظوا صواحب الحجر الحدیث	ام سلمہ نے کہا کہ ایک رات رسول اللہ صلعم بیدار ہوے اور فرمایا سبحان اللہ آج رات کس قدر فتنے نازل ہو رہے ہیں اور کس قدر خزانے کھولے دیا ہے ہیں۔ حجروں میں رہنے والیوں کو بیدار کردو۔

قسطلانی شارح بخاری کہتے ہیں کہ حضرت نے عذاب کو فتنوں اور رحمت کو خزائن اور ملائکہ کی اطلاع دہی کو نازل کرنے سے تعبیر فرمایا ہے۔

پس اسی طرح کنز سے اگر خلافت مراد لی جائے تو کچھ بعید نہیں کیونکہ حدیث میں

بقیہ حاشیہ ص ۱۲۶۔ اور بلا کسی باعث کے مصدر کے ہوتے ہیں۔ عربی محاوروں میں ایسا کہیں دیکھا نہیں گیا مگر مولوی صاحب کی رامپوری صرف نحو میں غالباً ایسے قواعد کا ذکر ہوگا کہ ماضی کے معنی بلا وجہ مصدر کے ہو سکتے ہیں۔ افسوس ہے کہ مولوی صاحب نے ایسی معلومات پر علمائے ہندو یہ کی تردید کا بیڑا اٹھایا ہے ۱۲ اشرف کان اللہ لہٗ

کلھم ابن خلیفہ" کا قرینہ اس کا موید ہے کہ تین ابنائے خلیفہ خلافت ہی کیلئے لڑیں گے۔ مولف صاحب ہدیہ جناب مولوی سید عیسیٰ صاحب کی ایسی خفیف اور معمولی غلطیاں اور خطائیں کیا بتاتے ہیں بعض علمائے اہل سنت نے بھی جن کو آپ مانتے ہیں اسی قسم کی بلکہ ان سے بھی زیادہ تاویلات باردہ کی ہیں اوّل آپ ان کی جوابدہی فرمائیں مثلاً شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے ازالۃ الخفا میں اسی حدیث یقتتل عند کنزکم کے متعلق لکھا ہے۔

بعض علمائے اہل سنت کی تاویلات باردہ حدیث ثوبان میں

اخرج ابن ماجه عن ثوبانؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم یقتتل عند کنزکم ثلثة کلهم ابن خلیفة لا یصیر الی واحد منهم ثم تطلع الرایات السود من قبل المشرق فیقتلونکم قتلاً لم یقتل قوم ثم ذکر شیئاً لا احفظه فقال اذا رایتموه فبایعوه ولو حبواً علی الثلج فانه خلیفة الله المهدی۔ تحقیق ایں حدیث پیش فقیر آنست کہ مراد از مہدی خلیفۂ بنی عباس است نہ امام مہدی کہ در آخر زمان ظہور نماید اینجا مہدی گفتن و خلیفۃ اللہ نامیدن وحث بر نصرت او نمودن بجہت آنست کہ خلافت ایں فریق در پردۂ تقدیر مصمم شد آں را تغیر و تبدیل نیست پس او مہدی است راہ نمودہ شدہ بسوئے تدبیرے کہ مفضی باشد باستقرار خلافت نہ چوں خارجیان دیگر کہ تدبیر شان متلاشی شد و بجز ہرج و مرج چیزے بدست ایشاں نیامد و او خلیفۃ اللہ است یعنی آنکہ خلافت او در قدر الٰہی مصمم گشت و با او باید بود و او نباید نمود زیرا کہ مطلب اہم در شریعت رفع نزاع ست و تقلیل ہرج و مرج - الی آخرہ۔

اب دیکھئے یہ کیسی تاویلات باردہ ہیں اوّلاً اصطلاح مقررہ کے برخلاف جو ظاہر و متبادر ہے مہدی سے مراد خلیفہ بنی عباس لی ہے حالانکہ حدیث میں خلیفۃ اللہ کا قرینہ موجود ہے جو مہدی عباسی اس کا مصداق ہونے کا مانع ہے۔

ثانیاً اس توجیہ کو نباہنے کیلئے مہدی کی یہ تعریف کیگئی ہے کہ راہ بتایا ہوا طرف

ایک تدبیر کے کہ مفضی ہو باستقرار خلافت۔

ثالثاً خلیفۃ اللہ کی یہ توجیہ کی ہے کہ اسکی خلافت علمِ الٰہی میں مقرر و مقدر ہے۔ پس انصاف کا مقام ہے اگر مہدی وہی ہے جس کو استقرارِ خلافت کی تدبیر بتلائی جائے اور خلیفۃ اللہ وہ ہے جس کی خلافت علمِ الٰہی میں مقرر و مقدر ہو تو دنیا بھر میں ایسا کونسا حاکم و امیر و بادشاہ صاحب تاج و سریر ہے جس کو اپنی حکومت کے استقرار کی کچھ نہ کچھ تدبیر کا مادہ نہیں عطا کیا گیا ہے اور جس کی حکومت وسلطنت علم الٰہی میں مقرر نہیں ہے اور اس کی مشیت کے بغیر قائم ہوگئی ہے۔ اسلامی اہم عقیدہ ہے کہ "ما شاء اللہ کان و ما لم یشاء لم یکن" (یعنی اللہ تعالیٰ جو چاہا وہی ہوا اور جو نہ چاہا نہیں ہوا) اور خاص حکومت ومملکت کے متعلق یہی اصول اعتقادی ہے کہ " تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاءُ (اللہ تعالیٰ تو مالک الملک ہے جس کو چاہتا ہے ملک وحکومت دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے) پس اس عقیدہ کے موافق ہر ایک امیر و بادشاہ کی حکومت و بادشاہت باری تعالیٰ کی مشیت ہی سے ظہور میں آتی ہے اور اس کے بغیر نہیں ہوسکتی تو مہدیٔ عباسی کی کیا خصوصیت ہے اس توجیہ سے تمام اہل اسلام بادشاہ و امرا مہدی و خلیفۃ اللہ ہوئے بلکہ اس تعریف کے نظر کرتے تو مسلمان حکام کی بھی تخصیص نہیں مشرک و کافر روسا اور سلاطین نصاریٰ کو بھی جنھیں استقرارِ حکومت کی تدبیر بخوبترین وجہ عطا کی گئی ہے اور انکی حکومت مشیتِ الٰہی میں مقرر و مقدر رہی ہے جبھی تو وہ برسرِ حکومت ہیں بقول صاحب " ازالۃ الخفا" مہدی اور خلیفۃ اللہ کہنا ہوگا۔

رابعاً اس مہدی کی نصرت و امداد کرنے کی یہ دلیل پیش کی گئی ہے کہ شریعت میں رفع نزاع و تقلیل ہرج ومرج ہی اہم مطلب ہے۔ یہ توجیہ اول تو ایسے وقت ہورہی ہے جبکہ مہدیٔ عباسی کی حکومت وخلافت کا خاتمہ ہوئے صدیاں گزر چکی ہیں اور اس وقت اس کو اس حدیث کا مصداق ماننے میں نہ کوئی فائدہ دینی و دنیوی مضمر ہے اور اس کے نہ ماننے میں کوئی نقصان ایمان بھی متصور نہیں ہے۔ پھر شریعت کا جو اہم مطلب بتایا گیا ہے اس سے مسئلہ جہاد صاف طور پر خلاف شریعت ہونا لازم آتا ہے۔ کیونکہ شریعت کا اہم مطلب رفع نزاع و تقلیل ہرج ومرج ہوا اور

جہاد عین نزاع اور بتائے ہرج و مرج ہے ۔

اس کے علاوہ مولف صاحب ہدیہ یہاں کیا فرمائیں گے کہ خود آپکی تحقیق کے خلاف تین ابنائے خلیفہ کی معرکہ آرائیاں ۔ کالے نشانوں والوں کا نکلنا ۔ امام مہدی علیہ السلام کا ظہور۔ ان تینوں واقعوں کو ضم کردیا گیا ہے حالانکہ ہر واقعہ کو حرف " ثم " کے بعد ذکر کیا گیا ہے جو بقول آپ کے تعقیب مع التراخی کے لئے خاص ہے اور خاص قطعی ہوتا ہے اور اس کے نظر کرتے ہر واقعہ یکے بعد دیگرے فصل زمانی کے ساتھ ظہور میں آنا چاہئے ۔ فرات کے اُس سونے چاندی کے پہاڑ کا بھی ذکر نہیں کیا ہے جو آپ نے کنز سے مراد لی ہے ۔ غرض اس تاویل میں اور بھی کئی خامیاں ہیں جن کی تفصیل موجب طوالت ہے اور ہمارا مقصد اس موقع پر صرف علما کی ذاتی قیاس آرائیوں کا نمونہ بتانا ہے اور یہ کہ جب اس طرح کی تاویلات اوروں نے بھی کی ہیں تو مولوی سید عیسیٰ صاحب مہدوی نے اگر کنز سے مراد خلافت بیان کی ہے تو کیا بے جا کیا یہ توجیہ دوسری توجیہات کی بہ نسبت بعید از قیاس نہیں ہے ۔

جناب مولوی سید عیسیٰ صاحب نے اس قتال سے حضرت امامنا علیہ السلام کے خلیفہ ثانیؓ کا قتال مراد ہونیکی جو رائے ظاہر کی ہے یہ بھی آپکا قیاس ہے (اور وہ علٰحدہ اپنی جگہ قایم ہے) ورنہ اس اقتتال اور یقتلو نکم قتلا لم یقتلہ قوم کا اشارہ جلی ان محاربات کی طرف ہے جو ظہور مہدی موعود علیہ السلام سے قبل بنی امیہ وعباسیہ کے زمانہ میں اور خصوصاً تاتاریوں کے حملہ کے وقت ہوے ہیں جن کی کیفیت کتب تواریخ وسیر سے مفصل ظاہر ہوتی ہے ۔ کیونکہ حدیث میں یہ معرکے ظہور مہدی علیہ السلام سے پہلے ہونا اور امام مہدیؑ کا ظہور ان کے بعد ہونا مذکور ہے ۔ چنانچہ اسی قطعی ترتیب کے مطابق جو حدیث میں مذکور ہے ان معرکوں کے بعد ہی امام مہدیؑ موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ظہور ہوا ہے" اور شارع علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کے اس فرمان کی تعمیل میں کہ " فاذا سمعتم به فاتوه فبایعوه ولوحبوا علی الثلج " ہے مومنین بیعت تصدیق سے مشرف ہوے ہیں ۔ شکراً لِلّٰہ علی نعمائہ ۔

مولف صاحب ہدیہ نے ساتویں خطا یہ بیان کی ہے کہ

حدیث ابن ماجہ میں لفظ یقتتل کا ہے باب افتعال سے اور
افتعال اور مقاتلہ دونوں باہم لڑنے کے معنی ہیں مارے جانے کے
معنی کرنا خطا ہے۔

باب افتعال کی خاصیت جیسا کہ مشارکت ہے ایسا ہی مجرد و اُفْعَلَ و تَفَعَّلَ و تَفَاعَلَ و اِسْتَفْعَلَ کی موافقت بھی اس کی خاصیت ہے جیسا کہ فصول اکبری وغیرہ میں مذکور ہے۔ پس مولف ہدیہ نے باب افتعال کی خاصیت کو خاص اشتراک ہی میں جو منحصر کر دیا ہے ایسی غلطی کوئی طفل " صرف میر" خوان بھی نہ کرے گا۔

آٹھویں خطا یہ بیان کی ہے کہ

" سیادت کو بمعنی ترک دنیا و فقر و فاقہ وغیرہ کے تفسیر کیا"

سیادت کے معنی ابھی بحوالۂ کتب لغت ہم نے بیان کئے ہیں کہ شرف وفضل وحلم وغیرہ کے ہیں پھر جو بھی اخلاقِ فاضلہ ہیں وہ سیادت کے لوازم ہیں اور ان پر سیادت کا اطلاق بعید و نادر نہیں ہے۔

نویں خطا یہ بیان کیگئی ہے کہ

حدیث سوم میں عبارت ثم ذکر شیئاً لا احفظہ کو مطلق
ذکر نہیں کیا۔

یہ اعتراض بھی محض زاید ہے جس سے خطاوں کی تعداد بڑھانے اور اپنی قابلیت جتلانے کے سوا اور کچھ مقصود نہیں معلوم ہوتا کیونکہ کوئی ایسی عبارت کا ذکر نہ کرنا جو مخل مطلب ہو معیوب ہے جیسا کہ خود مولف صاحب ہدیہ نے ہدیہ میں کئی موقعوں پر کیا ہے لیکن یہ عبارتِ مسطورہ ایسی نہیں ہے کہ ذکر نہ کرنے سے مطلب و مضمون خبط ہوجائے یا اُس کے نقل کرنے سے ناقل کے ذمہ کچھ نقصان عائد ہوتا ہو۔ شائد بخوفِ طوالت چھوڑ دیا ہو گا۔

مولفِ ہدیہ کا یہ بیان بھی صحیح نہیں ہے کہ اس جملہ میں ان کا کوئی فائدہ مضمر تھا کیونکہ یہ فقرہ اُن کے سراسر خلافِ مقصود ہے اس لئے کہ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ مہدی علیہ السلام کے ساتھ کالے نشانوں والی فوج ولشکر ہونا چاہئے اور ہم

یہ کہتے ہیں کہ نہ کالے نشان ہی مراد لینا صحیح ہے اور نہ اس حدیث سے کالے نشان یا فوج یا مقاتلہ کو امام مہدی علیہ السلام سے کچھ تعلق ہی ثابت ہوتا ہے اس واسطے کہ ابن ماجہ کی روایت کا جو حصہ ذکر نہیں کیا گیا ہے وہ راوی کا یہ بیان ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "لم یقتلہ قوم" کے بعد اور کچھ فرمایا تھا جو مجھے یاد نہیں ہے"۔ پھر حاکم اور ابو نعیم کی روایت سے یہ پتہ چلا کہ جو حصہ راوی کو یاد نہیں رہا تھا وہ "ثم یجیٔ خلیفۃ اللّٰہ المھدی" کا جملہ تھا۔ پس جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے بیان کیا ہے اس حدیث میں چہار علیحدہ علیحدہ واقعات کی پیشین گوئی ہے۔ اولاً تین ابنائے خلیفہ کا جنگ وجدال کرنا۔ اس کے بعد مشرق میں رایات سود ظاہر ہونا بہت سارے مسلمانوں کا قتل وخون ہونا۔ پھر اس کے بعد خلیفۃ اللہ مہدی علیہ السلام کا ظہور۔ ان چاروں امور میں سے ہر ہر امر کے درمیان لفظ ثم آیا ہے اور ثم تعقیب مع التراخی (یکے بعد دیگرے دیر سے واقع ہونے) کے لئے خاص ہے اور خاص قطعی ہوتا ہے۔ پس یہ ترتیب بھی قطعی ٹھہری اور ظہور رایات سود کے عرصہ بعد خلیفۃ اللہ مہدی علیہ السلام کا ظہور ہونا ثابت ہوا۔ پس مہدی علیہ السلام کے ساتھ فوج اور کالے نشان رہنا باطل ہوگیا۔ چنانچہ خود مولف صاحب ہدیہ کو بھی یہ تسلیم ہے (دیکھو ہدیہ صفحہ ۱۶۱) لیکن خود اپنے ہی قول کے خلاف اس موقع پر آپ کا یہ اعتراض کرنا کہ کالے نشان اور فوج و لشکر امام مہدی علیہ السلام کے ساتھ رہنا چاہیئے خلاف تحقیق ہے۔

غرض مولف صاحب ہدیہ بتاتے اور خود اپنے پچھلے قول کو یاد اور پیش نظر رکھکر بتاتے کہ جناب مولوی سید عیسیٰ صاحب نے ثم ذکر شیئاً لا احفظہ کا جملہ ذکر نہیں کیا تو آپ کا کونسا مطلب فوت ہوگیا؟ اس بحث کے آخر میں مکرر یہ کہہ دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ ہم نے تفضلاً ان مباحث پر اپنی رائے ظاہر کی ہے ورنہ ان پر یا اسی قسم کے ان اعتراضات پر جو اہل مذہب کی کسی بھی فرد خاص کی ذاتی رائے وقیاس سے تعلق رکھتے ہیں بحث کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے کیونکہ کسی ترجمہ یا توجیہ کی غلطی یا صحت مترجم یا توجیہ کنندہ کی ذات سے تعلق رکھتی ہے اگر اس کا غلط ہونا فرض بھی کر لیا جائے تو تب بھی نفس احادیث کے اصل مضامین اور

اور ان کے متعلقہ ضروری مباحث جن کو اس مترجم یا توجیہ کنندہ صاحب نے ذکر نہ کیا ہو یا ملحوظ نہ رکھا ہو کبھی نظر انداز نہیں ہو سکتے اور نہ اس شخصی غلطی کا کوئی اثر ان دلائل پر پڑ سکتا ہے جو اصل مذہب کی مضبوط بنیاد ہوتی ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو اور اہل مذہب میں سے کسی کی ذاتی رائے و قیاس کی غلطی سے اصل مذہب پر کوئی اثر پڑ جاتا تسلیم کر لیا جائے تو علمائے اسلام کی ایسی ہی توجیہات و تاویلات باردہ اور خود مولف صاحب ہدیہ کے بے سروپا ذاتی و شخصی بیانات سے جس کے بہت سے نمونے موقع بموقع پیش ہو چکے ہیں دین اسلام کی حقیت و صداقت پر اثر پڑنا لازم آئے گا جو صریح خلاف عقل و تحقیق ہے۔

اس کے بعد مولف صاحب ہدیہ نے دلیل چہارم کی بحث شروع کی ہے۔

مہدی علیہ السلام پر لفظ شاب صادق نہ آنے کا اعتراض اور اس کا جواب۔

قولہ دلیل چہارم۔ عبد الملک سجاوندی نے سراج الابصار میں لکھا کہ منہا ما روی ابو سعید مولی بن عباس قال سمعت ابن عباس یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی لا ارجوان تذھب الایام واللیالی حتی یبعث اللہ منا اھل البیت غلاماً شابا حدثاً لم تلبسہ الفتن ولم یلبسہا یقیم امر ھذہ الامۃ کما فتح ھذا الامر بنا ارجوان یختمہ اللہ بنا اخرجہ الحافظ ابو بکر البیہقی الخ۔

قولنا۔ امام مہدی علیہ السلام کی شان میں وارد شدہ روایتوں میں سے چند روایتیں کتاب سراج الابصار میں لکھی گئی ہیں از انجملہ تین روایتوں کے متعلق مولف صاحب ہدیہ کو اعتراض ہے ان میں سے پہلی روایت تو یہی ہے دوسری روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ مہدی (علیہ السلام) جوان میانہ رو ہوں گے ان کے چہرہ کا نور بالوں کی سیاہی پر تاباں رہے گا۔ تیسری روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت امام حسین رضؓ نے فرمایا ہے کہ جب مہدی (علیہ السلام) قایم ہوں گے لوگ اس واسطے ان کا انکار کریں گے کہ وہ جوان ہوں گے اور لوگوں کا یہ گمان ہوگا کہ مہدی تو شیخ کبیر ہوں گے۔

مولف صاحب ہدیہ کو یہاں جو اعتراض ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت امامنا علیہ السلام پر یہ روایتیں اس لئے صادق نہیں آتیں کہ آپ نے اٹھاون ۵۹ انسٹھ برس کی عمر میں مہدویت کا دعویٰ کیا اور یہ سن شیخوخت کا ہے نہ شباب کا رحلت کے وقت آپ دوموبہ یا ادھیڑ تھے لہٰذا آپ لفظ شاب (جوان) کا مصداق نہیں ہوسکتے ہیں۔

اولاً۔ اس کا جواب یہ ہے کہ محدثین نے احادیث کی جو اقسام بیان کی ہیں ان کے نظر کرتے تینوں روایتوں میں سے پہلی روایت عـــہ مرفوع کی اور دوسری وتیسری موقوف کی حیثیت رکھتی ہے اور محدثین کے اصول پر ان دونوں قسموں کا ایک حکم نہیں ہے۔

ثانیاً۔ باعتبار سلسلۂ روایت بھی ان روایتوں میں بعض امور قابل بحث ہیں۔

ثالثاً۔ ان میں جو حدیث مرفوع ہے وہ بھی احاد ہے اور محدثین کے نزدیک ہر خبر واحد قطعی نہیں ہوتی۔ پس جو قید یا شرط آحاد کے طور پر مذکور ہو وہ غیر قطعی ہونے کی وجہ سے کسی ایسے امر کی صحت کے لئے مدار وموقوف علیہ نہیں قرار دیجاسکتی جو دوسری صحیح ومشہور ومتواتر طرق سے ثابت ہوا ہو۔ چونکہ انبیا علیہم السلام عموماً کم عمر اور بچپن میں مبعوث نہیں ہوے ہیں۔ حضرت رسول اللہ صلعم نے بھی چالیس سال کی عمر سے قبل دعوی نبوت نہیں فرمایا ہے۔ حضرت مہدی علیہ السلام بھی خلیفۃ اللہ ہیں۔ حضرت کی خلافت کئی اعتبارات سے منہاج نبوت کے مطابق ہے لہٰذا جو عمر منصب نبوت کیلئے مقرر ہے وہی دعوئی مہدیت کیلئے ہونا چاہئے۔ ان روایتوں کا اگر یہ مطلب ثابت کیا جائے کہ مہدی علیہ السلام کم عمر اور بالکل نوجوان مبعوث ہونگے تو اس صورت میں یہ روایتیں اس اصول متواتر کے مخالف ہونگی جو تمام خلفاء اللہ کی بعثت کیلئے بطور سنۃ اللہ پایا گیا ہے۔ لیکن اصل میں یہ روایتیں

عـــہ۔ حضرت رسول اللہ صلعم کے نام سے کوئی صحابی روایت کرے کہ حضرت نے ایسا فرمایا یا ایسا کیا ہے تو وہ حدیث مرفوع کہلاتی ہے اور جو مضمون کوئی صحابی اپنی ذات سے کہے اور رسول اللہ صلعم سے روایت نکرے تو وہ حدیث موقوف ہے۔ ظاہر ہے کہ ان دونوں کا ایک حکم نہیں ہوسکتا کیونکہ اول قول وفعل رسول ہے اور دوسرا قول وفعل صحابی ہے۔ ۱۲ شہاب بن النصرت عفر لہما۔

اس اصول کے خلاف نہیں ہیں بلکہ ان روایتوں کا جو مفہوم و معنیٰ مولف صاحب ہدیہ نے سمجھا اور بیان کیا ہے وہ کئی وجوہ سے غلط ہے چنانچہ مولف ہدیہ کی یہ غلطی آئندہ مباحث میں متعدد طریقوں سے واضح ہوگی۔

رابعاً۔ ان تمام وجوہ و مباحث کے قطع نظر یہ روایتیں بھی حضرت امامنا علیہ الصلوٰۃ والسلام پر صادق و منطبق ہیں اس لئے کہ ان روایتوں میں جو لفظ "شاب" ہے اس سے امام مہدی علیہ السلام کا ابتدائے بعثت سے آخر عمر تک شاب یعنی جوان ہی رہنا مراد نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ خلاف فطرت و عادت ہے۔ ہر کوئی ابتدا میں شاب اور جوان ہوتا ہے اور آخر میں ضرور شیخوخت عارض ہوتی ہے۔ دنیا کا قانون مستمرہ یہی ہے۔ پس بحسب روایت حضرت مہدی علیہ السلام کی بعثت حالتِ شاب میں ہونا ان روایتوں کا مصداق ہونے کے لئے کافی ہے۔ ان سے یہ تو ثابت نہیں ہے کہ رحلت کے وقت تک بھی امام مہدی علیہ السلام شاب ہی رہیں گے اور دومویہ نہ ہوں گے۔ پس رحلت کے وقت حضرت امامنا علیہ السلام کا دومویہ ہونا ان روایتوں کے منافی نہیں ہے۔

خامساً۔ باعتبار سن شباب کے بھی اس کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت امامنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حالات و سیر کی کتابوں میں بروایتِ مشہورہ و متواترہ مذکور ہے اور مولف صاحب ہدیہ نے اس کو دیکھا ہے کہ حضرت امامنا علیہ السلام کا دعویٰ اٹھارہ ۱۸ برس غیر موکد اور پانچ ۵ سال موکد اس طرح جملہ تئیس ۲۳ سال رہا ہے اور حضرت کی رحلت ترسٹھ ۶۳ سال کی عمر میں ہوئی ہے۔ چنانچہ اس کا اعتراف تو مولف کو بھی ہے (دیکھو ہدیہ صفحہ ۶۲) پس ترسٹھ ۶۳ سال میں سے تئیس سال خارج ہونے کے بعد یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے جو ہر عالم و جاہل۔ خاص و عام سے مخفی نہیں ہے کہ دعویٰ مہدیت چالیس ۴۰ برس کی عمر سے شروع ہوا ہے اور چالیس برس کا سن بقول مولف ہدیہ حسبِ تحقیقِ اطبا "سنِ شباب" ہے جیسا کہ خود مولف صاحب ہدیہ نے بھی ہدیہ کے صفحہ (۶۳) پر اس کا اقرار کیا ہے کہ تیس ۳۰ برس سے چالیس ۴۰ برس تک سن شباب ہے اور صاف ظاہر ہے کہ جب رحلت کے وقت ہی حضرت کے موئے سیاہ موئے سفید پر غالب تھے تو اس سے تئیس ۲۳ سال قبل چہل سال عمر میں ریش و سرِ مبارک کے

بال کس قدر گھنے سیاہ ہوں گے لاحاجۃ الی البیان اس اعتبار سے بھی یہ روایتیں اما منا علیہ السلام پر صادق ہیں اور" یعلو نور وجہہ سواد شعرہ" اور شاب مربوع کا آپ پورے مصداق تھے۔

سادساً۔ خود مولف صاحب ہدیہ نے اسی بحث کے ضمن اٹھاون سال کی عمر سے پہلے بھی حضرت کا دعویٰ فرمانا بیان کیا ہے بلکہ یہ اعتراف کیا ہے کہ حضرت کی پیدائش اور طفولیت ہی سے ہر زمانہ میں آپ کا دعویٰ ہوتا رہا ہے اور بعض ایسے واقعات بھی لکھے ہیں جن سے ان دعووں کا ثبوت ملتا ہے۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ غلاماً۔ حدثاً۔ شاباً۔ کے الفاظ جو ان روایتوں میں آئے ہیں و لو بالفرض اُن کے معنی لڑکا۔ نوعمر۔ جوان ہی کئے جائیں وہ سب بھی حضرت پر پورے صادق اور منطبق ہیں اور مولف صاحب کے شبہات و اعتراضات خود انہی کے بیان سے غلط ثابت ہوتے ہیں

سابعاً۔ رہی یہ بات کہ مولف صاحب ہدیہ نے ان دعووں کے متعلق یہ لکھا ہے کہ "ایسے دعووں کا کیا اعتبار ہے" لیکن انھوں نے اسکی کوئی وجہ نہیں بتائی کہ یہ دعوے قابل اعتبار کیوں نہیں ہیں؟

جبکہ دعویٰ غیر موکد اور دعویٰ موکد دونوں بھی حضرت ہی کے دعوے ہیں تو کوئی بھی نہیں کہہ سکتا کہ دعویٰ غیر موکد دعویٰ نہیں تھا۔ اس کی مثال حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ پاک میں دیکھو ابتداے اسلام کے تیرہ سال جب تک آپ مکہ میں تشریف رکھتے تھے دعویٰ میں شدت نہیں تھی۔ منکرین و معاندینِ اسلام سے کوئی تعرض نہیں کیا جاتا تھا۔ اُن کے ہر طرح کے مظالم سہے جاتے تھے۔ ان سے انتقام لینے اور ان سے جہاد کرنے کے احکام نازل نہیں ہوے تھے۔ ہجرت کے بعد سے وفات تک دس سال اس کے برعکس تھے۔ پس آپ یا اور کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ابتدائی زمانہ کا دعویٰ چونکہ عام اور شدید نہیں تھا اس لیے وہ دعویٰ ہی نہیں تھا یا قابل اعتبار نہ تھا۔

ثامناً۔ جو دعوے ایامِ طفولیت یا اس سے بعد ہر زمانہ میں ہوتے رہے ہیں جن کا مولف صاحب ہدیہ کو اعتراف ہے اُن کی حیثیت ارہاصات عــہ کی ہے۔ اگر

عــہ۔ ارہاص کے لغوی معنی بنیاد و اساس کے ہیں علماے سیرت کی اصطلاح میں کسی خلیفۃ اللہ کے

آپ کے پاس "ارہاصات" محض قبلِ دعوی ہونے کی وجہ سے قابلِ اعتبار نہیں ہیں تو حضرت سرورِ کائنات محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ تمام ارہاصات" بھی آپ کے نزدیک قابل اعتبار نہ ہونا چاہئے جو قبلِ دعویٔ نبوت ظاہر ہوئے ہیں حالانکہ وہ حضرت کی سیرت کا ایک ضروری اور قابلِ لحاظ جز سمجھے جاتے ہیں اس صورت میں آپ کا ان کو ناقابلِ اعتبار سمجھنا تمام اہلِ سیر کے مسلّمہ اصول کے خلاف ہے۔

یہ سب تقریر تو مولفِ ہدیہ کے اس قول کو صحیح فرض کرنے پر مبنی تھی کہ لفظ "شاب" کے معنی بلحاظِ سن جوان ہی کے لئے جائیں لیکن مولف صاحب خود کہتے ہیں کہ

"حضرت رسالت وعلی مرتضیٰ وامام حسین علیہم السلام عرب ہیں کہ زبان عرب میں بات کرتے ہیں معنی اون کے کلام کے وہی ہیں جو کہ لغت عرب سے ثابت ہوویں ورنہ امان لغت سے اٹھ جاوے اور ہر شخص کے جیسا دل میں آوے ویسا سمجھ لیا کرے"

لہذا اب تحقیق کی جاتی ہے کہ لغتِ عرب ومحاورۂ عرب کے مطابق "شاب" کا اصل کیا ہے؟ اور وہ کن کن معنی کا فائدہ دیتا ہے اور کن اعتبارات سے اس کا استعمال ہوتا ہے تاکہ مولف ہدیہ کے اس اعتراض کی اور بھی قلعی کھل جائے۔

واضح ہو کہ لفظ "شاب" کا مادہ "شبب" ہے اس مادہ سے جو الفاظ مشتق ہیں وہ متعدد معانی کا فائدہ دیتے ہیں۔ "شبب" زیادہ حسن کا ودشنی کو کہتے ہیں "شباب" گھوڑے کے الف ہونے کو اور "شبّ" آگ روشن کرنے کو اور "شبوب" ایندھن کو کہتے ہیں کبھی اسکا معنی قوت وزیادتی کا ہونا ہے۔ جیسے محاورہ ہے "ھذا شبوب لکذا ای یزید فیہ ویقویہ" مشبوب حسین وجمیل کو

بقیہ مضمون حاشیہ صفحہ ۱۳۶ یہ وہ معجزات ومخصوص خوارقِ عادات جو دعوی نبوت سے قبل ظاہر ہوتے ہیں "ارہاصات" کہلاتے ہیں۔ کیونکہ وہ بعد میں ہونے والے دعوی کے لئے بمنزلہ بنیاد واساس کے ہیں۔ اکثر انبیا علیہم السلام سے اس قسم کے ارہاصات ظہور میں آئے ہیں خصوصاً حضرت پیغمبر اسلام محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سارے "ارہاصات" ظاہر ہوئے ہیں جن کو اہلِ سیرت نے خصوصیت واہمیت کے ساتھ حضرت کی پاک سیرت میں ذکر کیا ہے۔ ۱۲ شہاب بن نصرت غفرلہا۔

کہتے ہیں (صراح) ابن اثیر کی مشہور لغت "نہایۃ فی غریب الحدیث والاثر اور مجمع البحار" میں لکھا ہے۔

رجل مشبوب اذا کان ابیض الوجه اسود الشعر واصله من شبّ النار اذا اوقدها فتلالاءت ضیاءً ونورًا الا قیال العباهلة والارواع المشابیب ای السادة الرؤس الزهر الالوان الحسان المناظر واحدهم مشبوب کانما اوقدت الوانهم بالنار۔

جب کوئی سپید و روشن چہرہ اور کالے بالوں والا ہو تو اس کو "رجل مشبوب" کہتے ہیں اس کا اصل یہ ہے کہ جب آگ سلگائیں اور اس کی روشنی اور نور چمکنے لگے تو شبّ النار کہتے ہیں۔ اقیال العباہلہ والارواع المشابیب سے مراد سردار۔ رئیس سفید رنگ خوش منظر کے ہیں۔ اس کا واحد "مشبوب" ہے گویا ان کا رنگ آگ سے روشن کیا گیا ہے۔

پس اس لحاظ سے "شاب" کا اطلاق حسن وجمال اور قوت کے اعتبار سے ہوسکتا ہے نہ صرف سن وسال کے اعتبار سے۔

اسی کی مثال لفظ "فتیٰ" موجود ہے جو محاورہ میں قریباً "شاب" کا ہم معنی مستعمل ہوتا ہے۔ صراح میں ہے "فتیٰ" جوان و جوانمرد۔ فُتُوّة بالضم جوانمردی "پس فتوّة وکرم کے نظر کرتے شیخ کبیر کو بھی "فتیٰ" کہا جاتا ہے چنانچہ مشہور مقولہ لا فتیٰ اِلّا علی" (کوئی فتیٰ نہیں ہے سوائے علی کے) اگر سن فتیٰ کے اعتبار سے دیکھا جائے تو خود مولف ہدیہ لکھتے ہیں کہ "سن غلامیہ اور رہا کہ زمانہ قریب بلوغ کا نام ہے تا بلوغ بعد اس کے سن فتیٰ کہ قریب تیس برس تک یہی نام ہے" پس بقول مولف ہدیہ جناب مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ پر فتیٰ کا اطلاق درست نہ ہونا چاہیئے کیونکہ آپ کا سن شریف فتیٰ سے متجاوز تھا۔ لیکن یہ اطلاق اس لئے درست وصحیح ہے کہ فتیٰ سے مراد "ذو فتوّة وکرم" ہے حضرت کے سن وسال کا بیان مقصود نہیں ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو لَا فتیٰ اِلّا علی" کہنا غلط ہوگا یا مولف صاحب ہدیہ کو ثابت کرنا ہوگا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ وفات تک تیس ہی برس کے تھے۔

اسی طرح "شاب" کا اطلاق بھی بلحاظ حُسن وجمال وخوبصورتی وغیرہ ہوسکتا ہے

اگرچہ سِن شباب نہ بھی ہو۔

کبھی از روئے محبت وشفقت شیخ کو فتیٰ اور شاب اور جوان کو صغیر و ولید کہا جاتا ہے چنانچہ حدیث "الحسن والحسین سید اشباب اھل الجنۃ" (حسن و حسین جنتی جوانوں کے سردار ہیں) کی شرح میں "لمعات" میں یہی توجیہات ذکر کیگئی ہیں

قیل اراد بالشباب الفتیان بمعنی الفتوۃ بمعنی الکرم کما یقال فتیٰ وان کان شیخاً مشیراً الیٰ فتوتہ ومروّتہ فتدبر۔ ویجوزان یکون سمّاھما شاباً مع کونھما کھلین تعطفاً وتحبباً کما یسمّی الوالد ولدہ صغیراً وولیداً وان کان شاباً مُسِنًا۔

شباب سے مراد بلحاظ فتوۃ وکرم "فتیان" ہیں جیسے کسی کو جو باعتبار عمر شیخ ہو "فتیٰ" کہتے ہیں اس سے اُس کی فتوۃ ومردۃ کی طرف اشارہ مقصود ہوتا ہے یہ بھی جائز ہے کہ حسنین کو باوجود کھل یعنی ادھیڑ ہونے کے محبت ومہربانی سے شاب کہا گیا ہو جیسے باپ اپنے فرزند کو صغیر و ولید کہتا ہے اگرچہ وہ جوان اور زیادہ عمر والا ہو۔

پس ٹھیک اسی طرح مذکورہ روایتوں میں امام مہدی موعود علیہ السلام کی ذات اقدس پر بلا لحاظ عمر حسن وجمال کے اعتبار سے شباب کا اطلاق صحیح ہے جس طرح حضرت علی مرتضیٰ (کرم اللہ وجہہ) پر سن فتیٰ سے متجاوز ہونیکے باوجود فتی کا اطلاق اور حضرات حسنین (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) پر سنِ کہولت میں ہوتے ہوئے "شاب" کا اطلاق صحیح ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت شہید کربلا امام حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت امام مہدی علیہ السلام کے لیئے جوانِ ذوات مقدسہ سے نسبتِ فرزندی رکھتے ہیں پدری شفقت ومحبت سے "شاب" فرمایا ہو۔

کبھی ظاہری ہیئت اور قوت وتوانائی کے اعتبار سے "شاب" اور "شیخ" کا اطلاق ہوتا ہے۔ "مواہب لدنیہ" میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بیان میں لکھا ہے کہ

رکب صلی اللّٰہ علیہ وسلم علی راحلتہ بعد الجمعۃ متوجھاً الی المدینۃ

نماز جمعہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہو کر مدینہ کی طرف متوجہ ہوئے۔

وروی انس بن مالک انه صلی اللّٰہ علیہ وسلم اقبل المدینۃ وھو مردف ابا بکر وابو بکر شیخ والنبی شاب الخ	انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اونٹ پر ابو بکر کو اپنے پیچھے بٹھائے ہوئے مدینہ کی طرف چلے۔ ابو بکر شیخ (بوڑھے) تھے اور نبی شاب (جوان) تھے

دیکھو "شیخ و شاب" کا اطلاق ہیئت ظاہری اور قوت و توانائی کے اعتبار سے ہے سنّ شباب و سنِ شیخوخت کا کوئی اعتبار نہیں کیا گیا ہے کیونکہ جناب رسالت مآب صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی عمر شریف اُس وقت ترپن (۵۳) سال کی تھی اور بقول مولف ہدیہ یہ سنِ کہولت ہے اور حضرت پر لفظ "شاب" صادق نہ آنا چاہئے۔ اور ابو بکر صدیق (رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ) آنحضرت (صلی اللّٰہ علیہ وسلم) سے عمر میں چھوٹے تھے اس کے باوجود آپ کو شیخ کہنا کس طرح صحیح ہے جبکہ بقول مولف ہدیہ سنِ شیخوخت ساٹھ برس سے شروع ہوتا ہے۔ پھر بڑی عمر والی ذات اقدس کو "شاب" (جوان) اور کم عمر والی کو "شیخ" (بوڑھا) کہنا خود اس بات کی دلیل واضح ہے کہ ان الفاظ کا اطلاق کرنے میں سنّ و سال کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو مولف ہدیہ کو باعتبار سن ان الفاظ کے اطلاق کو مطابق کر کے دکھانا ہوگا ورنہ جو گستاخی حضرت امامنا علیہ السلام کی جناب میں کر کے کہا گیا ہے وہی گستاخی و بے ادبی کرکے یہاں بھی یہ شعر دُھرانا ہوگا کہ

شیئان عجیبان ھما ابرد من یخ

دو چیزیں عجیب ہیں جو برف سے بھی زیادہ سرد ہیں

شیخ یتصبّی وصبی یتشیخ

بوڑھے کا بچہ اور بچہ کا بوڑھا بننا

ترمذی میں انس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے یہ حدیث لکھی ہے۔

ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال دخلت الجنۃ فاذا انا بقصر من ذھب فقلت لمن ھذا القصر قالوا لشاب من قریش فظننت	نبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں جنت میں داخل ہوا تو میں نے ایک طلائی محل دیکھا۔ میں نے پوچھا یہ محل کس کا ہے؟ (فرشتوں نے) کہا قریش کے ایک جوان کا ہے۔ میں نے گمان

انی انا ھو فقلت ومن ھو قالوا لعمر بن الخطاب ھذا حدیث صحیح۔

کیا کہ وہ جوان میں ہی ہوں گا۔ میں نے کہا وہ جوان کون ہے۔ کہا عمر بن الخطاب ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

ترمذی نے یہ حدیث صحیح ہونے کی تصریح کی ہے۔ اس حدیث میں حضرت عمر بن الخطابؓ پر "شاب" کا اطلاق ہوا ہے اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کو شاب کا مصداق تصور فرمایا ہے۔ حالانکہ اِن دونوں حضرات مقدس کی عمر شریف ترسٹھ سال ہے اور بقول مولف ہدیہ یہ سنّ شیخوخت ہے سنِ شباب نہیں ہے اب مولف صاحب ہدیہ فرمائیں کہ آپ کا یہ گستاخانہ قول کہ "کہیں شیخ بھی شاب ہو سکتے ہیں لیت الشباب یعود ایک خام خیال ہے" اس حدیث شریف کے نظر کرتے کس قدر غلط اور سوء ادب پر مبنی ہے۔

نیز آپ کے اس قول کے مطابق کہ "حضرت رسالت عرب ہیں زبان عرب میں بات کرتے ہیں معنی اُن کے کلام کے وہی ہیں جو لغتِ عرب اور محاورہ عرب سے ثابت ہوویں" ہم پوچھتے ہیں کہ یہ حدیث شریف محاورۂ عرب کے موافق ہے یا نہیں؟ اگر موافق ہے تو اس سے "شاب" کا اطلاق ترسٹھ سالہ عمر والے شیوخ پر بھی درست ہونا ثابت ہوا اور آپ نے سنّ شباب و سنّ شیخوخت کے لحاظ سے حضرت امامنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات اقدس لفظ "شاب" کا مصداق نہ ہونے کی نسبت جس قدر بحث کی ہے وہ خود بخود کالعدم ہوگئی۔ اور اگر آپ کہیں کہ (معاذ اللہ) یہ حدیثِ شریف محاورۂ عرب کے موافق نہیں ہے تو یہ ایک ایسی بدترین گستاخی ہوگی جو کوئی مسلمان تو کبھی نہیں کر سکتا۔

ایسا ہی "حدث" کا معنی صرف نوعمر ہی نہیں ہے بلکہ لغت میں مرد خوش بیان کو بھی "حدث" کہتے ہیں چنانچہ منتہی الارب میں لکھا ہے۔

"حدث" مرد بسیار سخن و خوش سخن است"

پس حضرت امامنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات اقدس اپنی مسلمہ طلاقتِ لسانی اور مشہورِ آفاق معجز بیانی سے جس کے اپنے اور بیگانے سبھی معترف ہیں اس معنی کی پوری مصداق ہے۔

لغت عرب ۔ محاورۂ عرب ۔ احادیث وسِیَر کی ان چند مثالوں سے جو ذکر کی گئی ہیں ثابت ہے کہ مولف صاحب ہدیہ نے ان روایتوں سے متعلق جو اعتراضات کئے ہیں وہ متعدد وجوہ سے خلاف تحقیق ہیں ۔ اور انھوں نے مولفین مہدویہ کی نسبت کج فہمی کا جو الزام و اتہام لگایا ہے اُس کے خود ہی مورد و مصداق ہیں اور اُن کا حق سے اعراض و انکار کرنا اسی کج فہمی کا ثمرہ ہے ۔

اس کے بعد ہم مولف صاحب ہدیہ کی بیان کردہ دلیل پنجم سے بحث کرتے ہیں چنانچہ آپ لکھتے ہیں ۔

امام مہدی علیہ السلام اور مجدد میں امور مابہ الامتیاز ۔

دلیل پنجم ۔ مشکوۃ شریف میں سنن ابوداؤد سے منقول ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی راس کل مائۃ سنۃ من یجد دلھا دینھا ۔ یعنی تحقیق اللہ تعالیٰ اٹھاوے گا واسطے فائدہ اس امت کے انتہاے ہر سو برس پر ایسے شخص کو کہ تازہ کردے واسطے امت کے دین اس کا انتہیٰ سراج الابصار میں لکھا ہے کہ اس حدیث کی شرح میں مذکور ہے کہ مجدد دسویں صدی میں مہدی ہیں جیساکہ "تنبیہ التحرز وغیرہ کتب میں مذکور ہے اور جیساکہ نووی نے ذکر کیا اور ایسی ولی صادق سید محمد گیسودراز نے ایک ملفوظ میں کہا ہے اور طبری نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا کہ مہدی نوسو پانچ پر ظاہر ہوں گے اور اس ذات کا ظہور بھی اسی تاریخ پر ہوا انتہیٰ

مولف صاحب ہدیہ نے بزعم خود اس کو دلائل اثبات مذہب میں پانچویں دلیل قرار دے لیا ہے اور اس پر چند اعتراض بھی وارد کر لئے ہیں جو "بنائے فاسد علی الفاسد" کا مصداق ہیں کیونکہ اس کو دلیل مذہب سمجھنا خود غلط ہے اور پھر اس غلط مفروضہ پر اعتراضات قائم کر لینا غلط در غلط ہے ۔ ان اعتراضات پر بحث کرنے سے پہلے چند امور ناظرین کرام کے لئے قابل غور و ملاحظہ ہیں ۔

اولاً یہ کہ ابوداؤد کی اس حدیث ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی راس کل مائۃ سنۃ من یجد دلھا دینھا کے متعلق محدثین کے اصول کے مطابق اسکی

صحت وضعف سے بحث کرنیکی ضرورت ہے۔ پس بتقدیر صحت یہ خبر واحد ہے اور دوسری اخبار آحاد کا جو حکم ہے یہ خبر واحد بھی اسی حکم میں داخل ہے۔

ثانیاً۔ یہ حدیث خبر واحد ہونے کے باوجود اس سے مجددین کا ہونا ثابت ہوتا ہے جو متعدد ہوں گے اور ہر زمانہ میں ہوتے رہیں گے امام مہدی علیہ السلام کا اس میں کوئی ذکر نہیں ہے۔ ایسا ہی امام مہدی علیہ السلام سے متعلق جو کثیر التعداد حدیثیں وارد ہیں اور جو تواتر معنوی کی حد تک پہنچی ہوی ہیں ان میں مجددین کا کوئی ذکر نہیں ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ امام مہدئ موعود علیہ السلام سے مجددین کو کوئی تعلق نہیں ہے۔

ثالثاً۔ ذرا غور و تعمق کی نظر سے مجدد اور امام مہدی علیہ السلام میں جو بیّن فرق ہے اس کو دیکھا جائے تو یہ مسئلہ اور زیادہ واضح ہوجاتا ہے۔

(۱)۔ باتفاق اہل سنت و اہل تشیع امام مہدی علیہ السلام کی ذات معصوم عن الخطا ہے اور مجدد کے لئے معصوم عن الخطا ہونا ضروری نہیں ہے۔ چنانچہ جن لوگوں نے جن بزرگوں کو مجدد مانا ہے ان میں سے کوئی بھی مجدد کے معصوم ہونے کا قائل و معتقد نہیں ہے۔

(۲) احادیث میں امام مہدی علیہ السلام کے خلیفۃ اللہ اور رسول اللہ علیہ وسلم کے تابع تام ہونے کی صراحت آئی ہے لیکن کوئی مجدد خلیفۃ اللہ یا تابع تام رسول اللہ ہونا کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے اور اسی لئے کوئی خلیفۃ اللہ ہونے کا اعتقاد نہیں تھا۔

(۳)۔ اہل سنت کے نزدیک امام مہدئ موعود علیہ السلام کی ذات اقدس خلیفۃ اللہ اور مُنْهم مِنَ اللّٰه اور معصوم ہونے کے اعتبار سے مجتہدین سے بھی اعلیٰ مرتبہ رکھتی ہے اور مجدد کا یہ مرتبہ نہیں ہے۔

(۴)۔ امام مہدی علیہ السلام کی ذات محققین صوفیا کرام کے نزدیک احادیث خاتم دین یعنی خاتم ولایت محمدیہ اور خاتم الاولیا ہے مجددین کو یہ منصب حاصل نہیں ہے۔

(۵)۔ امام مہدی علیہ السلام کا وجود باوجود احادیث شریفہ کی مندرجہ تاکیدات اکیدہ کے نظر کرتے اشراط و علاماتِ قیامت اور ضروریاتِ دین سے ہے لیکن

کسی بھی مجدد کا وجود ضروریات دین سے نہیں ہے ۔

(۶)۔ امام مہدی علیہ السلام پر ایمان لانا ضروری اور آپ کا انکار کفر ہے مگر کسی مجدد کا ماننا یا اس کی تصدیق کرنا ضروری نہیں اور نہ اس کے انکار کرنے والے پر کوئی حکم عائد ہو سکتا ہے ۔

(۷)۔ احادیث میں مجدد کے لئے کوئی خاص معیار قابلیت یا خصوصیات نہیں ہیں ہر مجتہد و ہر عالم و ہر مصلح اپنے زمانہ کا مجدد ہو سکتا ہے۔ مجدد کے لئے اپنے مجدد ہونے کا دعویٰ کرنا بھی شرط نہیں ہے جن بزرگوں کو مجدد مانا گیا ہے ان میں سے بہت کم بزرگوں نے خود اپنے مجدد ہونے کا دعویٰ کیا ہے بلکہ دوسرے لوگوں نے اپنی رائے و قیاس کی بنا پر اُن کو مجدد قرار دے لیا ہے۔ چنانچہ السراج المنیر شرح جامع الصغیر میں اسی حدیث مبحوث عنہ کی شرح میں لکھا ہے۔

قال ابن کثیر وقد ادعیٰ کل قوم فی امامهم انه المراد بذلك والظاهر حمله علی العلماء من کل طائفة وقال العلقمی معنی التجدید احیاء ما اندرس من العمل بالکتاب والسنة والامر بمقتضاهما واعلم ان المجدد انما هو بغلبة الظن بقرائن احواله والانتفاع بعلمه ۔

ابن کثیر نے کہا ہے کہ ہر جماعت نے اپنے امام کے متعلق دعویٰ کیا ہے کہ مجدد سے وہی مراد ہے اور ظاہر ہے کہ ہر جماعت کے علما پر مجدد کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ علقمی نے کہا ہے کہ تجدید سے مراد کتاب و سنت پر جو عمل مٹ گیا ہو اس کو تازہ کرنا اور ان کے موافق حکم دینا ہے یہ معلوم رکھو کہ مجدد کا اطلاق اس کے علم سے منتفع ہونے کے لحاظ سے ظن غالب پر مبنی ہے ۔

یہی وجہ ہے کہ ایک ہی زمانہ میں اور ایک ہی مقام پر ایک سے زیادہ اشخاص کو مجدد قرار دیا جا سکتا ہے ۔

اس کے مقابل امام مہدیٔ موعود علیہ السلام کی شان و عظمت اس سے ارفع و اعلیٰ ہے باتفاق اکابرینِ اہلِ سنت و اہلِ تشیع مہدیت کا مفہوم مجددیت کی طرح متعدد نہیں ہے بلکہ مہدیٔ موعود ایک ہی ذات اقدس ہے جس کے فضائل و خصوصیات احادیث میں مفصل اور صاف طور پر بیان ہوئی ہیں۔ محققین کے نزدیک منصبِ مہدیت

کسی نہیں بلکہ وہی ہے اللہ تعالیٰ نے جس کو چاہا یہ منصب عطا فرماتا ہے اور امام مہدیٔ موعود علیہ السلام کا دعویٰ مہدیت کرنا شرط ہے لوگوں کی رائے وقیاس یا گمان غالب کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے کیونکہ وہ محض اپنے قیاس وگمان کی بنا پر کسی کو بغیر دعویٰ کے مہدی فرض کر نہیں سکتے ہیں۔

غرض یہ اور ان کے علاوہ اور کئی وجوہ ہیں جن سے مجدد کو امام مہدی علیہ السلام کے ساتھ کوئی نسبت نہیں این السہا من الثریا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ حدیث ثبوت مہدیت کی مستقل دلائل سے نہیں ہے۔ جناب مولف" سراج الابصار" رحمتہ اللہ علیہ نے بھی نفس حدیث سے نہیں بلکہ اس حدیث کے بعض شارحین کے اُن اقوال کو سنداً پیش کیا ہے جنہوں نے دسویں صدی میں امام مہدی علیہ السلام کا ظہور ہونا بیان کیا ہے پس مولف ہدیہ کا یہ بیان صحیح نہیں ہے کہ " میاں عبدالملک" (مولف سراج الابصار) اس حدیث کو اپنی دلیل ٹھہراتے ہیں "۔

رابعاً۔ جناب مولف سراج الابصار رحمتہ اللہ علیہ نے جن بزرگوں کے اقوال سنداً پیش کئے ہیں اور جن پر مولف ہدیہ کو بعض اعتراضات ہیں اُن کے متعلق نکتہ سنج ناظرین کو یہ بات یاد رکھنا چاہئے کہ عام طور پر تمام اہل (مذہب) کی عادت ہے کہ حقیقی دلائل مذہب کے ساتھ ایسے امور بھی ذکر کئے جاتے ہیں جو اصل دلائل یا بنائے دعویٰ نہیں بلکہ اُس کے مویدات سے ہوتے ہیں۔ انہی مویدات میں ایسے لوگوں کے اقوال بھی شامل ہوتے ہیں جو کسی فن کے واقف یا خصم کے نزدیک قابل احترام ہوں۔ اس کی واضح مثال یہ ہے کہ حضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت بعض راہبوں کاہنوں یا دوسرے غیر مسلم مشاہیر نے جو کچھ کہا ہے اُن کے اقوال کو علمائے اسلام سنداً پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ اقوال وواقعات صرف اسلامی مورخین واہل سیر ہی نے بیان کئے ہیں اور ان کی تصحیح النقل کہ ان راہبوں وغیرہ نے ایسا کہا بھی تھا کسی اور ذرائع سے نہیں کی گئی ہے۔ لیکن اِن اقوال کے پیش کرنے کا یہ معنیٰ نہیں ہوتا کہ ان پر اثبات نبوت ورسالت موقوف ہے کہ اگر ان اقوال کی تصحیح النقل نہ ہو سکے یا یہ اقوال غلط ہی ثابت ہو جائیں تو معاذ اللہ پیغمبر اسلام (ارواحنا فداہ) کی نبوت ورسالت کے صحیح ہونے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش ہو سکے گی۔

اِن اقوال کی بھی جو بعض مولفین مہدویہ نے اپنی تالیفات میں پیش کئے ہیں ٹھیک یہی صورت ہے ۔ یہ مستقل یا حقیقی دلائل نہیں ہیں اور نہ وہ صحت مذہب کے مدار و موقوف علیہ ہیں کہ ان کی تصحیح النقل نہ ہونے یا ان کے غلط ہونے سے مذہب مہدویہ پر کوئی اثر پڑنے کا گمان تک ہوسکتا ہے ۔

خامساً ۔ مولف صاحب ہدیہ نے اکثر و بیشتر یہی غلطی کی ہے کہ کسی بھی مہدوی مولف کی ذاتی رائے و قیاس کو تمام اہل مذہب کی رائے یا اصل مذہب و بنائے مذہب سمجھ لیا اور اس رائے کی غلطی کو تمام مہدویہ کی غلطی قرار دے لیا ہے چنانچہ اسی کے ضمن میں انھوں نے یہ غلط نتیجہ نکالا اور یہ بدگوئی کی ہے کہ

مہدویہ کے خزانہ میں جھوٹ کی کچھ کمی نہیں اور طوفان کذب و افترا کا ان کی کتابوں میں موج زن ہے ۔ (ہدیہ صفحہ ۶۶) ۔

حالانکہ جن مولفین نے جو اقوال پیش کئے ہیں اگر ان کا غلط ہونا فرض بھی کرلیا جائے تو یہ انھی مولفین کے استدلال کی کمزوری یا رائے و اجتہاد کی غلطی ہوگی اس سے تمام اہلِ مذہب پر کوئی الزام عائد نہیں ہوسکتا اور نہ اصلِ دعوی پر کوئی اثر مترتب ہوسکتا ہے چنانچہ خود مولف ہدیہ نے اسی بحث کے ضمن میں حضرت امیرالمومنین علی کرم اللہ وجہہ کے فرزند محمد بن حنفیہ اور حضرت جعفر و ابوقبیل اور خود شیخ جلال الدین سیوطی جیسے جلیل القدر ہستیوں کے اقوال کو اپنے زعم باطل میں غلط ٹھہرایا ہے جنہوں نے ظہور امام مہدی علیہ السلام کا سنہ و سال بیان کیا اور قیامت و علاماتِ قیامت کے ظہور پذیر ہونے کی مدت اپنی رائے و قیاس سے معین کی تھی اور آخر میں امام نوویؒ۔ طبریؒ ۔حضرت گیسو درازؒ کے کشف و اجتہاد میں بھی خطا واقع ہونے کا احتمال ظاہر کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ

غرض کہ جب کہ ایسے ایسے اکابر کرام کو کشف اور اجتہاد میں خطا ہوتی ہے تو حضرت گیسو دراز اور نودی اور طبری سے بشرط صحت نقول کے کیا عجب ہے ۔ الخ (ہدیہ صفحہ ۶۸)

پس ظاہر ہے کہ بقول مولف ہدیہ ان بعض اکابرین کی رائے یا کشف میں غلطی ہوئی ہے تو اس سے تمام اکابرین کو غلط گو قرار دینا کبھی درست نہ ہوگا اور نہ

اس غلطی سے نفسِ قیامت و آثارِ قیامت کا وجود ہی باطل ہو جائے گا اور نہ دینِ اسلام کی صداقت پر کوئی آنچ آسکتی ہے۔ یہی نوعیت مولفین ہدیہ کی ذاتی رائے و قیاس کی ہو سکتی ہے اور مولف ہدیہ کی وہ سب پریشان بیانی جو اس کے متعلق ہوئی ہے لاحاصل و لاطائل ثابت ہو جاتی ہے۔

مولف ہدیہ نے جو دلیل پنجم قرار دی ہے اور اُس پر جو اعتراضات کئے ہیں ان کی حقیقت ان تمہیدی مباحث سے ایک حد تک ظاہر ہو گئی ہے اور ان سے بحث کرنے کی چنداں ضرورت باقی نہیں ہے۔ تاہم ان اعتراضات پر بھی ایک سرسری نظر ڈالنا ہم مناسب سمجھتے ہیں۔

لیکن اس بحث کے ضمن میں مولف صاحب ہدیہ بہت سی غیر ضروری اور غیر متعلق بحثوں میں الجھ گئے ہیں۔ جیسے واقعاتِ قیامت۔ مقدماتِ قیامت کی تفصیلات اور ہر ایک زمانہ کی تخمین و قیاس۔ دجال کے واقعات۔ ریل گاڑی کو دجال کا گدھا بتانا^عہ^۔ تختِ سلیمان علیہ السلام کی پرواز اور آپ کے مقاماتِ سفر یا منازل کا بیان۔ حدیث "النبی علیہ السلام لا یمکث فی قبرہ الف سنۃ" (یعنی نبی علیہ السلام اپنی قبر شریف میں ایک ہزار برس نہیں ٹھہریں گے وغیرہ مضامین جو رسالۃ الکشف (مولف شیخ جلال الدین سیوطی) اور رسالہ بستان الجن وغیرہ کے حوالہ سے لکھے گئے ہیں یا اپنی اٹکل دوڑائی ہے ان کو اصل مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے

عہ۔ مولف صاحب ہدیہ نے مسلم و ترمذی کے حوالہ سے ایک حدیث کا یہ مضمون "ہدیہ" میں لکھا ہے کہ صحابہ رض نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دجال کی نسبت پوچھا کہ "دجال کی تیز رفتاری کس قدر ہوگی فرمایا جیسا کہ ابرِ باراں کہ اس کے پیچھے ہوا ہو دے کہ اس کو چلاوے" الحدیث اس حدیث کی تاویلات باردہ کر کے مولف صاحب ہدیہ نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ "ریل یعنی گاڑی دخانی دجال کا گدھا ہے" علامہ مجیب نے اسی کی طرف یہ اشارہ فرمایا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ مولف ہدیہ کی اٹکل ہے خدا تعالیٰ کی قدرت کو محدود کر دینے کے مرادف ہے مولف صاحب ہدیہ کے زمانہ میں ہوائی جہاز ایجاد نہیں ہوئے تھے اگر آپ ان کو دیکھتے تو عجب نہیں تھا کہ ریل گاڑی کو دجال کا گدھا کہنے سے توبہ کر کے انہی طیاروں کو دجال کا گدھا قرار دے لیتے کیونکہ یہ ریل گاڑی کی بہ نسبت ابر سے زیادہ مشابہ اور ریل سے بہت زیادہ تیز رفتار ہیں۔ ۱۲۔
شہاب بن نصرت غفرلہما۔

بالکہ ۔ طائل طور پر کئی صفحے کالے کئے گئے ہیں ہم اس موقع پر ان سے بحث کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔

اس قسم کے بے تعلق مباحث سے قطع نظر کر کے اصل اعتراضات کو دیکھا جائے تو ان کا خلاصہ یہی ہے کہ

۱۔ جن کتابوں سے دسویں صدی میں ظہور مہدی علیہ السلام ہونا نقل کیا ہے ان کی تصحیح النقل کی جائے۔

۲۔ امور غیبی مثلاً قیامت یعنی امام مہدی علیہ السلام کا ظہور اور خروج دجال و نزول عیسیٰ علیہ السلام کی تاریخ سوائے خدائے تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں اور کسی کی تخمین و قیاس کا ایسے امور غیبی میں اعتبار نہیں۔

۳۔ شواہد الولایت میں حدیث ان اللّٰہ یبعث لھذہ الامۃ الحدیث میں ایک عبارت بڑھا دی اور سید مصطفیٰ صاحب مہدوی نے ایک نئی حدیث ہی بنالی ہے۔

۴۔ لغوی مہدیوں کا بیان اس واہیات سے کیا ہے کہ بعض اولاد فاطمہؑ سے نہیں ہیں اور بعض کو جس صدی کا مجدد قرار دیا گیا ہے اس صدی میں ان کا وجود ہی نہیں تھا۔

۵۔ راس صدی سے مراد آخر صدی ہے اس کا معنی ابتدائے صدی لینا غلط ہے۔

ہم ترتیب وار ان اعتراضات پر ایک تنقیدی نظر ڈالتے ہیں۔ امر اول اس حد تک صحیح ہے کہ تصحیح النقل ناقل کے ذمہ ہوتی ہے لیکن ناقل جب اپنے ماخذ کا حوالہ دیدے تو ناظر پر لازم ہوتا ہے کہ اولاً اسی کتاب کا مطالعہ کرے جس کا ناقل نے حوالہ دیا ہے۔ اگر مضمون منقولہ اس میں نہ پائے تو اس صورت میں تصحیح النقل کا مطالبہ درست ہو سکتا ہے، لیکن مولف صاحب ہدیہ نے ایسا نہیں کیا ہے۔ "سراج الابصار" میں تاریخ طبری" کا حوالہ دیا گیا ہے اور آپ" تاریخ ابن اثیر" میں یہ مضمون نہ ہونا بیان کرتے ہیں اور حجت یہ پیش کی ہے کہ تاریخ ابن اثیر کا اصل اور ماخذ تاریخ طبری ہی ہے۔ لیکن یہ حجت صحیح نہیں کیونکہ تاریخ ابن اثیر تاریخ طبری سے ماخوذ بھی ہو تو وہ بعینہ تاریخ طبری نہیں کہلا سکتی خود مولف ہدیہ نے یہ اعتراف بھی کیا ہے کہ تاریخ ابن اثیر میں

اور دوسری تواریخ سے بھی تاریخی مواد اخذ اور اضافہ کیا گیا ہے پھر تاریخ ابن اثیر بعینہٖ تاریخ طبری یقیناً نہیں ہے۔

مولف صاحب ہدیہ نے دوسری غلطی یہ کی ہے کہ تاریخ طبری نادر الوجود ہونا بیان کرکے یہ خیالی اٹکل دوڑائی ہے کہ اصل تاریخ طبری میاں عبدالملک سجاوندی (مولف "سراج الابصار") کو کہاں نصیب ہوئی ہوگی حالانکہ یہ ضروری نہیں ہے کہ کوئی کتاب اب کسی کو نہیں مل رہی ہے تو اس سے پہلے بھی کسی کو نہ ملی ہو۔ کیونکہ بہت سی کتابیں پہلے متداول اور رائج تھیں اور اب کمیاب و نایاب ہوگئی ہیں یا پہلے کمیاب و نایاب تھیں اور اب دستیاب ہو رہی ہیں۔

اگر کتاب کا حوالہ دینا یا ماخذ کا نام بتا دینا کافی نہ سمجھا جائے تو یہی اعتراض تمام متقدمین و متاخرین پر جنہوں نے صرف حوالۂ کتاب پر اکتفا کیا ہے اور خود مولف ہدیہ پر بدرجۂ اولیٰ وارد ہوتا ہے کیونکہ انہوں نے تو بیشمار مضامین "ہدیہ" میں ایسے لکھے ہیں جن کا ماخذ تک نہیں بتایا ہے کہ یہ مضمون کس کتاب سے لیا گیا ہے یا کہیں بتایا بھی ہے تو کتاب کا صرف نام بتا دیا ہے۔ پس یہ سب بھی تصحیح النقل کے لئے کافی نہ ہونا چاہیئے چنانچہ اسی بحث کے ضمن میں تاریخ ابن کثیر۔ رسالۃ الکشف۔ بستان الجن مسلم۔ ترمذی۔ سراج الابصار۔ رسالہ مولفۂ سید مصطفیٰ صاحب مہدوی۔ اور ان کے علاوہ جن جن کتابوں کے مولف ہدیہ نے صرف حوالے دے ہیں ان سب کے متعلق یہی بے اعتمادی ہوسکتی ہے اور جب تک بقول آپ کے یہ نہ بتایا جائے کہ سراج الابصار میں کہاں لکھا ہے اور سید مصطفیٰ صاحب نے کس جا اور کس موقع پر بیان کیا ہے آپ کے اعتراضات ہی قابل توجہ نہیں ٹھہریں گے۔

رہی اصل بحث کہ بعض متقدمین نے یہ تجویز کی ہے کہ دسویں صدی [illegible] کا مہدی علیہ السلام کا ظہور ہوگا اس کے متعلق بعض بزرگان مہدویہ نے [illegible] حوالہ دیا ہے ان میں سے بعض کتابیں اس وقت کمیاب و نایاب [illegible] ہوں اس کی تصحیح النقل ہوسکتی ہے۔ لیکن صرف انہی کتابوں پر موقوف نہیں اور کتابوں میں بھی جو اس وقت نایاب نہیں ہیں اسی قسم کی تخمین اور قیاسات پائے جاتے ہیں چنانچہ یہ بحث کئی طریقوں سے ہوسکتی ہے۔

شیخ جلال الدین سیوطی نے جامع صغیر میں یہ حدیث روایت کی ہے کہ

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم الدنیا سبعة آلاف سنة انا فی آخرھا الفاً۔	نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دنیا کی عمر سات ہزار برس ہے اور میں اس کے آخری ہزار میں ہوں۔

طبرانی کی اس حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جو انھوں نے جامع کبیر میں ضحاک بن زمل جہنی سے روایت کی ہے کہ انھوں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں نے خواب میں آپ کو سات زینوں والے منبر کے اعلیٰ درجہ میں دیکھا ہے۔ حضرت نے اس خواب کی تعبیر یہ فرمائی کہ دنیا کی عمر سات ہزار برس کی ہے اور میں پچھلے ہزار میں ہوں۔ صاحب تاریخ بیت المقدس اور صاحب تقویم التواریخ کی تحقیق یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہبوط آدم علیہ السلام سے چھ ہزار ایک سو تریسٹھ سال کے بعد ہوئی ہے۔ یہ سب مضمون تو خود مولف صاحب ہدیہ نے "ہدیہ" میں لکھا ہے اور ان کے مسلمات سے ہے۔ صاحب تفسیر تاویلات کا قول ہے کہ اسی ساتویں ہزار میں مہدی علیہ السلام کا ظہور ہے۔

شکر اللہ بن شہاب الدین نے بہجۃ التواریخ میں لکھا ہے کہ

در ہزار ہفتم کہ قمر است و زمین قیامت است محمد رسول اللہ را فرستادو دریں ہزار در ہر صد سال سال خلیفہ و عالمی آشکار خواہد شد در صدی اول عمر بن عبد العزیز کہ از جملہ اقطاب است (تا آں قول) در صدی نہم آل رسول قرۃ العین بتول محمد بن عبد اللہ المہدی بظہور خواہد آمد۔

شیخ عبد الحق دہلوی نے مشکوٰۃ کی فارسی شرح میں باب قرب الساعۃ میں شیخ جلال الدین سیوطی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ بعض علمائے وقت نے اس بات پر فتویٰ دیا ہے کہ دسویں صدی میں امام مہدیؑ وغیرہ علامات قیامت کا ظہور ہوگا۔ خود مولف صاحب ہدیہ نے شیخ جلال الدین سیوطی کے رسالہ الکشف کے حوالہ سے یہی بیان کیا ہے اور یہ بھی کہ وہ فتویٰ دینے والے بزرگ ایسے تھے

جنکی تردید کرنا خود سیوطی خلاف ادب اور مکروہ سمجھتے تھے۔

غرض اس طرح کے تخمین و قیاسات کئی علمائے سلف سے منقول ہیں۔ جنہوں نے آثار و اخبار یا کشف کی بنا پر یہ بیان کیا ہے لیکن مولف ہدیہ نے ان سب کی تغلیط کی ہے اور یہ نہیں غور کیا کہ ظہور امام مہدئ موعود علیہ السلام کی حد تک ان اقوال میں سے بعض صحیح ثابت ہوتے ہیں البتہ اُن علما سے سہوِ نظری یہ ہوئی ہے کہ انھوں نے ظہورِ مہدئ موعود علیہ السلام کے ساتھ ہی ساتھ دوسری علاماتِ قیامت کا ظہور ہونا بھی بیان کر دیا ہے اور مولفِ ہدیہ بھی غلط قیاسات قایم کرکے اسی غلطی کے مرتکب ہوے ہیں کہ مہدئ موعود علیہ السلام کے ظہور کے ساتھ ہی خروج دجال ونزول عیسیٰ علیہ السلام وغیرہ کو علی التسلسل سمجھ لیا ہے حالانکہ ظہورِ مہدی موعود علیہ السلام قیامت کے اشراط صغریٰ سے ہے جن کا قیامت سے قبل ظہور ہونا تو ضرور ہے لیکن قیامت سے متصل یا قریب قیامت ظاہر ہونا ضروری نہیں ہے۔ اور خروج دجال ونزولِ عیسیٰ قیامت کے اشراط کبریٰ[ع۵] میں ہیں جن کا قبل قیامت اور قرب قیامت وقوع میں آنا ضروری ہے۔

ع۵۔ دینی لحاظ سے قیامت سے پہلے یا قیامت کے وقت جن امور کے واقع ہونے کی ضرورت اور تاکید وارد ہوئی ہے ان کو اشراط قیامت یا علاماتِ قیامت کہتے ہیں۔ تمام اشراطِ قیامت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک اشراطِ کبریٰ دوسری اشراط صغریٰ۔ اشراطِ کبریٰ وہ جن کا قریبِ قیامت واقع ہونا مروی ہے اور اُن کی تعداد اکثر احادیث میں دس بتائی گئی ہے جیسے آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا۔ خروج دجال۔ نزولِ عیسیٰؑ وغیرہ۔

اشراطِ صغریٰ وہ ہیں جن کا قبل قیامت ظہور ہونا تو ضروری ہے مگر قریب قیامت ہونا ضروری نہیں ہے ان کی تعداد زیادہ ہے۔ اشراطِ صغریٰ میں اسی معنی کے اعتبار سے حضرت خاتم الانبیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت بھی ہے چنانچہ اس آیت میں جو اشراطِ قیامت کا ذکر آیا ہے ان سے حضرت کی ذات اقدس ہی مراد ہے " فھل ینظرون الا الساعۃ ان تاتیھم بغتۃ فقد جاء اشراطھا (جز ۲۶۔ رکوع ۶۔ سورۂ محمدؐ) کیا وہ قیامت ہی کو دیکھ رہے ہیں کہ اچانک ان پر آجائے قیامت کی اشراط تو آچکی ہیں۔ تفسیر معالم التنزیل میں اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے ای اماراتھا وعلاماتھا واحدھا شرط وکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اشراطھا یعنی اشراط جمع ہے اس کا واحد شرط ہے۔

حدیث کیف[عہ] تہلک امۃ انا اولھا والمھدی وسطھا والمسیح آخرھا ۔الحدیث (مشکوٰۃ ۔ باب ثواب ھذہ الامۃ) اس پر صاف دلالت کرتی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور امام مہدی علیہ السلام میں جس قدر فصل زمانی ہے ظہورِ امام مہدی علیہ السلام اور نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کے مابین بھی ویسا ہی فصل ہونا چاہیئے ۔ اور چونکہ عیسیٰ علیہ السلام کا نزول قریبِ قیامت ہونا بالاتفاق مسلم ہے اس سے ثابت ہے کہ ظہورِ مہدی علیہ السلام اور قیامت کے مابین بھی فصل ہے ۔ اس کے علاوہ بھی کئی دلائل ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مہدی علیہ السلام کا

بقیہ حاشیہ ص ۱۵۱ ۔ ان سے قیامت کی نشانیاں اور علامات مراد ہیں نبی صلعم بھی اشراط قیامت سے ہیں سہل بن سعد سے روایت ہے کہ رایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال باصبعیہ ھکذا بالوسطیٰ والتی تلی الابہام بعثت انا والساعۃ کھاتین (معالم التنزیل) یعنی سہل بن سعد کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلعم کو دیکھا کہ اپنی دو انگلیوں یعنی درمیانی اور نر انگشت سے متصل انگلی سے اشارہ کرکے فرمایا کہ میں اور قیامت اس طرح مبعوث ہوئے ہیں ۔پس آنحضرت صلعم کی ذات قیامت کی اشراط سے ہونیکے باوجود آپ کا ظہور قیامت سے بہت پہلے ہو لہٰذا اشراطِ صغریٰ سے ہونیکا یہی مطلب ہے ۔

ایسا ہی امام مہدی علیہ السلام کی ذات قیامت کی اشراط صغریٰ میں ہے کیونکہ کسی حدیث میں بھی اُن دس علامتوں میں امام مہدی علیہ السلام کا ذکر نہیں ہے جو قیامت کے قریب ظاہر ہونے والی ہیں اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کا وجود اشراط صغریٰ میں ہے ۔ علامہ مجیب نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور اجتماع امام مہدی و عیسیٰ علیہما السلام کی بحث کے تحت اس کی زیادہ تفصیل فرمائی ہے ۔۱۲ شہاب بن نصرت غفرلہما ۔

عہ ۔ اس حدیث کا ترجمہ یہ ہے "وہ امت کیسے ہلاک ہوگی جس کے اول میں ہوں ۔ درمیان میں مہدی اور آخر میں مسیح ہیں" ۔ یہ حدیث مشکوٰۃ میں "عن جعفر عن ابیہ عن جدہ" مروی ہوی ہے کنز العمال جلد (۸) میں بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ایک طویل خطبہ بروایت یحییٰ بن عبداللہ بن الحسن عن ابیہ درج ہے جس میں بہت سے امور و مسائل کے متعلق جناب مرتضوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے یہ فرمایا ہے اسی خطبہ میں ہے" یا علی کیف تہلک امۃ انا اولھا ومھدیھا اوسطھا والمسیح ابن مریم آخرھا ان کے علاوہ طبرانی کبیر میں ابن عباس سے اور دوسرے محدثین نے بھی

بالکل قریب قیامت معبوث ہونا یا مہدی علیہ السلام و عیسیٰ علیہ السلام کا ایک ہی زمانہ میں ہونا صحیح نہیں ہے چنانچہ اس کی تفصیلی بحث اُس کے موقع پر کی گئی ہے۔

حاصل کلام جن علمانے صدی نہم و صدی دہم میں ظہور مہدی علیہ السلام کی خبر دی ہے وہ اس وجہ سے صحیح ثابت ہوئی کہ سنہ ۹۰۵ھ میں مہدیؑ نے دعویٰ موکد فرمایا ان کی قرار داد مخبر عنہ کے ظہور سے مطابق ہو جائے تو اس مطابقت کی وجہ سے وہ اخبار مفید یقین ہوگئے۔ جس طرح حضرت پیغمبر اسلام (ارواحنا فداہ) کی بعثت سے پہلے جن راہبوں یا علمائے اہل کتاب یا کاہنوں وغیرہ نے حضرت کے ظہور کی خبریں دی تھیں وہ سب ظنی تھیں مگر جن کا قول حضرت کی ولادت باسعادت یا ظہور و بعثت یا حالات سے مطابق واقع ہوا وہ مفید یقین ہوگیا۔ اور جو مطابق نہ ہوا وہ غلط ٹھیرا۔ اسی وجہ سے ان موافق اقوال و اخبار کو علمائے اسلام نے کتب سیر میں سنداً پیش کیا ہے۔

ظہور مہدی موعود علیہ السلام سے متعلقہ اقوال کی بھی یہی صورت ہے کہ صدی نہم میں ظہور ہونے کے اقوال حضرت امامنا مہدی موعود علیہ السلام کی ولادت اور ابتدائی دعوئ مہدیت سے اور صدی دہم کے اقوال حضرت کے دعوئ موکد سے ٹھیک مطابق ہونے کی وجہ سے وہ صحیح ثابت ہوئے ہیں اسی لئے علمائے مہدویہ نے ان اقوال کو سنداً پیش کیا ہے۔

بعض اشعار یا جملوں یا الفاظ سے بحساب جمل سن و سال کا استخراج بھی اسی طرح کی تخمین و قیاس آرائی ہے اُن میں سے جو واقعہ کے مطابق ہو جائے وہ صحیح ورنہ غلط ہے۔ وہ کوئی قطعی حجت یا اصل واقعہ کے مدار و موقوف علیہ نہیں ہیں جنکی صحت و عدم صحت سے بحث کرنا ضروری سمجھا جائے۔

اس تحقیق سے امر دوم یعنی امور غیبی کا قطعی علم بذاتہ اللہ تعالیٰ ہی کو حاصل ہونا بھی بڑی حد تک حل ہوگیا ہے۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ ظہور قیامت یا علامات

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۲ ۔ باختلاف الفاظ اس کی روایت کی ہے گو سب روایتوں کا ماحصل ایک ہی ہے ۱۲
شہاب بن نصرت غفرلہما۔

قیامت کی صحیح تاریخ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ بلکہ مغیبات کے سن وسال وتاریخ بیان کرنے کی سُنّتُ اللہ جاری نہیں ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت سرورکائنات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی نسبت جن انبیائے سابقین نے اخبارِ مغیب دے ہیں، اُن میں حضرت کے ظہور کا سن وسال یا معیّن تاریخ کہیں نہیں بیان کیگئی ہے۔ اسی طرح قرآن شریف میں جو اخبارِ مغیب مذکور ہیں یا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں بعد میں ہونے والے واقعات وحالات کے متعلق جو بہت سے اخبارِ مغیب یا پیشین گوئیاں درج ہیں اُن کے ظہور کی تاریخ کا تعین بہت کم پایا جاتا ہے۔ ایسا ہی ظہورِ صاحب الزمان امام مہدئ موعود علیہ السلام کی صحیح تاریخ وسن وسال کا تعین اسی سنۃ اللہ کے مطابق کسی حدیث میں جو مفید قطع ویقین ہو نہیں دیکھا جاتا۔ تفسیر تاویلات میں سورۂ کہف میں لکھا ہے۔

المحققون المصیبون هم الذین یکلون علمه علی الله کالذین قالوا ربکم اعلم بما لبثتم ولهذا لم یعین رسول الله صلعم وقت ظهور المهدی علیه السلام وقال کذب الوقاتون

صائب رائے رکھنے والے محققین وہی ہیں جو اس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہونے کا بھروسہ رکھتے ہیں جیسے اصحاب کہف کا یہ قول کہ "تم کس قدر زمانہ یہاں ٹھہرے رہے ہو اس کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے"۔ اسی لئے رسول اللہ صلعم نے ظہور مہدی علیہ السلام کا وقت معین نہیں فرمایا اور یہ کہا کہ وقت مقرر کرنے والے جھوٹے ہیں۔

علمائے محققین مثلاً امام بیہقی۔ علامہ تفتازانی وغیرہ نے اسی لئے ظہور مہدئ موعود علیہ السلام کی نسبت یہ قرار دیا ہے کہ

یبعثه الله متیٰ شاء"

اللہ تعالیٰ جب چاہے گا مہدی علیہ السلام کو مبعوث کرے گا۔

اب غور طلب یہ ہے کہ "متیٰ شاء" کا مفہوم عام اور مطلق ہے اور مہدئ ... ہم اس مفہوم عام سے کسی طرح خارج ومستثنیٰ نہیں ہے۔ پھر مولف صاحب ہدیہ نے ... نہیں ظہور امام علیہ السلام کا شد ومد کے ساتھ جو انکار کیا ہے وہ محض مہمل ہے

کیونکہ کسی روایت ظنیہ سے بھی یہ ثابت نہیں ہے کہ ظہور مہدی علیہ [redacted] مہدی دہم میں نہ ہوگا جو اس کے منکرین کے لئے انکار کی گنجائش ہو سکے ۔

شواہد الولایت میں حدیث کے آخر میں وفی المائۃ العاشرۃ لا یکون سوی المہدی کی عبارت بڑھا دینے کا جو اعتراض کیا گیا ہے ۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ جناب مصنف شواہد الولایت نے ذاتی قیاس و اجتہاد کے طور پر ان مخصوص صفات و فضائل کو ملحوظ رکھکر جو امام مہدی علیہ السلام سے خاص یا آپ کی شان میں وارد ہیں امامنا مہدی موعود علیہ السلام کے چند اسمائے صفات بیان کئے ہیں جیسے " یبعثہ اللہ نصرۃ لدینہ "[1] کے مفہوم کے لحاظ سے " ناصر دین " ایک اسم لکھا ہے اسی طرح مجدد کے معنی مصطلحہ کے اعتبار سے نہیں بلکہ امام مہدی علیہ السلام کی شان میں یقوم[2] بالدین کما قمت بہ فی اول الزمان ۔ اور " یستانف الدین "[3] وغیرہ مناقب کے حقیقی مفہوم و فحوی کے لحاظ سے مجدد الدین بھی ایک اسم صفت لکھا ہے چونکہ مجدد کے عام مفہوم کی طرف اذہان منتقل ہونے کا احتمال تھا اس لئے باعتبار زمانہ تخصیص کر دی کہ دسویں صدی میں مہدی کے سوا کوئی مجدد نہ ہوگا ۔ مگر جناب مصنف شواہد الولایت نے اس نتیجہ کو عربی عبارت میں ادا کیا ہے تو مولف ہدیہ نے اپنی خوش فہمی سے اس کو حدیث کا جز اور اس میں داخل سمجھکر اضافہ کرنا بیان کر دیا ہے جو ان کی صریح غلط فہمی ہے ۔

مولف صاحب ہدیہ کا یہ اعتراض کہ " بعض مصنفین مہدویہ نے ایک مستقل حدیث سیخرج من امتی مہدی علی راس کل مائۃ سنۃ تسعۃ منہم لغوی والعاشر موعود من امن بہ فقد امن بی ومن کفر بہ فقد کفر بی ۔ بنالی ہے "۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہر سو برس میں ایک مہدی اور نو لغوی مہدی کے الفاظ واقعی کسی صحیح حدیث میں نہیں دیکھے گئے ہیں ۔ لیکن مصنف شواہد الولایت کے

---

[1] ۔ اللہ تعالیٰ مہدی (علیہ السلام) کو دین کی نصرت کیلئے مبعوث کرے گا ۔ ۱۲

[2] ۔ مہدی (علیہ السلام) دین کو ایسا قائم کریں گے جس طرح میں نے اس کو اول زمانہ میں قائم کیا ہے ۔ ۱۲

[3] ۔ مہدی (علیہ السلام) دین کو از سر نو شروع کریں گے ۔ ۱۲

اس حدیث کے متعلق کتاب " طبقات الفقہا " کا حوالہ دیا ہے تو مولف ہدیہ پر لازم تھا کہ وہ اول کتاب مذکور کا مطالعہ کرتے اگر اس کتاب میں یہ حدیث ہے تو زیادہ سے زیادہ ایک غیر صحیح حدیث سے استدلال کرنے کا اعتراض جناب مصنف شواہد الولایت پر عائد ہوتا ہے نہ کہ وضع حدیث کا۔ اور یہ ایسا اعتراض ہوتا جس کے خود مولف ہدیہ ہدف بنے ہوئے ہیں کیونکہ انھوں نے ہدیہ میں بہت سی غیر صحیح احادیث درج کی ہیں اور ان سے استدلال کیا ہے۔

اور اگر یہ حدیث " طبقات الفقہا " میں نہ ہوتی تو اس صورت میں یہ زبان طعن دراز کرتے ۔" طبقات الفقہا " کو دیکھے بغیر بے محابا حدیث بنا لینے کا اعتراض کر دینا بے جا ہے۔ اور پھر تمام مہدویہ کو اس الزام میں لپیٹ لینا تو اور بھی سراسر بےجا ہے اس لئے کہ اگر کسی مہدوی مصنف نے فرضاً و تقدیراً کوئی غیر صحیح حدیث اپنی کتاب میں درج کر لی ہے تو یہ خاص انھی کی غلطی ہوگی نہ کہ تمام مہدویہ کی۔ اور اگر یہی اصول صحیح ہے کہ کسی شخص خاص کی غلطی سے اس کے تمام ہم قوم و ہم مسلک اس الزام میں لپیٹے جا سکتے ہیں تو پھر جن محدثین اور اہل سنت نے ایک نہیں دو نہیں بلکہ ہزاروں لاکھوں غلط حدیثیں بنا لیں یا وضع کر لی ہیں اور اپنی کتابوں میں انھیں درج کیا ہے اُن کی اس غلطی کی وجہ سے تمام محدثین یا تمام اہل سنت کو جن میں مولف ہدیہ بھی شامل ہیں وضاع حدیث قرار دینا ہوگا جو ہرگز صحیح نہیں ہے۔

بعض متاخرین مہدویہ نے اس حدیث کی نسبت جو ابو داود و ترمذی کی طرف لگا دی ہے ممکن ہے کہ یہ کاتبین کا سہو و نسیان ہو یا خود قائل کا عدم تدبر والعلم عند اللہ۔

جناب سید مصطفیٰ صاحب کے نو لغوی مہدی بیان کرنے پر جو اعتراضات کئے گئے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ

"ان بزرگوں کا دعوئ مہدیت کرنا کہاں سے معلوم ہوا "

" دوسرے یہ بھی نہ سمجھا کہ بعض ان میں سے اولاد فاطمہ سے نہیں ہیں جیسے حسن بصری وغیرہ ۔

" تیسرے یہ کہ بعض صدی کا ایسوں کو مہدی ٹھہرایا کہ ان کا وجود اس صدی میں نہ تھا "

جناب سید مصطفی صاحب مہدوی نے صرف دوسروں کا کلام نقل کرنیکی حدتک اپنی ذمہ داری پوری کی ہے مگر مولف ہدیہ نے اس کے سمجھنے میں اپنی فراست کی داد دی ہے۔ ان بزرگوں کا دعویٔ مہدیت کرنا اسی طرح معلوم ہوا ہے جسطرح ان مدعیانِ نبوت کے نام اوراُن کا دعویٔ نبوت کرنا ہم کو معلوم ہوا ہے جن میں سے بعض نے حضرت سرور کائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی میں اور بعض نے حضرت کی وفات کے بعد دعوئی نبوت کیا ہے۔ تاریخ وسیر کی وہ کتابیں ان معلومات کا ذریعہ ہیں جن میں ان جھوٹے دعویداروں کے نام اور واقعات درج ہیں عہ۔

ایسا ہی جن بزرگوں نے دعوی مہدیت کیا اور بعد میں اُس دعوی سے رجوع فرمایا اُن کا علم کتب تاریخ وتذکرہ وسوانح سے ہوا اور ہو سکتا ہے۔ اُن کتابوں کے علاوہ جو جناب سید مصطفیٰ صاحب کا ماخذ ہیں مدعیان مہدیت کی تعداد اور دعوئی مہدیت کرنے کی روایتیں کسی قدر فرق وتفاوت کیسا تھ راقم الحروف کی نظر سے بھی گزری ہیں چنانچہ "منہاج العرفا" میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز کے سوا باقی نام وہی لکھے ہیں۔ لیکن اس پر مدار کار ہی نہیں ہے تو ان ناموں کے گننے اوران کے ثابت کرنے کی کیا حاجت ہے۔

بعض مدعیانِ مہدیت کے فاطمی نہ ہونے کا اعتراض بھی معترض کی خوبیٔ فہم پر دلالت کرتا ہے کہ انھوں نے یہ الزام سید مصطفیٰ صاحب مہدوی پر عاید کیا ہے

عہ۔ اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت سرور کائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخر حیات میں اور بعد وفات قریبی زمانہ ہی میں جن لوگوں نے دعوئی نبوت کیا ان میں مسیلمۃ الکذاب۔ اسود عنسی طلیحہ بن خویلد اور سجاح بنت الحارث نامی ایک عورت زیادہ مشہور ہیں جنہوں نے اپنے نبی ہونے اور خود پر وحی نازل ہونے کا دعویٰ کیا اور قرآن شریف کے جواب پر بعض آیتیں تراش لیں اور بہت سے لوگ اُن کے پیرو بھی ہوگئے اور آخر یہ مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے یا گرفتار ہوے (مدارج النبوہ وغیرہ) ان کے علاوہ بھی بعد کے زمانہ میں کئی لوگ مدعیانِ نبوت گزرے ہیں جو اِن کے سوا ہیں اور اُن کی تعداد اِن سے زیادہ ہے۔ ۱۲

حالانکہ آپ صرف اس بات کے ناقل ہیں کہ فلاں بزرگ سے یہ واقعہ یا دعویٰ سرزد ہوا ہے۔ ناقل پر ان کے حسب و نسب اور فاطمیت و غیر فاطمیت کی تحقیق یا دعویٰ کی صحت سے بحث کرنے کی ذمہ داری نہیں ہوتی۔ یہ اعتراض اصل مدعی پر عود کرتا ہے۔ مولف ہدیہ کو ان بزرگوں سے پوچھنا چاہئیے کہ آپ نے فاطمی نہ ہونے کے باوجود مہدیت کا دعویٰ کس طرح کیا؟ اور اُن بزرگوں کی طرف سے اس اعتراض کا جواب ہم یہ دیتے ہیں کہ اُن سے حالتِ سُکر و مغلوبیت میں دعویٰ مہدیت سرزد ہوا تھا مگر جب اس حالت سے افاقہ ہوا اور اصلی حالت عود کرائی تو خود میں شرائطِ مہدیت مفقود پائے اسی لئے اُس دعوی سے رجوع کرلیا پس دعوی سے رجوع کرنے کے جو اسباب اُن کے پیش نظر ہوئے اُن کے منجملہ بعض کے لئے ایک سبب یہ بھی تھا کہ وہ فاطمی النسب نہیں تھے اور اسی وجہ سے انھوں نے اس دعویٰ سے رجوع فرمایا۔ چنانچہ اُن بزرگوں کے اِس دعوی سے رجوع کر لینے یا باز آجانے کا سب سے بدیہی ثبوت یہی ہے کہ خود اُن بزرگوں کے متبعین اور پیرو بھی ان کو مہدیٔ موعود نہیں مانتے ہیں اور کوئی بھی اُن کی نسبت مہدیٔ موعود ہونے کا معتقد نہیں ہے۔
دوسرا اعتراض یہ ہے کہ

بعض صدی کا ایسوں کو مہدی ٹہرانا جن کا وجود اس صدی میں نہ تھا"

اس اعتراض میں بھی خود مولف صاحب ہدیہ کے سمجھنے اور بیان کرنے میں غلطی ہوئی ہے جناب سید مصطفیٰ صاحب کے بیان کی غلطی نہیں ہے۔ کیونکہ آپ نے بلا لحاظ ترتیب لغوی مہدیوں کی فقط تعداد بتلائی ہے اس کا حصر نہیں کیا ہے کہ فلاں صدی میں فلاں بزرگ ہی دعوئ مہدیت کئے ہیں چنانچہ ان کی عبارت یہ ہے کہ

اول خواجہ حسن بصریؒ۔ دوم۔ خواجہ جنید بغدادیؒ۔ سوم۔ خواجہ عثمان ہرنیؒ۔
چہارم۔ خواجہ حسن نوریؒ۔ پنجم۔ حسن عبداللہؒ۔ ششم۔ شیخ عیسیٰؒ۔ ہفتم۔
شیخ عبدالقادر گیلانیؒ۔ ہشتم۔ محی الدین ابن عربیؒ۔ نہم۔ سید محمد گیسودرازؒ"

ملاحظہ ہو کہ اس عبارت میں ان بزرگوں کے سنین ولادت اور باعتبار صدی دعوئ مہدیت کی ترتیب کہاں بیان کی گئی ہے جو اس پر متذکرہ اعتراض وارد ہو سکے۔
اب رہی یہ بحث کہ "راس صدی" سے مراد آخر صدی ہے یا ابتدائے صدی

اس ضمن میں مولف ہدیہ نے جو اعتراضات کئے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ

میاں عبدالملک سجاوندی جن کا لقب علماء باللہ ہے ان کی [illegible] فہم
دیکھو کہ حدیث ان اللہ عزوجل یبعث لهذه الامة کو اپنی دلیل
ٹھہراتے ہیں یہ بزرگوار کو اتنا فہم نہیں ہے کہ راس صدی سے انتہائے
صدی مراد ہے اور ان کے پیر تو سو پانچ پر ہوئے پس دسویں صدی کے
راس پر کس طرح مجدد ہوئے۔ اگر معنی راس کا ابتداء سے تسنیم کیا ہو تو قطع
نظر خلاف محاورہ ہونے کے بحسب حدیث تمہارے کہ یخرج مہدی
علی راس کل مائۃ سنۃ الحدیث کے یہ نقصان لازم آتا ہے کہ پہلی صدی
میں مہدئی لغوی جناب رسالت ہوں۔

جبکہ ہر صدی پر ایک مہدی ہونے کے الفاظ کسی صحیح حدیث میں نہیں پائے جاتے اور امام مہدی علیہ السلام کی ذات اقدس کئی وجوہ سے عام مجددین سے ارفع و اعلیٰ ہونے کی جہت سے امام علیہ السلام پر مجدد کا اطلاق صحیح نہیں ہے جس کو اس سے پہلے واضح کیا گیا ہے تو یہ تمام بحث غیر متعلق اور غیرضروری قرار پاتی ہے جس پر بحث کرنے کی چنداں ضرورت ہی نہیں ہے۔ تاہم مولف صاحب ہدیہ سے اس بیان میں بھی جو غلطیاں ہوئی ہیں اُن کو ظاہر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے پس اس کی جوابی تقریر یہ ہے کہ حضرت میاں عبدالملک سجاوندیؒ نے حدیث مجددین سے استدلال نہیں کیا ہے بلکہ اس حدیث کے بعض شارحین نے جو دسویں صدی میں امام مہدی علیہ السلام کا ظہور ہونا بیان کیا ہے کتاب "تنبیہ النحرز" کے حوالہ سے ان کے قول کی طرف اشارہ کیا ہے جیسا کہ اس سے پہلے ہم نے بیان کیا ہے۔

لفظ "راس" محاورۂ عرب میں کئی معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔۔ سر کے لئے متعارف ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں کہ" وامسحوا برؤسکم یعنی تم اپنے سروں کا مسح کرو۔ اسی معنی کے لحاظ سے پہاڑوں اور جھاڑوں کی چوٹیوں کو بھی رؤس الجبال و رؤس الاشجار کہا جاتا ہے۔ مولف صاحب ہدیہ نے یہی مثالیں لکھکر ان سے انتہا کے معنی اخذ کئے ہیں لیکن اس اعتبار سے کہ نظر اول رؤس پر پڑتی ہے اور اسی لحاظ سے ہمارے محاورہ میں "سر سے پاؤں تک" کہا جاتا ہے۔ پاؤں سے سر تک نہیں کہتے ان محاورات سے

ابتدائیت کا پہلو بھی متبادر ہے۔ کبھی "راس" سردار اور رئیس کے لئے کہا جاتا ہے جیسا کہ اس حدیث میں کہ یخرج راس الکفر من قبل المشرق اس سے دجال مراد ہے جو رئیس کفر و ضلالت ہے۔ صراح میں ہے "راس سر۔ و۔ سرور۔ و سردار" کبھی انتہا و اختتام کے معنی میں آتا ہے جیسا کہ ترمذی کی اس حدیث میں ہے کہ علی راس مائۃ سنۃ منہا لا یبقی ممن ھو علی ظھر الارض (یعنی ان لوگوں میں سے جو اس وقت زمین پر موجود ہیں سو سال کے ختم پر کوئی باقی نہیں رہے گا) مولف ہدیہ نے اسی ایک معنی کو لیا ہے اور دوسرے معنوں سے آنکھیں بند کر لی ہیں۔

کبھی کوئی قریب ختم مدت مراد ہوتی ہے۔ شرح عقائد میں لکھا ہے قد استشہد علیؓ علی راس ثلاثین سنۃ من وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے تیس سال پر شہید ہوئے ہیں۔ یہاں "راس ثلاثین سنۃ" سے تیس سال کی قریب ختم مدت مراد ہے اس واسطے کہ مورخین کے بیان کے موافق ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدت خلافت دو سال چھ مہینے چار روز ہے۔ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدت خلافت دس سال چھ مہینے چار روز۔ عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت گیارہ سال گیارہ مہینے تیرہ روز۔ علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی خلافت چار سال نو مہینے آٹھ روز ہے۔ پس حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت تک اُنتیس سال نو مہینے کی مدت ہے پورے تیس سال نہیں ہیں۔

کبھی راس کا معنی ابتدا و اول شئی کا ہوتا ہے چنانچہ محاورہ ہے "اعد علی کلامك من راس" یعنی مجھ پر ابتدا سے اپنی بات کا اعادہ کرو۔ یہ بھی محاورہ ہے کہ "انت علی ریاس امرك او علی راس امرك" یعنی تم اپنے پہلے کام پر ہو دیکھو قاموس۔ صحاح۔ منتہی الارب۔ صراح)

غرض راس کے معنی صرف انتہا ہی کے سمجھنا جیسا کہ مولف صاحب ہدیہ نے سمجھا اور بیان کیا ہے غلط ہے بلکہ راس کے معنی متعدد ہیں اور یہ لفظ اول ابتدا کے لئے بھی متعارف ہے۔ اہل تحقیق نے نظر کرتے اس حدیث زیر بحث میں "راس" کا معنی ابتدا

اول صدی لینا زیادہ موزوں ہے انتہا کا معنی بینداں چسپاں نہیں ہے چنانچہ یہ ہمارا ہی قول نہیں ہے بلکہ شارح جامع صغیر علامہ شیخ علی بن شیخ احمد عزیزی نے السراج المنیر میں اس حدیث کی شرح میں یہی معنی کیا ہے کہ

علی راس کل مائۃ سنۃ ای اول کل مائۃ سنۃ	ہر سو سال کے سرے پر یعنی ہر سو سال کے اول میں۔

آپ کا قیاس کیا کام کا صحیح بھی یہی ہے کہ مجدد کا ظہور ابتدائے صدی میں ہو تو اس صدی کے لوگ اس کے فیض سے فیضیاب اور اُس کی تعلیمات سے بہرہ اندوز ہو سکیں گے۔ اگر مجدد کا ظہور انتہائے صدی میں ہو تو لازم آتا ہے کہ وہ جس صدی کا مجدد ہے اس صدی کے لوگ تو اُس کے فیض سے محروم و بے نصیب رہیں اور دوسری بعد میں آنے والی صدی کے لوگ اس سے استفادہ کریں۔ چونکہ یہ تمام بحث مجددین سے متعلق ہے اور اس حدیث کو امام مہدیٔ موعود علیہ السلام سے کوئی تعلق نہیں ہے اس لئے اس میں اور زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ حدیث مجددین بھی ایک طرح کی خبر مغیب یا پیشین گوئی ہے جو بعد میں ہونے والے واقعات سے متعلق ہے۔ خود حدیث مذکور میں یبعث اور یجدد صیغۂ مضارع ہیں جو وقت کلام و زمانۂ متکلم سے مستقبل میں وقوعِ واقعہ پر دلالت کرتے ہیں۔ اُن احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زمانہ جیسے جیسے دور ہوتا جائے گا دین میں ضعف اور اصل دین سے بعد لاحق ہوتا جائے گا۔ خود تجدید کا مفہوم و معنیٰ بتا رہا ہے کہ کسی شئی کی تجدید اُس کی کہنگی و اندراس کے بعد ہوگی اور بالبداہتہ معلوم ہے کہ جب تک صاحب دین یعنی ذات اقدس جناب رسالتمآب صلعم اس امت میں موجود رہے دین کو اور امت کو وہ قوت اور کمال تازگی حاصل ہے کہ ضعف و اندراس کا شائبہ اور تجدید کی حاجت ہی نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلفائے راشدین کا زمانہ بھی حقیقت میں خلافت علی منہاج النبوۃ ہونے کی وجہ سے وہی قوت دین کا زمانہ ہے چنانچہ " ازالۃ الخفا " کی فصل دوم میں لکھتے ہیں کہ

خلافتِ خاصۃً منقیس است برنبوت زیراکہ درحدیث آمدہ خلافت علی منہاج النبوۃ و نیز آمدہ تکون نبوۃ ورحمۃ ثم خلافۃ ورحمۃ۔

یواقیت کے اُس قول سے بھی جو پہلے نقل کیا گیا ہے یہی ظاہر ہو رہا ہے کہ فان ثلاث المدۃ من جملۃ ایام نبوۃ رسول اللّٰہ و رسالتہ"۔ پس خلافت راشدہ کے بعد سے مجددین کی ضرورت و حاجت لاحق ہو گی ۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ خلافت راشدہ کی مدت جو احادیث سے تیس سال ثابت ہے اس کے منقضی ہو جانے کے بعد ہی کسی نے عمر بن عبد العزیزؒ کو اور کسی نے حسن بصریؒ کو پہلا مجدد خیال کیا ہے ۔ خلفائے راشدین میں سے کسی نے مجدد نہیں قرار دیا ہے ۔ پھر تعجب ہے کہ مولفِ ہدیہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلی صدی کے مجدد یا بالفرض مہدیٔ لغوی قرار دینے کا بے ادبانہ غلط تصور کس طرح قائم کر سکتے ہیں ۔ غرض اس صورت میں ان مذکورہ وجوہ سے " راس " کا معنی ابتدا و اول صدی بھی ہو سکتا ہے اور مولف ہدیہ کے خیال باطل کے موافق جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کا (معاذ اللہ) مہدیٔ لغوی ہونا لازم نہیں آتا اور مضمون حدیث میں کچھ ضرر و نقصان بھی پیدا نہیں ہوتا ۔ واللّٰہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم

مہدوی اپنے امام برحق کو نبی نہیں کہتے ۔

اس بحث کے آخر میں مولف صاحبِ ہدیہ نے وہی اپنی عادتی افترا پردازی کا اعادہ کیا ہے کہ " مہدوی اپنے شیخ جونپوری کو نبی مقرر کرتے ہیں " ۔ عقیدۂ شانزدہم میں اس کی تفصیلی بحث ہو چکی ہے کہ یہ مولفِ ہدیہ کا حضرت امامنا مہدی موعود علیہ السلام پر اور مہدویہ پر محض افترا ہے کیونکہ نبوت کے لئے دعویٰ نبوت کرنا ضروری ہے اور حضرت امامنا علیہ السلام نے کبھی بھی دعویٰ نبوت یا رسالت نہیں فرمایا ہے خود مولف ہدیہ کو بھی اس کا اعتراف ہے چنانچہ ہدیہ کے صفحہ (۸۰) پر لکھا ہے کہ " وہ بزرگ اغلب کہ دعویٰ نبوت نہ کئے ہوں گے " پس مولفِ ہدیہ کا یہ متضاد بیان خود انکی تردید کرتا ہے۔

ترمذی کی حدیث اور ایک دوسری روایت جو مولف ہدیہ نے اس موقع پر لکھی ہے ان میں کذابوں کی مخصوص علامت صاف طور پر یہی بیان کی گئی ہے کہ " وہ نبی و رسول ہونے کا دعویٰ کریں گے " پس صادق و کاذب کا اصل معیار دعویٰ نبوت

ورسالت ٹھہرا۔ چونکہ حضرت امامنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دعوی نبوت کرنا ثابت ہی نہیں ہے اور نہ مولفِ ہدیہ ایسا دعوی کرنا ثابت کرسکے ہیں اور نہ مہدوی اپنے امام برحق وہادیٔ مطلق کو نبی ورسول کہتے ہیں۔ پس امامنا مہدیٔ موعود علیہ السلام کی صداقت کی یہی روشن دلیل ہے اور یہی ایک بات مولف ہدیہ کی سب ہرزہ لرائی وافترا پردازی کی حقیقی تردید وجواب ہے۔

امام مہدیؑ کا مدینہ طیبہ سے خروج کرنا غیر صحیح ہے۔

دلیل ششم میں حضرت امامنا مہدیٔ موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رکن ومقام کے درمیان دعوی کرنیکے واقعات شواہد الولایت سے نقل کئے گئے ہیں اور جناب سید عیسیٰ عالم میاں صاحب نے نعیم بن حماد کی ابو ہریرہؓ سے روایت کردہ اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ قال یبایع المھدی بین الرکن والمقام لا یوقظ نائماً ولا یھریق دماً (یعنی مہدی سے رکن ومقام کے درمیان اسطرح بیعت کیجائے گی نہ سوتے بیدار ہوں گے اور نہ خوں ریزی ہوگی) اس کو مولف صاحب ہدیہ نے بزعم خود "دلیل ششم" قرار دیا ہے اور اس پر چند وجوہ اعتراض کئے ہیں۔ پہلے اعتراض کا خلاصہ یہ ہے۔

اول یہ کہ ایک مقدمہ کئی حدیثوں میں مذکور ہوتا ہے بعض میں باختصار اور بعض میں بتفصیل اور باتفاق محدثین کا ہے کہ زیادت ثقہ کی مقبول ہے اور مثبت مقدم ہے نافی پر۔ عالم میاں نے مختصر کو غنیمت جان کر لے لیا ہے اور تفصیل کو چھوڑ دیا چنانچہ وہی نعیم بن حماد قتادہ سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ نے یخرج المھدی من المدینۃ الی مکۃ فیستخرج الناس من بینھم فیبایعونہ بین الرکن و المقام و ھو کارہ۔ اور مہدی تمہارے مدینہ سے نکل کر مکہ کو نہیں آئے بلکہ مدینۂ طیبہ کو انھوں نے دیکھا تک نہیں ہے۔الخ۔

مولف صاحب ہدیہ کے اس بیان میں اگرچہ کئی بحثیں ہیں لیکن ہم ان سب سے قطع نظر کرکے بحث کو مختصر کرتے ہیں۔ یہ تو ایک حد تک صحیح ہے کہ ایک مقدمہ کئی حدیثوں میں مذکور ہوتا ہے کسی میں تفصیل رہتی ہے اور کسی میں اجمال ہوتا ہے۔ مگر مولف صاحب نے اس اصول کی یہ تفصیلات اور ضروری شرائط ذکر نہیں کی ہیں کہ

وہی تفصیل قابل قبول ہوتی ہے جو صحیح و ثقہ ذرائع سے مروی ہوئی ہو۔ اجمال و تفصیل دونوں قوت میں برابر یا تفصیل اجمال سے زیادہ قوی اور صحیح ہونا چاہئے چنانچہ خود مولف صاحب ہدیہ نے محدثین کا جو متفقہ ضابطہ بیان کیا ہے کہ "ثقہ راویوں کی زیادتی مقبول ہے" اسی سے ثابت ہے کہ غیر ثقہ راویوں سے جو زیادتی یا تفصیل مروی ہوئی ہو وہ مقبول نہیں ہے۔ اسی طرح مثبت نافی پر اسی وقت مقدم ہوگا جبکہ مثبت و نافی دونوں قوت و صحت میں برابر ہوں یا مثبت نافی سے زیادہ قوی اور صحیح ہو۔

مولف صاحب ہدیہ نے قتادہؓ کی جس حدیث کا ذکر کیا ہے یہ نہیں بتایا کہ نعیم بن حماد نے کن راویوں کے سلسلہ سے اسکی روایت کی ہے اور وہ سلسلۂ روایت ابو ہریرہؓ کی روایت کے مقابلہ میں قوی ہے یا ضعیف؟ اور جب تک یہ ثابت نہ ہو اس ضابطہ سے مولف ہدیہ کا استدلال درست نہیں ہو سکتا۔

امام مہدی علیہ السلام سے رکن و مقام میں بیعت ہونا تو ان کے علاوہ اور احادیث سے بھی ثابت ہے مگر رکن و مقام میں بیعت ہونا امام مہدی علیہ السلام ہی سے اس طرح مخصوص نہیں ہے کہ اور کسی کیلئے کبھی ثابت نہ ہو بلکہ احادیث میں اوروں کے لئے بھی یہی واقعہ مذکور ہوا ہے۔ لیکن امام مہدی علیہ السلام کا مدینہ سے ظہور ہونا انھی دو ایک حدیثوں میں مذکور ہے جو پایۂ ثبوت و صحت کو نہیں پہنچتی ہیں۔ ایسی صورت میں حدیث کے وہ اجزا جن کی تائید دوسری صحیح احادیث میں مذکور ہو اور اس کے شواہد و توابع بھی ہوں وہ صحیح و قابل تسلیم ہوں گے اور وہ اجزا جو کسی غیر صحیح حدیث میں مذکور ہوں اور اس کے شواہد بھی نہ ہوں وہ قابل تامل رہیں گے مثال کے طور پر دیکھو ایک صحیح حدیث ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تین مسجدوں کی طرف سفر کرنا چاہیے مسجد الحرام، مسجد اقصیٰ۔ اور یہ میری مسجد یعنی مسجد نبوی مگر محمد بن خالد الجندی کی روایت میں یہ حدیث اس سلسلۂ روایت سے اس طرح مروی ہے کہ

عن المثنی بن الصباح عن عمرو بن شعیب عن جدہ مرفوعا تعمل الرحال الی اربعة مساجد	مثنی بن صباح نے عمرو بن شعیب سے اور وہ اپنے دادا سے مرفوعاً (رسول اللہ صلعم تک سلسلہ پہنچا کر) روایت کی ہے کہ چار مسجدوں

مسجد الحرام ومسجدی ومسجد الاقصیٰ ومسجد الجند۔ (ابراز الوہم المکنون)

کی طرف سفر کیا جائے مسجد حرام میری مسجد مسجد اقصیٰ مسجد جند۔

ظاہر ہے کہ اس روایت میں مسجد جُند کا اضافہ درج ہے جو اصل حدیث میں نہیں ہے تو ایسی زیادتی یا تفصیل جو غیر صحیح ذرائع سے روایت ہوئی ہو محدثین کے اس ضابطہ کے مطابق قابل قبول نہ ہوگی۔

اس قسم کی اور بہت سی مثالیں ملتی ہیں کہ کسی راوی نے کسی حدیث کی اسناد میں یا اس کے متن میں دوسری حدیث کی اسناد یا متن کو خلط ملط کر دیا ہے۔ اصطلاح محدثین میں ایسی حدیث کو "مدرج" کہتے ہیں جس کی کئی قسمیں ہیں (مقدمۂ ابن الصلاح وغیرہ) قتادہ کی یہ حدیث بھی جو مولف ہدیہ نے پیش کی ہے اسی قسم کی ہے کہ اس میں دوسری حدیث کا مضمون خلط ملط ہوگیا ہے۔ اصلی واقعہ ام سلمہ کی اس حدیث میں زیادہ تفصیل سے مذکور ہے جس کو ابو داؤد۔ ابو یعلیٰ۔ ابن شیبہ۔ طبرانی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

عن ام سلمه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال یکون اختلاف عند موت خلیفة فیخرج رجل من اهل المدینة هارباً الی مکة فیخرجونه وهو کاره فیبایعونه بین الرکن والمقام ویبعث الیه بعث من الشام فیخسف بهم بالبیداء بین مکة والمدینة فاذا رای الناس ذٰلك اتاه ابدال الشام وعصائب اهل العراق فیبایعونه ثم ینشوء رجل من قریش اخواله کلب فیبعث الیهم بعث فیظهرون علیهم فذالك بعث کلب والخیبة

ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک خلیفہ کی موت کے وقت اختلاف ہوگا۔ ایک شخص مدینہ والوں میں سے مکہ کو بھاگ نکلیگا پس لوگ اس کو آمادہ کریں گے حالانکہ وہ اس سے خوش نہ ہوگا لوگ رکن و مقام کے درمیان اس سے بیعت کریں گے۔ شام کی ایک فوج اس کی طرف بھیجی جائے گی وہ مکہ مدینہ کے درمیانی میدان میں تھس نھس ہو جائے گی۔ یہ دیکھکر شام و عراق کے بڑے بڑے گروہ اس کے پاس آئیں گے اور اس سے بیعت کر لیں گے پھر ایک قریشی شخص اٹھ کھڑا ہوگا جس کا ننھیال قبیلۂ کلب ہوگا یہ ان پہلے لوگوں پر غالب آجائیں گے یہ بنی کلب کی فوج ہوگی بنی کلب کی

لمن لم یشہد غنیمۃ کلب ۔ الحدیث ۔ | فوج ہوگی بنی کلب کی غنیمت میں جو حاضر نہ ہو وہ بڑا ہی ناکام ہے ۔ الحدیث ۔

مولف ہدیہ کے اس بیان کے موافق کہ ایک مقدمہ کئی حدیثوں میں مذکور ہوتا ہے بعض باختصار اور بعض میں بہ تفصیل ۔ باعتبار روایت اس حدیث میں قتادہ کی حدیث کی بہ نسبت یہ واقعہ زیادہ تفصیل کے ساتھ مذکور ہے ۔ یہ حدیث قتادہ کی حدیث سے زیادہ صحیح و قوی بھی ہے تو ثقہ راویوں کی زیادت قبول ہونیکے ضابطہ کے موافق یہ حدیث زیادہ قابل قبول بھی ہے ۔ تعجب ہے کہ مولف ہدیہ نے قتادہ کی حدیث کو ابوہریرہ کی حدیث کی جب تفصیل قرار دے لیا اور اس کو اسی سے متعلق کر دیا ہے تو ام سلمہ کی یہ حدیث جو حدیث قتادہ کی تفصیل ہے اسکو کیوں چھوڑ دیا ہے ۔ حالانکہ ابوہریرہ کی حدیث کا بعض حصہ قتادہ کی حدیث میں اور قتادہ کی حدیث کے بعض مضامین ابوہریرہ کی حدیث میں نہیں ہیں ۔ اگر قتادہ کی حدیث اس تفاوت کے باوجود ابوہریرہ کی روایت کی تفصیل اور اس میں جو زیادتی ہے وہ قابل قبول ہوسکتی ہے تو ام سلمہ کی یہ حدیث بھی قتادہ کی روایت کی ضرور تفصیل ہے جو قابل قبول لازماً ہونا چاہئے ۔

اصل یہ ہے کہ قتادہ کی حدیث ام سلمہ کی اس حدیث کے نظر کرتے "مدرج" کی نوعیت رکھتی ہے کہ اس میں "رجل" کے عوض "المہدی" درج ہوگیا ہے اور اس حدیث کے مضامین و واقعات کو خلط ملط کر دیا گیا ہے ۔ درحقیقت ام سلمہ کی حدیث میں ان واقعات کی پیشین گوئی ہے جو خروج "عبداللہ بن زبیرؓ" کے وقت ظہور میں آئے ہیں چنانچہ تاریخ سے اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ امیر معاویہ بن ابی سفیان کی وفات کے بعد جب یزید بن معاویہ ان کا جانشین ہوا اور اہل مدینہ کو یزید سے بیعت کرنے پر مجبور کیا گیا ۔ ان میں اس سے بیعت کرنے کی نسبت اختلاف پیدا ہوگیا اور عبداللہ بن زبیر راتوں رات مدینہ سے نکل کر مکہ چلے گئے ۔ اہل مکہ نے ان کے پاس جمع ہوکر ان سے بیعت کر لی ۔ حکومت شام کی طرف سے ان پر حملہ کرنے کیلئے فوج بھیجی گئی ۔ حملہ آور فوج مکہ و مدینہ کے درمیان تباہ و برباد ہوگئی یہ دیکھکر اہل حجاز اور بعد میں اہل عراق و اہل یمن وغیرہ نے عبداللہ بن زبیر سے

بیعت کر لی اور پھر اہل شام بھی گروہ در گروہ ان سے بیعت کرنے والوں میں شامل ہوتے گئے۔

حدیث کے آخری حصہ میں ان واقعات کی طرف اشارہ ہے جو بعد میں مروانیین کی خلافت کے وقت پیش آئے ہیں کیونکہ قبیلہ کلب ہی کے بعض سرآوردہ اصحاب کی مدد سے مروانیین کی خلافت قائم ہوئی جو عبداللہ بن زبیر پر غالب آئے اور ان کو قتل کر کے اپنا تسلط قائم کر لیا۔ (تاریخ ابن خلدون۔ تاریخ الخلفا وغیرہ)

ام سلمہ کی یہ حدیث ابن زبیر کے واقعات سے متعلق ہونے کی تصدیق و تائید اس حدیث سے بھی ثابت ہوتی ہے جو عبداللہ بن القبطیہ نے ام سلمہ ہی سے روایت کی ہے اور صحیح مسلم میں موجود ہے۔

عن عبد اللہ بن القبطیۃ قال دخل الحارث بن ابی ربیعۃ وعبد اللہ بن صفوان وانا معہما علی ام سلمۃ ام المومنین فسألاھا عن الجیش الذی یخسف بہ وکان ذلک فی ایام ابن الزبیر فقالت قال رسول اللہ یعوذ عائذ بالبیت فیبعث الیہ بعث فاذا کانوا ببیداء من الارض خسف بہم فقلت یا رسول اللہ فکیف بمن کان کارھا قال یخسف بہ معہم ولکنہ یبعث یوم القیامۃ علی نیتہ قال ابو جعفر ھی بیداء المدینۃ۔ (صحیح مسلم کتاب الفتن واشراط الساعۃ)

عبداللہ بن القبطیہ کہتے ہیں کہ حارث بن ابی ربیعہ اور عبداللہ بن صفوان اور میں ام المومنین ام سلمہ کے پاس گئے اور ان دونوں نے اس فوج کے متعلق پوچھا جو تباہ ہو جائے گی اور یہ واقعہ ابن زبیر کے زمانہ میں ہوا ہے۔ ام سلمہ نے کہا کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ ایک پناہ لینے والا بیت اللہ میں پناہ لے گا پس اس پر فوج بھیجی جائے گی جب وہ فوج ایک چٹیل میدان میں ہوگی وہ تباہ ہو جائے گی میں نے کہا یا رسول اللہ جو مجبوراً ان کے ساتھ ہو اس کا کیا حال ہوگا تو فرمایا وہ بھی ان کے ساتھ ہلاک ہو جائے گا لیکن قیامت کے دن وہ اپنی نیت کے موافق مبعوث ہوگا۔ ابو جعفر نے کہا ہے اس سے مدینہ کا چٹیل میدان مراد ہے۔

ان واقعات کے دیکھنے سے جو حدیث سے پورے مطابق ہیں واضح ہو گیا ہے کہ ام سلمہؓ کی یہ روایتیں عبداللہ بن زبیر کے واقعہ سے متعلق ہیں اور مولف ہدیہ کی پیش کی ہوئی حدیث قتادہ "مدرج" کی قسم کی ہے ورنہ ام سلمہ کی حدیث میں

امام مہدی علیہ السلام کا ذکر ہی نہیں ہے اور امام مہدی علیہ السلام کی کوئی مخصوص صفات بھی مذکور نہیں ہیں جن کی وجہ سے "رجل" سے حضرت ہی کی ذات مراد لی جائے "مدینہ" سے نکلنے اور بعد کے واقعات کو امام مہدی علیہ السلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اگر مولف صاحب ہدیہ کہیں کہ یہ دونوں حدیثیں علیحدہ علیحدہ ہیں تو ابوہریرہ اور قتادہ کی حدیثیں بھی علیحدہ علیحدہ کہی جا سکتی ہیں کہ ایک کو دوسر سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس صورت میں جناب مولوی سید عیسیٰ صاحب پر مولف ہدیہ کا اعتراض ہی وارد نہیں ہوتا۔

یہ تحقیق تو روایت کے اعتبار سے تھی اب معنوی اعتبار سے

بلحاظ لغت و محاورہ لفظ مدینہ کی تحقیق

اس کی تحقیق یہ ہے کہ اس سے پہلے "دلیل چہارم" لفظ "شاب" کی بحث میں مولف صاحب ہدیہ نے یہ تسلیم کیا ہے کہ "جناب رسالتمآب عرب میں اور زبانِ عرب ہی میں بات کرتے ہیں معنی ان کے کلام کے وہی ہیں جو کہ لغت عرب سے ثابت ہوویں" اب آپ کے اس دعوی کے بموجب لغت و محاورہ عرب میں مدینہ شہر کو کہتے ہیں خواہ کوئی شہر ہو منتہی الارب میں ہے "مدینہ کسفینہ شہر و قلعہ۔"

لفظ "مدینہ" قرن اول میں مدینۃ النبیؐ سے ایسا مخصوص نہیں تھا کہ جہاں کہیں مدینہ کہا جائے اس سے مدینۃ النبی ہی مراد ہو بلکہ یہ لفظ عام تھا اور مدینۃ النبی کے لئے بطور نام کے مستعمل نہیں تھا۔ چنانچہ احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مدینۃ النبی کا اصلی نام ایام جاہلیت میں یثرب تھا۔ قرآن شریف کی یہ آیت بھی اسی پر دلالت کرتی ہے۔

اذ قالت طائفۃ یا اھل یثرب لامقام لکم فارجعوا (۲۱-۱۸- احزاب)	ان میں سے ایک گروہ کہنے لگا اے یثرب والو (اس جگہ دشمن کے مقابلہ میں) ٹھہرنا جانا واپس ہو جاؤ۔

تفسیر معالم التنزیل میں لکھا ہے۔

و فی بعض الاخبار ان النبی صلی اللہ	بعض احادیث میں آیا ہے کہ نبی صلعم نے

علیه وسلم نھیٰ ان یسموا المدینة یثرب وقال ھی طابة | مدینہ کو یثرب کہنے سے منع کیا ہے اور فرمایا کہ وہ "طابہ" ہے۔

بعض روایتوں میں طیبہ بھی آیا ہے۔ مجمع البحار میں نہایہ ابن اثیر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ

امر ان تسمی المدینة طیبة وطابة ھما من الطیب اذ کان اسمھا یثرب والثرب الفساد فنھیٰ عنه۔ | آنحضرت صلعم نے مدینہ کو "طیبہ" اور "طابہ" کے نام سے پکارنے کا حکم دیا ہے یہ دونوں لفظ طیب سے مشتق ہیں (یہ نام رکھنے کی وجہ یہ تھی کہ) اس کا نام "یثرب" تھا اور ثرب کا معنی فساد ہے اس لئے اس نام سے منع فرمایا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ مدینہ منورہ کا اصل نام یثرب تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جو نام رکھا وہ طابہ یا طیبہ ہے اور قرن اول میں جو نزول قرآن کا زمانہ تھا لفظ مدینہ یثرب کے لئے اس طرح رائج بھی نہیں تھا کہ اس سے خاص یثرب ہی سمجھا جائے اسی لئے اس کو مدینہ طیبہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کی طرف منسوب و مضاف کر کے "مدینة النبی یا مدینة الرسول" کہا جاتا تھا جیسا کہ حدیث ابو الدارداء میں آیا ہے کہ

اتاہ رجل فقال یا ابا الدرداء اتیتك من المدینة مدینة الرسول الحدیث۔ | ابو الدرداء کے پاس ایک شخص آیا اور کہا میں آپ کے پاس مدینة الرسول سے آیا ہوں۔

مولف صاحب ہدیہ نے جو روایتیں لکھی ہیں ان میں مدینۂ طیبہ یا مدینة النبی یا مدینة الرسول کی تصریح نہیں ہے بلکہ صرف مدینہ ہے جو از روے لغت مطلق شہر کا معنی دیتا ہے تو اس سے مدینة النبی ہی مراد لینے کی تخصیص لغت اور محاورہ اہل لسان سے ثابت نہیں ہوتی۔

لفظ مدینہ کا مفہوم عام ہونے کا سب سے زیادہ بین ثبوت یہ ہے کہ خود قرآن شریف میں متعدد آیتوں میں یہی لفظ استعمال ہوا ہے اور اس سے

متعدد شہر مراد ہیں مثال کے طور پر یہ چند آیتیں دیکھو۔

ان هذا المکر مکرتموہ فی المدینة لتخرجوا منها اهلها (۹-۴-اعراف)	(فرعون نے ساحروں سے کہا کہ تم نے میری اجازت سے پہلے موسیٰ کے خدا پر ایمان لایا) یہ ضرور تمہارا مکر و فریب ہے جو اس شہر میں تم نے کیا ہے تاکہ اہل شہر کو اس سے نکال دیں۔

یہاں مدینہ سے مراد شہر فرعون یعنی "مصر" ہے

جاء اهل المدینة یستبشرون۔ (۱۴-۵-حجر)	اہل شہر خوشیاں مناتے ہوئے (لوط علیہ السلام کے پاس) آئے۔

اس آیت میں مدینہ سے مراد شہر سدوم ہے۔

فابعثوا احدکم بورقکم هذہ الی المدینة (۱۵-۴-کہف)	اپنے میں سے ایک کو اپنا یہ روپیہ دیکر شہر کو بھیجو۔

اس آیت میں مدینہ سے مراد "دقیانوس" کا شہر ہے جس کو طرسوس کہتے تھے

وکان فی المدینة تسعة رهط یفسدون فی الارض ولا یصلحون (۱۹-۱۹-نمل)	شہر میں نو آدمی ایسے تھے جو اس سرزمین میں فساد کرتے تھے اور اصلاح کے درپے نہ تھے۔

اس سے ثمود کا شہر مراد ہے جس کا نام "حجر" تھا۔

ان کے علاوہ بھی اور کئی مثالیں قرآن شریف میں اسی قسم کی ملتی ہیں۔

ان سب آیتوں میں لفظ "مدینہ" معرف باللام مستعمل ہوا ہے اس کے باوجود ہر جگہ لفظ مدینہ سے خاص مدینۃ الرسول ہی مراد نہیں ہے بلکہ دوسرے اور شہر مقصود ہیں پس مدینہ سے نکلنے کو اگر امام مہدی علیہ السلام سے متعلق فرض کیا جائے تو اس توجیہ پر اس حدیث کا یہ معنی ہو سکتا ہے کہ امام مہدیؑ موعود علیہ السلام ایک مدینہ (شہر) سے جو مدائن شرقیہ سے ہے نکل کر مکہ کو گئے اور آپ کے ہاتھ پر رکن و مقام کے درمیان اس طرح بیعت کیگئی کہ نہ کسی سوتے کو جگایا اور نہ کوئی خون بہایا۔ اس صورت میں مشرق کی جانب سے ظہور مہدی علیہ السلام ہونا جن احادیث سے ثابت ہے ان سب میں تطبیق ہو جاتی ہے۔ کہیں قرآن شریف میں "مدینہ" کا

لفظ کوئی قرینہ موجود ہونے کی وجہ سے مدینۃ الرسول کے لئے بھی مستعمل ہوا ہے۔
جیسے اس آیت میں۔

ماکان لاھل المدینۃ ومن حولھم من الاعراب ان یتخلفوا عن رسول اللہ ولا یرغبوا بانفسھم عن نفسہ الآیۃ (۱۱-۴- توبہ)

مدینہ والوں اور گرد و نواح کے دیہاتی عربوں کو مناسب نہ تھا کہ وہ رسول اللہ کا ساتھ چھوڑ کر پیچھے رہ جائیں اور رسول اللہ کی جان پر اپنی جانوں کو ترجیح دیں۔

اس آیت میں تخلف عن رسول اللہ کے قرینہ سے "مدینہ" سے مدینۃ الرسول ہی مراد ہے۔

اسی ضمن میں مولف صاحب ہدیہ نے جو اور حدیثیں لکھی ہیں بلحاظ روایت ان میں بھی کئی بحثیں ہیں لیکن اس وقت ان سے قطع نظر کر کے صرف اصول درایت اور اصول تطابق احادیث کے معیار پر دیکھا جائے تو قتادہ کی حدیث میں جو "دانی" کے حوالہ سے ہدیہ میں لکھی گئی ہے مدینہ سے نکلنے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اور اس کا یہ حصہ کہ فلا یھراق بسببہ محجمۃ دم (امام مہدی علیہ السلام کی وجہ سے سینگھی برابر خون نہ بہایا جائے گا۔) لا یوقظ نائماً ولا یھریق دماً کا ہم معنی اور حضرت امامنا علیہ السلام کے حالات سے پورا مطابق ہے۔ لیکن اس روایت کا یہ مضمون کہ یقال لہ قم علینا فیابی حتی یخوف بالقتل قام علیھم (لوگ مہدی سے کہیں گے کہ ہمارے امیر بنو تو آپ انکار کریں گے اور جب آپ کو قتل کی دھمکی دی جائے گی تو تب کہیں بیعت لیں گے) اور تیسری حدیث کا جو مضمون نعیم بن حماد عن ابن مسعود کے حوالہ سے بیان کیا گیا ہے اس کی تصحیح النقل اگر فرض بھی کر لی جائے تو اس کا یہ حصہ کہ "مہدئ مدینہ سے مکہ کو اور مکہ سے مدینہ کو بھاگتے پھریں گے اور لوگ ان کے مہدی ہونے پر مطلع ہو کر ان کا تعاقب کرتے رہیں گے اور آپ مہدی ہونے یا بیعت لینے سے انکار کرتے رہیں گے بالآخر لوگوں کے بہت اصرار سے بیعت لیں گے" ظاہر ہے کہ یہ صورت دوسری صحیح احادیث کے خلاف ہے اس واسطے کہ صحیح احادیث سے امام مہدی علیہ السلام کا خلیفۃ اللہ ہونا ثابت ہے قریباً تمام خلفاء اللہ کیلئے یہی اصول مسلمہ یا سنۃ اللہ رہی ہے کہ ان کو منجانب اللہ انکے منصب خلافتِ الٰہی کی

اطلاع دیجاتی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے وہ اس کا دعوی کرتے ہیں۔ لیکن اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مہدی علیہ السلام کو خود اپنے منصب کا علم نہ ہوگا اور اس سے انکار کرتے رہیں گے مگر لوگوں کو ان کے منصب کا علم ہو جائیگا اور وہ مجبور کر کے آپ کو اپنا امیر بنائیں گے اور وہ بھی اس طریقہ سے کہ جب قتل کی دھمکی دی جائے گی تب کہیں امارت قبول کریں گے گویا امام مہدی علیہ السلام خلیفۃ اللہ اور موعود رسول اللہ نہیں بلکہ لوگوں کے مقرر کردہ خلیفہ ہوں گے جیساکہ بہت سے سلاطین اور امرا ہوتے ہیں۔

یہ بھی ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہدی علیہ السلام کی شان میں یقوم بالدین کما قمت به فی اول الاسلام کی بشارت دی ہے (یعنی مہدی علیہ السلام دین کو اسی طرح قائم کریں گے جس طرح میں نے ابتدائے زمانۂ اسلام میں قائم کیا ہے) پس اس بشارت کے موافق دیکھنا چاہئے کہ امام مہدی موعود علیہ السلام کے جد امجد یعنی رسول اللہ علیہ وسلم نے بھی کیا اسی طرح لوگوں کے اصرار اور قتل کا خوف دلانے پر دعوئ نبوت فرمایا اور بیعت لی تھی؟ جبکہ ایسا واقعہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے متعلق صحیح نہیں ہے تو حضرت مہدی موعود علیہ السلام کی دعوت اور بیعت کے متعلق بھی صحیح نہیں ہو سکتا۔

مولف صاحب ہدیہ نے اپنے خیال میں دوسری خطا یہ سمجھی ہے کہ

دو مرید کی بیعت کو کافی سمجھکر منبر پر چڑھ جانا حالانکہ خود انہی نعیم بن حماد کی روایت ابن عباس سے ثابت ہے کہ بیعت کرنے والے بقدر اصحاب بدر ہوں گے۔ الخ	دو مرید کی بیعت ناکافی ہونیکا اعتراض اور اس کا جواب۔

مولف صاحب ہدیہ نے اس موقع پر اصل روایتیں نقل نہیں کی ہیں بلکہ ان کا خلاصۂ مضمون بیان کیا ہے جو نہیں معلوم اصل روایتوں سے کس حد تک مطابق ہے؟ اصول روایت کے لحاظ سے ان مذکورہ روایتوں میں بھی کئی بحثیں ہو سکتی ہیں لیکن سر دست ہم ان کی چونی وچگونی سے بحث نہ کر کے صرف خلاصۂ مضمون جو بیان کیا گیا ہے اسی پر غور کرتے ہیں تو اس کو باہم متضاد اور پریشان بیان پاتے ہیں پہلے لکھا ہے کہ "امام مہدی کے انصار لوگ تین سو پندرہ آدمی بقدر اصحاب بدر کے شام سے آویں گے اور (گویا مجبور کر کے)

بیعت کریں گے۔

اس کے بعد ان کے سوا ہر طرفِ عالم سے ایک ایک عالم ربانی اسی قدر انصار کے کر آنا ایسے سات سو سردار جمع ہو کر مہدی کو ڈھونڈنا اور مکہ میں سب جمع ہو کر مہدی کو پہچاننا اور مہدی کا مکہ سے مدینہ کو اور پھر مدینہ سے مکہ کو دو تین مرتبہ بھاگتے پھرنا اور بالآخر باصرار تمام رکن و مقام کے درمیان ان سب کا بیعت کرنا بیان کیا گیا ہے۔

اولاً ان روایتوں کی صحت ثابت کرنے کی ضرورت ہے جس کے بغیر وہ مغیبات میں قابل حجت نہیں ہوسکتیں۔ اس کے علاوہ مضامین میں مطابقت بھی فوت ہے کیونکہ اس سے اصحاب بدر کی تعداد سے بہت زیادتی لازم آجاتی ہے بیعت کرنے والوں کی تعداد بقدر اصحاب بدر کہاں باقی رہی معترض کو یہ اعتراض کرنے سے پہلے اس متضاد بیان کی تصحیح کرنا چاہئے۔

بعد میں حاکم کی روایت کا جو خلاصہ لکھا ہے کہ یبایعہ عدۃ اھل بدر اس میں رکن و مقام کی بیعت کے وقت اس قدر تعداد شرط ہونا نہیں بتایا ہے بلکہ بظاہر امام مہدی علیہ السلام کے جملہ متبعین کی یہی تعداد معلوم ہوتی ہے جو کسی طرح صحیح نہیں ہے۔

اصحابِ بدر کی تعداد جو بتائی گئی ہے وہ بھی غور طلب ہے کیونکہ اصحاب بدر کے موافق تین سو پندرہ آدمی بیعت کرنا لکھا ہے حالانکہ اصحاب بدر کی حقیقی تعداد تین سو پانچ تھی لیکن آٹھ صحابہ جو کسی عذر سے حاضر نہیں تھے انکو بھی حضرت رسالتمآب صلعم نے حاضرین میں شمار کیا اور اہل بدر کی بشارتوں میں داخل اور تقسیم مال غنیمت میں شریک فرمایا اس طرح تین سو تیرہ ہوتے ہیں (مدارج النبوہ وغیرہ)۔

مولف ہدیہ کی اس پریشان بیانی کو نظر انداز کرکے رکن و مقام کی بیعت کے وقت ہی یہ تعداد فرض کی جائے تو یہ بھی اس طرح صادق ہے کہ اولاً میاں نظامؓ اور قاضی علاء الدینؒ دو ہی نے بیعت کی ہے لیکن روایات سے ثابت ہے اور خود مولف ہدیہ نے "ہدیہ" کے صفحہ (۸۱) پر لکھا ہے کہ بعد میں اکثر عربوں نے بھی بیعت کی ہے" اور بعض روایتوں سے ان کی تعداد بقدر اصحاب بدر پائی جاتی ہے۔

ایک اور جہت سے بھی یہ مفہوم اس طرح ثابت ہے کہ جب امام علیہ السلام حج کے ارادہ سے جہاز پر سوار ہوئے ہیں مختلف مقامات اور مختلف قبائل کے تین سو سے زیادہ معتقدین حضرت کے ہمراہ تھے (شواہد الولایت وغیرہ) جب رکن و مقام کے درمیان انّ من اتبعنی فہو مومن کا دعویٰ ہوا ہے اس وقت یہ موجود تھے اور ان سب نے آمنا وصدقنا کہا ہے جو معنًی تصدیق و بیعت ہی ہے۔ پس اگر ایک ایک جماعت کا علیحدٰہ علیحدہ حساب کیا جائے تو بقدر اصحاب بدر اور بحیثیت مجموعی دیکھا جائے تو اصحاب بدر کی تعداد سے زیادہ ہونا دونوں مضمون صادق ہیں اس سے ثابت ہے کہ مولف صاحب ہدیہ کا کوئی اعتراض کسی پہلو بھی صحیح نہیں اور یہ دعوی بھی جو نتیجہ کے طور پر بیان کیا گیا ہے غلط ہے کہ" امامنا علیہ السلام میں کوئی علامت نہیں پائی جاتی ہے" اس واسطے کہ ناظرین کو تمام سابقہ مباحث سے معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت امامنا علیہ السلام کی سیادت۔ حضرت کے والد امجد کا نام نامی۔ وقت بیعت کے وہ واقعات وغیرہ جو صحیح احادیث سے ثابت ہیں وہ سب کے سب امامنا علیہ الصلوٰۃ والسلام پر پورے صادق و منطبق ہیں اور جو امور غیر صحیح روایتوں میں مذکور ہیں وہ صحیح روایتوں کے مقابل میں خود بخود ساقط ہیں ان کو علامات سمجھنا اور ان سے حجت لینا خود خطا ہے۔

مولف صاحب ہدیہ نے تیسری خطا یہ بیان کی ہے کہ

الفاظ سے تاریخ نکلنے کی بحث اور اس کی تحقیق۔	عادت تھی کہ جب دعوی کرتے تھے اس لفظ سے تاریخ بھی نکلا کرتی تھی چنانچہ یہاں قال من اتبعنی فہو مومن سے

تاریخ نو سو ایک کی عیاں ہے انتہیٰ ــــ حالانکہ عدد اس عبارت کے موافق قاعدۂ تاریخ کے کہ حروف مکتوبہ کا اعتبار رہے نہ ملفوظہ کا آٹھ سو پچاس ہیں اور اگر قال کے ایک سو اکتیس بھی شریک کئے جائیں تو نو سو اکیاسی ہو جائیں گے نو سو ایک کسی طرح نہیں ہوتے ہیں۔

مولف صاحب ہدیہ نے اپنے زعم باطل کے مطابق جو غلطیاں یا خطائیں

اس مضمون میں بیان کی ہیں نہیں معلوم کس کی خطاؤں کا شمار کیا ہے اگر ان کی نسبت جناب امامنا علیہ السلام کی طرف کی جاتی ہے تو یہ خود عین خطا ہے کیونکہ حضرت نے کہیں اور کبھی یہ دعوی نہیں فرمایا ہے کہ میرے الفاظ سے دعوی کی تاریخ نکلے گی۔ اگر کہیں فرمایا ہے تو مولف ہدیہ ثابت کریں۔ اور اگر مولف ہدیہ یہ کہتے ہیں کہ یہ صاحب شواہد الولایت اور صاحب پنج فضائل کی خطائیں ہیں تو ہم ان کو فرضاً و تقدیراً مان بھی لیں تو امامنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اثبات مہدیت کے باب میں ان کی خطاؤں کا بیان کرنا سراسر بے محل اور بالکل ناموزوں ہے کیونکہ اگر ان کی خطائیں ثابت بھی ہوجائیں تو ان سے مہدیت حقہ کے پاک دامن تک غبار الزام نہیں پہنچ سکتا چہ جائے کہ ان سے ابطال مہدیت کا خیال خام قائم کرلیا جائے۔

جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے یہ نہ مستقل اور مقصود بالذات دلائل ہیں اور نہ ان کے غلط ہونے کا کوئی اثر اصل مذہب کی حقیت پر پڑ سکتا ہے بلکہ یہ علمائے مذہب کے قیاسات ہیں ان کی نوعیت ایسی ہی ہے جیسے بعض مفسرین نے حروف مقطعات وغیرہ کے متعلق اپنے اپنے قیاسات قائم کئے ہیں۔ جو قیاس واقعہ کے مطابق ہو وہ صحیح ورنہ غیر صحیح ہوگا۔ اس لحاظ سے اس موقع پر ہم کو ان اعداد کی صحت یا غلطی سے بحث کرنے کی حاجت نہیں ہے۔ لیکن ان خطاؤں کے بیان کرنے میں بھی خود مولف ہدیہ سے کئی خطائیں سرزد ہوئی ہیں جن کے نظر کرتے ان بیان کردہ تمام غلطیوں کی نسبت ان مولفین و مصنفین مہدویہ کی طرف بھی صحیح نہیں ہے چنانچہ کہیں راویوں کے الفاظ اور جملوں کو دعوی کے الفاظ میں شامل کردیا گیا ہے کہیں سہو کتابت کو جو ناقلوں کی غلطی ہوتی ہے مولف و مصنف کی غلطیوں میں شمار کرلیا ہے جیسے ان من اتبعنی فھو مومن۔ کو فقط من اتبعنی فھو مومنؐ لکھا ہے جو ممکن ہے کہ ناقل کا سہو یا مولف ہدیہ کی یہ عادتی تحریف ہو جس کے سبب سے اکاون (۵۱) کم شمار ہو رہے ہیں اور انّ کے اعداد ملانے سے پورے نوسو ایک (۹۰۱) برآمد ہوتے ہیں۔

کہیں عبارت غلط نقل کی گئی ہے جس کی وجہ سے اعداد میں کمی بیشی پائی جاتی ہے جیسے انا المھدی المبین لمراد اللہ الرحیم (۹۰۵) کو انا المھدی مبین مراد اللہ (۵۵۵) لکھا گیا ہے۔ اس غلطی کا اثر اعداد پر پڑنا لازمی ہے اسی وجہ سے جو حروف

و کلمات چھوٹ گئے ہیں ان کے اعداد کم ہو گئے ہیں اور ۹۰۵ھ کے عوض ۸۵۵ھ نکل رہا ہے ورنہ اصل فقرہ کے اعداد (۹۰۵) ہی ہیں۔

کہیں مولفین و مصنفین مہدویہ کی غلطی ثابت کرنے کیلئے مولف ہدیہ نے جو اعداد لکھے ہیں وہ حساب جمل کے لحاظ سے خود غلط ہیں مثلاً "انہ قال بامر اللہ عزوجل انا المہدی الموعود" کے اعداد (۷۹۵) بتائے ہیں حالانکہ قواعد حساب جمل کے مطابق اس فقرہ کے اعداد (۹۱۱) ہوتے ہیں۔ اسی طرح "قال بامر اللہ انا المہدی مبین مراد اللہ کے اعداد (۹۶۴) لکھے ہیں حالانکہ اس جملہ کے اعداد (۹۹۵) ہوتے ہیں۔ اسی طرح "قال کے لفظ کو علیحدہ کرکے اس جملہ کے اعداد (۸۳۳) بتلائے ہیں حالانکہ اس صورت میں بھی (۸۶۴) اعداد ہوں گے (۸۸۳) نہیں ہوتے۔

اگرچہ ہم کو ان اعداد شماری سے کوئی مطلب نہیں ہے لیکن ہم نے یہاں اس لئے ذکر کیا ہے کہ اس سے خود مولف صاحب ہدیہ کی تاریخ دانی اور اعداد شماری کے جوہر کھل جاتے ہیں اور یہ ثابت ہو رہا ہے کہ انھوں نے جن بزرگان مہدویہ کی حرف گیری کی تھی اس کی پاداش میں قادر مطلق نے ہاتھ پر ہاتھ خود ان کی طفلانہ خطا و غلطی علی رؤس الاشہاد ظاہر فرما دی ہے۔

اے خنک جانے کہ عیب خویش دید ہر کہ عیبے گفت او بر خود خرید

مولف صاحب ہدیہ نے خطاء چہارم یہ لکھی ہے کہ صاحب پنج فضائل نے منبر رکن و مقام کے درمیان ہونا لکھا ہے۔ اس پر جو اعتراض کیا گیا ہے اس کا خلاصہ یہی ہے کہ "صاحب پنج فضائل نے کعبہ کو دیکھا ہی نہیں ہے منبر رکن و مقام کے درمیان نہیں ہے"۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ صاحب پنج فضائل کی غلطی ہے یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ شائد انھوں نے موقع و محل نہ دیکھا ہوگا لیکن اس سے دعوئ مہدیت کو کیا نقصان پہنچتا ہے بلکہ اس سے معترض صاحب کی نادانی ظاہر ہوتی ہے اگر وہ اثبات مہدیت کے موقع پر دوسروں کی غلطی ثابت کرکے مہدیت کی تردید سمجھیں۔ اگر صاحب پنج فضائل یا کسی ہم ابنائے مہدیت سے

ایک غلطی نہیں لاکھوں غلطیاں سرزد ہو جائیں تو دعویٰ مہدیت کی صداقت کو کوئی ضرر و نقصان پہنچ یا امام علیہ السلام کا دامنِ عصمت غبار خطا سے ملوث ہونا لازم نہیں آسکتا۔

اس کی ٹھیک مثال ان راویوں کے بیانات ہیں جن سے معراج کے واقعہ کے متعلق مسجد اقصیٰ کا محل وقوع بیان کرنے میں بعض غلطیاں ہوئی ہیں لیکن کوئی انصاف پسند عقلمند ان راویوں کی اس قسم کی غلطیوں سے حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت یا واقعۂ معراج کو نعوذ باللہ غلط قرار دینے کی جرأت نہیں کرے گا۔

اسی ضمن میں مولف ہدیہ نے ایک اور نکتہ یہ دوڑائی ہے کہ "بادشاہانِ ہند اسی دعویٰ کی وجہ سے حضرت امامنا علیہ السلام کا اخراج کرتے رہے تھے اگر اس شہر مبارک (یعنی مکہ) میں یہ دعویٰ ہوتا تو وہاں کے علما اور حکام قتل کئے بغیر نہ چھوڑتے"

کیا مولف ہدیہ تاریخ اسلام سے ناواقف ہیں۔ اسی شہر مبارک میں ایک ہادیٔ برحق یعنی رسولِ عربی صلعم نے دعویٰ فرمایا اور اس ملک کے وہی عرب جن کی نسبت خود اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں "الاعراب اشد کفراً ونفاقاً" کی شہادت دے رہا ہے اس رسول کریم کو شہید کرنے کی بہتیری تدبیریں اور کوششیں کرنے کے باوجود شہید نہ کر سکے اور اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ کہ واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون (اللہ تعالیٰ اپنے نور کو پورا کرنے والا ہے خواہ کفار کو یہ ناگوار ہی ہو) پورا ہو کر ہی رہا۔ اسی طرح اس خلیفۃ اللہ تابع تام رسول اللہ کا دعویٰ عرب میں۔ ہند میں۔ سندھ میں۔ خراسان و افغانستان میں علی الاعلان ہوتا رہا اور اللہ تعالیٰ کے اسی وعدہ کے موافق اس نور کو بھی کوئی بجھا نہ سکا پس حضرت امامنا علیہ السلام کو کون شہید کر سکتا تھا اور شہید نہ کر سکنے کی وجہ سے دعویٰ نہ کرنے کا قیاس محض خیال باطل ہے۔ پھر لطف یہ کہ مولف ہدیہ یہاں تو یہ دعویٰ ہونے کا ہی انکار کر رہے ہیں لیکن خطائے ششم کے ضمن میں خود اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ

یہ دونوں (میاں شاہ نظامؒ اور قاضی علاء الدینؒ) اس بات پر گواہ ہیں کہ

تم نے من اتبعنی فھو مومن کہا اور مدعی علیہم کو اس کا انکار نہیں تم اب بھی کہتے ہو جب بھی کہا ہوگا" (ہدیہ صفحہ ۸۱)

یہ اسی دعوی کا اقرار ہے جس کا پہلے انکار کیا گیا ہے تو آپ ہی کی زبان سے ثابت ہوا کہ دعوی بھی ہوا اور حضرت کو کوئی شہید نہ کرسکا۔

مریدین کی گواہی قابل قبول ہونیکی بحث

مولف صاحب ہدیہ نے بزعم خود خطائے پنجم یہ سمجھی ہے کہ امامنا علیہ السلام نے اپنے اس دعوی پر اپنے مرید شاہ نظام اور قاضی علاء الدین کو گواہ قرار دیکر پوچھا کہ قاضی بجنید گواہ راضی قاضی علاء الدین نے عرض کیا" قاضی بدو گواہ راضی" اس پر جو اعتراض کیا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ" یہ دونوں گواہ جو مدعی کے مرید خاص اور الوش خوار مدعی کے ہیں ان کی گواہی نامقبول ہے"

کئی وجوہ سے یہ اعتراض غلط ہے۔

اولاً یہاں گواہی کا وہ معنی و مطلب نہیں ہے جو حسب ضابطۂ فقہا حقوق العباد سے متعلق ہوتا ہے یہ گواہی اپنے ایقان و ایمان کی ایسی ہی شہادت ہے جیسے صحابۂ رسول اللہ نشہد ان محمدا رسول اللہ کی گواہی اور شہادت دیتے تھے چنانچہ خود ہدیہ میں لکھا ہے کہ" دونوں مریدوں نے امنا وصدقنا کہکر بیعت کی" (ہدیہ صفحہ ۸۰) گویا ایمان و تصدیق کو گواہی سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ثانیاً اس بیعت یا گواہی کا ایک اور پہلو یہ ہے کہ یہ اس بات کی حجت شرعی ہے کہ جناب مہدئ موعود علیہ السلام نے مخبر صادق کے فرمان کے مطابق رکن و مقام کے درمیان دعوئ مہدیت فرمایا اور لوگوں نے بیعت کی کسی معاند کو اس مقام پر دعوی نہ ہونے کا عذر کرنے کی گنجایش نہیں ہے۔

ثالثاً خود مولف ہدیہ نے خطائے ششم کے ضمن میں یہ اعتراف کیا ہے کہ" جس بات پر یہ دونوں گواہ ہوئے ہیں مدعی علیہم اس کا انکار نہیں کرتے ہیں" اس سے خود ثابت ہے کہ یہاں گواہی کا معنی حسب ضابطۂ فقہا مراد نہیں ہے کیونکہ جب مدعی علیہم کو انکار نہیں ہے تو گواہی کی کیا حاجت ہے۔

رابعاً ان گواہوں کے الوش خوار ہونے کی وجہ سے ان کی گواہی

نا قابل قبول سمجھنا بھی غلط ہے کیونکہ حضرت کے یہ رفقا۔ وصحابہ جن کی تعداد تین سو سے زیادہ تھی تمام متوکل علی اللہ تھے جن کو رزاق مطلق جو کچھ دیتا اسی پر صابر وشاکر بسر کرتے تھے کچھ حضرت امامنا علیہ السلام کی طرف سے ان کو کوئی یومیہ یا ماہانہ مقرر نہیں تھا جو ان کو حضرت کا الوش خوار قرار دیا جائے حضرت امامنا علیہ السلام کی وہ صفت کرم وایثار کہ حضرت کے پاس جو کچھ آتا وہ سب ان رفقا وغیرہ پر علی السویہ تقسیم کر دیا جاتا تھا اس سے بھی یہ رفقا حضرت کے الوش خوار نہیں قرار دئے جا سکتے کیونکہ یہی وصف خاص حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی بدرجۂ کمال موجود تھا کہ حضرت کے پاس جب کبھی بھی جو کچھ اور جس قدر مال وزر آتا وہ صحابہ میں تقسیم کر دیا جاتا تھا پس امامنا مہدی موعود علیہ السلام اس وصف ایثار میں بھی قدم بقدم رسول اللہ صلعم تھے۔ اگر اس ایثار سے مستفید ہونے والوں کو الوش خوار قرار دینا صحیح ہو تو بقول مولف ہدیہ تمام صحابۂ رسول اللہ آنحضرت صلعم کے الوش خوار ثابت ہوں گے اور بقول آپ کے ان کی گواہی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے قابل قبول نہ ہونا چاہئے۔ اب مولف صاحب ہدیہ فرمائیں کہ اسی قسم کے امور یا واقعات میں صحابۂ رسول اللہ کی شہادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں قابل قبول ہے یا نہیں؟ اگر آپ نا قابل قبول کہیں تو ایسا کہنا حضرت شارع علیہ السلام کے فیصلہ کے صریح خلاف ہے کیونکہ حضرت نے اس کو قبول فرمایا ہے اور اگر صحابۂ رسول اللہ کی شہادت آنحضرت صلعم کے لئے قبول ہو سکتی ہے تو یہاں بھی امامنا علیہ السلام کے صحابہ وخلفا کی شہادت ضرور قابل قبول ہے اور مولف صاحب کی سب ہرزہ سرائی غلط اور لغو ہے۔

خامساً مولف ہدیہ نے اس بحث کے آخر میں حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کا ایک یہودی کے مقابلہ میں زرہ کا دعویٰ کرنا اور قاضی شریح کا امام حسنؓ کی شہادت قبول نہ کرنے کا واقعہ لکھا ہے۔ ہم نہیں سمجھتے کہ اس واقعہ کو یہاں کیا مناسبت ہے کیونکہ حضرت امام حسنؓ کو حضرت امیر المومنینؓ کے ساتھ جو نسبت فرزندی مانع قبول شہادت تھی وہ نسبت از روے احکام شرعی بندگمیاں شاہ نظام اور بندگی قاضی علاء الدینؓ کو حضرت امامنا علیہ السلام کے ساتھ حاصل نہیں ہے جس کی وجہ سے یہ شہادت قبول نہ ہو

سادساً ان وجوہ کے علاوہ اپنی دو مریدین کی گواہی یا بیعت پر انحصار بھی تو نہیں ہے بلکہ اس موقع پر کئی عربوں نے بھی بیعت کی ہے چنانچہ خود ہدیہ کے صفحہ (۸۱) پر مولف ہدیہ نے بیان کیا ہے کہ " بعض اعراب نے بھی بیعت کی " پس یہ اعراب تو حضرت امامنا علیہ السلام کے الوش خوار و مرید نہیں تھے ان کی یہ بیعت جو معنیً شہادت ہے بلاچون چرا واجب التسلیم ہے۔

مولف ہدیہ نے اپنے خیال میں خطائے ششم یہ بیان کی ہے کہ

" جس بات پر یہ دونوں گواہ ہوئے ہیں مدعی علیہم اس کا انکار نہیں کرتے ہیں اور جس بات کا وہ انکار کرتے ہیں اس کے یہ گواہ نہیں ہو سکتے ہیں ـــــ ان کو اس کے باذن اللہ و من عند اللہ ہونے کا انکار ہے اور گواہان مذکور سے اس کی گواہی غیر منصور ہے "۔

مولف صاحب ہدیہ کی یہ تقریر محض زائد ہے اس واسطے کہ ہم نے جیسا اس سے پہلے بیان کیا ہے یہ اپنے ایمان و ایقان کی شہادت تھی نیز اس بات کی حجت شرعی کی تکمیل بھی کہ حضرت امامنا مہدیٔ موعود علیہ السلام نے رکن و مقام کے درمیان دعویٰ فرمایا اور لوگوں نے بیعت کی چنانچہ مولف ہدیہ نے اس بیعت کے جو واقعات لکھے ہیں خود اس میں صراحت موجود ہے کہ

" حضرت نے یہ فرمایا کہ امر الٰہی ہوا کہ دو گواہ واسطے ثبوت دعویٰ کے بس ہیں " (ہدیہ صفحہ ۸۱)۔

اس سے ثابت ہے کہ یہ ظہور دعویٰ کی شہادت تھی نہ من عند اللہ ہونے کی؟ کیونکہ حضرت امام علیہ السلام کا دعویٰ باذن اللہ و من عند اللہ ہونا تو انہی دلائل قاطعہ سے ثابت ہے جن سے تمام خلفاء اللہ و انبیاء اللہ (علیہم السلام) کا دعویٰ بلا آمیزش ہوائے نفسانی و بغیر تخلل وساوس شیطانی خالص من عند اللہ و بامر اللہ ہونا ثابت و متحقق ہوتا رہا ہے۔ ورنہ یہ مسئلہ اس قبیل سے نہیں ہے کہ اس کا بامر اللہ و من عند اللہ ہونا کسی آدمی کی گواہی سے ثبوت کو پہنچتا ہے یا کوئی آدمی یہ گواہی دے سکتا ہے کہ خلیفۃ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے جو الہام فرمایا ہے اس کو اس نے سنا ہے اور یہ اس کی گواہی دے رہا ہے۔

دور کیوں جائیں مولف صاحب ہدیہ خود اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور ضرور "اشہد ان لا الٰہ الا اللہ واشہد ان محمد الرسول اللہ" کہکر مسلمان ہوئے ہیں۔ ان کے مقابلہ میں لاکھوں کروروں آدمی توحید و رسالت کے منکر ہیں جو بقول آپ کے مدعی علیہم ہیں ان مدعی علیہم کو حضرت کے دعویٰ نبوت کرنے کا انکار نہیں ہے اگر انکار ہے تو یہی کہ یہ دعوی من عند اللہ نہیں تھا اس لئے وہ حضرت پر وحی نازل ہونے اور حضرت کے رسول برحق ہونے کو نہیں مانتے ہیں۔ پس آپ کی یہ شہادت اگر صرف اس بات کی گواہی ہے کہ حضرت نے نبی ہونے کا دعوی فرمایا تو مدعی علیہم کو اس کا انکار نہیں ہے اور مدعی علیہم کو جس بات کا انکار ہے آپ اس کی شہادت نہیں دے رہے ہیں کیونکہ مولف ہدیہ یا کوئی مسلمان بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا جو حکم ہوتا تھا یا جبرئیلؑ جو وحی لاتے تھے میں نے اس کو اپنے کانوں سے سنا یا اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور میں اسکی شہادت دیتا ہوں۔ غرض جو بحثیں امامنا علیہ السلام کی تصدیق و بیعت کے متعلق پیش کی گئی ہیں وہی تمام بحثیں آپ کے اسلام یا شہادتِ توحید و رسالت پر عائد ہوتی ہیں۔ ایسا ہی اسی ضمن میں کشف کی جو بحث کی گئی ہے کہ "اگر ان گواہوں کو امر الٰہی کا علم کشف سے ہونا کہا جائے تو یہ بھی خود مدعی کشف والہام ہوئے گویا انھوں نے اپنی ولایت کا دعویٰ کیا اور یہ شہادت لنفسہ ہوئی وغیرہ" یہ سب بحثیں بھی بعینہ آپ کی شہادتِ توحید و رسالت پر عائد ہوں گی۔

مہدیؑ کے بعد تحطانی کے ظہور کی تحقیق

مولف صاحب ہدیہ نے بزعم خود ساتویں دلیل جو قرار دی ہے اس کی بنا صرف اس قدر ہے کہ بقول مولف ہدیہ "شواہد الولایت" میں ترمذی کے حوالہ سے ایک حدیث لکھی ہے۔ اور اس حدیث کا مصداق حضرتِ امامنا علیہ السلام کے خلیفۂ ثانی بندگیمیاں سید خوندمیرؓ کو قرار دیا گیا ہے۔ چونکہ مولف صاحب ہدیہ نے شواہد الولایت کے نام سے جو کچھ لکھا ہے اس میں اور شواہد الوایت کے موجود بعض نسخوں کے مندرجہ مضمون میں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے اور ہم کو اس وقت مولف ہدیہ ہی کے اعتراضات کا جواب ادا کرنا ہے اس لئے ہم اپنی تحقیق کی بنا مولف ہدیہ ہی کے بیان کو قرار

دیتے ہیں جو انھوں نے شواہد الولایت کے حوالہ سے نقل کرکے اس پر رد و قدح کی ہے۔ چنانچہ مولف صاحب ہدیہ نے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔

شواہد الولایت کے اکتیسویں باب میں لکھا ہے کہ ترمذی میں باب المہدی میں ہے کہ "عن ارطاۃ انہ قال بلغنی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان المھدی من ولد فاطمۃ بنت رسول اللہ صلعم یعیش خمس عام ثم یموت علیٰ فراشہ ثم یخرج رجل من ولد فاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیٰ سیرۃ المھدی بقاؤہ عشرین سنۃ ثم یموت قتیلاً بالسلاح"۔ (ہدیہ ۔صفحہ ۸۵)

(ترجمہ۔ یعنی ارطاۃ نے کہا کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچی ہے کہ مہدی فاطمہ بنت رسول اللہ صلعم کی اولاد سے ہیں جو پانچ سال زندہ رہیں گے پھر اپنے فرش پر وفات پائیں گے پھر ایک شخص اولاد فاطمہ بنت رسول اللہ صلعم سے نکلیگا جو مہدی کی سیرت پر ہوگا اور بیس سال باقی رہ کر ہتھیار سے مقتول (شہید) ہوگا۔ اور یہ حدیث خوند میر پر صادق ہے۔

(مولف ہدیہ نے یہ نقل کرنیکے بعد یہ اعتراض کیا ہے) ان لوگوں (مہدویوں) نے اقسام کی خیانت اور بے دیانتی کو کار فرمایا ہے اس واسطے کہ ترمذی میں باب ما جاء فی المھدی میں اس حدیث کا نام و نشان نہیں ہے۔

البتہ نعیم بن حماد نے ارطاۃ سے روایت کیا ہے چنانچہ "رسالہ مہدی" مولفہٗ مولانا علی القاری اور رسالہٗ برہان" شیخ علی متقی میں موجود ہے۔ روایت نعیم بن حماد یہ ہے۔

عن ارطاۃ قال بلغنی ان المھدی یعیش اربعین عاما ثم یموت علیٰ فراشہ ثم یخرج رجل من قحطان مثقوب الاذنین علیٰ سیرۃ المھدی بقاؤہ عشرین سنۃ ثم یموت قتیلاً بالسلاح۔ ثم یخرج رجل من اھل بیت النبی صلعم مھدی حسن السیرہ یغزو مدینۃ قیصر و ھو اٰخر امیر من امۃ محمد صلعم ثم یخرج فی زمانہ

الدجال وینزل فی زمانه عیسی بن مریم علیه السلام۔ یعنی کہا ارطاۃ نے کہ مجھے پہنچی ہے یہ بات کہ مہدی رہیں گے چالیس برس پھر مریں گے اپنے فرش پر پھر نکلے گا ایک مرد نسل قحطان سے کہ دونوں کانوں میں اس کے سوراخ ہونگے کہ مہدی کی روش پر چلے گا اور اس کو بیس برس بقا ہے پھر ہتھیار سے مقتول ہو کر مرے گا۔ پھر نکلے گا ایک مرد اہلبیت پیغمبر سے کہ ہدایت یافتہ نیک سیرت ہو گا غزا کرے گا شہر قیصر روم پر اور وہ پچھلا امیر ہے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں پھر اس کے زمانہ میں دجال نکلے گا اور عیسیٰ ابن مریم اتریں گے انتہیٰ۔

اب اس روایت کو مہدویوں کی روایت سے مقابلہ کر کے دیکھئے کہ کس قدر تحریف اور خیانت کی ہے۔ اتنی بات پر کہ اُس قحطانی کے حق میں بعد مہدی کے بیس برس کا رہنا وارد ہوا اور اپنے خوندمیر کو بھی دیکھا کہ بعد بیس برس کے مارے گئے بیخود ہو کر جامہ سے باہر ہوگئے کہ علامات سابق ولاحق اوڑا کر اس کو نسل حضرت رسالت میں داخل کر کے اپنے میاں پر جما دیا حالانکہ یہ شخص قحطان بن شالخ کہ ابوالیمن ہے اس کی اولاد سے ہو گا۔

اور خوندمیر تمہارے اعتقاد کے موافق ہاشمی ہیں۔ اگر آج یہ روایت ان پر جمانے کی ضرورت سے ان کو قحطانی بناؤ گے تو تمہارے مہدی کی بشارت جھوٹ ہو جائے گی کیونکہ شواہد ہی کے ستائیسویں باب میں منقول ہے کہ فرماتے تھے۔

"برادر میرے سید خوندمیر حسینی سید ہیں ہم اور یہ یک جدی ہیں۔

قطع نظر اس سب سے خوندمیر کے بعد اس روایت کے موافق دوسرے میاں کونسے نکلے جو قیصر روم کے شہر پر حملہ کئے ہوں اور انکے وقت میں دجال کب نکلا اور اگر نکلا تو اسکو کہاں چھپا رکھا ہے کہ آج تک وہ مع گدھا ایسا گم ہے جیسا گدھے کے سر سے سینگ گم ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام نے کب نزول فرمایا۔ (ہدیہ۔ ص۸۶ تا ۸۷)

مولف ہدیہ کے ان اعتراضات پر نقد وتبصرہ کرنے سے پہلے ان کی یہ دو فاحش غلطیاں ضرور قابل تنقید ہیں ۔

اولاً بقول مولف ہدیہ "ہدیہ" کا باب سوم تو دلائل اثبات مہدیت سے مخصوص ہے پھر اس حدیث کو اثبات مہدیت کے موقع پر لانا مولف صاحب ہدیہ کی فہم وفراست کے فقدان پر دلالت ظاہرہ رکھتا ہے ۔ کیونکہ حدیث مابہ البحث جس کے متعلق بعد میں بحث کی جائے گی اصالتہً وبالذات اثبات مہدیت سے متعلق نہیں ہے بلکہ اس سے ایک ایسے شخص کا وجود ثابت ہوتا ہے جو حضرت مہدی علیہ السلام کے بعد حضرت کی سیرت کے موافق ہوگا اور مہدی علیہ السلام کی وفات سے بیس[۲۰] برس بعد شہادت حاصل کرے گا ۔

کتاب وسنت میں اس کی بہت سی نظیریں ملتی ہیں کہ بعض صحابہ وتابعین اور دوسرے مفسرین نے اسی قسم کے مبہم الفاظ یا عام صفات سے خاص خاص اشخاص مراد لئے ہیں جیسے قرآن شریف کی اس آیت "یوفون بالنذر ویخافون یوما کان شرہ مستطیرا ویطعمون الطعام علی حبہ مسکینا ویتیما واسیرا"[۱] سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور دوسرے اہل بیت مراد لی ہے ۔

اور آیت "وسیجنبہا الاتقی الذی یؤتی مالہ یتزکی"[۲] کا مورد ومصداق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو قرار دیا ہے ۔

اگر فرض کیا جائے کہ مفسرین کے اس قسم کے اقوال کو جوان کے سوا اور بہت زیادہ ہیں کوئی غلط کہے یا ان آیتوں سے وہ اصحاب مراد لینا صحیح نہ ہو تو اس سے حضرت خاتم الانبیاء والمرسلین کی نبوت ورسالت کی صداقت پر کیا اثر مترتب ہو سکتا ہے ۔

۱؎ ۔ ترجمہ = یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی نذر پوری کرتے اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی مصیبت عام اور سب طرف پھیلی ہوئی ہوگی اور اللہ کی محبت میں محتاج اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں ۔ ۱۲

۲؎ ۔ ترجمہ = اور جو بڑا پرہیزگار ہے وہ اس آگ سے دور ہی رکھا جائے گا جو اپنا مال اللہ کی راہ میں دیتا ہے ۔ ۱۲

اسی طرح جناب مولف صاحب شواہد الولایت نے بقول مولف ہدیہ اگر یہ قیاس قائم کیا ہے کہ " ثم یخرج رجل علی سیرۃ المھدی بقاؤہ عشرین سنۃ ثم یموت قتیلا بالسلاح " کی مصداق حضرت بندگی میاں سید خوندمیرؓ کی ذات ہے تو ہم کہتے ہیں کہ اس سے انکار کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ لیکن اس کو ہدیہ کے باب سوم سے کیا تعلق ہے فرض کیا جائے کہ یہ قیاس اگر صحیح ثابت نہو تو اس سے حضرت امامنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعوی کی صداقت پر کوئی اثر مترتب نہیں ہو سکتا۔ پس اس بحث کا دلائل اثبات مہدیت سے غیر متعلق ہونا ثابت ہے۔

ثانیاً اس موقع پر مولف صاحب ہدیہ نے اپنی عادت کے موافق جناب مولف صاحب " شواہد الولایت " کی اس رائے وقیاس کو تمام مہدویہ کی رائے قرار دینے کی وہی غلطی کی ہے جو اکثر موقعوں پر کرتے آئے ہیں ابتدا میں یہ اعتراف کیا ہے کہ " شواہد الولایت " میں ایسا لکھا ہے اور بعد میں اس کو تمام مہدویہ کی طرف منسوب کرتے گئے ہیں حالانکہ دوسرے علمائے مہدویہ سے کسی کا کوئی قول اس کے متعلق مولف ہدیہ نے پیش نہیں کیا ہے۔

اس کے بعد نفس حدیث سے متعلقہ اعتراضات پر تحقیقی نظر ڈالی جائے تو واضح ہوتا ہے کہ مولف ہدیہ کا اعتراض صرف اس حد تک صحیح ہے کہ یہ حدیث ترمذی کے " باب ماجاء فی المھدی " میں نہیں ہے۔ لیکن جب خود مولف ہدیہ کو اقبال ہے کہ نعیم بن حماد نے ارطاۃ سے یہی روایت کی ہے اور یہ روایت رسالۂ مہدی میں اور رسالۂ برہان میں موجود ہے تو اس صورت میں زیادہ سے زیادہ اعتراض کی نوعیت یہی رہ جاتی ہے کہ نفس مضمون حدیث تو صحیح ہے صرف حوالۂ کتاب صحیح نہیں ہے۔

تحریف وخیانت کا الزام بھی صحیح نہیں ہے اس لئے کہ بعض جزی اختلاف کے قطع نظر نفس مقصود بہ مضمون جو شواہد الولایت اور نعیم بن حماد کے حوالہ سے مولف ہدیہ نے نقل کیا ہے وہ قریب قریب متحد ہے جو دو اشخاص کے ظہور کی پیشین گوئی پر مشتمل ہے ایک اہل بیت نبی کے شخص کی۔ دوسرے قحطانی کی۔ البتہ ان دونوں

روایتوں میں اختلاف اس قدر ہے کہ شواہد الولایت کے حوالہ سے لکھی ہوئی روایت میں امام مہدی علیہ السلام کی وفات کے بعد اہل بیت کے ایک شخص کا ظہور مذکور ہے اور نعیم بن حماد کی روایت ارطاۃ میں امام مہدی علیہ السلام کی وفات کے بعد اول قحطانی اور اس کے بعد اہل بیت نبی کے ایک شخص کا ہونا درج ہے۔ اور یہ اختلاف جو تقدم و تاخر میں ہے اختلاف روایات کی نوعیت رکھتا ہے جو اکثر روایتوں میں پایا جاتا ہے اس کو تحریف وخیانت کہنا یا سمجھنا کہنے والے کی کم فہمی کی دلیل ہوگی کیونکہ اگر اس کو تحریف وخیانت کہا جائے تو ان بے شمار اختلافات روایات کو بھی تحریف وخیانت کہنا ہوگا جو بہت سے واقعات اور مسائل میں پایا جاتا ہے۔

اس کے بھی قطع نظر یہ حدیث ارطاۃ جو مولف ہدیہ نے نعیم بن حماد کے حوالہ سے لکھی ہے اقسام احادیث کے اعتبار سے حدیث موقوف ہے جیسا کہ علامہ قسطلانی نے ارشاد الساری شرح بخاری میں مشہور محدث حافظ ابن حجر عسقلانیؒ سے نقل کیا ہے اور حدیث موقوف کا حکم یہ ہے کہ

الموقوف ھو مطلقاً ما روی عن الصحابی من قول او فعل متصلا کان او منقطعاً وھو لیس بحجۃ علی الاصح (رسالۂ اصول حدیث علامہ سید شریف جرجانی)

کسی صحابی کا قول یا فعل روایت ہوا ہو تو وہ موقوف ہے خواہ وہ متصل ہو یا منقطع مذہب صحیح یہ ہے کہ موقوف حجت نہیں ہے۔

پس جس روایت کے مقابلہ میں مولف صاحب ہدیہ نے مہدویہ پر تحریف وخیانت کا الزام لگایا ہے وہ خود محدثین محققین کے نزدیک فرمان رسول صلعم نہیں بلکہ کسی صحابی یا تابعی کا قول ہے اور قابل حجت نہیں ہے تو پھر کسی ناقابل حجت روایت سے ذرا سا اختلاف پائے جانے کو تحریف وخیانت قرار دینا اور حدیث "من کذب علی متعمداً" کا مصداق بتا کر بدگوئی کا طومار باندھنا اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ ایسا کہنے والا خود اصول حدیث اور محدثین محققین کی تحقیق سے یا تو لاعلم ہے یا عمداً اس کے بیان کرنے میں خیانت کا مرتکب ہوا ہے۔

یہاں تک تو اختلاف روایت کی بحث تھی اب ہم یہ ثابت کرتے ہیں کہ ان دونوں روایتوں میں ترتیب واقعات کا جو اختلاف ہے ان میں سے شواہد الولایت سے منقولہ مضمون یعنی امام مہدی علیہ السلام کی رحلت کے بعد اہل بیت نبی سے ایک شخص کا ہونا زیادہ صحیح ہے اور اسی روایت کی

تائید دوسری روایتوں سے بھی ہوتی ہے چنانچہ یہی نعیم بن حماد نے کعب سے روایت کی ہے جس کو حافظ جلال الدین سیوطی نے رسالۂ "العرف الوردی فی اخبار المہدی" میں نقل کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

عن کعب قال یموت المہدی موتاً ثم یلی الناس بعدہ رجل من اہل بیتہ الخ	کعب سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا مہدی اپنی موت سے وفات پائینگے پھر انکے بعد انکی اہلبیت سے ایک شخص لوگوں کا والی ہوگا۔

نعیم بن حماد ہی نے خود ارطاۃ ہی سے ایک اور روایت کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

عن ارطاۃ قال یکون بین المہدی وبین الروم ہدنۃ ثم یہلک المہدی ثم یلی رجل من اہل بیتہ یعدل قلیلاً ثم یقتتل الخ	ارطاۃ نے کہا کہ مہدی اور روم کے مابین صلح و آشتی رہے گی پھر مہدی ہلاک ہونگے پھران کی اہل بیت سے ایک شخص والی ہوگا جو تھوڑے دن عدل کرے گا پھر شہید ہو جائے گا۔

اگرچہ یہ روایتیں موقوف ہیں لیکن ان سے شواہد الولایت کے مندرجہ مضمون کی تائید ہوتی ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ امام مہدی علیہ السلام کی وفات کے بعد والی ہونے والا اہل بیت کا شخص ہے قحطانی نہیں ہے۔ جب قحطانی کی روایت مولف ہدیہ کے پاس معتبر ہے تو یہ روایتیں بھی جو اسی نوعیت کی ہیں ضرور معتبر ہونا چاہیئے۔

اب قحطانی کی تحقیق یہ ہے کہ ارطاۃ کی اس روایت میں امام مہدی علیہ السلام کی وفات کے بعد قحطانی کا ہونا جو لکھا ہے وہ صحیحین کی حدیث کے اور خود نعیم بن حماد کی روایت کردہ دوسری روایتوں کے خلاف ہے۔ اور مشہور محدثین کی تحقیق بھی اس ترتیب کے موافق نہیں ہے کیونکہ قحطانی کے متعلق متفق علیہ حدیث مرفوع جس کو بخاری اور مسلم اور دوسرے محدثین نے روایت کی ہے یہ ہے۔

عن ابی ہریرۃ رض ان رسول اللہ صلعم قال لا تقوم الساعۃ حتی یخرج رجل من قحطان یسوق الناس بعصاہ۔	ابو ہریرۃ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک ایک قحطانی شخص نہ نکلے جو لوگوں کو اپنے عصا سے ہانکے گا۔

علامہ قسطلانی شارح بخاری کا قول ہے کہ قحطانی عیسیٰ بن مریم کے

زمانہ میں ہوگا"۔ اس کے بعد حدیث ارطاۃ کے حوالہ سے اجتماع مہدی و عیسیٰ کا ذکر کرتے ہوئے قحطانی عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ہونے پر ایک اشکال پیش کر کے اس کا جو جواب دیا ہے اُس سے بھی قحطانی عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ہونے کی مزید تاکید و توضیح ہوتی ہے علامہ قسطلانی کے قول کا خلاصہ یہ ہے کہ

یہاں یہ اشکال پیش کیا گیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں کوئی شخص ایسا امیر کس طرح ہو سکتا ہے جو سب پر غالب اور حاکم رہے اور لوگ اس کے تابع و منقاد رہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قحطانی عیسیٰ علیہ السلام کا مخالف ہونا ضروری نہیں بلکہ عیسیٰ علیہ السلام ہی اس کو اہم امور کی انجام دہی کے لئے اپنی طرف سے نائب مقرر کرنا جایز ہے۔

قسطلانی کے اس قول سے بھی قحطانی عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ہونیکی تائید و توضیح ہوتی ہے۔

علماء مہدویہ میں سے حضرت قاضی منتجب الدینؒ نے اپنی تالیف "مخزن الدلائل" میں قحطانی کی نسبت یہ تصریح فرمائی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

"مقدسی کا قول یہ ہے کہ قحطانی میں اختلاف ہے۔

"ابن سیرین کا قول ہے کہ قحطانی ایک مرد صالح ہے جو عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں امیر و حاکم ہوگا اور عیسیٰ علیہ السلام کے پیچھے نماز پڑھیگا۔

اس سے بھی یہی ثابت ہے کہ متقدمین مہدویہ کے نزدیک مہدی علیہ السلام کی وفات کے بعد ہونے والا شخص قحطانی نہیں ہے بلکہ قحطانی کا عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ہونا صحیح ہے۔

پس حدیث صحیحین اور حدیث کعب کے موافق اور ان مشہور محدثین کی تحقیق کے مطابق صحیح مذہب یہ ٹھہرا کہ امت محمدیہ کا آخری امیر جس کے زمانہ میں دجال خروج کرے گا اور عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے اور جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیچھے نماز پڑھے گا وہ شخص قحطانی ہے فاطمی نہیں ہے۔ اور جو شخص مہدی علیہ السلام کی وفات کے بعد لوگوں کا والی ہوگا اور مہدی علیہ السلام کی سیرت و روش پر

چلے گا اور بیس سال بعد قتل بالسلاح ہوگا وہ فاطمی اور اہل بیت نبی سے ہے قحطانی نہیں ہے پس ثابت ہوا کہ نعیم بن حماد کی روایت کردہ حدیث ارطاۃ میں جس کو ملا علی قاری نے رسالۂ مہدی میں اور ملا علی متقی نے رسالۂ برہان میں نقل کیا ہے خود یہ تقدیم و تاخیر یا بقول مولف ہدیہ تحریف و تبدیل واقع ہوگئی ہے کہ قحطانی کو جو امتِ محمدیہ کا آخری امیر ہوگا مہدی علیہ السلام کے بعد ہونا بیان کیا ہے اور مہدی علیہ السلام کے بعد اہل بیت نبی سے ہونے والے شخص کو آخری امیر بنایا گیا اور قحطانی سے تعلق رکھنے والے امور کو اس سے متعلق کردیا گیا ہے۔ اب مولف صاحب ہدیہ کعب اور ارطاۃ کی روایتوں اور ان محدثین کی اس تحقیق کے تقابل سے فرمائیں کہ تحریف و خیانت کس سے سرزد ہوئی ہے اور من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار (جو شخص عمداً مجھ سے جھوٹی بات منسوب کرے وہ اپنا مقام جہنم میں بنالے) کا صحیح مصداق اور مورد کون ہے؟ اور پھر مولف صاحب ہدیہ اس غیظ و غضب سے از خود رفتہ ہوکر تحریف و تبدیل کا الزام مہدویہ پر کس لئے لگا رہے ہیں اور ہمارے پیشواؤں کی جناب میں کلمات ناگفتنی کیوں کہہ رہے ہیں؟ خیر ہم اس کا انتقام خدائے دادار پر سونپتے ہیں وہی اس کا بدلہ دینے والا ہے۔

غرض اس تمام تقریر سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچی کہ شواہد الولایت کے حوالے سے جو روایت "ہدیہ" میں نقل کی گئی اور جس پر اعتراض کیا گیا ہے اسکے بھی شواہد ضرور موجود ہیں اور چونکہ اس میں مہدی علیہ السلام کے بعد ہونے والی ذات کا فاطمی ہونا مذکور ہے اس لئے حضرتِ بندگیمیاں سید خوندمیرؓ کو اسکے مورد و مصداق بنانے سے حضرتِ ممدوح کے فاطمی اور اہل بیت نبی ہونے کی نفی نہیں لازم آتی اور حضرت امامنا علیہ السلام کے فرمانِ اجبال الاذعانؓ کے مطابق آپ حضرت امام علیہ السلام کے یک جدی ہونے میں کسی بد باطن کو شک وشبہ یا گستاخانہ بد زبانی کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

اب رہی یہ بات کہ خود جناب مولف صاحب شواہد الولایت نے حضرت بندگیمیاں سید خوندمیرؓ ہی کو قحطانی قرار دیدیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جناب موصوف کی سہو نظری یا خطاء اجتہادی ہو سکتی ہے جو ائمہ مجتہدین سے بھی سرزد ہو جاتی ہے ممکن ہے کہ یہ روایتیں آپ کو نہ ملی ہوں۔

کیونکہ "ثم یخرج رجل من ولد فاطمة" اور ثم یلی الناس بعده رجل من اهل بیت النبیؐ" کے صاف الفاظ ہوتے ہوے بندگیمیا نسید خوندمیرؓ کو قحطانی قرار دیئیے بغیر اس حدیث کا آپ ضرور مصداق ہیں۔

حاصلِ کلام اس مذکورہ تحقیق کی بنا، پر نہ بندگیمیا نسید خوندمیرؓ کو قحطانی ماننے کی ضرورت ہے نہ تاویلات کرنے کی حاجت ہے

نہ حضرت کی سیادت پر حملہ کرنے کی کسی کو گنجایش ملتی ہے۔

نہ بندگیمیا نسید خوندمیرؓ کی شان میں حسینی سید اور حضرت امام علیہ السلام کے یک جدی ہونے کی جو بشارت امام علیہ السلام نے دی ہے اسکی غلطی کا گمان تک کرنے کی کسی کو مجال ہوسکتی ہے۔

نہ آپ کے سلاح سے شہید ہونے میں کوئی شک کرسکتا ہے۔

نہ قحطانی کے عوض کسی اور کو امت کا آخری امیر فرض کرنے کی ضرورت ہی باقی رہتی ہے جو بندگیمیا نسید خوندمیر رضی اللہ عنہ کو قحطانی ماننے سے ایسا فرض کرنا لازم آتا ہے

پس یہ احتمالات جو فاطمی اور قحطانی کے تقدم و تاخر کے متعلق پیدا ہوتے تھے وہ سب رفع ہوگئے ہیں۔

اس موقع پر ان سب بحثوں کے علاوہ ایک اہم بات لائق غور یہ ہے کہ اگر بالفرض نعیم بن حماد کی روایتِ ارطاۃ کی ان سب خامیوں سے ہم قطع نظر بھی کرلیں تو اس سے ہم کو کوئی نقصان نہیں کیونکہ یہ روایت مستقل دلائل اثبات مہدیتؑ سے نہیں ہے لیکن یہی روایت مولف ہدیہ کے اعتقادِ اجتماع مہدی و عیسیٰ علیہما السلام کی تردید کی دلیل بیّن ہے اس لئے کہ اس سے صاف ظاہر ہے کہ مہدی علیہ السلام کی وفات کے بعد قحطانی خروج کرے گا اور بیس سال زندہ رہ کر مقتول بالسلاح ہوگا پھر اس کے بعد اہل بیت کے ایک شخص کا ظہور ہوگا اور اس کے زمانہ میں عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے پس ثابت ہوا کہ امام مہدیؑ اور عیسیٰؑ ایک زمانہ میں نہیں ہیں بلکہ امام مہدی علیہ السلام کی وفات اور نزول عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان طویل زمانہ کا فصل ہے۔ چونکہ مولف ہدیہ کو یہ روایت بلاچون وچرا تسلیم ہے اور اِس روایت کی خامیوں سے انھوں نے کوئی بحث نہیں کی ہے اور یہ بھی ان کا قول ہے کہ

"حرف" "ثم" خاص ہے واسطے تعقیب مع التراخی کے اور خاص
قطعی ہوتا ہے جیسا کہ اصول میں مبرہن ہے" (ہدیہ صفحہ ۱۶)۔

اس لئے جب "حرف ثم اس روایت میں بھی موجود ہے اور "ثم" کا خاصہ تعقیب مع التراخی ہے تو لازم آیا اور مولف ہدیہ کو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ عیسیٰ علیہ السلام کا نزول امام مہدی علیہ السلام کی حیات میں نہیں بلکہ امام علیہ السلام کی وفات کے بعد اور وفات کے بھی ساتھ ہی ساتھ نہیں بلکہ تراخی یعنی تاخیر سے ہوگا جس کی اصول میں کوئی حد یا مدت معین نہیں ہے۔ پھر تو دونوں کا وقتِ واحد میں اجتماع غیر ممکن ہے۔

مولف صاحب ہدیہ صرف قحطانی کی بحث دیکھکر اعتراض کرنے کے جوش میں آپے سے باہر ہوگئے اور خوشی خوشی اس روایت کو بلاچوں وچرا لے لیا مگر یہ نہیں دیکھا کہ اس روایت سے خود اپنے ہی ایک اعتقاد کی مشت خاک برباد ہو جارہی ہے۔ سچ ہے وہ مہدویہ کے وفورِ عناد میں ایسے ازخود رفتہ رہتے ہیں کہ اس شعر کے مصداق ان کو خود اپنی بربادی کی پرواہ نہیں ہوتی ؎

شادم کہ از رقیباں دامن کشاں گزشتی
گو مشتِ خاک ما ہم برباد رفتہ باشد

مولف صاحب ہدیہ نے حدیث ارطاۃ کو اپنی دلیل سمجھا تھا مگر وہی حدیث بفرض تسلیم بھی ایک اہم مسئلہ میں ہماری مویدات سے ثابت ہو رہی ہے اور مولف ہدیہ کے ایک ادعائے باطل کی واضح طور پر تردید کر رہی ہے۔ ذلک فضل اللہ۔

اس تحقیق کے بعد مولف ہدیہ کا یہ اعتراض بھی صریح مہمل اور بے محل ہے کہ

میاں جونپوری کے بعد اس روایت کے موافق دوسرے میاں کونسے نکلے جو قیصر روم کے شہر پر حملہ کئے ہوں اور ان کے وقت میں دجال کب نکلا اور عیسیٰ علیہ السلام نے کب نزول فرمایا"۔

ہم نے کب یہ دعوی کیا ہے اور مذکورہ روایت سے کب یہ ثابت ہوتا ہے جو ہم میں سے اس کا استدراک ہو رہا ہے ارباب لغت کے بیان کے موافق اور بقول آپ کے وہ تو قحطان بن شالخ ابوالیمن کی اولاد سے ہوگا پس یہ سوال اہل یمن سے

کرنا چاہئے کہ وہ شخص کب نکلا یا کب نکلے گا۔

پھر اس روایت میں جبکہ قیصر روم پر حملہ کرنے والے شخص یعنی قحطانی کے خروج کا کوئی زمانہ مذکور نہیں ہے تو یہ سوال ہی قبل از وقت ہے الحاصل سیدھی بات کے سمجھنے میں اس قدر پیچ وتاب کی کیا حاجت ہے بقول محدثین وہ قحطانی جوامت محمدیہ کا آخری امیر ہوگا اور خروج دجال اور نزول عیسیٰ علیہ السلام اسی کے زمانہ میں ہوگا یہ تینوں ہم زمانہ ہیں جب نزول عیسیٰ بن مریم ہوگا اسی کے قریب اس قحطانی کا بھی ظہور ہوگا۔ چونکہ ہمارے نزدیک امام مہدی علیہ السلام کا ظہور اور عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ایک ہی زمانہ میں نہیں ہے جس کے بہت سے دلائل ہیں جو ان کے موقعوں پر ذکر کئے گئے ہیں اور خود روایت ارطاۃ سے ان دونوں کے درمیان ایک قحطانی اور دوسرا اہل بیت نبی کا ایک شخص ہونا ثابت ہوتا ہے اور حرف "ثم" جو اس روایت میں ہے وہ ترتیب وتعقیب اور تراخی (تاخیر) کو مستلزم ہے اگرچہ قیامت تک ہو۔ اس لئے یہ سوال ہی ہم پر وارد نہیں ہوسکتا۔ اس کو ہم سے متعلق سمجھنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ایسا سمجھنے والا عقل وفہم سے بے بہرہ ہے۔

اس موقع پر مولف ہدیہ نے ایک اور صریح غلط بیانی یہ کی ہے کہ "امامنا مہدی علیہ السلام کے وقت سے آج تک کچھ کم چارسو برس میں مہدویہ کبھی عزت سلطنت کو نہ پہنچے" حالانکہ اس زمانہ سے اب تک بہت سے مہدوی سلاطین وامرائے ذوی الاقتدار گزرے ہیں ان میں سے کئی ایک کا ذکر خود مولف صاحب نے ہدیہ میں کیا ہے آج بھی مہدوی رؤسا وامرا موجود ہیں اس حقیقت کے مقابلہ میں ان کا یہ بیان صریح دروغ بے فروغ ہے جو ان کے بنیاد اعتبار واعتماد کو منہدم کرنے کیلئے ان کی دوسری غلط بیانیوں پر مستزاد ہے۔

دلیل ہشتم مکتوب ملتانی میں تحریفات کا اعتراض اور اس کا جواب

مولف صاحب ہدیہ نے جو دلیل ہشتم قرار دی ہے اس کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ حضرت امامنا علیہ السلام کے خلیفہ ثانی حضرت بندگیمیاں سید خوندمیر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک مکتوب میں جو مکتوب ملتانی کے نام سے مشہور ہے[1] فتوحات کے چند اقوال

---

[1] علامہ بحر العلوم مولانا سید اشرف شمسی رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت سید سعد اللہ میراں جی مدیا صاحب لکھنوی کو

درج فرمائے ہیں۔ مولف ہدیہ نے اسی کو اپنے خیال میں دلیل ہشتم قرار دے لیا ہے اور اس پر یہ اعتراض کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت مولف مکتوب ملتانی رضؓ نے فتوحات کی عبارت میں کئی تحریفیں کی ہیں۔

اصل اعتراض پر بحث کرنے سے پہلے یہی بات قابل تنقید ہے کہ اگر فرضاً وتقدیراً فتوحات کی عبارت میں بقول مولف ہدیہ تحریف ہونا تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس سے اصل مسئلۂ ثبوتِ مہدیت پر کیا اثر مترتب ہو سکتا ہے کیونکہ فتوحات کے اقوال بنائے مسئلۂ مہدیت یا اس مسئلہ کے مستقل دلائل تو نہیں ہیں۔ اصل بنائے دین، قرآن مجید اور حضرت مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کے اخبار ہیں۔ اس قسم کے اقوال الٰہی آیات و احادیث کی توضیحات یا زیادہ سے زیادہ ضمنی وجوہ تائید کہے جا سکتے ہیں بشرطیکہ وہ اصل کے صریح خلاف نہ ہوں۔ اگر تائید مزید یا توضیحات بالکلیہ حذف ہی کر دی جائیں تو بھی اس سے اصل مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا تو ان میں کچھ تغیر و تبدل فرض کر لینے سے اصل مسئلہ کس طرح متاثر ہوگا۔

اس کے علاوہ اس کو دلیل ہشتم قرار دینا بھی خود معرض بحث میں ہے کیونکہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۲ یہ مولانا کے برادر نسبتی تھے۔ اور حضرت سید قطب الدین خوب میاں صاحب پالن پوری اور کی فرمائش پر رسالۂ مکتوب ملتانی کی ایک مبسوط شرح لکھی ہے اس میں مولانا سید حسین رحمۃ اللہ علیہ خلیفۂ بندگیمیاں سید خوندمیر ابن بندگیمیاں نبیداللہ ''پیشاہ میاں صاحب'' قدس سرہ کی کتاب ''تذکرۃ المتقین'' کے حوالہ سے لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

''حضرت بندگیمیاں سید خوندمیر صدیق ولایت رضی اللہ عنہ حج کو تشریف لے جا رہے تھے راستہ میں ایک چرواہا ملا اس نے آپ کو دیکھتے ہی کہا آپ بڑے اوتار ہو۔ آپ نے اس کو نزدیک بلایا اور اسلام کی تلقین فرمائی وہ اسلام اور امامنا مہدی موعود کی تصدیق سے مشرف ہو گیا اور آپ کے ساتھ رہنے کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا یہ بکریاں جن کی ہیں ان کو دے کر آؤ۔ وہ چلا گیا اور جن کی بکریاں ان کو دے کر آیا اور آپ کی خدمت اختیار کی اور حضرت کی برکت صحبت سے بزرگ درجہ پر فائز ہو گیا۔

حضرت صدیق ولایت رضؓ نے حج سے واپس آنے کے بعد یہ رسالہ لکھا اور اس بزرگ کو دے کر فرمایا کہ تم ملتان جاؤ اور اہل ملتان کو یہ رسالہ دکھاؤ اور دین کی تبلیغ کرو۔ جب وہ بزرگ ملتان پہنچے اور علمائے

فتوحات کی وہ عبارت جو مکتوب ملتانی میں نقل ہوی ہے خواہ وہ مولف صاحب فتوحات حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رح کا ذاتی بیان ہو یا بعض احادیث کی تخفیف و تضمین ہو وہ متعدد مسائل پر مشتمل ہے جیسے امام مہدی علیہ السلام کی معصومیت حضرت کے بعض فضائل حضرت کا حلیہ ۔حضرت کے بعض اوصاف و خصوصیات مثلاً حضرت کا عدل ۔علم و قول وفعل میں یکسانیت احیاء دین وغیرہ ۔یا حضرت کے متبعین کے فضائل اور حالات مخصوصہ غرضکہ اور کئی مسئلے اس میں مذکور ہیں اور یہی عبارت ان میں سے ہر ہر مسئلہ کی علیحدہ علیحدہ دلیل ہوسکتی ہے ۔مولف صاحب ہدیہ نے یہ نہیں بیان کیا کہ ان سب کو ایک دلیل کس طرح اور کس نے قرار دیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مولف ہدیہ نے اپنے من مانے طور پر دلائل قرار دے لئے ہیں ورنہ حضرت مولف مکتوب ملتانی رض نے یا علمائے مہدویہ میں سے کسی نے اس طرح دلائل کی ترتیب قرار نہیں دی ہے۔

مولف صاحب ہدیہ نے دلائل قرار دینے میں جو غلطی کی ہے اس کا واضح ثبوت اس سے بھی ہوتا ہے کہ انھوں نے اس کے بعد جو دلیل نہم قرار دی ہے وہ وزرائے مہدی علیہ السلام سے متعلق ہے اور وہ بھی فتوحات کے اسی مذکورہ باب سے مکتوب ملتانی میں نقل کئے جانے کا خود مولف ہدیہ کو اعتراف ہے پس یا تو دوسرے متعدد مسائل کی طرح یہ مسئلہ بھی دلیل ہشتم ہی کی ضمن میں ذکر کیا جاسکتا تھا اس کو مستقل دلیل قرار دینا صحیح نہ تھا یا دوسرے سب مسائل کو بھی علیحدہ علیحدہ دلیلیں قرار دینے کی ضرورت تھی ۔

تحریف کا اعتراض بھی کئی وجوہ سے قابل بحث ولائق تامل ہے جبتک مولف صاحب ہدیہ ان وجوہ کی جواب دہی نہ کریں انکے یہ اعتراضات جو تحریف سے متعلق ہیں وہ ہبآءً منثورا ہیں ۔

اولاً ۔ مکتوب ملتانی غیر مطبوعہ رسالہ ہے جس کی نقل اور نقل النقل کے

بقیہ حاشیہ صہ ۱۹۳ ۔ ملتان سے ملاقات کی اور یہ رسالہ دکھلایا علماء ملتان سے اٹھارہ علمانے اس رسالہ کے مطالعہ سے حضرت امامنا مہدی موعود کی تصدیق کرکے اس بزرگ کے ہاتھ پر بیعت کرلی اس طرح اس رسالہ کی بدولت ملتان میں مہدویوں کی تعداد زیادہ ہوگئی۔ ۱۲ شہاب بن نصرت غفرلہا

بہت سے نسخے منتشر ہوگئے ہیں۔ ان میں سے ہر نسخہ سہو کتابت و تصرف کاتبین سے مصئون و محفوظ نہیں ہے۔ مولف ہدیہ نے یہ نہیں بتایا کہ مکتوب ملتانی کا کس سنہ کا لکھا ہوا نسخہ انھیں ملا اور وہ نسخہ تصرفِ کاتبین سے محفوظ بھی تھا۔

ثانیاً فتوحات کے نسخے بھی متعدد و متفاوت ہوگئے ہیں۔ ان نسخوں میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ محرر اوراق نے فتوحات کے چند نسخے جمع کرکے مقابلہ کیا تو اکثر مقامات میں عبارت کا اختلاف اور الفاظ و عبارت میں کمی و بیشی بدرجۂ کمال ظاہر ہوئی۔ مثلاً مولف صاحب ہدیہ نے تحریف اول ثابت کرنے کے لئے جو عبارت نقل کی ہے صرف اسی قدر عبارت میں یہ اختلاف موجود ہے کہ فتوحات کے ۱۲۷۰ھ کے مطبوعۂ مصر نسخہ میں "من عترة رسول الله صلی الله علیہ وسلم من ولد فاطمة" کے بعد جده الحسن بن علی" لکھا ہے اور نسخۂ قلمی میں جو ۱۰۱۱ھ کا لکھا ہوا ہے "جده الحسین بن علی" ہے۔ علامہ عبدالوہاب شعرانی نے "الیواقیت والجواہر" میں جو عبارت فتوحات کی اسی باب (۳۶۶) سے نقل کی ہے اس میں بھی من ولد فاطمة رضی الله تعالیٰ عنہا جده الحسین بن علی ابن ابی طالب لکھا ہے۔

اس کے بعد "یواقیت" میں جو عبارت نقل کیگئی ہے وہاں تو کچھ زمین و آسمان ہی علیحدہ ہیں وہ عبارت فتوحات کے موجودہ نسخوں سے مطابقت نہیں رکھتی۔ پس اس قسم کی مثالوں سے یہی نتیجہ نکلتا ہے جو قرین قیاس بھی ہے کہ کہیں اختلاف الفاظ و عبارت کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ جس نسخہ سے مکتوب ملتانی میں عبارت نقل کیگئی ہوگی اس میں وہی عبارت ہوگی اور آج جو نسخے ہمارے سامنے ہیں اس میں وہ عبارت یا الفاظ ممکن ہے کہ نہوں۔ اس کو تحریف سمجھنا یا اس شدومد سے تحریف کہنا صحیح نہیں۔

ثالثاً اسی قسم کے اختلاف کی مثال خود ہدیہ میں بھی موجود ہے۔ فتوحات کے مذکورہ مطبوعہ نسخہ میں " یبایع الناس بین الرکن والمقام" لکھا ہے "یواقیت" میں فتوحات کے اسی باب کے حوالہ سے جو عبارت نقل کیگئی ہے اس میں یبایع المسلمون بین الرکن والمقام" ہے۔ اور مولف ہدیہ نے

يبايع بين الركن والمقام" نقل کیا ہے۔ الناس اور المسلمون دونوں لفظ حذف کر دئے ہیں۔ اگر مولف ہدیہ اس طرح الفاظ چھوٹ جانے یا بدل جانے کو تحریف کہتے ہیں تو پہلے امام شعرانی پر تحریف کا الزام عاید کرنا ہوگا اور خود کو بھی تحریف کنندہ تسلیم کرنا پڑے گا۔

رابعاً۔ خود مولف ہدیہ نے مکتوب ملتانی کی جو عبارت نقل کی ہے اس میں اس قسم کے بہت تصرفات اوران کے الفاظ میں "تحریفات" کے وہ مرتکب ہوئے ہیں جو خود ان کا شافی جواب ہیں وہ ان تحریفات کی جو توجیہ کریں گے وہی ان کے اعتراضات کا بھی جواب ہو سکتا ہے۔ مثلاً مکتوب ملتانی میں قدا امتلات الارض لکھا ہے جو فتوحات کے مطابق ہے اسکو ہدیہ میں قدا ملات الارض لکھدیا ہے جو فتوحات کے بھی خلاف ہے اور باعتبار معنی بھی صحیح نہیں ہے۔ "مکتوب ملتانی" میں " اجلى الجبهة " لکھا ہے جو حدیث کے اصلی الفاظ ہیں ہدیہ میں اس کو اجل الجبہه لکھدیا ہے جو معنی کے اعتبار سے بھی غلط ہے اور مکتوب ملتانی۔ فتوحات نفس حدیث کے بھی صریح خلاف ہے۔ مکتوب ملتانی میں بعزالاسلام بعد ذلہ ويحيي آثاره بعد موته" ہے ہدیہ میں اثارہ کو حذف کرکے یحیی بعد موته لکھدیا ہے گویا مفعول کو حذف کر کے مضمون خبط کر دیا گیا ہے۔ مکتوب ملتانی میں وظهر في القرن الرابع اللاحق بالقرون الثلاثة الماضية قرن رسول الله صلى الله عليه وسلم" ہے اور ہدیہ میں " بعد القرآن الرابع لکھدیا ہے۔ اس کے بعد یہ فقرہ ثم الذي يليه ثم جاء بينهما فترات وحدثت امور" اضافہ کر دیا ہے غرض مولف ہدیہ نے جن جن صورتوں کو تحریف سمجھا اور تحریف کہا ہے قریباً وہ سب صورتیں مکتوب ملتانی کی اس تھوڑی سی عبارت ہدیہ میں نقل کرنے میں پائی جاتی ہیں۔ کیا ہم اس موقع پر مولف ہدیہ کا ہی اعتراض دہرا کران سے پوچھیں کہ آپ نے یہ جعل کی عجب چال اختیار کی ہے جو وضع ثقات سے نہایت بعید ہے کہ کسی جائے اپنے مطلب کے موافق کچھ الفاظ بڑھا دئے اور کہیں عبارات

عہ۔ اجلی کا مادہ جلا ہے اور" اجلى الجبهة " کا معنی روشن پیشانی ہے۔" اجل" کا مادہ ہے جلال ہے اور اجل الجبهة " غلط ہے جو حدیث کے الفاظ نہیں ہیں ۱۲۰

وفقرات کہ مختلف دیکھا اوڑا دئے بلکہ بدنمائی پیدا کرنے کیلئے صحیح الفاظ کو بھی غلط لکھدیا ہے"

خامساً۔ اختلاف الفاظ وعبارت کی بحث سے قطع نظر تمام علمائے متقدمین ومتاخرین کا یہ متعارف عمل ہے کہ کسی کا قول بیان کرنے کے دو طریقے ہیں۔ایک تو نقل کلام۔ دوسرا اقتباس وتلخیص یا تضمین۔پہلی صورت میں اصل قول بعینہ نقل کیاجاتا ہے دوسری صورت میں پوری عبارت بعینہ لفظاً لفظاً نقل کرنا ضروری نہیں ہوتا صرف مقصود یہ مضامین ذکر کئے جاتے ہیں اور بقیہ اختصار کے مدنظر چھوڑدئے جاتے ہیں یا اس کا خلاصہ لکھدیا جاتا ہے۔تلخیص واقتباس اپنے الفاظ وعبارت میں بھی کرنا جائز ہے اور تضمین تو لزوماً اپنے ہی الفاظ وعبارت میں ہوتی ہے۔مکتوب ملتانی میں فتوحات کے جو اقوال لکھے گئے ہیں وہ بطور اقتباس وتضمین ہوسکتے ہیں۔مولف ہدیہ کی یہ خوش فہمی ہے کہ انھوں نے اقتباس وتلخیص کو تحریف سمجھا ہے۔چنانچہ مکتوب ملتانی میں فتوحات کے جو مضامین درج ہیں ان کے اقتباس وتلخیص ہونے کے ثبوت میں بالکل واضح وجوہ موجود ہیں

پہلی وجہ تو یہی کہ مولف ہدیہ نے "ہدیہ" میں مکتوب ملتانی کا جو قول نقل کیا ہے وہ یہی ہے کہ

"بعضے روایات کہ درحق مہدی وارد شدہ است آنچہ صاحب فتوحات درکتاب خود آوردہ کقوله ان لله خلیفة الخ

اس سے ظاہر ہے کہ فتوحات کے جو اقوال نقل کئے گئے ہیں وہ مثال کے طور پر لکھے گئے ہیں۔ عام طور پر مثال میں تمام کے تمام اقوال نقل کرنے کی نہ عادت ہے نہ ضرورت جس کی بیشمار مثالیں علمائے متقدمین ومتاخرین کی تصنیفات میں ملتی ہیں مثلاً استدلال کے موقع پر کقولہ تعالیٰ یا کقولہ علیہ السلام لکھا جاتا ہے تو آیت وحدیث کا صرف مقصود یہ حصہ لکھا جائے گا پوری کی پوری آیت وحدیث لکھنا ضروری نہیں ہوتا۔پس جبکہ یہ اقوال بھی مثال کے طور پر لکھے گئے ہیں یہاں بھی پوری عبارت لفظاً لفظاً نقل کرنا ضروری نہیں ہے۔ نیز اس قول سے ان روایات کا بیان کرنا اصل مقصد معلوم ہورہا ہے جو فتوحات میں نقل کیگئی ہیں

دوسری وجہ جو اس سے بھی واضح ہے یہ ہے کہ فتوحات کا تین سو چھیاسٹھواں باب کئی صفحوں پر مشتمل ہے۔ اس میں متعدد مسائل اور مختلف مضامین مندرج ہیں۔ ایسی صورت میں صرف مقصود بہ مضامین ہی اقتباس کئے جائیں گے اور غیر متعلق یا غیر مقصود بہ کئی کئی صفحوں کے طویل مضامین لازمی طور پر حذف و ترک کردینا ہی پڑے گا۔ چنانچہ فتوحات میں وزرائے امام علیہ السلام کی شان و منزلت اس طرح بیان کی گئی ہے کہ

یبایعونه العارفون بالله من اهل الحقائق عن شهود وکشف وتعریف الهی الخ۔	اللہ کے عارفین اور اہل حقائق اپنے باطنی کشف اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے معلومات کی بنا پر امام علیہ السلام سے بیعت کریں گے۔

اس کے بعد نزول عیسیٰ علیہ السلام اور قتل سفیانی وغیرہ کے واقعات بیان کئے گئے ہیں پھر امام علیہ السلام کی تعریف میں چند اشعار لکھے ہیں لیکن مکتوب ملتانی میں یہ غیر متعلق و غیر مقصود بہ مضامین ترک کرکے وزرائے مہدی علیہ السلام کے ذکر کے بعد وہ اشعار لکھدئے گئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ صورت اقتباس و تلخیص کی ہے نہ تحریف کی۔

اسی طرح مکتوب ملتانی میں فتوحات سے یہ دو فقرے لکھے گئے ہیں جن میں سے پہلا وزرائے مہدی علیہ السلام کے متعلق ہے جو یہ ہے۔

هم علی اقدام رجال من الصحابة صدقوا ما عاهدوا الله علیه وهم من الاعاجم ما فیهم عربی لکن لایتکلمون الا بالعربیةع لهم حافظ لیس من جنسهم وما عصی الله قط وهو اخص الوزراء وافضل الامناء	وہ (خلفائے مہدی علیہ السلام) صحابہ رسول اللہ کے قدم بقدم ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے عہد میں صادق ہوں گے وہ عجمی ہوں گے جن میں کوئی عربی نہ ہوگا لیکن وہ عربیہ کے سوا بات نہ کریں گے انھی میں ایک محافظ ہوگا جو ان کا ہم جنس نہ ہوگا اس نے ہرگز خدائے تعالیٰ کی نافرمانی نہ کی ہوگی وزراء میں خاص الخاص اور افضل الامنا ہوگا۔

ع۔ عربیہ کی تحقیق دلیل نہم کے ضمن میں درج ہے۔ ۱۲

دوسرا فقرہ امام مہدی علیہ السلام کی شان و منزلت ظاہر کرتا ہے جو یہ ہے۔

فان المھدی حجۃ اللہ علی اھل زمانہ وھی درجۃ الانبیاء التی تقع فیھا المشارکۃ

امام مہدی علیہ السلام اپنے اہل زمانہ پر اللہ تعالیٰ کی حجت ہیں اور یہ انبیاء علیہم السلام کا درجہ ہے جس میں مشارکت واقع ہوئی ہے۔

فتوحات کے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے فقرہ سے قریباً چار صفحے بعد دوسرا فقرہ شروع ہوا ہے اور ان دونوں فقروں کے درمیان میں دجال اور عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے اور ان کے حالات و واقعات اور دوسرے مضامین درج ہیں۔ اب کون ایسا کم سمجھ ہوگا جو ان غیر متعلق طوال طویل مضامین کو بجنسہ نقل کرنا ضروری اور نقل نہ کرنے کو تحریف کہے گا؟

سادساً۔ خود فتوحات کے باب (۳۶۶) کے مندرجہ مضامین کو غور سے دیکھا جائے تو اس میں صاحب فتوحات حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رح کے ذاتی اقوال کو چھوڑ کر باقی حصہ بعض احادیث اور روایتوں کی تلخیص و تضمین یا اقتباس ہی ہے کہ کسی حدیث کا کچھ حصہ یا کوئی مضمون درج کیا گیا ہے اور کسی حدیث سے کچھ مضمون لیا گیا ہے اور دوسرے مضامین چھوڑ دئے گئے ہیں۔ کہیں احادیث کا مضمون مقدم و موخر کر دیا گیا ہے۔ تمام احادیث کی اصل عبارتیں پوری پوری لفظاً لفظاً نقل نہیں کی گئی ہیں۔ بمثال کے طور پر فتوحات کے اسی باب (۳۶۶) کی ابتدائی عبارت ہی کو دیکھو جس کا اقتباس مکتوب ملتانی میں درج ہے جو یہ ہے۔

اعلم ایدک اللہ ان للہ خلیفۃ یخرج وقد امتلئت الارض جورا وظلما فیملأھا قسطا وعدلا لو لم یبق من الدنیا الا یوم واحد لطول اللہ ذلک الیوم حتی یلی ھذا الخلیفہ من عترۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ولد فاطمہ یواطی اسمہ اسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یبایع بین الرکن والمقام۔ الخ۔

ابتدائی مضمون جن احادیث سے ماخوذ ہے ان کو احمد، ابوداؤد۔

ابونعیم۔ نعیم بن حماد۔ حاکم۔ طبرانی حسن بن سفیان وغیرہ محدثین نے متعدد صحابہ سے باختلافِ الفاظ و عبارت روایت کیا ہے۔ لیکن کسی روایت میں بھی الفاظ وعبارت کی یہ ترتیب نہیں ہے کئی الفاظ و مضامین جو ان روایتوں میں ہیں یہاں متروک ہوگئے ہیں۔ کہیں مضمون مقدم و موخر ہوگیا ہے مثلاً تمام روایتوں میں زمین ظلم وجور سے بھر جانے اور پھر امام مہدی علیہ السلام اس کو قسط و عدل سے پُر کرنے کا مضمون آخر میں ہے اور یہاں اس کو مقدم کر دیا گیا ہے۔ ایسا ہی اصل روایتوں میں یبعث یا یملک رجل من اہل بیتی یا من عترتی" اور" یواطی اسمہ اسمی" متکلم نہ شان ظاہر کرنے والے الفاظ ہیں جو قول رسول (صلعم) ہونے کے مناسب و موزوں ہیں۔ ھذا الخلیفۃ من عترۃ رسول صلی اللہ علیہ وسلم" یا" یواطی اسمہ اسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کے الفاظ نہیں ہیں جو صیغہ ہائے غائب کا انداز رکھتے ہیں۔ ان روایتوں میں رکن ومقام کے درمیان بیعت کا ذکر بھی نہیں ہے یہ دوسری حدیث کا جز ہے جو اس حدیث کے ساتھ ملا دیا گیا ہے۔

ظاہر کہ یہ احادیث کی تلخیص و تضمین ہی ہوسکتی ہے نقلِ احادیث قطعاً نہیں ہے۔ پس اگر اس طرح کے اقتباس یا تلخیص و تضمین کو تحریف قرار دیا جاسکتا ہے تو مولف ہدیہ کو سب سے پہلے خود صاحب فتوحات حضرت شیخ محی الدین ابن عربی پر احادیث کی تحریف کا الزام عائد کرنا ہوگا کیونکہ فتوحات کی عبارت کی تحریف سے احادیث رسول اللہ صلعم میں تحریف کرنا بدرجہا بدتر ہے۔

حاصلِ کلام مولف صاحب ہدیہ نے مکتوب ملتانی کے جن مواقع کو تحریف سمجھا اور تحریف کہا ہے وہ صحیح نہیں ہے بلکہ وہ انھی وجوہ میں سے کسی نہ کسی پر مبنی ہیں۔ اس لحاظ سے تحریفات ثابت کرنے کی جو لایعنی بحث و کوشش کی گئی ہے اور ان سے جو بے اصل نتائج اخذ کئے گئے ہیں ان پر تفصیلی بحث کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

لیکن ہم نفضلاً ان بیان کردہ تحریفات پر بھی ایک سرسری نظر ڈالنا مناسب سمجھتے ہیں تاکہ ناظرین کرام پر واضح ہو جائے کہ مولف صاحب کے یہ اعتراضات بھی کس قدر سطحی ہیں۔ ورنہ ان کو صحیح تصور کرنے سے کیا کیا نتائج برآمد ہوں گے چنانچہ

تحریف اول یہ بیان کی ہے کہ

تحریف اول | قسطاً و عدلاً کی یہ عبارت اڑادی لولم یبق من الدنیا الا یوم واحد طول اللہ ذلک الیوم حتی یلی ھذ الخلیفۃ من عترۃ رسول اللہ من ولد فاطمۃ یوطی اسمہ اسم رسول اللہ یبایع بین الرکن والمقام الخ ۔

مولف صاحب ہدیہ نے اس کو تحریف بتا کر اس سے جو نتیجہ نکالا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔

شاید بیعت رکن ومقام کے درمیان ان کے مہدی پر صادق نہیں آتی ہے اس لئے اس کو حذف کردیا ہے ۔

ظاہر ہے کہ اس کو تحریف سمجھنا اور اس سے یہ نتیجہ نکالنا دونوں محض بے اصل اور ناقابل التفات ہیں کیونکہ اوّلاً یہ اقتباس اور اختصار کی صورت ہوسکتی ہے ۔

ثانیاً ۔ تحریف کا تصور ایسے مقام پر ہوسکتا ہے جہاں کوئی خلاف یا نقصان لازم آنے کا اندیشہ ہو حالانکہ یہ مضمون تو وہ ہے کہ مہدوی اس کے قائل اور درپے اثبات ہیں چنانچہ خود مکتوب ملتانی میں اسی مقام کے قریب میں اسی مضمون کی اصل حدیث نقل کی گئی ہے ۔ لہذا یہ عبارت جو اسی حدیث کی تلخیص وتضمین ہے مکرر ہونے کے سبب سے شاید یہاں ذکر نہ کی گئی ہو ۔

رکن ومقام کے درمیان بیعت کا ذکر خاص اس مقام پر نہ ہونے سے اس واقعہ کے صادق نہ آنے کا نتیجہ بھی کسی طرح صحیح نہیں کیونکہ وہ واقعہ تاریخی حیثیت سے صحیح وثابت اور خود حضرت مولف صاحب مکتوب ملتانی رض اور سب مہدویہ کے مسلمات سے ہے پس اس خاص موقع پر اس کا ذکر نہ ہونے سے ایک ثابت ومتحقق واقعہ کی نفی یا انکار کا تصور لازم نہیں آسکتا ۔

اس کے ذکر نہ کرنے کی وجہ ایک یہ بھی ہوسکتی ہے کہ جس طرح ابھی بیان کیا گیا ہے لولم یبق من الدنیا الا یوم کی حدیث جن محدثین نے روایت کی ہے ان کی روایت میں رکن ومقام کی بیعت کا ذکر اس حدیث میں نہیں ہے ۔ پس اس کا ذکر نہ کرنا حدیث کے ٹھیک مطابق ہوا لیکن بقول آپ کے حضرت مولف صاحب فتوحات پر تحریف کا

الزام عائد ہونا چاہیئے کہ آپ نے اس حدیث کے ساتھ ایک ایسا مضمون ملا دیا ہے جو اس حدیث میں نہیں تھا۔ اگر کوئی بات کسی وجہ سے کسی خاص موقع پر صرف ذکر نہ کرنے سے مولف صاحب ہدیہ کے پاس اس کے وجود ہی کا انکار یا نفی لازم آتی ہے تو پھر انھیں ایسے بہت سے واقعات کی صداقت کا انکار کرنا پڑے گا جو آیات قرآنی اور احادیث رسالت پناہی میں متعدد موقعوں پر مذکور ہوئے ہیں مگر کہیں واقعہ کی کچھ تفصیل درج ہے اور کہیں اجمالی طور پر بیان کیا گیا ہے۔ پس جہاں مجمل ذکر ہوا ہے۔ وہاں واقعاتِ تفصیلی مذکور نہ ہونے سے کیا آپ ان واقعات کی صحت ہی کا انکار کر بیٹھیں گے؟ عـــہ۔

عـــہ۔ علامہ مجیب نے جس اسلوب کلام کی طرف اشارہ کیا ہے اس کی بہت سی مثالیں ہیں چنانچہ سورۂ یونس۔ طٰہٰ۔ شعراء وغیرہ میں موسیٰ علیہ السلام کا بنی اسرائیل کو ہمراہ لیکر چل نکلنا اور فرعون کا اپنے لشکر کے ساتھ ان کا تعاقب کرنا اور ان کو دریا پر جا لینا۔ بنی اسرائیل کا خوف زدہ ہو کر اپنے گھر جانے کا اندیشہ ظاہر کرنا۔ موسیٰ علیہ السلام کا انھیں تسلی دینا اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے دریا پایاب ہو جانا اور موسیٰ کا معہ بنی اسرائیل کے دریا سے پار اتر جانا اور فرعون کا لشکر غرق ہونا اور فرعون کا ڈوبتے وقت بنی اسرائیل کے پروردگار پر ایمان کا اقرار کرنا وغیرہ واقعات تفصیل سے مذکور ہیں۔ لیکن سورۂ بنی اسرائیل میں صرف یہ بیان کیا گیا ہے کہ فرعون نے بنی اسرائیل کو سرزمین مصر سے نکال دینا چاہا ہم نے اس کو اور تمام ساتھیوں کو غرق کر دیا۔ گویا وہ تمام تفصیلی وقعات اس موقع پر مذکور نہیں ہیں۔ سورۂ نازعات میں تو فرعون کے غرق ہونے کا بھی ذکر نہیں ہے بلکہ اس کے انجام کو صرف اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو جھٹلایا اور اپنی قوم کو جمع کرکے کہا میں ہی تمہارا بڑا پروردگار ہوں پس اللہ تعالیٰ نے اس کو دنیا اور آخرت کے عذاب میں گرفتار کر دیا ور اس میں اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے بڑی ہی عبرت ہے۔

انھیں واقعات پر موقوف نہیں بلکہ موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے ابتدائی واقعات ورحضرت نوح علیہ السلام اور دوسرے پیغمبروں اور ان کی قوموں کے واقعات بھی اسی اسلوب پر بیان فرمائے گئے ہیں کہ کہیں تفصیل ہے اور دوسرے مقام پر تفصیلی واقعات کے عوض مختصر طور پر ن کا کوئی حصہ یا خلاصہ درج ہے اور سب تفصیلات ترک کر دی گئی ہیں۔ پس جہاں جو واقعات

اس کے قطع نظر اگر مولف صاحب ہدیہ کا یہ اصول ان کے نزدیک صحیح ہے تو وہ کیا فرمائیں گے کہ خود انھوں نے تحریف ثابت کرنے کیلئے فتوحات کی جو اصل عبارت نقل کی ہے اس میں "من ولد فاطمۃ" کے بعد باختلاف نسخہ ہائے فتوحات "جدہ الحسن بن علی" یا "جدہ الحسین بن علی" کا جو مضمون ہے اس کو بالکل حذف کر دیا اور نقل نہیں کیا ہے۔ پس اس سے خود آپ پر فتوحات کی عبارت میں تحریف کرنے کا الزام ثابت ہو گیا۔ اس کے علاوہ اس سے یہ نتیجہ نکالنا درست ہوگا کہ مولف ہدیہ کے اعتقاد میں امام مہدی اولاد فاطمہ سے تو ضرور ہوں گے مگر نہ اولاد امام حسنؓ سے ہوں گے اور نہ اولاد امام حسینؓ سے کیونکہ انھوں نے اس موقع پر اس حصہ کو نقل نہیں کیا ہے اور نقل نہ کرنے سے بقول ان کے یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ شائد مولف ہدیہ کے مزعومہ امام مہدی پر اولاد حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہونا صادق نہیں آتا ہے اسی لئے اس کو حذف کر دیا گیا ہے۔ اور یہ بات کہ ان کے مزعومہ مہدی امام حسنؓ اور امام حسینؓ دونوں کی اولاد نہ ہو کر فاطمہؓ کی اولاد کس طرح ہوں گے! اس کا جواب بھی مولف ہدیہ کو دینا ہوگا۔ یا اپنے اس اصول کو غلط کہنا پڑے گا۔

تحریف دوم

تحریف دوم یہ کہ لکھتے ہیں کہ یشبہہ رسول اللہ فی الخلق بضم الخاء حالانکہ فتوحات میں عبارت اس طرح ہے کہ یشبہ رسول اللہ فی الخلق بفتح الخاء و ینزل عنہ فی الخلق بضم الخاء لانہ لا یکون احد مثل رسول اللہ فی اخلاقہ یعنی مشابہ ہوگا رسول خدا کے یہ خلیفہ صورت و شکل میں اور کم ہوگا حضرت سے اخلاق میں اس واسطے کہ کوئی شخص اخلاق میں مثل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں ہوتا ہے۔

مولف صاحب ہدیہ کا اس کو تحریف سمجھنا اور کہنا بھی کئی وجوہ سے صحیح

بقیہ حاشیہ ص ۲۰۲۔ متروک ہو گئے ہیں نعوذ باللہ مولف ہدیہ کے اس غلط اصول پر یہ خیال کر لینا کبھی صحیح نہ ہوگا کہ اس سے ان واقعات و حالات کی نفی یا انکار لازم آجائے گا حالانکہ وہ دوسرے مقام پر مذکور ہیں۔ یا یہ نتیجہ نکالنا ہرگز صحیح نہیں ہو سکتا کہ شائد وہ تفصیلی واقعات صحیح نہ تھے اس لئے ان کا ذکر یہاں چھوڑ دیا گیا ہے۔ ۱۲ شہاب بن نصرت غفرلہا۔

نہیں کیونکہ یہاں بھی اختلاف نسخ کا اس لئے قوی احتمال ہے کہ اگر یہ مضمون صحیح فرض کیا جائے تو خود صاحب فتوحات کے دوسرے اقوال اور نیز احادیث نبوی سے خلاف لازم آتا ہے۔

اوّلاً۔ بخاری۔ مسلم۔ ترمذی وغیرہ میں انس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی گئی ہے کہ

قد کان رسول اللہ احسن الناس واشجع الناس واجود الناس	رسول اللہ صلعم سب لوگوں میں زیادہ حسین اور زیادہ جوانمرد اور زیادہ سخی تھے مواہب لدنیہ میں اس حدیث کو نقل کرکے لکھا ہے۔
اقتصار انس علی ھذہ الاوصاف الثلاثۃ من جوامع الکلم لانہا امہات الاخلاق	انس رضؓ نے صرف تین صفات پر اس لئے اقتصار کیا ہے کہ یہ صفات امہات اخلاق ہیں۔

اس سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ یہ صفات ثلٰثہ جملہ اخلاق حمیدہ کے اصل اور منبع ہیں یعنی جو شخص متصف بایں اوصاف ہو وہ جمیع اخلاق حسنہ کا جامع ہوگا۔

امام مہدی علیہ السلام کے اخلاق و اوصاف کی نسبت صاحب یواقیت علامہ شعرانی نے فتوحات ہی سے نقل کیا ہے کہ

یمسی الرجل جاھلاً بخیلاً جبانا فیصبح اعلم الناس اکرم الناس اشجع الناس یعنی امام مہدی علیہ السلام کی برکت صحبت سے جاہل بخیل۔ نامرد سب سے زیادہ عالم۔ سخی۔ جوانمرد ہو جائے گا۔ اب محل انصاف ہے کہ جس کے فیض صحبت سے لوگ امہات صفات سے متصف بن جائیں گے تو وہ خود ذات اقدس اخلاق حمیدہ و اوصاف پسندیدہ کی کس حد تک جامع ہوگی۔

ثانیاً۔ خود صاحب فتوحات نے فتوحات کے پندرھویں سوال میں امام مہدی علیہ السلام کا جمیع اخلاق محمدی کے جامع ہونے کا اقرار کیا ہے چنانچہ لکھا ہے کہ

ان الدنیا لما کان لها بدء ونهایة وهو ختمها قضی الله سبحانه ان یکون جمیع ما فیها یجب لغتها له بدء و ختام فختم الله هذا التنزیل بتشریع محمد فکان خاتم النبیین وختم الولایة العامة بعیسیٰ واستحق ان یکون لولایته الخاصة ختم یوطی اسمه اسمه ویحوز خلقه

جبکہ دنیا کی ابتدا اور انتہا ہے کہ وہی اس کا ختم ہے اللہ سبحانہ کی یہ قضا جاری ہوئی کہ دنیا میں جو کچھ بھی ہے اس کے لئے بھی ابتدا و انتہا ہو پس اس نے تنزیل آسمانی کو شریعت محمدیہ پر ختم کیا اور محمد صلعم خاتم النبیین ہوئے اور ولایت عامہ کو عیسیٰ پر ختم کیا۔ پس ولایت خاصۂ محمدیہ کے لئے بھی ایک خاتم ہونا چاہئے جس کا نام محمد صلعم کے نام کے مطابق ہو اور وہ آنحضرت صلعم کے اخلاق کا جامع ہو۔

اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ امام مہدی علیہ السلام اخلاق محمدی کے جامع ہیں کس واسطے کہ "حوز" کا معنی لغت میں "جمع کردن وگرد آمدن" ہے اور صوفیائے کرام کے پاس ولایت خاصۂ محمدیہ کے خاتم امام مہدی علیہ السلام ہی ہیں۔ پھر فتوحات کے نام سے جو عبارت مولف ہدیہ نے لکھی ہے کہ یتنزل فی الخلق بضم الخا کو وہ کس طرح صحیح ہوگی کیونکہ اس صورت میں فتوحات کی ان دونوں عبارتوں میں تضاد ثابت ہوتا ہے۔

ثالثاً۔ ناظرین کرام کے لئے یہ بات بھی نہایت توجہ کے قابل ہے کہ مولف صاحب ہدیہ نے یشبہ فی الخلق بضم الخا کو یہاں تو تحریف کہا ہے لیکن اس کو تحریف کہنے سے انھیں ذرا بھی حیا دامن گیر نہیں ہوئی کہ خود انھوں نے ہدیہ کے صفحہ (۲۷۴) پر لکھا ہے کہ

"حدیث میں وارد ہے کہ یشبہ فی الخلق ولا یشبہ فی الخلق

یعنی امام مہدی مشابہ ہوں گے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے اخلاق محمدی میں اور مشابہ نہ ہوویں گے بیچ شکل وصورت کے۔

یہی صحیح بھی ہے کہ احادیث سے امام مہدی علیہ السلام کا ہم خُلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوتا ایک امر ثابت ومتحقق ہے چنانچہ اور احادیث کے علاوہ جن سے یہ مسئلہ پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے ابو نعیم اور طبرانی نے حذیفہ اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے

مرفوعاً جو روایت کی ہے اس میں یہ صاف صراحت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امام مہدی علیہ السلام کی شان میں "خُلُقہٗ خُلُقِی" (امام مہدیؑ کے اخلاق میرے اخلاق ہوں گے) کی بشارت دی ہے۔ جب امام مہدی علیہ السلام کا اخلاق محمدی میں مشابہ رسول اللہ صلعم ہونا حدیث میں وارد ہے اور خود آپ کو اس کا اعتراف بھی ہے تو مکتوب ملتانی میں جو لکھا ہے وہ حدیث کے عین مطابق ہوا۔ اگر فتوحات میں اس کے خلاف لکھا ہے تو آپ ہی کے قول کے مطابق خود یہ حدیث رسول اللہ کی تحریف معنوی ہوگی پس فتوحات کی صحیح عبارت وہی ہونا ضروری ہے جو حدیث میں وارد ہے یعنی یشبہ فی الخلق بضم الخاء (یعنی خلق (بضم الخاء) میں مشابہ ہونگے

اسی طرح شکل وصورت میں مشابہت کی بحث بھی جو مولف ہدیہ نے یہاں چھیڑی ہے اگرچہ ہم نے اس کی تحقیق اس کے محل پر کی ہے جس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔ لیکن مولف ہدیہ کو حضرت امامنا علیہ السلام کے حلیہ شریفہ سے بحث کرنے کے عوض اول اس تضاد کو حل کرنا چاہیئے جو فتوحات کی عبارت اور ان کے اس قول میں پایا جارہا ہے کیونکہ فتوحات کی عبارت سے شکل وصورت میں مشابہت ثابت ہوتی ہے اور مولف ہدیہ کے اس قول سے عدم مشابہت لازم آتی ہے۔ پس مولف ہدیہ کے اصول کے موافق کیا ان کا یہ قول فتوحات کے قول کی تحریف ہوگئی ہے؟

تحریف سوم | تحریف سوم یہ لکھی ہے کہ

"اقنی الانف کے بعد لفظ مقرون الحاجبین بڑھادیا اور اسعد الناس بہ اھل الکوفہ کا فقرہ کہ وہاں تھا اڑادیا۔"

مقرون الحاجبین کے الفاظ بعض روایتوں میں بھی آئے ہیں ایسی صورت میں ان کا اندراج اس روایت کے مطابق ہے برینہم یہ الفاظ کیا مضر تھے جن کے بڑھا دینے سے کوئی قباحت عائد ہوتی ہے بلکہ یہ حلیہ شریف کا ایک جز ہے ۔ تم اس سب کے قطع نظر مقرون الحاجبین کے الفاظ قلمی نسخۂ فتوحات میں کئی موجود ہیں جو ۱۱۰۸ھ کا لکھا ہوا ہے پھر تو یہ اختلاف نسخ کی صورت ہوئی

تحریف کبھی نہیں۔

اسعد الناس بہ اھل الکوفہ کا ذکر چھوڑ دینے کو تحریف کہنے سے پہلے مولف صاحب ہدیہ ذرا یہ تو تحقیق کر لیتے کہ یہ کس روایت کا خلاصہ ہے اور اس روایت کی حقیقت اصول حدیث کے نظر کرتے کیا ہے؟ اس روایت کے ضعف و قوت کی بحث کے قطع نظر یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نہیں ہے بلکہ یہ عبد اللہ بن عمرؓ کا قول ہے جس کو حدیث موقوف کہتے ہیں اور حدیث موقوف محققین محدثین کے نزدیک اخبار مغیب میں حجت نہیں ہے (نخبۃ الفکر وغیرہ) پس مولف ہدیہ کا یہ اعتراض کہ امامنا مہدی موعود علیہ السلام سے اہل کوفہ کب سعادت اندوز ہوئے ہیں؟ اہل سنت کے اصول پر سرے سے وارد ہی نہیں ہو سکتا۔

تحریف چہارم | مولف صاحب ہدیہ نے تحریف چہارم یہ لکھی ہے کہ " یفصل فی الفتنیۃ کے بعد یہ عبارت نکال ڈالی

یاتیہ الرجل فیقول یا مہدی اعطنی و بین یدیہ المال فیحثی لہ فی ثوبہ ما استطاع ان یحملہ اہ یعنی آوے گا اس خلیفہ کے پاس مرد سائل اور کہے گا کہ اے مہدی دو مجھ کو اور سامنے ان کے مال ہوگا پس اس کے کپڑے میں اس قدر بھر دیویں گے کہ اٹھا سکے۔

اس کے بعد یہ نتیجہ نکالا ہے کہ

امامنا مہدی علیہ السلام مالک ملک و مال نہ تھے کہ یہ داد و دہش ان پر صادق آتی اس سبب سے اس عبارت کو حذف کر دیا ہے"

اس بے سرو پا اعتراض کی نوعیت بھی تحریف اول و دوم کی سی ہے کیونکہ یہی عبارت بعینہ ایک ورق کے آگے "مکتوب ملتانی" میں مرقوم ہے گو قدرے تقدیم و تاخیر ہو گئی ہے لہذا یہاں عبارت مسطورۂ سابقہ بخوف تکرار نقل نہ کی گئی ہوگی پس حضرت امامنا علیہ السلام پر یہ مضمون صادق نہ آنے کی وجہ سے یہ عبارت حذف کر دینے کا من گھڑت نتیجہ خود بخود غلط ثابت ہو رہا ہے اس لئے کہ اگر یہ اندیشہ صحیح ہو تو یہ عبارت رسالہ بھر میں کہیں بھی نہ لکھی جاتی۔ جب یہ لکھی گئی ہے تو پھر یہ اندیشہ

اوراس کی وجہ سے اس عبارت کو حذف کر دینے کا خیال دونوں بے اصل ہیں۔

اسی طرح مالکِ ملک و مال ہونے پر عطا کو موقوف سمجھنا بھی بے اصل واہمہ ہے کیونکہ عطائے مال سے عطایا ئے فیوض باطنی مراد ہوسکتے ہیں بلکہ خلفاء اللہ کی شان ومنزلت کے مناسب حقیقی مال و دولت یہی ہے اوراس کے لئے ظاہری ملک ومال کے مالک ہونے کی حاجت ہی نہیں ہے۔ اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ دوسری حدیثوں سے ثابت ہے کہ اوصاف اورکیفیات باطنی پر بھی مال کا اطلاق ہوا ہے۔ بعض صحابہؓ نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا ہے کہ ایّ مال نتخذہ (ہم کونسا مال فراہم کریں) تو حضرت نے ارشاد فرمایا کہ لسانا ذاکراً وقلبا خاشعاً عہ (خدا کو یاد کرنے والی زبان اوراس سے ڈرنے والا دل) دیکھو ان باطنی کیفیتوں پر مال کا اطلاق کیا گیا ہے ۔ اس کے علاوہ اسی قسم کی اور بھی نظائر ملتی ہیں پس یہ بات کسی دلیل کی محتاج نہیں ہے بالبداہت روشن ہے کہ خزانہ ہائے فیوض باطنی حضرت امامنا مہدی موعود علیہ السلام سے کس طرح بے دریغ لٹتے اوران اوصاف سے حضرت کے صحابہ اور تبعین کسقدر مالا مال رہے ہیں ۔ پس جناب مولوی سید عیسیٰ صاحب نے بھی عطائے مال سے فیوض باطنی مراد لی تو ان روایتوں کے ٹھیک مطابق اور صحیح ہے۔

اوراگر آپ کے جیسے طالب دنیا کا ذہن مال کے لفظ سے مال دنیوی وظاہری کی طرف ہی منتقل ہوتا ہو اور وہ عطائے مال سے مال ظاہری ہی مراد لے تو حضرت امامنا علیہ السلام پر یہ بھی صادق ہے کیونکہ حضرت نے سائلین کو بھی مال خطیر عطا کیا ہے چنانچہ سابقاً کیفیت فتوح سلطان غیاث الدین میں یہ بحث گزری ہے اوراس کے علاوہ بھی حضرت کی داد و دہش کا ہمیشہ یہی حال رہا ہے کہ جب کبھی حضرت کے پاس جو بھی اور جس قدر بھی مال آتا وہ بے دریغ تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ چونکہ حدیث میں مال کی کوئی نوعیت اور کوئی مقدار معین نہیں کی گئی ہے جس سے مالک ملک ومال ہونے کی ضرورت ہی ہو اوراس کے بغیر اس کا ظہور ہی نہ ہوسکے ۔حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مالک ملک ومال نہ تھے مگر آنحضرت صلعم کی داد و دہش کا یہی عالم تھا

عہ ۔تفسیر کبیر تحت آیت والذین یکنزون الذھب والفضۃ الآیہ ۱۲

اس لئے حضرت امامنا علیہ السلام کی داد و دہش کی یہ سب صورتیں بھی بغیر مالکِ ملک و مال ہونے کے اس روایت کی مصداق ہو سکتی ہیں۔

اس موقع پر مولف ہدیہ نے اپنی عادت کے موافق بعض غیر متعلق اور غلط سلط باتیں بھی لکھدی ہیں جن کو تحریف سے کوئی تعلق نہیں ہے اور جن کی تحقیق ان کے مقام پر کیگئی ہے مثلاً یہ غلط اعتراض کیا ہے کہ. مانڈو کے واقعات کو کسی تاریخی شہادت کی بنا پر نہیں بلکہ محض اپنے من گھڑت قیاسیات کی بنا پر غیر صحیح بتلاتے ہوئے اس کو دعوی مہدیت سے پہلے کا واقعہ اور بفرض تسلیم اسراف قرار دیا ہے حالانکہ ان میں سے کوئی اعتراض بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اس حدیث سے امام مہدی علیہ السلام کی عام صفت کرم کا اظہار مقصود ہے۔ پس سخا و کرم کے وہ تمام واقعات خواہ دعوی مہدیت سے قبل ظہور پذیر ہوئے ہوں خواہ بعد وہ سب اس صفت کی خارق عادت حد تک موجودگی کی ضرور دلیل و علامت ہیں جیسے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت امانت اور آپ کے امین ہونے کے ثبوت میں امانت داری کے تمام واقعات پیش ہو سکتے ہیں خواہ وہ دعوئ نبوت سے قبل وقوع پذیر ہوئے ہوں یا بعد۔

اس کے قطع نظر حضرت امامنا علیہ السلام کا دعوی تیتیس (۲۳) سال رہا اور اس عرصہ مدت میں جو بھی مقدمات ظاہر ہوئے ہیں وہ سب بلا شک و شبہ اس خبر مغیب کے مصداق ہیں۔

اس کو اسراف سمجھنا بھی ایک طرح کی نادانی ہے اس لئے کہ کرم عمیم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جو " یرزق من یشاء بغیر حساب" وغیرہ آیات قرآنی میں بیان ہوئی ہے۔ بھلا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو اپنے فضل و کرم سے بے حساب عطا فرمایا ہے تو وہ نعوذ باللہ اسراف ہے۔ کاملین اس صفت باری تعالیٰ کے مظہر ہیں جن سے اس کا ظہور ہوا کیا ہے۔ حضرت سرور کائنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک سیرت اس داد و دہش کے واقعات سے بھری ہوئی ہے۔ بسا اوقات جس قدر مال حاضر کیا گیا اسی وقت تقسیم کردیا گیا ہے۔ ایک وقت مال ختم ہو جانے کے بعد بھی عوام نے

ہجوم کیا تو ارشاد فرمایا کہ اگر یہ تمام ریتلا میدان مال ہوتا تو بھی میں اسی وقت سب تھیں تقسیم کردیتا اور اس کی مجھے کوئی پرواہ نہ ہوتی۔

تاریخ الخلفا میں حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی داد و دہش کی نسبت لکھا ہے۔

وکان یجیز الرجل الواحد بمائۃ الف	آپ ایک شخص کو ایک ایک لاکھ دیدیتے تھے۔

کیا مولف صاحب ہدیہ حساب کرکے بتا سکیں گے کہ ان صورتوں میں جن کو جو کچھ دیا گیا ان کا حصہ بیت المال میں کس قدر تھا اور جس قدر دیا گیا وہ ان کے حصہ سے کتنا کم یا زیادہ تھا؟

تحریف پنجم | مولف ہدیہ نے تحریف پنجم جو بتائی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ فتوحات میں یمسی جاھلاً بخیلاً جبانا فیصبح اعلم الناس اکرم الناس اشجع الناس لکھا ہے۔ مکتوب ملتانی میں یاتیہ الرجل یمسی جاھلاً الخ کردیا گیا ہے

مولف ہدیہ نے بڑے شد و مد سے اس کو تحریف قرار دیا ہے حالانکہ یہ صورت بھی اختلاف نسخ کی ہوسکتی ہے ممکن ہے کہ جو نسخہ حضرت مولف مکتوب ملتانیؒ کے زیر ملاحظہ تھا اس میں یہی الفاظ ہوں گے اور مولف ہدیہ نے جو نسخہ دیکھا اس میں یہ الفاظ نہ ہوں۔ یا یہ تلخیص و تضمین کے لوازمات سے ہے جس میں الفاظ و عبارت میں اس حد تک تغیر و تبدل جائز ہے جیسا کہ فتوحات کی اس عبارت میں جن حدیثوں کی تلخیص کی گئی ہے ان کے الفاظ میں اسی قسم کی کمی و بیشی پائی جاتی ہے۔

اس اعتراض کی مزید تحقیق یہ ہے کہ سب سے پہلے یہ حقیقت قابل غور ہے کہ مکتوب ملتانی میں عبارت فتوحات کا جو خلاصہ درج ہے اس میں اور مولف ہدیہ کے بیان میں کیا فرق ہے۔ مکتوب ملتانی کے مندرجہ خلاصہ یا اقتباس کا معنی یہ ہے کہ امام مہدی علیہ السلام کی خدمت میں جاہل۔ بخیل۔ بزدل شخص بھی آئے گا تو زیادہ عالم۔ سخی۔ جوانمرد ہو جائے گا یعنی امام مہدی علیہ السلام کے زمانہ اور صحبت کی برکت سے اس کی صفات ذمیمہ اخلاق حسنہ سے بدل جائیں گے۔

مولف ہدیہ کہتے ہیں کہ ایسا کہنا تحریف ہے بلکہ صاحب فتوحات کا یہ مطلب ہے کہ امام مہدی علیہ السلام (معاذ اللہ) خود جاہل، بخیل، بے جرأت ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ان کو ایک رات میں درست کر دے گا چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں۔

یعنی مہدی کو جس شب اللہ تعالیٰ مہدی بنا دے گا اسکی شام تک بے علم بخیل بے جرأت ہوں گے اور صبح کو سب آدمیوں سے زیادہ علم میں اور کرم میں اور شجاعت میں ہو جاویں گے (ہدیہ ص ۹۲)

ان میں سے فتوحات کے قول کی پہلی توجیہ تو فطرت انسانی۔ تجربہ۔ مذہبی تاریخ کے بیشمار شواہد کے ٹھیک مطابق ہے کہ برگزیدہ نفوس قدسیہ فضائل، نیکیوں، خوبیوں سے خود آراستہ ہوتے ہیں اور چونکہ ہر نیکی اور بھلائی میں دوسرے پر اثر انداز ہونیکی صلاحیت موجود ہوتی ہے اس لئے ان کے فیضان سے دوسرے انسانوں کی اصلاح ہوجاتی ہے۔ ہر زمانہ میں یہی ہوا ہے اور خصوصاً رسول عربی حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ اس کی سب سے زیادہ روشن مثال ہے کہ حضرت کے فیضان سے اہل عرب میں کیا انقلاب ہوا اور وہی لوگ جو صفاتِ ذمیمہ سے متصف تھے اوصافِ حمیدہ سے کیسے آراستہ ہو گئے امام مہدی علیہ السلام کے زمانہ میں بھی یہی ہونیکی خبر دیگئی ہے۔

مولف ہدیہ نے فتوحات کا جو مطلب بیان کیا ہے اس سے خود امام مہدی علیہ السلام کا معاذ اللہ صفاتِ ذمیمہ سے متصف ہونا لازم آتا ہے یہ عام اصولِ ارشاد و ہدایت کے بھی خلاف ہے کیونکہ وہ برگزیدہ نفوس جو خلافتِ الٰہی کی خلعت سے سرفراز ہوتے ہیں اُن میں عموماً شروع ہی سے مافوق الفطرت صلاحیتیں موجود ہوتی ہیں اور ابتدا ہی سے وہ بُری صفتوں سے محفوظ رہتے ہیں۔ حضرت رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اس کی بھی روشن مثال ہیں کہ حضرت کی ذاتِ اقدس طفولیت عنفوانِ شباب غرض کہ بعثت سے پہلے کے ہر زمانہ میں صفاتِ ذمیمہ سے محفوظ اور اخلاقِ حسنہ سے آراستہ تھی۔ پس امام مہدی علیہ السلام کی بھی یہی حالت ہونی چاہیئے۔ لیکن

بقول مولف ہدیہ یہ لازم آتا ہے کہ امام مہدی علیہ السلام جو بالاتفاق خلیفۃ اللہ ہیں تمام خلفاء اللہ کے خلاف صفاتِ ذمیمہ سے متصف رہیں گے۔ گویا مہدویہ کی کاوش میں امام مہدی علیہ السلام ہی کی توہین جلی کیجا رہی ہے۔

پس تحریف کی تحقیق سے قطع نظر مولف ہدیہ کی یہ بداعتقادی دیکھئے کہ جو بدترینِ صفات ہیں وہ امام مہدی علیہ السلام کے لئے ثابت کرنے کی بے ادبی کررہے ہیں (یعنی آپ خود جس مہدی کے منتظر ہیں انھیں موصوف بصفاتِ ذمیمہ بنا رہے ہیں) استغفر اللہ العظیم یہ اعتقاد اہل حق کا کیونکر ہوسکتا ہے اور صاحبِ فتوحات علیہ الرحمہ جو رئیس المحققین ہیں اس امرِ قبیح کے کس طرح قائل ہوسکتے ہیں بلکہ کوئی مسلمان بھی جو امام مہدی علیہ السلام کے وجود کا اور آپ کی ذاتِ اقدس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موعود و مبشر ہونے کا قایل و معتقد ہے مولفِ ہدیہ کی اس بداعتقادی اور بدزبانی کو کبھی روا نہیں رکھ سکتا۔ مولف ہدیہ نے اتنا نہیں سمجھا کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کی شان میں " یقفو اثری ولا یخطیٔ" اور "خُلُقہ خلقی" فرمایا ہے اُس ذات اقدس کی طرف ان بدترینِ صفات کی نسبت کیسے ہوسکتی ہے؟ کیا کسی نے سنا ہے کہ جہل و بخل وجُبن معاذ اللہ اخلاقِ محمدی میں داخل ہیں؟

اب اعتراض تحریف کے متعلق لفظی و معنوی دونوں پہلوؤں سے بحث کیجاتی ہے۔ اس کی لفظی تحقیق یہ ہے کہ لفظ " الرجل " بڑھایا ہوا نہیں ہے۔ فتوحات کے موجودہ نسخوں میں بعض میں یہی عبارت ہے کہ یمشی الرجل جاھلاً بخیلاً جباناً الخ علامہ عبدالوہاب شعرانی نے بھی " الیواقیت والجواھر" کے پینڈ ۵ویں بحث میں فتوحات کا یہی قول اس طرح نقل کیا ہے کہ یمسی الرجل جاھلا وجبانا و بخیلا فیصبح شیاعا کریما جیسا کہ اس سے پہلے بھی یہی قول لکھا گیا ہے زیادہ سے زیادہ یہ ممکن ہے کہ الرجل فتوحات کے کسی نسخہ میں شائد نہ بھی ہو۔ لیکن یہ اختلاف نسخہائے فتوحات کی صورت ہوگی اس کو تحریف کہنا کبھی صحیح نہیں۔ اگر اس کو تحریف کہا جائے تو یہی الزامِ تحریف علامہ شعرانی پر اول وارد کرنا ہوگا اگر یہ کہا جائے کہ علامہ شعرانی کے اس قول میں بھی یا تیہ نہیں ہے جو مکتوب میں

ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تلخیص و تضمین کا لازمہ ہے جس میں اس حد تک تغیر و تبدیل الفاظ میں جائز ہے جیسا کہ علامہ شعرانی کے قول میں فتوحات کا مضمون بیان کرنے میں اور خود فتوحات کی عبارت میں احادیث کی اصل عبارت اور الفاظ کی بہ نسبت پایا جاتا ہے۔ نیز یاتیہ الرجل سے اس سنتہ اللہ کی طرف اشارہ ہے کہ جو لوگ کسی خلیفۃ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوں گے انہی کی حقیقی اصلاح ہوگی اور جو لوگ خلیفۃ اللہ کے منکر اور خلیفۃ اللہ کی صحبت و تعلیمات سے بے بہرہ رہتے ہیں ایسے لوگ اصلاح سے بھی ضرور محروم رہتے ہیں۔

اس کی معنوی بحث بھی کئی طرح سے ہو سکتی ہے۔

اوّلاً مولف ہدیہ نے اپنی اس لاطائل توجیہ کو نبھانے کے لئے امام احمدؒ کی روایت کردہ ایک حدیث المہدی من اہل البیت یصلحہ اللہ فی لیلۃ کو اس موقعہ پر چسپاں کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس وقت اس روایت کی تنقید و تحقیق اصولِ حدیث کی رو سے کرنے یا اس کے حقائق و مطالب سے بحث کی ضرورت نہ بھی سمجھی جائے تو تب بھی یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اس حدیث کا ابتدائی حصہ یعنی امام مہدی علیہ السلام کا اہل بیت سے ہونا دوسری بہت سی احادیث سے ثابت بلکہ حد تواتر کو پہنچا ہوا ہے لیکن اس حدیث کا آخری حصہ یعنی یصلحہ اللہ فی لیلۃ غریب اور شاذ کی حیثیت رکھتا ہے جس کے شواہد یا مویدات پہلے حصہ کی طرح نہیں ملتے۔ اس کے قطع نظر اسی روایت کے سیاق کلام کے نظر کرتے منصب مہدیت و خلافت الٰہی کی صلاحیت پیدا کرنے کا اشارہ اس سے ہو سکتا ہے مگر اس کے کسی حصہ سے بھی ان صفات ذمیمہ سے متصف ہونا ثابت نہیں ہے اور نہ کسی اور حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ معاذ اللہ امام مہدی علیہ السلام قبلِ بعثت ان رذائلِ اخلاق سے متصف رہیں گے۔ اس کے برخلاف جبکہ دوسری احادیث سے امام مہدی علیہ السلام کا اخلاقِ محمدی سے متخلق ہونا ثابت ہے جن کا خود مولف ہدیہ کو بھی اقرار ہے جیسا کہ تحریف دوم کے ضمن میں ان کا قول نقل کیا گیا ہے۔ فتوحات کے قول کی یہ توجیہ جو مولف ہدیہ نے بیان کی ہے احادیث کے بھی صریح خلاف ہے۔

ثانیاً۔ فتوحات کے اس قول میں جس سے مولف ہدیہ نے یہ غلط نتیجہ یا

مطلب نکالا ہے یصلحہ اللہ فی لیلۃ کی روایت تو لکھی ہوئی ہے لیکن اس روایت کو امام مہدی علیہ السلام کے ان صفات ذمیمہ سے متصف ہونے کی وجہ نہیں قرار دیا گیا ہے۔ بلکہ خود اسی قول کے بعض حصوں سے ایسا مفہوم نکالنے کی نفی ہوتی ہے چنانچہ فتوحات کی عبارت یہ ہے جس میں امام مہدی علیہ السلام کے متعلق مختلف حدیثوں کی تلخیص وتضمین اور حضرت کے بعض فضائل واوصاف کریمہ کا ذکر ہے۔

یخرج علی فترۃ من الدین یزع بہ ما لا یزع بالقرآن یمسی الرجل جاھلاً بخیلاً جباناً فیصبح اعلم الناس اکرم الناس اشجع الناس یمشی النصر بین یدیہ یعیش خمساً او سبعاً او تسعاً یقفوا اثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یخطی لہ ملک یسددہ من حیث لا یراہ یحمل الکل ویقوی الضعیف فی الحق ویقری الضیف ویعین علی نوائب الحق یفعل ما یقول ویقول ما یعلم ویعلم ما یشھد یصلحہ اللہ فی لیلۃ۔

امام مہدی دین میں سستی آنے پر ظاہر ہوں گے اللہ تعالیٰ مہدی کے ذریعہ لوگوں کو برائیوں سے اس قدر باز رکھے گا کہ اس قدر قرآن سے بھی باز نہ رہیں گے۔ جو شخص جاہل بخیل۔ نامرد ہوگا وہ سب سے زیادہ عالم سخی جوانمرد ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت آپ کے پیش پیش رہے گی۔ آپ پانچ یا سات یا نو سال رہیں گے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلیں گے خطا نہیں کریں گے۔ ایک فرشتہ آپ کی اس طرح رہنمائی کرتا رہے گا کہ آپ اس کو نہ دیکھیں گے۔ مصائب کا بار برداشت کریں گے۔ حق میں جو ضعیف ہوگا اس کو قوی بنا دیں گے مہمان نوازی اور حق کی مدد کریں گے۔ جو کہیں گے وہی کریں گے اور وہی کہیں گے جس کا آپ کو علم ہوگا اور اسی بات کا آپ کو علم ہوگا جس کو آپ مشاہدہ کریں گے اللہ تعالیٰ آپ کو ایک رات میں صلاحیت عطا کر دے گا۔

اس قول میں صرف ایک لفظ "الرجل" سے مولف ہدیہ کو انکار ہے

اس کے باقی تمام حصوں سے ان کو انکار نہیں ہے اور متداولہ سب نسخوں میں بھی یہ موجود ہیں ۔ اس قول کے سیاق سے خود ظاہر ہے کہ ان صفات ذمیمہ سے متصف ہونے کو یصلحہ اللہ فی لیلۃ سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلنے اور خطا سرزد نہ ہونے ۔ فرشتہ رہنمائی کرنے اخلاق حمیدہ سے متصف ہونے کی ایسی صراحتیں موجود ہیں جن سے ان صفاتِ ذمیمہ کو حضرت امام علیہ السلام کی طرف نسبت کرنے کی صاف نفی ہوتی ہے اور امام مہدئی کے ذریعہ لوگ برائیوں سے باز رہنے اور آپ امورِ حق میں ضعیف شخص کو قوی بنادینے کی صراحت تو آپ کے ذریعہ اوروں کی اصلاح ہونے کی موید ہے ۔

ثالثاً ۔ مولف صاحب ہدیہ کا یہ اعتراضِ تحریف محض اس خبث باطنی اور سوءظن پر مبنی ہے کہ مہدویہ کے اعتقاد میں امام مہدی علیہ السلام مادرزاد ولی ہیں ان پر فتوحات کا یہ قول اور یصلحہ اللہ فی لیلۃ صادق نہیں آتے تھے اس لئے مکتوب ملتانی میں یہ تحریف کر دی گئی ہے کہ یا نتیہ الوجل بڑھا دیا گیا ہے۔ لیکن مولف ہدیہ کو شائد اس کا علم نہیں ہے کہ خود صاحب فتوحات ؒ بھی جن کے قول کی آپ یہ غلط توجیہ کر رہے ہیں امام مہدی علیہ السلام کے مادر زاد ولی ہونے بلکہ ظہور آدم علیہ السلام کے پہلے سے منصب ولایت پر فائز ہونے کے قایل ہیں۔ چنانچہ آپ نے فصوص الحکم میں لکھا ہے کہ

قال صلی اللہ علیہ وسلم کنت نبیا وآدم بین الماء والطین وغیرہ من الانبیاء ماکان الاحین بعث وکذالک خاتم الاولیاء کان ولیا وآدم بین الماء والطین وغیرہ من الاولیاء ماکان ولیا الابعد تحصیل شرائط الولایۃ من الاخلاق الالھیۃ ۔

رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں اس وقت نبی تھا جبکہ آدم ؑ ابھی پانی اور مٹی ہی تھے اور آپ کے سوا دوسرے انبیا اپنی بعثت کے وقت ہی نبی ہوئے ہیں ۔ ایسا ہی خاتم الاولیا بھی اس وقت ولی تھے جبکہ آدم ابھی پانی اور مٹی ہی تھے ۔ اور دوسرے اولیا اخلاق الٰہی سے متصف ہونے کے شرائط حاصل کرنے کے بعد ولی ہوئے ہیں۔

پس اس سے صاف ظاہر ہے کہ خاتم الاولیا قبل وجود ظہور آدم علیہ السلام

مرتبۂ ولایت پر فائز اور شرائطِ ولایت سے جو اخلاق الہٰی سے متصف ہونا ہے آراستہ رہیں گے پھر مولف ہدیہ کی غلط توجیہ کی بنا پر کوئی وقت اور کوئی زمانہ ممکن ہی نہیں کہ اس ذات اقدس کو اخلاق الہٰی سے معاذ اللہ عاری اور ذمائم اخلاق سے متصف ہونے کا تصور کیا جا سکے ۔ یا مولف ہدیہ کو اپنی اس غلط توجیہ کو نباہنے کے لئے نعوذ باللہ جہل و بخل وجبن کو بھی اخلاق الہٰی میں شمار کرنا ہوگا حالانکہ اہل سنت کے عقائد کے نظر کرتے اگر کوئی شخص جہل و بخل وغیرہ اخلاق رذائل کو اخلاق الہٰی میں شمار کرے تو بالاتفاق وہ کافر ہے ۔

حاصل یہ کہ یہ سب قباحتیں اسی توجیہ سے پیدا ہو رہی ہیں جس کے مولف ہدیہ مرتکب ہو رہے ہیں یعنی ان ذمائم اخلاق کو حضرت امام مہدی علیہ السلام کی طرف منسوب کرنے سے صاحب فتوحات کے اقوال باہم متضاد و مخالف یا ان کا یہ قول دوسری احادیث کے مخالف ہونا یا یہ اخلاق ذمیمہ اخلاق محمدی یا اخلاق الہٰی میں شامل ہونا لازم آرہا ہے ولا یقوله الا جاهل وجبان (یہ ایسی بات ہے کہ کوئی جاہل و نادان اور نامرد ہی ایسا کہے گا)

پس ان تمام وجوہ سے ثابت ہے کہ مولف ہدیہ کا اس کو تحریف سمجھنا اور کہنا باطلِ محض ہے ۔

تحریف ششم یہ بتائی ہے کہ

تحریف ششم | بعد من حیث لا یراہ کے اتنی عبارت حذف کردی یحمل الکل ویقوی الضعیف فی الحق و یقری الضیف و یعین علی نوائب الحق یعنی یہ خلیفہ اٹھاوے گا بادعیالی و یتیم کو اور قوت دے گا ضعیف کو امر حق میں اور ضیافت کرے گا مہمان کی اور مدد کرے گا مصائب حق پر انتہیٰ ۔

اس کے بعد مولف ہدیہ نے جو نتیجہ نکالا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قوت دینا ضعیف کو اور مدد کرنا مصائب میں بار اٹھانا صاحبان ثروت و حکومت کا کام ہے اور امامنا مہدی علیہ السلام خود ضعیف تھے کہ احکام و سلاطین ان پر انواع و اقسام کے جبر و اخراج و زجر کرتے تھے اس واسطے میاں نے اس عبارت سے

کنارہ کشی مناسب سمجھی۔

دراصل خود فتوحات کے نسخوں میں یہ عبارت کم وبیش ہے یعنی بعض نسخوں میں یحمل الکل ویعین الضعیف ویساعد علی نوائب الحق ہے اس میں یقوی الضیف نہیں۔ ہے اور یقوی الضعیف کے بعد فی الحق کے الفاظ بھی نہیں ہیں جیسا کہ صاحب یواقیت نے نقل کیا ہے کسی نسخہ میں "یقوی الضعیف" کی جگہ "یعین" ہے اور کسی میں "یعین" کے عوض "یساعد" ہے۔ جو نسخے اس وقت ہمارے زیرِ مطالعہ ہیں ان کی اختلافی کیفیت یہ ہے۔ نہیں معلوم ان کے سوا اور جو نسخے ہوں گے ان میں کیا کیا اختلاف ہوگا۔

اختلافِ الفاظ و عبارت کے قطع نظر اقتباس و تلخیص میں چونکہ لفظاً لفظاً عبارت نقل کرنا ضروری نہیں ہوتا اس لئے بہت ممکن ہے کہ بنظر اختصار یہ عبارت ترک کر دی گئی ہو ورنہ مولف صاحب ہدیہ کے زعم فاسد کے مطابق کوئی مضمون بھی ایسا نہیں ہے جو صادق نہ ہوا ورجس سے نعوذ باللہ تحریف کی حاجت فرض کی جائے۔ مولفِ ہدیہ نے پہلی غلطی یہی کی ہے کہ اقتباس و تلخیص کو تحریف بیان کیا ہے اور پھر "بنا بر فاسد علی الفاسد" کے طور پر اس تحریف کی جو من گھڑت توجیہ کی ہے وہ دوسری غلطی اور پہلی سے بھی زیادہ فاحش ہے۔

علمِ اخلاق کا ایک معمولی طالب علم بھی جانتا ہے کہ کسی کی مصیبتوں میں مدد کرنا۔ کمزور کو تقویت دینا۔ مہمان نوازی کرنا وغیرہ یہ ایسے اخلاق حسنہ ہیں جو صاحبان ثروت و حکومت سے مخصوص نہیں ہیں کہ بغیر ثروت و حکومت کے ان کا ظہور ہی نہ ہو سکے۔ مولف ہدیہ کے دل و دماغ پر اپنی دنیا پرستی کی وجہ میں امام مہدی علیہ السلام کے صاحب ثروت و حکومتِ ظاہری ہونے کا بے اصل خیال ایسا مسلط ہے کہ عموماً خلفاء اللہ کی سنت جاریہ کو وہ بالکل فراموش کر جاتے ہیں کہ ان کی ثروت و حکومت کس نوعیت کی ہوتی ہے اور ان کو ثروت دنیاوی اور حکومت ظاہری سے کیا تعلق ہے۔ اس موقع پر تو اس بے اصل خیال کی انتہا ہو گئی ہے کہ وہ معمولی اخلاق حسنہ کو بھی ثروت و حکومت پر منحصر قرار دے رہے ہیں۔ مثلاً ان کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اہم اور مشہور واقعہ ابتدائے

وحی بھی یاد نہیں ہے جبکہ حضرت غارِ حرا میں عزلت گزیں تھے اور پہلی مرتبہ جبرائیل علیہ السلام آپ پر نازل ہوئے۔ سورۂ علق کی ابتدائی آیتیں پڑھائیں اور وضو اور نماز کا طریقہ بتایا جب حضرت مکان کو مراجعت فرما ہوئے یہ سب قصہ حضرت خدیجہ رض سے بیان کر کے فرمایا کہ

خشیت علی نفسی فقالت خدیجۃ کلا واللہ ما یخزیک اللہ ابدا انک لتصل الرحم و تحمل الکل و تکسب المعدوم و تقری الضیف و تعین علی نوائب الحق (بخاری بدء الوحی)

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) مجھے اپنی جان کا خوف ہو رہا ہے۔ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا اللہ تعالیٰ آپ کو رسوا نہیں کریگا۔ آپ صلۂ رحمی کرتے ہیں بینوا کا بار اٹھاتے ہیں محتاجوں کے ساتھ سخاوت کرتے ہیں مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق کی مصیبتوں میں مدد دیتے ہیں)

حدیث مذکور میں جو اوصاف امام مہدی علیہ السلام کی شان میں بیان ہوئے ہیں قریب قریب وہی اوصاف یہاں مذکور ہیں حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت کوئی ثروت و حکومتِ ظاہری حاصل نہیں تھی بلکہ اس کے بعد بھی مسلسل تیرہ برس تک اس قدر ضعف و کمزوری لاحق رہی کہ بڑے بڑے حکام و سلاطین نہیں بلکہ قبیلۂ قریش کے معمولی رؤسا اور عوام بھی حضرت پر اور حضرت کے ساتھیوں پر انواع و اقسام کے جبر و زجر و ظلم کرتے رہتے تھے۔ مولف ہدیہ یہاں کیا فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کو جب ثروت و حکومت حاصل نہیں تھی تو پھر حضرت میں یہ اوصافِ حسنہ موجود تھے یا نہیں؟ اگر آپ ان اوصاف کے موجود ہونے کا انکار کریں تو اسلامی تاریخ کے مشہور و متفق علیہ واقعات کے آپ منکر ٹھہریں گے۔ پس آپ کو اور آپ کے ہم نوا اصحاب کو یہ انکار مبارک اور اگر ان اوصاف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متصف ہونے کا اقرار و اعتراف کریں تو پھر یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ ان اوصافِ حسنہ سے متصف ہونے کے لئے ثروت و حکومت کی ضرورت نہیں ہے۔

یَحْمِلُ الْکَلَّ کے معنی کو عیال و یتیم کا بار اُٹھانے سے مخصوص و مقید کر دینا بھی صحیح نہیں ہے جیسا کہ مولف صاحب ہدیہ نے کیا ہے کیونکہ کَلّ و کلال کا معنی مطلق بار و گرانی اور عجز و عاجزی کا ہے جو بارِ عیال و یتیم وغیرہ سب کو شامل ہے۔

حاشیۂ بخاری میں اسی حدیث کے ان الفاظ کی نسبت یہ لکھا ہے

قوله تحمل الکلّ بفتح الکاف وتشدید اللام الثقل وهو من الکلال الذی هو الاعیاء ای ترفع الثقل ای تعین الضعیف المنقطع ویدخل فیه الیتیم والعیال وغیر ذلك لان الکل من لا یستقل بامره

کلّ (کاف مفتوح اور لام مشدد کے ساتھ) بار بوجھ ہے جو کلال سے مشتق ہے جس کا معنی عجز ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ بار اُٹھاتے ہیں یعنی بینوا ضعیف و عاجز کی اعانت کرتے ہیں اس میں یتیم و عیال وغیرہ داخل ہیں کیونکہ کلّ وہ ہے جو اپنا کار و بار خود انجام نہ دے سکے۔

آیت قرآنی سے بھی کلّ کے معنی عام معلوم ہوتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وضرب الله مثلا رجلین احدهما ابکم لا یقدر علی شیٔ وهو کلّ علی مولیٰه اینما یوجهه لا یأت بخیر (۱۴—۱۴ نحل)

اللہ تعالیٰ دو شخصوں کی مثال دیتا ہے جن میں ایک گونگا ہے جو کوئی کام نہیں کر سکتا وہ اپنے مالک پر بار ہے وہ اس کو جہاں کہیں بھیجتا ہے کوئی بھلائی نہیں کرتا۔

اس آیت میں گونگا غلام اپنے مالک کے لئے بار ہونا فرمایا گیا ہے جو عیال و یتیم سے سوا ہے۔

اس واقعہ ابتداے وحی سے بھی اسی اطلاق کی توضیح ہوتی ہے اس لئے کہ اُس وقت حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عیال و یتیم کا بار نہیں تھا اور اس کے باوجود آپ کی شان میں "تَحْمِلُ الْکَلَّ" بیان کیا گیا ہے جس سے ثابت ہے کہ یہ بار یتیم و عیال سے مخصوص نہیں ہے۔

جو اوصاف اس حدیث میں مذکور ہیں ان کو حضرت امامنا علیہ السلام کے حالات سے مقابلہ کر کے دیکھو تو وہ پورے پورے صادق ہیں تحمل الکلّ تو آپ کا خاص کام ہے بلکہ آپ کے طریقہ پر جو لوگ ثابت قدم ہیں سختی و مصائب کا برداشت کرنا۔ عاجزوں کی امداد و اعانت کرنا ان کا فرض ہے لہذا وہ اُنکو

سعادت و کامرانی سمجھتے ہیں۔ ضعیف کو قوت دنیا بھی اس امام ہمام پر باحسن وجوہ صادق ہے کیونکہ جو لوگ دینداری میں ضعیف تھے حضرت کی تعلیمات اور برکت صحبت سے نہایت قوی ہو گئے اگر اس کو امور ظاہری پر محمول کریں تو یہ بھی صادق ہے۔ دیکھئے حضرت امامنا علیہ السلام نے سلطان حسین کو کس طرح تقویت دی کہ راے دلپت کی سلطنت کو زیر و زبر کر کے اسلام اور مسلمانوں کو غالب فرمایا۔

پھر اس عبارت میں کون سا مضمون تھا جو جناب امام علیہ السلام پر صادق نہ تھا اور اس کی وجہ سے بقول مولف ہدیہ اس عبارت کے حذف و ترک کرنیکی حاجت و ضرورت فرض کر لی جائے۔

مولف ہدیہ نے تحریف ہفتم یہ بتائی ہے کہ

تحریف ہفتم | بعد یصلحه الله فی لیلة کے اس قدر عبارت نکال ڈالی یفتح المدینة الرومیة بالتکبیر فی سبعین الفا من المسلمین من ولد اسحاق لیشهد الملحمة العظمٰی مادبة الله بمرج عکا یبید الظلم و اهله یقیم الدین و ینفخ الروح فی الاسلام۔ یعنی فتح کرے گا یہ خلیفہ مدینۂ رومیہ کو تکبیر سے ہمراہ ستر ہزار مسلمان اولاد اسحاق کے حاضر ہوگا جنگ کلاں میں بمقام مادبۂ الٰہی چراگاہ شہر عکا نے ہلاک کرے گا ظلم اور اہل ظلم کو قایم کرے گا دین کو اور پھونکے گا روح اسلام میں انتہیٰ

مولف صاحب ہدیہ نے اس عبارت کے نکالنے کی یہ وجہ سمجھی اور ظاہر کی ہے کہ

"دوسرا امر ان کے مہدی کی تکذیب کرتی تھی کیونکہ نہ ان بزرگوار نے مدینۂ رومیہ کو فتح کیا نہ اُن کے ہمراہ کبھی ستر ہزار مسلمان اولاد آدم کے جمع ہوئے چہ جائیکہ اولاد اسحاق کے" الخ

یہاں دو امر تحقیق طلب قرار پاتے ہیں ایک تو تحریف کا الزام کہ حضرت مولف صاحب مکتوب ملتانیؒ نے جو عبارت چھوڑ دی ہے کیا اس کو تحریف کہنا صحیح ہے؟ دوسرا مدینۂ رومیہ کی فتح کو کیا امام مہدی علیہ السلام سے کچھ

تعلق بھی ہے یا نہیں ؟

امر اول کا بیان یہ ہے کہ مولف صاحب ہدیہ نے جس کو تحریف بتا یا ہے وہ صورت اختلافِ نسخ کی ہو نا ممکن ہے کہ یہ عبارت کسی نسخہ میں نہ ہو یا اقتباس کی ہو سکتی ہے کہ مقصود بہ اور متعلقہ مضامین لئے گئے اور غیر متعلقہ مضامین چھوڑ دئے گئے ہیں چنانچہ فتوحات کا یہ فقرہ بھی بعض حدیثوں کا اقتباس اور خلاصہ معلوم ہوتا ہے جیسا کہ اس حدیث سے ثابت ہو گا جو بعد میں نقل کیگئی ہے کہ جس حدیث میں اولاد اسحاق کے ستر ہزار آدمی صرف تکبیر سے ایک شہر کو فتح کرنے کا ذکر ہے اس میں " رومیہ " کے الفاظ نہیں ہیں ۔ اور نہ " الملحمة العظمیٰ " (جنگ عظیم) اور نہ " مادبة الله " اور نہ " مرج عکا " کا ذکر ہے اور آخری فقرہ " یبید الظلم واھلہ وینفخ الروح فی الاسلام " بھی اس حدیث میں کہیں نہیں ہے یہ الفاظ یا مضامین ممکن ہے کہ دوسری احادیث سے اقتباس کئے گئے ہوں گے۔ ایسا ہی اس حدیث میں اور نیز دوسری حدیثوں میں جو تفصیلات مندرج تھیں وہ سب چھوڑ دی گئی ہیں مثلاً اس حدیث میں اس شہر کا جو پتہ یا علامت بتائی گئی تھی کہ " وہ اس کے ایک جانب خشکی اور ایک جانب سمندر ہے " فتوحات کی اس عبارت میں مذکور نہیں ہے اور نہ تین مرتبہ تکبیر کہنے کا ذکر ہے اور نہ تقسیم غنائم کا اور نہ خروج دجال کا یہاں ذکر کیا گیا ہے جو اس حدیث میں موجود تھا۔ ایسا ہی اور کئی مضامین جو ان حدیثوں میں تھے یہاں چھوڑ دئے گئے ہیں۔ اگر اس طرح بعض حصہ ذکر کرنے اور بعض حصہ چھوڑ دینے کو تحریف کہا جائے تو پھر حدیثِ رسول اللہؐ میں تحریف کرنے کا وہی اعتراض خود صاحب فتوحات حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ پر عائد کرنا ہو گا کیونکہ آپ نے احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصلی الفاظ و عبارت میں کہیں اضافہ کر دیا ہے اور کہیں ان کو چھوڑ دیکر ان کا اقتباس یا ان کی تلخیص کر دی ہے۔ ورنہ مولف صاحب ہدیہ کو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس قسم کے اقتباس یا تلخیص کو یا الفاظ کی کمی و بیشی کو تحریف نہیں کہا جا سکتا۔

امر دوم کا بیان یہ ہے کہ مولف ہدیہ نے اس عبارت کو نقل نہ کرنیکی

جو وجہ سمجھی اور بیان کی ہے اس کے بیان کرنے سے پہلے یہ غور کرنا چاہئے تھا کہ یہ مضمون جن احادیث سے لیا گیا ہے وہ احادیث کونسی ہیں اور وہ امام مہدی علیہ السلام سے متعلق بھی ہیں یا نہیں؟ اس کی زیادہ تفصیل کی تو یہاں ضرورت نہیں ہے اس کی مختصر تحقیق یہ ہے کہ حدیث کی مشہور کتاب "مسلم" میں ابو ہریرہ سے اس مضمون کی حدیث مروی ہوئی ہے کہ

عن ابی هریرة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال هل سمعتم بمدينة جانب منها فی البر وجانب منها فی البحر قالوا نعم یا رسول اللہ قال لا تقوم الساعة حتی یغزوها سبعون الفا من بنی اسحاق فاذا جاؤها نزلوا فلم یقاتلوا بسلاح ولم یرموا بسهم قالوا لا اله الا اللہ واللہ اکبر فیسقط احد جانبیها قال ثور لا اعلمها الا قال الذی فی البحر ثم یقول الثانیة لا اله الا اللہ واللہ اکبر فیسقط جانبها الآخر ثم یقول الثالثة لا اله الا اللہ واللہ اکبر فیفرج لهم فید خلوها فیغنموا فبینما هم یقتسمون المغانم اذ جاءهم الصریخ فقال ان الدجال قد خرج فیترکون کل شیٔ ویرجعون ۔ (مسلم کتاب الفتن)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے اس شہر کو سنا ہے جس کے ایک جانب خشکی اور ایک جانب سمندر ہے صحابہؓ نے کہا ہاں سنا ہے یا رسول اللہ فرمایا اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی جب تک اولاد اسحاق کے ستر ہزار آدمی اس پر حملہ نہ کریں گے ۔ جب وہ اس شہر پر پہنچیں گے نہ ہتھیار سے لڑیں گے اور نہ ایک تیر چلائیں گے بلکہ لا الہ الا اللہ واللہ اکبر کہیں گے پس شہر کا ایک جانب گر پڑے گا ۔ ثور (جو اس کے راویوں میں ہیں) کہتے ہیں کہ میں جانتا ہوں کہ سمندر کی جانب ہی کا حصہ فرمایا پھر دوبارہ وہ لا الہ الا اللہ واللہ اکبر کہیں گے اور اس کا دوسرا جانب گر پڑے گا ۔ پھر تیسری مرتبہ لا الہ الا اللہ واللہ اکبر کہیں گے اور ان کیلئے ایک شگاف پڑ جائے گا اور وہ شہر میں داخل ہو جائیں گے اور مال غنیمت حاصل کریں گے وہ غنائم تقسیم ہی کرتے رہیں گے کہ یکایک ایک چلانے والا یہ کہتا ہوا آئے گا کہ دجال

نکل آیا پس وہ ہر چیز کو چھوڑ کر واپس ہو جائیں گے۔

ایک اور حدیث اسی کتاب میں ابو ہریرہ ہی سے یہ لکھی ہے کہ

عن ابی هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لا تقوم الساعة حتى ينزل الروم بالاعماق اوبدابق فيخرج اليهم جيش من المدينة من خيار اهل الارض يومئذ فاذا تصافوا قالت الروم خلوا بيننا و بين الذين سبوا منا نقاتلهم فيقول المسلمون لا والله لا نخلى بينكم وبين اخواننا فيقاتلونهم فينهزم ثلث لا يتوب الله عليهم ابدا ويقتل ثلثهم افضل الشهداء عند الله ويفتح الثلث لا يفتنون ابدا فيفتحون قسطنطنيه فبينما هم يقتسمون الغنائم قد علقوا سيوفهم بالزيتون اذ صاح فيهم الشيطان ان المسيح قد خلفكم فى اهليكم فيخرجون وذلك باطل فاذا جاؤا الشام خرج فبينما هم يعدون للقتال يسوون الصفوف اذا اقيمت الصلوة فينزل عيسى بن مريم صلى الله عليه وسلم فلهم فاذا راٰه عدو الله ذاب كما

ابو ہریرہ رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت اس وقت تک نہ آے گی جب تک رومی اعماق یا دابق میں نزول نہ کریں گے۔ پس مدینہ سے ایک لشکر جو اس وقت کے بہترین لوگوں سے ہوگا ان کے مقابلہ کو نکلے گا جب وہ صف آرا ہونگے رومی کہیں گے کہ ہم کو ان لوگوں تک پہنچنے کا راستہ دو جنھوں نے ہمارے آدمیوں کو گرفتار کرلیا ہے تاکہ ہم ان سے لڑیں مسلمان کہیں گے کہ ہم تم کو ہمارے بھائیوں تک نہ جانے دیں گے تم ان سے لڑیں گے اور (مسلمانوں کا) ایک تھائی لشکر شکست کھا جائے گا جن کی توبہ اللہ تعالی کبھی قبول نہیں کرے گا اور ایک تہائی شہید ہو جائیں گے جو افضل ترین شہدا ہونگے اور تہائی فوج فتحیاب ہوگی اور قسطنطنیہ کو فتح کرے گی جبکہ وہ غنیمت تقسیم کر رہے ہوں گے اس اثنا میں شیطان پکارے گا کہ مسیح الدجال تمھارے پیچھے تمھاری اہل وعیال میں آگیا ہے وہ نکل کھڑے ہوں گے حالانکہ یہ خبر غلط ہوگی جب وہ ملک شام میں آئیں گے وہ (دجال) نکلے گا۔ جب وہ جنگ کے لئے تیار اور صف بستہ ہو رہے ہوں گے نماز کی

يذوب الملح في الماء فلو تركه لا نذاب حتى يهلك ولكن يقتله الله بيده فيريهم دمه في حربته

اقامت کہی جائے گی عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے اور ان کی امامت کریں گے جب دجال عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھے گا جس طرح نمک پانی میں گھلنے لگتا ہے وہ ایسا گھلنے لگے گا کہ اگر اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جاتا تو وہ خود بخود گھل کر ہلاک ہو جاتا لیکن اللہ تعالیٰ اس کو عیسیٰؑ کے ہاتھ سے قتل کروائے گا اور عیسیٰؑ اپنے ہتھیار پر لگا ہوا اسکا خون لوگوں کو دکھلائیں گے ۔

یہ دونوں حدیثیں معنی و مضمون کے اعتبار سے متحد ہیں فرق یہ ہے کہ حدیث ثانی میں جیش من المدینۃ مجمل ہے اور تعداد درج نہیں ہے اور پہلی حدیث میں اس کی تفسیر ہو گئی ہے کہ وہ بنی اسحاق کے ستر ہزار ہوں گے۔ حدیث اول میں مدینہ کا نام نہیں ہے صرف ایک علامت یا نشانی بتائی گئی ہے کہ اس کے ایک جانب خشکی اور ایک طرف سمندر ہے دوسری حدیث میں شہر کا نام قسطنطنیہ درج ہے۔ پہلی حدیث میں بغیر جنگ کے صرف تکبیر سے فتح ہو جاتا ہے اور دوسری حدیث میں جنگ ہونا اور لشکر کا تہائی حصہ شکست کھا جانا اور ثلث حصہ شہید ہو جانا اور بقیہ ثلث حصہ کامیاب ہونا اور فتح پانا اور عیسیٰؑ بن مریم کا نازل ہونا مذکور ہے۔ دونوں حدیثوں میں اس واقعہ کا زمانہ متحد ہے جو خروج دجال کا زمانہ ہے ان روایتوں سے بھی اس زمانہ کی تائید ہوتی ہے جن کو ابوداؤد نے معاذ بن جبلؓ سے روایت کی ہیں ۔

عن معاذ بن جبل قال قال رسول الله صلعم عمران بيت المقدس خراب يثرب وخراب يثرب خروج الملحمة وخروج الملحمة فتح قسطنطنيه وفتح قسطنطنيه

معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ بیت المقدس کی آبادی یثرب کی خرابی ہے اور یثرب کی خرابی ملحمہ (فتنہ و فساد) کا ظہور اور ملحمہ کا ظہور قسطنطنیہ کی فتح اور قسطنطنیہ کی فتح دجال کا خروج (قریب قریب) ہیں ۔

خروج الدجال (ابو داود مشکوٰۃ)

ایضاً قال قال رسول اللہ صلعم الملحمۃ العظمیٰ و فتح قسطنطنیہ وخروج الدجال فی سبعۃ اشھر۔

ایضاً رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ ملحمۂ عظمیٰ اور قسطنطنیہ کی فتح اور دجال کا خروج یہ سب سات مہینوں میں ہوں گے۔

مدینۂ رومیہ کو فتح کرنا مہدیؑ کی علامات میں نہیں ہے

ان دونوں حدیثوں کو خواہ ایک ہی واقعہ سے متعلق تسلیم کریں خواہ علیحدہ علیحدہ دونوں میں امام مہدی علیہ السلام کا کہیں ذکر نہیں ہے۔

مقدسی کی یہ رائے ہے کہ اس فوج کے امیر امام مہدی علیہ السلام ہوں گے یہ مقدسی کی ذاتی رائے ہے جبکہ حدیث میں امام مہدیؑ کا ذکر ہی نہیں ہے تو یہ حدیث حضرت امام علیہ السلام سے متعلق اور مدینۂ رومیہ کی فتح حضرتؑ کی علامات و شرائط میں داخل نہیں ہو سکتی کیونکہ مقدسی کی یہ رائے ان حدیثوں کے مخالف و منافی ہے بعض غیر متعلق باتیں جو غلط طور پر امام مہدی علیہ السلام کی علامات میں داخل کر دی گئی ہیں یہ بھی انھی کی ایک مثال ہے۔ یہ ہمارا ہی قول نہیں ہے بلکہ علمائے اہل سنت کی بھی یہی رائے ہے چنانچہ شیخ نجیب الدین واعظ دہلوی نے "مدار الفضلا" میں لکھا ہے کہ

قال المقدسی امیر ھذہ الطائفۃ یشبہ ان یکون مھدیاً ھذا قول لا نفاذ لہ من وجہ فما بال المقدسی اشتبہ علیہ الامر حتی قال یشبہ ان یکون المھدی لان فی نفی ھذا المعنی حدیثین صحیحین واقوال العلماء المشاھیر۔

مقدسی کا قول ہے کہ اس فوج کے امیر مہدی ہونیکا شبہ ہے لیکن یہ ایسا قول ہے جو کسی طور بھی چل نہیں سکتا۔ مقدسی کو کیا ہو گیا کہ ان پر نفس معاملہ مشتبہ ہو گیا جو یہ کہدیا کہ اس کے امیر مہدی ہونیکا شبہ ہے کیونکہ دو صحیح حدیثیں اور مشہور مشہور علما کے اقوال اس قول کی نفی کرتے ہیں۔

ان حدیثوں میں خود ایسے واضح قرینے موجود ہیں جن سے مقدسی کی اس رائے کی تغلیط ہوتی ہے فاتحین قسطنطنیہ بنی اسحاق سے ہونے کی صراحت

موجود ہے اور امام مہدی علیہ السلام بنی اسماعیل سے ہیں کیونکہ آپ آل نبی اور اولاد فاطمۃ الزہرا (رضی اللہ عنہ) و علی (کرم اللہ وجہہ) سے ہیں جو کسی صورت بھی بنی اسحاق میں شامل نہیں ہیں۔ اگر اس فوج کے امیر امام مہدی علیہ السلام ہوتے تو آپ کی عظمت و کرامت کے نظر کرتے جناب رسالت مآب صلعم آپ کا ذکر فرماتے اور یہ فتح آپ کی طرف منسوب کی جاتی کیونکہ عام قاعدہ ہے کہ جب امیر لشکر خاص عظمت و شہرت کا حامل ہوتا ہے تو فتح کو عام لشکریوں کی طرف منسوب کرنے کے عوض امیر لشکر کی طرف منسوب کیا جاتا ہے حدیث میں جب فتح کو بنی اسحاق کی طرف منسوب کیا گیا ہے تو ثابت ہوا کہ امیر لشکر بھی بنی اسحاق ہی سے ہوگا اور وہی عیسیٰ علیہ السلام کے پیچھے نماز پڑھے گا۔

حدیث میں جو الفاظ "من خیار اھل الارض یومئذ" کے ہیں (یعنی وہ اُس وقت کے اچھے لوگوں میں ہوں گے) یہ بھی دلالت کرتے ہیں کہ وہ لشکر عترۃ رسول اللہ صلعم سے نہ ہوگا اس لئے کہ عترۃ رسول اللہ ہمیشہ خیار اہل الارض ہیں ان کی عظمت کسی خاص وقت سے مخصوص نہیں ہے خصوصاً امام مہدی علیہ السلام کی ذاتِ اقدس تو ہر زمانہ اور ہر وقت میں ہمیشہ ہمیشہ خیر الاخیار ہے۔

ان حدیثوں سے فتح کا زمانہ خروج دجال و نزول عیسیٰؑ کا زمانہ ثابت ہو رہا ہے۔ مہدی علیہ السلام اس کے فاتح اور اس لشکر کے امیر ہونے کا کوئی ذکر بلکہ کوئی اشارہ تک ان حدیثوں میں نہیں ہے اور ایسا خیال کرنے سے اس مضمون کا تعارض اور تضاد ان حدیثوں سے بھی لازم آتا ہے جو عدم اجتماع مہدی و عیسیٰ پر دلالت کرتے ہیں اور جن کی بنا پر بعض مشاہیر علمائے اہل سنت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ مہدیؑ کا عیسیٰؑ کی اقتدا کرنا یا بالعکس ایسی غیر مستند بات ہے جس کی کوئی سند نہیں ہے (شرح مقاصد مولفہ علامہ سعد الدین تفتازانی)

"مدار الفضلا" میں بھی ان وجوہ کو ظاہر کرتے ہوئے علمائے اہل سنت وجماعت کے نزدیک مہدی علیہ السلام کا ظہور اس فتح سے پہلے اور اس فتح کا واقعہ حضرت کی رحلت کے بعد ہونے کا اعتراف کیا گیا ہے چنانچہ لکھا ہے۔

زعمت الشیعۃ خزلھم اللہ تعالیٰ	شیعہ کا خیال ہے کہ یہ حدیث

ان هذا الحدیث فی حق المهدی وتمسکوا بالحدیث المروی عن حذیفة وقال علماء اهل السنة الجماعة ان هذا التمسك ضعیف لان النبی صلعم ذکر الفتح بالتکبیر من بنی اسحاق والمهدی من بنی فاطمة بنت رسول الله وهو من بنی اسماعیل ثم اخفاء اسم الامیرؤ ذکر اسم الجیش بالفتح لم یعهد به العقلاؤ والبلغاؤ لان المهدی اسبقهم بعثا لان هذا الفتح قریب من نزول عیسیٰؑ و خروج الدجال وبعث المهدیؑ سابق علیه بقوله علیه السلام کیف تهلك امة انا فی اولها وعیسیٰ فی اٰخرها والمهدی من عترتی وسطها۔

مہدی علیہ السلام کے حق میں ہے اور انھوں نے اس حدیث سے استدلال کیا جو حذیفہ سے مروی ہے۔ علمائے اہل سنت وجماعت کہتے ہیں کہ یہ استدلال ضعیف ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر کے ذریعہ فتح ہونے کا واقعہ نبی اسحاق سے متعلق ذکر کیا ہے اور مہدی علیہ السلام فاطمہ بنت رسول اللہ کی اولاد سے ہیں جو بنی اسمٰعیل سے ہیں۔ پھر امیر لشکر کا نام چھپانا اور فتح پانے والے لشکر کا نام ذکر کرنا فصیح وبلیغ عقلمندوں کی عادت نہیں ہے اس لئے بھی (یہ خیال صحیح نہیں ہے) کہ مہدیؑ کا ظہور تو اس سے پہلے ہے کیونکہ یہ فتح نزول عیسیٰ اور خروج دجال کے قریب ہے اور مہدی کا ظہور اس سے پہلے ہے کیونکہ رسول اللہ (صلعم) کا فرمان ہے کہ وہ امت کیسے ہلاک ہوگی جس کی ابتدا میں میں ہوں اور عیسیٰؑ اس کے آخر میں ہیں اور میری آل سے مہدی اس کے درمیان میں ہیں۔

حدیث حذیفہ سے جو استدلال کیا گیا ہے اس کی نسبت "مدار الفضلاؒ" میں یہ جواب دیا گیا ہے کہ

حدیث المسلم اصح من حدیث لحسان لانه یکون فیها من غریب ضعیف فثبت ان ذکر المهدی فی حدیث حذیفة من مخترعات

مسلم کی حدیث حدیث حسان سے زیادہ صحیح ہے کیونکہ ان میں غریب وضعیف احادیث بھی ہوتے ہیں پس ثابت ہوا کہ حذیفہ کی حدیث میں مہدی کا ذکر شیعہ کی

الشیعۃ ۔ | اختراع ہے ۔

اب ہم مولف صاحب ہدیہ سے جو مہدویہ پر غلط سلط اعتراضات کرنے میں خود کو اہل سنت وجماعت کا علمبردار سمجھے ہوئے ہیں یہ دریافت کرتے ہیں کہ جب علمائے اہل سنت کے نزدیک اس ستر ہزار فوج اور اس کی فتح کو امام مہدی علیہ السلام سے کوئی تعلق نہیں ہے اور یہ حضرت مہدی علیہ السلام کی رحلت کے بعد ہونے والا واقعہ ہے تو پھر امام مہدی علیہ السلام کے ہمراہ ستر ہزار بنی اسحاق نہ رہنے اور آپ مدینۂ رومیہ کو فتح نہ کرنے کا اعتراض مشہور علمائے اہل سنت کے فیصلہ سے علانیہ روگردانی اور بعض شیعوں کے خیالات کی پیروی ہے تو کیا آپ اس کے بعد بھی اہل سنت ہیں ۔

تحریف ہشتم یہ لکھی ہے کہ

تحریف ہشتم | بعد لفظ بعد موتہ کے یہ عبارت نکال ڈالی یضیع الجزیۃ و یدعوا الی اللہ بالسیف فمن ابیٰ قتل ومن نازعہ خذل یعنی موقوف کرے گا جزیہ کو یعنی جزیہ لیکر کفریہ کافروں کو نہ چھوڑے گا جیساکہ اب معمول ہے بلکہ یا اسلام یا قتل مانند عیسیٰؑ کے جاری کرے گا اور دعوت کرے گا طرف اللہ تعالیٰ کے بزور شمشیر پس جس نے انکار کیا مارا جاوے گا اور جس نے نزاع کیا مخذول ہوگا ۔ انتہیٰ

اس اعتراض تحریف پر غور کرنے سے پہلے یہ بتادینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی شان دیکھو کہ مولف ہدیہ دوسروں کی تحریف پر غور کرنے چلے تھے مگر جس تحریف کا الزام دوسروں پر دیر سے تھے اس موقعہ پر وہی تحریف خود ان سے سرزد ہو رہی ہے یعنی وہ کوئی لفظ یا الفاظ چھوڑ دینے یا اضافہ کر دینے یا تلخیص و تضمین کرنے کو جو تحریف کہتے آرہے تھے یہاں خود اس کے مرتکب ہو رہے ہیں ۔ سچ ہے " چاہ کن را چاہ در پیش " چنانچہ فتوحات مکیہ مطبوعۂ مصر کے نسخہ میں " بالسیف کے بعد " ما کان " لکھا ہوا ہے مگر انھوں نے یہ الفاظ چھوڑ دئے ہیں ۔ اصل عبارت میں عیسیٰؑ علیہ السلام کا کہیں ذکر نہیں ہے اور نہ کوئی لفظ ایسا ہے جو

تشبیہ پر دلالت کرے انھوں نے اپنی طرف سے " مانند عیسیٰؑ" اضافہ کر دیا ہے۔
فتوحات کی مختصر عبارت کے اتنے طول طویل معنی کئے ہیں جو اصل سے زائد ہیں مثلاً
'یضع الجزیۃ" کے مختصر جملہ کا معنی یہ لکھا ہے کہ " یعنی موقوف کرے گا جزیہ کو
یعنی جزیہ لیکر کفر پر کا فروں کو نہ چھوڑ دے گا جیسا کہ اب معمول ہے" ظاہر ہے
کہ یہ اصل سے زیادتی ہے۔ پس اس طرح کی کمی و بیشی اور تضمین تحریف ہے یا نہیں؟
اگر نہیں ہے تو جہاں بھی ایسی صورتیں پیش آئی ہیں وہ بھی تحریف نہیں ہوسکتیں۔ اور اگر
یہ صورتیں تحریف ہیں تو خود مولف ہدیہ اس کے مرتکب ہیں۔ اول ان کو خود اپنی جواب دہی کرنا چاہیئے۔
تحریف کے اصل اعتراض کا جواب یہ ہے کہ متعدد احادیث کو تحقیقی نظر سے دیکھنے
سے واضح ہوتا ہے کہ یہ مضمون امام مہدی علیہ السلام سے بالکل متعلق نہیں ہے یہ عیسیٰ
علیہ السلام کی صفات و علامات سے متعلق ہے بعض راویوں نے عیسیٰ علیہ السلام سے
متعلقہ مضامین کو امام مہدی علیہ السلام کے حالات میں جو خلط ملط کر دیا ہے یہ بھی اسی کی
ایک مثال ہے چنانچہ یہ بحث اور امام مہدی علیہ السلام میں ظاہری بادشاہوں کے
لوازمات نہ ہونے کے وجوہ و دلائل انشاء اللہ بعد میں ذکر کئے جائیں گے جن سے ثابت
ہوگا کہ یہ قول بھی اصل فتوحات کا ہونا مشتبہ ہے۔

تحریف نہم یہ لکھی ہے کہ

تحریف نہم | یرفع المذاہب اور فلا یبقی الا الدین الخالص
کے درمیان لفظ من الارض کا تھا اس کو نکال ڈالا اس
واسطے کہ یہ معنی ہوتے تھے کہ مہدی اٹھا دیں گے سب مذہبوں کو روئے
زمین سے پس باقی نہ رہے گا مگر دین خالص اور یہ بات ان کے مہدی
پر صادق نہیں ہے کیونکہ انھوں نے روئے زمین سے مذاہب کہاں
اٹھائے مذاہب مختلفہ اب تک روئے زمین پر موجود ہیں۔

اس کا اولاً جواب تو یہی ہے کہ اس عبارت میں "من الارض" نہیں ہے یہی عبارت
صاحب یواقیت نے نقل کی ہے اس میں بھی "من الارض" نہیں ہے شاید کسی نسخہ
میں ہو تو ہو لیکن تب بھی یہ صورت اختلاف نسخ کی ہوگی اس کو تحریف نہیں کہا جا سکتا۔
یہی عبارت فتوحات کے دوسرے مقام پر اس طرح ہے کہ۔

يظهر من الدين ما هو عليه الدين في نفسه حتى لو كان رسول الله حيا فحكم به فلا يبقى في زمانه الا الدين الخالص من الرای	امام مہدی علیہ السلام دین کو جیسا کہ وہ فی نفسہ ہے ظاہر کریں گے۔ یہاں تک کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہوتے تو وہی حکم کرتے پس آپ (امام مہدی علیہ السلام) کے زمانہ میں رائے وقیاس سے غیر مخلوط خالص دین ہی باقی رہے گا۔

دیکھو اس میں بھی ”من الارض“ نہیں ہے۔

ثانیاً۔ اگر بالفرض ”موجود بھی ہوتا تو اس سے کیا نقصان لازم آتا جو اس کو حذف کر دینے کی ضرورت ہوتی کیونکہ اس سے تمام روئے زمین مراد نہیں ہو سکتی جیسا کہ حدیث ”یملاء الارض“ الخ میں اس کی بحث بوجہ احسن کیگئی ہے کہ ”الارض“ کے الف لام کو استغراقی سمجھنا اور اس سے تمام روئے زمین کا یہ معنی نکالنا کہ اس کا کوئی چپہ بھی خارج نہ ہو صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ یہ مطلب بینا آیات قرآنی اور دوسری صحیح احادیث اور محاورۂ عرب کے خلاف ہے۔

ثالثاً مولف ہدیہ نے تحریف کرنے کی جو وجہ سمجھی اور بیان کی ہے اگر وہ صحیح ہوتی تو حدیث یملاء الارض قسطاً وعدلاً میں یہ لفظ ارض کیوں باقی رکھا گیا اور وہاں یہ لفظ کیوں حذف اور مولف ہدیہ کے الفاظ میں تحریف نہیں کیا گیا؟ یہ مولف صاحب کی خوش فہمی کا کرشمہ ہے کہ انھوں نے یرفع المذاهب من الارض کے معنی غلط سمجھے اور پھر اس کی توجیہ کر کے غلطی در غلطی کے بھنور میں مبتلا ہو گئے ہیں۔

رابعاً۔ اس امر کا تحقیق کرنا مولف صاحب ہدیہ کا فرض اولیں تھا کہ یرفع المذاهب کا مضمون کسی حدیث سے ماخوذ ہے یا شیخ ابن عربیؒ کا ذاتی قول ہے؟ پہلی صورت میں وہ کونسی حدیث ہے جو اس کا ماخذ ہے؟ دوسری صورت میں جبکہ حضرت مولف صاحب مکتوب ملتانیؒ کا اصل مقصد ان روایتوں کا بیان کرنا ہے جو شیخ ابن عربیؒ نے امام علیہ السلام کی نسبت فتوحات میں نقل کی ہیں تو ایسی صورت میں شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے ذاتی قول کو چھوڑ دینا کسی طرح تحریف نہیں ہو سکتا بلکہ بہ صورت مقصود بہ مضمون کے اقتباس اور غیر مقصود بہ مضامین کے ترک کی ہوگی۔

اس کے بعد یہ دیکھنا چاہیئے تھا کہ رفع مذاہب کا معنی کیا ہے؟ اور اس سے تمام مذاہب کا بطلان ظاہر کر دینا اور حقیقی دین کا اظہار مقصود ہے یا تمام مذاہب کا روئے زمین سے مٹا دینا اور کوئی باطل مذہب دنیا میں موجود ہی نہ رہنا مراد ہے۔

پہلی صورت تو واضح ہے، اور اس کی بہترین مثال حضرت پیغمبر اسلام صلعم کی موجود ہے کہ جب قوم عرب غلط راستوں پر پڑی ہوئی تھی اور اصل ابراہیمی دین حق کی اصلی صورت گم ہوگئی تھی ایسے وقت میں حضرت نے حقیقی دین ابراہیم کو ظاہر کیا اور اس کے مخالف تمام مذاہب و ادیان کا بطلان ظاہر فرما دیا چنانچہ اللہ تعالی کے اس فرمان کا اسی طرف اشارہ ہے اور تمام ادیان پر غلبہ سے مراد حجت و دلیل اور حقیقت کا غلبہ ہے۔

هو الذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق لیظهره علی الدین کله و لو کره المشرکون

اسی نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دیکر بھیجا ہے کہ اس کو تمام دینوں پر غالب کرے اگرچہ مشرکوں کو یہ ناگوار ہی ہو۔

پس رفع مذاہب کا یہی معنی ہو سکتا ہے کہ ایسے وقت میں جبکہ دین اسلام میں بھی افراط و تفریط پیدا ہو کر اس کی حقیقی صورت مسخ ہو جائے گی امام مہدی علیہ السلام دین کو جیسا کہ وہ فی نفسہ ہے ظاہر فرمائیں گے چنانچہ شیخ محی الدین ابن عربی رح کے ان اقوال سے بھی یہی مفہوم ظاہر ہو رہا ہے کہ

یظهر من الدین ما هو علیه الدین فی نفسه حتی لو کان رسول الله صلعم حیا لحکم به۔

(امام مہدی علیہ السلام) دین کو جیسا کہ وہ نفس الامر میں ہے ظاہر کریں گے اگر رسول اللہ صلعم زندہ ہوتے تو آپ بھی وہی حکم دیتے جو امام مہدی نے دیا ہے۔

ایضاً یعز الاسلام به بعد ذله و یحیی آثاره بعد موته

اللہ تعالی امام مہدی علیہ السلام کے ذریعہ اسلام کو اس کی ذلت کے بعد عزت دے گا اور اسکی موت کے بعد اس کے حقیقی آثار کو زندہ کرے گا۔

امام مہدی علیہ السلام کی شان میں احادیث سے جو تصریحات

ثابت ہیں جیسے "احیاءِ دین" "اقامتہ دین" "ختم دین وغیرہ سے بھی یہ مضمون پورا مطابق ہے۔ اگر دین حق کے غلبہ کے یہ معنی لئے جائیں۔ یا رفع مذاہب کا یہ مطلب سمجھا جائے کہ دوسرے تمام مذاہب وادیان دنیا سے بالکلیہ محو ہو جائیں گے اور کوئی باطل مذہب دنیا میں موجود ہی نہیں رہے گا جیسا کہ مولف صاحب ہدیہ نے یہی سمجھا اور یہی بیان کیا ہے تو یہ ایسا معنی ہو گا جو صاف وصریح طور پر کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے بلکہ خود ساختہ طور پر ایسا سمجھ لیا گیا ہے اس کی تائید دوسری آیات واحادیث سے نہیں ہوتی بلکہ یہ معنی قرآن شریف اور دوسری صحیح احادیث کی ان تصریحات کے خلاف ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ دنیا میں حق وباطل قیامت تک رہیں گے۔

ان سب سے قطع نظر ایک کھلی حقیقت اور ناقابل انکار واقعہ ہے کہ حضرت افضل الانبیاء المرسلین کے عہد ہی میں جملہ مذاہب وادیان دنیا سے نہیں مٹ گئے اور علی حالہ موجود رہے تو آپ کے تابع تام حضرت امام مہدی موعود علیہ السلام کے زمانہ میں اس کا ظہور کس طرح ہو سکے گا ان سب وجوہ ودلائل کے ہوتے ہوئے پھر بھی کوئی رفع مذاہب کا یہی معنی کیسے لے سکتا اور اس کو امام مہدی موعود علیہ السلام سے متعلق کیسے سمجھ سکتا ہے

تحریف دہم یہ لکھی ہے کہ۔

تحریف دہم	بعد الا الدین الخالص کے یہ عبارت نکال ڈالی اعداءہ مقلدۃ العلماء اہل الاجتہاد لما

عہ۔ علامہ مجیب نے ان احادیث کا خلاصہ بیان کیا ہے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ وغیرہ صحابہ سے مروی ہیں۔

فیحیی اللہ بالمہدی محمد بن عبد اللہ السنن التی قد امیتت	اللہ تعالیٰ ان سنتوں کو جو مٹ گئی ہوں گی مہدی محمد بن عبد اللہ کے ذریعہ زندہ کرے گا۔
یختم اللہ بہ الدین کما فتح بنا۔ (العرف الوردی فی اخبار المہدی للسیوطی)	اللہ تعالیٰ مہدی پر دین کو ختم کرے گا جس طرح ہم سے دین کی ابتدا کی ہے۔
لیقیم بالدین کما قمت بہ فی اول الزمان۔	مہدی (علیہ السلام) دین کو اسی طرح قائم کریں گے جس طرح میں نے ابتدائی زمانہ (اسلام) میں قائم کیا ہے۔

یرونه من الحکم بخلاف ما ذهب الیه ائمتهم فیدخلون کرهاً تحت حکمه خوفاً من سیفه وسطوته ورغبة فیما لدیه"

یہ عبارت نکال ڈالنے کی مولف ہدیہ نے اپنے خیال میں یہ توجیہ کی ہے کہ

یہ عبارت اس لئے حذف کر دی گئی ہے کہ نہ ان کے مہدی کے پاس شمشیر تھی اور نہ علمائے مخالف بزور شمشیر ان کے زیر فرمان ہوے اور نہ مال ودولت رکھتے تھے کہ اس کی رغبت سے فرمانبردار ہوتے ہ"

مولف صاحب ہدیہ نے جس عبارت کو "تحریف دہم" قرار دیا ہے اصل میں وہ مختلف فیہ ہے کہ کسی نسخہ میں ہے اور کسی میں نہیں ہے چنانچہ "یواقیت" میں یہی عبارت فتوحات سے اس طرح منقول ہوئی ہے۔

فلا یبقیٰ فی زمانه الا الدین الخالص من الرائے یخالف فی غالب احکامه مذاهب العلماء فینتقضون منه لذالك لظنهم ان الله تعالیٰ ما ابقیٰ بعد ائمتهم مجتهداً۔	مہدیؑ کے زمانہ میں رائے وقیاس سے غیر مخلوط خالص دین باقی رہے گا مہدی کے اکثر احکام علما کے مذہب کے خلاف ہوں گے پس وہ اسی لئے مخالفت کریں گے کہ ان کا گمان ہے کہ ان کے اماموں کے بعد اللہ تعالیٰ کسی کو مجتہد نہیں پیدا کرے گا۔

ناظرین بہ انصاف ملاحظہ کریں کہ الا الدین الخالص عن الرائے کے بعد مولف ہدیہ نے جو عبارت لکھی ہے وہ کہاں ہے ایسی صورت میں یہ تحریف کا ہے کو ہوئی یہ تو اختلاف نسخ کی مثال ہوگی۔ جس نسخہ سے مکتوب ملتانی میں یہ عبارت نقل کیگئی ہوگی ممکن ہے کہ اس میں یہ عبارت ہی نہ ہو۔

ورنہ یہ عبارت تو پوری ہمارے موافق ہے بلکہ مولف صاحب ہدیہ کی خاطر کے لئے ہم اس عبارت کو سو بار نقل کرنے اور کہنے پر آمادہ اور ان کو اس کی بشارت دینے تیار ہیں کہ بفرض صحت شیخ نے کرامت کے طور پر کئی سو سال قبل ہی علماء متقدین کی عداوت کو امام مہدی موعودؑ کی حقیت کی علامات میں شمار کیا ہے اور مولف صاحب ہدیہ جیسے علماء ناحق شناس کا بغض وعناد اور مخالفت جو امامنا مہدی موعود برحق کی جناب میں ظاہر ہو رہی ہے اس سے شیخ رح کی یہ پیشین گوئی پایۂ ثبوت کو

پہنچ رہی ہے۔ پس ایسی عبارت درج رہنے میں کیا نقصان تھا جو اس کو حذف کرنیکی ضرورت لاحق ہوتی۔ اس کی صراحت ہم آگے کریں گے۔

اس کے بعد مولف صاحب ہدیہ کی بیان کردہ توجیہ بھی قابل غور ہے اولاً۔ خوفاً من سیفہ وسطوتہ" لکھا ہے حالانکہ فتوحات کے مطبوعۂ مصر نسخہ میں "من سیفہ وصولتہ" لکھا ہے۔ خود آپ کے قول کے مطابق یہ تحریف ہے اور آپ تحریف کے مرتکب ہوئے ہیں جس کی جواب دہی اول آپ کیجئے اور بعد میں دوسروں پر تحریف کا اعتراض اٹھائیے۔

ثانیاً۔ آپ نے "خوفا من سیفہ کو تو دیکھ لیا لیکن" سطوتہ یا صولتہ "کو توجیہ میں چھوڑ دیا جو ظاہری و باطنی۔ مادی و روحانی سب قسم کے دبدبہ کو شامل اور خلفاء اللہ کو ہر حالت میں بکمال درجہ حاصل ہے۔ حضرت رسول اللہ صلعم کے ابتدائے اسلام کے تیرہ سال کے عرصہ میں جب تک حضرت مکہ میں تشریف فرما رہے اور ابھی جہاد کا حکم منجانب اللہ نہیں ہوا تھا گویا آپ کے ہاتھ میں شمشیر نہیں تھی لیکن روحانیت و حقانیت ہی کی صولت کے بیسیوں واقعات ملتے ہیں اور یہی وہ صولت یا سطوت ہے جو خلفاء اللہ سے مخصوص اور ان کے شایان شان ہے ورنہ زور شمشیر تو ایسی چیز ہے جو معمولی حکام ور وسا بلکہ متقلبین کو بھی حاصل رہتی ہے۔

ثالثاً۔ "رغبۃً فیما لہ یدہ" کا جملہ یعنی (آپ کے پاس جو کچھ ہے اس کی رغبت کر کے علما قریا نبرداں ہوں گے) یہ بھی مال و دولت فیضان علمی و روحانی سب کو عام تھا مگر آپ کا ذہن صرف مال و دولت ہی کی طرف منتقل ہوا ہے اور منتقل ہوتا رہتا ہے اور علمی و روحانی فیضان وغیرہ کمالات جو "فیما لدیہ" کے مفہوم میں داخل ہیں ان کو آپ کے ذہن و خیال میں جگہ نہیں مل سکی ہے گویا آپ کے خیال میں جو کچھ ہے مال و دولت دنیاوی ہی ہے اس کے سوا دینی اور دینی فیضان اور روحانیت وغیرہ کمالات قابل توجہ چیز ہی نہیں ہیں سچ ہے "کل اناء یترشح بما فیہ" (یعنی ہر برتن میں جو کچھ ہوتا ہے اس سے وہی ٹپکتا رہتا ہے)

وہ بہت سے علمائے دیندار وحق شناس وحق طلب جو حضرت امامنا علیہ السلام کی مخالفت کے بعد تصدیق سے مشرف ہوئے ہیں جن میں سے کئی ایک کا خود ہدیہ میں بھی ذکر کیا گیا ہے مثلاً ملا علی فیاضؒ صدر دفد علمائے "ہرات" اور ملا صدر الدینؒ شیخ الاسلام سندھ وغیرہ جو اسی علمی وروحانی صولت سے خالص توجہ اللہ حضرت امامنا علیہ السلام کے زیر فرمان ہوئے ہیں اور ان کا ایمان شمشیر کے خوف اور مال و دولت کی رغبت و لالچ سے ملوّث نہیں رہا ہے ان علما کا یہ حقیقی ایمان آپکے پاس قابل اعتنا ہے یا نہیں؟ اور کیا وہ خوفاً من سطوته و رغبةً فیما لدیه کے مورد و مصداق نہیں ہیں جو آپ نے ان کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔

رابعاً۔ بقول آپ کے بالفرض بزور شمشیر یا مال و دولت کی رغبت و لالچ سے زیر فرمان ہونے والے علما تو حقیقی اور لوجہ اللہ ایمان لانے والے نہ ہونگے بلکہ یہ ایمان بالغرض اور منافقت کی ایک جلی اور کھلی صورت ہوگی۔ پس کیا ایسے پُراز نفاق ایمان لانے والوں کا زیر فرمان ہونا کسی خلیفۃ اللہ کی صداقت کی علامت ہوسکتا ہے؟ یا پُر خلوص ایمان اور حقیقی مومنین کا چمن ایسے خس و خاشاک سے پاک رہنا ہی اسکی حقانیت و صداقت کی قوی دلیل و حجت ہے؟

اس کے قطع نظر مال و دولت کی داد و دہش بھی صادق ہے کیونکہ امامنا علیہ السلام کے حضور میں جب کبھی اور جس قدر بھی فتوح و غنائم آتے اُسی وقت تقسیم ہو جاتے تھے جو بعض موقعوں پر قنطار ... کے قنطار وقت واحد میں لٹا دئے گئے ہیں۔ پھر تو رغبت مال و دولت کے مواقع بھی موجود تھے اور مال و دولت نہ رکھنے کا سوال واقعہ کے خلاف ہے۔

یفرح به ... المسلمین ... الاکثر من خواصهم (امام مہدی علیہ السلام کے ظہور سے خاص طبقہ کی بہ نسبت عام مسلمان زیادہ خوش ہوں گے) بھی صادق ہے کیونکہ خواص سے مراد وہ علمائے متعصبین ہوسکتے ہیں جن کی مثال خود مولف صاحب ہدیہ موجود ہیں اور اگر خواص سے مراد مالدار طبقہ لیا جائے تو یہ بھی صادق ہے کیونکہ اس طبقہ کی بہ نسبت زیادہ عام لوگ ہی مقبلین رہے ہیں اور سنت اللہ بھی یہی جاری رہی ہے کہ خلفاء اللہ کے مقبلین زیادہ تر غربا ہی رہا کئے ہیں جن کی شان میں

"طوبیٰ للغرباء" وارد ہے۔

تحریف یازدہم مولف صاحب ہدیہ نے یہ لکھی ہے کہ

تحریف یازدہم | بعد یعینونہ علی ما قلدہ اللہ تعالیٰ کے اس قدر عبارت حذف کردی فینزل علیہ عیسیٰ بن مریم بالمنارۃ البیضاء شرقی دمشق بین مہرودتین علی ملکین ملک عن یمینہ وملک عن یسارہ یقطر راسہ ماءً امثل الجمان الخ

فتوحات کی عبارت نقل کرنیکے بعد اس کا ترجمہ اور کچھ تشریح کرکے مولف ہدیہ نے اپنی سیاحتِ دمشق کے واقعات اور غوطہ و منارۂ دمشق کے حالات لکھے ہیں جس پر عیسیٰ علیہ السلام نازل ہونگے جو یہاں غیر مقصود ہیں۔اور آخر میں یہ نتیجہ نکالا ہے کہ

بالجملہ یہ عبارت زیادہ تر سب سے تخریب و تکذیب مہدی جونپور کی کرتی تھی اس واسطے میاں مذکور نے حذف کردی۔

لیکن تحقیقی نظر سے دیکھنے کے بعد ہر شخص پر واضح ہوسکتا ہے کہ یہ عبارت جن واقعات پر مشتمل ہے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق ہیں اور جیسا کہ ہم نے تحریفات کی جوابی تمہید میں بیان کیا ہے خود "فتوحات" کے نسخے اختلافِ الفاظ و عبارت سے مامون و محفوظ نہیں ہیں اور یہ کہ مکتوب ملتانی" ایک مختصر رسالہ ہے جس میں فتوحات کے وہ سب اقوال نقل نہیں کئے گئے اور نہیں کئے جاسکتے تھے جو غیر متعلق یا غیر مقصود بہ ہیں۔اس لحاظ سے مولف صاحب ہدیہ کا یہ کہنا کہ " فلاں مقام میں فلاں عبارت یا الفاظ نکال ڈالے ہیں اور فلاں جا پر یہ عبارت حذف کردی ہے " اور اس کو تحریف سمجھنا ایسا صریح مہمل ہے جیکی جواب دہی کی ضرورت ہی نہیں تھی لیکن ہم نے تفصیلاً ان کے جوابات بھی ادا کئے ہیں تاکہ ناظرین کو ان اعتراضات کے تفصیلی اغلاط و نقائص بھی معلوم ہوسکیں۔

اگر فتوحات کی اس عبارت کا مطلب مولف ہدیہ نے یہ سمجھا ہے کہ اس سے امام مہدی علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کا ایک زمانہ میں ہونا ثابت ہوتا ہے تو یہ ایسا مضمون ہوگا جو صحیح احادیث سے ثابت نہیں ہے بلکہ ان کے صریح کے خلاف ہے۔اس کا اصل یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض لا ابو بالی نے نزول عیسیٰ علیہ السّلام کی نسبت جو احادیث وارد ہیں

ان کا کچھ حصہ امام مہدی علیہ السلام سے متعلقہ احادیث میں خلط ملط کر دیا ہے لہذا مسئلۂ اجتماع مہدی وعیسیٰ علیہما السلام کے متعلق کئی مباحث تحقیق طلب قرار پاتے ہیں مثلاً اصل مسئلۂ اجتماع مہدی وعیسیٰ علیہما السلام کی تحقیق کہ اس کا ماخذ کیا ہے؟ دوسری احادیث سے مضمون اجتماع کا تخالف وتعارض۔ مشاہیر علمائے اہل سنت بھی اجتماع کے قائل ہیں یا نہیں؟ چنانچہ ترتیب وار ان پر کافی بحث ہو سکتی ہے۔ لیکن اس مختصر میں ان کے تفصیلی مباحث کی گنجائش نہیں ہے البتہ مختصر طور پر اس مسئلہ کے ضروری پہلو واضح کئے جاتے ہیں۔

سب سے پہلے اس مسئلہ میں جو اختلاط واقع ہوا ہے اصولِ اہل سنت ہی کے مطابق اس کی چھان بین کی جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان متقدمین محدثین کی روایتوں کے خلاف جن کو علماء اہل سنت سب سے زیادہ صحیح مانتے ہیں بعض متاخرین کی روایتوں میں خلط ملط یا حذف وزیادتی ہو گئی ہے چنانچہ مشہور محدث امام بخاری و امام مسلم نے جن کی روایتوں کو محدثین و علماء اہل سنت صحیح و مستند خیال کرتے ہیں نزول عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہ حدیث ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے۔

کیف انتم اذا نزل ابن مریم وامامکم منکم۔	تم کیسے ہونگے جبکہ ابن مریم نازل ہوں گے اور تمھارا امام تمھیں میں سے ہوگا۔

دوسری حدیث بھی اسی مضمون کی ابو ہریرہؓ سے امام مسلم نے اس طرح روایت کی ہے۔

کیف انتم اذا نزل ابن مریم فامکم۔	تم کیسے ہوں گے جبکہ ابن مریم نازل ہوں گے پس تھاری امامت کریں گے۔

ایک اور حدیث صحیح مسلم میں جابرؓ سے یوں مروی ہوی ہے۔

لاتزال طائفۃ من امتی یقاتلون علی الحق ظاھرین الی یوم القیامۃ فینزل عیسی بن مریم فیقول امیرھم تعال صل بنا فیقول لا ان بعضکم علی بعض امیر تکرمۃ اللہ	میری امت کی ایک جماعت قیامت تک حق پر لڑتی اور غالب رہے گی پس عیسیٰ ابن مریم نازل ہوں گے اور ان کو (اس جماعت کا) امیر کہے گا کہ آئیے ہمیں نماز پڑھائیے عیسیٰؑ کہیں گے کہ نہیں اللہ تعالیٰ نے اس امت (امت محمدیہ)

هذہ الامۃ۔ | جو کرامت و بزرگی دی ہے اس کے نظر کرنے تم میں سے بعض بعض کے امیر ہیں۔

ان حدیثوں میں عیسیٰ علیہ السلام کے امامت کرنے میں یہ اختلاف بیان پایا جاتا ہے کہ دوسری حدیث میں امامت کرنے کی صراحت ہے تیسری حدیث میں امامت کرنے سے عذر کرنا ظاہر ہوتا ہے اور پہلی حدیث ساکت ہے کہ اس میں امامت کرنے نہ کرنے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ لیکن ان تینوں روایتوں میں متفقہ طور پر نزول عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے اور "امامکم منکم" اور "امیرھم" مطلق ہیں۔ ان میں امام مہدیؑ کا کوئی ذکر یا آپ کی طرف کوئی اشارہ تک نہیں ہے۔ پس نزول عیسیٰ علیہ السلام کے وقت مسلمانوں کا جو امام یا امیر ہوگا "امامکم" یا "امیرھم" سے مراد ہوگا۔ ان متقدمین محدثین کے بعد بعض متاخرین نے اس میں "امامکم المہدی" اور امیرھم المہدی" اضافہ کر دیا ہے[ع]۔

عہ۔ علامہ مجیب نے جس اضافہ کا ذکر فرمایا ہے اس کی دو ایک مثالیں یہاں درج کی جاتی ہیں چنانچہ متقدمین و متاخرین کی روایت کردہ حدیثوں کا یہی مقصود یہ حصہ ناظرین کی سہولتِ فہم کے لئے محاذی محاذی نقل کیا جاتا ہے جس کے مقابلہ سے واضح ہوگا کہ کونسی روایت میں کیا اضافہ ہوگیا ہے۔

صحیح مسلم کی روایت کردہ عبارت	سیوطی نے ابونعیم کے حوالہ سے العرف الوردی میں جو عبارت لکھی ہے
فینزل عیسیٰ بن مریم فیقول امیرھم تعال صل لنا فیقول لا ان بعضکم علی بعض امیر تکرمۃ اللہ ہذہ الامۃ	فینزل عیسیٰ بن مریم فیقول لعیرھم المہدی تعال صل لنا فیقول لا ان بعضکم علی بعض امراء تکرمۃ اللہ ہذہ الامۃ

دونوں روایتوں کے الفاظ و عبارت ٹھیک ایک ہی ہے مگر ابونعیم کی روایت میں امیرھم کے "بعد المہدی" بڑھا دیا گیا ہے۔

اسی طرح ابن ماجہ نے ابو امامہ باہلیؓ سے ایک حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طویل خطبہ دیا جس میں دجال کے حالات و واقعات ذکر فرمائے۔ ام شریک نے پوچھا یا رسول اللہ اس وقت عرب کہاں ہوں گے فرمایا وہ بہت تھوڑے ہوں گے اور سب بیت المقدس

مگر یہ اضافہ اس لئے قابل اعتنا نہیں ہے کہ اس سے دوسری حدیثوں سے تخالف و تعارض لازم آتا ہے۔ نیز اس لئے بھی کہ اہل سنت کے نزدیک صحیحین یعنی بخاری و مسلم اور صحاح ستہ کے مقابلہ میں یہ روایتیں جن میں یہ اضافہ درج ہے بلحاظِ صحت کمتر درجہ کی ہیں اور اہل سنت ہی کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ

العمل بالاقوی وترك الاٰخر واجب۔	قوی روایت پر عمل کرنا اور دوسری کو (جو قوی نہ ہو) چھوڑ دینا واجب ہے۔

دوسری تقریر اس کے متعلق خود اہل سنت کے ضوابط کے مطابق یہ ہے کہ ان حدیثوں میں لفظ "امام" اور "امیر" مطلق ہے پس حسب ضابطۂ المطلق یجری علی اطلاقه (مطلق اپنے اطلاق پر باقی رہے گا) جس روایت میں امام مہدیؑ کا نام اضافہ کر دیا گیا ہے اس سے اس مطلق کا نسخ لازم آتا ہے کیونکہ یہ قید

بقیہ حاشیہ ص ۲۳۸:۔ ہیں رہیں گے ان کا امام ایک صالح شخص ہوگا۔ مگر سیوطی نے رویانی اور ابو عوانہ کی جو روایت ابو امامہ باہلی ہی سے لکھی ہے اس میں "اما مهم رجل صالح" کے الفاظ میں "امامهم المهدی رجل صالح" بڑھا دیا ہے چنانچہ دونوں کی اصل عبارت یہ ہے

ابن ماجہ کی روایت کردہ عبارت	رویانی اور ابو عوانہ کی عبارت جو سیوطی نے لکھی ہے
قال هم یومئذ قلیل وجلهم بیت المقدس وامامهم رجل صالح فبینما امامهم قد تقدم یصلی بهم الصبح اذ نزل عیسی بن مریم الصبح الی آخره۔	قال هم یومئذ قلیل وجلهم بیت المقدس وامامهم المهدی رجل صالح فبینما امامهم قد تقدم یصلی بهم الصبح اذ نزل عیسی بن مریم الصبح الاٰخر۔

ان دونوں روایتوں کی عبارت بھی ٹھیک ایک سی ہے گویا یہ معلوم ہوتا ہے کہ رویانی اور ابو عوانہ نے جن کا زمانہ ابن ماجہ کے زمانہ سے متاخر ہے ابن ماجہ کی ہی روایت پوری نقل کر دی ہے مگر ان متاخرین نے امامهم کے بعد "المهدی" اضافہ کر دیا ہے اور مسئلۂ اجتماع مہدیؑ و عیسیٰؑ کی بنا یہی اضافہ ہے اور اسی اضافہ سے امام مہدی علیہ السلام کو بیت المقدس سے تعلق پیدا ہو رہا ہے ورنہ کسی صحیح حدیث سے مستقل طور پر امام مہدی علیہ السلام کا بیت المقدس میں ظہور ثابت نہیں ہے ۔۱۲ شہاب بن نصرت غفرلہما

اس مطلق کے اطلاق کو باطل کردیتی ہے جیسا کہ "تلویح" میں لکھا ہے۔

لو حمل المطلق علی المقید یلزم ابطال المطلق۔	اگر مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے تو اس سے مطلق کا ابطال لازم آئے گا۔

پس غیر صحیح حدیث کی بنا پر صحیحین کی احادیث سے ثابت شدہ اطلاق کو باطل کرنا لازم آیا جو اہل سنت کے مسلمات کے خلاف ہے جن راویوں نے اس مطلق لفظ امام یا امیر کو "مِّهْدِي" کی قید سے مقید کر دیا ہے وہ کسی قوی دلیل پر مبنی نہیں ہے جو اس کی مخصص ہو سکے بلکہ مجرد قیاس و احتمال کی بنا پر ہے اور جس نے ان غیر صحیح روایتوں کو علاماتِ مہدیت سمجھا وہ بھی وہم و احتمال پر معمل ہوا حالانکہ خبر مغیب میں احتمال اصلا موثر نہیں ہے۔ پس اگر مولف ہدیہ خود اہل سنت ہونے کے مدعی ہیں تو ان کو اول اہل سنت کے ان مسلمات کے انکار یا اقبال سے نمٹنا ہوگا۔

راویوں کی تنقید و تحقیق کے اصول پر بھی جن روایتوں میں یہ اضافہ ہوا ہے وہ مخدوش ثابت ہوتی ہیں۔ چنانچہ ان کے سلسلۂ روایت میں کئی بحثیں ہیں۔

متقدمین و متاخرین کی روایتوں میں جہاں اختلاف واقع ہوتا ہے تو ضابطہ یہی ہے کہ اگر متاخرین کی روایتیں پایۂ صحت سے گری ہوئی ہوں وہاں متقدمین کی صحیح روایتیں مرجح ہوتی ہیں ؎۵

؎۵۔ اسی قسم کے الحاق یا اضافہ کی پوری مطابق مثال نبی عربی محمد مصطفےٰ صلعم کی ان بشارتوں میں بھی ملتی ہے جو انبیاے سابقین کی کتابوں میں پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ توریت۔ سفر استثنا۔ باب ۱۸ کی پندرھویں آیت کے عربی ترجمہ کے موجودہ نسخوں میں یہ الفاظ پائے جاتے ہیں فان الرب الٰهك یقیم من بینك اخوتك (یعنی تیرا رب تیرا معبود تجھ میں سے تیرے بھائیوں میں سے (نبی کو) قایم کرے گا) یہود و نصاریٰ اس آیت سے استدلال کر کے کہتے ہیں کہ اس آیت میں "من بینك" کا اشارہ موسیٰ علیہ السلام کی طرف ہے پس جس نبی کا وعدہ کیا گیا ہے وہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل سے ہونا چاہئے اور محمد بنی اسرائیل سے نہیں ہیں اس لئے وہ اس بشارت کے مصداق نہیں ہیں۔

علمائے اہل اسلام یہ بشارت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں صادق ہونیکے قایل ہیں

اس کے بعد اجتماع مہدی و عیسیٰ علیہما السلام کا مسئلہ جن احادیث کے مخالف و متعارض ہے اس پر بھی ایک سرسری نظر ڈالی جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ فتوحات کی اس عبارت کا یہ مطلب لیا جائے تو کئی احادیث سے اس کی مخالفت لازم آتی ہے۔

حدیث اول صحیح مسلم ہی میں ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ

انہ قال قال رسول اللّٰہ صلعم اذا بویع الخلیفتان فاقتلوا الآخر منہما۔	ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ جب دو خلیفوں سے ایک وقت میں بیعت ہو تو ان میں سے آخر کو قتل کر دو۔

بقیہ حاشیہ ص ۲۴۰۔ اور یہود و نصاریٰ کے استدلال کی تردید میں جو حجتیں پیش کرتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس آیت میں "من بینک" (تجھ میں سے) کے الفاظ الحاقی ہیں جو بعد میں بڑھا دئے گئے ہیں متقدمین نے نہیں لکھے ہیں چنانچہ پطرس حواری نے بھی آیت نقل کی ہے مگر اس میں "من بینک" کے الفاظ نہیں ہیں۔ اسی طرح اسطفانوس نے بھی یہ آیت لکھی ہے مگر اس میں بھی یہ الفاظ نہیں ہیں چنانچہ ان کی عبارت کا عربی ترجمہ یہ ہے۔

ھذا ھو موسیٰ الذی قال لبنی اسرائیل نبیا مثلی سیقیم لکم الرب الھکم من اخوتکم لہ تسمعون (اظہار الحق مطبوعہ مصر)	یہ موسیٰ ہیں جنہوں نے بنی اسرائیل سے کہا کہ تمہارا رب تمہارا معبود تمہارے لئے قریب میں تمہارے بھائیوں میں سے میرے جیسا نبی قائم کرے گا اس کی بات سنو۔

یونانی ترجمہ جو دوسرے ترجموں سے زیادہ قدیم ہے اس میں بھی "من بینک" کے الفاظ نہیں ہیں۔ (خطبات احمدیہ خطبۂ عاشر)

دوسری حجت یہ ہے کہ اگر اس پندرھویں آیت میں "بینک" کے الفاظ صحیح تسلیم کئے جائیں تو اسی باب کی اٹھارویں آیت سے خلاف و تضاد لازم آتا ہے جسکا مضمون یہ ہے اور اس میں یہ اضافہ نہیں ہے۔

سوف اقیم لھم نبیا مثلک من بین اخوتھم (اظہار الحق)	یعنی اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام کو خطاب کر کے فرماتا ہے کہ میں ان (بنی اسرائیل) کے لئے تیرے جیسا نبی انکے بھائیوں میں سے قریب میں قائم کروں گا۔

نووی شارح مسلم نے اس پر علما کا اتفاق و اجماع ہونا بیان کیا ہے چنانچہ لکھا ہے

اتفق العلماء علی انه لایجوز ان یعقد لخلیفتین فی عصر واحد	علما اس امر پر متفق ہیں کہ دو خلیفوں سے ایک ہی زمانہ میں بیعت کرنا ناجائز ہے۔

جبکہ امام مہدی علیہ السلام اور عیسیٰؑ دونوں خلیفے ہونے میں شک نہیں ہے چنانچہ ثوبان رضؓ کی اس حدیث سے جو سنن ابن ماجہ میں مروی ہوی ہے اور اس کتاب میں حسب موقع نقل کی گئی ہے امام مہدی علیہ السلام کا خلیفۃ اللہ ہونا ثابت ہے۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کا بھی خلیفہ ہونا اس حدیث سے ثابت ہے۔

ینزل عیسیٰ بن مریم خلیفۃ علیٰ امتی یکسر الصلیب و یقتل الخنزیر و یضع الجزیۃ الخ	عیسیٰ ابن مریم میری امت پر خلیفہ ہو کر نازل ہوں گے صلیب کو توڑ دیں گے خنزیر کو قتل اور جزیہ موقوف کریں گے۔

امت کو ان دونوں سے بیعت کرنے کے واضح اور صریح احکام بھی وارد ہیں لیکن مہدی و عیسیٰ علیہما السلام کا ایک ہی زمانہ میں جمع ہونا فرض کیا جائے تو اس حدیث کے نظر کرتے کسی ایک ہی سے بیعت کرنا لازم آئے گا بلکہ معاذ اللہ عیسیٰ علیہ السلام کا قتل ضروری ہوگا کیونکہ مہدی علیہ السلام کی بعثت پہلے ہے۔ آپ پہلے سے موجود ہوں گے آپ سے بیعت پہلے ہو چکی ہوگی۔ اور عیسیٰ علیہ السلام بعد میں

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴۲ - پس جس طرح نبی آخر الزماں محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی متعلقہ بشارتوں میں متقدمین کی روایتوں کے خلاف متاخرین کا الحاق و تحریفی حصہ یا اضافہ قابل حجت نہیں ہوسکتا ہے اسی طرح امام آخر الزماں مہدی موعود علیہ السلام کی متعلقہ احادیث میں اہل سنت کے اصول پر متقدمین محدثین کی روایتوں کے مقابل متاخرین محدثین کا الحاقی حصہ یا اضافہ بھی قابل حجت نہیں ہونا چاہئے۔ خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ اس اضافہ کو صحیح تسلیم کرنے سے دوسری بشارتوں سے خلاف و تضاد کی جو صورت پیدا ہوتی ہے بعینہ وہی صورت دوسری احادیث رسول اللہ صلعم سے خلاف و تضاد کی اس الحاقی حصہ یا اضافہ کو صحیح تسلیم کرنے سے لازم آتی ہے۔ ۱۲

شہاب بن نصرت غفرلہا۔

نازل ہوں گے پس وہ "فاقتلوا الآخر منہما" کا مورد ہوں گے ۔

ان احکام میں تضاد و تخالف کی یہ سب صورتیں ان دونوں خلیفۃ اللہ کے بیک وقت اجتماع کے قائل ہونے کا نتیجہ ہے ۔ اگر یہ دونوں خلیفۃ اللہ اپنے اپنے وقت میں علیحدہ علیحدہ مبعوث ہوں تو تضاد کی کوئی صورت ہی پیدا نہیں ہوتی اور ان تمام احکام میں کامل تطبیق ہو جاتی ہے ۔ ان وجوہ سے ثابت ہوتا ہے کہ مہدی وعیسیٰ علیہما السلام کا اجتماع ایک زمانہ میں نہ ہوگا ۔

حدیث دوم بروایت کعبؓ جس کی توضیح اس سے قبل دلیل ہفتم کے ضمن میں کی گئی ہے ۔

یموت المہدی ثم یلی الناس بعدہ رجل من اھل بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۔ الحدیث	مہدی کی رحلت ہو جائے گی اور ان کے بعد نبی کی اہل بیت کا ایک شخص لوگوں کا والی ہوگا ۔

حدیث سوم جس کو نعیم بن حماد نے ارطاۃ سے روایت کی ہے ۔

عن ارطاۃ قال بلغنی ان المہدی یعیش اربعین عاما ثم یموت علی فراشہ ثم یخرج رجل من قحطان مثقوب الاذنین علی سیرۃ المہدی بقاؤہ عشرین سنۃ ثم یموت قتیلاً بالسلاح ثم یخرج رجل اھل بیت النبی مہدی حسن الصورۃ یغزو مدینۃ قیصر وھو آخر امیر من امۃ محمد ثم یخرج فی زمانہ الدجال و ینزل فی زمانہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام	ارطاۃ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ مہدی چالیس سال زندہ رہیں گے پھر اپنے بستہ پر وفات پائیں گے پھر قحطان کا ایک شخص مہدی کی سیرت کے مطابق نکلے گا جس کے دونوں کانوں میں سوراخ ہوگا جو بیس سال رہے گا اور پھر ہتھیار سے مقتول ہوگا پھر نبیؐ کی اہل بیت سے ایک شخص ہدایت یافتہ خوبصورت نکلے گا جو قیصر کے شہر پر حملہ کرے گا اور وہ امت محمدؐ کا آخری امیر ہوگا پھر اسی کے زمانہ میں دجال نکلے گا اسی کے زمانہ میں عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے ۔

جیسا کہ دلیل ہفتم کے ضمن میں ہم نے تحقیق کی ہے ارطاۃ کی یہ روایت اقسام حدیث کے نظر کرتے اگرچہ حدیث موقوف ہے اور کعب کی مذکورہ روایت

کے نظر کرتے جو اس سے زیادہ صحیح ہے اس میں یہ تقدم و تاخر ہو گیا ہے کہ کعب کی روایت میں امام مہدی علیہ السلام کی رحلت کے بعد اہل بیت کے ایک شخص کا اور اس کے بعد مرد قحطانی کا ظہور مذکور ہے جو امت محمدیہ کا آخری امیر ہوگا اور قیصر روم کے شہر پر حملہ کرے گا اور اسی کے زمانہ میں خروج دجال اور نزول عیسیٰ علیہ السلام ہوگا۔ اور ارطاۃ کی روایت میں اس کے برعکس پہلے قحطانی اور بعد میں اہل بیت کے شخص کا ظاہر ہونا لکھا ہے اور تمام حالات جو قحطانی سے متعلق تھے وہ اس اہل بیت کے شخص سے متعلق کردئے گئے ہیں لیکن ملا علی متقی نے رسالہ برہان میں ارطاۃ ہی کی ایک روایت لکھی ہے جس میں امام مہدی علیہ السلام کی رحلت کے بعد اہل بیت کا ایک شخص ظاہر ہونا درج ہے جس سے کعب کی روایت ہی کی تائید ہوتی ہے۔ غرض اس تقدم و تاخر سے قطع نظر کر لیا جائے تو عدم اجتماع مہدیؑ و عیسیٰؑ کے مسئلہ میں یہ دونوں روایتیں متحد ہیں کیونکہ ان دونوں سے امام مہدی علیہ السلام کی رحلت کے بعد اہل بیت کے ایک شخص اور قحطانی کا ظہور ہونا اور ان میں سے کسی ایک کے زمانہ میں نزول عیسیٰ علیہ السلام ہونا متحقق ہو رہا ہے۔

حدیث چہارم ارطاۃ ہی سے مروی ہے۔

قال یموت المہدی موتا ثم یصیر الناس بعدہ فی فتنۃ ویقبل الیہم من بنی مخزوم فیبایع لہ فیمکث زمانا ثم ینادی مناد من السماء لیس ناس ولا جان الا بایعوا فلانا ولا ترجعوا علی اعقابکم بعد الہجرۃ فینظرون ولا یعرفون بالرجل ثم ینادی ثلاثا ثم یبایع المنصور فیصیر الی المخزومی فیظفرہ اللہ علیہ

مہدی اپنی موت سے وفات پائیں گے پھر آپ کے بعد لوگ فتنہ میں مبتلا ہو جائیں گے اور بنی مخزوم کا کوئی شخص ان کے پاس آئے گا پس اس سے بیعت کی جائے گی اور وہ کچھ عرصہ رہے گا پھر کوئی منادی آسمان سے ندا کرے گا کہ سب انس و جن فلاں سے بیعت کریں اور ہجرت کے بعد مرتد نہوں پس لوگ دیکھیں گے اور اس شخص کو نہیں پہچان سکیں گے پھر تین مرتبہ ندا ہوگی پھر کہیں منصور سے بیعت کی جائے گی وہ مخزومی کی طرف چلے گا اور اس کو اللہ تعالیٰ

فیقتله ومن معه

اس پر فتح دے گا اور وہ اس کو اور اس کے ساتھیوں کو قتل کر دے گا۔

حدیث پنجم ارطاة ہی سے مروی ہے کہ

یکون بین المہدی وبین الروم ھدنة ثم یھلک المہدی ثم یلی رجل من اھل بیته ویعدل قلیلا ویقتل

مہدیؑ اور روم کے درمیان صلح ہوگی پھر مہدی کی ہلاکت ہو جائے گی اور بعد اہل بیت کا ایک شخص والی ہوگا جو کم عدل کرے گا اور مقتول ہوگا۔

حدیث ششم سالم بن الجعد سے مروی ہے کہ

یکون المہدی احد وعشرین سنة او اثنین وعشرین سنة ثم یکون آخر من بعده وھو دونه وھو صالح تسع سنین

مہدی اکیس سال یا بائیس سال رہیں گے پھر ان کے بعد دوسرا شخص ہوگا جو اس سے کم اور صالح ہوگا وہ نو سال رہے گا۔

یہ روایتیں ملا علی متقی کے رسالہ برہان سے منقول ہیں اگرچہ بلحاظ اصول روایت ان میں بعض قابل بحث ہیں اور بعض باعتبار خلط بحث مدرج کی نوعیت رکھتی ہیں۔ لیکن مولف صاحب ہدیہ چونکہ ملا علی متقی کے معتقد ہیں اور ان کے رسالہ کو مستند سمجھتے اور اس سے جا بجا حجت لیتے ہیں اس لئے ہم ان روایتوں سے متعلق اس موقع پر بحث کی ضرورت نہیں سمجھتے کیونکہ ان کے مسلمہ رسالہ کا صرف حوالہ الزاماً کافی ہے۔ ان روایتوں سے بھی مہدیؑ کے بعد کئی واقعات اور بعض اشخاص کا ظہور ہونا پایا جاتا ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کا نزول مہدیؑ کی حیات میں ہونے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

حدیث ہفتم جو ابن عباسؓ سے مروی ہے۔

روی عن ابن عباس انه ذکر المہدی فقال اسمه محمد بن عبد الله ھو رجل ربعة به یفرج الله سبحانه عن ھذه الامة کل کرب ویصرف بعدله کل جور ثم یلی الامر بعده

ابن عباس سے روایت ہے کہ انھوں نے مہدی کا ذکر کیا اور کہا مہدی کا نام محمد بن عبد اللہ ہوگا اور وہ متوسط القامت (نہ کوتاہ قد اور نہ دراز قامت) ہونگے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعہ اس امت کی ہر سختی و مصیبت کو دور

اثنی عشر رجل خمسین ومائه سنة ثم یموت فیفسد الزمان۔

کرے گا اور آپ کے عدل سے ہر ظلم کو دفع کرے گا۔ پھر آپ کے بعد بارہ اشخاص دیڑھ سو سال تک والی رہیں گے پھر وفات پائیں گے اور زمانہ بگڑ جائے گا۔

فصل الخطاب میں لکھا ہے کہ

قوله علیه السلام یکون اثنی عشر امیرا فیه ثلاثة اقوال احدها ان هذه الی ما بعد اصحابه۔ والثانی ان هذا یکون بعد موت المهدی الذی یخرج فی آخر الزمان۔

رسول اللہ صلعم کا یہ قول کہ بارہ امیر ہوں گے اس کی شرح میں تین قول ہیں ایک تو یہ کہ یہ بارہ اشخاص رسول اللہ صلعم اور آپ کے صحابہ کے بعد ہوں گے دوسرا قول یہ کہ یہ واقعہ امام مہدی کی وفات کے بعد ہوگا جو آخر زمانہ میں ظہور کریں گے۔

حدیث ہشتم یہ ہے کہ

قد وجد فی کتاب دانیال اذامات المهدی ملك خمس رجال وهم من اولاد الحسن

کتاب دانیال میں یہ بات دیکھی گئی ہے کہ جب مہدی کی وفات ہو جائے گی اولاد حسن کے پانچ اشخاص مالک ہوں گے۔

یہ اُن روایتوں کا خلاصہ اور شرح ہے جن کو ابو الفرح ابن جوزی نے کتاب "الکشف" میں ذکر کیا ہے۔ ان سب سے بھی امام مہدی علیہ السلام کی رحلت کے بعد کئی والی اور کئی امرا کا وجود پایا جا رہا ہے جو اجتماع مہدی و عیسیٰ علیہما السلام کے منافی ہے۔

اجتماع مہدی و عیسیٰ علیہما السلام کے قائل ہونا ان احادیث کے بھی صاف خلاف ہے جو ابن عباسؓ۔ ابن عمرؓ۔ علی کرم اللہ وجہہ۔ امام جعفر صادق۔ رزین وغیرہ سے کسی قدر اختلاف الفاظ کے ساتھ مروی ہوئی ہیں اور سب کا جزء مشترک یہی ہے کہ واضح اور صاف طور پر امام مہدی علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کا زمانۂ بعثت علیحدہ علیحدہ متعین ہے چنانچہ ہم ان احادیث کو بھی انہی احادیث کے سلسلہ میں یہاں درج کرتے ہیں۔

حدیث نہم جو ابن عمر سے حاکم نے روایت کی ہے ۔

کیف تھلك امہ انا فی اولھا و عیسی بن مریم آخرھا ۔

وہ امت کیسے ہلاک ہوگی جس کی ابتدا میں میں ہوں اور عیسٰی ابن مریم اس کے آخر میں ہیں۔

حدیث دہم ابونعیم نے اخبار مہدی میں ابن عباس سے روایت کی ہے ۔

لن تھلك امۃ انا فی اولھا و عیسی بن مریم فی آخرھا و المھدی فی اوسطھا ۔

وہ امت ہرگز ہلاک نہ ہوگی جس کے اول میں ہوں اور عیسٰی بن مریم جس کے آخر میں اور مہدی جس کے درمیان ہیں ۔

حدیث یازدہم تفسیر مدارک میں جو حنفیہ کی مشہور تفسیر ہے آیت یا عیسٰی انی متوفیك ورافعك الیّ کے تحت یہ حدیث ان الفاظ میں لکھی ہے ۔

کیف تھلك امۃ انا فی اولھا و عیسٰی فی آخرھا والمھدی من اھل بیتی فی وسطھا

وہ امت کیسے ہلاک ہوگی جس کے اول میں ہوں اور آخر میں عیسٰی اور میری اہل بیت سے مہدی اس کے درمیان ہیں ۔

حدیث دوازدہم جو امام جعفر صادق سے مروی ہے ۔

عن جعفر عن ابیہ عن جدہ قال قال رسول اللہ صلعم ابشروا ابشروا انما مثل امتی مثل الغیث لا یدری اولہ خیر ام آخرہ ـــــ کیف تھلك امۃ انا اولھا والمھدی وسطھا والمسیح آخرھا ولکن بین ذٰلك فیج اعوج لیسوا منی ولا انا منھم رواہ رزین ـ عقد الدباب ۷ ـ مشکوٰۃ شریف باب ثواب ہذہ الامۃ ۔

امام جعفر صادق سے روایت ہے وہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمھیں بشارت ہو بشارت ہو کہ میری امت کی مثال بارش کے جیسی ہے نہیں معلوم اس کا اول حصہ بہتر ہے یا آخری حصہ ـــــ وہ امت کیسے ہلاک ہوگی جس کے اول میں ہوں اور درمیاں میں مہدی ہیں اور آخر میں مسیح ہیں لیکن ان کے درمیان ایسی کج فہم جماعت ہے جو نہ میری ہے نہ میں اس کا ہوں ۔ اس کو رزین نے روایت کیا ہے

حدیث سیزدہم جو یحیٰی بن عبد اللہ بن الحسن عن ابیہ گویا یہ بھی اہل بیت ہی کے سلسلہ روایت سے مروی ہوئی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنے ایک خطبہ میں

فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے آیندہ ہونے والی بہت سی باتیں فرمائیں۔ انھی میں یہ بھی فرمایا کہ

یاعلی کیف یہلاک اللہ امة انا اولها ومهدینا اوسطها والمسیح بن مریم آخرها یاعلی انما مثل هذه الامة کمثل الغیث لا یدری اوله خیر ام آخره وبین ذلک نهج اعوج لست منه ولیس منی۔ (کنز العمال جلد ۸)

یا علی وہ امت کیسے ہلاک ہوگی جس کے اول میں ہوں ہمارا مہدی اس کے درمیان میں اور مسیح بن مریم آخر میں ہے یا علی اس امت کی مثال مینہ کے جیسی ہے نہیں معلوم اس کا اول حصہ بہتر ہے یا اس کا آخری حصہ اور اس کے درمیان ٹیڑھا راستہ ہے جو میرا نہیں ہے۔

یہ سب روایتیں جن کا مطلب و مضمون متحد ہے ایک دوسری کی موید ہیں۔ اگر کسی میں کچھ ضعف لاحق بھی ہے تو دوسری روایتوں سے جو اس کے شواہد کے جیسی ہیں اس کی تلافی اور جبر نقصان ہوگیا ہے اس بات کی نص صریح ہیں کہ امام مہدی علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کا زمانہ علحدہ علحدہ علی الترتیب وسط امت اور آخر امت ہے۔

پس ان احادیث سے امام مہدی علیہ السلام کا وسط امت میں ہونا اور عیسیٰ علیہ السلام کا آخر امت میں ہونا ایسا یقینی ہے کہ ان دونوں کا ایک ہی زمانہ میں مجتمع ہونا محالات سے ہے کیونکہ اس سے مخبر صادق کی سچی خبر کی خلاف ورزی لازم آتی ہے ان چند احادیث کے نقل کرنے پر اکتفا کر کے بعض مشاہیر علمائے اہل سنت کے چند اقوال بھی نقل کئے جاتے ہیں جو اجتماع مہدی و عیسیٰ علیہما السلام کے قائل نہیں ہیں اور جنہوں نے انہی مذکورہ احادیث سے حجت و سند لی ہے اور جن سے ان احادیث کا صحیح اور قابل استناد ہونا ثابت ہوتا ہے۔ علامہ عبدالوہاب شعرانی نے اپنی کتاب "میزان" میں لکھا ہے۔

اقوال العلماء فی کل دور من الادوار الی ان یخرج المهدی علیه السلام فیبطل فی عصره التقلید بالعمل

ہر زمانہ کے علما کے اقوال مہدی علیہ السلام کے ظہور تک ہیں پھر آپ کے زمانہ میں پہلے لوگوں کے اقوال و مذاہب پر عمل کی تقلید باطل ہوجائے گی جیسا کہ اہل کشف نے اسکی

بنقول من قبله من المذاهب کما صرح به اهل الکشف یلیہم الحکم بشریعة محمد صلعم بحکم المطابقة بحیث لوکان رسول اللہ صلعم موجودً الاقرّہٗ علی جمیع احکامه کما اشار الیه فی حدیث ذکر المهدی بقوله یقفوا اثری ولا یخطی ـ ثم اذا انزل عیسی انتقل الحکم الی امر آخر وھو انه یوحیٰ الی السید عیسیٰ بشریعة محمّد علی لسان جبریل انتھیٰ ـ

تصریح کی ہے کہ شریعت محمدیہ کے احکام کے بلحاظ مطابقت آپ والی ہوں گے اس طرح پر کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہوتے تو آپ کے کل احکام کو برقرار رکھتے جیسا کہ رسول اللہ صلعم نے اُس حدیث میں جو مہدی علیہ السلام کے ذکر میں ہے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے کہ (مہدی) میرے قدم بقدم پیروی کریں گے اور خطا نہیں کریں گے۔ پھر جب عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا یہ حکم ان کی طرف منتقل ہوجائیگا اسطرح کہ عیسیٰ کی طرف شریعت محمدیہ کی وحی جبریل کے ذریعہ ہوتی رہے گی۔

اس سے احکام شریعت محمدیہ کی ولایت ترتیب وار اول مہدی علیہ السلام کو حاصل ہونا اور پھر یہی ولایت نزول عیسیٰ علیہ السلام کے بعد عیسیٰ کی طرف منتقل ہونا ظاہر ہے۔

علامہ سعدالدین تفتازانی نے شرح عقائد میں اجتماع مہدی و عیسیٰ علیہما السلام اور ایک دوسرے کی اقتدا فی الصلوٰۃ کا اعتراف کیا تھا۔ اس کے چند سال بعد جب شرح مقاصد لکھی تو اس مسئلہ کی نسبت اپنی تحقیق سے جو بات صحیح ثابت ہوی ازروی دیانت وانصاف اس کو اسطرح واضح کرکے اپنے پہلے قول کی تردید و تصحیح فرمادی چنانچہ لکھا ہے کہ

فما یقال ان عیسیٰ یقتدی بالمہدیؑ اوبالعکس شئ لامستند له فلا ینبغی ان یعول علیه ـ

یہ جو کہا جاتا ہے کہ عیسیٰ مہدیؑ کی اقتدا کریں گے یا مہدیؑ عیسیٰؑ کی یہ ایسی بات ہے جس کی کوئی سند نہیں ہے۔ اس پر توجہ نہ کرنا چاہئے۔

اس موقع پر ایک غلط فہمی کا ذکر کردینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ بعض لوگوں نے اپنی کم فہمی سے اس قول کا یہ غلط معنی سمجھا ہے کہ اس قول سے ان دونوں میں سے ایک دوسرے کی اقتدا کرنے کی نفی ہوتی ہے لیکن ایک وقت میں

دونوں کے مجتمع ہونے کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ ممکن ہے کہ دونوں ایک وقت اور ایک جگہ جمع ہوں اور باہم اقتدا نہ کریں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ان کی سمجھ کی خوبی ہے جو ایسا سمجھ رہے ہیں جس کی تائید نہ عقل سے ہوتی ہے نہ نقل سے اس واسطے کہ یہ دونوں خلیفۃ اللہ اور تابع شریعت مصطفےٰ ہیں ان میں کسی جہت سے امور دینی میں مباینت ومخالفت نہیں ہے جو مانع اقتدا ہو۔ جب یہ دونوں ایک وقت میں اور ایک جگہ جمع ہوں گے لامحالہ کسی نماز کا وقت بھی ان پر آئے گا یا نہیں دوسری صورت باطل ہے کہ کوئی نماز کا وقت ہی نہ آئے اگر آئے گا تو کسی ایک کی اقتدا دوسرے کے ساتھ ہوگی یا نہیں؟ اگر نہ ہوگی تو مانع اقتدا کونسا امر ہوگا۔

غرض یہ تقریر کسی پہلو بھی صحیح نہیں اترتی کہ مہدی وعیسیٰ علیہما السلام ایک زمانہ میں جمع ہوں اور باہم اقتدا فی الصلوٰۃ نہ کریں۔ اصل یہ ہے کہ دونوں کے اجتماع کی نفی کو اقتدا کی نفی سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ پہلے شرح عقائد میں مہدی علیہ السلام کی اقتدا عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہونا جو لکھا تھا اس کی کافی اور واضح تردید ہوجائے۔ نیز نزول عیسیٰ علیہ السلام کی جو روایتیں آئی ہیں ان میں نماز کے وقت جبکہ اقامت کہی گئی ہو اور بعض روایتوں میں خاص نماز عصر اور بعض میں خاص نماز فجر کے وقت عیسیٰ علیہ السلام کے نازل ہونے کا ذکر ہے اور اس وقت ملت اسلامیہ کا جو امام یا امیر ہوگا اس کا عیسیٰ علیہ السلام سے نماز پڑھانے کی درخواست کرنا اور عیسیٰ علیہ السلام کا امامت سے عذر کرکے اس امیر یا امام ہی کو نماز پڑھانے کے لئے کہنا اور خود اس کے پیچھے نماز پڑھنا درج ہے اور بعض روایتوں میں خود عیسیٰؑ امام ہوکر نماز پڑھانا ظاہر ہوتا ہے جب اس امیر یا امام کو مہدی علیہ السلام سمجھ لیا گیا ہو تو یہی اقتدا فی الصلوٰۃ کا واقعہ بھی مہدی علیہ السلام سے متعلق کردیا گیا ہے جو ایک امر غیر مستند ہے اسی لئے علامہ تفتازانی نے امام مہدی علیہ السلام کی اقتدا عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ یا عیسیٰ علیہ السلام کی اقتدا مہدی علیہ السلام کے ساتھ ہونے کو غیر مستند قرار دیدیا ہے تو اس سے خود بخود اجتماع کی نفی ہوگئی۔

خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا جو شرح مقاصد کے قول سے متعلق تھا۔
اس موقع پر اصل مقصود یہ بحث تو یہ ہے کہ مشہور علمائے اہل سنت بھی اجتماع مہدی وعیسیٰ علیہما السلام کے قائل نہیں ہیں چنانچہ اسی سلسلہ کے بعض اور شواہد ذکر کئے جاتے ہیں۔

اس سے پہلے شیخ نجیب الدین واعظ دہلوی کا جو قول "مدار الفضلا" سے نقل کیا گیا ہے وہ بھی اس کا بیّن ثبوت ہے کیونکہ فتح قسطنطنیہ کی روایت کے بیان میں بعض علماء شیعہ کا یہ خیال کہ فاتحین کے امیر مہدی علیہ السلام ہوں گے نقل کرکے اس کے مقابل علمائے اہل سنت کے پاس یہ استدلال اس وجہ سے ضعیف ہونا ظاہر کیا گیا ہے کہ روایت میں فاتحین قسطنطنیہ بنی اسحاق سے ہونے کی صراحت موجود ہے اور امام مہدی علیہ السلام تو بنی فاطمہ سے ہیں اس کے بعد یہ صراحت بھی کی ہے کہ

ولان المہدی اسبقہم بعثاً لان هذا الفتح قریب من نزول عیسیٰؑ وخروج الدجال وبعث المہدی سابق علیہ ویکون ذالک بعد موت المہدی لقولهٗ کیف تہلک امۃ انا فی اولها وعیسیٰ فی اٰخرها والمہدی من عترتی فی وسطها الاٰخر۔

اور اس لئے کہ مہدی علیہ السلام پہلے مبعوث ہوں گے کیونکہ یہ فتح نزول عیسیٰ وخروج دجال کے قریب ہوگی اور مہدی کی بعثت اس سے پہلے ہے یہ فتح مہدی علیہ السلام کی رحلت کے بعد ہوگی نبی علیہ السلام کے اس فرمان کی وجہ سے کہ وہ امت کیسے ہلاک ہوگی جس کی ابتداء میں میں ہوں اور آخر میں عیسیٰ اور درمیان میں میری آل سے مہدی ہیں۔

اس قول سے امام مہدی علیہ السلام کی بعثت نزول عیسیٰؑ اور خروج دجال سے پہلے ہونا اور امام مہدی علیہ السلام کی رحلت کے بعد نزول عیسیٰ علیہ السلام وغیرہ ہونا متبادر ہے اور حدیث کیف تہلک امۃ کی صحت اور اس کو قابل استدلال ماننا بھی ثابت ہے۔

شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر بھی اسی کا موید ہے جس کو خود مولف صاحب ہدیہ نے تحریف دواز دہم میں نقل کرکے اس سے بحث کی ہے:

الاان ختم الاولیاء شہید
وعین امام العالمین فقید

آگاہ ہو کہ ختم الاولیا (مہدیؑ) موجود ہونگے۔ اور امام العالمین (عیسیٰؑ) موجود ہونگے

مولف صاحب ہدیہ نے ختم الاولیا سے مراد عیسیٰ علیہ السلام اور امام العالمین سے مراد مہدی علیہ السلام بیان کی ہے حالانکہ ایسا کوئی قرینہ ان کے بیان کردہ معنی پر دلالت کرنے والا نہیں ہے بلکہ سیاق کلام اور بعد کے اشعار سے اسکی نفی ہوتی ہے۔ لیکن اس وقت اس سے کوئی بحث نہیں کہ مولف صاحب کا یہ ترجمہ کہاں تک صحیح ہے یا غلط اس سے بعد میں اس کے موقع پر بحث کی جائے گی۔ یہاں صرف اجتماع مہدی وعیسیٰ علیہما السلام کے مسئلہ کی حد تک غور کیا جائے تو ختم الاولیا سے خواہ عیسیٰ علیہ السلام مراد لیں یا امام مہدی علیہ السلام اسی طرح امام العالمین سے خواہ مہدی علیہ السلام مراد ہوں یا عیسیٰ علیہ السلام دونوں صورتوں میں ایک وقت میں دونوں کے اجتماع کی صاف نفی ہو رہی ہے کیونکہ کوئی ایک موجود اور دوسرا اس وقت مفقود رہنا ظاہر ہے اور عدم اجتماع مہدی وعیسیٰ علیہما السلام کا اصل مطلب و منشا یہی ہے۔

اگر فتوحات کی اُس مذکورہ عبارت کا مفہوم ان دونوں کا ایک ہی وقت میں مجتمع ہونا سمجھا جائے تو خود شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کے یہ دونوں قول ایک دوسرے کے مخالف ومتضاد ثابت ہوں گے۔

جو وجوہ ودلائل اجتماع مہدی وعیسیٰ علیہما السلام کے مسئلہ کی نفی میں بیان ہوئے ہیں ان میں سے بحیثیت انفرادی بھی ہر ایک اس قدر کافی ہے کہ اس سے اس مسئلہ کے نہایت ضعیف اور بے اصل ہونے پر کافی روشنی پڑتی ہے اور بحیثیت اجتماع تو بدرجۂ اولیٰ۔ کیونکہ سب وجوہ ایک دوسرے کے موید ہیں۔

مزید براں مہدیؑ وعیسیٰؑ کا بیک وقت اجتماع فرض کرنے سے جو پیچیدگیاں اور مشکل صورتیں پیدا ہوتی ہیں ان پر غائر نظر ڈالنے سے اس مسئلہ کا ضعف اور زیادہ ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً ان دونوں کا اجتماع فرض کیا جائے تو دو حال سے خالی نہیں کہ

ان میں سے کوئی ایک دوسرے کا تابع ہوگا یا نہیں؟ اگر یہ کہا جائے کہ ان میں سے کوئی بھی دوسرے کا تابع نہ ہوگا اور دونوں مستقل طور پر خلافتِ الٰہی کے منصب پر فائز رہیں گے تو وہی اجتماع خلیفتین کے تمام احکام و نتائج عائد ہونے کے علاوہ اس سے باہم اقتدا فی الصلوٰۃ کے اصل مسئلہ کا فیصلہ ہو جاتا ہے جس پر اجتماع کا مسئلہ مبنی ہے کیونکہ اقتدا بھی اتباع ہی کی ایک صورت ہے۔ جب ایک کا دوسرے کی اتباع نہ کرنا فرض کر لیا گیا ہے تو اس سے ایک دوسرے کی اقتدا نہ کرنا بھی لازم آ گیا۔

اگر یہ کہا جائے کہ ان دونوں خلفاء اللہ میں سے کوئی ایک دوسرے کا تابع ہوگا تو یہ بھی دو حال سے خالی نہیں۔ یا عیسٰی علیہ السلام مہدی علیہ السلام کے تابع ہوں گے یا مہدی علیہ السلام عیسٰی علیہ السلام کے؟ دونوں مفروضہ صورتوں میں اوّلاً تابع خلیفۃ اللہ نہ رہے گا۔ ثانیاً ایک کا وجود بیکار و معطل ہو جائے گا۔ ثانیاً تابع کے افعال و اعمال متبوع کے حکم سے ہونا لازم آئے گا۔ رابعاً تابع کے تمام اعمال و افعال اور ان کے نتائج فی الحقیقت متبوع یا حکم دینے والے کی طرف منسوب ہوں گے۔ پس متعدد احادیث سے عیسٰی علیہ السلام کے جو مخصوص فرائض ثابت ہیں جیسے عیسٰی علیہ السلام کا صلیب کو توڑنا۔ جزیہ کو موقوف کرنا دجال کو کو قتل کرنا وغیرہ یہ سب اعمال مہدی علیہ السلام کی طرف منسوب ہونا لازم آئے گا جبکہ عیسٰی علیہ السلام کو مہدی علیہ السلام کا تابع فرض کر لیا جائے۔ یا امام مہدی علیہ السلام کی وہ علامات جو آپ نے اپنے خیال میں مقرر کر لئے ہیں جیسے مہدی علیہ السلام عرب و عجم کے بادشاہ ہونا۔ تمام روئے زمین کے لوگ آپ پر ایمان لا کر دنیا بھر میں ملتِ واحدہ ہو جانا وہ عیسٰی علیہ علیہ السلام کی طرف منسوب ہونا چاہیئے جبکہ امام علیہ السلام کو عیسٰی علیہ السلام کے تابع ہونا فرض کیا جائے۔ گویا اس صورت میں آپ کے لئے یہ علامات اور مہدیؑ و عیسٰیؑ کا اجتماع اور مہدی علیہ السلام کو عیسٰی علیہ السلام کے تابع فرض کر لینا اجتماع اضداد کے قائل ہونا ہے۔ غرض اجتماع مہدی و عیسٰی علیہما السلام کا مسئلہ کسی پہلو بھی منطبق نہیں ہوتا۔ؔ

ؔ۔ اجتماع مہدیؑ و عیسٰیؑ کے تسلیم کرنے سے جو مشکل مسائل پیدا ہونے کا علامہ مجیبؒ نے ذکر فرمایا ہے

قیامت کی شرائط صغرا وکبرا کی تحقیق۔

ان تمام مباحث کے علاوہ اس مسئلہ پر اصول درایت کے مطابق غور کرنے سے ہم ایک صحیح فیصلہ پر پہنچ سکتے ہیں۔ اسکی توضیح یہ ہے کہ ان تمام احادیث کو دیکھنے سے جو امام مہدی علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق وارد ہیں ثابت ہوتا ہے کہ امام مہدی علیہ السلام کا ظہور بھی علامات قیامت سے ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کا نزول بھی علاماتِ قیامت میں ہے۔ لیکن علاماتِ قیامت پر غور کرنے سے ان دونوں صورتوں میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہو جاتا ہے۔ اہلِ سنت محدثین کے نزدیک علامات و اشراطِ قیامت کی دو قسمیں ہیں ایک وہ ہیں

بقیہ حاشیہ صہ ۲۵۳ ۔ ان کے علاوہ اور بہت سی مشکلات اس کے تسلیم کرنے سے لاحق ہوتی ہیں جن کو مولوی زماں خاں صاحب کو اول حل کرنا اور بعد میں اس کے قائل ہونا پڑے گا۔ اس کا بیان یہ ہے کہ ثوبانؓ کی روایت سے ثابت ہے کہ مہدی علیہ السلام خلیفۃ اللہ ہیں آپ سے بیعت کرنا فرض ہے۔ چنانچہ فبایعوہ ولو حبوا علی الثلج اس پر دال ہے پس اس حدیث سے چند امور ثابت ہوتے ہیں۔

اول یہ کہ مہدیؑ جب خلیفۃ اللہ ہیں تو آپ سے بیعت کرنا فرض ہے پس بالضرور جو کوئی بھی آپ کے زمانہ میں ہوگا اس کو آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنا فرض ہوگا۔ اگر عیسیٰ علیہ السلام آپ کے زمانہ میں ہوں تو ان کو بھی مہدی علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کرنا فرض ہوگا کیونکہ فبایعوہ کے خطاب میں سب افراد داخل ہیں۔

دوسرا یہ کہ آپ کا جو کچھ حکم ہوگا وہ امر خدا سے ہوگا کیونکہ خلیفۃ اللہ کی یہی شان ہے۔

تیسرا یہ کہ آپ مجتہدین کی تقلید نہیں کریں گے کیونکہ ان کا حکم ظنی ہے اور خلیفۃ اللہ کا حکم قطعی۔

چوتھا یہ کہ آپ کے حکم کا انکار کفر ہوگا کیونکہ آپ کے احکام خلیفۃ اللہ ہونے کی جہت سے ہیں۔

پانچواں یہ کہ آپ کے دعوی کا ماننا فرض ہوگا کیونکہ آپ خلافت الہٰی کی جہت سے اللہ تعالےٰ کے حکم سے دعوی فرمائے ہیں۔ غرض یہ سارے لوازم خلیفۃ اللہ ہونے کے ہیں جن کا اقرار خلیفۃ اللہ ہونیکے اقرار سے لازم ہو جاتا ہے اس صورت میں اگر عیسیٰ علیہ السلام بھی آپ ہی کے زمانہ میں موجود ہوں تو اس وجہ سے کہ وہ بھی خلیفۃ اللہ ہیں یہ سارے لوازم ان کے لئے بھی ثابت ہوں گے جس سے تعارض و تناقض ثابت ہوگا جو جائز نہیں پس دونوں خلیفوں کا جمع ہونا بھی جائز نہیں ہے واللہ اعلم۔ اشرف محشی

(مکمل الجواہر)

جن کا ظہور قبلِ قیامت ہونا تو ضروری ہے لیکن ۔ قیامت کے قریب ہونا ضروری نہیں ہے ایسی علامات کو محدثین وغیرہ نے "اشراطِ صغریٰ" کہا ہے ۔

اشراط و علامات قیامت کی دوسری قسم وہ ہے جن کا ظہور قیامت کے پہلے اور قیامت کے قریب ہونا ضروری ہے ایسی علامات کو" علامات و اشراط کبریٰ" کہتے ہیں ۔

قیامت کی" اشراطِ صغریٰ" بہت سے امور ہیں یہاں تک کہ حضرت سرور کائنات محمد مصطفیٰ صلعم کا مقدس وجود اور آپ کا مشہور معجزۂ شق القمر بھی اشراطِ قیامت میں سے ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

اقتربت الساعۃ وانشق القمر (۲۷-۸ قمر)	قیامت قریب آگئی اور چاند شق ہو گیا (کہ قرب قیامت کی یہ بھی ایک نشانی ہے)
فھل ینظرون الا الساعۃ ان تاتیھم بغتۃ فقد جاء اشراطھا فانی لھم اذا جاءتھم ذکرٰیھم (۲۶-۷ ۔ سورۂ محمد)	کیا وہ قیامت ہی کے منتظر ہیں کہ یکدم سے ان پر آنازل ہو ۔ سو اس کی نشانیاں تو آچکی ہیں ۔ پھر جب قیامت آہی جائے گی تو اس وقت ان کا سمجھنا ان کو کیا مفید ہو گا ۔

مفسرین کا قول ہے کہ قد جاء اشراطھا (یعنی قیامت کی علامتیں تو ظہور میں آگئی ہیں) سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور شق القمر مراد ہے چنانچہ تفسیر کبیر میں لکھا ہے ۔

الاشراط العلامات قال المفسرون ھی مثل انشقاق القمر و رسالۃ محمد علیہ السلام	اشراط سے مراد علامات ہیں ۔ مفسرین کا قول ہے کہ یہ علامات جیسے شق القمر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہیں ۔

تفسیر لباب التاویل میں لکھا ہے۔

قال المفسرون من اشراط الساعۃ انشقاق القمر و بعثۃ رسول اللہ صلعم	مفسرین کا قول ہے کہ شق القمر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت قیامت کی علامات ہیں

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے بھی مفسرین کے اس قول کی تائید ہوتی ہے ۔

بعثت انا والساعۃ کھاتین ۔

حضرت رسول اللہ صلعم نے اپنی دو انگلیوں سے اشارہ کرکے فرمایا کہ میری بعثت اور قیامت اس طرح (قریب قریب) ہیں ۔

چونکہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور شق القمر قیامت کی علامات سے ہونے کے باوجود قیامت سے پہلے ان کا ظہور ہوگیا ہے اس لئے اس سے حضرت کی بعثت قیامت کی "اشراطِ صغرائی" میں ہونا ثابت ہے ۔

جن محدثین نے اشراط و علامات قیامت کی یہ تقسیم کی ہے انھوں نے امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کو بھی "اشراطِ صغریٰ" میں شمار کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ امام علیہ السلام کا ظہور قبل قیامت ہونا تو ضروریات سے ہے مگر قریب قیامت ہونا ضروری نہیں ہے اور عیسیٰؑ کے نزول کو اشراط کبریٰ میں شمار کیا ہے ۔

اس سے ظاہر ہورہا ہے کہ امام مہدی علیہ السلام کا ظہور اور عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ایک زمانہ میں نہیں ہے ۔ اگر اس کے خلاف دونوں کا ایک ہی زمانہ میں جمع ہونا کہا جائے تو لازم آتا ہے کہ یا تو عیسیٰؑ "اشراطِ صغریٰ" میں داخل ہوجائیں یا امام مہدی علیہ السلام کا ظہور "اشراطِ کبریٰ میں شامل ہوجائے وھذا خلف" اور یہ بات امر مسلمہ کے خلاف ہے ۔

اس پر ان صحیح احادیث سے مہر تائید و صداقت ثبت ہوتی ہے جن میں "اشراطِ کبریٰ کی تعداد دس (۱۰) بتائی گئی ہے چنانچہ صحیح مسلم وغیرہ کتب حدیث میں حذیفہ رضؓ سے روایت کی گئی ہے ۔

قال اطلع النبی صلی اللہ علیہ وسلم علینا ونحن نتذاکر فقال ماتذاکرون قالوا نذکر الساعۃ قال انھا لن تقوم حتی تروا قبلھا عشر آیات فذکر الدخان والدجال والدابۃ وطلوع الشمس من مغربھا ونزول عیسیٰ بن مریمؑ ویاجوج وماجوج وثلٰثۃ خسوف

حذیفہ کہتے ہیں کہ ہم آپس میں باتیں کررہے تھے ایسے میں رسول اللہ صلعم برآمد ہوئے اور آپ نے پوچھا کیا باتیں کررہے ہو ہم نے عرض کیا قیامت کا تذکرہ کررہے ہیں ۔ فرمایا جبتک اس سے پہلے دس نشانیاں نہ دیکھیں قیامت نہ ہوگی پھر آپ نے دخان ۔ دجال دابۃ الارض آفتاب مغرب سے طلوع ہونا نزول عیسیٰ بن مریمؑ

خسف بالمشرق وخسف بالمغرب وخسف بجزیرۃ العرب واٰخر ذالک نار تخرج من الیمن تطرد الناس الیٰ محشرھم (مسلم، کتاب الفتن واشراطہا)	یاجوج ماجوج کا خروج تین خسف یعنی مشرق مغرب۔ جزیرہ عرب میں ہونے اور آخر میں یمن سے آگ نکلنے کا ذکر کیا جو لوگوں کو محشر کی طرف ہانک کرلے جائے گی۔

اس سے ثابت ہے اور دوسری روایتوں سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے کہ مغرب سے آفتاب کا طلوع ہونا اور دجال کا خروج جس طرح بالاتفاق "اشراط کبریٰ" میں ہے اسی طرح نزول عیسیٰ علیہ السلام بھی قیامت کی "اشراط کبریٰ" میں ہے لیکن کسی روایت میں بھی امام مہدی علیہ السلام کا ذکر ان دس "اشراط کبریٰ" میں نہیں ہے۔ اگر امام مہدی علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام دونوں ایک زمانہ میں ہونے کا کوئی اصل ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان دس "اشراط کبریٰ" میں عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مہدی علیہ السلام کا بھی ضرور ذکر فرماتے اسی سے بدیہی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مہدی وعیسیٰ علیہما السلام دونوں ایک زمانہ میں نہیں ہیں۔

پس ان تمام مباحث سے ثابت ہے کہ اجتماع مہدی وعیسیٰ کے مسئلہ کا ماخذ نہایت ضعیف بلکہ بے اصل ہے اس کے ماننے سے کئی احادیث سے مخالفت و تعارض لازم آتا ہے۔ مشاہیر اہل سنت بھی اس کے قائل نہیں ہیں۔ اجتماع کے قائل ہونے سے بہت پیچیدہ مسائل پیدا ہو جاتے ہیں جن کا حل کرنا اصول قیاسی واصول روایت و درایت اور دینی احکام مسلمہ کو علیٰ حالہا ملحوظ رکھتے ہوئے بہت مشکل ہے۔

مولف صاحب ہدیہ نے بارھویں تحریف فتوحات کے اشعار میں تحریف معنوی بتائی ہے چنانچہ لکھا ہے کہ

تحریف دوازدہم یعنی فتوحات کے اشعار میں تحریف معنوی کا اعتراض اور اس کا جواب	تحریف دوازدہم تحریف معنوی ہے کہ اشعار فتوحات کے معنی میاں مذکور نے نہ سمجھے اور اپنے مطلب کے موافق کچھ معنی تجویز کرکے اشعار مذکور کو اپنے مہدی کی تائید میں نقل کیا ہے ورنہ اشعار مذکو بھی ان کے

مہدی کی تکذیب کرتے ہیں۔

فتوحات کے اشعار میں تحریف کا یہ اعتراض پچھلی تحریفات کے اعتراضات سے بھی کہیں زیادہ بے اصل ہے کیونکہ ان اشعار میں نہ کوئی تحریفِ لفظی ہوئی ہے اور نہ تحریفِ معنوی ۔ حضرت بندگیمیاں سید خوندمیرؓ نے مکتوب ملتانی میں ان اشعار کو بعینہ نقل فرما دیا ہے اور ان کا کوئی معنی یا مطلب نہیں بیان کیا ہے جس پر تحریف معنوی کا اطلاق ہوسکے یا جس کو غلط یا صحیح کہا جاسکے یا اس پر سمجھنے نہ سمجھنے کا مفہوم صادق آسکے ۔ یہ سب مولف صاحب ہدیہ کی غلط فہمی یا خبث باطنی ہے جو بطورِ خود یہ فیصلہ کر رہے ہیں کہ

"اگر معنی صحیح ان اشعار کا سمجھتے حذف کر ڈالتے ذکر نہ کرتے"

ہم پہلے فتوحات کے وہ اشعار جو مکتوب ملتانی میں نقل کئے گئے ہیں یہاں بھی نقل کئے دیتے ہیں اور بعد میں ان کے ترجمہ و مطلب سے بحث کریں گے ۔

الا ان ختم الاولیاء شہید	وعین امام العالمین فقید
هو السید المهدی من آل احمد	هو الصارم الهندی حین یبید
هو الشمس یجلو کل غیم وظلمة	هو الوابل الوسمی حین یجود عـه

فتوحات کے زیر بحث اشعار یہی ہیں اور "مکتوبِ ملتانی" میں اسی طرح نقل کئے گئے ہیں ان کا ترجمہ یہ ہے ۔ آگاہ ہو کہ خاتم الاولیا موجود ہوں گے اور امام العالمین کی ذات مفقود ہوگی ۔

وہ سید ۔ مہدی ۔ آل احمد سے ہیں وہ ہندی تلوار ہیں جبکہ ظاہر ہوں گے وہ آفتاب ہیں جو ہر بادل اور تاریکی کو دور کردیں گے وہ موسم بہار کا مینہ ہیں جبکہ سخاوت کریں گے ۔

سیاقِ کلام خود بتا رہا ہے کہ ختم الاولیا کا تذکرہ و بیان اصلِ مقصودِ کلام ہے اور امام العالمین کا ذکر ضمنی ہے ۔ بعد کے اشعار اسی مقصود بالذات حصہ

عـه ۔ فتوحات کے مطبوعۂ مصر نسخہ میں یجود ہی ہے اور مکتوب ملتانی میں بھی یہی لکھا ہے خود مولف صاحب ہدیہ نے بھی "یجود" ہی نقل کیا ہے لیکن بعض نسخوں میں "یجید" ہے پہلا لفظ سخاوت پر دلالت کرتا ہے اور دوسرے کے معنی خوب برسنے کے ہوتے ہیں ۔ ۱۲

یعنی ختم الاولیا کی تفسیر اور بیان واقع ہوئے ہیں اور ان میں جو ضمیر منفصل "ھُوَ"
ہے وہ بھی اصل مقصود یہ یعنی ختم الاولیاء کی طرف راجع ہے۔

خصوصاً دوسرے شعر میں ختم الاولیا کی تفسیر اس صراحت کے ساتھ
کردی گئی ہے کہ وہ ختم الاولیا مہدیؑ ہیں جو آلِ احمد سے ہیں۔ لہذا ختم الاولیا سے
کوئی اور شخص جو آلِ احمد سے نہ ہو مراد لینے کی گنجایش ہی باقی نہیں ہے۔ پس نہ
عیسیٰ علیہ السلام آلِ احمد سے ہیں جو ختم الاولیا سے مراد ہوسکیں اور نہ خود
شیخ ابن عربیؒ پر اور نہ اُس عرب پر آلِ احمد سے ہونا صادق آتا ہے جس سے شیخ نے
شہر فاس میں ملاقات ہونا بیان کیا ہے۔

تیسرا شعر بھی وہی ختم الاولیا کی نعت و منقبت ہے پس ثابت ہوا کہ یہ
اشعار مہدی علیہ السلام ہی سے متعلق ہیں اور مہدی علیہ السلام ہی کا بیان کلام
کا اصل مقصد ہے۔

فتوحات کا باب (۳۶۶) جس میں یہ اشعار لکھے ہیں وہ بھی خاص مہدی
علیہ السلام ہی سے متعلق ہے اور دوسرے مضامین یا مباحث اس میں ضمناً آگئے ہیں۔

خود صاحب فتوحات نے متعدد مقامات پر خاتم الاولیا سے امام مہدی
علیہ السلام ہی کی ذات مراد لی ہے چنانچہ "عنقاء مغرب" میں فرماتے ہیں۔

واستمسکوا بحدیث النبی صلی اللہ
علیہ وسلم حتی بلغہم منہ انہ
ما ینقضی زمان الاوان یاتی شرمنہ
وغفلوا عن القرن الرابع الآتی
الذی ہو زمن المہدی وھو خاتم الولی

ان لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث
سے استدلال کیا ہے جو انھیں پہنچی ہے کہ
جیسے جیسے زمانہ گزرتا جائے گا اس سے
زیادہ خراب زمانہ آتا جائے گا اور وہ لوگ
آنے والی قرن رابع سے غافل رہے جو مہدی
علیہ السلام کا زمانہ ہے اور وہی ختم الولی ہیں

اس سے ثابت ہے کہ شیخ ابن عربی کے نزدیک بھی مہدی علیہ السلام ہی
ختم الولی ہیں۔ پس یہاں بھی ختم الاولیا سے مراد مہدی علیہ السلام ہی ہونا شیخ کے
دوسرے اقوال سے پورے مطابق ہے۔

محققین صوفیا کی اصطلاح میں بھی خاتم الاولیا کا اطلاق خاتم مہدی علیہ السلام

کے لئے متعارف ہے چنانچہ اس کتاب کے باب اول عقیدۂ چہارو پنجم کے ضمن میں بعض صوفیا کے اقوال نقل کئے گئے ہیں۔

خاتم الاولیا عبارت از محمد مہدی ست کہ موعودِ حضرت رسالت است علیہ الصلوٰۃ والسلام (جلد اول جعہ اول صفحہ ۳۴ و ۳۷)۔

ختم ولایت کی یہ اصطلاح "خاتم دین" سے ماخوذ ہے جو امام مہدی علیہ السلام کی شان میں احادیث میں خاص طور پر وارد ہے چنانچہ ابونعیم اصبہانی نعیم بن حماد۔ طبرانی وغیرہ نے حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کی ہے

عن علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ قال قلت یا رسول اللہ امنا ال محمد المہدی ام من غیرنا فقال لا بل منا یختم اللہ بہ الدین کما فتح بنا (العرف الوردی)	حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا یارسول اللہ مہدی ہم آل محمد میں سے ہوگا یا ہمارے سوا دوسروں میں سے؟ فرمایا ہم میں سے ہوگا اللہ تعالیٰ مہدی پر دین کو ختم کریگا جیسا کہ ہم سے دین کی ابتدا کی ہے۔

۵۔ علامہ مجیب نے اس موقع پر اجمالاً صرف ایک دو اقوال کی طرف اشارہ فرمایا ہے لیکن "خاتم ولایت محمدیہ" یا "خاتم الاولیا" امام مہدیٔ موعود علیہ السلام ہی ہونا ایسا متعارف ہے کہ مشاہیر صوفیائے محققین کی تالیفات میں اس کی نسبت کئی اقوال ملتے ہیں جن میں سے بعض اقوال خود علامہ مجیب نے دوسرے موقعوں پر نقل فرمائے ہیں مثلاً تجلیاتِ رحمانی میں لکھا ہے "چنانچہ ختم نبوت بر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم است ہمچناں ختم ولایت بر مہدی علیہ السلام ست (تجلی ۷۱)

علامہ عبدالرزاق کاشانی نے اصطلاحات الصوفیہ میں لکھا ہے۔ وکذا خاتم الولایۃ وھوالذی یبلغ بہ صلاح الدنیا والاٰخرۃ نہایۃ الکمال و یختل بموتہ نظام العالم وھوالمہدی الموعود فی آخرالزمان۔

نقد النصوص شرح فصوص میں ولایت کی اقسام اور ختم ولایت کی صورتیں بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔ "نوع دیگر از ولایت محمدی کہ جامع باشد تبصرف صوری و معنوی و مقرون بخلافت ظاہری) نباشد امام مہدی ست کہ در آخر زمان باسم و صورت آنحضرت رسالت ظاہر خواہد شد اورا خاتم خاصّہٗ ولایتِ محمدیہ خوانند"

پس مہدی علیہ السلام کا خاتمِ ولایت ہونا انہی احادیث سے مستنبط ہے کیونکہ محققین صوفیا کے نزدیک نبوت و ولایت کے مجموعہ کا نام دین ہے یہ دونوں صفتیں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بدرجۂ کمال موجود تھیں جن میں سے حضرت نے احکامِ نبوت کو بیان فرمایا اور احکامِ ولایت کے نشر و تبلیغ کے لئے اپنی اہل بیت سے مہدی علیہ السلام کے ظہور کی بشارت دی اسی وجہ سے مہدی علیہ السلام ولایتِ محمدیہ کے خاتم ہیں ۔ جب خاتمِ دین ہونے کی بشارت حضرت مہدی علیہ السلام ہی کی شان میں وارد ہے تو خاتم الاولیا بھی حضرت مہدی علیہ السلام ہی کی ذات ہو گی نہ خود شیخ اکبرؒ ہو سکتے ہیں اور نہ وہ عرب ہو سکتا ہے کیونکہ ان کے خاتمِ دین ہونے کی بشارت نہ شارع علیہ السلام کی طرف سے وارد ہے نہ وہ مدعیٔ مہدیت ہیں اور نہ اولادِ فاطمہ سے ہیں ۔

ان تمام وجوہ سے ثابت ہے کہ ختم الاولیا سے مراد مہدی علیہ السلام ہی ہیں اور امام العالمین کا اشارہ عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ہے کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں یؤمُّ الناس بسنتی (یعنی میری سنت کے موافق لوگوں کے امام ہونگے) وارد ہے جو امام العالمین کے معنی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے پس اس شعر کا اوضح مطلب یہی ہے کہ

ختم الاولیا یعنی مہدی علیہ السلام موجود ہوں گے اُس وقت امام العالمین
یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی ذات موجود نہ ہو گی ۔

مولف صاحب ہدیہ نے اِن تمام وجوہ سے آنکھ بند کر کے ختم الاولیا سے عیسیٰ علیہ السلام مراد لی ہے اور امام العالمین مہدی علیہ السلام کو قرار دیا ہے جو سیاقِ کلام کے صریح خلاف اور پر از تکلف معنیٰ ہے ۔ انھوں نے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ شیخ ابن عربی رضہ کے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام ولایتِ مطلقہ کے خاتم ہیں ۔ لیکن یہاں یہ توجیہ اس لئے صحیح نہیں ہے کہ جہاں کہیں یہ ولایت مقصود ہوتی ہے

بقیہ حاشیہ ص ۲۶۰ ۔ غرض ان کے علاوہ بھی اتنے اقوال ملتے ہیں جن کا استیعاب محال ہے اور جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ قریباً متفقہ و متعارف اصطلاح ہے ۔ ۱۲ شہاب بن نصرت عفر لہما ۔

وہاں ولایتِ مطلقہ یا عامہ کی قید لگائی جاتی ہے اور یہاں یہ قید نہیں ہے۔ اس لئے اس موقع پر ولایتِ مطلقہ یا عامہ ہی کے خاتم مراد لینا ضروری نہیں بلکہ یہاں جب مطلق خاتم الاولیا مذکور ہے تو چونکہ خاتمِ ولایتِ خاصۂ محمدیہ کی ذات اس کی فردِ کامل ہے اور خاتم الاولیا کا اطلاق اس ذات کے لئے متعارف ومشہور ہے تو اس سے خاص خاتمِ ولایت محمدیہ ہی مراد ہیں۔

مولف ہدیہ نے امام العالمین مفقود ہونے کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ امام مہدی وعیسٰی علیہما السلام دونوں ایک زمانہ میں رہیں گے پھر امام مہدی علیہ السلام مفقود ہوجائیں گے یعنی وفات پاجائیں گے حالانکہ ان اشعار میں اس مضمون کا کوئی ذکر یا اشارہ تک نہیں ہے اور نہ کسی حدیثِ صحیح سے اسکی تائید ہوتی ہے جس سے مولف ہدیہ کا یہ مطلب برآتا۔ اسی سے ثابت ہورہا ہے کہ مولف ہدیہ اصول حدیث کے فن سے کس قدر نابلد ہیں اور ارطأۃ۔ کعب۔ سالم ابن الجعد۔ ابن عباس۔ ابن عمر۔ علی کرم اللہ وجہہ۔ امام جعفر رزین کی روایت کردہ تمام احادیث کے صریح خلاف اور متضاد کیسی لاطائل توجیہ بلکہ تحریف معنوی کے مرتکب ہورہے ہیں۔

مولف صاحب ہدیہ کا اس توجیہ کے ضمن میں یہ کہنا بھی درست نہیں ہے کہ امام مہدی علیہ السلام شیخ کے نزدیک نہ ولایتِ عامہ یا مطلقہ کے خاتم ہیں اور نہ ولایتِ محمدیہ کے کیونکہ خود شیخ کے اُن اقوال سے اِس زعم باطل کا بطلان ثابت ہے جو اسی کتاب میں برموقع ذکر کئے گئے ہیں۔ بریںہم اس کی بحث باب ہشتم میں مسئلۂ تسویت کے ضمن میں آئے گی جہاں مولف صاحب ہدیہ نے اسکی تفصیلی بحث کرنے کا وعدہ کیا ہے۔

ان غلطیوں کے باوجود جو مولف صاحب ہدیہ سے ان اشعار کا ترجمہ یا مطلب بیاں کرنے میں سرزد ہوئی ہیں ان سے قطع نظر کرکے اسکو تسلیم بھی کرلیا جائے تو اس سے ہمارے مقصد یعنی عدمِ اجتماع مہدیؑ وعیسٰی کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا کیونکہ بقول مولف صاحب اس سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ جب خاتمِ ولایت عامہ یعنی حضرت عیسٰی علیہ السلام موجود رہیں گے اُس وقت مہدی علیہ السلام جو

بقول مولف ہدیہ امام العالمین ھسے مراد ہیں موجود نہیں رہیں گے جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے بیان کیا ہے دونوں صورتوں میں بے شک و شبہ یہی ثابت ہو رہا ہے کہ ان دونوں میں ایک موجود رہیں گے اور دوسرے مفقود یعنی مہدی علیہ السلام کے وقت میں عیسیٰ علیہ السلام نہیں ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام کے وقت میں مہدی علیہ السلام نہیں ہیں و ہوالمقصود۔

ہم نہیں سمجھتے کہ ایسے اشعار کی نسبت جن کے دونوں پہلو ہمارے ہی مقصد کے موید ہیں یہ دعوی کرنا کہ

"یہ اشعار حضرت امامنا علیہ الصلواۃ والسلام کی تکذیب کرتے ہیں"۔

کس قدر لغو اور ناظرین کو علانیہ کیسی مغالطہ دہی ہے پھر انھی اشعار کی بحث کے ختم پر مولف صاحب ہدیہ کا حضرت مصنف مکتوب ملتانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کی جناب اقدس میں اس قدر بدزبانی سے پیش آنا حضرت پر تحریف معنوی کا افترا کرنا۔ دیانت و شرافت کے کس قدر منافی ہے جبکہ مولف ہدیہ فحش و بدزبانی دیانت و شرافت کے خلاف ہونیکے خود قائل بھی ہیں۔؎

اسی ضمن میں مولف ہدیہ نے استہزا کے انداز میں جو علما کے لئے معیوب اور اُن کے خلافِ شان ہے حضرت مصنف مکتوب ملتانیؓ کی جناب میں گستاخی کرتے ہوئے مولوی سید عیسیٰ عالم میاں صاحب پر ایک اعتراض کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے

یہ اگرچہ بڑے میاں کے (یعنی حضرت بندگیمیاں سید خوندمیر مصنف مکتوب ملتانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف گستاخانہ وبے ادبانہ (اشارہ ہے) علم و فہم کا ذکر ہے لیکن اس کے ضمن میں ایک چھوٹے میاں کی فہم و عقل بھی سن لیا چاہئے کہ عالم میاں رسالۂ معارضہ میں اسی مصرعہ (ھوالصادق الھندی حین یبید) سے ثابت کرتے ہیں کہ مہدی کی جائے تولد ہند ہے

؎۔ علامہ مجیب نے مولف ہدیہ کے اس قول کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو انھوں ہدیہ کے ابتدائی حصہ میں لکھا ہے کہ "کسی جاان کو (مہدویہ کو) اوران کے پیشواؤں کو القاب قبیحہ اورالفاظ شنیعہ سے یاد نہ کیا گیا علاوہ یہ ہے کہ فحش و بدزبانی دیانت و شرافت کے بھی خلاف ہے (ہدیہ صفحہ ۲ - شہاب بن نصرت غفرلہما۔

اور معنی یہ کہتے ہیں کہ مہدی تلوار ہند کی ہے جبکہ ظاہر ہوگا۔

اس اعتراض میں اس قدر غلو کیا ہے کہ مولوی سید عیسیٰ صاحب کے استاد پر طنزاً صد آفرین و تحسین کی ہے کہ انھوں نے آپ کو لغت و صیغہ دانی میں ایسا چالاک کر دیا ہے کہ "یُبَیِّدُ" اور "یبید و" میں کچھ فرق نہیں جانتے کہ مزید کو مجرد اور اور اجوف کو ناقص سمجھتے ہیں۔

مولف صاحب ہدیہ شائد نہیں جانتے ہیں کہ حضرت مولوی سید عیسیٰ صاحب کے استاد جناب قاضی ارتضا علی خاں صاحب رئیس مدراس ہیں کہ حضرت کو بہت کچھ سواد و مواد قاضی صاحب ممدوح ہی سے حاصل ہوا ہے لہذا یہ سب طنز و تشنیع قاضی صاحب کی خدمت میں مولف صاحب ہدیہ کی طرف سے ارمغاں ہے۔

لغت وصیغہ دانی کی تحقیق یہ ہے کہ مولف ہدیہ خود مجرد کو مزید سمجھنے کی غلطی میں مبتلا ہیں اور "الٹے چور کو توال ڈانٹے" کی طرح مولوی سید عیسیٰ صاحب پر غلط الزام دیر ہے ہیں یہ "بَادَ" "یَبِیْدُ" بمعنی "ذھب یذھب" اوانقطع ینقطع ہے چنانچہ قاموس میں ہے بَادَ یَبِیْدُ بَوْداً وَبِیْداً وبَیَاداً وبُوداً وبُیُوْداً وَبَیْدُوْدَةً ذھب وانقطع (قاموس)

مولف ہدیہ نے اس کو "مزید فیہ" اور "آباد یُبِیْدُ سے سمجھ لیا ہے اور اس کا ترجمہ ہلاک کرنا کیا ہے جو صحیح نہیں ہے۔

امام مہدی علیہ السلام کا مولد ہند ہونا صارم ہندی سے مستفاد ہو سکتا ہے مولف ہدیہ نے اس کو یُبِید سے ماخوذ خیال کر کے طنز و استہزا کا یہ طومار باندھا ہے جو خود غلط ہے۔ اس لئے امام مہدی علیہ السلام کو تیغ ہندی کہنا اگرچہ بنا پر تشبیہ ہے لیکن اس میں حقیقت کا بھی احتمال ممکن ہے کیونکہ بعض روایتوں سے امام مہدی علیہ السلام کا مولد ہند ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ پس شیخ اکبرؒ کا یہ منقبتی شعر پیشین گوئی کو بھی محتمل ہے۔

مولف ہدیہ نے تمثیل کے طور پر قصیدۂ بردہ کا جو شعر

"اِنَّ الرسول لنور لیستضاء به
مُھَنَّد من سیوف اللہ مسلول"

پیش کیا ہے وہ اس موقع کے ٹھیک موافق نہیں ہے کیونکہ حضرت رسول اللہ صلعم کی جناب اقدس میں جو مہند عرض کیا گیا ہے وہاں بجز استعارہ یا تشبیہ کے پیشین گوئی کا کوئی احتمال نہیں ہے لیکن فتوحات کا یہ شعر مجاز و حقیقت دونوں کو محتمل ہے۔ وہاں مہنّد کا لفظ ہے جو کثرتِ استعمال سے مطلق تلوار کے معنی میں رائج و مستعمل ہو گیا ہے اور اس کا اصلی معنی اور ہند کا مفہوم چنداں ملحوظ نہیں رہا ہے بلکہ مہند من سیوف اللہ گویا سیف من سیوف اللہ کا معنی دے رہا ہے۔ اور یہاں "صارم ھندی" کے الفاظ ہیں جن سے ہند کا مفہوم اور ہند کی طرف نسبت ثابت و متحقق ہے۔ اور ان دونوں میں جو فرق ہے وہ معنی فہم اصحاب سے مخفی نہیں ہے۔ غرض مولوی سید عیسیٰ عالم میاں صاحب نے اگر یہ توجیہ کی ہے تو بعید از قیاس نہیں ہے۔

مولف صاحب ہدیہ اسی قسم کی لاطائل مباحث میں اپنا اور ہمارا بہت سا وقت ضائع کرنے کے بعد انھی تحریفات کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کے نتیجہ کے طور پر لکھے ہیں کہ

> "پس ان تحریفات کے نقل کرنے سے دو مقدمے محقق ہوئے مقدمہ اول دروغ گوئی میاں خوندمیر کی خصوصاً تحریف دوم میں کہ سراسر جھوٹ لکھا کہ صاحب فتوحات کہتے ہیں کہ مہدی مشابہ رسول خدا کے ہونگے خلق بفتم الخا میں حالانکہ صاحب فتوحات کہتے ہیں کہ خلق بضم الخا میں کم ہوونگے۔ اور اسی طرح تحریف پنجم میں "یاتیہ الرجال" کا لفظ اپنے دل سے بناکر صاحب فتوحات کی طرف نسبت کردیا الخ

مولف صاحب ہدیہ نے فتوحات کی عبارت میں جو بارہ تحریفیں گنائی تھیں ان میں سے یہ دو تحریفات گویا ان کے خیال میں بہت اہم ہیں اور ان پر جو اعتراض کیا گیا ہے وہ زیادہ صحیح سمجھ رہے ہیں اسی لئے اس موقع پر انھوں نے خاص طور پر ان کا پھر اعادہ کیا ہے۔ لیکن یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہی دو تحریفیں ان کے نزدیک اہم ہیں اور باقی دوسری غیر اہم تھیں تو انھوں نے ان کا ذکر بے فائدہ کیوں کیا؟ اور اگر مذکورہ سب اعتراضاتِ تحریف بھی اہم تھے تو اس موقع پر صرف انھی دو کے اعادہ کی کیا وجہ ہے؟

دلیل ہشتم جو بزعم مولف ہدیہ تحریفات سے متعلق ہے اس کی جوابی تقریر کی تمہید میں ہم نے تفصیلی بحث کی ہے کہ یہ اعتراضات کئی وجوہ سے مہمل اور غلط ہیں مثلاً ہدیہ کا باب سوم تو دلائل اثبات مذہب سے مخصوص ہے اور مستقل دلائل یا اصل بنائے دین و مذہب کتاب اللہ وسنت رسول اللہ ہیں۔ صاحب فتوحات وغیرہ علمائے اسلام کے ایسے اقوال مستقل دلائل مذہب نہیں ہیں۔ یہ زیادہ سے زیادہ اصل دلائل کی توضیحات یا ضمنی وجوہ تائید ہو سکتے ہیں بشرطیکہ وہ اصل کے صریح خلاف نہ ہوں۔ اگر یہ توضیحات یا ضمنی وجوہ تائید سرے سے حذف ہی کر دی جائیں تو اصل مذہب پر تب بھی کوئی اثر نہیں پڑ سکتا تو ان کے الفاظ وعبارت میں کچھ تغیر و تبدل ہونا فرض بھی کر لیا جائے تو اس سے اصل دلائل کسی طرح متاثر نہیں ہو سکتے پھر اس قسم کے مباحث سے ہدیہ کے باب سوم کو کیا تعلق ہے۔

مکتوب ملتانی کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مصنف مکتوب ملتانیؒ کا اصل مقصد ان روایتوں کا بیان کرنا ہے جو فتوحات میں نقل کی گئی ہیں اسی لئے صاحب فتوحات کے ذاتی اقوال کی بہ نسبت مضمون روایات کی مطابقت زیادہ تر ملحوظ رہی ہے اور یہ تحریف نہیں ہے۔

فتوحات کے نسخوں میں بھی باہم اختلاف الفاظ وعبارت پایا جاتا ہے ایسی صورت میں الفاظ وعبارت کی کمی و بیشی کی وجہ خود نسخہ ہائے فتوحات کا مختلف ہونا ممکن ہے۔ اس کو تحریف سمجھنا یا کہنا غلطی ہے۔

بعض موقعوں پر اقتباس وتلخیص یا تضمین کی صورت ہے اور اقتباس وتلخیص یا تضمین میں عبارت لفظاً لفظاً نقل کرنا ضروری نہیں ہوتا بلکہ غیر مقصود بہ الفاظ وعبارت کا چھوڑ دینا اور صرف مقصود بہ مضامین کو اپنے الفاظ وعبارت میں بیان کرنا جائز ہے اس کو کبھی تحریف نہیں کہہ سکتے۔

مولف صاحب ہدیہ سے بھی مکتوب ملتانی اور فتوحات کی عبارت نقل کرنے میں ایسی ہی کمی و بیشی اور تغیر و تبدیل سرزد ہوا ہے جس کو انھوں نے تحریف کہا ہے۔ پس مولف صاحب کا خود کو اول تحریف کنندہ ماننا یا یہ جواب دینا ضروری ہے کہ ایسا تصرف کیوں تحریف نہیں ہے جبکہ مکتوب ملتانی میں تحریف سمجھا جا رہا ہے۔

شیخ عبدالوہاب شعرانی رح نے اپنی کتاب "الیواقیت والجواہر" میں جس کا خاص موضوع بحث فتوحات حضرت شیخ ابن عربی رح پر ان کے معاندین نے جو اعتراضات کئے ہیں ان اعتراضات کا دفع کرنا ہے۔ معترضین کے اعتراضات دفع کرنے یا ان کے اقوال کی توجیہ حسن کرنے یا کسی قول کی تائید و مطابقت کرنے کے لئے فتوحات کی جو عبارتیں جابجا نقل کی ہیں ان عبارتوں کا اکثر حصہ مکتوب ملتانی میں بیان کردہ عبارتوں کے ٹھیک مطابق ہے۔ پس "الیواقیت والجواہر" میں نقل کردہ عبارتوں کی جو توجیہ کیجائیگی وہی توجیہ مکتوب ملتانی میں نقل کردہ حصوں کی بھی ہوسکتی ہے۔ یا نہیں تو علامہ شعرانی رح پر بھی وہی اعتراضات تحریف و دروغ گوئی وغیرہ عائد کرنا ہوگا جو مولف ہدیہ نے بزعم فاسد حضرت مصنف مکتوب ملتانی رح کی جناب اقدس میں کئے ہیں۔

خود فتوحات کے باب (۳۶۶) کے مندرجہ مضامین کو غور سے دیکھا جائے تو اس میں یا تو صاحب فتوحات حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رح کے ذاتی اقوال ہیں یا بعض حدیثوں اور روایتوں کی تلخیص و تضمین یا اقتباس ہے کہ کہیں احادیث کا مضمون مقدم و موخر کردیا گیا ہے کہیں کسی روایت کا کچھ حصہ درج کیا گیا اور بقیہ مضامین چھوڑ دئے گئے ہیں۔ کہیں کسی روایت کے ساتھ دوسری حدیث کا مضمون اضافہ کردیا گیا ہے۔ غرض جو صورتیں مکتوب ملتانی رح میں فتوحات کا مضمون بیان کرنے کے متعلق تحریفات سمجھی اور بیان کی گئی ہیں وہ سب صورتیں بلکہ ان سے بھی کہیں زیادہ فتوحات میں حدیثوں اور روایتوں کا مضمون بیان کرنے میں پائی جاتی ہیں۔ اگر بقول مولف ہدیہ اس طرح کے اقتباس و تلخیص یا تضمین کو تحریف قرار دیا جائے تو سب سے پہلے صاحب فتوحات شیخ ابن عربی رح پر احادیث کی تحریف کا الزام عائد کرنا ہوگا کیونکہ فتوحات کی عبارت میں تحریف کرنے سے احادیث رسول اللہ صلعم میں تحریف کرنا تو بدرجہا بدتر ہے۔

غرض یہاں ان تمام مباحث کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے ناظرین کرام وہاں ان کا مطالعہ کرسکتے ہیں۔ پس جب تک مولف صاحب ہدیہ ان وجوہ کی جواب دہی نہ کریں ان کے وہ اعتراضات تحریف وارد وہی نہیں ہوسکتے خصوصاً

تحریف دوم و تحریفِ پنجم کا اعتراض تو دوسرے اعتراضات کے مقابل زیادہ بدیہی البطلان ہے۔ چونکہ ان دو کو مولف صاحب ہدیہ نے زیادہ اہم سمجھکر خاص طور پر یہاں مکرر ذکر کیا ہے اس لیئے اُن کے جوابات کا خلاصہ یہاں دوبارہ درج کیا جاتا ہے۔

مولف صاحب ہدیہ نے جس کو تحریف دوم سمجھا ہے وہ "یشبہ رسول اللہ فی الخلق بضم الخاء" ہے۔ لیکن اس اعتراض کو صحیح تسلیم کرنے سے صاحب فتوحات کا یہ قول خود اُنھی کے دوسرے اقوال کے مخالف ہونا بلکہ احادیث رسول اللہؐ کے بھی خلاف ہونا لازم آتا ہے۔

امر اول کا بیان یہ ہے کہ فتوحات ہی میں پندرھویں سوال کے تحت لکھا ہے

ان الدنیا لما کان لها بدء ونهایة وهو ختمها قضی الله سبحانه ان یکون جمیع ما فیها یجب لغتها له بدء وختام فختم الله هذا التنزیل بشرع محمد صلی الله علیه وسلم فکان خاتم النبین وختم الولایة العامة بعیسیٰ واستحق ان یکون لولایته الخاصة ختم یواطی اسمه ویحوز خلقه۔

جبکہ دنیا کی ابتدا و انتہا ہے کہ اس کا وہی ختم ہے اللہ سبحانہ کی یہ قضا جاری ہوئی کہ دنیا میں جو کچھ بھی ہے اس کے لئے بھی ابتدا و انتہا ہو پس اس لئے تنزیل آسمانی کو شریعت محمدی پر ختم کیا اور محمد صلعم خاتم النبین ہوے اور ولایت عامہ کو عیسیٰؑ پر ختم کیا پس ولایت خاصہ محمدیہ کے لئے بھی ایک خاتم ہونا چاہیے جس کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے مطابق ہو اور وہ آنحضرت کے اخلاق کا جامع ہو

اس سے خاتمِ ولایتِ خاصہ محمدیہ کا اخلاقِ محمدی کے جامع ہونا ثابت ہے کیونکہ لغت میں "حوز" کا معنی جمع کردن و گرد آمدن ہے اور صوفیائے محققین کے نزدیک ولایتِ خاصۂ محمدیہ کے خاتم امام مہدی علیہ السلام ہی ہیں پس امام مہدی علیہ السلام مشابہ رسول اللہ فی الخلق بضم الخاء ہیں۔

مولف ہدیہ کا قول صحیح تسلیم کرنے سے صاحب فتوحات کے یہ دونوں قول ایک دوسرے کے مخالف ہوتے ہیں اور مکتوب ملتانیؒ میں جس نسخہ سے عبارت نقل کی گئی ہوگی اس کے صحیح تسلیم کرنے سے فتوحات کے ان دونوں اقوال میں تضاد

و تخالف کا پہلو دفع ہو جاتا اور دونوں میں کامل تطبیق ہو جاتی ہے۔

امر دوم یعنی یہ قول احادیث کے مخالف ہونے کا بیان یہ ہے کہ ابونعیم اور طبرانی نے حذیفہ اور ابن مسعود (رضی اللہ عنہما) سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلعم نے امام مہدی علیہ السلام کی شان میں خُلقہ خُلقی (امام مہدی علیہ السلام کے اخلاق میرے اخلاق ہوں گے) کی بشارت دی ہے۔ پس مولفِ ہدیہ نے جو کچھ لکھا ہے وہ صحیح ہو تو صاحب فتوحات کا یہ قول احادیث رسول اللہ صلعم کے صریح خلاف ہوگا۔

اگرچہ مولف ہدیہ یہاں تو امام مہدی علیہ السلام کے اخلاق محمدی میں مشابہ رسول اللہ صلعم ہونے کا انکار کر رہے اور اس کو تحریف قرار دے رہے ہیں لیکن خود انھوں نے ہدیہ کے صفحہ (۲۷۴) پر یہ اعتراف کیا ہے کہ

"حدیث میں وارد ہے کہ یشبہہ فی الخُلق یعنی امام مہدی علیہ السلام مشابہ ہوں گے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے اخلاق محمدی میں اور مشابہ نہ ہونگے بیچ شکل و صورت کے۔"

پس جب امام مہدی علیہ السلام کا اخلاق محمدی میں مشابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونا حدیث میں وارد ہے تو مکتوب ملتانیؒ میں جو لکھا ہے وہ حدیث کے عین مطابق ہوا۔ اگر فتوحات میں اس کے خلاف ہونا تسلیم کیا جائے تو صاحبِ فتوحاتؒ کا یہ قول فرمانِ رسول اللہ کے صریح خلاف ہونا لازم آئے گا اور مولفِ ہدیہ کے قول سے تو یہ حدیث رسول اللہ میں تحریف ہو جائے گی۔

اسی طرح شکل و صورت میں مشابہت و عدم مشابہت کا بیان بھی باہم متضاد ہے کیونکہ فتوحات کے اس قول سے جس کو تحریف دوم ثابت کرنے کیلئے مولفِ ہدیہ صحیح بتا رہے ہیں شکل و صورت میں مشابہت ثابت ہوتی ہے اور مولف ہدیہ کے اس قول سے جو ہدیہ کے صفحہ (۲۷۴) پر درج ہے عدم مشابہت لازم آتی ہے۔ اگرچہ ہم نے اس کی تحقیق اس کے محل پر کی ہے جس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں ہے لیکن مولف ہدیہ نے امام علیہ السلام کے حلیہ شریفہ کی جو بحث اس موقع پر چھیڑی ہے اُس کے متعلق ہم مولف صاحب ہدیہ سے پوچھتے

ہیں کہ اول آپ اس تضاد و مخالفت کا جواب دیں کہ آپ ہی کے اصول کے مطابق مکتوب ملتانیؓ میں تحریف ثابت کرنے کے لئے اختیار کیا گیا ہے آپ کا یہ قول فتوحات کے قول کی تحریف ہے؟ یا فتوحات کے قول میں حدیث رسول اللہ کی تحریف ہوگئی ہے اور دونوں صورتوں میں تحریف و دروغگوئی کے کون مورد ہیں؟

مولف صاحب ہدیہ نے جس کو تحریف پنجم بیان کیا ہے اور جس کو یہاں خاص طور پر اہمیت کے ساتھ دہرایا ہے اس کی حقیقت پہلے بیان کردی گئی ہے جو صرف اس قدر ہے کہ مکتوب ملتانی میں فتوحات کی عبارت کا اقتباس یا خلاصہ یہ لکھا ہے کہ یاتیه الرجل یمسی جاهلاً بخیلاً جبانا فیصبح اعلم الناس اکرم الناس اشجع الناس ۔ یعنی امام مہدی علیہ السلام کے پاس جاہل ۔ بخیل ۔ بزدل شخص بھی آئے گا تو آپ کی برکت صحبت سے وہ بڑا عالم اور سخی اور جوانمرد ہوجائے گا ۔

مولف ہدیہ کہتے ہیں کہ ایسا کہنا تحریف ہے بلکہ خود امام مہدی علیہ السلام (معاذ اللہ) ۔ جاہل ۔ بخیل ۔ بے جرأت ہوں گے اور اللہ تعالیٰ آپ کو ایک رات میں درست کردے گا ۔

اس کی لفظی تحقیق یہ ہے کہ لفظ " الرجل " بڑھایا ہوا دل سے بنایا ہوا نہیں ہے جیساکہ مولف صاحب ہدیہ کا خیال فاسد ہے بلکہ فتوحات کے بعض نسخوں میں بھی " یمسی الرجل " ہے اور باقی عبارت وہی ہے جو مکتوب ملتانی میں ہے ۔

علامہ عبد الوہاب شعرانی نے یواقیت و الجواہر کے مبحث (۶۵) میں فتوحات کا یہی قول اس طرح نقل کیا ہے " یمسی الرجل جاهلا وجبانا وبخیلا فیصبح عالماً شجاعاً کریماً " اس میں لفظ الرجل موجود ہے جس کا مولف ہدیہ کو انکار ہے ۔ متعدد نسخے جمع کرنا تو ہر شخص کے لئے مشکل ہے یواقیت والجواہر کو دیکھ لینا آسان ہے جس کے مصنف کا زمانہ مولف ہدیہ سے قریباً تین سو سال قبل اور صاحب فتوحات سے بھی قریباً اتنے ہی سو سال قریب کا ہے اور جن کو تحقیقات کے موقعے مولف ہدیہ کی بہ نسبت بہت زیادہ حاصل تھے اس لحاظ سے ان کا نقل کلام مولف ہدیہ کے نقل کلام سے زیادہ صحیح اور قابل وثوق ہوسکتا ہے اگر کسی کو یواقیت والجواہر کا بھی نسخہ دستیاب نہ ہو جو خیلے کمیاب ہے تو اس

محرر اوراق کے نزدیک موجود ہے جو چاہیں مطالعہ کر کے ہمارے بیان کی صحت کا قطع ویقین حاصل اور شکوک وشبہات زائل کر سکتے ہیں۔

پس یہ صورت نسخہائے فتوحات کے اختلاف کی ہوگی کہ جو نسخہ حضرت مصنف مکتوب ملتانی رضی اللہ عنہ اور علامہ عبدالوہاب شعرانی کے زیر مطالعہ تھا اس میں یہی الفاظ ہوں گے اور مولف ہدیہ نے جو نسخہ دیکھا اس میں ممکن ہے کہ یہ لفظ "الرجل" نہ ہو۔ اس کو اس شد و مد سے تحریف پر محمول کرنا صحیح نہیں ورنہ وہی تحریف و دروغگوئی کی بدزبانی و دریدہ ذہنی علامہ شعرانی پر بھی کرنا ہوگا۔

یہ صورت اقتباس وتلخیص یا تضمین کی بھی ہوسکتی ہے جس میں اس قدر کمی وبیشی جائز ہے جیسا کہ یواقیت میں فتوحات کا قول نقل کرتے ہیں اور خود فتوحات احادیث کا مضمون بیان کرنے میں پائی جاتی ہے اور اس کو تحریف نہیں کہا جاتا۔

اس کی معنوی تحقیق کے بھی کئی پہلو قابل غور و تامل ہیں جن کو نظر انداز کر جانے سے تضاد وتخالف کی بہت سی صورتیں لازم آتی ہیں اور مولف ہدیہ نے بھی یہی بنیادی غلطی کی ہے۔

مکتوب ملتانی کی مندرجہ عبارت اور مولف ہدیہ کے بیان میں یہ فرق ہے کہ مکتوب ملتانی اور "یواقیت والجواہر" کا مندرجہ مضمون فطرت انسانی۔ تجربہ۔ مذہبی تاریخ کے بیشمار شواہد کے عین مطابق ہے کہ برگزیدہ نفوس فضائل۔ نیکیوں۔ خوبیوں سے خود آراستہ ہوتے ہیں اور ان کے فیضان تعلیم و برکت صحبت سے دوسرے انسانوں کی اصلاح ہوتی ہے۔ حضرت پیغمبر اسلام صلعم کے حالات اس کی سب سے زیادہ روشن مثال ہیں کہ حضرت کے فیضان سے اہل عرب جو صفات ذمیمہ سے متصف تھے وہی اوصاف حسنہ سے کیسے آراستہ ہوگئے۔ پس امام مہدی علیہ السلام کے زمانہ میں بھی یہی ہونے کی خبر دی گئی ہے۔

مولف ہدیہ کا بیان کردہ مطلب ارشاد و ہدایت کے اس عام اصول کے خلاف ہے کہ وہ برگزیدہ نفوس جو خلافت الہی کی خلعت سے سرفراز ہوتے ہیں ان میں عموماً شروع ہی سے مافوق العادت صلاحیتیں اور خصوصیتیں موجود ہوتی ہیں

اور وہ ابتداہی سے بُری صفتوں اور رذائل اخلاق سے محفوظ رہتے ہیں۔ حضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اس کی بھی روشن مثال ہیں کہ حضرت کی ذات اقدس طفولیت۔ عنفوان شباب غرضکہ بعثت سے پہلے کے ہر زمانہ میں صفات ذمیمہ سے محفوظ اور اخلاق حسنہ سے آراستہ تھی۔ امام مہدی علیہ السلام بھی بالاتفاق خلیفۃ اللہ ہیں اور تمام خلفاء اللہ کی اسی سنت جاریہ کے مطابق صفات ذمیمہ سے محفوظ اور اخلاق حسنہ سے آراستہ ہونا چاہئے۔ لیکن مولف صاحب ہدیہ کی اس توجیہ سے امام علیہ السلام کی مقدس ذات اس سنتِ جاریہ کے خلاف صفاتِ ذمیمہ سے ہونا لازم آتا ہے گویا مولف ہدیہ مہدویہ کی کاوش میں خود امام مہدی علیہ السلام ہی کی توہین جلی کر رہے ہیں۔ استغفر اللہ صاحب فتوحات علیہ الرحمہ اس امر قبیح کے کس طرح قائل ہوسکتے ہیں اور اہلِ حق بلکہ کوئی مسلمان بھی جو امام مہدی علیہ السلام کے وجود کا قائل اور آپ کی ذات اقدس حضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی موعود و مبشر ہونے کا معتقد ہے مولفِ ہدیہ کی اس بداعتقادی و بدزبانی کو کیسے روا رکھ سکتا ہے۔ مولفِ ہدیہ نے اتنا نہیں سمجھا کہ حضرت رسولِ عربی صلعم نے جس کی شان میں یقفو اثری ولایخطی" اور "خُلقہُ خُلقی" فرمایا ہے اس مقدس ذات کو ان صفاتِ ذمیمہ سے کس طرح متصف کہا جائے۔ اور جب امام مہدی علیہ السلام اخلاقِ محمدی میں حضرت پیغمبر اسلام صلعم کے مشابہ ہونا حدیث میں وارد ہے اور خود مولف ہدیہ اس کے قائل و معترف ہیں تو پھر ان بدترین صفات کی نسبت امام مہدی علیہ السلام کی طرف کرنے کی وہ کیسے جرات کر رہے ہیں۔ یا وہ جہل و بخل و جبن کو معاذ اللہ اخلاق محمدی میں داخل سمجھتے ہیں؟ پس فتوحات کے اس قول کی جو توجیہ مولف ہدیہ نے کی ہے وہ احادیث کے۔ خلفاء اللہ کی سنت جاریہ کے اور خود مولف ہدیہ کے مسلمات کے صریح خلاف ہے۔

مولف صاحب ہدیہ نے امام احمدؒ کی روایت کردہ حدیث "المہدی من اہل البیت یصلحہ اللہ فی لیلۃ" سے اپنی اس توجیہ باطل کو چسپاں کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن اصول حدیث کی رو سے اس روایت کی کما حقہ تنقید و تحقیق یا اس کے حقائق و مطالب سے بحث نہ بھی کی جائے تو تب بھی یہ تیار رہے کہ

اس حدیث کا ابتدائی حصہ یعنی امام مہدی علیہ السلام کا اہل بیت سے ہونا دوسری بہت سی احادیث سے ثابت بلکہ حد تواتر کو پہنچا ہوا ہے لیکن اس حدیث کا آخری حصہ یعنی "یصلحہ اللہ فی لیلۃ" غریب اور شاذ کی حیثیت رکھتا ہے جس کے شواہد یا مویدات پہلے حصہ کی طرح نہیں ملتے۔

اس کے قطع نظر اس حدیث کے سیاق کلام یا اس کے کسی بھی حصہ میں امام مہدی علیہ السلام کا ان صفات ذمیمہ سے قبل بعثت متصف رہنے کا کوئی ذکر یا اشارہ تک نہیں ہے۔

خود صاحب فتوحات کے جس قول میں "یصلحہ اللہ فی لیلۃ" کی روایت لکھی ہے اس میں بھی اس روایت کو امام مہدی علیہ السلام کے ان صفات ذمیمہ سے متصف ہونے کی وجہ نہیں قرار دیا گیا ہے۔ یہ مولف صاحب ہدیہ کی کج فہمی ہے کہ وہ بطورِ خود ایسا نتیجہ اخذ کر رہے ہیں جس کی تائید اصل حدیث اور خود فتوحات کے سیاقِ کلام سے نہیں ہوتی۔ بلکہ فتوحات کی اسی عبارت کے بعض حصے جو دوسری احادیث کی تلخیص یا تضمین اور حضرت امام علیہ السلام کے بعض فضائل و اوصاف کریمہ کا بیان ہیں جیسے امام علیہ السلام کا رسول اللہ کے نقشِ قدم پر چلنا۔ آپ سے خطا سرزد نہ ہونا۔ فرشتہ کا آپ کی رہنمائی کرنا۔ راہ حق میں بار اٹھانا۔ ضعیف کو قوی بنا دینا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعہ لوگوں کو برائیوں سے باز رکھنا وغیرہ ایسے موجود ہیں جن سے مولف ہدیہ کی بیان کردہ توجیہ کی صاف نفی اور دوسرے لوگوں کی آپ کے ذریعہ اصلاح ہونے کی تائید ہوتی ہے۔

مولف صاحب ہدیہ کا یہ اعتراض تحریفِ محض اس خبث باطنی یا سوءِ ظن پر مبنی ہے کہ "مہدویہ کے اعتقاد میں امام مہدی علیہ السلام مادرزاد ولی ہیں ان پر فتوحات کا یہ قول صادق نہیں آتا تھا اس لئے مکتوب ملتانی میں تحریف کر دی گئی ہے کہ یاتیہ الرجل بڑھا دیا ہے"۔ لیکن تحقیق لفظی کے تحت جو بحث ہو چکی ہے اس کے بعد یہ لفظ بڑھا دینے کا سوال ہی باقی نہیں رہتا اس سے قطع نظر مادرزاد ولی ماننے کی وجہ سے بھی یہ بدظنی اس لئے غلط ہے کہ اس مسئلہ میں مہدویہ کی تخصیص نہیں ہے تمام محققین صوفیا منصبِ ختمیت ولایتِ محمدیہ کو اور متکلمین بھی

مرتبۂ مہدیت و خلافتِ الٰہی کو مرتبۂ نبوت و رسالت کی طرح وہبی مانتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ جس کو چاہے گا عطا کرے گا ۔ کوئی کسب و اکتساب کے ذریعہ حاصل نہیں کر سکتا ۔ صاحبِ فتوحات شیخ محی الدین ابن عربی رح تو خاتم ولایت محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مادرزاد ولی ہونے ہی کے قائل نہیں بلکہ ظہور آدم علیہ السلام کے پہلے سے منصب ولایت پر فائز ہونے کے قائل ہیں چنانچہ آپ نے اپنی مشہور کتاب " فصوص الحکم " میں لکھا ہے ۔

قال صلی اللہ علیہ وسلم کنت نبیا وادم بین الماء والطین وغیرہ من الانبیاء ما کان نبیا الاحین بعث خاتم الاولیاء کان ولیاً وادم بین الماء والطین وغیرہ من الاولیاء ما کان ولیاً الا بعد تحصیل شرائط الولایۃ من الاخلاق الالٰہیہ ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں اس وقت نبی تھا جبکہ آدم ابھی پانی اور مٹی کی حالت میں تھے اور آپ کے سوا دوسرے انبیا اپنی بعثت کے وقت ہی نبی ہوئے ہیں ایسا ہی خاتم الاولیا بھی اس وقت ولی تھے جبکہ آدم ابھی پانی اور مٹی کی حالت میں تھے اور دوسرے اولیا اخلاق الٰہی سے متصف ہونے کی شرائط حاصل کرنے کے بعد ولی ہوئے ہیں ۔

اب تو مولف صاحب ہدیہ کی اُس بدظنی اور اس توجیہ کی بھی مطلق گنجائش ہی نہیں ہے کیونکہ ان کی اس غلط توجیہ کی بنا پر وہ کونسا وقت اور زمانہ ہو سکتا ہے کہ اس میں خاتم الاولیا کی ذاتِ اقدس کو اخلاق الٰہی سے معاذ اللہ عاری اور ان ذمائم اخلاق سے متصف ہونے کا تصور کیا جا سکے یا مولفِ ہدیہ کو اپنی اس غلط توجیہ کو نباہنے کے لئے نعوذ باللہ جہل وجبن کو بھی اخلاق الٰہی میں شمار کرنا ہوگا حالانکہ اہل سنت کے عقاید کے نظر کرتے اگر کوئی شخص جہل وغیرہ رذائل اخلاق کو اخلاق الٰہی میں شمار کرے تو وہ بالاتفاق کافر ہے ۔

حاصل یہ ہے کہ مولف ہدیہ نے جس کو تحریف پنجم قرار دیا ہے اور جس کو اہمیت اور خصوصیت کے ساتھ مکرر ذکر کیا ہے وہ بھی تحریف دوم کی طرح اخلاق محمدی ہی سے متعلق ہے ۔ اس کو تحریف سمجھنا اور کہنا ان تمام وجوہ سے محض باطل ہے

کیونکہ اس کو تحریف کہتے اور مولف ہدیہ کی بیان کردہ توجیہ کو صحیح تسلیم کرنے سے
خود صاحب فتوحات کے دوسرے اقوال اور احادیث رسول اللہ صلعم کی مخالفت
اور معاذ اللہ امام مہدی علیہ السلام کا صفات ذمیمہ سے متصف ہونا یا خلق
محمدی و اخلاق الہٰی میں بعض اخلاق رذائل شامل ہو جانا لازم آتا ہے۔ پس امام
مہدئ موعود علیہ السلام کا ابتدا ہی سے ہم خلق رسول اللہ ہونا امر ثابت و متحقق ہے۔
کسی نے سچ کہا ہے ؎

شجاعت میں، کرم میں، عدل میں، صورت میں، سیرت میں
امام آخریں ہے امثل اپنے جد امجد کا

مولف صاحب ہدیہ اپنی خیالی تحریفات کا ذکر کرنے کے بعد حضرت
صدیق ولایت مصنف مکتوب ملتانی رضی اللہ عنہ کی جناب میں یہ بد زبانی کرتے
ہیں کہ

ان کو لقب صدیق کا دینا نہایت غلط ہے کہ ابن ماجہ نے روایت کی
ہے کہ امیر المومنین علی المرتضیٰ رضؓ نے فرمایا انا عبد اللہ واخو
رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم وانا الصدیق الاکبر لا یقولها
بعدی الا کذاب الخ

اگر مولف صاحب ہدیہ کا اس سے یہ مطلب ہے کہ لفظ صدیق صرف
رت علی کرم اللہ وجہہ ہی کے لئے مخصوص و منحصر ہے دوسرے پر اس کا اطلاق درست
ہے تو ایسا سمجھنا اہل سنت کے خلاف ہے کیونکہ اہل سنت کے سلف و خلف
رت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ضرور "صدیق" مانتے آئے ہیں۔
مولف صاحب ہدیہ کا یہ متضاد بیان بھی ناظرین کرام کے لئے قابل
ہے کہ وہ دو صدیق۔ بارہ بشر۔ پانچ خلفا کی بحث میں تو حضرت رسول اللہ
اللہ علیہ وسلم کے دربار نبوت میں ایک ہی صدیق ہونا تسلیم کیا ہے۔ (دیکھو
صفحہ ۲۱) اور یہاں صدیقیت کے مفہوم کو جناب مرتضوی کرم اللہ وجہہ کیلئے
طرح مخصوص قرار دیا ہے کہ کسی دوسرے کیلئے اس کا اطلاق درست ہی نہیں۔
گر اس ایک صدیق سے ابوبکر رضؓ مراد نہیں تو جناب مرتضوی کے لئے اس کا انحصار

توکجا بلکہ اس لفظِ صدیق کا اطلاق بھی صحیح نہ ہونا چاہیئے کیونکہ بقولِ مولفِ ہدیہ دربارِ نبوت میں ایک ہی صدیق ہیں دو نہیں ہیں۔ اور اگر اس ایک صدیق سے جناب مرتضوی ہی مراد ہیں تو پھر اہلِ سنت کا ابو بکر صدیق کو "صدیق" کا لقب دینا کذب ہوگا۔

اس الزامی تقریر کے علاوہ جس کی جوابدہی کے مولف ہدیہ ذمہ دار ہیں اس مسئلہ کی تحقیق یہ ہے کہ از روے لغت صدیق مادہٗ صدق سے اسم مبالغہ ہے یعنی وہ شخص جو کثیر الصدق یا صداقت و تصدیق میں اعلیٰ درجہ پر فائز ہو۔

آیتِ قرانی سے بھی صدیق کا مفہوم اور مصداق عام ہونا ثابت ہوتا ہے چنانچہ قرآن شریف ناطق ہے۔

والذین اٰمنوا باللہ ورسلہ اولٰئک ھم الصدیقون۔

جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں وہی صدیق ہیں۔

تفسیر کبیر میں امام فخر الدین رازیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے۔

وفی ھٰذہ الاٰیۃ قولان احدھما ان الاٰیۃ عامۃ فی کل امن باللہ و رسلہ وھو مذھب مجاھد قال کل من امن باللہ ورسلہ فھو صدیق ثم قرء ھٰذہ الاٰیۃ ویدل علی ھٰذا ما روی عن ابن عباسؓ فی قولہ ھم الصدیقون ای الموحدون۔ الثانی ان الاٰیۃ خاصۃ وھو قول المقاتل ان الصدیقین ھم الذین اٰمنوا بالرسل حین ابوھم ولم یکذبوھم ساعۃ قط۔

اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں ایک یہ کہ آیت ہر اس شخص کے لئے عام ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا ہو یہ مجاہد کا قول ہے وہ یہی کہتے ہیں کہ ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا ہو وہ صدیق ہے پھر مجاہد نے اپنے قول کی تائید میں یہی آیت تلاوت کی۔ ابن عباس کی روایت بھی اسی پر دلالت کرتی ہے کہ آپ نے ھم الصدیقون کے معنی موحدون کئے ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ آیت خاص ہے یعنی صدیقین وہ لوگ ہیں جو اللہ کے رسولوں کو ایک ساعت جھٹلائے بغیر ایسے وقت ان پر ایمان لائے ہیں جبکہ لوگ انھیں جھٹلا رہے تھے۔

خود شیخ اکبرؒ نے بھی جن کے اقوال میں تحریفات کا افترا کر کے مولف ہدیہ

صدیقیت کی نفی کر رہے ہیں صدیقیت کی حقیقت یہی بیان کی ہے کہ پیغمبروں کے سارے احکام واخبار پر ایمان لانا اور ان کی تصدیق کرنا صدیقیت ہے چنانچہ علامہ شعرانی نے یواقیت کے (۴۳ھ) مبحث میں "لواقح الانوار" سے شیخ اکبر کا یہ قول نقل کیا ہے

فان قلت فما حقیقۃ الصدیقیۃ فالجواب کما قالہ الشیخ فی کتاب لواقح الانوار ان الصدیقیۃ عبارۃ عن ایمان صاحبہا بجمیع ما اخبر بہ ما اخبر بہ الرسل فتصدیقہ لذلک ھو صدیقیۃ

اگر تم کہیں کہ صدیقیت کی کیا حقیقت ہے تو اس کا جواب وہی ہے جو شیخ نے لواقح الانوار میں کہا ہے کہ پیغمبروں کے تمام احکام واخبار کی تصدیق کرنا ہی صدیقیت ہے۔

پس مجاہدؒ۔ ابن عباسؓ۔ صاحب فتوحاتؒ کے قول سے ہر مومن موحد جو اللہ کے رسولوں پر یا خلفاء اللہ کے تمام احکام واخبار پر ایمان لایا ہو وہ صدیق ہے۔ قول ثانی کے نظر کرتے بھی صدیقیت کا انحصار نہیں ثابت ہوتا بلکہ وہ تمام مومنین بھی صدیق ہیں جو خلفاء اللہ کی ایک ساعت بھی تکذیب کئے بغیر ایسے وقت میں ان پر ایمان لائے ہیں جبکہ دوسرے لوگ ان کو جھٹلا رہے تھے۔ جیسے آل یاسین یا مومن آل فرعون وغیرہ۔ دین اسلام میں آٹھ صحابہ رسول اللہ اسی صفت سے متصف گئے جاتے ہیں مثلاً ابوبکر صدیق۔ علی کرم اللہ وجہہ۔ عثمان۔ طلحہ۔ زبیر۔ حمزہ۔ زید۔ سعد رضی اللہ عنہم نویں عمر رضؓ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی صدق نیت کی وجہ انھیں میں شامل فرما دیا ہے یہ بھی تفسیر کبیر کا خلاصہ ہے۔

پس امیر المومنین علی کرم اللہ وجہ کے اس فرمان کی یہ توجیہ ہو گی کہ حضرت ان سب کے بعد شہید ہوئے ہیں اس لئے یہ فرمایا ہے کہ میرے بعد جناب رسالتمآب کا کوئی صدیق نہیں ہے۔ یا ممکن ہے کہ اس سے مطلق صدیقیت کا نہیں بلکہ صدیقیت کبریٰ کا انحصار مراد ہو۔ چنانچہ آپ کے فرمانے "انا الصدیق الاکبر" سے خود خصوصیت اور انحصار متبادر ہے۔ یا ان امور ثلثہ (یعنی عبدیت خاصہ۔ اخوۃ رسول اللہ صلعم۔ صدیقیت کبریٰ) کا جمع نہیں ہوسکتیں۔ ان توجیہات حسن سے روگردانی کرکے اس فرمان مرتضوی کا مطلب ومنشا مطلق صدیق کی نفی سمجھی جائے کہ حضرت کے بعد

مولف ہدیہ کے انداز بیان سے متبادر ہو رہا ہے مفہوم آیت کے صریح خلاف ہوگا اور اہل سنت کے اصول پر یہ فرمان آیت کے مقابل مرجوح ہو جائے گا اور اعتقاد اسی عمومیت پر رکھنا ہوگا جو آیت قرآنی سے ثابت ہے۔

مولف صاحب ہدیہ نے حضرت بندگی میاں سید خوندمیرؓ کو صدیق ولایت کہنے اور علی کرم اللہ وجہہ کے اس فرمان میں شائد تضاد سمجھا ہے اور یہی ثابت کرنا چاہا ہے جو محض غلط ہے کیونکہ تضاد کے لئے اتحادِ وقت واتحادِ محل شرط ہے اور یہاں یہ صورت ہی نہیں ہے اس لئے کہ بفرض صحت جنابِ مرتضوی نے حضرت رسول اللہ (صلعم) کے صدیق اکبر ہونے کا دعویٰ فرمایا ہے اور یہاں اس واقعہ سے آٹھ نو سو سال کے بعد امام مہدیٔ موعود علیہ السلام کی اسی طرح تصدیق کرنے سے جس طرح کہ جنابِ مرتضوی نے رسول اللہ (صلعم) کی کی تھی صدیق ولایت لقب پایا ہے نہ وقت متحد ہے نہ محل۔ بلکہ اہل سنت کے مسلمہ اصول پر یہ "اطلاق الشئ علیٰ مایشابھہ فی اکثر خواصہ وصفاتہ جائز حسن" کی صورت ہے۔ کیونکہ جس نے آنکھ میں آنکھ ملتے ہی امام مہدیٔ موعود علیہ السلام کی تصدیق کرلی ہو آپ کے تمام احکام پر ایمان لایا ہو دم بھر بھی خلیفۃ اللہ کو نہ جھٹلایا ہو اس کے صدیق ہونے میں کیا شک ہے۔

اگر مولف صاحبِ ہدیہ کے نزدیک وقت ومحل متحد نہ ہونے کے باوجود پھر بھی صدیق کا اطلاق درست نہیں اور اس سے تضاد لازم آجاتا ہے تو پھر جہاں جہاں بھی ایسا ہوا ہے ان سب صورتوں میں یہی حکم تضاد عائد کرنا ہوگا۔ چونکہ اس موقع پر شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال سے بحث ہو رہی ہے لہذا آپ ہی کا ایک قول تمثیلاً پیش کیا جاتا ہے۔ علامہ شعرانی نے یواقیت کے پینتالیسویں مبحث میں شیخؒ کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ شیخ فرماتے ہیں کہ میں نے خضر علیہ السلام سے پوچھا کہ امام شافعی کا کیا مقام ہے تو جواب دیا من الاوتاد الاربعۃ (وہ چار اوتاد میں سے ایک ہے) پھر میں نے پوچھا امام احمد کا کیا مقام ہے تو فرمایا

عہ کسی چیز کے نام کا اطلاق دوسری چیز پر کرنا جو پہلی چیز سے اکثر خواص وصفات میں مشابہ ہو جائز اور حسن ہے ۱۲

ھوصدیق واطال فی ذالک (وہ صدیق ہے اور اس کی نسبت زیادہ کہا)۔

پس اگر مطلقاً کسی کو بھی صدیق کہنا کذب سمجھا جائے تو شیخ اکبرؒ اور حضرت کو معاذ اللہ کذاب ٹھہرانا ہوگا۔

اس کے قطع نظر صدیق کی خصوصیت کیوں؟ قیامت تک کسی کا نام یا لقب عبداللہ بھی نہ ہونا چاہئے کیونکہ جناب مرتضوی نے جس طرح انا لصدیق الاکبر فرمایا ہے اسی طرح انا عبداللہ بھی فرمایا ہے اور لا یقولھا بعدی الا الکذاب جیسا صدیق کو شامل ہے ایسا ہی عبداللہ کو بھی شامل ہے پس جن اولیاء اللہ اور بزرگان دین کا نام عبداللہ ہوا ہے ان سب کو بھی مولف ہدیہ کذاب ٹھہرانے کی جرأت کریں۔

اس بحث کے آخر میں بھی مولف ہدیہ نے اور چند غلط قیاسات قائم کر لئے ہیں کہ "مہدویہ صدیق ولایت کو صدیق نبوت سے یا عیسیٰ علیہ السلام سے بھی افضل جانتے ہوں گے"۔ یہ ان کی محض خیال آفرینی ہے حالانکہ اس طرح کا تقابل زیر بحث ہی نہیں ہے بلکہ ہر ایک بجائے خود ہے۔ مولف ہدیہ نے اس کا کوئی ثبوت بھی پیش نہیں کیا ہے بلکہ انھیں اس کا خود یقین و وثوق نہ ہونا انھی کی عبارت سے ظاہر ہے چنانچہ خود لکھتے ہیں کہ "جانتے ہوں گے"۔

مولف صاحب ہدیہ نے اپنے خیال باطل میں مقدمۂ دوم یہ سمجھا اور بیان کیا ہے

مقدمۂ دوم بطلان مہدویت کے مہدی ادعائی کے اس واسطے کہ

شیخ اکبر کے کلام سے جا بجا ثابت ہوا کہ یہ مہدی نہیں ہیں اور ان کے مہدی نے کہا ہے کہ

شیخ اکبر نے جو کچھ لکھا ہے اول لوح محفوظ پر نظر کر کے تحریر کیا ہے اگر یہ بشارت صحیح ہے تو یہ لوح محفوظ میں مہدی نہیں ہیں اور اگر غلط ہے تو جب بھی مہدی نہیں ہیں کہ مہدی غلط گو نہیں ہوتے ہیں کہ لا یخطی بالاتفاق مہدی کی شان ہے یعنی خطا نہ کرے گا۔

ناظرین کرام پر واضح ہو کہ مولف صاحب ہدیہ نے اپنے خیال فاسد میں اس بحث کو مسئلۂ نبوت مہدیت میں ایک طرح کا شبہ پیدا کرتا سمجھ لیا ہے اور اس کو ہدیہ میں کئی جگہ ذکر کیا ہے۔ اسی سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے جو شبہات پیش کئے ہیں

وہ کس پایہ کے ہیں اور علما کی شان سے کس قدر بعید ہیں۔ اس کا بیان یہ ہے کہ امامنا علیہ السلام کے جس منقبتی فرمان کو مولف ہدیہ نے اپنے اس دعویٰ باطل کی بنا قرار دیا ہے اولاً اس فرمان کی نوعیت کو اور ثانیاً اس کی مراد و منشا کو نہیں سمجھا ہے ثالثاً اس کے نقل کرنے میں ایک نوع کی دزدی و بد دیانتی بھی کی ہے۔ رابعاً جو رائے قایم کی ہے وہ خود اہل سنت کے اصول کے معارض و مخالف بھی ہے۔ خامساً اس فرمان کا جو معنی اور مطلب سمجھا اور بیان کیا ہے اُس سے شیخ اکبرؒ کی تعریف و منقبت یا خصوصیت اصلاً مستفاد نہیں ہوتی۔

اس فرمان کی نوعیت اور اس کے منشاء و مراد کی تحقیق سے اس بحث کی حقیقت ظاہر ہوسکتی ہے۔ اس فرمان کی نوعیت منقبتی فرامین کی ہے مناقب و فضائل کا وسیع اور گویا ناپیدا کنار سمندر حضرت افضل الانبیا والمرسلین (صلعم) کی احادیث میں موجود ہے کہ حضرت نے متعدد انبیاء مرسلین میں سے کسی کے کچھ مناقب و فضائل بیان فرمائے ہیں اور کسی کے کچھ۔ اسی طرح صحابہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) میں سے ہر ایک کی قابلیت یا خصوصیت کے نظر کرتے مختلف منقبتیں ارشاد ہوی ہیں جن میں سے بعض ایسی ہیں جو دوسروں کے لئے نہیں پائی جاتیں۔ بلکہ ایسے لوگوں کی نسبت بھی جو صحابہ میں داخل نہیں ہیں بعض ایسی منقبتیں ملتی ہیں جو صحابہ کے حق میں نہیں ملتیں۔

ایسا ہی فضائل اعمال کا بھی ایک وسیع باب احادیث میں موجود ہے کہ کسی عمل کی جو فضیلت بیان فرمائی گئی وہ ایسی بڑھی چڑھی ہے کہ اس کے نظر کرتے دوسرے اعمال ہیچ معلوم ہوتے ہیں۔ پھر ان اعمال کے فضائل کی بھی یہی کیفیت معلوم ہوتی ہے لیکن اہل سنت کے اصول پر ہر وہ منقبت و فضیلت جو صحیح ذرائع سے مروی ہوئی ہو اس کی صحت کا اعتقاد رکھنا ضروری اور ہر منقبت و فضیلت بجائے خود ہونا صحیح ہے مگر ان مناقب و فضائل کی بنا پر ان سے ایسے احکام و نتایج نہیں اخذ کئے جاتے جن سے کسی اصولِ مسلمہ کا خلاف و بطلان لازم آئے چنانچہ اس کا کسی قدر بیان باب اول میں اصطلاح منزلت و مقام کی تحقیق کے تحت ہوا ہے یہاں بھی اس مسئلہ کی کسی قدر اور توضیح کر دی جاتی ہے مثلاً حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت یونس علیہ السلام کی منقبت میں فرمایا ہے کہ

لا ینبغی لاحد ان یقول انا افضل من یونس بن متیٰؑ (مسلم)	کسی شخص کو یہ نہ کہنا چاہئے کہ میں یونس بن متّیٰ سے افضل ہوں۔

ایسا ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مناقب میں فرمایا ہے۔

لاتخیرونی علیٰ موسیٰ الحدیث (مسلم)	مجھے موسیٰؑ پر ترجیح نہ دو

لیکن اس قسم کی منقبتوں سے حضرت رسول اللہ (صلعم) تمام انبیاء و مرسلین سے افضل نہ ہونے یا موسیٰ علیہ السلام اور یونس علیہ السلام کو چھوڑ کر دوسرے انبیاء سے افضل ہونے کے احکام و نتائج نہیں نکالے جاتے کیونکہ ایسی منقبتیں بعض فضل جزی یا تواضع ہیں اور ان سے حضرت سرورِ کائنات (صلعم) کی فضیلت کے اصولِ مسلمہ کی نفی نہیں ہوتی۔

اسی طرح صحابۂ کرام (رضی اللہ عنہم) کی نسبت جو منقبتیں بیان ہوئی ہیں ان میں بہت سی ایسی ہیں جو دوسرے کے لئے نہیں پائی جاتیں اس کی ایک مثال یہ ہے کہ "مواہب لدنیہ" میں لکھا ہے۔

وحذیفۃ ابن الیمان من السابقین صح فی مسلم انہ صلی اللہ علیہ وسلم اعلمہ بما کان وما یکون الیٰ ان تقوم الساعۃ۔	حذیفہ ابن الیمان سابقین اولین سے ہیں۔ مسلم میں یہ صحیح روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جو کچھ ہوا اور قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے وہ سب معلوم کر دئے ہیں۔

لیکن اس منقبت سے اہل سنت کے اصول پر حذیفہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت دوسرے تمام صحابہ پر یا آپکا اپنی اخبار میں معصوم عن الخطا ہونیکا نتیجہ نہیں اخذ کیا جائے گا۔

پس اسی طرح لوح محفوظ کی منقبت سے شیخ اکبر رح کا ہر قول صحیح یا آپکے معصوم عن الخطا ہونے کا نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا اور شیخ اکبر کے اقوال صحتِ مہدویت کے موقوف علیہ نہیں قرار دئے جاسکتے جس کی کسی قدر تفصیل بعد میں آئے گی مولف صاحب ہدیہ نے پہلی غلطی یہی کی ہے کہ ایک ایسے فرمان سے جو مناقب و فضائل سے متعلق ہے خود اہل سنت کے اصول کے خلاف ایسے احکام و نتائج اخذ کئے ہیں جن سے قرآن و احادیث کے عوض شیخ اکبر رح کے اقوال امام مہدی علیہ السلام کی صداقت جانچنے کا معیار ہونا

لازم آتا ہے جو کئی اصول مسلمہ کے خلاف ہے ۔

اس فرمان کے حقیقی منشا و مقصد کے سمجھنے میں مولف ہدیہ نے یہ غلطی کی ہے کہ شان نزول کے لحاظ سے یہ فرمان جو بعض مسائل حقایق و معارف سے مخصوص ہے اس کو شیخ رح کے ہر قول کے لئے عام سمجھ لیا ہے ۔ حالانکہ حضرت امامنا علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی سے یہ مروی ہے کہ حضرت نے شیخ اکبر رح کے بعض اقوال کو غلط اور خطائے اجتہادی قرار دیا ہے چنانچہ فرعون کی نجات اخروی کا مسئلہ شیخ اکبر رح کی طرف منسوب ہے اس کے متعلق حضرت امامنا علیہ السلام کا یہ فرمان بھی اسی کتاب میں موجود ہے جس سے مولف ہدیہ نے لوحِ محفوظ کی یہ منقبت نقل کی ہے حضرت نے ارشاد فرمایا ہے کہ

"ابن عربی بہ فرعون حکم نجات کردہ دراجتہاد او غلطی او فتاد"

یعنی ابن عربی نے فرعون کی نجات کا حکم کیا ہے ان کے اجتہاد میں غلطی ہوگئی ہے یہ بھی فرمایا ہے کہ

"چہ شدہ بود ابن عربی را کہ نجاتِ فرعون بیان کرد وچرا باین آیت نظر نہ کرد کہ حق تعالیٰ درحق وے می فرماید فاخذہ اللہ نکال الاخرۃ والاولیٰ"

یعنی ابن عربی کو کیا ہوگیا جو انھوں نے فرعون پر نجات کا حکم کر دیا اور حق تعالیٰ نے اس کے حق میں جو ارشاد فرمایا ہے اس کو نہیں دیکھا کہ اللہ نے اس کو دنیا و آخرت کے وبال میں گرفتار کر دیا ہے ۔

جب بعض مسائل میں ابن عربی کی رائے یا قول قرآن شریف کے صریح خلاف اور ان سے خطاء اجتہادی سرزد ہونا ظاہر فرمایا گیا ہے تو امامنا علیہ السلام کے اس فرمان سے شیخ ابن عربی کا ہر قول اور ہر کلام صحیح اور لوح محفوظ کی نقل ہونے کا امکان کہاں باقی ہے ۔

مولف صاحب ہدیہ نے نقل کلام میں یہی دزدی و بددیانتی کی ہے کہ ایک منقبتی فرمان کو جو بعض خاص مسائل سے مخصوص تھا ناظرین کو مغالطہ دینے کے لئے شیخ رح کے تمام اقوال کے لئے عام بتایا ہے اور حضرت نے شیخ کا جو تخطیہ فرمایا ہے اور اسی کتاب میں بفاصلۂ یک دو سطر موجود ہے اس کا مطلق ذکر نہیں کیا ہے ۔

اگر لوحِ محفوظ کی منقبت کا یہی معنیٰ لیا جائے کہ شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کا ہر قول اور ہر کلام صحیح و درست اور لوحِ محفوظ کی نقل ہے تو لازم آئے گا کہ شیخ نے فرعون کی نجات اخروی کے متعلق جو کچھ آیتِ قرآنی کے خلاف لکھا ہے اور جس کو امامنا علیہ السلام نے قرآن کے خلاف ہونے کا فیصلہ فرما دیا ہے وہ بھی صحیح و درست ہے۔ اس صورت میں لوحِ محفوظ والی یہ منقبتی روایت اُس صحیح و متواتر روایت کے معارض ہوگی جس سے امام علیہ السلام کی روایتوں کی صحت قرآن شریف کی موافقت پر موقوف ہونا ثابت ہے۔ پس روایتِ زیرِ بحث چونکہ امام علیہ السلام کی صحیح و متواتر روایت اور آیتِ قرآنی کی پوری مخالف ثابت ہوگی اس لئے یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ لوحِ محفوظ والی روایت حضرت امام علیہ السلام کی روایت ہی نہیں ہے روایت کرنے والوں نے اس کے سمجھنے اور بیان کرنے میں غلطی کی ہے۔[۹]

لوحِ محفوظ کی منقبت کو شیخ اکبر رح کے ہر قول اور ہر کلام کے لئے عام سمجھنا اہلِ سنت کے اصول کے بھی خلاف ہے کیونکہ یہ جبھی صحیح ہوگا جبکہ شیخ کو معصوم عن الخطا اور آپ کے ہر کلام کو مفید قطع و یقین تسلیم کیا جائے۔ حالانکہ اہلِ سنت کے نزدیک شیخ کی ذات معصوم عن الخطا نہیں ہے بلکہ علمائے متکلمین اہلِ سنت نے

۹۔ میں کہتا ہوں کہ علامہ مجیب کے اس محققانہ بیان کی توضیح یہ ہے کہ حضرت امامنا علیہ السلام نے اپنی روایتوں کی صحت کا ایک خاص اور مضبوط اصل مقرر فرمایا ہے جس کو مجیب علامہ نے کئی مرتبہ ذکر فرمایا ہے اور جس کا خلاصہ یہ ہے کہ "میری روایت کو قرآن سے مطابق کر کے دیکھو اگر مطابق ہو تو یقین کرنا ضرور ہے کہ وہ روایت مجھ سے ہے اور اگر مطابق نہ ہو تو یہ یقین کرنا ہوگا کہ وہ روایت مجھ سے نہیں ہے روایت کرنے والے نے اس میں غلطی کی ہوگی" اس اصل راسخ کی بنا پر جب روایتِ زیرِ بحث قرآن سے مطابق کی جاتی ہے تو بالکل معارض ثابت ہوتی ہے اور وہ روایت جس کو مجیب علامہ نے ذکر فرمایا ہے اور اس میں فرعون کے ناجی نہ ہونے پر استدلال کیا گیا ہے وہ قرآن شریف کے بالکل مطابق ہے یعنی فاخذہ اللّٰہ نکال الاخرۃ والاولیٰ کے پوری موافق ہے پس نتیجہ نکلے گا روایت زیرِ بحث یعنی لوحِ محفوظ کی منقبتی روایت صحیح نہیں ہے۔ پھر تو مولوی زماں خاں صاحب کا اعتراض وارد ہی نہ ہو سکے گا ۱۲، اشرف محشی کحل الجواہر۔

آپ کی تنقیص کی ہے اور آپ کے خلاف جو فتوے لکھے ہیں ان سے قطع نظر بھی کرلیا جائے تو اہل سنت کے اصول پر غیر معصوم کا کشف و الہام غیر قطعی ہی ہوتا ہے۔

خود شیخ کو بھی اپنی معصومیت کا دعوی نہیں ہے بلکہ آپ کو یہ اعتراف ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص مہدی علیہ السلام کے سوا آئمہ دین میں سے کسی امام کی نسبت جو حضرت کے بعد ہونے والے ہیں اپنے نقش قدم پر چلنے اور خطا نہ کرنے کی تصریح نہیں فرمائی ہے چنانچہ آپ لکھتے ہیں۔

ما نص رسول الله صلعم علی امام من ائمة الدين يكون بعده ويرثه ويقفوا اثره الا المهدی خاصة فقد شهد بعصمته فی احكامه كما شهد الدليل العقلی بعصمة رسول الله صلعم فيما يبلغه عن ربه الخ (فتوحات مکیہ جلد ثالث باب ۳۶)	حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ائمہ دین میں سے کسی امام کی نسبت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہونے والا ہے یہ تصریح نہیں فرمائی ہے کہ وہ آپ کا وارث ہوگا اور قدم بقدم آپ کی پیروی کرے گا مگر خاص مہدی کے لئے یہ صراحت فرمائی ہے۔ پس رسول اللہ صلعم نے آپ (مہدی علیہ السلام) کے لئے اپنے احکام میں معصوم ہونے کی شہادت دی ہے جیسا کہ رسول اللہ صلعم اپنے احکام میں جو آپ خدائتعالی کی طرف سے اس کے بندوں کو پہنچاتے ہیں معصوم ہونے کی دلیل عقلی گواہی دیتی ہے۔

اس سے ثابت ہے کہ معصومیت اور شارع علیہ السلام کے نقش قدم پر چلنے کی خلعت فاخرہ شارع علیہ السلام کی طرف سے امام مہدی علیہ السلام ہی کے لئے مخصوص ہے اور امام علیہ السلام کے سوا تمام امت میں آئمہ دین میں سے کوئی امام بھی معصوم عن الخطا نہ ہونے کا خود شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کو اعتراف ہے۔

محدثین اہل سنت کا یہ بھی ایک ضابطہ ہے کہ خبر مغیب میں کسی غیر معصوم حتی کہ کسی صحابی کا قول بھی جس کو حدیث موقوف کہتے ہیں اگر کسی حدیث مرفوع کے مطابق نہ ہو تو حجت نہیں ہے۔ چونکہ امام مہدی علیہ السلام کی علامات بھی بالاتفاق

خبر مغیب ہی ہیں پس ان علامات کے متعلق بھی شیخ کے وہ اقوال جن کی تائید صحیح احادیث سے نہ ہوتی ہو وہ مفید قطع ویقین اور قابل حجت نہیں ہوسکتے۔ ان اصولی مباحث کے علاوہ امام مہدی علیہ السلام کی مدت اقامت کی نسبت جو امام علیہ السلام کے بعض متعلقات اور علامات ہی کی نوعیت رکھتی ہے خود شیخ رح بیان فرماتے ہیں کہ آپ کو خود شک ہے اور آپ نے اللہ تعالیٰ سے اس کے متعلق تحقیق نہیں کی ہے چنانچہ آپ نے لکھا ہے۔

فاعلم انی علی الشك من مدة اقامة هذا المهدی اماماً فی هذه الدنیا فانی ماطلبت من الله تحقیق ذالك ولا تعینه ولا تعئین حادث من حوادث الاکوان الا ان یعلمنی الله به ابتداءً لاعن طلب ( )

یہ معلوم رہے کہ مہدی (علیہ السلام) اس دنیا میں کتنی مدت تک امام رہیں گے اس میں مجھے شک ہے اور میں نے اس کی تحقیق اور تعین اللہ تعالیٰ سے نہیں چاہا اور نہ زمانہ کے حوادثات میں سے کسی حادثہ کا تعین چاہا ہے مگر مجھے وہی معلوم ہوا جو اللہ تعالیٰ نے ابتداءً بغیر طلب کے معلوم فرمایا ہے۔

پس جبکہ اہل سنت کے نزدیک شیخ کی ذات معصوم عن الخطا نہیں ہے اور خبر مغیب میں غیر معصوم کا قول حجت نہیں ہوتا اور نہ شیخ کو اپنے معصوم ہونے کا دعوی ہے بلکہ بعض علامات میں خود کو شک ہونے اور اللہ تعالیٰ سے اس کی تحقیق نہ کرنے کا اعتراف بھی ہے تو ایسی صورت میں شیخ رح نے علاماتِ امام مہدی علیہ السلام کی نسبت ذاتی طور پر جو کچھ لکھا ہے اس کو صحتِ مہدیت کے لئے مدار وموقوف علیہ سمجھنے والے کی کم فہمی وکج فہمی کا بیّن ثبوت ہے۔

یہ تمام بحث شیخ اکبر رح کی معصومیت اور اسکے متعلقات سے متعلق تھی ورنہ شیخ رح کے تبحر علمی و محققانہ عظمت ومنزلت میں کوئی کلام نہیں آپ علوم ظاہری وباطنی میں مجتہدانہ شان اور علمائے محققین ومجتہدین کی صف میں نمایاں مقام رکھتے ہیں اور آپ کے اقوال سے اسی حد تک حجت ودلیل لی جاسکتی ہے جس طرح اور جس حد تک دوسرے علما ومجتہدین کے اقوال سے لی جاتی یا لی جاسکتی ہے۔ لیکن پھر بھی مولف ہدیہ کو اس سے انکی اپنی کج فہمی میں کوئی مدد نہیں مل سکتی کیونکہ اہلسنت کے اصول پر مجتہد کا بھی یہی حکم مسلّم ہے کہ "المجتهد قد یخطی قد یصیب" پس

اس کا بھی یہی نتیجہ برآمد ہو گا کہ شیخ اکبرؒ سے بھی خطاء اجتہادی ہو سکتی ہے اور جس طرح آیت قرآنی کے خلاف رائے قایم کرنے میں شیخؒ سے غلطی ہوئی ہے اسی طرح امام مہدی علیہ السلام کی علامات بیان کرنے میں احادیث رسول اللہ صلعم کے خلاف رائے قایم کرنے کی خطا ہونا بھی ممکن ہے۔

ان تمام وجوہ کے نظر کرتے مولف ہدیہ کی یہ خیال آفرینی کہ شیخ اکبر کے کلام سے جابجا ثابت ہوا کہ یہ مہدی نہیں ہیں کیسی عامیانہ رائے اور خود اہل سنت کے اصول کے کس قدر صریح خلاف ہے

ب ہدیہ بیان کرتے ہیں کہ

عجم اور عجمی اور عربیہ کی تحقیق۔

دلیل نہم۔ وہی میاں خوندمیر اسی مکتوب ملتانی میں اسی باب فتوحات سے نقل کرتے ہیں کہ در وصف وزرائے مہدی می گوید وهم علی اقدام رجال من الصحابة صدقوا ما عاهدوا الله وهم من الاعاجم ما فيهم عربي لكن لا يتكلمون الا بالعربية لهم حافظ ليس من جنسهم ما عصى الله قط و هو اخص الوزراء وافضل الامناء الخ[ف]۔

مولف صاحب ہدیہ کو اس کے متعلق دو اعتراض ہیں اول یہ کہ امامنا مہدی موعود علیہ السلام کے خلفا ہمیشہ گجراتی اور پوربی زبان میں بات کرتے تھے عربی زبان نہیں کرتے تھے۔ دوسرا یہ کہ امامنا علیہ السلام کے خلفا میں جو ارشد کہلاتے ہیں ان میں میاں محمود جو

ف۔ مولف صاحب ہدیہ نے اس عبارت کا یہ ترجمہ کیا ہے "یعنی وزرائے مہدی صحابہ کرام کے قدم بقدم ہوں گے کہ جن کی شان میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انھوں نے سچ کر دکھایا جس کا عہد کیا تھا اللہ سے اور وہ وزراء خوم عجم سے ہیں کہ ان میں کوئی نہیں ہے عربی لیکن بات نہ کرتے ہوں گے مگر زبان عربی میں۔ ان کا ایک نگہبان ہے کہ ان کی جنس سے نہیں ہے اس نے کبھی خدا کی نافرمانی نہیں کی وہ خاص تر وزرا کا ہے اور افضل امینوں کا ہے" انتہی (ہدیہ صفحہ ۹۹)۔ اس ترجمہ میں مولف ہدیہ نے جو غلطیاں کی ہیں علامہ مجیب نے ان سے بعد میں تفصیلی بحث فرمائی ہے۔ ۱۲

شہاب بن نصرت غفر لہما۔

مہدی کے بیٹے ہیں فراہ کو جانے سے پہلے نوکری کرتے تھے اور میاں خوندمیر مہدی سے بیعت کرنے سے پہلے بلبل بازی اور لوا بازی کرتے تھے اور بیعت کے بعد بھی ان سے دو کذب سرزد ہوئے ہیں جو دلیل ہشتم میں مذکور ہو چکے ہیں الخ

مولف صاحب ہدیہ نے بزعم خود اس کو دلائل ثبوت مہدیت کی نویں دلیل قرار دے لیا ہے جو خود قابلِ تامل ہے کیونکہ یہ نہیں معلوم ہوا اور نہ مولف منتا ہدیہ نے یہ ثابت کیا ہے کہ اس کو دلائل ثبوتِ مہدیت کی نویں دلیل کس نے قرار دیا ہے اور اس کو اثبات مہدیت کا مدار و موقوف علیہ کون تسلیم کیا ہے۔ جبکہ یہ دلیل ذاتِ اقدس مہدی علیہ السلام سے کوئی تعلق نہیں رکھتی بلکہ وزرائے مہدی علیہ السلام سے متعلق ہے۔ پس اس کا سب سے پہلا جواب یہی ہے کہ فتوحات کے اس قول کی جب کسی حدیث سے مطابقت ثابت نہیں ہے تو یہ قول شیخ اکبرؒ کے ذاتی کشف یا رائے پر مبنی ہوگا حالانکہ غیر معصوم کا کشف بھی اہلِ سنت کے اصول پر غیر قطعی ہے مولف صاحب ہدیہ جب خود کو اہل سنت کہتے ہیں تو اول یہ ثابت کریں کہ وزرائے مہدی علیہ السلام کی یہ صفت اور ان میں کسی معصوم اخص الوزرا کا وجود اور اس کے وجود پر مہدیت کا صدق موقوف ہونا اہل سنت کے اصول پر کس طرح تسلیم کیا جا سکتا ہے؟

ثانیاً۔ صاحب فتوحات کا یہ قول جب وزرائے مہدی علیہ السلام کے حالات سے متعلق ہے اور ذاتِ مہدی علیہ السلام سے متعلق نہیں ہے تو اس کو ثبوتِ مہدیت کے مستقل دلائل میں شمار کرنا اور ہدیہ کے باب سوم میں اس کا اندراج کونسی معقولیت رکھتا ہے۔

ثالثاً۔ اگر وزرائے مہدی علیہ السلام کے حالات صاحبِ فتوحات کے بیان کردہ حالات کے مطابق نہ ہونا فرض بھی کر لیا جائے تو اس سے امام مہدی علیہ السلام کی متفقہ حقیقی علامات جو شارع علیہ السلام سے ثابت و متحقق ہیں اور اس ذات اقدس میں موجود ہیں کیا وہ سب محض اس وجہ سے کالعدم سمجھی جائیں گی اور ایسا سمجھنا صحیح بھی ہوگا کہ آپ کے صحابہ میں صاحب فتوحات کے بیان کردہ اوصاف نہیں پائے جاتے ہیں۔

اس کی مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں صحابۂ رسول اللہ صلعم کے

یہ صفات و حالات بیان فرمائے ہیں۔

محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینہم تریٰھم رکعاً سجداً یبتغون فضلاً من اللہ ورضواناً الآیۃ (۲۶-۱۲-سورۃ الفتح)

محمد اللہ کے رسول ہیں وہ لوگ جو ان کے ساتھ ہیں وہ کفار کے حق میں بڑے سخت اور آپس میں ایک دوسرے پر رحم کرنے والے ہیں تم ان کو راکع وساجد اور اللہ کے فضل اور اسکی رضا کے طالب دیکھو گے۔

اگر کوئی معاندِ اسلام واقعات صفین کو پیش کرکے جس میں دونوں طرف کئی صحابۂ رسول اللہ شریک تھے یہ اعتراض کرے کہ ان صحابۂ رسول اللہ میں "رحما بینہم" کی صفت مفقود تھی کیونکہ وہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے اور قتل وغارت کے درپے تھے۔ یہاں ان واقعات کی واجبیت و ناواجبیت کی توجیہات سے بحث نہیں سوال صرف یہ ہے کہ یہ صفت جبکہ قرآن سے ثابت ہے کسی غیر معصوم کا ذاتی کشف یا رائے نہیں ہے اور اس صفت کا فقدان بھی روز روشن کی طرح ظاہر ہے جس میں کسی تاویل و توجیہ کی گنجائش نہیں ہے تو کیا صحابۂ رسول اللہ کے اس تغیر حالات کی وجہ سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت، صداقت اور حقیقت میں کسی معاندِ اسلام کا شبہ کرنا مولف ہدیہ کے پاس درست ہوسکتا ہے؟ یا خود ہمارے مولف صاحب ہدیہ اسی نظریہ کے تحت جو اس اعتراض میں ملحوظ رکھا گیا ہے حضرت سرورِ کائنات کی ذات اقدس میں وہ سب علامات موجود ہوتے ہوئے جو نبوت و رسالت کے لئے لازمی ہیں صرف اس بنا پر کہ آپ کے بعض صحابہ میں وہ صفت نہیں پائی جاتی جو قرآن میں ان کے لئے بیان کی گئی ہے حضرت کے رسول برحق ہونے میں شک و شبہ کرنے کی جرأت بیجا کر بیٹھیں گے؟

پس وزرائے مہدی علیہ السلام کے حالات صاحب فتوحات کے بیان کردہ حالات سے مطابق نہ ہونا فرض کرکے مولف صاحب ہدیہ بزعم خود اگر امامنا مہدی موعود علیہ السلام کی صداقت و حقیقت میں شک کریں تو اس کی بھی بعینہ وہی صورت ہوگی جو اوپر بیان کی گئی ہے۔

ان تمام وجوہ سے مولف صاحب ہدیہ کا یہ اعتراض کسی بھی اہل سنت کے پاس

بلکہ ہر ذی شعور انسان کے پاس ایسا بدیہی البطلان ہے کہ اس کے جواب کی ضرورت ہی نہیں ہے لیکن بریں ہمہ اس اعتراض پر بھی ہم تنقیدی نظر ڈالنا اور مولف صاحب مدیہ نے اس اصولی غلطی کے علاوہ اور جو غلطیاں کی ہیں ان کو ظاہر کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔

صاحب فتوحات کا یہ قول کہ "ھم من الاعاجم ما فیھم عربی لکن لا یتکلمون الا بالعربیۃ" اس کا معنی مولف صاحب نے غلط سمجھا ہے اور اس کا یہ ترجمہ کیا ہے کہ "وہ وزرا قوم عجم سے ہیں کہ ان میں کوئی نہیں ہے عربی لیکن بات نہ کرتے ہوں گے مگر زبان عرب میں" یہ ترجمہ اس لئے غلط ہے کہ اعاجم اعجم کی جمع ہے جس کا معنی کند زبان وغیر فصیح ہے اگرچہ وہ عرب ہی ہو چنانچہ صراح میں لکھا ہے

اعجم[1] آنکہ سخن پیدا و فصیح نتواند گفتن واگرچہ از عرب باشد عجماء مونث منہ اعجمان تثنیٰ ۔ اعجمون جماعت ۔

ایضاً یقال[2] لسان اعجمی وکتاب اعجمی ولا یقال رجل اعجمی تنسبۃ الیٰ نفسہ الخ۔

صحاح جوہری میں ہے

والاعجم[3] ایضا الذی فی لسانہ عجمۃ وان افصح بالعجمیۃ ورجلان اعجمان وقوم اعجمون واعاجم ۔

تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ

ان[4] العرب تسمی کل من لا یعرف لغتھم ولا یتکلم بلسانھم اعجم واعجمیاً ۔

---

[1] ۔ اعجم وہ شخص ہے جو فصیح اور واضح بات نہ کہہ سکے اگرچہ عرب ہو۔ اس کا مونث عجماء تثنیہ اعجمان اور جمع اعجمون واعاجم ہے ۔ ۱۲

[2] ۔ ایضاً زبان عجمی اور کتاب عجمی کہتے ہیں لیکن مرد عجمی نہیں کہتے کیونکہ یہ معنی کی ذات کی طرف نسبت ہوتی ہے اور یہ درست نہیں ہے ۱۲

[3] ۔ اعجم وہ ہے جو کند زبان ہو اگرچہ وہ عجمی زبان میں فصیح ہو تثنیہ اعجمان اور جمع اعجمون اور اعاجم ہے ۱۲

[4] ۔ عرب ہر اس شخص کو اعجم اور اعجمی کہتے ہیں جو عربی زبان نہ جانتا ہو اور عربی زبان میں بات نہ کرسکے

ایضاً[1] قال الفراء واحمد بن یحییٰ الاعجم الذی فی لسانہ عجمۃ وان کان من العرب۔

ایضاً۔ قال ابو علی الفارسی الاعجم الذی لا یفصح سواء کان من العرب او من العجم الا تری انہم قالوا زیاد الاعجم لانہ[2] کانت فی لسانہ عجمۃ مع انہ کان عربیاً۔

غرض اعاجم اعجم کی جمع ہے عجمی کی نہیں اور عجمی اور اعجم میں بڑا فرق ہے۔ مولف ہدیہ نے اعاجم کا ترجمہ جو قوم عجم کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ ایک عرب بھی اعجم ہو سکتا ہے۔

عربیہ سے قرآن مراد ہونے کی تحقیق۔ ایسا ہی مولف صاحب ہدیہ نے لا یتکلمون الا بالعربیۃ کا جو یہ ترجمہ کیا ہے "لیکن بات نہ کرتے ہوں گے مگر زبان عربی میں" یہ بھی اس موقع پر صحیح نہیں ہے کیونکہ شیخ رح کا مقصود کلام وزرائے مہدی علیہ السلام کی صفات مخصوصہ کا بیان کرنا ہے جو خاص طور پر اُن میں پائی جائیں گی۔ لیکن عجمی ہو کر زبان عربی کرنا صفات مخصوصہ سے نہیں ہے۔ ایسے لاکھوں کروروں آدمی ہیں جو وطن کے اعتبار سے عجمی ہیں اور زبان عربی کرتے ہیں چنانچہ عرب کے سوا جس قدر ممالک ہیں وہ سب عجم کہلاتے ہیں اور اس اعتبار سے افریقہ (مصر۔ مراکو۔ الجیریا وغیرہ) شام۔ عراق عجم وغیرہ خالص عجمی ممالک ہیں اور یہاں عام طور پر اہل ملک عربی زبان کرتے ہیں۔ خود ہمارے ملک ہند میں ایسی قومیں ہیں جن کا زاد بوم ہند ہے مگر وہ عربی بولتے ہیں جیسے مولد اور موپلے جو وطن کے اعتبار سے یقیناً عجمی ہیں مگر زبان عربی بھی کرتے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ عجمی ہو کر عربی زبان کرنا وزرائے مہدی علیہ السلام کے لئے نہ صفات مخصوصہ سے ہو سکتا ہے اور نہ یہ صفت کمال ہی ہے پس "عربیہ" کا معنی زبان عربی کے سوا کچھ اور ہی ہونا چاہیئے۔

---

[1] ۔ فرا اور احمد بن یحییٰ کا قول ہے کہ اعجم وہ ہے جو کند زبان ہو اگرچہ عرب ہی ہو"

[2] ۔ ابو علی الفارسی کہتے ہیں کہ اعجم وہ ہے جو فصیح بات نہ کرے خواہ وہ عرب ہو یا عجمی۔ زیاد اعجم کہتے ہیں کیونکہ ان کی زبان کند اور غیر فصیح تھی حالانکہ وہ عرب ہیں۔

لغت سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن و آیات قرآنی کو بھی "عربیہ" کہتے ہیں چنانچہ علامہ مجدالدین المعروف با بن اثیر نے "النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر" میں جو لغت حدیث کی مشہور کتاب ہے لکھا ہے۔

(ومنہ حدیث عمر) لاتنقشوا فی خواتیمکم العربیۃ وکان ابن عمر یکرہ ان ینقش فی الخاتم القرآن

اسی معنی سے عمرؓ کی حدیث ہے کہ اپنی خاتم (انگوٹھی یا مہر) میں قرآن کندہ نہ کرو۔ ابن عمرؓ خاتم میں قرآن کندہ کرنے کو ناپسند کرتے تھے۔

لغت حدیث کی ایک اور کتاب "مجمع بحار الانوار" میں یہی حدیث لکھی ہے اور یہی معنی کیا ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ حضرت عمر اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے "عربیہ" سے زبان عربی مراد نہیں لی ہے بلکہ قرآن شریف کو عربیہ کہا ہے۔

بریں تقدیر فتوحات کے اس جملہ کا بھی یہ معنی ہوگا کہ امام مہدی علیہ السلام کے خلفا قرآن کے سوا بات نہ کریں گے ہمیشہ قرآن اور حقائق قرآن بیان کرتے ہیں گے اور کلام لایعنی کے نظر کرتے وہ اعجم یعنی کند زبان اور گویا گونگے ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ یہ بات خلفائے مہدی علیہ السلام کے لئے عربی زبان کرنے کی بہ نسبت زیادہ صفتِ کمال ہوسکتی ہے۔

اس کے علاوہ خود صاحب فتوحاتؒ نے جس کے قول سے یہ سب کچھ بحث ہورہی ہے اپنے اس کلام سے مراد تلاوتِ کتاب اللہ ہی بیان کی ہے۔ چنانچہ عبدالوہاب شعرانی نے "الیواقیت والجواہر" کے انچالیسویں مبحث میں نقل کیا ہے کہ

وذلك (ای ذکر اللہ بالقرآن) رزقھم الذی یعیشون بہ وفیہ حیوٰتھم ولذلك کان المھدی اذا خرج یقیم جماعۃ یتلون کتاب اللہ آناء اللیل والنھار ذکرہ الشیخ فی لباب السادس والستون وثلثمائۃ۔

اور (یعنی اللہ تعالیٰ کو قرآن کے ذریعہ یاد کرنا) ان کیلئے ایسا رزق ہے کہ وہ اسی سے زندہ رہتے ہیں اور اسی میں انکی حیات ہے اسی لئے جب مہدیؑ کا ظہور ہوگا تو ایک جماعت ایسی قائم ہوگی جو دن رات کتاب اللہ کی تلاوت کرتی رہے گی۔ شیخ نے (۳۶۶) باب میں یہ ذکر کیا ہے۔

مولف صاحب ہدیہ نے "عربیہ" کا معنی قرآن بیان کرنے پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ ایسی توجیہ ہے جو بچوں کی سمجھ میں بھی نہ آوے گی۔ پس مولف ہدیہ حضرت عمر اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھیں کہ آپ نے اہل زبان ہوتے ہوئے "عربیہ" کے معنی قرآن شریف کیوں لئے ہیں جو بچوں کی سمجھ میں نہیں آتا ہے اور خود شیخ ابن عربی رح سے گلہ کریں کہ آپ نے لاتیکلموں الا بالعربیۃ کے معنی کتاب اللہ کی تلاوت کیوں کئے جو بچوں کی سمجھ میں نہیں آتا اور جس سے ہماری وہ لن ترانیاں جو ہم نے عربیہ اور قرآن کی تلاوت اس سے مقصود یہ نہ ہونے کی کی تھیں سب غلط ہو گئی ہیں۔

اب رہی یہ بات کہ یہ صفت خلفائے امامنا مہدی موعود علیہ السلام میں کس حد تک موجود تھی اس کی تصدیق تاریخ سے ہو سکتی ہے چنانچہ مہدوی اہل سیر نے جو حالات لکھے ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ امامنا علیہ السلام کے خلفا "حقا کہ جز بیان قرآن دم نہ زدے" کے اصول کے پورے پیرو تھے۔

مہدوی اہل سیر کے علاوہ اس طبقہ کے بیان حقائق و معارف قرآنی کی مصروفیت اور کلام لایعنی سے احتراز و پرہیز کی شہادت میں ایسے مورخین کے بیانات بھی موجود ہیں جو ذاتی طور پر اس طبقہ کے حالات سے واقفیت رکھتے ہیں اور اپنے چشم دید حالات لکھے ہیں مثلاً شیخ عبدالقادر بدایونی بیان کرتے ہیں کہ

من بمقتضائے "خذ ما صفا و دع ما کدر" جمعے را ازیں سلسلہ ملازمت کردہ ام و اخلاق رضیہ و اوصاف مرضیۂ ایشاں را در فقر و غنا بمرتبۂ عالی دیدہ و بیان قرآن و اشارات و دقائق و حقائق و معارف و لطائف بے کسب علوم رسمی چناں شنیدہ ام کہ اگر خواہند کہ مجلسے از انہا در قید کتابت آرند تذکرۃ الاولیائے دیگر باید نوشت (نجاۃ الرشید)

ایضاً۔ بعضے طالبان ایشان را دیدم کہ از جہت تحرز از مالایعنی سر ریش بر لب چسپانیدہ و بعضے سنگریزہ بدہان گرفتہ اند (منتخب التواریخ)

مورخ کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ

میں "خذ ما صفا و دع ما کدر" (جو صاف ہو اس کو لے لو اور جو مکدر ہو اس کو چھوڑ دو) کے اصول پر عمل کر کے مہدویہ سلسلہ کے کئی بزرگوں کی

صحبت میں رہا ہوں اور محتاجی و فراغت دونوں حالتوں میں ان کے پسندیدہ اوصاف اور اخلاق اعلیٰ درجہ کے دیکھا ہوں۔ ان سے رسمی علوم کی تحصیل کے بغیر قرآن کا بیان اور قرآن کے دقائق ایسے سنے ہیں کہ اگر ان میں سے مجمل طور پر بھی کچھ لکھنا چاہیں تو ایک دوسرا تذکرۃ الاولیا تحریر کرنا ہوگا۔ بعض طالبان خدا کو میں نے دیکھا ہے کہ لایعنی کلام سے بچنے کے لئے سریش سے اپنے ہونٹ چسپاں کر لیتے اور بعض منہ میں کنکریاں بھر لیتے تھے تاکہ لایعنی بات نہ کر سکیں۔"

گویا مورخ کا یہ بیان فتوحات کی عبارت "ھم من الاعاجم" اور "لایتکلمون الا بالعربیۃ" کی واضح اور واقعہ کے مطابق شرح و بیان ہے۔ اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ صاحب فتوحات کی بیان کردہ صفت بھی بدرجۂ کمال موجود تھی۔ پس مولف ہدیہ کا یہ کہنا کہ "فتوحات کی یہ عبارت بھی ان کی تکذیب کرتی ہے" محض غلط اور ان کی کج فہمی کی دلیل بیّن ہے۔

اسی ضمن میں مولف صاحب ہدیہ نے یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ "مہدوی کسی بات پر قائم نہیں ہیں حدیث یملک العرب کی توجیہ میں خلفاء مہدی علیہ السلام کو عرب مانتے ہیں اور یہاں ان کو عجمی بنا دے رہے ہیں۔"

حدیث یملک العرب کی صحت و عدم صحت اور قوت و ضعف اور اس کے نحوی و معانی سے تو اس کے موقع پر بحث کی جائے گی۔ لیکن ہم خلفائے مہدی علیہ السلام کو اس موقع پر عجمی نہیں بلکہ صاحب فتوحات کے الفاظ کے مطابق اعجم کہہ رہے ہیں اس لئے عرب و عجمی میں تضاد کا دعویٰ صحیح نہیں ہے اس کے علاوہ کسی کا باعتبارِ نسل عرب یعنی عربی النسل کہلانا اور باعتبار وطن عجمی ہونا ممکن ہے ان دونوں مفہوم میں بھی تضاد نہیں ہے۔

اخص الوزرا اور کسب حلال کی بحث

مولف ہدیہ کا دوسرا اعتراض کہ "اخص الوزرا جو کبھی معصیت نہ کیا ہو کون ہے۔" جیسا کہ اس سے پہلے بیان کیا گیا ہے اخص الوزرا کا وجود اور اس کے یہ اوصاف اور اس کے وجود پر امام مہدی علیہ السلام کے دعویٰ کی صداقت و حقیت موقوف ہونا شارع علیہ السلام سے ثابت نہیں ہے اسی لئے ہم اس سے کوئی بحث کرنا نہیں چاہتے اور نہ اس کی ضرورت ہی ہے تاہم مولف ہدیہ نے اس کے متعلق جو کچھ

لکھا ہے اس پر بھی ایک تنقیدی نظر ڈالی جاتی ہے ۔

اس کے متعلق انھوں نے جو کچھ لکھا ہے اس میں سب سے پہلے یہ غلط بیان کیا ہے کہ "حضرت بندگی میاں سید خوندمیر مولف مکتوب ملتانیؓ کو اس قول کے نقل کرنے سے حقیقت میں اپنی مدح خوانی منظور ہے" حالانکہ حضرت ممدوح نے مکتوب ملتانی میں فتوحات کا یہ قول نقل کرنے کے سوا اپنی نسبت ایک حرف بھی نہیں لکھا ہے ۔

اس کے بعد حضرت بندگی میراں سید محمودؓ خلف حضرت امامنا علیہ السلام اور بندگیمیاں سید خوندمیرؓ اور بندگیمیاں شاہ نعمتؓ اس کے مصداق نہ ہونے کے جو وجوہ بیان کئے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ

"بندگیمیاں سید محمود فرہ کو جانے سے پہلے نوکریاں کرتے تھے اور بندگیمیاں سید خوندمیر مولف مکتوب ملتانی اس وجہ سے اس کے مصداق نہیں ہو سکتے ہیں کہ امامنا مہدئ موعود علیہ السلام سے بیعت کرنے سے قبل ہمیشہ بلبل بازی لوا بازی وغیرہ میں مشغول رہتے تھے دوسرے خلفا نے بھی اقسام کے خون و فساد کر چکے بعد امامنا علیہ السلام کی ملازمت اختیار کی ہے چنانچہ خلیفۂ با اختصاص میاں نعمت ایک حبشی کو قتل کر کے بادشاہ کے خوف سے بھاگ کر میراں (علیہ السلام) کے مرید ہوے ہیں ایسے لوگ اخص الوزرا نہیں ہو سکتے ورنہ مخلوق ہنسے گی ؎

وزیرے چنیں شہریارے چناں ٭ جہاں چوں نہ گیرد قرارے چناں"

مولف ہدیہ کے اس بیان میں اولاً یہی کرامت قابل غور و تامل ہے کہ انھوں نے تین سال کی مسلسل جستجو میں جو ہدیۂ مہدویہ کی تالیف میں صرف ہوئے ہیں خلفائے امامنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق صرف یہی باتیں چن چن کر قابل اعتراض نکالی ہیں اور اس کے علاوہ انھیں کوئی اور بات قابل گرفت نہیں مل سکی ہے اور ان کی جو بھی حقیقت ہے وہ بعد میں ظاہر ہو گی ۔ ثانیاً ان واقعات پر تو ہم علیحدہ علیحدہ تبصرہ بعد میں کریں گے لیکن مولف ہدیہ کو خود اعتراف ہے کہ جو کچھ واقعات بیان کئے گئے ہیں وہ مجموعی طور پر شرفِ خلافت و وزارت حاصل ہونے سے قبل کے ہیں ۔ جبکہ صاحبِ فتوحات کے بیان کردہ حالات و واقعات وزرائے مہدی علیہ السلام سے

متعلق ہیں تو یہ اوصاف بھی مرتبۂ وزارت حاصل ہونے کے بعد سے متعلق ہونا چاہیئے

ثالثاً۔ اس کی توضیح اس سے ہو سکتی ہے کہ خود صاحب فتوحات نے خلفائے یا وزرائے امام مہدی علیہ السلام کے حالات صحابۂ رسول (صلعم) کے حالات سے مشابہ ہونا بیان کیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے عہد اسلام و ایمان پر راسخ و صادق رہیں گے یعنی صحابہ رسول اللہ کے قدم بقدم رہیں گے۔ ظاہر ہے کہ یہ مذکورہ صفت بلکہ تمام صفتیں جو صحابۂ رسول اللہ کے حق میں وارد ہیں وہ سب اسلام و ایمان [illegible] صحابی بننے کے بعد ہی سے صحابۂ رسول اللہ (صلعم) میں پائی جاتی ہیں کیا اس سے پہلے بھی وہ ان سے متصف تھے؟ پس صحابہ و خلفائے امام مہدی علیہ السلام بھی امام علیہ السلام کی صحبت و خلافت کی فضیلت حاصل ہونے کے بعد ہی اس وصف سے متصف ہونا چاہیئے جو ان کے حق میں بیان کیا گیا ہے کیا اس سے پہلے بھی ان میں وہ وصف موجود رہنا ضروری ہے؟

رابعاً۔ اس سے بھی واضح مثال یہ ہے کہ اس سے قبل جو آیت شریفہ نقل کی گئی ہے اس میں صحابۂ رسول اللہ کے جو اوصاف ہیں ان میں صحابی بننے سے پہلے قطعاً و یقیناً موجود نہیں تھے نہ وہ "اشداء علی الکفار" (کافروں کے حق میں بہت سخت) کے مصداق تھے اور نہ ان میں "رکعاً سجداً یبتغون فضلاً من اللہ و رضواناً" (رکوع اور سجود کرنے اور اللہ کے فضل اور اس کی رضا کے طالب ہونے) کی صفت موجود تھی۔ پس کوئی معاندِ اسلام یہ اعتراض کرے کہ قبل اسلام یہ صحابہ چونکہ ان صفات سے متصف نہیں تھے جو قرآن میں بیان کئے گئے ہیں اس لئے وہ اس قرآنی بشارت کے مصداق نہیں ہیں تو یہ اعتراض صریح مہمل ہوگا کیونکہ یہ اوصاف صحابیت یا معیتِ رسول اللہ صلعم سے متعلق یا اس کا لازمہ و نتیجہ ہیں تو صحابی بننے سے پہلے وہ اوصاف ان میں کیسے پائے جائیں گے؟ پس مولف ہدیہ بھی خلفائے امام علیہ السلام کے اس زمانہ کا کوئی واقعہ فرض کرکے جبکہ وہ مرتبۂ خلافت یا وزارت پر فائز نہیں تھے ایسا نتیجہ اخذ کریں تو وہ بھی صریح مہمل ہوگا۔

خامساً۔ اہل سنت کا متفقہ اعتقاد ہے کہ انبیا علیہم السلام معصوم عن الخطا ہیں اور صحابۂ رسول اللہ (صلعم) معصوم نہیں ہیں اور یہ کہ انبیا صحابۂ رسول اللہ سے افضل و برتر ہیں۔ اس کے باوجود اہل سنت کا مذہب مختار یہ ہے کہ انبیا مرتبۂ نبوت پر

فائز ہونے کے بعد سے گناہ صغائر وکبائر سے معصوم ہیں اور قبل نبوت ان سے گناہ صادر ہونا جائز ہے چنانچہ امام فخرالدین رازیؒ نے لکھا ہے ۔

اختلف الناس فی وقت العصمۃ للانبیاء علی ثلاثۃ اقوال احدھما انہم معصومون من وقت مولدھم وھو قول الروافضۃ وثانیھا وقت عصمتہم وقت بلوغہم ولم یجوزوا منہم ارتکاب الکفر والکبیرۃ قبل النبوۃ وھو قول کثیر من المعتزلہ وثالثھا قول من ذھب الی ان ذٰلک لایجوزوا وقت النبوۃ اما قبل النبوۃ فجائز وھو قول اکثر اصحابنا وقول ابی الھذیل وابی علی من المعتزلۃ والمختار عندنا انہ لم یصدر عنہم الذنب حال النبوۃ لا الکبیرۃ ولا الصغیرۃ ۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ کو معصومیت کا درجہ کس وقت سے حاصل ہوتا ہے اس کے متعلق تین مختلف قول ہیں ۔ اول یہ کہ وہ پیدائش ہی سے معصوم ہیں یہ روافض کا قول ہے ۔ دوسرا یہ کہ وہ بالغ ہونے کے بعد سے معصوم ہیں ان سے کفر اور گناہ کبیرہ نبوت سے پہلے بھی سرزد ہونا جائز نہیں ہے یہ اکثر معتزلہ کا قول ہے تیسرا قول یہ ہے کہ وہ وقت نبوت سے معصوم ہوتے ہیں اور نبوت سے پہلے ان سے گناہ سرزد ہونا جائز ہے یہ ہمارے اکثر اصحاب کا اور ابوالھذیل وابوعلی معتزلی کا قول ہے ہم اہل سنت کا مذہب مختار یہ ہے کہ ان سے حالت نبوت میں کوئی گناہ صغیرہ یا کبیرہ صادر نہیں ہوا ہے ۔

پس کسی نبی سے قبل نبوت کوئی گناہ سرزد ہوسکتا ہے اور اہل سنت کے نزدیک اس گناہ کے سرزد ہونے کے بعد وہ مرتبۂ نبوت ورسالت پر فائز ہوسکتے ہیں تو امام مہدی علیہ السلام کے وزرا وخلفا سے بھی اس مرتبۂ وزارت یا خلافت پر فائز ہونے کے پہلے کوئی گناہ سرزد ہوجانا فرض کرلیا جائے تو وہ گناہ مرتبۂ خلافت حاصل ہونے کا مانع نہیں ہوسکتا اور نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اہل سنت کے نزدیک خلفاء رسول اللہ (صلعم) کی طرح خلفائے امام مہدی علیہ السلام بھی معصوم اور انبیاء ورسل سے افضل وبرتر نہیں ہیں جو ان کے لئے انبیا علیہم السلام سے بھی زیادہ معصوم ہونا لازمی وضروری قرار دیا جائے ۔

یہ تمام بحث تو اس سے متعلق تھی کہ حصول درجۂ خلافت سے پہلے کوئی معصیت صادر ہونا فرض بھی کرلیا جائے تو وہ صدور گناہ درجۂ خلافت حاصل ہونے کا کسی طرح مانع نہیں ہے۔ اب ہم یہ تحقیق کرتے ہیں کہ مولف ہدیہ نے جن امور کو پیش کیا ہے وہ معصیت کی تعریف میں داخل بھی ہیں یا نہیں؟ اور اگر ہیں بھی تو کیا وہ توبہ اور ایمان کے بعد حبط نہیں ہوجاتے اور پھر بھی حصولِ درجۂ خلافت کے مانع سمجھے جاسکتے ہیں؟

اولاً۔ اس نقطۂ نظر سے بندگیمیاں سید محمود ثانیٔ مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرہ کو جانے سے پہلے نوکریاں کرنے کے واقعہ کو دیکھا جائے تو ناظرین کرام کیلئے واضح ہوگا کہ صاحب فتوحاتؒ نے اخص الوزراء کی صفت "ماعصی اللّٰہ قط" (یعنی کبھی معصیت نہ کی ہوگی بیان کی ہے اور مولفِ ہدیہ نے معصیت ثابت کرنے کے لئے نوکریاں کرنے کو پیش کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مولفِ ہدیہ کے نزدیک نوکری کرنا معصیت ہے حالانکہ ہرکس و ناکس جانتا ہے کہ یہ کسبِ حلال کی ایک صورت ہے اور کسبِ حلال گناہ اور معصیت میں محسوب نہیں ہے بلکہ انبیاء و مرسلین کا بھی یہ عمل رہا ہے۔ حضرت افضل الانبیاء و المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام دعویٰ نبوت فرمانے سے پہلے تجارت فرمائے ہیں حضرت امامنا مہدیٔ موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی کسبِ حلال کی اجازت دی ہے۔ بعض اہل کسب سے راضی بھی رہے ہیں بعض ملاؤں نے سوال کیا کہ آپ کسبِ حلال کو حرام کہتے ہیں تو حضرت نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ "ہم کسب حلال کو حرام نہیں کہتے مومن کے لئے کسب جائز ہے قرآن میں غور کرو کہ وہ مومن کس کو کہتا ہے" ان وجوہ سے ثابت ہے کہ نوکری کرنا معصیت نہیں ہے۔

خود مولفِ ہدیہ اس موقع پر تو کسبِ حلال کی اس صورت یعنی نوکری کرنے کو معصیت میں شمار کررہے ہیں لیکن مسئلۂ توکل علی اللہ کی بحث کے ضمن میں کسبِ حلال انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام وغیرہم کا پیشہ ہونے کا شد و مد سے اعتراف کیا ہے چنانچہ لکھا ہے کہ

> کسبِ حلال کہ پیشہ انبیا و رسل کا ہے اور اصحاب و اہلسنت اور علمائے مجتہدین اور کل اولیا اس کو اختیار کئے ہیں الخ ہدیہ۔ صفحہ (۱۷۴)۔

پس اول مولف ہدیہ اپنے ان متضاد اقوال کی نسبت یہ فیصلہ کریں کہ کسب حلال جب انبیاؑ وصحابہؓ و اہل سنت علمائے مجتہدین کا پیشہ رہا ہے تو کیا یہ سب آپ کے نزدیک مرتکبین معصیت ہیں؟ اور اگر نہیں ہیں تو پھر نوکریاں کرنے کو معصیت کے ثبوت میں پیش کرنا خود بخود غلط ہوا۔

مولف ہدیہ کی یہ بحث کہ کتب مہدویہ میں تعبین کو لعین کہا گیا ہے۔ اس کا معنی غالباً مولف صاحب ہدیہ نے سمجھا ہی نہیں ہے اس کا معنی یہ ہے کہ آدمی کو کسی معین ذریعۂ رزق پر اتکا ہوا اور رازق حقیقی پر سے اس کی نظر اٹھ جاے تو اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ صورت حقیقی ایمان کے منافی اور ضرور لعین (ملعون) ہے لیکن جہاں یہ صورت نہ ہو اور آدمی ایمان کی صراط مستقیم پر مستقیم رہے تو یہی صورت جائز ہے چنانچہ حضرت امامنا علیہ السلام کا یہ فرمان کہ مومن کے لئے کسب جائز ہے اسی حقیقت کی طرف اشارۂ جلی ہے۔

اس جائز صورت سے افضل و برتر مقام اعلیٰ توکل اور تسلیم و رضا کا مقام ہے جس پر انبیا علیہم السلام مرتبۂ نبوت پر فائز ہونے کے بعد سے عامل رہے ہیں حضرت افضل الانبیاء المرسلین کا بھی یہی عمل رہا ہے کہ اگر آپ نے قبل بعثت تجارت فرمائی ہے تو

۵۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کی بعثت اس زمانہ میں اور اس واسطے ہوا کی ہے کہ جو لوگ دنیا کی طرف راغب ہیں اور اللہ کو اور اس کے احکام کو بھول گئے ہیں ان کو ہدایت کی راہ بتلادیں اور ان کے دلوں کو جو دنیاوی شہوتوں کی طرف جھکے ہوئے ہیں محبت خدا کی طرف مائل فرمائیں۔ پس سارے پیغمبر عموماً دنیا کی مذمت اور اس کی شہوات و مزخرفات کے معائب بیان کرنے میں مصروف رہے۔ یہی وجہ ہے کہ خلائق ان کی طرف کم رجوع ہوئی بلکہ ان کی ایذارسانی وقتل کے درپے رہی۔ غرض انبیا علیہم السلام سب کے سب تارکین دنیا تھے۔ اگر نبوت کے منصب سے مشرف ہونے سے پہلے کسب معاش میں مصروف بھی رہے ہوں تو نبوت کے بعد اس سے دست بردار ہوگئے ہیں۔

امام فیلسوف احمد بن عبد اللہ نے رسالہ "ماہیۃ الایمان" میں اس کو بیان کیا ہے۔

و ذلك ان الانبياء قبل ان يوحى اليهم يكونون كاحد ابناء الدنيا في طلب المعيشة حتى اذا جاءهم الوحي والنبوة تركوا طلب المعاش

وحی نازل ہونے اور دعوی نبوت شروع فرمانے کے بعد اس کو ترک فرما دیا ہے۔
اب حضرت کے اوقات عزیز نہ تجارت وزراعت میں صرف ہوتے تھے اور نہ کسی ملازمت وغیرہ ذرائع کسب معاش میں۔ بلکہ حضرت نے اپنی ذات اقدس کو تبلیغ دین اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے وقف فرما دیا اور ذاتی ضروریات ومعاملات کو کارسازِ حقیقی پر چھوڑ دیا تھا۔

پس حضرت بندگی میاں سید محمود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلے کسب حلال اختیار فرمایا تھا اور بعد میں اس کو ترک فرما دیا ہے تو یہ بھی عین اتباع سنت انبیا وسنت افضل الانبیاء (علیہم السلام) ہے۔ اختیارِ کسبِ جائز قبل بعثت کے عمل کی اتباع تھی تو ترک کسب بعدِ بعثت کے عملِ توکل وتسلیم ورضا کی عین اتباع ہے۔ اگر مولفِ ہدیہ کسبِ حلال کو گناہ ومعصیت سمجھتے ہیں تو یہ ان کی فاحش غلطی ہے کسبِ حلال گناہ ومعصیت نہیں ہے اور اس کی صورت اختیار کرنے کے باوجود حضرت پر ماعصی اللہ قط صادق ہے۔

حضرت بندگی میاں سید خوندمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق جو لکھا ہے۔
"آپ امامنا علیہ السلام سے بیعت کرنے سے پیشتر بلبل بازی لوا بازی وغیرہ میں مشغول رہتے تھے۔
بعد بیعت آپ سے دو کذب سرزد ہوئے ہیں"

(بقیہ حاشیہ ص۲۹۸) واشتغلوا بتبليغ الرسالة ويتكلون على الله فيما يحتاجون اليه من عرض الدنيا الخ۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ انبیا علیہم السلام پر وحی نازل ہونے سے پہلے طلب معیشت میں دوسرے ابنائے دنیا کے جیسے رہتے ہیں جب وحی نازل ہوتی اور منصب نبوت حاصل ہوتا ہے تو طلب معاش چھوڑ دیتے اور تبلیغ رسالت میں مشغول ہو جاتے ہیں اور جن ضروریات دنیاوی کی ضرورت ہوتی ہے ان میں اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہیں۔

اس سے ثابت ہے کہ نبوت کے درجہ پر مامور ہونے کے بعد ذرائع کسبِ معاش ترک کرکے اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا انبیا علیہم السلام کا بھی دستور رہا ہے پس مولوی زمان خاں صاحب کا یہ قول

"میاں سید حمید فرزند امامنا علیہ السلام کی شادی کے موقع پر اس قدر آتش بازی چھوڑوائی گئی کہ لوگوں کے گھر جلنے کا خوف ہوا"

ان میں سے امر دوم یعنی کذب سرزد ہونیکا ادعا خود غلط ہے۔ کیونکہ اس سے وہی تحریفات مراد ہیں جنکی تحقیق اس سے پہلے ہو چکی ہے۔ اور یہاں انکے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ نہ یہ تحریف ہے نہ کذب نہ معصیت بلکہ اسکی صورت تو یہ ہے کہ صحیح توجیہات سے روگرداں ہو کر غلط تاویلات کی بناپر مولف ہدیہ اپنے زعم باطل میں اسکو کذب سمجھ رہے ہیں۔ لیکن آپ یہاں کیا کہتے ہیں کہ بعض معاندین اسلام نے قرآن شریف پر یہ حملہ کیا ہے کہ قرآن سے بعض انبیا کا کذب صریح سے مرتکب ہونا ثابت ہوتا ہے مثلاً فرزندانِ یعقوب علیہ السلام کا جو انبیا ہیں یوسف علیہ السلام کو بھیڑیا کھا لینے کی خبر دینا اور یوسف علیہ السلام کی خون آلود قمیص اپنے والد ماجد کو بتلانا ایسا کذب صریح ہے جس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں ہے اہل اسلام کی طرف سے اس کے جو جوابات دئے گئے ہیں یہاں انکے بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے سوال یہ ہے کہ اہل سنت کے نزدیک کیا یہ حصولِ نبوت کا مانع ہوسکتا ہے۔

امر اول پر بھی گناہ و معصیت کا اطلاق کئی وجوہ سے صحیح نہیں ہے۔

حضرت بندگیمیاں سید خوندمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس وقت حضرت امامنا علیہ السلام کی ملاقات سے مشرف ہوے ہیں آنجناب کا سن شریف سترہ سال کا تھا اور اٹھارھواں سال شروع تھا اور بلبل بازی وغیرہ کا واقع اگر صحیح بھی مان لیا جائے تو وہ اس سے پہلے کا ہے جو طفولیت کا یا زیادہ سے زیادہ رہاق کا سن ہے۔ سن رہاق کا حکم شرعی احکام کی رو سے یہی ہے کہ اگر بلوغ کے علامات ظاہر نہ ہوں تو اس پر بھی طفولیت کا حکم کیا جاتا ہے چنانچہ ہدایہ میں لکھا ہے۔

ان لم یوجد ذٰلک حتی یتم لہ ثمانی عشرۃ سنۃ عند ابی حنیفۃ رح	اگر یہ علامات نہ پائی جائیں تو ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کے اٹھارہ سال پورے ہوجائیں

(تقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹۹) درست نہیں ہے کہ کسب حلال انبیا و رسل کا پیشہ ہے کیونکہ پیشہ کا اطلاق اس کام پر ہوتا ہے جو ہمیشہ کیا جائے اور جس کام سے نزولِ وحی اور حصولِ نبوۃ کے بعد دست کش ہوگئے ہیں اسکو انبیا کا پیشہ کب کہہ سکتے ہیں۔ ۱۲

سید اشرف محشی کحل الجواہر

بریں تقدیر یہ افعال زمانۂ طفولیت کے ہوے اور شرعًا اس زمانہ کے سب افعال معفوعنہ ہیں ان پر احکام مترتب ہی نہیں ہوتے۔

اگر بلوغ تسلیم بھی کیا جاے تو تب بھی یہ افعال اور رسوم زیادہ سے زیادہ لہو ولعب یعنی کھیل اور تفنن میں داخل ہو سکتا ہے اور لہو لعب کی نسبت انبیاء علیہم السلام کی طرف بھی قبل نبوت ہوی ہے چنانچہ حدیث میں وارد ہے۔

نزل جبرئیل علی النبی وھو یلعب مع الصبیان	نبی صلعم پر جبرئیل نازل ہوئے اور آپ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔

قرآن شریف سے ثابت ہے کہ فرزندان یعقوب علیہ السلام نے یعقوب علیہ السلام سے کہا کہ

ارسلہ معنا غداً یرتع ویلعب وانالہ لحافظون۔	یوسف کو کل ہمارے ساتھ بھیجئے وہ سیر کریگا اور کھیلے گا اور ہم اس کی حفاظت کریں گے۔

اس آیت میں فعل لعب یوسف علیہ السلام کی طرف منسوب ہوا ہے جو بالاتفاق نبی ہیں لیکن تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ اسی آیت کی تیسری قرأت "نرتع ونلعب" ہے جس کے معنی ہیں کہ "ہم سیر کریں گے اور کھیلیں گے"۔ اس قرأت کی روسے فعل لعب تمام فرزندانِ یعقوب علیہ السلام کی طرف منسوب ہوتا ہے جو انبیا ہیں اگر لہو ولعب کو معصیت قرار دیا جاے تو ان سب صورتوں میں انبیا علیہم السلام کو عاصی قرار دینا ہوگا یا اس کی جو توجیہات کی جائیں گی اس قسم کے افعال کی بھی ہو سکتی ہیں۔ اسی سے ثابت ہے کہ کھیل اور تفنن گناہ و معصیت نہیں ہے!

یہاں تک تو ان افعال کی ظاہری صورت سے بحث ہوئی اب اس سے آگے ان افعال سے مقصد اور نیت کی بحث بھی ضروری ہے کیونکہ اس قسم کا کوئی فعل محض بنظر لہو ولعب ہو تو مکروہ ہے اور اگر اس نیت سے ہو کہ اس سے لڑائی کے داؤپیچ معلوم ہوں اور مقاتلہ مع الکفار کی بصیرت حاصل ہو یا ایسے ہی اور کوئی فوائد مقصود ہوں تو وہی فعل بلا کراہت جائز ہوتا ہے۔ چنانچہ شرعی احکام میں اس قسم کی بہت سی صورتیں ملتی ہیں مثلاً شطرنج کھیلنا لہو ولعب کی نیت سے ہو تو مکروہ ورنہ جائز ہے۔ فتاوی عالمگیریہ کی کتاب الکراہتہ باب (۱۷) میں لکھا ہے۔

المصارعة بدعة وهل يرخص للشبان

کشتی لڑنا بدعت ہے۔ کیا نوجوانوں کو اسکی اجازت دی جاسکتی ہے امامؒ کا قول ہے

الاثر فیها الا ان ینظر ان اراد به التلهی یکره له ذلك ویمنع عنه وان اراد تحصیل القوه لیقدر علی المقاتلة مع الکفرة فانه یجوز ویثاب علیه

کہ وہ بدعت نہیں ہے اور اس کی نسبت روایت بھی وارد ہے۔ مگر یہ دیکھا جائے کہ اس سے صرف لہو ولعب مقصود ہے تو یہ مکروہ ہے اور اس سے روکا جائے اور اگر اس سے کفار سے لڑنے کے لئے قوت حاصل کرنا مقصود ہو تو یہ جائز اور باعث اجر و ثواب ہے۔

تفسیر کبیر میں فرزندان یعقوب علیہ السلام کے لہو ولعب کی یہی توجیہ کی ہے کہ

کان لعبهم الاستباق والغرض منه تعلم المحاربة والمقاتلة مع الکفا

ان کا کھیل مسابقت (ایک کا دوسرے سے بڑھنے کا جذبہ) تھا اور اس سے مقصود کفار کے ساتھ جنگ سیکھنا تھا۔

ان مثالوں سے ظاہر ہو رہا ہے کہ وہی فعل جو بظاہر لہو ولعب معلوم ہوتا ہے اگر کسی نیک مقصد اور ارادۂ خیر سے کیا جائے تو وہ بلا کراہت جائز بلکہ موجب اجر و ثواب ہو جاتا ہے۔ پس ہم کہتے ہیں کہ حضرت بندگیمیاں سید خوندمیرؓ کے یہ افعال بھی اسی قسم کی نیک نیت پر مبنی تھے اس لئے گناہ و معصیت نہیں بلکہ موجب ثواب ہیں اور آپ پر عدم صدورِ معصیت کا مضمون پورا پورا صادق ہے۔

مولف ہدیہ کے اس اعتراض کا ایک اور جواب یہ ہے کہ صاحب فتوحات نے "ما عصی اللہ" لکھا ہے اور عرف شرع میں عاصی کا اطلاق صاحب کبائر پر ہوتا ہے اہل صغائر پر نہیں ہوتا چنانچہ تفسیر کبیر میں تحت آیت "عصیٰ آدم ربه فغویٰ" لکھا ہے۔

ان العاصی اسم ذم فلا یطلق الا علی صاحب الکبیرة لقوله تعالیٰ ومن یعص اللہ ورسوله ویتعد حدود اللہ یدخله ناراً خالداً فیها۔

عاصی برائی ظاہر کرنے والا اسم ہے وہ صرف گناہ کبیرہ ہی پر اطلاق کیا جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی معصیت کرے اور حدود اللہ سے تجاوز کر جائے

اللہ تعالیٰ اس کو ہمیشہ دوزخ میں داخل کرے گا۔

ایضا ان ظاهر القرآن یدل علی ان العاصی مستحق للعقاب والعرف یدل علی انه لوکان تارك المندوب عاصیا لوجب وصف الانبیاء باسرهم بانهم عصاة فی کل حال لاینفکون من ترك المندوب انتهی۔

ظاہر قرآن اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ عاصی مستحق عذاب ہے اور عرف و اصطلاح اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عاصی اسم ذم (برائی ظاہر کرنے والا) ہے پس عاصی کو تارک واجب سے خاص کردینا واجب ہے اس لئے کہ اگر امر مستحب کے تارک کو عاصی کہا جائے تو تمام انبیا کو بہرحال عاصی کہنا لازم آئے گا کیونکہ انبیا علیہم السلام مستحب کے ترک سے بری نہیں ہیں۔

بدیہی طور پر معلوم ہے کہ کسب حلال اور کشتی لڑنا لڑانا اور جانوروں کو لڑانا جبکہ خلوص نیت پر مبنی ہو موجب اجر و ثواب ہے صغائر سے بھی نہیں ہے چہ جائیکہ گناہ کبیرہ ہو۔ پس دوسری تمام وجوہ سے قطع نظر صاحب فتوحات کا قول جو ماعصی اللہ قط ہے ان وضوا و خلفاء مہدی علیہ السلام پر اس وجہ سے بھی بلاشک و شبہ ثابت و متحقق ہے کہ کسی صورت میں بھی یہ افعال گناہ کبیرہ نہیں ہیں۔

ہی.

چنیں شہریارے چناں ÷ جہاں چوں نگیرد قرارے چناں ۔ اس گستاخانہ دریدہ دہنی کے جو رشحات حضرت امامنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دامن تقدس و معصومیت تک پہنچ رہے ہیں اس سے ان اہل کفر و طغیان کی یاد تازہ ہوتی ہے جو ہر زمانہ میں خلفاء اللہ کی جناب اقدس میں ان کی عظمت و اعلیٰ منزلت کے خلاف بد زبانی کرتے چلے آئے ہیں۔ حضرت افضل الانبیا علیہ افضل الصلوات والسلام کی جناب اقدس میں کفار نے کیا کچھ نہیں کیا اور آج بھی معاندین اسلام کیا کچھ بے ادبی نہیں کرتے ہیں پس جن لوگوں کو انہی اہل کفر و طغیان کی وراثت ملی ہو وہ حضرت خاتم الاولیا علیہ السلام کی جناب اقدس میں ایسی گستاخی کریں تو ان کا یہ عمل اسی وراثت کا نتیجہ و ثبوت ہے اس کا بدلہ

اللہ تعالیٰ دینے والا ہے۔

بندگیمیاں شاہ نعمت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جو واقعات لکھے اور اُن سے جو نتائج نکالے گئے ہیں ان کے متعلق اسی کتاب کی جلد اول حصہ دوم میں ہم نے تحقیق کی ہے۔ اور واقعات کے وہ حصے واضح کردیے ہیں جن پر مولف ہدیہ نے پردہ ڈال دیا اور بیان نہیں کیا ہے یعنی بندگی میاں شاہ نعمتؒ جب حضرت امامنا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت نے حکم دیا کہ تم جن لوگوں کے قصور وار ہو اول ان سے معاف کرواکے آؤ۔ اس حکم کی تعلیم میں آپ اُس حبشی کے مکان پر پہنچے اور کہا کہ میں نے تیرے لڑکے کو قتل کیا ہے یہ تلوار اور میرا سر حاضر ہے تو مجھ سے قصاص لے یا معاف کردے۔ اس نے دیکھا کہ آپ کی حالت دگرگوں ہوگئی ہے اور چہرہ انوارِ تجلیات سے منور ہے کہا میں نے اس شرط سے معاف کردیا کہ یہ نعمت تم کو جہاں سے ملی ہے مجھے بھی اس کا نشان بتائیں۔ پھر آپ اس کو ہمراہ لئے ہوے حضرت امامنا علیہ السلام کی خدمتِ قدسی منزلت میں واپس ہوئے اور وہ حبشی بھی جن کا نام سدّی عبداللہ تھا امامنا علیہ السلام کی تصدیق و بیعت سے مشرف ہوگئے۔ (پنج فضائل وتذکرۃ الصالحین)

پس احکام شرع شریف کے مطابق قصاص ولی مقتول کا حق ہے اگر وہ معاف کردے تو قاتل ذمہ داری سے بری ہو جاتا ہے جبکہ سدّی عبداللہ نے معاف کردیا تو بندگیمیاں شاہ نعمتؒ اس فعل کی ذمہ داری سے بری ہوگئے ہیں اور خلافت کے مرتبۂ جلیلہ پر فائز ہونے میں کوئی امر مانع نہیں رہا ہے۔

اس کے علاوہ ایمان اور توبہ کے بعد وہ سب گناہ جو پہلے کئے گئے ہوں حبط ہو جاتے ہیں چنانچہ الاسلام یھدم ما قبلہ (اسلام اس سے پہلے کے گناہوں کو منہدم کردیتا ہے) اسی کی طرف اشارہ ہے۔ اسی ضابطہ کے موافق بہت سے جلیل القدر صحابۂ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اسی قسم کے بلکہ اس سے بڑھ کر افعال قبل اسلام سرزد ہوے تھے لیکن وہ بعد اسلام و ایمان سب حبط ہوگئے اور وہ صحابہؓ یبدل اللہ سیاٰتھم حسنات (اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیتا ہے) کے مورد و مصداق ہوگئے ہیں مثلاً عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

قبل اسلام حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت دشمن اور حضرت کی آزار رسانی بلکہ قتل کے درپے تھے۔ خالد بن الولید جنہوں نے غزوۂ احد میں مسلمانوں کو شکست دی اور کئی اصحاب رسول اللہ کو شہید کیا اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی زخمی ہوئے غرض ایک زمانہ تک حضرت پیغمبر اسلام صلعم اور صحابۂ رسول اللہ کے معاند و دشمن بنے رہے ظاہر ہے کہ عوام کے قتل وایذا دہی کی بہ نسبت مسلمانوں کے اعتقاد میں خاص صحابۂ رسول اللہ کو شہید کرنا اور آنحضرت صلعم کو اذیت دینا اور شہید کر دینے کے درپے ہونا زیادہ سے زیادہ بدترین گناہ ہیں۔ مگر اسلام سے مشرف ہونے کے بعد وہی عمر بن الخطاب جلیل القدر صحابی بنے اور وہی خالد بن الولید "سیف اللہ" کے لقب وخطاب سے سرفراز ہوئے۔

پس بندگی میاں شاہ نعمت رضی اللہ عنہ سے بھی پہلے جو کام سرزد ہوئے تھے وہ ولی مقتول کے معاف کر دینے اور توبہ کرنے اور خلیفۃ اللہ پر ایمان لا لینے کے بعد سب حبط ہو گئے اور آپ بھی یبدل اللہ سیأتھم حسنات کے مورد و مصداق ہو گئے ہیں اور مراتب اعلیٰ پر فائز ہوئے ہیں تو اس میں کوئی امر مانع نہیں ہے۔

اس موقع پر ناظرین کرام کے لئے ایک اور بات ضروری طور پر قابل توجہ یہ ہے کہ مہدویہ کے پاس اخص الوزرا کا وجود کسی حدیث سے ثابت نہ ہونیکی وجہ سے وہ مذہباً علاماتِ امام مہدی علیہ السلام میں ضروری نہیں ہے اور نہ اخص الوزرا کے تعین سے کوئی بحث ہی کی گئی ہے کہ کون ہیں۔ ایسی صورت میں مولف ہدیہ نے امامنا علیہ السلام کے صرف انہی تین خلفا سے جو بحث کی ہے اور اپنے خیال فاسد کے مطابق ان چند امور کو خلافت مخصوصہ کا مانع سمجھ لیا ہے جن کی حقیقت اور ان کا مانع نہ ہونا واضح ہو چکا ہے۔ مولف صاحب ہدیہ سے پوچھا جائے کہ حضرت امامنا علیہ السلام کے کیا یہی تین خلفا ہیں اور ان کے سوا کوئی اور نہیں ہیں دوسرے بہت سے خلفا وصحابہ کی طرف آپ کا ذہن کیوں منتقل نہیں ہوا جن میں آپ کے خیالی موانع نہیں پائے جاتے ہیں مثلاً خلفائے اثنیٰ عشر بشر بالجنۃ ہی میں سے بندگیمیاں شاہ نظام و بندگی میاں شاہ دلاور رضی اللہ عنہما ہی کو دیکھو کہ ان کی نسبت نہ نوکریاں کرنے کی روایت آئی ہے اور نہ جانور لڑانے کی اور نہ کسی کو قتل کرنے کی؟

پس آپ کے زعم باطل کے مطابق اُن میں تو کوئی امر اخص الوزرا ہونے کا مانع نہیں پایا جا رہا ہے پھر آپ کا ذہن ان کی طرف کیوں منتقل نہیں ہوا اور آپ نے ان کا ذکر کیوں نہیں کیا؟ اسی سے مولف ہدیہ کی بد دیانتی ظاہر ہے۔

اخص الوزرا کی بحث کے آخر میں مولف ہدیہ نے اخص الوزرا دوسرے صحابہ کی جنس سے نہ ہونا اور امامنا علیہ السلام کے سب وزرا ایک ہی جنس کے یعنی عجمی ہونا بیان کر کے صاحب فتوحات کے قول کے مصداق نہ ہونے اور وزرائے مہدی علیہ السلام کے ہاتھوں فتح قسطنطنیہ ہونے کا مکرر ذکر کیا ہے جو بالکل غیر صحیح ہے۔ مولف صاحب ہدیہ باوجود دعوئ ہمہ دانی یہاں جنس سے کیا مراد لے رہے ہیں۔ منطقیین کے اصول پر تو "انسان" بھی نوع ہے جنس نہیں ہے پھر عجمی ہونا جنس کیسے ہو سکتا ہے۔

اس کے قطع نظر یہاں اعاجم کے الفاظ ہیں اور اعاجم اعجم کی جمع ہے اور اعجمی اور عجمی میں بہت فرق ہے جیسا کہ اس سے پہلے از روے لغت اس کی تحقیق ہو چکی ہے۔

فتح قسطنطنیہ کی روایت میں اس کے راویوں کے ضعف وقوت کی بحث کے قطع نظر بھی امام مہدی علیہ السلام اور آپ کے اصحاب سے فتح قسطنطنیہ کو کوئی تعلق نہ ہونے کی تحقیق خود علمائے اہل سنت کے اقوال سے کر دی گئی ہے پس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔

مولف صاحب ہدیہ نے تحریفات کی بحث کے آخر میں دلیل دہم کے نام سے ایک اور تحریف ذکر کی ہے جو آخری و انتہائی تحریف ہے اور غلط بیانی کے لحاظ سے بھی وہ انتہائی ہی ہے چنانچہ لکھا ہے کہ

> دلیل دہم میاں خوندمیر اسی مکتوب ملتانی میں ایک اور عبارت فتوحات کی اپنے پیر و مرشد کے بیان بزرگی اور اثبات خاتمیت کے واسطے نقل کرتے ہیں وہ عبارت یہ ہے۔
>
> الختم ختمان ختم یختم اللہ بہ الولایۃ مطلقاً و ختم یختم اللہ بہ الولایۃ المحمدیۃ فاما ختم الولایۃ علی الاطلاق فھو

عیسیٰ علیہ السلام فھو الولی بالنبوۃ المطلقۃ فی زمان هذہ الامۃ الخ۔

واضح ہو کہ مولف صاحب ہدیہ نے اس دلیل میں بھی دلیل ہشتم کی طرح عبارت فتوحات میں کچھ تغیر و تبدل ہونا بیان کرکے یہ دعویٰ کیا ہے کہ بندگی میاں سید خوندمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس عبارت میں کئی تحریفیں کی ہیں۔ لیکن ناظرین کرام یہ سن کر حیران رہ جائیں گے کہ یہ عبارت "مکتوب ملتانی میں ہے ہی نہیں چنانچہ مکتوب ملتانی کے مندرجہ مضامین کی ترتیب یہ ہے کہ فتوحات کی مندرجہ روایات اور طول طویل مضامین کا اقتباس درج کرنے کے بعد اس طرح ختم کیا گیا ہے۔

"دیگر احادیث و روایات کہ درحق مہدیؑ ثابت شدہ است در کتبہا بسیار است اما از جہت دراز شدن کیفیت مختصر کردہ شد"

اس کے بعد مکتوب ملتانی میں چند آیتیں لکھی گئی ہیں جو حضرت امامنا علیہ السلام نے مختلف موقعوں پر بیان فرمائی ہیں۔ چنانچہ خود مولف ہدیہ نے دلیل یازدہم کے تحت وہ آیتیں نقل کرکے اُن کے مطالب و مفہوم کے متعلق جو ایرادات پیش کئے ہیں اُن سے اس کے موقع پر ہم بحث کریں گے۔ غرض مکتوب ملتانی میں یہ آیتیں نقل کرنے کے بعد صحابۂ رسول اللہ صلعم کے اقوال کا اقتباس اس تمہید کے ساتھ درج کیا گیا ہے۔

"و آیاتِ دیگر بسیار است کہ بر صدقِ وے دلالت می کنند و اقوالِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نیز بے شمار است کہ بر صحت و ثبوت آں گواہی می دہند چنانچہ قولِ امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ بریں معنیٰ وارد شدہ است۔

بنیّ اذا ماجاشت الترک فانتظر ولایۃ مھدی یقوم و یعدل

وذلّ ملوک الارض من ال ھاشم و بویع منھم من یلذ و یھزل

صبی من الصبیان لا رای عندہ ولا عندہ جد ولا ھو یعقل

فثم یقوم القائم الحق منکم و بالحق یاتیکم و بالحق یعمل

سمی نبی اللہ [illegible] فداءہ [illegible]

[illegible]

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ان اشعار پر رسالۂ مکتوب ملتانی ختم ہو گیا ہے ۔ رسالہ کے ختم پر دلالت کرنے والا یہ جملہ بھی درج ہے "حسبنا اللّٰہ و نعم الوکیل نعم المولیٰ و نعم النصیر"

بقیہ حاشیہ ص ۳۴۱) حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کی طرف صحیح و ثابت ہونا ظاہر ہوتا ہے ۔ دیوانِ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعدد قلمی نسخوں میں یہ اشعار موجود ہیں ۔ نامی پریس لکھنؤ کے چھپے ہوئے نسخہ میں اور مطبع حجر (مصر) کے ۱۲۷۶ھ کے مطبوعہ نسخہ میں بھی یہ اشعار موجود ہیں ۔

ان اشعار کا ترتیب وار ترجمہ یہ ہے ۔

(۱) ۔ اے میرے فرزند جب ترک حملہ کریں تو تم مہدی کی ولایت کے منتظر رہو جو قائم ہو گا اور عدل کرے گا ۔

(۲) ۔ ہاشمی ظالم بادشاہ ذلیل ہو جائیں گے اور ان میں سے ایک ایسے شخص سے بیعت کی جائے گی جو کھیل کود میں لگا ہوا ہو گا ۔

(۳) ۔ وہ بچوں میں سے ایک بچہ ہو گا جو نہ بزرگی و عظمت اور نہ عقل و رائے رکھتا ہو گا ۔

(۴) ۔ پھر تم میں سے حق کو قائم کرنے والا کھڑا ہو گا جو تم پر حق کو پیش کرے گا اور خود حق پر عمل کرے گا ۔

(۵) ۔ وہ رسول اللہ کا ہمنام ہو گا ۔ میری ذات اس پر سے فدا ہو جائے ۔ پس میرے فرزندو اس وقت جلدی کرنا اور اس کو نہ چھوڑنا ۔

ظاہر ہے کہ یہ ایک خبر مغیب یا پیشین گوئی ہے جس میں بطور کشف و الہام بعد میں ہونے والے واقعات کی خبر قبل وقوع واقعہ دی گئی ہے ۔

اصولِ حدیث کے ضابطے کے نظر کرتے یہ قولِ صحابی یا حدیثِ موقوف ہے ۔ اگرچہ اہلِ سنت کسی صحابی رسول اللہ کو معصوم نہیں مانتے اور اُن کے نزدیک کسی غیر معصوم کا کشف و الہام قطعی نہیں ہوتا اس لئے اُن کے نزدیک کسی صحابی کی خبر مغیب یا پیشین گوئی سے قطعی و یقینی علم حاصل نہیں ہوتا ۔ لیکن کسی خبر مغیب کا ظہور اسی کے مطابق ہو جائے تو وہ موجبِ قطع و یقین ہو جاتی ہے ۔ اسی اصول پر بعض راہبوں اور کاہنوں کی ان پیشگوئیوں سے علمائے اہلِ سنت حجت لیتے آئے ہیں جو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور اور حالات و واقعات سے متعلق قبلِ وقوع واقعہ بیان کی گئی تھیں اور بعد میں

جو عبارت مولف ہدیہ نے اس موقع پر لکھی ہے وہ عبارت اس سے پہلے بھی رسالۂ مکتوب ملتانی میں کہیں نہیں ہے۔ پس مولف صاحب ہدیہ اول یہ بتائیں کہ جس عبارت کو آپ نے دلیل دہم قرار دیا ہے وہ مکتوب ملتانی میں کہاں ہے؟

(بقیہ حاشیہ ص ٣٠٨) وہ حضرت کے حالات وواقعات سے پوری مطابق ثابت ہوئیں جیسے "بحیرہ" راہب کا حضرت کو زمانۂ شیر خوارگی میں دیکھکر یہ کہنا کہ اس بچہ کے ایک منخر (نکپوڑے) میں نبوت اور دوسرے میں حکومت ہے۔ پس وہی اہل سنت حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کے نامحدود کمالات وفضائل ظاہری وباطنی کو متفقہ طور پر تسلیم کرتے ہوئے حضرت کے فرمان کو قابل حجت نہ ماننے کی کوئی وجہ نہیں خصوصاً اس صورت میں کہ تاریخی واقعات اس پیشین گوئی کے ٹھیک ٹھیک مطابق ظاہر ہونے کی تاریخی شہادت ملتی ہے۔ چنانچہ ٦٥٦ھ مطابق ١٢٥٨ء میں جبکہ "ہلاکو" نے دو لاکھ تاتاریوں کیساتھ بغداد پر حملہ کیا اور خلیفۂ وقت مستعصم باللہ عباسی معہ اپنے بیٹوں اور خاندان کے سربرآوردہ افراد کے قتل ہو کر خلافت عباسیہ کا خاتمہ ہو گیا۔ اس طرح ترکوں کے حملہ کرنے اور ہاشمی بادشاہوں کے ذلیل وخوار ہونیکی پیشین گوئی پوری ہوئی

٦٥٦ھ سے ٦٥٩ھ تک کوئی خلیفہ نہیں رہا ٦٥٩ھ میں "بیبرس" حاکم مصر نے بنی عباس کے ایک لڑکے کو جس کا نام احمد ابوالقاسم تھا قاہرہ بلوا کر اور اس کو مستنصر باللہ کا لقب دیکر خلیفہ بنایا اور اس سے بیعت کی گئی (تاریخ الخلفاء وترجمہ تاریخ اسلام مولفۂ امیر علی) اس طرح بنی عباس کے ایک لڑکے سے بیعت کرنے کی پیشین گوئی بھی صادق آئی۔ ان واقعات کے بعد ہی امامنا مہدیٔ موعود علیہ السلام کا ظہور ہوا جن کا نام مبارک سید محمد بن سید عبد اللہ تھا اور نہ صرف یہی کہ آپکا نام حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمنام تھا بلکہ حدیث "یواطی اسمہ اسمی واسم ابیہ اسم ابی" کے موافق آپ کے والد بزرگوار کا نام بھی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد کے ہمنام تھا۔ سب سے زیادہ عجیب واقعہ جو ناظرین کو حیرت میں ڈال سکتا ہے یہ ہے کہ آپ کی والدۂ ماجدہ کا نام بھی بی بی آمنہ تھا جو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدۂ محترمہ کی ہمنام تھیں اگرچہ حدیث مذکورہ میں اس کی کوئی صراحت نہیں ہے۔ غرض "سمیّ" رسول اللہ ہونے کی پیشین گوئی بھی بدرجۂ اتم صادق ہے۔ پس جبکہ واقعات پیشین گوئی کے ٹھیک مطابق ظہور میں آئے ہیں تو اس کے صادق ہونے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

ان تاریخی واقعات کے تطابق کے علاوہ اصولِ حدیث کا ایک ضابطہ یہ بھی ہے کہ کوئی قولِ صحابی

معلوم ہوتا ہے کہ جس مکتوب ملتانی کے نسخہ سے مولف ہدیہ نے مکتوب ملتانی کی عبارتیں نقل کی ہیں اس مکتوب ملتانی کے رسالہ میں جیسا کہ اکثر لوگوں کی عادت ہے کہ اپنی زیر مطالعہ کتاب کے اول و آخر میں یا جہاں کہیں موقع ملے بطور یادداشت کچھ عبارت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۰۹) یا حدیثِ موقوف کسی مرفوع یا قولِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق ہو تو وہ بھی قابلِ حجت ہوتی ہے۔ اس ضابطہ کے تحت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اس پیشین گوئی کو دیکھا جائے تو اس معیار پر بھی وہ صحیح اترتی ہے کیونکہ متعدد مرفوع احادیث میں بھی ترکوں یا تاتاریوں کے حملہ کی خبر مغیب پائی جاتی ہے جن میں سے بعض میں تو حملہ آور قوم کا حلیہ اور علامتیں ایسی بتائی گئی ہیں جو تاتاریوں میں پائی جاتی ہیں اور بعض احادیث میں قوم ترک کی صراحت بھی ہے۔ ان احادیث کو مشہور محدثین بخاری۔ مسلم۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی۔ احمد ابن حبان۔ بیہقی وغیرہ وغیرہ نے روایت کی ہے۔ پس حملۂ ترک کی پیشین گوئی ان مرفوع احادیث کے ٹھیک مطابق ہے۔

امام احمد۔ ابن ماجہ۔ حاکم۔ ابونعیم۔ بیہقی وغیرہ نے کسی قدر اختلافِ الفاظ سے یہ حدیث مرفوع روایت کی ہے جس کا پورا متن

يقتتل عند كنزكم ثلاثة كلهم ابن خليفه ثم لا يصير الى واحد منهم ثم تطلع الرايات السود من قبل المشرق فيقتلونكم قتلاً لم يقتله قوم ثم يجيئ خليفة الله المهدى فاذا سمعتم به فائتوه فبايعوه ولو حبواً على الثلج فانه خليفة الله المهدى۔

(اس حدیث میں چار واقعات کی پیشین گوئی کی گئی ہے) ایک یہ کہ خزانہ یعنی خلافہ جو سب خلیفہ کے بیٹے ہوں گے ان میں سے کسی کو بھی وہ نہ ملے گی۔ دوسرا کالی جھنڈیاں یا نشانیاں مشرق کی طرف سے نکلیں گی تیسرا یہ کہ تم کو یعنی مسلمانوں کو ایسا قتل کریں گے کہ کسی قوم نے ایسا قتل نہ کیا ہو۔ چوتھا یہ کہ اس کے بعد اللہ کے خلیفہ مہدی آئیں گے جب تم ان کا نکلنا سن لو تو ان کے پاس آؤ اور ان سے بیعت کرو اگرچہ تم کو برف پر سے رینگتے جانا پڑے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ مہدی ہیں۔

تاریخ اسلام کے واقعات پر ایک تحقیقی نظر ڈالنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اس خبرِ مغیب یا پیشین گوئی کے جس قدر حصے ہیں ان کا ظہور مختلف ادوار میں ہوا ہے۔

یا اشعار وغیرہ لکھ لیتے ہیں ایسا ہی کسی نے اس کے سادہ اوراق پر یہ عبارت لکھ لی ہوگی اور مولف ہدیہ نے اپنی خوش فہمی سے اس کو مکتوب ملتانی کی مندرجہ عبارت اور اس کا جز سمجھ لیا اور اس کو دلیل دہم بھی قرار دیدیا اور اس پر تحریفات کا اعتراض بھی گھڑ لیا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۱۰) پہلا جز حضرت امام حسنؓ و امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما و محمد بن حنفیہؒ کی اس جد وجہد اور جنگ و جدال پر صادق ہے جو سب خلیفۂ برحق حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کے فرزند ہیں اور جنہیں اپنی اس جد وجہد میں کامیابی نہیں ہوئی۔

دوسرا جز یعنی "رایات سود" کا ظہور خلافت عباسیہ کے قیام کیلئے خراسان میں ابومسلم خراسانی کی جد وجہد کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے جو سیاہ لباس اور سیاہ پرچمیں اس تحریک کے محرکین کی علامت قرار دی گئی تھیں کیونکہ "سود" کا لفظ سیاہ اور سیادت دونوں معنی کا محتمل ہے جیسا کہ علامہ مجیبؒ نے اس سے پہلے اس کی تحقیق فرمائی ہے۔

تیسرا جز خلافت عباسیہ کے خاتمہ اور بغداد میں تاتاریوں کے حملہ کے وقت جو قتل عام ہوا اسکی طرف اشارہ ہے چنانچہ ترجمۂ تاریخ اسلام مولفہ امیر علی میں مشہور مورخ ابن خلدون کے حوالہ سے لکھا ہے کہ "یہ قتل عام چالیس روز تک جاری رہا اور (۱۶) سولہ لاکھ مسلمان قتل ہوئے کئی دن تک گلیوں میں خون کے دریا بہتے رہے اور دجلہ کا پانی کئی میلوں تک ارغوانی ہوگیا تھا"۔ خبر غیب کے الفاظ اور سیاق کلام کے نظر کرتے واقعی مقتولین کی یہ تعداد ایسی ہے کہ اس سے پہلے کسی قوم کی کسی جنگ میں اتنی تعداد قتل نہیں ہوئی ہے۔

چوتھا جز امام مہدی علیہ السلام کے ظہور اور آپ سے بیعت کرنے کی تاکید اکید ہے جس سے امام علیہ السلام کا زمانۂ ظہور و بعثت ان تینوں پیشین گوئیوں کے بعد ثابت ہوتا ہے۔ حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کی پیشین گوئی میں بھی امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کا زمانہ تاتاریوں کے حملہ اور خلفائے عباسیہ کے خاتمہ کے بعد ہی ہونا ثابت ہو رہا ہے۔

ان اشعار میں امام مہدی علیہ السلام کے اولاد علی سے ہونے کا اشارہ اور آپ کا ہمنام رسول اللہ ہونا اور وصف عدل و قیام حق و عمل بالحق سے متصف ہونا بھی ایسے امور ہیں جنکی تائید و مطابقت متعدد اخبار مرفوع سے ثابت ہے۔ پس یہ اشعار جو خبر موقوف یا حدیث موقوف کی حیثیت رکھتے ہیں مرفوع احادیث کے پورے مطابق ہونیکی جہت سے بھی ضرور قابل حجت ہیں۔

ان روشن اور واضح وجوہ و دلائل کے ہوتے جو حضرت امامنا مہدی موعود علیہ السلام پر پورے منطبق ہیں مولف ہدیہ کا یہ کہنا کہ جو" اشعار جناب مرتضوی کی طرف منسوب ہیں بعد اثبات صحت

ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ (گویا تاریکی در تاریکی ہے)

مولف صاحب ہدیہ کو خود اس کا اعتراف بھی ہے کہ یہ عبارت فتوحات کی ہونے کا حوالہ نہیں دیا گیا ہے۔ یہ خود اس بات کا قوی قرینہ ہے کہ یہ عبارت رسالۂ مکتوب ملتانی کی نہیں ہے ورنہ فتوحات کی مندرجہ روایات و مضامین کا جہاں اقتباس یا خلاصہ درج ہے اسی کے ساتھ یہ فقرہ بھی لکھا جاتا اور دوسری منقولہ عبارتوں کے حوالہ جات کی طرح اس کا بھی حوالہ دیا جاتا لیکن آیات قرآنی اور اقوال صحابہ کے ضمن میں یہ فقرہ کیوں درج ہوتا جبکہ نہ یہ آیت قرآنی ہے اور نہ کسی صحابی کا قول ہے۔

غرض یہ عبارت مکتوب ملتانی کی نہیں ہے اور مولف ہدیہ نے اس کے متعلق حضرت مصنف مکتوب ملتانی رضؓ پر تحریفات کے جو اعتراضات کئے ہیں اور حضرت کی جناب اقدس میں بدگوئی کا جو طومار باندھا ہے وہ سب بے اصل ہے۔

پس اس ضمن میں اسی غلط نظریہ کے تحت کہ "مکتوب ملتانی میں فتوحات کی اس عبارت میں حضرت مصنف مکتوب ملتانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تحریفات کی ہیں" مولف ہدیہ نے جس قدر ہرزہ سرائی کی ہے وہ سب بے اصل اور بنائے فاسد علی الفاسد ہے۔ اس لئے ان سے بحث کرنے کی حاجت نہیں ہے۔

دلیل یازدہم کے ضمن میں مولف ہدیہ نے چند آیتیں نقل کی ہیں اور مہدویہ کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۱۱) سند کے بھی مفید مقصود نہیں ہیں" کہنے والے کی کسقدر کوتہ نظری اور عدم تحقیق و تدبر کا علانیہ ثبوت ہے حالانکہ امامنا مہدیٔ موعود علیہ السلام باعتبار نسب و نام اور اوصاف اور زمانہ بعثت ان پیشین گوئیوں کے پورے پورے مصداق ہیں۔ مولف صاحب ہدیہ انصاف و دیانت سے فرمائیں کہ وہ اپنے خیال فاسد میں جس مہدی کے منتظر ہیں ان کے لئے بھی یہی امور معیار صداقت ہوں گے یا کوئی اور۔ اگر ان کے سوا کوئی اور ہی ہوں گے تو وہ کونسے ہیں؟ اور وہ کن صحیح و معتبر احادیث سے ماخوذ ہیں؟ اور اگر یہی فاطمی النسب اور ہمنام و ہم خلق رسول اللہ ہونا اولین شرائط ہوں گے تو پھر وجہ ترجیح کیا ہوگی کہ یہی امور ان کے لئے تو معیار صداقت رہیں گے اور یہاں وہ قابل لحاظ کیوں نہ سمجھے جائیں ۱۲

شہاب بن نصرت غفرلہا

بعض کتابوں کے نام سے لکھا ہے کہ مہدویہ کے نزدیک ان آیتوں میں سے بعض کا مصداق امامنا مہدئ موعود علیہ السلام کی ذات اقدس اور بعض کا جماعت مہدویہ اور بعض خلفائے امامنا علیہ السلام ہیں لیکن یہاں یہ نہیں بتایا کہ ان آیتوں کے مورد و مصداق یا ان کے کسی خاص لفظ سے کوئی فرد خاص یا مخصوص جماعت مراد لینے میں مولف ہدیہ کو کیا شبہات ہیں؟

اس کے بعد آیت "ثم اِنّ علینا بیانہٗ" سے کچھ بحث کی اور لفظ "ثم" کے استعمال کی چند مثالیں دیکر یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ بیان کا متراخی ہونا صحیح نہیں ہے۔ پس اس دلیل کے متعلق مباحث کے دو حصے ہو جاتے ہیں ایک تو مذکورہ آیتوں کے مصداق و مراد کی نسبت۔ دوسرے خاص آیت ثم انّ علینا بیانہ سے متعلق۔

دوسری آیتوں سے متعلق مولف ہدیہ جہاں اپنے شبہات پیش کریں گے ہم بھی ان سے وہیں بحث کریں گے اس موقع پر صرف آیت ثم ان علینا بیانہ کے متعلق انھوں نے جو کچھ لکھا ہے اول اسی پر ایک تنقیدی نظر ڈالی جاتی ہے۔

مولف صاحب ہدیہ نے مذکورہ آیت کی روسے بیان کے متراخی ہونے نہ ہونے کی نسبت جو رد و قدح کی ہے اس سے تو بعد میں بحث کیجائے گی لیکن سب سے پہلے یہی بات قابل تنقید ہے کہ انھوں نے بزعم خود ثبوت مہدیت کی یہ گیارھویں دلیل جو قرار دے لی ہے یہی کہاں تک صحیح ہے؟ کیونکہ نہ حضرت مصنف مکتوب ملتانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسکو اثبات مہدیت کی دلیل قرار دیا ہے اور نہ عقل سلیم اس کو اثبات مہدیت کی دلائل میں شمار کرسکتی ہے اس لئے کہ دلائل اثبات مہدیت تو صرف وہ علامات ہیں جو حضرت مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت مہدی علیہ السلام کے متعلق صحیح طور پر وارد ہوئے ہیں۔ اور وہ امور جو مولف ہدیہ نے کتب مہدویہ کے نام سے لکھے ہیں وہ امام علیہ السلام کے فضائل و کمالات یا فرائض منصب سے تعلق رکھتے ہیں۔ پس جب صحیح علامات کے مطابق جس ذاتِ اقدس کا مہدئ موعود ہونا ثابت ہو جائے یہ سب فضائل بھی اُس ذاتِ اقدس کے لئے ثابت ہوں گے اور اس کا فرمان موجبِ قطع و یقین ہوگا۔ وہ جس آیت قرآنی کے مفہوم کا مصداق و مراد جس کو بیان فرمائے اس پر کسی شک و شبہ کے بغیر ایمان لانا واجب ہوگا۔

اس کی واضح مثال یہ ہے کہ حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام نے تعمیر کعبہ کے وقت جو دعا کی تھی وہ قرآن مجید میں اس طرح بیان کی گئی ہے ۔

واذ یرفع ابراهیم القواعد من البیت واسمٰعیل ربنا تقبل منا انك انت السمیع العلیم	ابراہیم اور اسمٰعیل جب بیت اللہ (کعبہ) کی بنیادیں بلند کررہے تھے ۔ (انھوں نے یہ دعا کی کہ) اے ہمارے پروردگار تو اس خدمت کو قبول فرما تو ہی (التجاؤں کو) سننے والا اور (نیتوں کا) جاننے والا ہے ۔
ربنا واجعلنا مسلمین لك ومن ذریتنا امة مسلمة لك وارنا مناسکنا وتب علینا انك انت التواب الرحیم	اے ہمارے پروردگار ہم کو مسلمان بنا اور ہماری اولاد سے ایک امت مسلمہ کو پیدا کر اور ہم کو عبادت کے طریقے بتا اور ہماری توبہ قبول فرما تو ہی توبہ قبول کرنے اور رحم فرمانے والا ہے۔
ربنا وابعث فیهم رسولا منهم یتلو علیهم اٰیاتك ویعلمهم الکتاب والحکمة ویزکیهم انك انت العزیز الحکیم (۱ - ۱۵ - بقرہ)	اے ہمارے پروردگار اُس مسلمان امت میں سے ایک رسول کو مبعوث فرما جو ان پر تیری آیتوں کی تلاوت کرے اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور اُنھیں پاک کرے تو ہی عزت اور حکمت والا ہے ۔

اس واقعۂ دعا کے تخمیناً ڈھائی ہزار سال بعد حضرت نبیٔ عربی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور یہ فرمایا کہ انا دعوۃ ابی ابراھیم " یعنی میرے باپ ابراہیم کی دعا کا ظہور و مصداق میں ہی ہوں (تفسیر معالم التنزیل و تفسیر باب التاویل)

پس منکرین اسلام خواہ مانیں یا نہ مانیں ہر مسلمان جو حضرت محمد صلعم کو رسول برحق مانتا ہے بغیر کسی شک و شبہ کے یہ یقین رکھتا ہے اور یقین رکھنا چاہئے کہ ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کی دعا میں ذکر کی ہوئی امت مسلمہ سے مراد امت محمدیہ ہے اور کتاب سے مراد قرآن اور آیات کی تلاوت اور کتاب کی تعلیم سے قرآن شریف ہی کی آیتوں کی تلاوت اور اسی کی تعلیم اور رسول سے محمد صلعم مراد ہیں ۔ ظاہر ہے کہ مسلمان اس تخصیص کے محض اسی لئے قایل ہیں کہ یہ تخصیص انھیں اپنے رسول برحق اور مخبر صادق کے فرمان سے

معلوم ہوی ہے ورنہ رسول ۔ امتِ مسلمہ ۔کتاب ۔ آیات ان سب الفاظ کا مفہوم عام ہے اور معاندین اسلام اسی عمومیت سے حجت کرکے اس تخصیص کے قائل نہیں ہیں۔

اسی سے یہ بھی متبادر ہے کہ آیاتِ قرآنی کی تلاوت اور حکمت کی تعلیم وغیرہ امور حضرت سرورِ کائنات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل وکمالات اور منصب نبوت ورسالت کے فرائض ہیں یہ براسہ ثبوتِ نبوت ورسالت کی دلیل نہیں ہیں۔

اسی طرح جس ذاتِ اقدس کا صحیح ومعتبر علامات وآثار کے مطابق مہدی موعود ہونا ثابت ومتحقق ہے اس کا فرمان بھی ایسا موجب قطع ویقین ہے کہ وہ جس آیت قرآنی کے مفہوم کا جس کو مصداق قرار دے اس پر کسی شک وشبہ کے بغیر ایمان لانا واجب ہے ۔کیونکہ یہ صرف مہدویہ ہی کا اعتقاد نہیں ہے بلکہ اکابرینِ اہلِ سنت خود قائل ہیں کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام کی ذات معصوم عن الخطا ہے اور حضرت کو اس معدن سے معلومات حاصل ہوتے ہیں جہاں سے وحی کا فرشتہ اخذ کرتا ہے اور خود مولف ہدیہ معترف ہیں کہ لایخطی (خطا نہیں کرے گا) بالاتفاق مہدی علیہ السلام کی شان ہے۔

پھر تعجب ہے کہ مولف صاحب ہدیہ بار بار یہی غلطی کرتے آئے ہیں کہ مفسرین ومحدثین کے ایسے اقوال جن کی بنا محض رائے وقیاس پر ہے اور کسی دلیل قطعی پر مبنی نہیں ہیں امام مہدی علیہ السلام کے فرامین کے مقابلہ میں پیش کرنے کی جراتِ بیجا کرتے رہتے ہیں ۔حالانکہ بدیہی طور پر معلوم ہے اور علمائے اہلِ سنت بھی قائل ہیں کہ مفسرین وغیرہ کا جو قول امام مہدی علیہ السلام کے فرمان ذی شان کے مخالف ہو وہ متروک وناقابل حجت ہے چنانچہ اس کے دلائل کرات ومرات بیان ہو چکے ہیں فلا نعیدھا ھھنا۔

حاصل کلام قرآن شریف کے حقائق ومعارف کا بیان حضرت امام مہدی علیہ السلام کے ذریعہ ہونا جب کہ حضرت کے فرمان سے ثابت ہے تو وہ موجبِ قطع ویقین ہے اور یہ کہ یہ حضرت کے فضائل اور فرائض منصبی سے متعلق ہے اس کو راسہ دلائل ثبوت مہدیت سمجھنا یا کہنا خود کہنے والے کی لاعلمی کی دلیل ہے۔

اس کے بعد اصل بحث کی تحقیق ضروری ہے کہ بیان کی تاخیر جائز ہے یا نہیں برحرف "ثم" کا مفاد کیا ہے؟

اس کی علمی تحقیق سے پہلے خود مولف صاحب ہدیہ ہی کے اقوال سے بحث کی جاتی ہے مولف صاحب ہدیہ نے یہاں تو لکھا ہے کہ ثُم کو سینکڑوں برس کی تاخیر درکار نہیں ہے" (ہدیہ صفحہ ر ۱۰۹) لیکن خود ہی اس کے بھی معترف ہیں کہ" مطلق تاخیر ثم کا مفاد ہے خواہ زیادہ ہو یا کم (ہدیہ صفحہ ایضا) ایک اور مقام پر لکھا ہے کہ" حرف ثم خاص ہے واسطے تعقیب مع التراخی کے اور خاص قطعی ہوتا ہے جیسا کہ اصول میں مبرہن ہے" (ہدیہ صفحہ ۶۱)

مولف صاحب ہدیہ کو اس کا بھی اعتراف ہے کہ آیات قرآنی کا مآل ومصداق کبھی عرصۂ دراز کے بعد ظہور میں آتا ہے چنانچہ لکھا ہے

> البتہ تاویل قرآن یعنی مآل ومصداق آیات قرآنی کا کبھی بعد عرصہ دراز کے ظہور پاتا ہے چنانچہ بعضے اخبار کا ظہور ہو چکا اور بعضے کا آیندہ ہوگا جیسا کہ خروج دابۃ الارض اور یاجوج ماجوج وغیرہ حالات قیامت اور ایسی تاویل یعنی معانی محتملۂ قرآن کی بھی حد نہیں ہے کہ ہر عصر میں علماء و اولیا استخراج کرتے جاتے ہیں۔ (ہدیہ صفحہ ۱۱۱)

پس ناظرین کرام مولف ہدیہ کے ان متضاد بیانات پر اول غور فرمائیں کہ امر مابہ البحث کا فیصلہ خود انہی کے اقوال سے ہو جارہا ہے وہ اس طرح کہ جب حرف "ثم" تعقیب مع التراخی کے لئے خاص ہے اور خاص قطعی بھی ہوتا ہے۔ ثم کا مفاد مطلق تراخی ہے خواہ زیادہ ہو یا کم تو پھر ثم کو سینکڑوں برس کی تراخی درکار نہ ہونا کیا معنی ایسا ہی آیات قرآنی کا جب مآل ومصداق عرصہ دراز کے بعد ظہور پانا جائز ہے تو ثم ان علینا بیانہ کے مآل ومصداق کا ظہور بھی نزول سے عرصۂ دراز کے بعد ہو تو اس میں کیا حرج ہے؟

علم نحو کی کتابوں کے دیکھنے سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ثم مختلف مقعول پر مطلق تراخی کے لئے استعمال ہوتا ہے جیسا کہ رضی شرح کافیہ اور مغنی وغیرہ میں مذکور ہے۔ پس جب تراخی کی زیادتی اور کمی دونوں صورتیں جائز ہیں تو جس طرح تراخی کی کمی محتمل ہو سکتی ہے تراخی کی زیادتی بھی ضرور محتمل ہے۔ پھر تراخی کے پہلو کو لینا اور دوسرے پہلو کو بالکلیہ نظر انداز کر دیکر یہ کہنا کہ ثم کو سینکڑوں برس کی تراخی درکار

نہیں ہے کہنے والے کی کوتاہی نظر کی دلیل ہے۔ مولف ہدیہ نے اس موقع پر صرف وہ آئتیں نقل کی ہیں جن میں حرف ثم تراخی بعید کے لئے مستعمل نہیں ہوا ہے اور وہ آئتیں چھوڑ دی ہیں جن میں حرف ثم طویل تراخی یا طویل مہلت وتاخیر پر دلالت کرتا ہے جس کے شواہد بھی بے شمار ہیں جیسے آیت

ان الینا ایابہم ثم انّ علینا حسابہم (جزو ۳۔ رکوع سورہ غاشیہ)	البتہ ان کا رجوع ہمارے ہی طرف ہے اور پھر ان کا حساب ہمارے ہی ذمہ ہے۔

اس آیت میں حرف ثم وقت موت سے زمانۂ حساب تک کی تراخیٔ بعید پر دلالت کر رہا ہے جو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ کن اشخاص کے لئے کتنے سینکڑوں ہزاروں سال بعد ہے کیا مولف ہدیہ یہاں بھی یہی کہیں گے کہ ثم کو سینکڑوں برس کی تراخی درکار نہیں ہے وقت موت کے ساتھ ہی حساب ہونا چاہیئے۔ پھر اس دن کی درازی بھی خاص طور پر قابلِ لحاظ ہے جس کی نسبت اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے۔

تعرج الملائکۃ والروح الیہ فی یوم کان مقدارہ خمسین الف سنہ (۲۹ ر ۷۔ معارج)	اس کی طرف ملائکہ اور جبرئیل اس دن عروج کرتے ہیں جس کا اندازہ پچاس ہزار برس کا ہوگا۔

پس نہیں معلوم اس طویل دن میں کن اشخاص کے حساب کی نوبت کب آئیگی اور ان کے لئے ان کے وقت موت سے حساب تک کتنے ہزار سال کی مزید تراخی مضمر ہے۔

ایک اور آیت دیکھو۔

لقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین ثم جعلناہ نطفۃ فی قرار مکین ثم جعلنا النطفۃ علقۃ فخلقنا العلقۃ مضغۃ فخلقنا المضغۃ عظاماً فکسونا العظام لحماً ثم انشاناہ خلقاً اخر فتبارک اللہ احسن الخالقین ثم انکم بعد	ہم نے انسان کو مٹی کے ست سے پیدا کیا پھر ہم نے اس کو نطفہ بنا کر محفوظ جگہ (ماں کے رحم میں) رکھا پھر ہم نے نطفہ کو لوتھڑا بنایا پھر ہم ہی نے لوتھڑے کو مضغہ بنایا پھر ہم نے مضغہ کی ہڈیاں بنائیں پھر ہم ہی نے ہڈیوں پر گوشت مڑھا پھر ہم ہی نے اس کو دوسری ہی مخلوق (جاندار انسان) بنا دیا پس اللہ بڑی برکت والا اور بہترین پیدا کرنے والا ہے

ذالك لميتون ثم انكم يوم القيامة تبعثون (۱۸ — ۱ - مومنون)

پھر تم اس کے بعد مرنے والے ہو۔ پھر تم قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے۔

یہ آیت شریفہ تراخی کی کمی اور زیادتی اور ثم کے مختلف مستعملہ معانی کی جامع مثال ہے کیونکہ اس کے پہلے حصہ میں آدمی کی تخلیق کے مختلف دور نطفہ سے علقہ اور علقہ سے مضغہ بننا وغیرہ مذکور ہیں ان ادوار میں کچھ ایسی زیادہ تراخی نہیں ہے ان کی بہ نسبت پیدائش کے بعد سے موت تک ہر شخص کی مدتِ حیات کے اختلاف کے نظر کرتے کئی سال کی تراخی یا تاخیر پر حرف "ثم" دلالت کر رہا ہے۔ وقت موت کے بعد سے یوم قیامت بعث ونشر ہونے میں ہزاروں برس کی تاخیر پائی جاتی ہے کیونکہ یہاں نوع انسان کی تخلیق کے مختلف دَور پھر اسی کا بعث ونشر ذکر کیا گیا ہے اور نوع انسان میں آدم علیہ السلام سے قیامت تک ہونے والے سب انسان شامل ہیں پس ہر امت کے زمانۂ موت وفنا سے اس کے زمانۂ بعث ونشر تک ہزاروں سال کی تراخی ایسی ظاہر و متبادر ہے جو کسی دلیل کی محتاج نہیں ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ خاص آیت "ثم ان علینا بیانہ" میں بھی تراخئ بعید کا احتمال ہے یا نہیں۔ اگرچہ وقتِ خطاب سے بیان کی تاخیر ہونا اختلافی مسئلہ ہے لیکن جو علمائے اہل سنت اس کے قائل ہیں کہ وقتِ خطاب سے بیان متأخر ہو سکتا ہے انھوں نے اپنے مذہب پر اسی آیت سے حجت لی ہے چنانچہ امام فخر الدین رازیؒ نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے۔

احتج من جوّز تاخير البيان عن وَقت الخطاب بهذه الاية

جو لوگ وقتِ خطاب سے بیان کی تاخیر جائز ہونے کے قائل ہیں انھوں نے اسی آیت سے حجت لی ہے۔

خصوصاً بیانِ تفصیلی کی تاخیر تو ضرور جائز ہے چنانچہ تفسیر کبیر ہی میں لکھا ہے

فاما البيان التفصيلي فيجوز تاخيره فتحمل الاٰية على تاخير البيان التفصيلي۔

لیکن بیان تفصیلی کی تاخیر تو جائز ہے پس یہ آیت بیانِ تفصیلی ہی کی تاخیر پر محمول کی جائے گی۔

اس سے ثابت ہوا کہ یہ آیت وقت خطاب سے بیان کی تاخیر پر [illegible]

دلالت کرتی ہے اور یہ بھی کہ بیان تفصیلی تو ضرور متاخر ہو سکتا ہے اور مہدویہ کے نزدیک اس بیان سے بیان تفصیلی ہی مراد ہے۔ پس آیت " ثم ان علینا بیانہٗ " میں وقتِ خطاب سے بیان کی تراخی تسلیم کرنے میں بعض علمائے اہل سنت بھی مہدویہ کے ہم نوا ہیں۔

خود آیت کے سیاقِ کلام سے بھی اس کی تائید وتاکید ہوتی ہے یعنی اللہ تعالےٰ نے اس آیتِ شریفہ میں جمع قرآن۔ قراءتِ قرآن۔ بیانِ قرآن کے تین وعدے فرمائے ہیں۔ یہ تینوں وعدے حرفِ تحقیق " اِنّ " اور الفاظِ لزوم " علینا " کے ساتھ فرمائے گئے ہیں جو محاورۂ عرب کے مطابق وجوب ولزوم کا فائدہ دیتے ہیں چونکہ اللہ تعالیٰ فاعلِ مختار ہے اس لئے اُس کی ذات پر کسی چیز کے واجب ہونے کا اطلاق نہیں ہو سکتا اس سے وعدۂ قطعی مراد ہوتا ہے جس کا خلاف ممکن نہیں جیسا کہ اس کا فرمان ہے۔

ان اللہ لا یخلف المیعاد۔ (۳۔۹۔ ال عمران)	البتہ اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔
ایضاً۔ لا تحسبن اللہ مخلف وعدہٖ رسلہ واللہ عزیز ذو انتقام۔ (۱۳۔۱۹۔ ابراہیم)	تم ایسا خیال نہ کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں سے جو وعدہ کر چکا ہے اس کے خلاف کرے گا بیشک اللہ زبردست اور بدلہ لینے والا ہے۔

پس ان تینوں وعدوں کا ایفا لازمی وضروری ہے۔ لیکن یہ تینوں وعدے بیک وقت پورے ہونا اس لئے ضروری نہیں ہے کہ آیت میں یہ تینوں وعدے ایک ہی نہج کلام سے ذکر نہیں کئے گئے ہیں یعنی ان علینا جمعہ وقرآنہ وبیانہ نہیں فرمایا گیا ہے بلکہ اُن کا نہج کلام بدلا ہوا ہے۔ پہلے دو وعدے ایک جملہ میں حرف عطف " و " سے بیان ہوئے ہیں اور تیسرا وعدہ جملۂ مستانفہ کے طور پر حرف عطف " ثم " اور حرف تحقیق " اِنّ " اور کلمۂ لزوم و وجوب " علینا " کی تکرار کے ساتھ " ثم ان علینا بیانہ " فرمایا گیا ہے۔ علم نحو اور اصول فقہ کے ضوابط کے مطابق استخراج مسائل میں الفاظ سے جو بحث کیجاتی ہے اس کے نظر کرتے حرف عطف " و " سے مطلق جمع کا مفہوم حاصل ہوتا ہے وہ ترتیب کا فائدہ نہیں دیتا اور حرف " ثم " ترتیب کا

فائدہ دیتا اور مہلت و تراخی کے لئے مخصوص ہے۔ مثلاً کوئی کہے جاءنی زید وعمرو (میرے پاس زید اور عمر آئے) تو اس سے دونوں کا آنا سمجھا جائے گا اور یہ ترتیب کہ پہلے کون آیا اور بعد کون مقصود نہ ہوگی۔ اور اگر "جاءنی زید ثم عمروؓ" کہے تو یہ سمجھا جائیگا کہ پہلے زید اور اس کے بعد مہلت و تاخیر سے عمرو آیا۔ پس آیت کا سیاق کلام خود اس کا مقتضی ہے کہ جس بیان کا وعدہ ہو رہا ہے وہ وعدۂ جمع و وعدۂ قرأت کے بعد مہلت و تاخیر سے ظہور میں آنا چاہیئے چنانچہ امام فخرالدین رازیؒ نے بھی تفسیر کبیر میں یہی لکھا ہے۔

ان ظاهر الاٰية يقتضي وجوب تاخير البيان عن وقت الخطاب

ظاہر آیت اسی کا مقتضی ہے کہ وقت خطاب سے بیان کی تاخیر واجب ہے۔

پس بیانِ قرآن وقتِ خطاب سے متراخی ہونا خود سیاق آیت سے ثابت و متحقق ہے۔ اس تحقیق سے مولف صاحب ہدیہ کے اس قول کی غلطی بھی ظاہر ہے کہ حرف ثم میں بعد انقراض حیات مخاطب اس کا ظہور ہونا شرط نہیں ہے چنانچہ سابقاً مسطورہ آیتوں میں بعث وحشر اور حساب کے جو وعدے مذکور ہوئے ہیں ان کا ظہور حیاتِ مخاطب میں کہاں ہوا ہے خود آیتِ ما بہ البحث میں جمعِ قرآن کا وعدہ بعد انقراضِ حیاتِ مخاطب (روحی فداہ صلعم) خلفائے راشدین کے عہد میں پورا ہونا ایسا بدیہی واقعہ ہے کہ کوئی اہل سنت مسلمان اس کا انکار نہیں کرسکتا۔ اسی طرح بیان قرآن کا وعدہ بھی بعدِ انقراضِ حیاتِ مخاطب پورا ہونا تسلیم کیا جائے تو اس میں کیا حرج ہے امام السنۃؒ نے تفسیر معالم التنزیل میں آیت یا ایہا الذین اٰمنوا علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اهتدیتم کے تحت لکھا ہے۔

ان القراٰن نزل منه اي قد مضى تاويلهن قبل ان ينزل ومنه اي وقع تاويلهن على عهد رسول الله ومنه اي وقع تاويلهن بعد رسول الله ومنه اي يقع تاويلهن في آخر الزمان۔

قرآن کا بعض حصہ ایسا ہے جس کی تاویل اس کے نزول سے پہلے ہی ظاہر ہو چکی ہے اور بعض حصہ ایسا ہے جس کی تاویل رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں ظاہر ہوئی ہے اور بعض حصہ ایسا ہے جس کی تاویل کا ظہور آخر زمانہ میں ہوگا۔

پس امام محی السنہ کی اس تحریر کے مطابق آیت " ثم ان علینا بیانہ" کا ظہور امام مہدئ آخر الزمان علیہ السلام کے عہد امام علیہ السلام کی زبانِ مبارک سے ہونا جائز ہے خواہ وہ وقتِ نزول سے نوسو برس بعد ہو یا اس سے زیادہ یا کم چنانچہ علماے اہل سنت بھی یہ بیان بزبان مہدی علیہ السلام ہونے کے قائل ہیں جس کا بیان بعد میں آئے گا۔ مولف صاحب ہدیہ نے امام مہدئ موعود علیہ السلام کے ذریعہ بیان قرآن ہونے سے یہ سمجھا ہے کہ عیاذاً باللہ اس سے ایک عرصہ تک قرآن مجید کا بے معنی رہنا اور اس معنی مراد سے حضرت سرورکائنات محمد مصطفیٰ صلعم کا لا علم ہونا لازم آتا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

یہ نہایت نا معقول امر ہے کہ جس پر قرآن اترا وہ مراد کو نہ سمجھے اور اپنے اصحاب کو بھی کہ خاص مخاطب الہٰی وہی ہیں نہ سمجھائے۔ (ہدیہ صفحہ ۱۱۱)

یہ مولف صاحب کی کم فہمی یا کج بحثی ہے کیونکہ جب ان کو خود اسکا اعتراف ہے کہ معانی محتملہ قرآن کی حد نہیں ہے کہ ہر عصر میں علما و اولیا استخراج کرتے جاتے ہیں" (ہدیہ صفحہ ۱۱۱)

معانئ قرآن کی نامحدود وسعت و جامعیت۔

تو اس سے قرآن شریف کا بغیر معنی کے رہنا کہاں ثابت ہوا بلکہ معلوم ہوا کہ نزول قرآن سے ابتک ہر عصر میں اہل ظاہر و اہل باطن اپنے حوصلے اور قابلیت کے موافق ظاہری و باطنی معانی و مطالب اخذ کرتے چلے آرہے ہیں۔ ایسی صورت میں ان علما و اولیا کے بیان کردہ معانی اور حضرت امام مہدئ موعود علیہ السلام کے مبیّنہ اعلیٰ حقائق و معارف میں ظاہری و باطنی یا ابتدائی و انتہائی یا نقصان و کمال کا فرق ہو سکتا ہے مگر قرآن کا بے معنی رہنے کا غلط تصور کبھی صحیح نہیں ہو سکتا۔

یہاں ایک اور سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ بقول " مولفِ ہدیہ" ان معانئ محتملہ سے جن کا علما و اولیا ہر عصر میں استخراج کرتے آرہے ہیں آنحضرت سرورکائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا لاعلم رہنا یا ان معانی کو نہ سمجھنا اور اپنے اصحاب کو بھی کہ خاص مخاطب الہٰی وہی ہیں نہ سمجھانا لازم آتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں لازم آتا تو کیوں نہیں آتا جبکہ یہی تمام معانئ محتملہ جو علما و اولیا ہر عصر میں بیان کرتے آئے ہیں آنحضرت صلعم سے مروی نہیں ہوی ہیں؟ اگر ہوئی ہیں تو مولف ہدیہ ثابت کریں کہ یہی جملہ معانی و مطالب

بعینہ آنحضرت صلعم سے کہاں مروی ہیں؟ اور جب یہ مروی نہیں ہیں اور انہی علماء واولیاء ہی نے بیان کئے ہیں تو کیا آنحضرت صلعم کا ان سے لاعلم رہنا یا ان کو نہ سمجھنا لازم آئے گا۔ پس جو اعتراض مولف ہدیہ نے اس موقع پر کیا ہے وہی ان سب صورتوں پر وارد ہوتا ہے وہ اس کا جو جواب دیں گے وہی ہمارا بھی جواب ہوسکتا ہے کہ امام مہدی علیہ السلام کے اعلیٰ حقائق و معارف قرآن بیان فرمانے سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سے لاعلم رہنا یا ان کو نہ سمجھنا ہرگز لازم نہیں آتا۔
اس کی مزید توضیح یہ ہے کہ یہ قرآن شریف کی جامعیت کا ایسا معجزہ ہے جو کسی اور کتاب آسمانی کے لئے نہیں پایا جاتا اسی کی طرف اس حدیث میں اشارہ فرمایا گیا ہے جس سے قرآن شریف کے معانی و مطالب کی نامحدود وسعت کا پتہ چلتا ہے۔

ما نزل من القرآن الا و لھا ظھر و بطن لکل حرف حد و لکل حد مطلع

جو کچھ قرآن نازل ہوا ہے اس کیلئے ظہر (ظہور) اور بطن (بطون) ہے اور ہر حرف کے لئے ایک حد اور ہر حد کیلئے ایک مطلع ہے۔

فصل الخطاب میں خواجہ محمد پارسا نے لکھا ہے۔

روی عن علیؓ انہ قال لکل آیۃ ظھر و بطن و لکل حرف حد و مطلع قال بعض الکبراء رحمۃ اللہ علیھم فی ھذا الجزء المروی موقوفاً و مرفوعاً فی بعض روایاتہ ان للقرآن ظھراً و بطناً و حداً و مطلعاً ان الظھر ھو التفسیر و البطن ھو التاویل والحد ما یتناھی الفھوم من معنی الکلام و المطلع ما یصعد الیہ منہ فیطلع علی شھود الملک العلام جل ذکرہ و التاویل یختلف بحسب احوال المستمع و اوقاتہ فی مراتب سلوکہ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ ہر آیت کے لئے ظہر (ظہور) اور بطن (بطون) ہے اور ہر حرف کے لئے ایک حد اور ایک مطلع ہے۔ بعض اکابرینؒ نے اس جزء کی نسبت جو بعض روایتوں میں موقوفاً و مرفوعاً مروی ہوا ہے کہ قرآن کے لئے ظہر و بطن و حد و مطلع ہے یہ کہا ہے کہ ظہر تفسیر ہے اور بطن تاویل ہے حد وہ ہے جہاں معنی کلام سمجھنے میں فہم و ادراک کی انتہا ہو جاتی ہے مطلع وہ ہے جس کی طرف اس سے عروج ہوتا ہے اور اللہ جل ذکرہ کے مقام شہود پر وہ مطلع ہوتا ہے تاویل سننے والے کے مراتب اور درجات سلوک کے حالات و اوقات کے

وتفاوت درجاته وكلما ترقى عن مقاماته انفتح له باب فهم جديد واطلع به على لطيف معنى عنيد والله فى كلمة اسرار ينفد البحر دون نفازها فكيف السبيل الى حصرها وتعدادها

مطابق ہوتی ہے جب کبھی وہ اپنے مقام سے ترقی کرتا ہے تو اس کے لئے جدید فہم وادراک کا باب کھلتا ہے اور وہ نئے عمدہ اور انوکھے معانی پر مطلع ہوتا ہے۔ ہر کلمہ میں اللہ تعالی کے اتنے اسرار ہیں کہ ان کے بیان کرنے میں دریا ختم ہو جائیں گے اور وہ اسرار ختم نہ ہوں گے ان کے حصر اور گنتی کی کوئی سبیل کیسے ہو سکتی ہے

پس علمائے محققین اہل ظاہر واہل باطن نے معانی و مطالب قرآنی کے بیان میں جو موشگافیاں کی ہیں وہ سب اسی معجزہ کا ظہور ہیں ان کا کچھ نمونہ یہاں اور بیان کیا جاتا ہے تاکہ مولف ہدیہ اپنے دعوی تفسیر دانی اور اہل حق پر بیہودہ الزام دہی سے باز آئیں اور توبہ کریں چنانچہ تفسیر کبیر میں امام فخر الدین رازی رح نے لکھا ہے۔

يمكن ان يستنبط من فوائد سورة الفاتحة ونفايسها عشرة الاف مسئلة ۔

سورۂ فاتحہ کے فوائد اور اس کی خوبیوں سے متعلق دس ہزار مسائل کا استنباط کرنا ممکن ہے۔

اس سے اور بھی ترقی کر کے لکھا ہے ۔

ان قولنا اعوذ بالله مشتمل على عشرة الاف مسئله اوازيد او اقل من المسائل المهمة المعتبرة

ہمارا اعوذ باللہ کہنا کم و بیش دس ہزار اہم اور معتبر مسئلوں پر مشتمل ہے۔

بعض علما کا قول ہے ۔

لكل اٰية ستون فهما فما بقى من فهمها اكثر ۔

ہر آیت کے ساٹھ مفہوم ہیں اور جس قدر مفہوم باقی رہتے ہیں وہ اس سے بھی زیادہ ہیں

جناب مرتضوی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ

لو شئت لاوقرت سبعين بعيرًا من تفسير فاتحه الكتاب ( )

اگر میں چاہوں تو سورۂ فاتحہ کی اتنی تفسیر کر سکتا ہوں جو ستر اونٹوں پر لادی جا سکے ۔

یہ چند اقوال قرآن شریف کی جامعیت اور اس کی معانی و مطالب کی نا محدود

وسعت کا نمونہ اور مثال ہیں۔ لیکن کیا اس سے یہ نتیجہ نکالنا درست ہوگا کہ یہ علما ومفسرین تو قرآن کے اس قدر نکات وغوامض جانتے ہیں مگر حضرت سرور کائنات محمد مصطفیٰ صلعم ان امور ونکات سے معاذ اللہ لاعلم تھے ایسا سمجھنا محض جہل وحماقت ہے ہمارے اعتقاد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس عالم معانیٔ قرآن اور واقف اسرار فرقان ہے۔ کوئی دقیقہ ونکتہ جو معانی ومطالب قرآن سے تعلق رکھتا ہے حضرت کے وسیع دائرۂ علم سے خارج نہیں ہے بلکہ کوئی حرف حروف قرآنی سے ایسا نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی مراد الٰہی یا اس کی حد اور اس کے مطلع کو نہ جانتے ہوں۔

پس جس طرح حضرت سرور کائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ یا اس کے بھی زمانۂ دراز کے بعد بعض علمائے امت کا بعض معانی ومطالب قرآن بیان کرنے سے اُس وقت تک قرآن بغیر معنی کے رہنا یا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان معانی ومطالب سے لاعلم ہونا یا ان کو نہ سمجھنا لازم نہیں آتا اسی طرح نوسو برس کے بعد حضرت امام مہدیٔ موعود علیہ السلام کے ذریعہ قرآن کے اعلیٰ حقائق ومعارف علیٰ وجہ الکمال لوگوں پر ظاہر ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس وقت تک قرآن بغیر معنی کے تھا یا حضرت سرور کائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ ان معانیٔ قرآن کا علم نہ تھا۔

اسی سے یہ بھی ثابت ومتحقق ہے کہ اسرار ورموز قرآن کے سمجھنے میں عقول انسانی مختلف ومتفاوت ہیں نیز یہ کہ ظہر قرآن وبطن قرآن کے کئی مدارج ہیں چنانچہ فصل الخطاب میں ظہر وبطن قرآن کے ذکر میں لکھا ہے۔

> ہر کلمہ از کلمات قرآن وحدیث نبوی ظہرے وبطنے وارد وہر بطنے بطنے دیگر تا ہفتاد اولاً بمقتضی فہم ظاہر عمل بجا نیارد از فہم بطن اول نصیبے نیابد وتا بر مقتضی فہم بطن اول عمل نہ کند از فہم بطن ثانی بے بہرہ ماند۔ علیٰ ہذا ہر فہمے دلیل عملے دیگر وہر عملے سبیل فہم دیگر۔ تا آنگاہ کہ بمنتہاے بطون وقیقے بود کہ امکانِ رسیدن بمقام متکلم در درجۂ علم او باشد واز ینجا معلوم شود کہ وصول بمنتہاے بطون کلام الٰہی وحدیث نبوی مقدور ہر کسے نہ بود۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن اور حدیث نبوی کے کلمات سے ہر کلمہ کا ظہر اور بطن ہے اور ہر بطن کا ایک اور بطن ہے جب تک ظاہری فہم کے مقتضا کے موافق عمل نہ کرے بطن اول کی دانست سے کوئی حصہ نہ پاسکے گا اور جب تک بطن اول کی دانست کے موافق عمل نہ کرے بطن ثانی کی فہم و دانست سے بے بہرہ رہے گا۔ علی ہذا القیاس ہر فہم و دانست دوسرے عمل کی دلیل ہے۔ اور ہر عمل دوسرے فہم و دانست کا راستہ ہے یہانتک کہ کلام کے منتہائے بطون کو پہنچے منتہائے بطون کو پہنچنا اس وقت ممکن ہے جبکہ متکلم کے مقام اور اس کے مرتبۂ علم کو پہنچ سکے۔ اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ کلام الٰہی اور حدیث نبوی کے منتہائے بطون کو پہنچنا ہر شخص کی طاقت نہیں ہے"۔

اس سے کالنور علی شاہق الطور ظاہر و باہر ہے کہ منتہائے بطون کلام الٰہی کو وہی پہنچتا ہے جو علم الٰہی اور اسم اعظم کا مظہر اتم ہے اور یہ مقام جناب ختم رسالت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے تابع تام یعنی جناب امام مہدی علیہ السلام کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہے جس کی شان میں "یقفو اثری ولا یخطی" وارد ہے چنانچہ محققین صوفیائے کرام بھی اس تخصیص کے قایل ہیں۔ شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور تصنیف فصوص الحکم کی شرح میں لکھا ہے۔

یعنی نیست ایں شہود و علم مستلزم سکوت و عدم اضطراب مگر بخاتم رسل و خاتم اولیا را زیرا کہ ایں نوع علم موقوف ست بر احاطۂ تشخص مر جمیع مرایا و مقامات را کلیاً و جزئیاً و جلیلہا و حقیرہا و ایں احاطہ نمی شود مگر کسے را کہ صاحب اسم اعظم باشد از روئے ظاہر و باطن و انبیا علیہم السلام مظہر امہات اسماء حق تعالیٰ اند و ایں امہات داخل اسم اعظم اند و مظہر اسم اعظم خاتم الرسل است و خاتم الاولیا الخ (شرح فصوص الحکم)

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ شہود اور علم جو سکوت اور عدم اضطراب کو مستلزم ہے وہ خاتم رسل و خاتم اولیا ہی کو حاصل ہے کیونکہ اس طرح کا علم تمام مقامات و مرایا خواہ کلی ہوں خواہ جزئی خواہ جلیل ہوں خواہ حقیر ان سب کے تشخص کو محیط ہونے پر موقوف ہے اور یہ احاطہ اسی کو حاصل ہوتا ہے جو ظاہر و باطن کی

روسے صاحب اسم اعظم ہے انبیا علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے امہات اسماء کے مظہر ہیں اور یہ امہات اسما اسم اعظم میں داخل ہیں اور اسم اعظم کے مظہر خاتم الرسل اور خاتم اولیا ہی ہیں الخ۔

پس معلوم ہوا کہ جو علم ومقام خاتم الرسل وخاتم الاولیا کو حاصل ہے وہ کسی کو حاصل نہیں ہے اور کلام الٰہی کے منتہائے بطون سے کما حقہ واقف جس طرح یہ ذوات مقدسہ ہیں کوئی اور نہیں ہے۔

مولف صاحب ہدیہ کو ایک اور اعتراض یہ بھی ہے کہ "نوسو برس کے بعد جب بیان اوتارا اس کو لاکھ آدمیوں میں سے ایک نے مانا اور باقی سب نے اس کا انکار کیا اگر اسی وقت بیان ہوا ہوتا آج تک سب مسلمان راہ راست ومعنی صحیح پر رہتے پس اس تاخیر میں سوائے خراب وگمراہ کرنے امت محمدیہ کے کیا مصلحت ہوئی۔"

اگرچہ اس تقریر میں ایمان لانے والوں کی قلت تعداد پر طنز اور سب مسلمان راہ راست پر رہتے کی خیال آرائی قابل تامل ہے لیکن اس سے پہلے ان کے موقعوں پر ان مسئلوں پر رد وقدح ہوگئی ہے اس لئے ہم اس کا اعادہ نکر کے اعتراض کے حقیقی پہلو کو واضح کرتے ہیں۔

اب تک مولف ہدیہ زیادہ تر بزرگان مہدویہ پر اعتراض کرنے کی جرأت بیجا کرتے رہے ہیں لیکن ان کی یہ شوخی وگستاخی اب اتنی ترقی کر گئی ہے کہ خدائے دو عالم کی تقدیر ومشیت پر اس حرف گیری کے مرتکب ہو رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بیان کے اتارنے میں جو تاخیر کی ہے اس سے امت محمدیہ کے خراب وگمراہ کرنیکے سوا کیا مصلحت ہوئی۔ ان کی اس شوخی وبیباکی پر ہزار آفرین ہے جس سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ وہ ابتک جو خود کو مسلمان ظاہر کر کے چند آیات واحادیث پڑھ پڑھ کر انہی کی آڑ میں اپنی بداعتقادی کو چھپائے ہوئے تھے آخر اپنا یہ لبادہ پھینک کر اصلی صورت میں نمودار ہو گئے کہ علانیہ آیات واحادیث پر حملہ کر کے اللہ جل شانہ اور اس کے رسول برحق کی جناب اقدس میں امت محمدیہ کو گمراہ کرنیکا ملحدانہ الزام عائد کر رہے ہیں۔ انھیں یہ خبر نہیں کہ انسان کی محدود عقل اللہ تعالیٰ کی

حکمت نامتناہی کو نہیں پاسکتی اور اس کی مشیت نے جس امر کے لئے جو وقت اور
... ربع ومحل مقرر فرمایا ہے اس میں عرش سے فرش تک کسی مخلوق کو مجالِ دم زدن
نہیں ہے۔

اوست سلطان ہرچہ خواہد آں کند — عالمے را در دمے ویراں کند
طرفۃ العینے جہاں برہم زند — کس نمی آرد کہ آنجا دم زند
ہست سلطانی مسلم مر ورا — نیست کس را زہرۂ چون وچرا

آیت لا یسئل عما یفعل وھم یسئلون اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتی
ہے۔ اگر مولف صاحب ہدیہ کو اس آیتِ کریمہ سے ہدایت حاصل کرنے کی توفیق
وصلاحیت گم ہوگئی ہے تو ان کے تفہم وتعقل کے لئے "بوستان" کا یہ ایک
مصرعہ ہی کافی تھا ع نہ بر حرف او جائے انگشتِ کس

اس حقیقت سے روگرداں ہوکر مولف ہدیہ نے جو کچھ لکھا ہے اس
عبارت کے سیاق سے ان کو اس قسم کی سب صورتوں پر اعتراض ہونا پایا جاتا
ہے جن میں امت محمدیہ کی بظاہر خرابی وگمراہی کا پہلو نکلتا ہو مثلاً اہل سنت خروج
دجال ونزول عیسیٰ علیہ السلام کے قائل ہیں مولف ہدیہ کو اس خروج ونزول پر
بھی اعتراض ہونا چاہئے کیونکہ بظاہر اس خروج ونزول کے وقت لاکھوں کروڑوں
آدمی کافر ہو جائیں گے اسی طرح مولف ہدیہ کو جناب ختم رسالت صلی اللہ علیہ وسلم
کے اس فرمان پر بھی اعتراض ہونا چاہئے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
اپنی امت کے (۷۳) فرقے اور ان میں صرف ایک فرقہ کو ناجی اور باقی (۷۲) فرقے
دوزخی ہونا ظاہر فرمایا ہے کیونکہ بقول مولف ہدیہ اس میں امت محمدیہ کی خرابی وگمراہی
ظاہر کرنے کے سوا بظاہر کیا مصلحت ہے۔

غرض انھی پر موقوف نہیں اس قسم کی اور بھی بے شمار صورتیں ہو سکتی ہیں
مولف ہدیہ کی اس رائے کے مطابق ان سب کی بھی نفیت ہونا چاہئے۔ اگر خصوصاً
تاخیرِ زمانہ ہی کو مولفِ ہدیہ گمراہی کا سبب سمجھتے ہیں تو ایسی سب صورتوں کو گمراہی
کا سبب قرار دینا ہوگا جہاں بھی تاخیر پائی جاتی ہے۔ دعائے ابراہیم واسمٰعیل
علیہما السلام میں مذکورہ تعلیم کتاب وحکمت اور تلاوت آیات کا ظہور

دو ڈھائی ہزار سال کی تاخیر سے ہونا کس مصلحت پر مبنی تھا اور کیا اس تاخیر سے معاذ اللہ گمراہی مقصود تھی۔ اسلامی تاریخ کا ایک اہم واقعہ ہے کہ قرآن شریف بڑی تاخیر سے تیئیس (۲۳) سال کے عرصہ میں پورا نازل ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ کی حکمت و مشیت کا اقتضا یہی تھا۔ مگر کفّار قرآن شریف کے اس طرح کچھ کچھ حصہ نازل ہونے پر معترض تھے اور پورا قرآن دفعۃً واحدۃً بصورت کتاب نازل ہو جانے کا مطالبہ کرتے اور کہتے تھے لولا نزل علیہ القرآن جملۃ واحدۃ (اس پیغمبر پر قرآن سارے کا سارا یکدم سے کیوں نہ نازل کیا گیا) لیکن اس تاخیرِ نزول کی مصلحت کو بعض صحابۂ رسول اللہ کی زبان سے سنئے۔ تفسیر کبیر میں آیت " ادع الیٰ سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ" کے تحت لکھا ہے۔

روی عن بعض الصحابۃ انہ قال لقد احسن اللہ الینا کل الاحسان کنا مشرکین فلوجاء نا رسول اللہ صلعم بھذا الدین جملۃ و بالقرآن دفعۃ لثقلت علینا فما کنا ندخل فی الاسلام ولکنا دعانا الیٰ کلمۃ واحدۃ علیٰ سبیل الرفق الیٰ ان تمّ الدین وکملت الشریعۃ

بعض صحابہ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر بڑا احسان کیا۔ ہم مشرک تھے۔ اگر رسول اللہ صلعم تمام احکام دین اور پورے قرآن کو ہم پر یک وقت پیش فرما دیتے تو یہ تکلیفات ہم پر بہت بار ہو جاتیں اور ہم دین اسلام میں داخل نہ ہو سکتے لیکن نرمی اور سہولت سے ایک ایک بات کی تدریجاً ہم کو دعوت دیگئی اور اس طرح دین کی تعلیم پوری اور شریعت کامل ہوئی۔

اس سے ظاہر ہے کہ یہ نزول قرآن کی تاخیر امت کے لئے خرابی کا باعث نہیں بلکہ باعث صد رحمت ہے پس یہی صلاحیت اور وقت کی موزونیت بیان قرآن میں تاخیر کے لیے بھی ملحوظ ہو سکتی ہے۔

تنزیل و تاویل میں تاخیر کی واضح اور متفقہ مثال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا " فارقلیط " کے ذریعہ تاویل ظاہر ہونے کا وعدہ یا خبر مغیب (پیشین گوئی) بھی ہے جس سے علمائے اسلام ہر زمانہ میں حجت لیتے آئے ہیں کہ حضرت عیسیٰ نے فرمایا ہے۔ "ہم تمھارے پاس تنزیل لائے ہیں اور تاویل آخر زمانہ

میں "فارقلیط" کے ذریعہ ظاہر ہوگی۔

مولف صاحب ہدیہ کے سوا کوئی مسلمان بھی غالباً تاویل کی اس طویل تراخی کو جو سینکڑوں سال سے متجاوز ہے اور امت محمدیہ کی فضیلت وکرامت پر دال ہے امت محمدیہ کے لئے خرابی وگمراہی کا باعث نہیں سمجھ سکتا اور نہ یہ کہنے کی جرأت کرسکتا ہے کہ یہ تاویل اسی وقت ظاہر ہوجانا چاہئے تھا۔

مولف ہدیہ نے وقت خطاب سے بیان کی تاخیر پر یہ اعتراض جس انداز میں کیا ہے اُس میں بعض معاندین اسلام کے ایک اعتراض کا پورا چربہ اُتارا ہے جو مکمل شریعت سب پیغمبروں کے آخر میں نازل ہونے پر کیا جاتا ہے یعنی بعض دہریوں کو مکمل شریعت آخر میں نازل ہونے پر بعینہ یہی اعتراض کرتے سنا گیا ہے جو مولف ہدیہ نے کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کا اعتقاد ہے کہ شریعت اسلامیہ مکمل شریعت ہے جو محمد کو سب پیغمبروں کے آخر میں دیگئی ہے اور اس سے پہلے ہزاروں سال دنیا میں ناقص شریعتیں رہیں۔ جب یہ مکمل شریعت کے احکام نازل ہوئے تو چند قریشی۔ ہاشمی وغیرہ ان پڑھ عرب گویا لاکھوں کروڑوں میں سے ایک آدمی اس شریعت سے مستفید ہوا اور باقی دنیا بھر کی سب قومیں اور امتیں اس سے محروم رہ گئیں یہ مکمل شریعت سب سے پہلے کیوں نہیں اتاری گئی اور گزشتہ پیغمبروں میں سے کسی پیغمبر کو کیوں نہیں دیگئی اور بنی نوع انسان کی ان گنت تعداد کو جو اسلام سے پہلے گزری اس مکمل شریعت سے کیوں محروم رکھا گیا؟

مولف ہدیہ اگر خود مسلمان ہونے کے مدعی اور شریعت اسلامیہ کے مکمل شریعت ہونے کے معتقد ہیں تو مکمل شریعت کے اتارنے میں ہزاروں سال کی اس تاخیر اور اس کی وجہ سے ان گنت انسان خراب وگمراہ رہنے کی جو توجیہ کریں گے وہی بیان قرآن کی اس تاخیر پر بھی منطبق ہوسکیگی۔

یہ سب بحثیں تو مولف صاحب ہدیہ کے اُن لایعنی شبہات واعتراضات کی تردید تھیں جو انھوں نے خود علمائے محققین اہل سنت کے اصولِ مسلمہ کے خلاف پیش کئے ہیں۔ لیکن اصل مسئلہ کی مختصر توضیح یہ ہے کہ محققین صوفیائے کرام اس کے قائل ہیں کہ قرآن شریف ظاہر شریعت کے احکام اور حقائق و

معارف کے باطنی اسرار و رموز دونوں کو جامع ہے پہلی قسم کے احکام نبوت و رسالت کے متعلقات سے ہیں اور دوسری نوعیت کے ولایت خاصۂ محمدیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ فصل الخطاب میں لکھا ہے۔

نبینا صلی اللہ علیہ وسلم دو نوع علم میراث گذاشتہ اند علم ظاہر و علم باطن۔ علم ظاہر نافع است کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین از قول و فعل خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم گرفتہ اند و تابعین و ائمۂ سلف متبع آں کردہ و خواندہ و آموختہ باں عمل کردہ اند علم کتاب و سنت و تفسیر و اخبار و آثار و فقہ از توابع اینہا است و علم باطن معرفت آں معانیست کہ بے واسطۂ جبرئیل از غیب الغیب در مقام "او ادنیٰ" در حالت "لی مع اللہ" زقۂ جان خواجۂ عالم می کردند "فاوحیٰ الی عبدہ ما اوحیٰ" کہ جرعۂ ازاں جامہائے لبالب بر جان جگر سوختگاں می ریختند۔ چنانچہ علم ظاہر را انواع ست علم باطن راز یادت ازاں ست چوں علم ایمان و اسلام وغیرہ۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو قسم کے علم وراثۃً چھوڑے ہیں ایک علم ظاہر دوسرا علم باطن علم ظاہر وہ مفید علم ہے جس کو صحابۂ رسول اللہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے رسول اللہ صلعم کے قول و فعل سے حاصل کیا ہے اور تابعین اور ائمۂ سلف نے اس کی تتبع کر کے اس کو پڑھا اور سیکھا اور اس پر عمل کیا علم کتاب و سنت۔ تفسیر۔ اخبار و آثار۔ فقہ اسی کے لوازمات سے ہیں۔ علم باطن ان معانی کی معرفت ہے جو جبرئیل کے واسطہ کے بغیر غیب الغیب سے مقام "او ادنیٰ" میں "لی مع اللہ وقت" کی حالت میں خواجۂ عالم صلعم کے حوالہ ہوئی ہیں "اوحیٰ الی عبدہ ما اوحیٰ" (اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو جو وحی کرنا تھا وہ کیا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لبالب پیالوں میں سے سوختہ جگروں کو ایک ایک گھونٹ پلایا۔ علم ظاہر کی جتنی قسمیں ہیں علم باطن کی ان سے زیادہ اقسام ہیں جیسے علم ایمان و علم اسلام وغیرہ۔

اس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

علم ظاہر یعنی ان احکام کی جو نبوت و رسالت اور ظاہر شریعت سے تعلق رکھتے تھے علی الاعلان بطور دعوت تبلیغ فرمائی اور عام طور پر سب صحابہ اور تابعین و ائمہ سلف ان احکام سے فیضیاب ہوئے لیکن ان اسرار و رموز کو جو بلا واسطۂ جبرئیل غیب الغیب سے لی مع اللہ وقت کے مقام میں حوالۂ سرورِ عالم صلعم ہوئے ہیں اور ولایت سے متعلق ہیں عوام و خواص پر علی الاعلان افشا نہیں فرمایا بلکہ اپنے صحابہ میں سے خاص خاص صحابہ کو جن کو سوختہ جگر اور اس بار کے قابل پایا ان کی قابلیت کے موافق ان اسرار و رموز باطنی کی تعلیم دی چنانچہ اس کا ثبوت ابو ہریرہؓ کی حدیث سے بھی ملتا ہے جس کو بخاری اور دوسرے محدثین نے روایت کی ہے۔

من ابی ھریرۃ قال حفظت من رسول اللہ وعائین فاما احدھما فبثتہ واما الاخر لو بثثتہ قطع ھذا البلعوم	میں نے رسول صلعم سے علم کے دو ظرف محفوظ رکھے ہیں ان میں سے ایک کو میں نے لوگوں میں پھیلا دیا لیکن دوسرے کو بھی اگر عام طور پر پھیلاؤں تو میرا حلق کاٹ دیا جائے گا۔

بخاری کی مشہور شرح ارشاد الساری للامام القسطلانی میں لکھا ہے کہ

المراد بہ علم الاسرار المصئون من الاغیار المختص بالعلماء باللہ من اھل العرفان والمشاھدات والاتقان الخ	اس سے علم اسرار مراد ہے جو غیروں سے محفوظ اور اہل عرفان و مشاہدات علما باللہ سے مخصوص ہے۔

فصل الخطاب میں بھی اس حدیث کا معنی یہی لکھا ہے۔

قالوا المراد بالاول علم الاحکام والاخلاق وبالثانی علم الاسرار۔	ابو ہریرہؓ کے اس قول میں ذکر کئے ہوئے پہلے ظرف سے علم احکام و اخلاق مراد ہے اور دوسرے سے مراد علم اسرار ہے۔

اس سے بھی علم کی دو ہی دو قسمیں ہونا ثابت ہوتا ہے ایک علم ظاہر یا علم الاحکام والاخلاق اور دوسرا علم باطن یا علم اسرار اور یہ بھی کہ علم ظاہر تو سب پر ظاہر کر دیا گیا لیکن علم اسرار عام طور پر علی الاعلان ظاہر نہیں کیا گیا کیونکہ عام لوگ اس کے سمجھنے سے قاصر تھے اور منصب نبوت و رسالت ان کے بطور دعوت

اظہار کا مانع ہے۔

علامۂ روزبہان نے تفسیر عرائس البیان میں آیت "اُدع الی سبیل ربك بالحکمة والموعظة الحسنة" کے تحت احکام شریعت کے اظہار اور اسرار حقیقت کے اخفا کی حکمت و مصلحت کی اس طرح تشریح کی ہے۔

ای خاطب الجمهور بلسان الشریعة لا بلسان الحقیقة فان تکلمت معهم بالحقیقة طاشت العقول فیها و بقیت الخلق بلا فهم و علم والموعظة الحسنة التی لا حظ للنفس فیها و یکون علی قدر عقول الخلق و طاقتهم۔

یعنی جمہور خلائق کے ساتھ زبان شریعت سے مخاطب کیجئے زبان حقیقت سے نہ کیجئے۔ ان سے اگر حقیقت کی باتیں کروگے تو ان کی عقلیں پریشان ہوجائیں گی اور خلائق لاعلم اور ناداں رہ جائے گی موعظۂ حسنہ یہ ہے کہ اس میں کوئی حظ نفس نہ ہو اور خلائق کی عقلوں اور طاقت کے مناسب ہو۔

ان تفصیلات سے ثابت ہورہا ہے کہ جب قرآن شریف علم ظاہر و علم باطن یعنی علم الاحکام اور علم الاسرار دونوں کو شامل ہے تو بیان قرآن بھی ان دونوں کو حاوی ہونا ضروری ہے۔ جہاں بیان کا اسناد انبیا علیہم السلام کی طرف ہوا ہے جیسے آیت ما ارسلنا من رسول الا بلسان قومه لیبین لهم الآیة (۳۱-۱۳-ابراہیم) ہم نے جب کبھی کوئی رسول بھیجا ہے تو اس قوم کی زبان میں (بات کرتا ہوا) بھیجا ہے تاکہ وہ رسول انھیں بیان کرے)

ایضاً۔ وانزلنا الیك الذکر لتبین للناس ما نزل الیهم لعلهم یتفکرون۔ (ہم نے تم پر قرآن اُتارا ہے تاکہ تم لوگوں کو وہ بیان کریں جو ان کی طرف اتارا گیا ہے اور وہ سوچیں) تو اس قسم کی آیتوں سے احکام علم ظاہر کا بیان مراد ہے چنانچہ ابن عباسؓ اور قتادہؓ نے فاتبع قرآنه کا معنی بھی فاتبع حلاله وحرامه کہا ہے جو احکام ظاہری ہی کی طرف اشارہ ہے۔ اور جو بیانِ اسرار باطنی یا حقایق معارف سے متعلق ہے اس کا تعلق احکام ولایت سے ہوتا ہے۔ مولف ہدیہ نے یہی غلطی کی ہے کہ بیان کو ایک ہی سمجھ لیا ہے اور بیان علم ظاہر اور بیان علم باطن یا بیان شرائع اور بیان حقائق کو خلط ملط کرکے یہ کہا ہے کہ۔

"بیان قرآن کا م حضرت رسالت کا ہے بلکہ یہ امر حضرت کا خاصّہ نہیں ہے بلکہ تمام پیغمبروں کا عہدہ تھا"۔ حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول کہ نحن ناتیکم بالتنزیل تمام انبیا ورسل کی تعلیمات متعلق نبوت و رسالت کو حاوی ہے اور آپ کے قول کا یہ حصہ کہ اما التاویل فسیاتی به فارقلیط فی آخر الزمان تنزیل وتاویل کے امتیاز اور فرق کو صاف ظاہر کر رہا ہے اسی لئے محققین صوفیائے کرام نے تفسیر وتاویل کی تعریف اور ان دونوں علوم کے واقفین و ماہرین کے حالات یا فرائض منصبی میں خاص امتیاز ظاہر کیا ہے۔

التفسیر کشف ظاهر الکلام والتاویل کشف باطنه و بالفارسیة تفسیر ـ روشن کردن روے سخن است وتاویل پیدا کردن مغز سخن ست (فصل الخطاب)

تفسیر ظاہر کا کشف یا کھولنا ہے اور تاویل باطن کلام کا فارسی میں یوں کہا جائے گا کہ تفسیر کلام کے چہرہ کو روشن کرنا ہے اور تاویل کلام کے مغز کو ظاہر کرنا ہے۔

ان ورثة الانبیاء هم العلماء والاولیاء فالاولیاء حفاظ الاحوال والاحکام الباطنة التی تدق من الافهام والعلماء حفاظ الاحکام الظاهرة التی تفهم ببادی الرائی (یواقیت مبحث ۴۷ منقول از فتوحات)

انبیا علیہم السلام کے وارث علما اور اولیا ہیں اولیا احوال اور ان باطنی احکام کے حفاظت کرنے والے ہیں جو دقیق الفہم ہیں اور علما ان ظاہری احکام کی حفاظت کرنیوالے ہیں جو ظاہراً سمجھے جا سکتے ہیں۔

غرض حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم ظاہر کی تبلیغ تئیس سال کی مدت میں بتدریج فرمائی اور عالم باطن یعنی اسرار وحقائق کا بیان علیٰ سبیل الدعوۃ امام مہدی علیہ السلام پر موقوف رکھا اور آپ کی منقبت یہ فرمائی "یختم اللہ به الدین کما فتحه بنا" اور آپ کی بعثت ایسی ضروری قرار دی کہ دنیا اس وقت تک ختم نہیں ہو سکتی۔ قیامت اس وقت تک نہیں آسکتی جب تک میری اہل بیت سے ایک شخص مبعوث نہ ہوگا جس کے حالات واوصاف ایسے ایسے ہوں گے۔ اگر فرضاً ولقدیراً دنیا کا ایک دن یا ایک رات باقی رہ جائے اور اس ذات کا ظہور نہ ہوا ہو تو اللہ تعالیٰ اس دن یا رات کو اس قدر طویل و دراز کر دے گا کہ اس کا ظہور یا اسکی

بعثت ہو سکے۔

امت کو امام مہدی علیہ السلام سے بیعت کرنے کی ایسی تاکید اکید فرمائی جو کسی اور کے لئے اس کی نظیر نہیں ملتی یعنی یہ حکم دیا ہے کہ اگر تم کو برف پہ سے رینگتے جانا پڑے تو تب بھی جاؤ اور امام مہدی سے بیعت کرو کیونکہ وہ اللہ کا خلیفہ ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ جس طرح نبوت و رسالت کا کمالِ ظہور یا حقیقی تکمیل حضرت خاتم الانبیاء والمرسلین کی ذات اقدس سے ہوئی ہے اسی طرح ولایت خاصہ محمدیہ کا کامل ظہور حضرت خاتم الاولیا یا خاتمِ ولایت خاصہ محمدیہ سے مخصوص ہے اور " ثم ان علینا بیانہ" سے یہی بیانِ ولایت کاملہ مقصود ہے جو اس مقام کے شایانِ شان ہے۔

محققین صوفیا کا قریباً متفقہ مسئلہ ہے کہ خاتم الاولیا کی ذات گرامی ولایت خاصہ محمدیہ کی مظہر اتم ہے۔ شرح فصوص الحکم میں لکھا ہے۔

ولایت از صفات الٰہیہ است پس منقطع نشود ابداً ممکن نیست وصول بہیچ کدام از انبیا وغیرہم بسوے حضرت الٰہیہ مگر بہ ولایت کہ باطن نبوت ست واین ولایت ظاہر می شود در اولیا بحسب استعداد ایشان شیئاً فشیئاً الیٰ ان یظہر بتمامہا بمن ھو مستعد لہا و ھو خاتم الاولیا۔

گلشن راز میں لکھا ہے۔

نبوت را ظہور از آدم آمد ... کمالش در وجود خاتم آمد
ولایت بود باقی تا سفر کرد ... چو نقطہ در جہاں دَورِ دگر کرد
ظہورِ کل او باشد بہ خاتم ... بدو یابد تمامی دَورِ عالم
وجودِ اولیا او را چو عضو اند ... کہ او کل است و ایشاں ہمچو جزو اند

مفاتیح الاعجاز شرح گلشن راز میں لکھا ہے۔

یعنی ظہور تمامی ولایت وکمالش بخاتم اولیا خواہد بود چہ کمال حقیقت دائرہ در نقطۂ اخیرہ بظہور می رسد و خاتم الاولیاء عبارت از

از محمد مہدی است کہ موعود رسول اللہ است علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

یہ بحث اس سے پہلے بھی اسی کتاب میں ہر موقع کی گئی ہے اور یہ اقوال معہ تلخیص و توضیح درج ہوئے ہیں اس لئے یہاں ان کی زیادہ تشریح کی ضرورت نہیں ہے۔ اس بحث کے آخر میں مثال کے طور پر بعض علمائے متقدمین ومشاہیر اہلسنت کے چند اقوال درج کئے جاتے ہیں جو اس کے قائل ہیں کہ امام مہدی علیہ السلام اور آپ کے اصحاب کو معانی ومطالبِ قرآن کے وہ حقائق منکشف ہوں گے جو اُن سے پہلے لوگوں پر منکشف نہ ہوئے تھے اور یہ کہ "ثم ان علینا بیانہ" کا ظہور مظہر ولایت خاتمہ محمدیہ ہی کے زمانہ میں ہوگا۔

تفسیر تاویلات میں لکھا ہے۔

الم ذٰلک الکتاب الموعود ای صورۃ الکل المومیٰ الیہ بکتاب الجفر والجامعہ المشتملۃ علیٰ کل الشیٔ الموعود بانہ یکون مع المہدی فی آخر الزمان لا یقرءہ کما ھو بالحقیقۃ الا ھو الخ۔	الم ذالک الکتاب یعنی وہ کتاب جس کا وعدہ کیا گیا ہے جس کی طرف کتاب جفر و جامعہ کا اشارہ کیا گیا ہے جو ہر موعود شئی پر مشتمل ہے اس طرح کہ آخر زمانہ میں وہ مہدی کے ساتھ ہوگی جس کو ان کے سوا کوئی نہیں پڑھے گا جیسی کہ وہ حقیقت میں ہے۔

شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے عوارف المعارف میں ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سلسلۂ اسناد سے روایت کیا ہے کہ "ما من آیۃ الا ولھا قوم سیعلمون بہا" ہر آیت کی حقیقی طور پر جاننے والی ایک ایک خاص قوم ہے۔

عوارف کی شرح "تعارف" میں اس روایت کی شرح میں لکھا ہے۔

یفھم من ذالک ان بعض المعانی لم یخطر ببال الصحابۃ ویخطر فی قلوب بعض المشائخ سیما من اصحاب المہدی انتہیٰ۔	اس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ بعض معانی ومطالب کا صحابہ کے قلوب میں بھی خیال نہیں گزرا تھا اور وہ معانی بعض مشائخین خصوصاً اصحاب مہدی علیہ السلام کے قلوب میں منکشف ہونگے۔

جبکہ صحابۂ مہدی علیہ السلام کی یہ شان ہے تو اسی پر سے قیاس کیا جاسکتا ہے

ہے کہ خود خلیفۃ اللہ امام مہدی علیہ السلام کی ذات اقدس کی وسعت معلومات کس قدر ارفع و اعلیٰ ہو گی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے "فارقلیط" کے ذریعہ تاویل ظاہر ہونگی جو خبر مغیب منقول ہے علمائے محققین نے خاتم ولایت خاصہ محمدیہ یعنی امام مہدی علیہ السلام ہی کو فارقلیط کہا ہے چنانچہ تفسیر تاویلات میں "لا ریب فیہ" کی تفسیر میں لکھا ہے۔

قال عیسیٰ علیہ السلام نحن ناتیکم بالتنزیل واما التاویل فسیاتی به المهدی فی آخر الزمان

عیسیٰ علیہ السلام نے کہا ہے کہ ہم تنزیل (ظاہری احکام) تمہارے پاس لائے ہیں اور تاویل آخر زمانہ میں مہدی لائیں گے۔

حکیم شہاب الدین اشراقی المشہور بالشیخ المقتول "ہیاکل النور" میں لکھتے ہیں۔

ویجب علی المستبصران یعتقد صحة النبوات وان امثالهم تشیر الی الحقائق کما ورد فی المصحف وتلك الامثال نضربها للناس وما یعقلها الا العالمون وکما انذر بعض النبوات (اریدان افتح فمی بالامثال) فالتنزیل موکول الی الانبیاء والتاویل والبیان موکول الی المظهر الاعظم الانوری الاروحی الفارقلیط کما انذر المسیح حیث قال انی اذهب الی ابیکم لیبعث ابیکم الفارقلیط الذی ینبئکم بالتاویل ان الفارقلیط

مستبصر کو انبیا کے صحیح ہونے کا اعتقاد واجب ہے اور اس امر کا کہ ان کی مثالیں حقائق کی طرف اشارہ کرتی ہیں جیسا کہ مصحف میں وارد ہے کہ ہم یہ مثالیں لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں اور ان کو جاننے والے ہی سمجھتے ہیں اور جیسا کہ بعض نبیوں نے اطلاع دی ہے (میں ان مثالوں کو بیان کرنے کیلئے اپنا منہ کھولنا چاہتا ہوں) تنزیل انبیا سے متعلق ہے اور تاویل و بیان زیادہ نورانی اور روحانی مظہر اعظم یعنی فارقلیط کے ذمہ ہے جیسا کہ مسیح نے اطلاع دی ہے کہ میں اپنے اور تمھارے باپ کے پاس جاتا ہوں تاکہ وہ تمھارے پاس فارقلیط کو بھیجے جو تم کو تاویل بتائے گا (وہ فارقلیط جس کو

الذی یرسله ابی باسمه یعلمکم کل شیٔ) وقد اشیر الیه فی المصحف حیث قال (ثم ان علینا بیانه) و ثم للتراخی)

میرا باپ اس کے نام (فارقلیط) سے بھیجے گا وہ تم کو ہر چیز معلوم کرائے گا) مصحف میں بھی اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو فرمایا ہے کہ "ثم ان علینا بیانه" ثم تراخی کے لئے مخصوص ہے۔

حاشیۂ ہیاکل النور میں لکھا ہے۔

قوله الی المظهر الاعظم الانوری الخ یقال انه المهدی علیه السلام

ماتن نے زیادہ نورانی مظہر اعظم جو کہا ہے کہتے ہیں کہ یہ مہدی علیہ السلام ہیں۔

شرح ہیاکل النور میں جلال الدین دوّانی نے لکھا ہے۔

وقوله والبیان ای بیان تلك الحقائق معراةً عن حجب الصوریة. موکول الی المظهر الاعظم الانوری الاروحی الفارقلیطی منسوب الی فارقلیطا بالفاء ثم الالف ثم الراء المکسورة ثم القاف الساکنة ثم اللام المکسورة ثم الطاء ثم الالف المقصورة لفظ عبرانی ومعناه الفارق بین الحق والباطل والمراد به مظهر الولایة التی هی باطن لنبوة۔

قوله البیان یعنی ان حقائق کو صوری حجاب سے معرّا بیان کرنا زیادہ نورانی و روحانی مظہر اعظم فارقلیطی کے ذمہ ہے جو فارقلیطا کی طرف منسوب ہے جس میں فا پھر الف پھر راے مکسورہ پھر قاف پھر لام مکسورہ پھر یا پھر طا پھر الف مقصورہ ہے۔ یہ عبرانی لفظ ہے جس کا معنی حق و باطل میں فرق کرنے والا ہے اور اس سے مراد ولایت کا مظہر ہے جو باطن نبوت ہے۔

ایضاً قوله وقد اشیر الیه فی المصحف حیث قال "ثم انّ علینا بیانه" وثم للتراخی یعنی انه یعلم من قوله ثم ان علینا بیانه ای تمام الکشف عن حقائق ما انبائه من صور الاوضاع المنزلة علی الخاتم

قوله قرآن میں بھی اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو فرمایا ہے "ثم ان علینا بیانه" ثم تراخی کے لئے ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے اس قول سے جو "ثم ان علینا بیانه" سے معلوم ہوتا ہے کہ خاتم پر نازل شدہ اوضاع و طوار کے

وتجريدها عن ملابس الصور بالكلية
متراخ عن زمانه بانه يظهر فى
زمان من هو فارقليطا وهو مظهر
الولاية الخاصة به تلك الحجب
الرقيقة بحكم مقتضى النبوة موقوفا
موكولا كشفه الى مظهر ولايته
الخاصة المحمدية مراعاة لما
هو المناسب من استعداد الزمان

حقائق کا کامل کشف اور ظاہری لباس سے
بے پردہ بیان زمان خاتم سے متراخی ہے
اور اس کا ظہور فارقلیط کے زمانہ میں ہوگا جو
ولایت خاصہ کا مظہر ہے آقتضائے نبوت
کے مطابق جو رقیق حجاب حائل ہیں ان حجابوں
کا دور کرنا بھی اہل زمانہ کے استعداد و
قابلیت کا لحاظ کرتے ہوئے ولایتِ
خاصہ محمدیہ کے مظہر ہی پر موقوف ہے۔

ان اقوال سے ثابت ہے کہ علمائے مشاہیر اہل سنت بھی قائل ہیں کہ قرآن کے اعلیٰ معارف وحقائق کا انکشاف یا اس کا حقیقی بیان مظہرِ ولایتِ خاصۂ محمدیہ یعنی امام مہدی علیہ السلام کے ذریعہ ہوگا اور یہ کہ فارقلیط سے مراد مظہر ولایتِ خاصۂ محمدیہ ہیں اور یہ کہ ثم ان علینا بیانہ کا ظہور آپ ہی کے زمانہ میں ہے۔

جس طرح حضرت نبیٔ امی (فداہ ابی وامی) کی ذات اقدس سے تلاوتِ آیات وتعلیم کتاب وحکمت کی پیشین گوئی کا ظہور ایسے اعجاز کے طور پر ہوا ہے اس کی مثال پیش کرنے سے سب عاجز رہے ہیں اسی طرح امامنا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بیان قرآن کی پیشین گوئی کا ظہور بھی بطور معجزہ اس طرح ہونے پر کتب تاریخ وسیر شاہد ہیں کہ علما وامرا و رؤسا سب اس کے سامنے سر جھکتے اور اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز رہے ہیں چنانچہ مہدوی مورخین واہل سیر کے علاوہ دوسرے مورخین کے بیانات سے بھی اس کا کافی ثبوت ملتا ہے اور حضرت کے بعد بھی متبعین میں بیان قرآن کے معجز نما ہی اثرات پائے جانے کی تائید وتصدیق ہوتی ہے۔ مشہور مورخ عبدالقادر بدایونی نجات الرشید میں اپنے ہمعصر بزرگان مہدویہ کے بیان قرآن کی کیفیت کی اس طرح شہادت دیتے ہیں:

دربیانِ قرآن واشارات ودقائق وحقائق ولطائف بے کسب علوم رسمی
چناں شنیدہ ام کہ اگر خواہند کہ مجلسے ازانہا در قید کتابت آرند تذکرۃ الاولیائے دیگر باید نوشت

مولف صاحب ہدیہ نے آیت "ثم ان علینا بیانہ" کے متعلق یہ رد وقدح کرنے کے بعد جس کی حقیقت ناظرین کرام پر منکشف ہو گئی ہے دوسری آیتوں سے متعلق جو خامہ فرسائی کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ

اسی طرح دوسری آیات کے معنی بھی مخالف احادیث صحیحہ اور تفسیر صحابہ اور جمہور مفسیرین کے بیان کئے چنانچہ سورۂ جمعہ میں واخرین منھم لما یلحقوا بھم کو خاص اپنے فرقہ مہدویہ پر حمل کیا حالانکہ صحیح بخاری میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی رسول اللہ صلعم سے پوچھا گیا کہ ان سے کون لوگ مراد ہیں تو حضرت نے سلمان فارسی پر اپنا دست مبارک رکھکر فرمایا کہ اگر ایمان ثریا کے پاس بھی ہو تو یہ لوگ اس کو حاصل کرلیں گے۔ یہ صاف دلالت ہے کہ مراد آخرین منھم سے آیت مذکور میں قوم عجم ہیں بغیر تخصیص کسی قوم کے۔

اس لاطائل بیان میں بھی مولف ہدیہ سے جو غلطیاں سرزد ہوئی ہیں ان پر کئی طرح سے روشنی ڈالی جاسکتی ہے۔

آیات قرآنی کی مراد و منشا کے معین کرنے کے متعلق پہلے جو بحثیں کی گئی ہیں وہ اس آیت سے متعلق بھی پوری منطبق ہیں بلکہ جن جن آیتوں کو حضرت امامنا مہدئ موعود علیہ السلام نے اپنی یا اپنی قوم کی شان میں وارد ہونا ارشاد فرمایا ہے ان سب کا بھی وہی جواب ہے۔ چنانچہ جس طرح حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے قطع ویقین حاصل ہوتا ہے جیسا کہ ابراہیم واسمٰعیل علیہما السلام کی دعا سے متعلقہ آیتوں میں ہوا ہے اور اس کے علاوہ اور بہت سی مثالیں اس قسم کی موجود ہیں۔ اسی طرح حضرت امام مہدی علیہ السلام کے فرمان سے بھی قطع ویقین حاصل ہونا حضرت امام علیہ السلام کی خصوصیات سے ہے کیونکہ آپ کی شان میں جناب رسالت مآب صلعم نے ارشاد فرمایا ہے۔

یقفوا اثری ولا یخطی	(مہدی علیہ السلام) میرے نقش قدم پر چلیں گے اور خطا نہیں کریں گے۔

ایضاً۔ یقوم بالدین فی آخر الزمان کما قمت بہ فی اول الاسلام۔

(مہدی علیہ السلام) آخر زمانہ میں دین کو ایسا قائم کریں گے جیسا میں نے ابتدائے اسلام میں قائم کیا ہے۔

اس لئے مہدیت کا مرتبہ فوق الاجتہاد ہے اور امام مہدی علیہ السلام مجتہدین کی طرح رائے و قیاس کے تابع نہیں ہیں بلکہ آپ کا بیان اللہ تعالیٰ کی تعلیم اور اس کے حکم پر مبنی ہے چنانچہ نقد النصوص شرح فصوص میں لبنۃ فضۃ و ذہبۃ کی شرح میں لکھا ہے۔

مہدی اخذ کند احکام شرعیہ را بہ تبعیت خاتم الرسل از معدنے کہ اخذ کردہ است ازاں معدن ملک کہ وحی کردہ می شود بر رسول علیہ السلام)

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مہدی علیہ السلام خاتم الرسل کی تبعیت سے احکام شرعیہ کو اس معدن سے حاصل کرتے ہیں جس معدن سے فرشتہ رسول علیہ السلام پر وحی اتا تا ہے۔ پس امام مہدی علیہ السلام کے فرامین و احکام خود قطعی دلیل و حجت ہیں جس کو بغیر کسی دلیل کی حاجت نہیں ہے اور مفسرین و مجتہدین کے مقابلہ میں ان فرامین کی اتباع زیادہ ضروری ہے جیسا کہ یواقیت میں اسی اصول کے طرف یہ اشارہ کیا گیا ہے۔

من کان معلمہ اللہ تعالیٰ کان احق بالاتباع ممن کان معلمہ فکرہ ورایہ۔

جس کا معلم خود اللہ تعالیٰ ہو وہ ان لوگوں سے زیادہ اتباع کا مستحق ہے جن کی معلم ان کی فکر و رائے ہو۔

حاصل یہ کہ "امت مسلمہ" کے عام مفہوم سے جیسا کہ اہل اسلام کے نزدیک اپنے رسول معصوم عن الخطا کے فرمان سے خاص امت محمدیہ مراد ہونا درست ہے ایسا ہی امام معصوم یعنی امام مہدی موعود علیہ السلام کے بیان سے قوم عجم کے عام مفہوم سے اُن کا کوئی خاص طبقہ یا گروہ یا جماعت مراد ہو تو اس میں کیا اشکال ہو سکتا ہے۔ لیکن مولف ہدیہ امامنا مہدی موعود علیہ السلام کے محض حسد میں آپ کے معارف و حقائق کا انکار کر رہے ہیں اور تمام خرابیوں کی بنیاد یہی ہے چنانچہ علامہ شعرانی نے ابتدائے "یواقیت والجواہر" میں اسی حقیقت کو جو واضح کیا ہے

وہ مولف ہدیہ کے حسب حال اور ان کا حقیقی جواب ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں ۔

لایخفی ان اصل الانکار من الاعداء المبطلین انما ینشأ من الحسد ولو ان اولئک المنکرین ترکوا الحسد وسلکوا طریق اهل الله لم یظهر منهم انکار ولاحسد ایضاً واشد الناس عداوة لاصحاب العلوم الوهب الالهی فی کل زمان اهل الجدل بلا ادب فهم لهم اشد المنکرین فلکل آیة او حدیث عند اهل الله وجهان وجه یرونه فی انفسهم ووجه یرونه فیما خرج عنهم وکل ذلک لکونهم لا یعتقدون فی اهل الله انهم یعلمون الشریعة وانما ینسبونهم الی الجهل والعامیة لاعتقادهم ان احداً لاینال علماً الاعلی ید معلم والاصل ان القوم لما عملوا بما علموا اعطاهم الله تعالی علماً من لدنه باعلام ربانی انزله فی قلوبهم لما جاءت به الشریعة لایخرج عنها ذرة قال تعالی خلق الانسان علمه البیان وقال علم الانسان مالم یعلم وقال فی الخضر علمناه من لدنا علما واخطأ المنکرون

یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ مخالف اعدا کی طرف سے محض حسد ہی کی وجہ سے انکار پیدا ہوتا ہے اگر یہ منکرین حسد چھوڑ دیں تو ان سے نہ انکار صادر ہوگا اور نہ حسد ہر زمانہ میں ان لوگوں کے ساتھ جن کو اللہ نے وہبی علوم عطا کیا ہے بے ادب مجادلہ کرنیوالے ہی سخت معاند اور شدید انکار کرنے والے ہوتے آئے ہیں اہل اللہ کے نزدیک ہر آیت وحدیث کی دو وجہیں ہوتی ہیں ایک وجہ تو وہ اپنی ذات میں دیکھتے ہیں اور دوسری خارج میں۔ یہ سب کچھ اس لئے ہوتا ہے کہ وہ معاندین اہل اللہ کو علوم شرعیہ سے لاعلم سمجھتے بلکہ ان کو جہل سے منسوب کرتے ہیں کیونکہ وہ خیال کرتے ہیں کہ کوئی شخص کسی معلم کے بغیر علم حاصل نہیں کرسکتا حالانکہ اہل اللہ جب اپنے علم کے موافق عمل کرتے ہیں تو اللہ ان کے قلوب میں احکام شریعت کے ٹھیک ٹھیک مطابق جس میں ذرہ برابر فرق نہ ہو علم لدنی عطا کرتا ہے اللہ تعالے فرماتا ہے کہ اس نے انسان کو پیدا کیا اور بیان کو سکھایا نیز فرماتا ہے کہ انسان کو وہ علوم کیا جو نہیں جانتا تھا خضر کی نسبت فرمایا کہ ہم نے ان کو علم لدنی دیا منکرین

الفاظ خواہ کوئی ہوں عجمہ کہلاتے ہیں اس اعتبار سے چونکہ فرقۂ مہدویہ کے اکثر و بیشتر افراد ممالک عجم کے باشندے ہیں وہ بھی وطنیت و سکونت کے لحاظ سے قوم عجم کی تعریف میں داخل اور آخرین منہم لما یلحقوا بہم کے ضرور مورد و مصداق ہونا لازم آیا۔

رابعاً۔ خود مولف ہدیہ نے دلیل دہم کے ضمن میں امامنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وزرا قوم عجم سے ہونے پر بڑے شد و مد سے زور دیا ہے اور لکھا ہے کہ

شیخ جونپور کے تمام وزرا ہم جنس و عجم ہیں (ہدیہ صفحہ ۱۰۱)

ان کو قوم عجم سے ثابت کرنے کیلئے یہاں تک غلو کیا گیا ہے کہ فتوحات کے قول کا غلط ترجمہ کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا جیسا کہ دلیل نہم کے متعلقہ مباحث میں تحقیق کیگئی ہے تو پھر اس موقع پر انکے قوم عجم سے ہونیکا انکار کرنیکی مولف ہدیہ کیلئے گنجائش نہیں ہے۔

خامساً۔ اس کے بعد یہ امر تصفیہ طلب رہتا ہے کہ حدیث ابو ہریرہؓ کے نظر کرنے اس آیت سے اگر قوم عجم مراد ہے تو تمام قوم عجم اسکا مصداق ہے یا قوم عجم کا کوئی خاص طبقہ؟ ظاہر ہے کہ تمام قوم عجم میں عجمی کفار اور عجمی مومنین سب شامل ہیں حالانکہ ایمان ثریا کے پاس بھی ہو تو اس کو حاصل کرنے کی صفت جو حدیث میں مذکور ہے یہ عجمی مومنین ہی سے مخصوص ہو سکتی ہے نہ کہ کفار سے۔ پس مضمون حدیث سے خود مومنین اہل عجم کی تخصیص ظاہر و متبادر ہے اور مولف ہدیہ کا یہ قول کہ "بغیر تخصیص کسی قوم کے قوم عجم مراد ہیں" خود غلط ہے۔

الفاظ حدیث پر غور کرنے سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ حدیث بمختلف الفاظ مروی ہوئی ہے ترمذی کی روایت میں "ھذا وقومہ" کے الفاظ ہیں ایک اور روایت میں "ھذا واصحابہ" ہے جس کو ترمذی ہی نے روایت کی ہے اور اس کی نسبت لکھا ہے کہ ھذا حدیث غریب وفی اسنادہ مقال (یہ غریب حدیث ہے اور اس کی اسناد میں کلام ہے)

صحیحین کی روایت میں جو مفسرین نے لکھی ہے لنالہ رجال من ھؤلاء کے الفاظ ہیں جس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ "ایمان ثریا کے پاس بھی ہو تو البتہ اس ایمان کو ان میں سے کوئی لوگ حاصل کرلیں گے" اس سے بھی تمام لوگ نہیں بلکہ بعض

لوگ ایمان حاصل کرنے والے معلوم ہو رہے ہیں۔ خود مولف ہدیہ نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ "تحقیق پہنچ جائیں گے اس کو رجال ان لوگوں سے" اس سے بھی بعضیت ہی متبادر ہے۔ پس الفاظ حدیث کے نظر کرتے بھی تمام اہل عجم مراد لینا حدیث کے خلاف ہے بلکہ اہل عجم کا کوئی خاص طبقہ ہی مراد ہو سکتا ہے۔

اس قسم کی تخصیص اصول اہل سنت کے بھی مطابق ہے اس لئے کہ اصولیین کے ضوابط کے موافق عام بھی کبھی خاص ہوتا ہے امام شافعی رح کا تو مذہب یہ ہے کہ

ان العام ظني لانه مامن عام الا وقد خص منه البعض فيحتمل ان يكون مخصوصاً منه البعض وان لم تقف عليه۔

عام ظنی ہوتا ہے اس لئے کہ کوئی عام ایسا نہیں ہے جس سے بعض مخصوص نہوں۔ پس ہر عام محتمل ہے کہ اس سے بھی بعض مخصوص ہوں اگرچہ تم اس سے واقف نہوں

چنانچہ مفسرین نے سورۂ محمد کی آخری آیت " وان تتولوا يستبدل قوما غيركم فلا يكونوا امثالكم " (اگر تم خدا اور رسول کی فرمانبرداری سے روگردان ہو جاؤگے تو اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ دوسری قوم کو بدل دے گا جو تمہارے جیسی نہ ہوگی) کی تفسیر میں بھی یہی حدیث لکھی ہے۔

تفسیر لباب التاویل میں یہ حدیث درج کرنے کے بعد لکھا ہے۔

والله اعلم بمراده واسرار كتابه

اللہ ہی اس کی مراد اور اپنی کتاب کے اسرار کو بہتر جاننے والا ہے۔

حاصل کلام یہ کہ آخرین منہم لما یلحقوا بھم سے متبعین حضرت امامنا مہدی موعود علیہ السلام مراد لینا نہ حدیث کے خلاف ہے اور نہ جمہور مفسرین کے اور نہ آیت کی یہ تخصیص اصول اہل سنت کے منافی ہے کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت کے متبعین صفت ایمان میں صحابۂ رسول اللہ صلعم کے حالات سے بدرجۂ کمال متصف ہیں۔

شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی خلفائے مہدی علیہ السلام کی یہی صفت لکھی ہے

هم على اقدام رجال من الصحابة صدقوا ما عاهد والله عليه

وہ صحابۂ رسول اللہ کے قدم بقدم اور اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے عہد میں صادق ہوں گے۔

ہم نے جو وجوہ بیان کئے ہیں وہ نہایت درجہ اہم و ہیں لیکن اس باب میں ہمارے لئے اسی ذات اقدس کا فرمان منتہائے دلیل ہے جس کا اقبال مقبلین پر واجب ہے۔ واللہ ملہم الصدق والصواب والیہ المرجع والمآب۔

دلیل دوازدہم زمانۂ بعثت مہدی کی تحقیق

اخرج نعیم بن حماد عن محمد بن الحنفیۃ قال کنا عند علیؓ فسأله رجل عن المهدی فقال هیهات ثم عقد بیده تسعا فقال ذلك یخرج فی آخر الزمان اذا قیل للرجل الله الله قال فیجمع الله له قوماً قزعاً کقزع السحاب یولف بین قلوبهم لا یستوحشون علی احد خرج منهم ولا یفرحون باحد دخل فیهم علی عدة اصحاب بدر لم یسبقهم الاولون ولا یدرکهم الآخرون وعلی عدة اصحاب طالوت الذین جاوزوا معه النهر. الخ۔

مولف صاحب ہدیہ نے اس روایت کا ترجمہ یا خلاصہ یہ کیا ہے۔

یعنی ”نعیم بن حماد نے حضرت محمد بن حنفیہؒ سے روایت کی کہ فرمایا۔ تھے ہم پاس حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے۔ پوچھا حضرت سے ایک شخص نے احوال مہدی کا پس فرمایا کہ دور ہے پھر عقد کیا اپنے ہاتھ میں نو کا پھر فرمایا یہ نکلے گا آخر زمانہ میں جس وقت کہ کہا جائے گا اس مرد سے کہ ڈر اللہ سے یعنی بجبر و اکراہ خدا واسطے دیکر ڈر بتا کر ان کے ہاتھ پر بیعت کریں گے فرمایا پس جمع کرے گا اللہ تعالیٰ اونکے واسطے ایک قوم اشک ریز مانند ریزش ابر کے کہ ان کے دلوں میں الفت ہوگی نہ وحشت کریں گے کسی کے جلنے پر اور نہ خوش ہوں گے کسی کے آنے پر شمار میں اصحاب بدر کے برابر ہوں گے نہ سبقت لے گئے اون پر اول والے اور نہ ان کے مقام کو پاویں گے بعد والے اور بشمار اصحاب طالوت ہوں گے جو کہ اس کے ہمراہ نہر سے پار اترے تھے“ انتہیٰ

اس روایت کے بعض حصہ کا ترجمہ مولف ہدیہ نے صحیح نہیں کیا ہے اور نہ روایت صحیح لکھی ہے اصل روایت میں ” اذا قال الرجل اللہ اللہ قتل ہے (مستدرک) روایت سے قُتِلَ کے الفاظ حذف کر دیے ہیں جس کی وجہ سے

پر از تکلف یہ معنی بیان کیا ہے کہ جس وقت کہ کہا جائے گا اس مرو سے کہ ڈرا ﷲ سے ڈرا ﷲ سے یعنی بجبر و اکراہ خدا واسطے دیکر ڈرا کر ان کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔ حالانکہ یہ سب مضمون اصل سے زیادہ ہے۔ اس کی تائید اصل کلام مرتضوی کے الفاظ و سیاق کلام سے مطلق نہیں ہوتی لیکن اس وقت ہم اس سے بحث کرنا نہیں چاہتے اور اصل اعتراضات کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ مولف صاحب ہدیہ کے اس کے متعلق دو سوال باطل یا اعتراض لاطائل ہیں۔

اول یہ کہ اس کمال نفسانی کا ثبوت امامنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ و تبعین میں مشکل ہے۔ اگر بالفرض ہو بھی تو مہدی علیہ السلام کی خصوصیات سے نہیں ہے بلکہ تمام کاملین ان صفات سے متصف ہوا کرتے ہیں۔ عبادات کی صحت کا مدار اعتقاد کی صحت پر ہے اور صحت اعتقاد کا مدار کتاب وسنت کی مطابقت پر ہے اور یہاں معاملہ بالکل برعکس ہے۔"

دوسرا سوال یہ ہے کہ جناب مرتضوی (کرم ﷲ وجہہ) نے نو [9] کا عقد کیا ہے اس سے نوسو پر استدلال کرنا ممنوع ہے۔"

پہلے شبہ کا جواب یہ ہے کہ اول دیکھنا چاہیئے کہ جس کمال نفسانی کا مولف ہدیہ انکار کر رہے ہیں اس کی علامات اور نشانیاں کیا ہیں؟ اور وہ موجود ہیں یا نہیں؟ مذکورہ روایت میں" فرغا کفرغ السحاب" "باہمی الفت" غیر حق سے ایسا استغنا کہ کوئی ان میں داخل ہو تو خوش نہ ہونا اور کوئی ان کے پاس سے چلا جائے تو وحشت زدہ نہ ہونا" مذکور ہیں اور یہ اوصاف صحابہ و متبعین امامنا مہدی موعود علیہ السلام میں بدرجۂ کمال موجود ہیں پھر کمال نفسانی کا ثبوت مشکل کیسا؟ بلکہ ثابت و متحقق ہے۔ مثال کے طور پر دیکھو شیخ علی متقی کے جیسا مشہور شخص جب امامنا مہدی موعود علیہ السلام کی تصدیق کر کے مہدویہ جماعت میں داخل اور امامنا علیہ السلام کے خلیفۂ پنجم حضرت بندگی میاں شاہ دلاور رضی ﷲ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں فائز ہوا ہے تو اس کے ہمعصر بزرگان مہدویہ نے کوئی خوشی نہیں منائی اور جب شیخ علی متقی بزرگان مہدویہ کی اعلیٰ ریاضتوں اور زہد و تقویٰ کی پابندیوں کے متحمل نہ ہو کر مذہب سے مرتد ہو گئے تو کسی نے ان کی کچھ پرواہ نہیں کی یہی مضمون

"لا یفرحون باحد دخل فیھم ولا یستوحشون علیٰ احد خرج منھم پورا پورا صادق ہے اور اسی قسم کی بیسیوں مثالیں موجود ہیں۔

خود مولف ہدیہ نے ہدیہ کے باب دوم میں یہ اعتراف کیا ہے کہ
کسی مورخ سنی وشیعی نے بجز ترک وتجرد اور تاثیر وعظ وبیان کے کہ
لوازم ترک وتجرد سے ہے کوئی کرامت نقل نہ کی ۔(ہدیہ صفحہ ۲۲)۔

اس کے علاوہ بھی ہدیہ میں متعدد مقامات پر تاثیر وعظ وبیان کو بیان کیا گیا ہے جو کمال نفسانی کا صاف اعتراف ہے پھر اس کے باوجود یہاں یہ کہتے ہوئے انھیں شرم وحجاب دامن گیر نہیں ہے کہ" کمال نفسانی کا اثبات مشکل ہے اور ہو بھی تو خصائص مہدی سے نہیں ہے"

واضح ہو کہ جس طرح کسی وصف یا کسی شئی کی ابتدا ہوتی ہے ایسا ہی اسکی انتہا اور درجۂ کمال بھی ہوتا ہے اس قسم کے فضائل کے ذکر سے محض ان کا وجود نہیں بلکہ ان کا کمال مقصود ہوتا ہے اور اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ فضائل کسی اور میں مطلق نہ پائے جائیں پس روایت مذکورہ میں جو صفات نقل ہوی ہیں اگرچہ کاملین وطالبان حق بین ان سے متصف ہوسکتے ہیں لیکن امام علیہ السلام کے اصحاب میں ان صفات کا بدرجۂ کمال پایا جانا ان کی خصوصیات سے ہے چنانچہ خود مولف صاحب ہدیہ کو بھی یہ صفات اصحاب مہدی علیہ السلام میں بدرجۂ کمال موجود ہونے کا اعتراف ہے وہ لکھتے ہیں کہ

"تمام کاملین وطالبان حق اس صفات سے متصف ہوا کرتے ہیں۔
البتہ مہدیؑ کے اصحاب میں یہ صفات بدرجۂ کمال موجود ہوں گے
کہ اس مقام میں متاخرین سے پیش قدم اور متقدمین کے ہمقدم ہونگے۔
(ہدیہ صفحہ ۱۱۵)

اگر کوئی وصف یا اوصاف اوروں میں بھی پائے جاکر ان کا کمال کسی کی خصوصیات ہونے میں کوئی مسلمان شک کرے تو اس کی واضح مثال دیکھ لے کہ سارے انبیا علیہم السلام اخلاق حسنہ سے متصف ہیں مگر اخلاق حسنہ کا کمال کسی نبی میں نہیں تھا اور ذات خاتم الانبیا علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی اس سے مختص ہے

اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے " انک لعلی خلق عظیم ۔

اسی کی ایک اور مثال قرآن شریف ہی سے دیکھو اللہ تعالیٰ نے صحابۂ رسول اللہ کے یہ اوصاف ذکر کئے ہیں ۔

محمد رسول اللّٰہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم تراھم رکعاً سجداً یبتغون فضلاً من اللّٰہ ورضوانا الآیۃ (۲۶-۱۲ فتح)

محمد اللہ کے رسول ہیں ۔ جو لوگ انکے ساتھ ہیں (صحابۂ رسول اللہ) وہ کافروں کے ساتھ بڑے سخت اور آپسمیں رحمدل تم ان کو رکوع وسجود کرتے ہوے اور اللہ کے فضل اور خوشنودی کے طالب دیکھوگے ۔

بعینہ یہی سوال یہاں پیدا ہوتا ہے کہ یہ اوصاف صحابۂ رسول اللہ صلعم کے خصوصیات سے ہیں یا نہیں ؛ اگر خصوصیات سے نہیں ہیں تو پھر ان کے ذکر کرنے سے صحابہ کی کوئی فضیلت ومنقبت ثابت نہ ہوئی اور اگر خصوصیات سے ہیں تو یہ صفات دوسرے کاملین میں نہ پائے جانا چاہئے ورنہ بقول مولف ہدیہ انکے خصوصیات سے ہونے کی نفی ہو جائے گی ۔

درحقیقت اس کی بھی صحیح توجیہ یہی ہوسکتی ہے جو ہم نے بیان کی ہے کہ ان صفات کا بدرجۂ کمال پایا جانا صحابۂ رسول اللہ کی خصوصیات سے ہے اس کا یہ معنی نہیں کہ سوائے صحابۂ رسول اللہ کے کوئی شخص رکوع وسجود یا طلب فضل ورضوان وغیرہ سے متصف ہی نہو ۔ ناظرین کرام مولف ہدیہ کی دیانت و انصاف پر ایک اور لحاظ سے ذرا غور فرمائیں کہ دلیل نہم کے ضمن میں مولف ہدیہ نے وزرائے مہدی علیہ السلام کی نسبت صاحب فتوحات مکیہ کا ایک قول نقل کیا تھا کہ " ما فیھم عربی ولکن لا یتکلمون الا بالعربیۃ " (ان وزرا میں کوئی عرب نہ ہوگا لیکن وہ عربیہ کے سوا بات نہیں کریں گے) مولف ہدیہ نے اپنی فہم ودانست کے موافق اس کا معنی زبان عربی کرنا سمجھ لیا اور دیکھا کہ یہ صفت وزرائے مہدی علیہ السلام میں نہیں تو اس کو خصائص سے قرار دے لیا حالانکہ بنظر مراد قائل اس صفت کا ظہور لاکھوں عوام الناس ہندی المولد میں عام طور پر پایا جاتا ہے ۔ اور جب دیکھا کہ فقرۂ فرغاً کفرغ السحاب امام مہدی علیہ السلام کے

رفقا پر صادق ہے تو صاف کہدیا کہ یہ خصائص سے نہیں ہے حالانکہ یہ دونو
صفتیں عمومیت میں برابر ہیں یعنی جس طرح اشک ریزی وغیرہ کی صفت کاملیہ
وطالبین کے حق میں پائی جاتی ہے ایسا ہی عجمی ہوکر بزبان عربی تکلم کرنا اکثر ناقصہ
بازاری کا روزمرہ ہے پھر ایک کی تخصیص کے قایل ہونا اور دوسری کا انکار
کرنا صاف بیدینی اور بد دیانتی ہے۔

ایسا ہی اس روایت کا آخری حصہ جو "لم یسبقھم الاولون ولا یدرکھم
الآخرون" (یعنی اگلے لوگ صحابۂ مہدی علیہ السلام پر مراتب میں سبقت نہ
لے جاسکیں گے اور بعد کے لوگ ان کے مراتب کو نہ پاسکیں گے) مولف ہدیہ۔
دیکھکر گھبرایا کہ اس سے تو صحابۂ مہدیٔ موعود علیہ السلام کی بڑی منقبت
فضیلت ثابت ہوجاتی ہے فوراً اس کی یہ توجیہ کردی کہ متقدمین سے مراد
ان کے مجانسین یعنی اولیاء اللہ ہیں انبیاء وصحابۂ کرام نہیں ہیں۔ اگرچہ یہ توجیہ
مفہوم ومنشائے روایت اور سیاق کلام کی تعمیم کے صریح خلاف ہے لیکن ہم اس
اس کے متعلق کچھ کہنا نہیں چاہتے اور فقط مولف صاحب ہدیہ کے اس اعتراف
کے نتائج کو حسب منطوق "الفضلِ ما شھدت بہ الاعداء" واضح کرنے پر اکتفا
کرتے ہیں کہ جب آپ ہی کے اعتراف کے موافق اولین وآخرین سے مراد اولیاء
اللہ ہی ہونا مسلم ہے تو ثابت ہوگیا کہ انبیا وصحابۂ کرام کے سوا امت مرحومہ کے
متقدمین ومتاخرین جملہ اولیا سے جو ہدیہ "کے باب چہارم میں ذکر کئے ہو
تمام دعوے خاک میں مل گئے اور اس میں مندرجہ بیہودہ اعتراضات سب ہبا
منثورا ہو گئے کیونکہ اس باب کی بنا اسی پر ہے کہ حضرت امامنا مہدیٔ موعود
علیہ السلام یا آپ کے کسی صحابی نے فلاں فلاں ولی سے بے ادبی وگستاخی کی
ہے اور ان دعوے پہلے باطل کو ثابت کرنے کے لئے بعض ایسی روایتیں ہی نقل کی
ہیں جن سے حضرت مہدی موعود علیہ السلام اور صحابۂ حضرت کے فضائل ظاہر
ہوتے ہیں۔ جب یہاں اس روایت کا یہ حصہ یعنی "لم یسبقھم الاولون و
یدرکھم الآخرون" تسلیم کرلیا گیا ہے تو ثابت ہوگیا کہ اگر کہیں کسی اولیا
کی نسبت احیاناً کم مرتبتی یا کسی کوتاہی کا اظہار ہوا بھی ہے تو وہ اصل واقعہ کا اظہار

اور جناب مرتضوی کرم اللہ وجہہ کی اس روایت کی ٹھیک ترجمانی ہے اس سے توہین و بے ادبی مقصود نہیں ہے۔

مولف ہدیہ کا یہ قول کہ "صحتِ عبادت کا مدار صحتِ اعتقادات اور کتاب و سنت کی موافقت پر ہے اور یہاں معاملہ بالکل برعکس ہے۔"

اس کا پہلا جزء صحیح ہے بلکہ بعینہٖ ہماری زبان ہے کیونکہ تمام فرقہائے اسلامیہ کا یہ متفقہ مسئلہ ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور جمیع انبیاو مرسلین کی نبوت و رسالت کے معتقد ہیں مگر بینۃ اللہ یعنی حضرت سید المرسلین وخاتم النبیینؐ کے منکر ہیں وہ زہد و ریاضت اور تقویٰ و عبادت کے طریقے اپنے دین و مذہب کے مطابق اگرچہ کچھ بھی اختیار کریں وہ سب ہباءً منثورا ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وقدمنا الی ما عملوا من عمل فجعلنٰہ هباءً منثوراً (۱۹-۱۸ فرقان)

انھوں نے جو عمل کئے ہوں گے ان کی طرف ہم متوجہ ہوں گے تو ان کو بکھری ہوئی دھول کی طرح رائیگاں کردیں گے۔

ظاہر ہے کہ یہ اُس بینۃ اللہ یعنی حضرت خاتم الانبیا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے انکار کا نتیجہ یا ثمرہ ہے کہ ان کی عبادت و ریاضت ہباءً منثورا ہو جارہی ہے لیکن مہدوی تو اس بینۂ خدا کی ذاتِ اقدس کے مقبل۔ حضرت کے اوامر و نواہی اور حضرت کے اعمال و افعال یعنی سنت قولی و فعلی کے مطیع و منقاد اور پیرو ہیں اس طرح مہدویہ کتاب و سنت کی موافقت اور صحتِ اعتقاد و صحتِ عبادت کے معیار پر ایسے کامل العیار ہیں کہ مولف ہدیہ کے جیسے معاند مہدویہ کی غلط بیانی یا افتراپردازی سے آفتاب کی طرح ظاہر و باہر حقیقت پر کبھی پردہ نہیں پڑسکتا۔ بلکہ مہدوی یہ کہنے کا واجبی اور جائز حق رکھتے ہیں کہ وہ حضرت خاتم الانبیا افضل المرسلین صلعم کے اقبال و تصدیق کی خلعت فاخرہ کے ساتھ حضرت کے تاکیدی فرامین کی تعمیل کرکے اُس آخری بینۃ اللہ یعنی حضرت خاتم الاولیا امام مہدی علیہ السلام کے اقبال و تصدیق کی دولت سے بھی مالا مال ہونے کا قابل فخر شرف رکھتے ہیں۔ البتہ اللہ تعالیٰ اپنے فرمانِ صداقت نشان کے ذریعہ خلفاء اللہ کی

بعثت کے وقت اُن کے مخالفین و معاندین کی سرکشی و تمرد کا جو عام رویہ اور طریقہ ظاہر فرمایا ہے کہ

وما تفرق الذین اوتوا الکتاب الا من بعد ما جاءتھم البینۃ (۳۰-۲۳- بینہ)

اہل کتاب بَیِّنَہ یعنی واضح حجت یا رسول علیہ السلام آنے کے بعد ہی اہل کتاب متفرق ہوئے ہیں۔

ایضاً۔ افکلما جاءکم رسول بما لا تھوی انفسکم استکبرتم ففریقاً کذبتم وفریقاً تقتلون (۱-۱۱-بقرہ)

جب کبھی تمھارے پاس کوئی رسول تمھاری خواہشوں کے خلاف کوئی حکم لایا تم استکبار کر بیٹھے پھر بعض کو تم نے جھٹلایا اور بعض کو تو قتل کرنے لگے۔

اس کے موافق مولف ہدیہ کے جیسے مہدویہ کے معاند تفرق و استکبار اختیار کرکے اس شرف سے محروم ہیں۔ اور کتاب وسنت کی موافقت میں اور صحتِ اعتقاد وصحت عبادت کے معیار پر ناقص العیار ہیں۔

انہی آیاتِ شریفہ کے مفہوم ومنشا کے مطابق محققین اہل سنت مثلاً شیخ عبدالرزاق کاشی رح نے حضرت خاتم الانبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے یہود ونصاریٰ کو حضرت کے ظہور کا جو اشتیاق و انتظار تھا اور بعد ظہور وہی یہود ونصاریٰ حضرت کا سختی کے ساتھ انکار کر بیٹھے اس کا ذکر کرکے حضرت خاتم الاولیا امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کے وقت بھی یہی واقعہ پیش آنے کی پیشین گوئی کی ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

قولہ تعالیٰ حتی تاتیھم البینۃ ای الحجۃ الواضحۃ الموصلۃ الی المطلوب وذلک ان الفرق المختلفۃ المحتجبۃ باھوائھم وضلالتھم من الیھود والنصاریٰ والمشرکین کانوا یتخاصمون ویتعاندون ویدعی کل حزب حقیۃ ما علیہ ویدعو

اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ ان کے پاس بینہ آئے (بینہ) وہ واضح حجت ہے جو مطلوب تک پہنچانے والی ہے اور یہ اس طرح کہ یہود ونصاریٰ اور مشرکین کے مختلف فرقے جو اپنی نفسانی خواہشوں اور گمراہیوں کی تاریکی میں پڑے ہوئے ہیں آپس میں عناد رکھتے اور جھگڑتے تھے اور ہر فرقہ خود حق پر ہونے کا مدعی اور دوسرے فرقہ کو

صاحبه الیه وینسب دینه الی الباطل ثم یتفقون علی انا لا ننفك عما نحن فیه حتی یخرج النبی الموعود فی الکتابین المامور باتباعه فیهما نتبعه ونتفق علی الحق علی کلمة واحدة کما علیه الآن بعینه حال هولاء المتعصبین من اهل المذاهب المتفرقة وانتظارهم خروج المهدی فی آخر الزمان ووعدهم علی اتباعه متفقین علی کلمة واحدة ولا احسب حالهم الا مثل حال اولٰئك اذا خرج . اعاذنا اللہ من ذٰلك الاخر (تفسیر تاملات)

باطل قرار دیتا اور اس حق کی طرف بلاتا تھا پھر وہ سب اس امر پر متفق بھی تھے کہ اس نبی کے ظہور تک جس کا توریت وانجیل میں وعدہ کیا گیا اور جس کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے ہم سب اس نبی کی اتباع کریں گے اور ایک ہی حق بات پر متفق ہو جائیں گے جیسی کہ اب بعینہ یہی حالت ان مختلف متعصب اہل مذاہب کی ہے جو مہدی آخر الزمان کے ظہور کا انتظار کرتے اور بعد ظہور ایک ہی بات پر متفق ہو کر آپ کی اتباع کا وعدہ کرتے ہیں ۔ میں خیال کرتا ہوں کہ ان لوگوں کی حالت بھی جب امام مہدیؑ کا ظہور ہو گا انھی (یہود و نصاریٰ) کے جیسی ہو گی اللہ تعالیٰ ہم کو اس سے پناہ دے اور بچائے ۔

اس صادق القول بزرگ کی پیشین گوئی کے ٹھیک مطابق اس آخری بنیۃ اللہ موعود رسول اللہ افضل الاولیا ۔ خاتم ولایت خاصۂ محمدیہ ۔ امام مہدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ظہور کے بعد بھی آپ کا بصد شوق انتظار کرنے والے اور آپ کی اتباع کا دم بھرنے والے تمام آیات بینات اور احادیث واخبار واضحات سے روگرداں ہو کر حضرت کا انکار کر گئے ۔ پس مولف صاحب ہدیہ کے جیسے معاندِ مہدویہ خود موافقتِ کتاب وسنت اور صحتِ اعتقاد وصحتِ عبادت کے معیار پر ناقص العیار ہیں ۔ مولف ہدیہ کے اس قول کا دوسرا جز کہ "یہاں معاملہ بالکل بالعکس واقع ہوا ہے ۔ بارہا کہا کہ جو حدیث رسول اللہ کی اس بندے کے حال کے مخالف ہے اس کو میں تسلیم و قبول نہیں کرتا ہوں" اس سے ان کا مطلب یہ ہے کہ مہدویہ کا عمل کتاب وسنت واجماع امت کے مخالف ہے ۔ یہ مولف ہدیہ کا بُغض افزا ہے جو ان سے ہر جگہ اصلِ واقعہ کے صریح خلاف

سرزد ہوتا آیا ہے اور کہیں بھی وہ اس کو ثابت نہیں کر سکے ہیں کیونکہ اتباع کتاب وسنت مذہب مہدویہ کا اصل اصول ہے چنانچہ امامنا علیہ السلام کا محکم فرمان ہے کہ "مذہب ما کتاب اللہ واتباع رسول اللہ (کتاب اللہ اور رسول کی اتباع ہمارا مذہب ہے) ہر منصف ومتدین صاحب فہم ورائے فیصلہ کرسکتا ہے کہ یہ روایت کتاب وسنت کی موافقت عین مذہب مہدویہ ہونے پر دلالت قاطعہ رکھتی اور اس سے مولف ہدیہ کی اس افترا پردازی کی غلطی روز روشن کی طرح ظاہر ہو رہی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ " یہاں معاملہ بالعکس واقع ہوا ہے"۔

اس روایت کی تائید وتاکید اُس روایت سے بھی ہوتی ہے جو حضرت امامنا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بطور تواتر مروی ہے اور جو اس کتاب میں متعدد موقعوں پر نقل کی گئی ہے کہ حضرت نے اپنی روایتوں کی صحت کا معیار قرآن شریف کی موافقت کو قرار دیا ہے جس کا خلاصۂ مضمون یہ ہے کہ

اگر کوئی شخص بندہ سے کچھ نقل کرے تو اس کو دیکھو کہ وہ کلام خدا سے موافق ہے یا نہیں۔ اگر موافق ہے تو وہ بندہ کی نقل ہے۔ اور اگر وہ موافق نہیں ہے تو وہ بندے سے نہیں یا ناقل نے اسکی مراد نہیں سمجھی ہے۔

پس اس سے کتاب اللہ کی موافقت ومطابقت حضرت امامنا علیہ السلام کی روایتوں کی صحت کا معیار ہوتا ثابت ہے اگر احیاناً مولف ہدیہ کسی روایت کو اپنے خیال فاسد میں کتاب اللہ کے خلاف سمجھے ہیں تو اس پر اعتراض کرنے کے عوض اِس متواتر روایت کے لحاظ کرتے یہ فیصلہ کر لینا چاہئے کہ وہ حضرت کی روایت ہی نہیں ہے یا خود انھوں نے اس کی مراد ومنشا کے سمجھنے میں غلطی کی ہے۔

اتباع سنت کا یہ حال ہے کہ خود آنحضرت کا دعوی یہی ہے۔ انی عبداللہ تابع محمد رسول اللہ (رسالۂ عقیدہ) اور" مذہب ما کتاب اللہ واتباع رسول اللہ" ملا صدرالدین صدر علمائے سندہ سے مناظرہ کے وقت واضح ومسنشرح طور پر ارشاد فرمایا ہے۔

" مانہ لیعتی قومنیا را بیم و ا دکلام شرع حقیقی را تغیر ندا ویم۔ و میان

ما و شما در باب اتباعِ شریعت ہیچ فرقے نیست" الخ (شواہد الولایت)

امامنا علیہ السلام کے یہ چند فرامین مذکورہ افتراپردازی و غلط بیانی کی تردید کے لئے کافی ہیں۔ مہدویہ کے عقائد و اعمال کتاب و سنت کے مطابق ہونے کی تمام تر تفصیلات اس کتاب کے باب عقائد یعنی باب اول سے کالشمس فی نصف النہار ظاہر ہو چکی ہیں کہ ان کا کوئی عقیدہ اور عمل جس کو مولف ہدیہ نے اپنی غلط فہمی یا خبث باطنی سے قابل اعتراض بتایا ہے کتاب اور سنت کے خلاف نہیں ہے۔

مطابقت احادیث کی تحقیق۔

اب رہی امام مہدی علیہ السلام کے حال سے احادیث کی مطابقت کی بحث جس کو مولف ہدیہ نے غلط طور پر توہین حدیث سمجھا اور ناظرین کو بھی یہی مغالطہ دینا چاہا ہے چنانچہ انھوں نے عقیدۂ ہفتم کے ضمن میں بھی یہی مغالطہ دیا ہے اور یہاں بھی پھر اس کا اعادہ کیا ہے لیکن کہیں بھی انھوں نے حضرت امامنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اصل روایت کے الفاظ و عبارت بعینہٖ نقل نہیں کی ہے بلکہ اپنی طرف سے جو چاہا بیان کر لیا ہے خود ان کے اس بیان اور پہلے بیان میں بھی اختلاف ہے حضرت امامنا مہدئ موعود علیہ السلام کا اصل فرمان جو رسالۂ عقیدہ میں روایت کیا گیا ہے اور جس پر مولف ہدیہ کے سب شکوک و شبہات مبنی ہیں یہ ہے۔

"ہر کسیکہ و برا بہ احادیث پیش صحبت آمد فرمود کہ در احادیث اختلاف بسیار است و ایں صحیح شدن مشکل است۔ ہر حدیثیکہ موافق با کتاب خدا و حال ایں بندہ باشد آں صحیح است" (رسالۂ عقیدہ)

اس فرمان میں سب سے مقدم صحتِ احادیث کا معیار موافقتِ کتاب خدا کو قرار دیا گیا ہے اور یہ مضمون حدیث "ستکثر لکم الاحادیث من بعدی فاذا روی لکم عنی حدیث فاعرضوہ علی کتاب اللہ فان وافقہ فاقبلوہ وان خالفہ فردوہ" یا اسی کی ہم مضمون دوسری تمام احادیث کے ٹھیک مطابق ہے۔ مولف ہدیہ نے اس ضروری حصہ کو بالکل چھوڑ دیا اور اس سے مطلق بحث نہیں کی ہے اور ہر جگہ فرمان کا دوسرا جز پیش کرکے ناظرین کو یہ مغالطہ دیا ہے کہ کتاب و سنت کو اپنی رائے کے موافق کرنا چاہتے ہیں حالانکہ امامنا علیہ السلام نے

اپنے حال و قال کی صحت بھی کلام خدا کی موافقت پر موقوف رکھی ہے جیسا کہ حضرت کا یہی فرمان ابھی کچھ پہلے لکھا گیا ہے۔ پس اپنی جو روایت کتاب اللہ کے موافق ہو وہ صحیح ہے ورنہ غلط اپنا کتاب و سنت کو اپنی رائے کے موافق کرنا کہاں ہے بلکہ اپنی رائے اپنے حال اپنے قال کو کتاب اللہ کے تابع بنا دینا ہے۔

اس فرمان کا یہ جزکہ "دراحادیث اختلاف بسیار است و این صحیح شدن مشکل است" صاف بتا رہا ہے کہ یہ فرمان بھی غیر صحیح اور مختلف فیہ احادیث سے متعلق ہے۔ پس جو احادیث صحیح اور متفق علیہ ہیں جیسے احادیث متواتر اللفظ یا متواتر المعنیٰ جن کی صحت متفقہ ہے اور جن میں کوئی اختلاف نہیں ہے وہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔

مطابقت احادیث کا شان نزول۔

اس کے علاوہ اس روایت کے شان نزول کے لحاظ سے اس کی تحقیق یہ ہے کہ بعض معاندین و مخالفین نے امام مہدی علیہ السلام کے مقام ظہور وغیرہ علامات سے متعلق ضعیف وغیر صحیح احادیث پیش کر کے حجت کی تو حضرت نے اس موقع پر ارشاد فرمایا کہ

"احادیث میں اختلاف بہت ہے ان سب کا صحیح ہونا مشکل ہے جو حدیث کتاب خدا اور بندہ کے حال سے مطابق ہو وہ صحیح ہے۔"

اس کی توضیح یہ ہے کہ امام مہدی علیہ السلام کی علامات کے متعلق جس قدر احادیث محدثین نے جمع کی ہیں ان میں بعض ضعیف ہیں اور بعض بلحاظ مضمون و مفہوم باہم متضاد ہیں۔ ظاہر ہے کہ ضعاف احادیث کا اور دو یا کئی متضاد مضامین کا صحیح ہونا مشکل ہے کیونکہ دو متضاد باتوں میں سے کوئی ایک صحیح ہوگی اور ایک غلط۔ دونوں صحیح نہیں ہوسکتیں۔ ایسی صورت میں نبی مبشر یا امام موعود کے ظہور کے وقت اس کے حال سے جو خبر مغیب مطابق ہوگی وہی صحیح ثابت ہوگی۔ اور جو مطابق نہ ہونگی۔ وہ غیر صحیح سمجھی جائیں گی جس کی کئی مثالیں اخبار مغیبات میں ملتی ہیں۔

مثلاً حضرت خاتم الانبیاء والمرسلین کی جو بشارات انبیائے سابقین کی

کتابوں میں موجود ہیں انہیں سے آپ کے مقام بعثت "فاران" کے تعین میں اختلاف ہے۔ یا نبی موعود کے اولاد اسمٰعیل یا اولاد اسحاق سے ہوتے میں یہود نصاریٰ حجت کرتے ہیں اور علمائے اہل اسلام حضرت کی بعثت وظہور کے حالات کی مطابقت ہی کو اس اختلاف کا صحیح فیصلہ سمجھتے ہیں۔

اسی طرح امام مہدی علیہ السلام کے مقام ظہور و زمان ظہور وغیرہ کی نسبت جو اختلاف روایات ہے یا آپ کے اولاد فاطمہؓ سے ہونے اور اس کے مقابل اولاد عباس سے ہونیکی متضاد روایتیں ہیں انکی صحت کا فیصلہ امام موعود کے حال کی مطابقت سے ہوسکتا ہے۔ ایسا ہی کتاب خدا سے حدیث کا موافق ہونا علامات سے بھی متعلق ہے کیونکہ بعض لوگوں نے حضرت امامنا علیہ السلام سے تمام خلائق کا مہدی پر ایمان لانا امام مہدی علیہ السلام کی علامت ہونیکی حجت پیش کی تھی تو یہ واضح کر دیا گیا کہ جو علامتیں کتاب خدا کے صریح خلاف ہونگی وہ کبھی صحیح نہیں ہوسکتیں۔

غرض اس روایت کے شان نزول کے نظر کرتے ہوئے خود سیاق کلام سے متبادر ہے۔ امام علیہ السلام کے حال سے احادیث کے مطابق ہونے کا مضمون صرف علامات امام علیہ السلام سے مخصوص ہونا پایا جاتا ہے مولف ہدیہ نے اسکو عام سمجھا اور عام بتایا ہے جو شان نزول کے لحاظ سے صحیح نہیں معلوم ہوتا۔

ان تمام وجوہ و اسباب سے قطع نظر کرکے امام مہدی علیہ السلام کی معصومیت اور شان خلیفۃ اللّٰہی کے اعتبار سے بھی اس اہم مسئلہ کو اہل سنت کے اصول پر جانچا جاسکتا ہے جیسا کہ

اس مسئلہ کی تحقیق عقائد کے ضمن میں اس کتاب کے باب اول میں کیگئی ہے کہ یہ صورت قوی و ضعیف روایت کی سی ہے اور قوی روایت کے مقابلہ میں ضعیف روایت مرجوح ہونا تمام فرقہائے اسلامیہ کا خصوصاً محدثین و مجتہدین اہل سنت کا مسلمہ اصول ہے اور یہاں یہی صورت ہے کہ احادیث رسول اللہ صلی علیہ وسلم ہم تک بوسائط کثیرہ پہنچی ہیں اور جن راویوں کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہیں وہ سب کے سب بقول اہل سنت غیر معصوم ہیں اسکے مقابل امام مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات خلیفۃ اللہ اور معصوم عن الخطا ہے آپ کو اللہ تعالیٰ اور روح رسول اللہؐ سے بلا واسطہ علوم حاصل ہیں اور "لایخطی" اور "ماینطق عن الھویٰ" آپکی شان ہے۔ پس اہل سنت بلکہ شیعہ بھی اس امر پر متفق ہیں کہ غیر معصوم کی روایتوں کی صحت معصوم کی روایت کی مطابقت سے ہوتی ہے اور بصورت مخالفت معصوم کی روایت کے مقابل غیر معصوم کی روایتیں مرجوح ہونگی اس حد تک تو سب متفق ہیں۔ اگران دونوں مشہور فرقوں میں اختلاف ہے تو یہ ہے کہ معصوم کون ہے اور کون نہیں ہے لیکن امام مہدی موعود علیہ السلام کے معصوم ہونے پر تو سب متفق ہیں۔

غیر معصوم مرجوح ہونیکی ایک واضح مثال یہ بھی ہے کہ اسرائیلیات یعنی انبیاے سابقین یا سابقہ امتوں کے حالات و واقعات یا عقائد و اعمال جو قرآن و احادیث میں مذکور ہیں وہ

مسلمانوں کے پاس قابل وثوق ہیں اور جو بلا واسطہ رسول اللہ صلعم صرف اہل کتاب کی روایتوں سے منقول ہوئے ہیں وہ ویسے مفید قطع ویقین نہیں ہیں۔ اسکی وجہ یہی ہے کہ جن ذرایع سے وہ روایتیں منقول ہوتی آئی ہیں وہ محرفین و وضاعین کے تصرف سے محفوظ نہیں ہیں اسکے مقابل حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ملہم من اللہ اور مہبط جبرئیل ہے اس لئے حضرت کے ذریعہ سے دی ہوئی خبر واطلاع ضرور قابل وثوق ہے یہ صورت بھی ایسی ہی ہے کہ آئمہ محدثین نے اگرچہ احادیث کی تحقیق وتحفظ میں بقدرِ طاقت بشری کچھ کوتاہی نہیں کی لیکن پھر بھی وہ سہو وخطا سے معصوم ومحفوظ نہیں ہیں اور احادیث میں وضاعانِ حدیث وغیرہ کے تصرف سے جو اختلاطِ عظیم واقع ہوا وہ کسی پر پوشیدہ نہیں ہے اسکے مقابل امام علیہ السلام کو خلافت الٰہی کی جہت سے اللہ تعالیٰ اور روح رسول اللہ صلعم سے بلا واسطہ جو معلومات حاصل ہیں وہ اس نقص سے پاک اور قابل وثوق ہیں چنانچہ اس مسئلہ پر عقیدۂ مہفتم میں اور دوسرے موقعوں پر تشریح وتوضیح کیساتھ کافی بحث ہو چکی ہے۔

حاصل یہ کہ کسی اعتبار سے بھی مہدویہ کے عقائد وعبادات کی صحت میں ذرہ برابر شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ یہ سب مولف ہدیہ کی خبث باطنی کے کرشمے ہیں کہ وہ ان صاف و واضح حقائق سے آنکھیں بند کر کے اس قسم کے بے اصل ایرادات پیش کرتے ہیں۔ سب سے زیادہ تعجب خیز بات تو یہ ہے جو انھوں نے اتیت وگسائیوں کی مدح سرائی کرتے ہوئے صحابۂ مہدی علیہ السلام کی ریاضتوں کو ان کی ریاضتوں کا عشر عشیر بھی نہ ہونا کہا ہے۔ اولاً یہ اعتراض جناب مرتضوی کرم اللہ وجہہ کی بارگاہ میں وارد ہوتا ہے کہ آپنے ایسی صفات کو جو بقول مولف ہدیہ اتیت وگسائیوں کی عشر عشیر بھی نہیں ہیں صحابۂ امام مہدی علیہ السلام کی صفات کیسے قرار دیں اور ان صفات کی وجہ سے لم یسبقہم الاولون ولم یدرکھم الاخرون" کے جیسی ارفع واعلیٰ شان انکی کیوں ظاہر فرمائی۔ ثانیاً مولف ہدیہ کی ابلہی اس سے ظاہر ہے کہ ان میں حق وناحق کی تمیز کا مادہ کس حد تک مفقود ہے؟ کیا ان کے نزدیک اتیت وگسائیوں پاک اعتقاد بھی ہیں؟ اگر نہیں ہیں تو پھر جب تک اعتقاد پاک نہ ہو صرف محنت و ریاضت کیا کام آتی ہے اور حقیقت کی تائید کے بغیر تاثیر کہاں میسر ہو سکتی ہے؟ پھر لطف یہ کہ مولف دو زبان پراز سہو ونسیان بہزار زبان تاثیر حق کے قابل بھی ہیں چنانچہ حضرت امامنا علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے متبعین کے تاثیر بیانِ قرآن کے متعدد واقعے خود "ہدیہ" میں لکھے ہیں جو

معنیٰ حقیت کا اعتراف ہے کیونکہ حقیت اور تاثیر باہم لازم وملزوم ہیں مثلاً قندھار کے واقعات میں صاف اعتراف کیا ہے کہ حضرت امامنا علیہ السلام نے علما کی بدگوئی پر تحمل کر کے وعظ شروع فرما دیا شاہ بیگ حاکم قندھار کہ جوان تھا آپ کے بیان پر فریفتہ ہو گیا۔

میاں شیخ علائی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت لکھا ہے کہ شیخ جب آیات قرآنی کا بیان شروع کر دیتا تھا سلیم شاہ متاثر ہو کر کہتا تھا کہ شیخ اس دعوی سے باز آئیں تجھ کو تمام قلمرو کا محتسب بنا دیتا ہوں۔

ان کے علاوہ بھی کئی واقعے تاثیر بیان کے خود لکھے ہیں تو پھر حقیت وصحت عقائد کا انکار کیسا؟

عقد انامل سے نوسو مراد ہونیکی تحقیق	مولف صاحب ہدیہ کو دوسرا شبہ یہ ہے کہ جناب مرتضوی نے نو کا عقد کیا ہے اس سے نوسو پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ "عقد انامل" کی صورت ہے جس میں آحاد۔ عشرات۔ مأت۔ الوف یعنی اکائیاں۔ دہائیاں۔ سینکڑوں۔ ہزاروں ایسے امتیاز کے ساتھ انگلیوں پر گنے جاتے ہیں کہ ایک کا احتمال دوسرے پر نہیں ہو سکتا لیکن وہ وجہ امتیاز جس سے ہر عدد علیحدہ علیحدہ سمجھا جاتا ہے وہ عقود یعنی اشارات ہیں جو سیدھے اور بائیں ہاتھ کی انگلیاں مقررہ مقامات پر خاص ترکیب و وضع کے ساتھ رکھنے سے حاصل ہوتے ہیں۔ مثلاً سیدھے ہاتھ کی تین انگلیاں خنصر۔ بنصر۔ وسطیٰ سے ایک سے نو تک اکائیاں بنتی ہیں۔ سیدھے ہی ہاتھ کی دو انگلیاں سبابہ اور ابہام سے عشرات یعنی دس سے نود تک دہائیاں برآمد ہوتی ہیں اس کے مقابل بائیں ہاتھ میں انھی مقامات پر یہی اشارات بنانے سے بجائے عشرات و آحاد کے الوف و مأت یعنی ایک ہزار سے نو ہزار اور ایک سو سے نوسو تک اعداد حاصل ہوتے ہیں چنانچہ غیاث اللغات میں لکھا ہے۔

باید دانست کہ آنچہ در دست راست دلالت بر عقدے از عقود آحاد کند از یک تا نہ۔ در دستِ چپ دلالت بر ہماں عقد از عقود الوف کند از یکہزار تا نہ ہزار۔

وہمچنیں آنچہ در دست راست دلالت بر عقدے از عقود نہ گانہ عشرات از دہ تا نود۔ در دست چپ برہماں عقدے از عقود مأت کند از یکصد تا نہ صد۔

اس تفصیل سے معلوم ہو رہا ہے نو کے عقد چار ہیں ۹۔ ۹۰۔ ۹۰۰ ۹۰۰۰۔ اور یہ اعداد سیدھے اور بائیں ہاتھ کی انگلیوں کے مقامات بدلنے سے بدلتے جاتے ہیں چونکہ روایت میں یہ صراحت نہیں ہے کہ جناب مرتضوی کرم اللہ وجہہ نے جو عقد انامل کا اشارہ فرمایا تھا وہ سیدھے یا بائیں ہاتھ کی کونسی انگلیوں سے ظاہر کیا گیا تھا اس لئے روایت میں یہ ابہام ہے کہ امام مہدی علیہ السلام کا ظہور نو یا نود سال میں ہونے کا اشارہ کیا گیا ہے یا نوسو یا نو ہزار سال میں؟ پس یہاں درایت کی ضرورت ہے کہ ان چار احتمالات میں کونسی صورت قرین قیاس ہو سکتی ہے پہلی دو صورتیں مراد لینا اس لئے صحیح نہیں ہے کہ خود روایت میں ہیہات " یعنی بعُدَ (دور ہے) کے الفاظ موجود ہیں اور نو یا نود سال اتنی قریبی مدت ہیں کہ ان پر" ہیہات " صادق نہیں آتا اس کے علاوہ روایت میں یخرج فی آخر الزمان" کے الفاظ بھی ہیں یعنی امام مہدی علیہ السلام کا ظہور آخر زمانہ میں ہونے کی صراحت موجود ہے اور صاف ظاہر ہے کہ نو سال یا نود سال کی قلیل مدت پر آخر زمانہ کا اطلاق کسی طرح درست نہیں ہے بر نیہم وہ مدت منقضی ہو گئی اور اس مدت میں امام مہدی علیہ السلام کا ظہور نہیں ہوا تو یقیناً معلوم ہو گیا کہ حضرت امیر المومنینؓ نے جو اشارہ کیا تھا وہ نو اور نود کا عقد نہیں تھا۔

اب رہے نوسو اور نو ہزار سال کے احتمالات ان میں سے نو ہزار کے عدد کا احتمال بدرجۂ یقین ساقط ہے کیونکہ وقت خبر کے بعد سے نو ہزار سال مراد ہوں یا سنہ نو ہزار ہجری یہ دونوں احتمال بھی صحیح نہیں ہو سکتے اس لئے کہ خود مولف ہدیہ نے دلیل پنجم کے تحت شیخ جلال الدین سیوطی کے رسالہ " کشف " کے حوالہ سے متعدد روایتیں لکھی ہیں جن کا جزء مشترک یہی ہے کہ دنیا کی عمر سات ہزار برس ہے اور حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہبوط آدم علیہ السلام سے اسی ساتویں ہزار میں ہے امام مہدی علیہ السلام کا ظہور بھی وسط امت میں

ہونے کی متعدد روایتیں آئی ہیں تو ان تمام وجوہ سے قطعاً و یقیناً معلوم ہوا کہ وہ عقد انامل نو ہزار کا نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ ان تمام روایتوں کے خلاف اور غیر صحیح ثابت ہوتا ہے اب باقی رہ گیا صرف نو سو کا ایک عقد۔ اس کے سوا کلام مرتضوی کا کوئی اور مصداق ہی نہیں۔ یہی مصداق عوارض و موانعات سے پاک بھی ہے۔ "ھیھات" اور "یخرج فی آخر الزمان" بھی اس پر صادق آتا ہے۔ جو روایتیں اور اقوال سلف دسویں صدی یا نو سو پر ظہور مہدی علیہ السلام ہونے کی نسبت آئے ہیں ان سب سے بھی اسی کی تائید و تصدیق ہوتی ہے سب سے عمدہ اور قوی دلیل یہ ہے کہ اسی مدت معہودہ پر امام مہدی علیہ السلام کا دعویٰ بھی ہوا۔ چونکہ یہ ضابطۂ کلیہ ہے کہ روایات ظنیہ ظہور واقعہ کی مطابقت کے سبب سے قطعی ہو جاتی ہیں پس ایسا ہی نو سو کا عقدِ انامل بہ سبب دعوی مہدیت کے قطعی ہو گیا ہے۔

مولف صاحب ہدیہ نے "عقد تسعاً" (نو کا عقد انامل باندھا) سے نو سال مدت خلافتِ امام مہدی علیہ السلام کی طرف اشارہ ہونا کہا ہے لیکن یہ صریح غلط ہے کیونکہ سائل کا سوال وقتِ ظہور امام مہدی علیہ السلام سے متعلق ہے تعین مدتِ خلافت کا نہ یہاں کوئی ذکر ہی ہے اور نہ کوئی سوال ہی ہے اسی وجہ سے حضرت امیر کرم اللہ وجہہ نے سائل کی غرض سوال کے موافق جواب میں "ھیھات" (دور ہے) فرمایا اور پھر مزید یہ صراحت فرما دی کہ "یخرج فی اٰخر الزمان" (وہ آخر زمانہ میں نکلیگا) اس سے مضمونِ سوال اور غرضِ سوال واضح ہو جا رہی ہے پھر جواب کے الفاظ کو مضمونِ سوال کے برخلاف تعینِ مدتِ خلافت پر محمول کرنا حضرت مجیب کرم اللہ وجہہ کی حد اعجاز تک پہنچی ہوئی فصاحت و بلاغت پر حرف گیری کرنے کی یہ بے ادبی کرنا ہے کہ آپ نے سوال کی غرض کو نہ سمجھا وہ کچھ اور تھی اور جواب کچھ اور دیا گیا۔

مولف ہدیہ یہ بھی کہتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

حضرت محمد بن حنفیہ کہ راوی اس کلام کے ہیں غائبین سے زیادہ اپنے والد کے رموز و اشارات کو سمجھتے ہیں اھل البیت ادری بما فیہ

من الغیر" آپ اس کلام سے نوسو برس نہ سمجھے تو دوسروں کا
سمجھنا غلط فہمی ہے کیونکہ وہ غائبین فہم و فراست میں آپ کے ادنیٰ
غلاموں کے پاسنگ کو نہیں پہنچتے ہیں۔
مولف ہدیہ کا یہ قول بھی کئی وجوہ سے صحیح نہیں ہے۔

اوّلاً جب مولف ہدیہ کو اس کا اعتراف ہے کہ "عقدانامل" کے واضع نے چند عقد آحاد وعشرات کیلئے اور چند مات والوف کے لئے وضع کئے ہیں تو ثابت ہوا کہ یہ اشارات وضعی ہیں طبعی نہیں ہیں اور کلمات و اشارات وضعیہ کا معنی واضع کی وضع کے موافق ہوتا ہے اور ان کے سمجھنے میں حاضر وغائب خویش و بیگانہ سب یکساں ہوتے ہیں قرائنِ حالیہ و مقالیہ کی ضرورت طبعی اشارات کے فہم کے لئے ہوتی ہے وضعی کلمات و اشارات کیلئے نہیں ہوتی

ثانیاً اگر نوسو کا تصور محض اس لئے صحیح نہیں ہے کہ حضرت محمد بن حنفیہؒ سے کوئی قول ایسا منقول نہیں ہے تو "عقد تسعا" سے مولف ہدیہ نے مہدی علیہ السلام کی نوسال مدتِ خلافت مراد ہونا جو بیان کیا ہے اس کو بھی ضرور غلط فہمی کہنا چاہئے کیوں کہ حضرت محمد بن حنفیہؒ سے جو واقف رموز و اشارات ہیں ایسی کوئی روایت بھی تو منقول نہیں ہے۔

ثالثاً۔ مولفِ ہدیہ کے اس قول کی غلطی اس سے بھی ظاہر ہے کہ خود انہوں نے عقیدۂ پنجم کے ضمن میں حضرت محمد بن حنفیہؒ کا یہ قول لکھا ہے کہ سن دوسو میں مہدی (علیہ السلام) قائم ہونگے۔ (ہدیہ صفحہ ۲۰) اور یہاں بھی اسکو نقل کرکے حضرتِ ممدوح پر اٹکل وقیاس دوڑانے کا بے ادبانہ حملہ کیا ہے۔ جب " اهل البیت ادری بما فیہ من الغیر" آپ کا قول ہے اور حضرت محمد بن حنفیہؒ اپنے والد کے رموز و اشارات کو غائبین سے زیادہ سمجھتے ہیں تو پھر یہ قیاس قائم کرنے میں حضرت محمد بن حنفیہؒ سے کس طرح غلطی ہوگئی کیونکہ سنہ ۲۰۰ھ کو "عقد تسعا" سے لفظاً و معناً کوئی بھی مناسبت و مطابقت نہیں ہے۔

اس سے زیادہ پرلطف بات یہ کہ مولف ہدیہ بھی اس واقعہ کے وقت تو یقیناً حاضر نہیں تھے اور غائبین ہی میں داخل ہیں اور غائبین میں داخل ہونے کی جہت سے خود اپنے قول کے موافق فہم و فراست میں حضرت محمد بن حنفیہؒ کے ادنیٰ غلاموں کے

پاسنگ کو بھی نہیں پہنچتے ہیں۔ پھر تعجب ہے کہ وہی ادنیٰ غلام جو اپنی اس کم فہمی کا مقر و معترف اور اپنے آقا کے قول کو غلط اٹکل و قیاس قرار دینے کی زبان درازی اور خطا کہنے کی جرأتِ بیجا کرتا ہوا اس کو حضرت مظہر العجائب (امیر المومنین کرم اللہ وجہہ) کے فرمان کی توجیہ احسن پر اعتراض کرنے کا کیا منہ ہے۔

مولف صاحب ہدیہ نے جو دلیل سیزدہم بیان کی اور اس پر جو اعتراض کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ

طالقان کی بحث۔ دلیل سیزدہم عالم میاں رسالہ معارضہ میں رسالہ برہان سے نقل کرتے ہیں کہ ویحاً للطالقین بہا کنوز الیست من ذھب ولا فضۃ ولکن بہا رجال عرفوا اللہ حق معرفتہ وھم انصار المھدی فرمائے حضرت علی رضی اللہ عنہ واسطے اللہ کے خزانے ہیں نہیں ہیں روپے اور سونے سے ولیکن وہ مرد ہیں عارفان باللہ جو حق معرفت کا پورا کیا ہے یہ یہ عزا انصار ہیں مہدی کے۔ الخ۔

بزعم مولف ہدیہ دلائل اثباتِ مہدیت سے یہ تیرھویں دلیل ہے حالانکہ یہ مستقل دلیل ثبوت نہیں ہے کیونکہ اس میں مہدی علیہ السلام کے انصار ومعاونین کا حال بیان ہوا ہے نہ حضرت امام علیہ السلام کی ذاتِ اقدس کا۔ پس یہ روایت اصحابِ مہدی علیہ السلام کے فضائل میں شمار ہوگی نہ کہ اثبات مہدیت کے دلائل میں۔

مولف صاحب ہدیہ نے اپنی عادتِ مستمرہ کے موافق کسی شخص خاص سے رائے و قیاس قائم کرنے میں ولو بالفرض کوئی ضعف و کمزوری پائی جائے تو اس سے تمام قوم کو متہم کرنے کی بدنفسی کا مظاہرہ اس موقع پر بڑے غلو کیساتھ کیا ہے اور بہت زبان درازی کی ہے چنانچہ اسی موقع پر یہ بدزبانی کی ہے ؎

"تجھے کیا کام ہے مولا علی سے ❊ تو اپنے شیخ سدو کو منالے"

مولف ہدیہ نے "ہدیہ" کی ابتدا ہی میں لکھا ہے کہ وہ کسی جان کو (مہدویوں کو) اوران کے پیشواؤں کو القاب قبیحہ اور الفاظ شنیعہ سے یاد نہ کیا گیا علاوہ یہ ہے کہ

فحش و بد زبانی دیانت و شرافت کے بھی خلاف ہے۔ (ہدیہ صفحہ ۲)

ناظرین کرام خود فیصلہ فرمائیں کہ اس شعر سے مولف ہدیہ کی خود ان کے اپنے قول کے مطابق شرافت کے خلاف کس قدر رذالت ٹپک رہی ہے۔ خیر ہم نے اس کا انتقام منتقم حقیقی کے حوالہ کر دیا ہے۔ غرض بہت کچھ بد زبانی کرنے کے بعد ایک اعتراض یہ کیا ہے کہ جناب سید عیسیٰ صاحب مہدوی نے اس عبارت میں یہ تحریف کر دی ہے کہ اصل کلام مرتضوی میں ویحاً للطالقان تھا جو کسی مقام کا نام ہے سید عیسیٰ صاحب نے اس کو صیغۂ تثنیہ سمجھکر لام جار کی وجہ سے اس کو مجرور بالیاء کر کے طالقین کر دیا ہے اور بعض الفاظ کا ترجمہ چھوڑ دیا ہے'' الخ۔

مولف صاحب ہدیہ کا ذہن جناب سید عیسیٰ صاحب کی ایک لفظی و خیالی غلطی کی طرف تو منتقل ہو رہا ہے مگر اپنی خطا پر ان کی نظر نہیں پڑتی۔ وہ یہ کہ ''طالقین'' کو مولف ہدیہ نے تثنیہ کا صیغہ ہی کیسے یقین کر لیا جو ضمیر کے مرجع کا اعتراض جناب ممدوح پر عائد کر دیا حالانکہ حالت جرّی میں جمع مذکر سالم اور صیغۂ تثنیہ کی صورت مکتوبی ایک ہی ہوتی ہے صرف اعراب کا فرق ہوتا ہے اس لحاظ سے ''طالقین'' کا لفظ ''طالِقین'' اور ''طالِقَیْنِ'' دونوں کو محتمل ہے پس اگر اس لفظ کو طلقَ کا صیغہ جمع اسم فاعل بر وزن فاعِلِیْنَ پڑھا جائے (جس کا معنی نیکی کے لئے ہاتھ کھولنے کے ہیں) تو مطلب یہ ہوگا کہ ان نیکی کرنے والوں پر رحمت ہو جو امام مہدی علیہ السلام کے انصار ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو ایسا پہچانا ہے جیسا کہ حق پہچاننے کا ہے۔ یہ بھی ایک صحیح توجیہ ہو سکتی ہے جس میں نہ ضمیر تثنیہ کی ضرورت ہے اور نہ مرجع ضمیر کی بحث ہی پیدا ہوتی ہے۔

دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ بقول مولف ہدیہ طالقین ایک قریہ کا نام ہی تسلیم کیا جائے جو ''بلخ و ''مرو'' کے درمیان واقع ہے تو جناب سید عیسیٰ صاحب نے اگر طالقین لکھا ہے تو ممکن ہے کہ آپ نے جس رسالۂ برہان سے نقل کیا ہے اس کا غلط نسخہ آپ کو دستیاب ہوا ہو اور وہی نقل کر دیا گیا ہو جو اس میں لکھا ہوا تھا۔ چنانچہ مولف ہدیہ نے بھی یہ احتمال اس طرح ظاہر کیا ہے کہ معلوم نہیں نسخہ غلط دستیاب ہوا تھا یا عمداً یہ کام کیا۔ ترجمہ متروک ہو جانا بھی ایک امر اتفاقی ہونا ممکن ہے یا

یہ کہ وہ ترجمہ نہیں بلکہ تلخیص ہے جس میں خلاصۂ مطلب بیان کر دیا جاتا ہے اور لفظاً لفظاً ترجمہ کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مولف ہدیہ سے ایسی بہت سی غلطیاں احادیث اور اقوال بزرگانِ سلف اور خصوصاً ہماری کتابوں کی عبارتیں نقل کرنے میں عمداً سرزد ہوئی ہیں اور ہم نے ان کو بسا اوقات نظرانداز کر دیا ہے۔

خلاصۂ جواب یہ ہے کہ جناب مرتضوی کرم اللہ وجہہ نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ امام مہدی علیہ السلام کے تمام صحابہ طالقانی ہی ہوں گے یا یہ کہ سب طالقانی اس نسبت سے متصف رہیں گے آپ کے فرمان کا مصداق صحیح ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ حضرت امامنا علیہ السلام کی دعوت چونکہ حضرت رسالتمآب صلی اللہ وسلم کی طرح ساری امت پر عام ہے یہی وجہ ہے کہ امامنا علیہ السلام کے مقبلین ایک ہی قوم اور ایک ہی ملک اور ایک ہی مقام کے باشندے نہیں تھے بلکہ حضرت کے صحابہ میں ہندی۔ سندھی۔ خراسانی۔ بلخی۔ طالقانی۔ ہروی۔ گجری۔ عربی وغیرہ سبھی تھے جن کا نام بنام تفصیلی ذکر کرنا دشوار ہے اور نہ اس موقع پر اس کی ضرورت ہی ہے

طالقان کسی مقام کا نام ہی ہو تو اس روایت سے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ اصحاب مہدی علیہ السلام بحد کمال ایسے ذی مرتبت ہیں کہ جناب مرتضوی کرم اللہ وجہہ نے ان کے مقام سکونت پر کلمۂ ترحم استعمال فرمایا ہے۔ انکی ذوات متبرکہ کو اللہ تعالیٰ کے خزانے قرار دئے ہیں جن کے لئے یہ بشارت و منقبت عظمیٰ فرمائی ہے کہ انھوں نے خدا کو ایسا پہچانا جیسا کہ حق پہچاننے کا ہے اور یہی وہ مرتبۂ اعلیٰ ہے جس کا بیان سابق میں اس طرح کیا گیا ہے "لم یسبقھم الاولون ولا یدرکھم الآخرون" (اگلے لوگ ان سے سبقت نہ لیجا سکیں گے اور بعد کے لوگ ان کے مراتب کو نہ پا سکیں گے) العظمۃ للہ اسی سے امام مہدی علیہ السلام کی شان و عظمت فہم و ادراک سے بالاتر ثابت ہوتی ہے کہ جس ذات اقدس کے صحابہ کی یہ مرتبت و منزلت ہو خود اس ذات اقدس کے فضائل کیا ہوں گے؟

مولف صاحب ہدیہ نے "ھم انصار المھدی" کے الفاظ سے بھی

یہ شبہ پیدا کیا ہے کہ امامنا علیہ السلام نے اپنے صحابہ میں صرف مہاجرین ہونا اور انصار نہ ہونا فرمایا ہے اس لئے انصار المہدی کے الفاظ ان پر صادق نہیں آتے لیکن یہ شبہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ "انصار" اسلامی اصطلاح میں اُن صحابۂ رسول اللہ صلعم کو کہا جاتا ہے جو مدینۂ منورہ کے باشندے تھے اور جنہوں نے حضرت رسول اللہ صلعم کی اور مہاجرین صحابہ کی اسوقت بڑی مدد کی جبکہ یہ سب مکہ معظمہ ہجرت کرکے مدینۂ طیبہ آئے اور اسی کو اپنا وطن بنالیا لیکن انصار کا معنیٔ لغوی اسی اصطلاحی معنی میں محدود نہیں ہے بلکہ عام ہے چنانچہ قرآن شریف میں عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے حواریوں کا مکالمہ مذکور ہے

فلما احس عیسیٰ منهم الکفر قال من انصاری الی الله قال الحواریون نحن انصار الله آمنا بالله واشهد بانا مسلمون (۳-۱۳- ال عمران)	جب عیسیٰؑ نے ان (یہود) سے کفر محسوس کیا تو کہا اللہ تعالیٰ کی طرف ہوکر میری مدد کرنے والے کوئی ہیں تو حواریوں نے کہا کہ ہم اللہ (کے دین) کی مدد کرنے والے ہیں اللہ پر ایمان لائے ہیں آپ گواہ رہیں ہم مسلمان (یعنی تابعدار) ہیں۔

اس آیت میں انصار سے اصطلاحی انصار مراد نہیں ہیں بلکہ حواریوں کے معنیٔ لغوی کے لحاظ سے انصار کا اطلاق ہوا ہے۔

حضرت امامنا علیہ السلام سے جو یہ مروی ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں انصار و مہاجرین دونوں تھے اور بندہ کے پاس صرف مہاجرین ہی ہیں اس سے اصطلاحی انصار کی نفی مقصود ہے کیونکہ حضرت امامنا علیہ السلام اور آپ کے مہاجرین نے کسی مقام پر توطن اختیار نہیں کیا جہاں کے باشندوں نے آپ کی اور آپ کے مہاجرین کی امداد و اعانت کی ہو اور وہ انصار کے لقب سے مشہور ہوئے ہوں مگر لغوی معنی کے اعتبار سے صحابۂ امام علیہ السلام حقیقی مومنین اور انصار اللہ یا انصار دین اللہ ہونے میں کیا شک ہے اُن پر انصار مہدی کا اطلاق بالکل درست ہے۔

دلیل چہارم رسالۂ معارضة الروایات کی چند روایتیں | مولف صاحب ہدیہ نے

رسالۂ معارضۃ الروایات کی مندرجہ چند روایات اپنے بعض غلط اور لاطائل شبہات واعتراضات کے ساتھ لکھی ہیں اوران کو دلیل چہاردہم قرار دیا ہے چنانچہ لکھا ہے۔ "دلیل چہاردہم بقیہ احادیث وآثار رسالۂ معارضۃ الروایات"

لیکن مولف ہدیہ نے اولاً تمام احادیث کو یکجا لکھدیا ہے اور ہر حدیث کی نسبت جو توجیہ صاحب معارضۃ الروایات نے بیان کی ہے اس کو بھی ہر حدیث کے ساتھ لکھا ہے۔ مگر ان توجیہات پر خود کو جو اعتراض ہے وہ سب جواب کا عنوان قائم کرکے بعد میں لکھے ہیں جس سے ناظرین کو ربط کلام قائم کرنے میں بار بار اوراق الٹنے کی ضرورت لاحق ہوگی۔ اسلئے ہم نے ناظرین کی سہولت کیلئے ہر حدیث کی نسبت صاحب معارضۃ الروایات نے جو توجیہ کی ہے اور اس پر مولف ہدیہ کو جو شبہ یا اعتراض ہے اور اس اعتراض یا شبہ کا جو حل یا تردید ہوسکتی ہے یہ سب متعلقہ مضامین ایک ہی جگہ ہر حدیث کے ضمن میں درج کردئے ہیں۔

ان مباحث پر قلم اٹھانے سے پہلے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ اس دلیل کے ضمن میں جو حدیثیں لکھی گئی ہیں ان میں سے ایک دو کے سوا باقی سب مقطوع یا موقوف حدیثیں ہیں جو کسی صحابی یا تابعی وغیرہ کی ذاتی رائے یا ذاتی اقوال ہیں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین نہیں ہیں۔

اصول حدیث کے مطابق حدیث موقوف کی تعریف اور اس کا حکم جو اس سے پہلے بھی اس کتاب میں نقل کیا گیا ہے یہ ہے۔

الموقوف ھو مطلقاً ما روی عن الصحابی من قول او فعل مفصّلاً کان او منقطعاً و ھو لیس بحجۃ علی الاصح (رسالہ اصول حدیث مولفہ علامہ سید شریف جرجانی مطبوعہ)

مطلق موقوف خواہ متصل ہو یا منقطع وہ ہے جو صحابی کا قول یا فعل روایت کیا گیا ہو۔ اور مذہب صحیح یہ ہے کہ وہ حجت نہیں ہے۔

ایسا ہی مرفوع احادیث کی اسناد بھی قوی اور صحیح ہونا ضروری ہے۔ ضعیف وغیر صحیح حدیثوں سے محدثین ومجتہدین کے پاس قطع ویقین کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ پس اس قسم کے اقوال کو مرفوع احادیث کی طرح یا غیر صحیح احادیث کو

صحیح احادیث کی طرح قابلِ حجت قرار دینا اور ان میں سے ہر قول کو خواہ اس کا کہنے والا کوئی بھی ہو اور اس کی اسناد میں کتنا ہی ضعف لاحق ہو ثبوتِ مہدیت کا مدار و موقوف علیہ سمجھ لینا اصول کے خلاف ہے۔ اس لحاظ سے مولف ہدیہ کا محل بے محل یہ کہدینا کہ "یہ حدیث امامنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مہدیت کی تکذیب کرتی ہے" یا یہ کہ "فلاں قول حضرت پر صادق نہیں آتا" اس سے خود ان کی اصولِ حدیث سے لاعلمی وجہالت ثابت ہے۔

اسی طرح مولف ہدیہ کی اس غلط بیانی سے ان کی اصول حدیث سے جہالت ظاہر ہوتی ہے جو انھوں نے لکھا ہے کہ "مہدی علیہ السلام کی صدہا علامات بروایات ثقات ثبوت کو پہنچی ہیں" (ہدیہ صفحہ ١٢٠)

مولف صاحب ہدیہ اول یہ تو بتائیں کہ بروایاتِ ثقات ثبوت کو پہنچی ہوئی صدہا علامات وہ کونسی ہیں؟ اور ان علامات کا ماخذ حضرت مخبرصادق صلعم کے فرامین یعنی مرفوع احادیث ہیں یا ما وشما کے اقوال اور غلط قیاسات جو اصول حدیث کے مطابق قابل حجت نہیں ہیں۔ ان مرفوع احادیث کی نسبت بھی مخبرصادق کی طرف صحیح ہے یا نہیں؟ ورنہ بیشمار موضوع اور ضعیف حدیثیں ایسی ہیں جو مخبرصادق کی طرف منسوب کردی گئی ہیں لیکن حقیقت میں ان کی نسبت مخبرصادق کی طرف صحیح نہیں ہے۔

مشہور محدثین وعلمائے اہل سنت نے تو انہی چند امور کو علامات صحیحہ قرار دیا ہے جو حضرت مخبرصادقؐ سے مہدی علیہ السلام کی شان میں متواتر و مشہور طور پر وارد ہیں ان کے مقابل مولف ہدیہ اپنے تبحر علمی سے جب سینکڑوں علامتیں ہونے کے مدعی ہیں تو اول یہ معلوم ہوجانا چاہئے کہ آخر وہ ان گنت علامتیں کونسی ہیں اور ان کا ماخذ کیا ہے جن تک ان علماء و متقدمین کے ذہن رسا کی رسائی نہیں ہوئی۔

ثانیاً ان احادیثِ مرفوع و موقوف کی نسبت [illegible] توجیہ صاحب معاصر الروایات جناب سید عیسیٰ صاحب مہدوی نے بیان کی [illegible] کی توجیہ وہی ہوسکتی ہے جو تمام علمائے اسلام کی رائے وقیاس کی ہے جس طرح ان علما نے

کسی آیت وحدیث کی نسبت اپنی رائے وقیاس سے جو توجیہات کی ہیں وہ سب درست ہونا ضروری نہیں ہے اسی لئے مجتہدین اور علمائے امت کی اس قسم کی توجیہات باہم مختلف ہیں ان میں سے کوئی صحیح ہے کوئی صحیح نہیں ہے لیکن کسی کی قیاسی توجیہ کے غلط ہونے سے اصل دین ومذہب پر یا اس آیت وحدیث پر کوئی اثر مترتب نہیں ہوسکتا ۔

اسی طرح صاحب "معارضۃ الروایات" کی کوئی توجیہ اگر احیاناً صحیح نہ ہو تو اُس سے اصل دین ومذہب پر کوئی اثر مترتب نہیں ہوسکتا اور نہ اس غلطی کو تمام اہل مذہب کی طرف منسوب کردینا صحیح ہے جیساکہ مولف ہدیہ کی یہ مذموم عادت ہی ہوگئی ہے کہ شخصی غلطی کو وہ تمام اہل مذہب کی طرف منسوب کرکے سب کو مورد الزام قرار دیتے ہیں ۔ اس اعتبار سے ان توجیہات پر رد وقدح کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ یہی ایک معقول وجہ مولف ہدیہ کی تردید کے لئے خود کافی ہے ۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اقوال بھی امامنا علیہ السلام پر صادق ہیں اور صاحبِ "معارضۃ الروایات کی توجیہ درست ہے ان کے سمجھنے میں خود مولف ہدیہ ہی سے غلطی ہوئی ہے اس لئے مختصر طور پر ان کی بھی توضیح کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے ۔

ہم ان روایات کو یہاں مولف ہدیہ کی ترتیب ہی کے موافق درج کرتے ہیں ۔ پہلی روایت ۔

ما اخرجہ الترمذی یلی رجل من اھل بیتی یواطی اسمہ اسمی ۔ آہ	ترمذی نے روایت کی ہے کہ ایک شخص میری اہل بیت سے والی ہوگا جس کا نام میرے نام کے موافق ہوگا ۔

بقول مولفِ ہدیہ صاحب "معارضۃ الروایات" نے اس روایت کی جو توجیہ کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ

عالموں ۔ عاملوں ۔ امیروں ۔ فقیروں کی جماعت کثیر نے آپ کی تصدیق کی تو حق تعالیٰ نے آپ کو جو نبی (صلعم) کی اہل بیت سے اور ہمنام نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ان سب کی ولایت عطا کی تھی ۔

ترمذی کی اس روایت مذکورہ سے متعلق مولف ہدیہ کو یہ اعتراض ہے کہ "ولایت سے اگر ولایت عامہ مراد ہے تو تمہارے مہدی میں مفقود ہے۔ اگر یہ مراد ہے کہ ایک جماعت کثیر کے پیر بن جانا تو یہ خصائص سے نہیں ہے بلکہ اہل بدعت میں ہزارہا شخص ہمنام حضرت کے ایسے ہوئے ہیں کہ ایک خلق ان کی مطیع و معتقد ہوئی ہے یہ کیا خصائص وعجائب سے تھا کہ اس کو حضرت رسالت خاص مہدی کے واسطے بیان فرماتے"

اس کی جوابی تقریر کئی وجوہ سے ہوسکتی ہے۔ جناب سید عیسیٰ صاحب مہدوی نے ان روایات پر ثبوت کا مدار نہیں رکھا ہے بلکہ اس حدیث کو سائل کے اس سوال کے جواب میں لایا ہے جس کی تقریر سوال یہ ہے کہ" ترمذی کی ایک حدیث میں آیا ہے کہ" لا تذھب الدنیا حتیٰ یملك العرب رجل من اھل بیتی یواطی اسمہ اسمی" حالانکہ تمہارے مہدی عرب کے مالک نہیں ہیں۔ اس سوال کا اولاً جواب یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح بھی ہو تو یملک العرب کے الفاظ صرف اسی روایت میں ہیں اس کے کوئی شواہد بھی نہیں ہیں لہذا اس کی حیثیت ایک خبر واحد کی سی ہے اور خبر واحد سے اصولِ فقہ واصول حدیث کے نظر کرتے ظن کا فائدہ حاصل ہوتا ہے وہ مفید قطع ویقین نہیں ہوتی۔ عرب کے معنیٔ مرادی کے تعین میں بھی کئی بحثیں ہیں۔

ثانیاً۔ جناب سید عیسیٰ صاحب کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اسی ترمذی میں ایک اور حدیث اس طرح آئی ہے" بلی رجل من اھل بیتی یواطی اسمہ اسمی" اس میں عرب اور یملک کے الفاظ نہیں ہیں بلکہ مطلق ولایت ہے مطلق مقید کی ضد ہے اور یہ دونوں حدیثیں صحت وقوت میں برابر ہیں تو حکم اذا تعارضا تساقطا ان پر صادق آیا یعنی دونوں ساقط ہوگئیں۔

اب ناظرین کرام اصول مناظرہ کے موافق بانصاف ملاحظہ کریں کہ مولف صاحب ہدیہ نے اس حدیث کو دلیل ثبوتِ مہدیت قرار دیکر جو اعتراض کیا ہے وہ کس حد تک صحیح ہے۔ جب بنائے اعتراض" معارضۃ الروایات" کا قول ہے اور ضمناً" معارضۃ الروایات" کے قول کی رو سے یہ حدیث دوسری حدیث سے متعارض ہونیکی وجہ سے ساقط بھی جارہی ہے

توصاحب معارضۃ الروایات کے نزدیک وہ حدیث اپنے حکم پر باقی نہیں ہے اور نہ وہ دلیل ثبوت ہی ہے پھر اس کو قرار دیکر اس پر اعتراض کرنے کی کہاں گنجایش ہے۔

ثالثاً یہ تو جناب ممدوح کے بیان کا خلاصہ اور اس سے متعلقہ تقریر تھی لیکن قابل غور یہ بات ہے کہ معنیٰ ولایت کی یہ بحث کیا مدار بحث ثبوت ہے کہ اس کے سوا اور کوئی دلیل ہی نہیں یا علامات مہدیت کا انحصار صرف اسی پر ہے کہ اس کے نہ پائے جانے سے دوسری تمام علامتوں کا وجود بیکار اور کالعدم ہو جائے گا۔

رابعاً "بلی رجل" سے تمام روئے زمین کی ولایت عامہ یا تمام ربع مسکون کا والی ہونا لازم نہیں آتا جیسا کہ اس کی تحقیق اس سے پہلے یملاء الارض قسطاً وعدلاً کے تحت کی گئی ہے۔

خامساً ایک اور جواب یہ ہے کہ زبانِ عرب میں "والی" اور "ملک" کا اطلاق کم از کم درجہ کی حکومت وقدرت پر بھی ہوتا ہے چنانچہ قرآن شریف میں ہے۔

اذ قال موسیٰ لقومہ یا قوم اذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ جعل فیکم انبیاء وجعلکم ملوکا الایۃ (۶-۸- مائدہ)	جبکہ موسیٰ نے اپنی قوم (بنی اسرائیل) سے کہا کہ تم اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو کہ اس نے تم میں سے انبیا اور بادشاہ بنائے۔

بنی اسرائیل کے بادشاہ تمام روئے زمین کے بادشاہ نہیں تھے اس کے باوجود ان پر قرآن شریف میں ملوکاً کا اطلاق ہوا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ولایت ملوکیت کا اطلاق صحیح ہونے کے لئے تمام روئے زمین کا بادشاہ ہونا ضروری نہیں ہے۔

تفسیر زاہدی اور تفسیر معالم التنزیل میں اس آیت کے تحت یہ روایتیں لکھی ہیں۔

قال ابن عباسؓ من کان لہ مسکن وعیال وخادم ولا یدخل احد فی بیتہ الا باذنہ فھو من جملۃ	ابن عباسؓ کا قول ہے جس کو مکان سکونتی اور اہل وعیال اور خادم ہو اور اس کے مکان میں اس کی اجازت کے بغیر کوئی

المـلوك ۔
وروی عن النبی صلّی اللہ علیہ وسلم انہ قال من کان لہ بیت وخادم و زوجہ فہو ملك ۔
وسأل رجل عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص السنا من فقراء المہاجرین فقال الك امرۃ تاوی الیہا قال نعم قال الك مسکن تسکنہ قال فانت من الاغنیاء قال ولی خادم ایضاً قال فانت من الملوك تملك امرہ

داخل نہو سکے وہ منجملہ ملوک کے ہے۔
نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے روایت کی گئی ہے کہ جس شخص کا کوئی مکان اور خادم اور زوجہ ہو وہ ملک (بادشاہ) ہے۔
عبداللہ بن عمرو بن العاص سے ایک شخص نے پوچھا کیا ہم فقراے مہاجرین نہیں ہیں تو انھوں نے کہا کیا تجھے عورت ہے کہا ہاں ہے کہا کیا تجھے کوئی مکان ہے جسمیں تو رہتا ہو کہا ہاں ہے انھوں نے کہا پھر تو تو اغنیا میں ہے اس شخص نے کہا مجھے ایک خادم بھی ہے تو انھوں نے کہا پھر تو تو ملوک سے ہے جس کے امور ضروری کا تو مالک ہے۔

جب صرف ایک خادم اور زوجہ ہونے پر ملوک کا اطلاق ہو سکتا ہے تو امامنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں تو امرا ۔ شرفا ۔ علما ۔ حکام و رؤساء وغیرہ مختلف طبقات کے سینکڑوں ہزاروں اشخاص زیر فرمان رہے ہیں چنانچہ خود مولف ہدیہ نے ہدیہ کے باب دوم میں سفر خراسان میں آپ کے ہمراہ نوسو آدمی رہنے کا اعتراف کیا ہے حالانکہ حقیقی تعداد اس سے کہیں بہت زیادہ تھی پس اس لحاظ سے "یلی" و "یملک" کا اطلاق بالکل درست ہے ۔
ان ہمراہی مہاجرین کے علاوہ جن کو وقتاً فوقتاً حضرت کے ساتھ ساتھ رہنے کا شرف حاصل رہتا تھا چونکہ حضرت منصب خلافت الٰہی اور امامت وارشاد وہدایت پر فائز تھے بڑا امرا وسلاطین و والیان ملک و خواتین حضرت کے زیر فرمان تھے تو اس جہت سے بھی "یلی و یملک" کا اطلاق آپ پر صادق ہے لیکن ہمارے نزدیک اس سے حکومت حقیقی مراد ہے جو انبیا و خلفا اللہ کو حاصل رہی ہے ۔
حکومت ظاہری یعنی دنیاوی بادشاہت ہرگز مراد نہیں ہے جس کے دلائل اُس کے موقع پر ذکر ہوے ہیں ۔
سادساً مولف صاحب ہدیہ کا یہ قول ہوا کہ "ایک جماعت کے پیرین جانا کچھ

خصوصیات سے نہیں ہے" اس لئے صحیح نہیں ہے کہ مولف ہدیہ کے خیال فاسد
کے مطابق اگر ولایت عامہ مراد لی جائے تو کیا یہ خصائص مہدی علیہ السلام سے
ہو گی ؟ کہ کسی دوسرے کو حاصل ہی نہ ہو اگر بقول مولف ہدیہ ایک جماعت کے معتقد علیہ
بن جانا خصائص سے نہیں ہے تو یہی ولایت عامہ یعنی بادشاہت ظاہری بھی جبکہ
سینکڑوں ہزاروں اشخاص کو حاصل رہی ہے امام مہدی علیہ السلام کی خصوصیات
میں کس طرح شمار ہوسکتی ہے ؟ معلوم ہوتا ہے کہ علامات کے تعین میں اگلے ایسی مولف صاحب
سے غلطی ہوئی ہے اور صدہا علامات ہونے کا دعوی کر بیٹھے ہیں ایسا ہی خصائص
کا معنی سمجھنے میں بھی مولف ہدیہ کو مغالطہ ہوگیا ہے کہ وہ ہر علامت وخصوصیت
کا معنی یوجد فیه ولا یوجد فی غیرہ (یعنی آپ ہی میں پائی جائے اور دوسرے
میں نہ پائی جائے) سمجھ رہے ہیں حالانکہ اس مسئلہ کی تحقیق یہ ہے کہ بعض خصوصیتیں
تو ایسی ہوتی ہیں جو یوجد فیه ولا یوجد فی غیرہ کا مصداق ہیں جیسے معصوم
عن الخطا اور خلیفۃ اللہ ہونا وغیرہ ۔ بعض ایسی ہیں جو ذات مخصوص بہ میں ان کا
پایا جانا ضروری ہے اور دوسروں میں ان کا پایا جانا منع نہیں عترۃ رسول اور
بنی فاطمہ سے ہونا وغیرہ ۔ بعض ایسی ہیں جن کا مجموعی طور پر ذات مخصوص بہ میں
جمع ہونا خصوصیات سے ہے خواہ بحیثیت انفرادی ان میں سے کوئی امر دوسرے
میں پایا جائے یا نہ پایا جائے اس سے بحث نہیں ۔ اگر ہر خصوصیت وعلامت
کو لا یوجد فی غیرہ کا مصداق سمجھا جائے تو اس کی غلطی اسی سے صاف ظاہر
ہے کہ امام مہدی علیہ السلام کا فاطمی النسب ہونا تو باتفاق فریقین ضروری اور
حضرت کی علامت وخصوصیت ہے لیکن آپ کے نزدیک کیا اس خصوصیت کا
یہ معنی ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام کے سوا کوئی اور فاطمی النسب ہی نہ ہونا چاہیے
اگر یہ معنی لیا جائے تو صریح غلط ہے ایسا ہی امام مہدی علیہ السلام کا رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمنام ہونا امام علیہ السلام کی علامت ہے لیکن اس کا یہ معنی
نہیں کہ امام مہدی علیہ السلام کے سوا اور کسی کا نام محمد نہ ہو ۔

معارضۃ الروایات کی دوسری حدیث بعثت اور مال کی تحقیق ۔

مولف صاحب ہدیہ نے دوسری حدیث یہ لکھی ہے ۔
منہا ما اخرجه ابن ماجة یکون فی امتی امام مہدی

ان قصر فسبع والا فتسع فتنعم امتی نعمۃ لم ینعموا قبلھا مثلھا قط تؤتی اکلھا ولا تدخر منھا والمال یومئذ کدوس. آہ۔ اس پر مولف صاحب ہدیہ نے جو اعتراض کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ صاحب رضۃ الروایات نے اس نعمت سے نعمت باطنی مراد لی ہے والمال یومئذ کدوس کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ مال اس روز مثل خرمن پامال کے ہوگا لیکن مولف صاحب ہدیہ کی رائے میں اس سے نعمت ظاہری مراد ہے نہ باطنی اور صحیح ترجمہ ان کی رائے میں یہ ہے کہ اس روز مال خرمنہا ہوگا۔ غیر ضروری اور غیر متعلق مباحث سے قطع نظر کر کے اصل اعتراض کا خلاصہ کر دیا گیا ہے جو یہی ہے۔

واضح ہو کہ جناب سید عیسیٰ صاحب نے نعمت سے مراد نعمت باطنی لی ہے تو بجا و صحیح ہے اس لئے کہ امام مہدی علیہ السلام بادشاہ صاحب ملک وسلطنت ظاہری نہیں ہیں جو امت کو دنیاوی نعمت سے مالا مال کر دیں گے بلکہ آپ تابع تام حضرت ختم رسالت وجگر گوشہ آنحضرت ہیں پس امام ہمام علیہ السلام کے حالات بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سے مشابہ ہونا چاہئے۔ یہ تو سب کو معلوم ہے کہ آنحضرت صلعم نے ظاہری بادشاہت اور دنیاوی نعمت سے ہمیشہ اعراض وانکار فرمایا ہے چنانچہ طبرانی وغیرہ نے ابن عمرؓ وغیرہ سے اس مضمون کی حدیثیں روایت کی ہیں

عن ابن عمرؓ سمعت رسول اللہ یقول لقد ھبط علیّ ملاک من السماء ما ھبط علی نبی قبلی ولا یھبط علی احد بعدی وھو اسرافیل فقال انا رسول ربک الیک امرنی ان اخبرک ان شئت نبیاً عبداً وان شئت نبیاً ملکاً فنظرت الی جبرئیل فاوماء الیّ ان تواضع فلو انی ان قلت نبیاً ملکاً لسارت الجبال معی ذھباً

ابن عمرؓ سے روایت ہے آپ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلعم کو یہ فرماتے سنا کہ مجھ پر ایک فرشتہ آسمان سے اترا جو مجھ سے پہلے کسی نبی پر نہیں اترا اور نہ میرے بعد کسی پر نازل ہوگا وہ فرشتہ اسرافیل ہے اس نے کہا کہ میں آپ کے پروردگار کا پیامبر ہوں اس نے مجھے آپ کو یہ اطلاع دینے کا حکم دیا ہے کہ آپ نبی اور بندہ رہنا چاہتے ہیں یا نبی اور بادشاہ ہونا رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں میں نے جبرئیل کی طرف دیکھا۔ اس نے تواضع اختیار کرنیکا اشارہ کیا اگر میں نبی اور بادشاہ

| ہونے کیلئے کہتا تو یہ پہاڑ سونے کے بن کر میرے ساتھ ساتھ رہتے۔

ایسی ہی اور روایتیں بھی آئی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہ ہونے کو پسند نہیں فرمایا۔

آنحضرت صلعم نے اپنی آل کے لئے بھی یہ دعا فرمائی ہے۔

اللھم اجعل رزق آل محمد کفافا | یا اللہ تو آل محمد کو ضرورت کے موافق رزق دے۔

امام مہدی علیہ السلام بھی آپ کی برگزیدہ آل ہی ہیں اس لئے امام علیہ السلام کے لئے بھی رزق کفاف کی یہ دعا شامل ہونا چاہیئے جو بادشاہت کے منافی ہے۔

آنحضرت صلعم نے ہر محبوب بندہ کے لئے بھی رزق کفاف کو اس کے محبوب ہونیکی یہ علامت قرار دیا ہے۔

ان اللہ اذا احب عبد اجعل رزقه کفافه ( ) | اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ سے محبت رکھتا ہے تو اس کو ضرورت کے موافق رزق دیتا ہے۔

امام مہدی علیہ السلام بھی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح محبوب ترین عباد اللہ ہیں اس لئے اسی وصف خاص سے آپ متصف رہنا اور جیسا رسول اللہ صلی اللہ صلعم نے فقر و فاقہ میں گزارا ہے مہدی علیہ السلام بھی ایسا ہی بسر کرنا چاہیئے۔

حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیاوی نعمتوں سے کس طرح مستغنی زندگی بسر فرمائی ہے اس کی مثال ان روایتوں میں پائی جاتی ہے۔

عن ابن مسعود رض قال دخلت علی النبی فی غرفه کانها بیت حمام وهو نائم علی حصیر وقد اثر علی جنبه فبکیت فقال مایبکیك یا عبد اللہ قلت یا رسول اللہ کسریٰ وقیصر یطؤن علی الخز والدیباج والحریر وانت نائم علی هذا الحصیر قد اثر بجنبك | عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا میں رسول اللہ کے پاس ایک تنگ حجرہ کہ سے جو کبوتر کے تنگ گھونسلے کے جیسا تھا داخل ہوا اور آپ ایک حصیر پر سو رہے تھے جس کا نقش آپ کے پہلو پر اٹھ آیا تھا یہ دیکھکر میں رو دیا آپ نے فرمایا عبد اللہ کیوں روتے ہو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کسریٰ و قیصر ریشم و دیبا کے فرش پر پھرتے ہیں اور آپ اس حصیر پر سو رہے ہیں جسکا نقش آپ کے

فقال فلا تبك یا عبد فان لھم الدنیا ولنا الآخرة

پہلو پر اُبھر آیا ہے آپ نے فرمایا عبداللہ رو نہیں ان کے لئے دنیا ہے اور ہمارے لئے آخرت ہے۔

ایضاً عن ابن عباسؓ قال حدثنی عمر بن الخطاب قال دخلت علیٰ رسول اللہ (الیٰ ان قال) وذلك کسریٰ وقیصر فی الثمار والانہار وانت نبی اللہ وصفوته وھذه خزنتك قال یا ابن الخطاب اما ترضیٰ ان تکون لنا الآخرة ولھم الدنیا (ابن ماجه باسناد صحیح)

ایضاً ابن عباسؓ بھی کہتے ہیں کہ عمر بن الخطابؓ نے مجھ سے بیان کیا کہ میں رسول اللہ کے پاس حاضر ہوا (بعد کا وہی واقعہ یہاں تک بیان کیا کہ) یہ کسریٰ و قیصر میووں اور نہروں وغیرہ میں ہیں اور آپ اللہ کے نبی اور خاص بندہ ہیں اور یہ آپ کا خزانہ ہے فرمایا اے ابن الخطابؓ کیا تم اس سے راضی نہیں ہو کہ ہمارے لئے آخرت ہے اور ان کے لئے دنیا ہے۔

پس امام مہدی علیہ السلام جو قدم بر قدم رسول اللہ اور وارث میراث خاتم الانبیا صلعم قیصر و کسریٰ کے منصب پر کیسے فائز رہیں گے البتہ ہم نے جیسا بیان کیا ہے اس حکومت و ولایت کا اعلیٰ و حقیقی مفہوم آپ پر کئی وجوہ سے صادق ہے اور آپ بھی اس ولایت کے اسی طرح ضرور مظہر و مصداق ہیں جس طرح اکثر انبیا و خلفاء اللہ علیہ السلام اور خصوصاً حضرت افضل الانبیا صلعم ظاہری بادشاہ ہوئے بغیر مظہر رہے ہیں۔ حدیث میں ذکر کی ہوئی نعمت سے مال مراد لیا جائے تو اس کی تردید کی دلایل کے منجملہ ایک واضح دلیل یہ ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے

ان لکل امة فتنة امتی المال۔

ہر ایک امت کے لئے ایک ایک فتنہ ہے اور میری امت کے لئے مال فتنہ ہے۔

پس یہ کس طرح ہو سکے گا اور کوئی دیندار عقلمند کیسے کہے گا کہ مہدی علیہ السلام امت محمدیہ کو اس نعمت سے مالا مال فرمائیں گے جو درحقیقت امت کیلئے فتنہ ہے۔ اس صورت میں اس حدیث کا معنی و مطلب یہ ہوگا۔

میری امت میں مہدی (علیہ السلام) ہوں گے اور وہ (معاذ اللہ) امت کو فتنہ سے اس طرح پر کریں گے کہ کسی نے نہ کیا ہوگا۔

ظاہر ہے کہ بقول مولف ہدیہ اگر یہ مراد لی جائے تو یہ حدیث امام مہدی علیہ السلام کی منقبت و فضیلت کا بیان نہ ہوگی۔ واحسرتا مولف صاحب ہدیہ کی رگ و پے میں دنیا و مال کی محبت کیسی سرایت کی ہوئی ہے کہ آیات واحادیث سے بھی سوائے مال دنیا کے جو "راس کل خطیئتہ" ہے اور کچھ معنی ان کی سمجھ میں نہیں آتا حالانکہ قرآن وحدیث دنیا و مال دنیا کی سب سے زیادہ مذمت کرنیوالے اور مومنین کو اس سے نفرت دلانے والے ہیں۔ گویا مولف ہدیہ اس آیت کے مورد و مصداق ہوگئے ہیں اما من طغیٰ و اٰثر الحیٰوۃ الدنیا فان الجحیم ھی الماویٰ۔

غرض اس حدیث کے ابتدائی حصہ کا صحیح مطلب و خلاصہ یہ ہے کہ "میری امت میں مہدی (علیہ السلام) مبعوث ہوں گے اگر کم رہیں تو سات برس ورنہ نو برس رہیں گے آپ کے زمانہ میں میری امت اس طرح صاحب نعمت رہے گی کہ اس جیسی کبھی نہ ہوئی ہوگی۔ امت کو اس کے ثمرات دئے جائیں گے اور ان سے کچھ چیز اٹھا نہ رکھی جائے گی۔ جب مولف صاحب ہدیہ ولایت کے معنی میں خصوصیت کا مفہوم ہونے کی ضرورت تسلیم کرتے ہیں تو پھر نعمت کے مفہوم میں بھی یہی خصوصیت کی ضرورت کیوں نہیں مانتے یعنی نعمت کے معنیٰ مراد ی بھی ایسے کرنا چاہئے جو دوسروں میں نہ پائے جائیں اور حضرت امام مہدی علیہ السلام ہی سے مخصوص ہوں۔ اور یہ معنی کہ مالدار ہونا اور خیرات کرنا اس میں کیا خصوصیت ہے جیسا کہ مولف ہدیہ نے ولایت کی نسبت کہا ہے ایسا ہی ہزارہا اشخاص مالدار اور سخی ہوئے ہیں اور ہوتے رہیں گے یہ کیا خصوصیات و عجائبات سے تھا جو حضرت رسالت مآب صلعم اس کو خاص مہدی علیہ السلام کے لئے فرماتے۔ پس ثابت ہوا کہ آنحضرت صلعم نے یہ وعدہ ایسی نعمتوں کا فرمایا ہے جو امام مہدی علیہ السلام کی ذات اقدس سے مخصوص ہیں اور دوسروں میں نہیں پائی جائیں گی اور وہ نعمتیں ظاہری و دنیوی نہیں بلکہ دینی واخروی نعمتیں ہی ہوسکتی ہیں جو حضرت مہدی علیہ السلام کے ذریعہ سے امت کو حاصل ہوئیں۔ جن کی تکمیل کے لئے مخبر صادق نے حضرت مہدی علیہ السلام کی بعثت کو ایسی ضروری قرار دیا کہ اس کے بغیر دنیا

ختم نہیں ہو سکتی اور قیامت نہیں آسکتی اور آپ کا منصب جلیلہ "یختم اللہ به الدین کما فتحه بنا" اور " یقوم بالدین کما قمت به فی اول الاسلام" ارشاد فرمایا پس صاحب معارضۃ الروایات" کے قول کے موافق جس کو مولف ہدیہ نے ہدیہ میں لکھا ہے اگر فضائل و کمالات باطنی جو تعلیماتِ ولایتِ محمدیہ سے تعلق رکھتے ہیں جیسے دنیا سے اعراض ۔ توکل تام ۔ ذکر دوام ۔ طلب دیدار الٰہی فنائے شخصی و بقائے ذاتی وغیرہ اس نعمت سے مراد لی جائیں تو یہ واقعی ایسی نعمتیں ہیں جو امام مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں جیسی عام طور پر حاصل ہوئی ہیں کبھی حاصل نہیں ہوئیں اور انکو حضرت امام علیہ السلام کے منصب جلیلہ سے خاص مناسبت بھی ہے اور ان پر فرمان فتنعم فیه امتی لم متنعموا مثلها قط (اس زمانہ میں میری امت ایسی پُر نعمت رہے گی کہ اس کے جیسی کبھی نہ رہی ہوگی) پورا پورا صادق ہے اور اگر اس سے صرف بارش کثرت سے ہونا اور خوب غلہ اور میوے پیدا ہونا مراد لی جائے تو یہ ایسا معنی ہوگا کہ اقطاع عالم میں بشیا مقامات پر ہزاروں مرتبہ ہوا ہوگا یعنی خوب بارش ہوئی اور خوب غلہ اور خوب میوہ پیدا ہوتا رہا اس میں کوئی خصوصیت نہ ہوگی کیونکہ یہ عادت جاریہ ہے کہ بارش کی زیادتی کثرت نباتات و ثمرات کو مستلزم ہے اور یہ دنیا میں اکثر ہوتا چلا آیا ہے۔

مولف صاحب ہدیہ کہتے ہیں کہ حدیث ابن ماجہ میں عبارت صحیح یہ ہے۔ " توتی الارض اکلها" یعنی دیگی ثمرات اپنے ۔ تو مراد نعمت ظاہری ہوئی نہ باطنی۔

واضح ہو کہ یہ روایت " ابن ماجہ " کے حوالہ سے درج ہوئی ہے اور ابن ماجہ کے بعض نسخوں میں یہی عبارت ہے جو جناب سید عیسیٰ صاحب مہدوی نے نقل کی ہے اس میں لفظ " ارض " نہیں ہے چنانچہ مطبع فاروقی دہلی کے مطبوعہ نسخہ " ابن ماجہ " میں ابوسعید حذری کی روایت سے جو حدیث درج ہے اس کے الفاظ یہی ہیں ۔

ان النبی صلی اللہ علیه و سلم قال یکون فی امتی المهدی فصر فسبع والا فتسع ۔ فتنعم فیه امتی نعمة لم ینعموا مثلها قط. توتی اکلها	نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں مہدی (علیہ السلام) ہوں گے اگر کم رہیں تو سات ورنہ نو سال ۔ اس زمانہ میں میری امت ایسی پر نعمت رہے گی اس

ولا تدخر منهم شیئا والمال یومئذ کدوس الحدیث (ابن ماجہ باب خروج المھدی)

جیسی کبھی نہ رہی ہوگی وہ اپنے ثمرات دیجائیگی اور ان سے کوئی چیز اٹھا نہ رکھی جائے گی اور اس روز مال شئی پامال کی طرح ہوگا۔

اس روایت میں "الارض" نہیں ہے بلکہ "لم ینعموا" اور لاتدخر منہم میں جو ضمیر جمع مذکر غائب ہے وہ امت کی طرف راجع ہے کیونکہ قوم وغیرہ الفاظ کی طرح لفظ امت بھی لفظاً واحد اور معناً جمع دونوں طرح مستعمل ہوتا ہے پس حدیث میں ذکر کئیے ہوئے افعال امت ہی کی طرف مسند ہیں ان کی اسناد "الارض" کی طرف کسی طرح نہیں ہو سکتی۔ ایسی صورت میں جناب سید عیسیٰ صاحب نے جو روایت نقل کی ہے وہ اس روایت کے عین مطابق ہے اور مولف ہدیہ نے تحریف لفظی و معنوی اور غلط بیانی وغیرہ کے جو الزامات حضراتِ مھدویہ کی جناب میں عائد کئیے ہیں وہ سب غلط اور افترا ہیں اور خود مولف ہدیہ پر پلیٹ پڑتے ہیں کیونکہ جو الفاظ اس روایت میں نہیں ہیں وہ خود اضافہ کر رہے ہیں۔

کسی روایت میں لفظ ارض ہو بھی تو ہمارے بیان کردہ مطالب ومعانی کو اصلا مضر نہیں ہے اس لئے کہ ارض سے بھی نفس و ذات مراد ہو سکتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

والبلد الطیب یخرج نباته باذن ربه والذی خبث لا یخرج الا نکدا۔ (۸ - ۱۴ - اعراف)

اچھی بستی جس کی نباتات اپنے پروردگار کے حکم سے اگتی ہیں اور جو ناقص ہے اسکی نباتات بھی ناقص ہوتی ہیں۔

تفسیر معالم التنزیل میں لکھا ہے۔

هذا مثل ضربه الله للمومن والکافر فمثل المومن مثل البلد الطیب یصیبه المطر فیخرج نباته باذن ربه والذی خبث یرید الارض السبخة التی لا یخرج نباته

اللہ تعالیٰ نے مومن اور کافر کی یہ مثال دی ہے مومن کی مثال اس اچھی بستی کی جیسی ہے جس پر مینہ برسا ہو اور اپنے پروردگار کے حکم سے اس کی نباتات اگی ہوں اور ناقص سے مراد زمین شور ہے جس میں نباتات نہیں اگتیں۔

تفسیر کشاف میں لکھا ہے۔

هذا مثل لمن ینجع فیہ الوعظ والتبنیہ من المکلفین و لمن لا یوثر فیہ شئ من ذالک وعن مجاھد آدم و ذریتہ منھم خبیث وطیب وعن قتادہ المومن سمع کتاب اللہ فوعاہ بعقلہ وانتفع بہ کالارض الطیبۃ اصابھا الغیث فا نبتت۔ والکافر بخلاف ذالک وھذا التمثیل واقع علیٰ اثر المطر وانزالہ بالبلد المیت واخراج الثمرات بہ علیٰ طریق الاستطرار۔

یہ مکلفین میں سے اس شخص کی مثال ہے جس میں وعظ اور تنبیہ اثر کرتا ہے اور جس میں کچھ بھی اثر نہیں کرتی ۔ مجاہد سے روایت ہے کہ اولاد آدم میں بعض خراب ہیں اور بعض اچھے ہیں ۔قتادہ سے روایت ہے کہ مومن اللہ کی کتاب سن کر اس کو اپنی عقل سے محفوظ رکھتا اور اس سے منتفع ہوتا ہے جیسی اچھی زمین جس کو مینہ سیراب کرے تو نباتات اگاتی ہے اور کافر اس کے خلاف ہوتا ہے یہ ویران بلدہ پر مینہ برسنے کے اثرات اور بطریق استطرار ثمرات نکلنے کی تمثیل ہے ۔

پس جس طرح بلد طیب سے نفس مومن مراد ہے کہ آیات قرآنی کی سماعت سے جو بمنزلہ بارش کے ہے اُس کے ایمان میں زیادتی ہوتی ہے جس کو نباتات و ثمرات سے تمثیل دی گئی ہے اور بلد خبیث سے مراد نفس کافر ہے جس کے لئے قرأت و سماعت آیاتِ قرآنی اور وعظ و تنبیہ اصلا موثر نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ مومن کی یہ نعمتیں باطنی ہیں ظاہری نعمتیں نہیں ہیں اسی طرح " نوتی الارض اکلھا " سے بھی نفس مومن اور ثمرات نفسانی مراد ہو سکتے ہیں ۔تفسیر تاویلات میں تو ایک جگہ نہیں بلکہ متعدد مقامات پر ما انزل اللہ من السماء ماءً فاحیی بھا الارض کا معنی یہی کیا ہے ۔

ما انزل اللہ من سماء الارواح من ماء العلم فاحیی بہ ارض النفس بعد موتھا بالجھل ۔

اللہ تعالیٰ نے ارواح کے آسمان سے علم کا پانی برسایا اور اس سے نفس کی زمین کو جہالت سے مرجانے (ناکارہ ہوجانے) کے بعد پھر زندہ کیا ۔

غرض اس کی مثالیں بہت سی ہیں کہاں تک لکھی جائیں اس لئے اسی پر اختصار کیا جاتا ہے آئندہ اس کے محل مناسب پر اور ذکر کی جائیں گے ۔

اگر اس حدیث کو مولف ہدیہ کی مراد و منشاء کے موافق ظاہری معنی پر محمول کریں اور ارض و نبات و ثمرات سے وہی مراد لیں جو انھوں نے لی ہیں تو یہ بھی امام مہدی علیہ السلام کے زمانہ کی برکات و فیوض کا بیان ہوگا لیکن اسمیں کوئی خصوصیت نہ ہوگی کہ یہ صورت کبھی وقوع میں نہ آئی ہو اور صرف امام مہدی علیہ السلام ہی کے زمانہ میں ظاہر ہوئی۔ اس کے مقابل جو معنی ہم نے بیان کیا ہے اس پر خصوصیت کے ساتھ امام علیہ السلام کے زمانہ کے سوا کبھی اس طرح کا فیضان نہونا صادق ہے کیونکہ ولایت محمدیہ جو منبع فیوض احسان ہے یہاں پردۂ نبوت و حجاب رسالت کے بغیر ظاہر ہے جس کا حقیقی بیان یہ ہے۔

ظہور کل او باشد بخاتم ؎ از و یابد تمامی دور عالم

مولف صاحب ہدیہ کا ایک اعتراض جناب سید عیسیٰ صاحب پر یہ بھی ہے کہ انھوں نے "کدوس" کا ترجمہ غلط کیا ہے۔ واضح ہو کہ یہاں دو لغت کا احتمال ہے ایک "کُدُس" بالضم وسکون الدال بمعنی خرمن حبس کی جمع کدوس بروزن فعول اور اکداس بروزن افعال آتی ہے۔ دوسرا لغت "دوس" ہے بمعنی کوفتن بپا (پاؤں سے کھندلنا یا روندنا) پہلی صورت میں "کاف" جوہر کلمہ ہے اور صورت ثانی میں حرف جار حرف تشبیہ ہے پہلی صورت میں اس کا معنی یہ ہوگا کہ اس روز مال خرمنہا ہوگا۔ دوسری صورت میں یہ کہ اس روز مال روندی ہوی اور پامال شئ کے مثل ہوگا کیوں کہ "دوس" مصدر ہے اور مصدر کبھی فاعل کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے اور کبھی مفعول کے معنی میں جیسے لفظ بمعنی ملفوظ کے اور خلق بمعنی مخلوق کے مستعمل ہے۔ پس اگر کسی موقع پر دو معانی محتملہ سے کوئی ایک اختیار کرے تو اعتراض یا طعن و تشنیع کا کوئی محل نہیں جناب سید عیسیٰ صاحب نے ثانی کو اختیار کیا ہے اور مولف ہدیہ نے پہلا احتمال صحیح سمجھا ہے اگر بقول مولف ہدیہ سید عیسیٰ صاحب مہدوی کے اختیار کردہ معنی میں تکلف ہے تو مولف ہدیہ کا اختیار کردہ معنی بھی خالی از تکلف نہیں ہے کیونکہ انھوں نے "کُدُس" کی جمع کدوس بروزن فعول سمجھا ہے حالانکہ کُدُس کی جمع فعول کے وزن پر شاذ و نادر آتی ہے اور اکثر اکداس رائج ہے چنانچہ صحاح جوہری میں لکھا ہے

والکدس بالضم واحد اکداس جمع ۔ صراح میں لکھا ہے کُدس بالضم خرمن واکداس جماعت ۔"

غرض یہ دونوں معنی بھی بلا تکلف حضرت امامنا علیہ السلام کے زمانہ پر صادق ہیں ۔ جناب سید عیسیٰ صاحب کا بیان کردہ معنی تو بالکل واضح اور واقعہ کے ٹھیک مطابق ہے کہ وہاں مال پامال تھا اس کی کوئی قدر نہ تھی سب طالبانِ ذاتِ مطلق تھے کوئی مال وزر کا طالب نہیں تھا جس کے ثبوت میں واقعات موجود ہیں ۔

مولف ہدیہ کی توجیہ کہ وہاں مال خرمن ہا ہوگا یہ بھی صادق ہے واقعی وہاں خزانے مالا مال تھے اور بے بہا دولت لٹ رہی تھی لیکن اس ضرب المثل کے موافق کہ "چیل کی نظر مردار پر" مولف ہدیہ کا ذہن مال دنیا کی طرف ہی منتقل ہوگیا ہے اور انھوں نے اس سے یہی مال سمجھا ہے حالانکہ وہاں اُس مال و دولت کے خزانے بھرے ہوئے تھے جن کا بیان جناب مرتضوی کرم اللہ وجہہ نے واضح طور پر فرمایا ہے کہ " وہاں سونے چاندی کے خزانے نہیں بلکہ عرفان کے خزانے ہوں گے مہدی کے انصار (صحابہ) اللہ تعالیٰ کو ایسا پہچانیں گے جیسا کہ حق پہچاننے کا ہے ۔"

اگر ان حقائق و معارف سے جو آیات و احادیث کے مطابق ہیں بالکلیہ قطع نظر کرکے مال ظاہر ہی مراد لیں تو اس کا بھی ظہور رہوا ہے ۔ اور قنطارہا مال پیش ہوا اور بانٹا گیا ہے اور یہ مضمون بھی کہ یقول الرجل یا مھدی اعطنی فیقول خذ (ایک شخص کہے گا یا مہدی مجھے دو تو آپ کہیں گے لے) پورا ہوا ہے کہ ایک ایک معمولی حیثیت کے شخص کو گراں بہا عطا فرمایا گیا ہے ۔ چنانچہ مولف ہدیہ نے اس داد و دہش کے واقعہ کو ہدیہ کے صفحہ (۲۴۲) پر خود بیان کیا ہے حاصل یہ کہ اس حدیث کی جو بھی توجیہات حسنہ ہوسکتی ہیں وہ سب صادق و منطبق ہیں ۔ مولف ہدیہ نے اس ضمن میں جناب سید عیسیٰ صاحب اور مہدویہ کی قرآن وحدیث فہمی کی نسبت جو حرف گیری اور جس قدر شد و مد سے بدگوئی کی ہے وہ سب مولف ہدیہ کی غلط بیانی یا کم فہمی و حق پوشی ہے جو خود انہی پر عود کرتی ہے ۔

مولف ہدیہ نے تیسری حدیث یہ لکھی ہے۔

معارضۃ الروایات کی حدیث سوم مشرق سلطانہ کی تحقیق۔

منہا ما اخرج ابن ماجۃ قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم یخرج ناس من المشرق فیوطئون للمہدی یعنی سلطانہ۔

مولف ہدیہ نے جو عبارت نقل کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب معارضۃ الروایات نے اس حدیث کا ترجمہ اور اس کی توجیہ یہ کی ہے

یعنی فرمایا حضرت رسول اللہ صلعم نے کہ نکلیں گے آدمی مشرق سے پامال کریں گے سلطنت کو مہدی کی یا موافقت کریں گے مہدی کی۔ ہاں موافق اس حدیث کے کئی بار خروج کر چکے ہندیاں جو مشرقی ہیں حضرت مہدی کی قوم مبارک پر جو حضرت کی سلطنت ہیں اور کئی بار پائمال کر چکے قتل و اخراج و حبس و ضرب اور انواع و اقسام سے اور پھر قیامت تک کرتے رہیں گے۔

اور معنی وطأ کے موافقت کے لیویں تو موافقت و تصدیق بھی ہندیوں اور خراسانیوں سے ہوئی اور ہو رہی ہے کہ یہی مشرقی ہیں۔

مولف ہدیہ کہتے ہیں کہ" یہ حدیث امامنا علیہ السلام پر صادق نہیں کیونکہ جس کا واقعہ بیان ہوتا ہے اسی کی جہات مراد ہوتی ہیں نہ متکلم کی "

اس وقت ہم اس سے بحث نہیں کرنا چاہتے کہ صاحب معارضۃ الروایات نے کیا لکھا ہے اور مولف صاحب ہدیہ نے جو نقل کیا ہے وہ صحیح ہے یا نہیں بلکہ مولف ہدیہ نے جو کچھ نقل کیا ہے اسی سے بحث کرتے ہیں۔ مولف ہدیہ کو اس حدیث کی توجیہ کے متعلق صرف دو اعتراض ہیں۔ ایک یہ کہ مشرق سے مراد شرقی بلاد مہدی ہیں اس واسطے کہ جس کا واقعہ بیان ہوتا ہے اس کی جہات مراد ہوا کرتی ہیں۔ دوسرا یہ کہ لفظ سلطنت بھی قوم مہدی پر کہ ایک جماعت درویش و فقرا ہے غیر صادق ہے۔

پہلا اعتراض بدو وجہ غلط ہے۔ اول یہ کہ محاورہ استعمال غلط بیان کیا گیا ہے بلکہ حسب دستور و عادت صحیح معنی یہ ہے کہ جہات کا تعین متکلم کے لحاظ سے

ہوتا ہے یعنی متکلم جب کسی واقعہ کو بیان کرتا ہے تو اپنی قیام گاہ کے نظر کرتے اس کی جہات بیان کرتا ہے جیسے "تطلع الرایات السود من قبل المشرق" میں مقام متکلم سے جہت مشرق سمجھی جائے گی۔ایک اور حدیث میں جس کو ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ نے ابو بکر صدیق سے روایت کی ہے اور زیادہ شرح وتفصیل سے یہی مضمون ظاہر ہوتا ہے " قال حدثنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الدجال یخرج من ارض بالمشرق یقال لہا خراسان " الحدیث اس کا صاف معنی یہی ہے کہ مدینۃ الرسول سے جہت مشرق میں مشہور بخراسان ہے وہی خروج دجال کا مقام ہے۔پس یہ سراسر نامعقول بات ہے جو مولف ہدیہ نے کہی ہے کہ جس کا واقعہ بیان ہوتا ہے اسی کی جہت مراد ہوتی ہے اگر ایسا ہو تو بیان کریں کہ پھر مقام خروج دجال کونسا ہے جو اس کے اس مقام سے جہت مشرق میں واقع ہونا چاہئیے۔لا یقولہ جاہل فضلاً عن العالم۔

وجہ دوم یہ کہ اس صورت میں حدیث کا معنی مہمل ہو جائے گا کیونکہ یہ لازم آئے گا کہ امام مہدی سے موافقت کرنے والے مقام مہدی سے فقط مشرقی ہوں گے حالانکہ یہ صریح غلط ہے کیوں کہ امام مہدی سے بیعت کرنے کے جو تاکیدی احکام مخبر صادق نے دئے ہیں جیسے " فاتوھا فان فیہا خلیفۃ اللہ المہدی " اور " فبایعوہ ولو حبوا علی الثلج " وغیرہ یہ احکام تمام امت کے لئے عام ہیں اور تمام افراد امت جو جہات اربعہ میں پھیلے ہوئے ہیں لہذا امام مہدی علیہ السلام سے بیعت یا موافقت کرنے والے جہات اربعہ سے ہوں گے نہ صرف مشرقی۔

حضرت امیر المومنین علی مرتضی کرم اللہ وجہہ کی ایک روایت خود مولف ہدیہ نے لکھی ہے کہ امام مہدی کے اصحاب طالقانی ہوں گے طالقان تو یمن میں ہے اور یمن مقام مہدی سے بجانب مشرق نہیں ہے پس ثابت ہوا کہ مولف ہدیہ کی توجیہ باطل ہے۔

مولف ہدیہ کا دوسرا اعتراض بھی کہ لفظ سلطنت بھی خود مہدی پر کہ ایک جماعت درویش و فقرا کی ہے غیر صادق ہے اس لئے غلط ہے کہ اول تو سلطانہ

کے الفاظ حدیث کے الفاظ ہونے میں کلام ہے کیونکہ حدیث یوطئون للمہدی پر ختم ہوگئی ہے اور یعنی سلطانہ راوی کے الفاظ معلوم ہوتے ہیں جو "یوطئون" کا بیان اور تفسیر ہے پس اول یہ معین ہونا چاہیئے کہ یعنی کا فاعل جو ضمیر ہے وہ کس کی طرف راجع ہے۔

اگر حدیث ہی کے الفاظ فرض کئے جائیں تو تب بھی اس سے سلطنت ظاہری یا بادشاہت مراد نہیں بلکہ اس سے حجت و غلبہ مراد ہے کیونکہ یہی لفظ "سلطانہ" قرآن شریف میں متعدد موقعوں پر مستعمل ہوا ہے اور اس سے کامیابی و غلبہ وغیرہ ہی کا معنی مقصود ہے بادشاہت و سلطنت ظاہری مراد نہیں ہے مثلاً شیطان کی نسبت ارشاد ہوا ہے۔

ان عبادی لیس لک علیہم سلطان (۱۵ - ۷ - بنی اسرائیل)	(جو) ہمارے (سچے) بندے ہیں ان پر تجھے غلبہ حاصل نہیں ہے۔
ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لولیہ سلطانا فلا یسرف فی القتل انہ کان منصورا (۱۵-۴- بنی اسرائیل)	جو شخص ظلم سے مارا جائے تو ہم نے اس کے ولی (وارث) کو (قاتل سے قصاص لینے) کی قدرت دی ہے وہ (بدلہ لینے میں) زیادتی نہ کرے وہ کامیاب ہوگا۔

خود سرور کائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا کرنے کی تعلیم دی گئی ہے کہ

قل رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطانا نصیرا۔ (۱۵ - ۹ - بنی اسرائیل)	(اے محمد) کہو اے میرے پروردگار مجھے (جہاں داخل کرے) اچھی جگہ یا اچھی طرح داخل فرما اور جہاں سے مجھے نکالے) اچھی طرح یا اچھی جگہ نکال اور مجھے اپنے ہاں سے غلبہ و کامیابی عطا کر۔

پہلی اور دوسری آیت میں سلطان سے صرف غلبہ و کامیابی مقصود ہے ورنہ شیطان کو مخلص بندوں پہ بادشاہی حاصل ہونے کی نفی اور ولی مقتول کو سلطنت ظاہری یا حکومت و بادشاہت ہی دی جانا مقصود نہیں ہے تیسری آیت میں بھی کامیابی و غلبہ عطا کرنے کی دعا کرنے کا حکم دیا گیا ہے سلطنت ظاہری کی

حکومت و بادشاہی مانگنے کا حکم نہیں ہے۔ اگر یہ معنی لئے جائیں تو ان تمام حدیثوں میں جن میں آنحضرت صلعم نے ظاہری بادشاہ بننے سے انکار کیا ہے اور اس آیت میں باہم تضاد اور خلاف لازم آئے گا۔

مولف صاحب ہدیہ نے چوتھی روایت اور اس کی توجیہ یہ لکھی ہے۔

معارضۃ الروایات کی حدیث چہارم خشک درخت سبز ہوجانیکی بحث	منہا ما اخرجہ نعیم بن حماد عن امیر المومنین علی بن ابی طالب قال یوم المہدی الی

الطیر فیسقط علی یدیہ و یغرس فی بقعۃ من الارض فیخضر یورق آہ۔

صاحب معارضۃ الروایات نے کہا کہ امامنا مہدی موعود علیہ السلام نے میاں شاہ نظام کی التماس پر یہ معاملہ کر بتلایا اور فرمایا کہ یہ کام بازیگر بھی کرتے ہیں لیکن اس سے مراد یہ ہے کہ مہدی خشک دلوں کو سبز کریں گے۔

مولف ہدیہ کو اس پر یہ اعتراض ہے کہ "لفظ یغرس سے جو مراد بیان کیگئی ہے لفظ بقعۃ من الارض اس کو رد کرتا ہے اس واسطے کہ دل سینہ میں ہوا کرتے ہیں بقعۃ من الارض میں نہیں ہوتے الخ

مولف ہدیہ سے بہت تعجب ہے کہ وہ قرآن فہمی و تفسیر دانی کا دعوی کرنیکے باوجود ایسی باتیں کرتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ استعارہ۔ کنایہ۔ مجاز۔ تعبیر۔ تمثیل۔ تشبیہ وغیرہ اصناف کلام سے گویا عاری محض ہیں۔ معارضۃ الروایات کی مندرجہ دوسری حدیث کے ضمن میں آیت قرآنی البلد الطیب یخرج نباتہ باذن ربہ" الآیہ کے مطالب و معانی جو مفسرین نے بیان کئے ہیں لکھے گئے ہیں جن سے واضح ہوچکا ہے کہ عبد الطیب سے مومن اور بلد خبیث سے کافر کی مثال دی گئی ہے محققین صوفیائے کرام کے پاس تو آسمان سے ارواح زمین سے نفس۔ پانی سے علم۔ مراد ہے مولف ہدیہ سے پوچھا جاتا ہے کیا مومن شاداب زمین سے اور کافر بنجر زمین سے اُگتا ہے اور علم کیا پانی کی طرح آسمان سے برستا ہے جو یہ مراد لی گئی۔

ان کے علاوہ اسی قسم کی اور چند مثالیں یہاں لکھی جاتی ہیں اللہ تعالی نے قرآن شریف میں ارشاد فرمایا ہے۔

اللہ نور السموات والارض مثل نورہ کمشکوٰۃ فیہا مصباح والمصباح فی زجاجۃ والزجاجۃ کانہا کوکب دری یوقد من شجرۃ مبارکۃ زیتونۃ لا شرقیۃ ولا غربیۃ یکاد زیتہا یضیئ ولو لم تمسسہ نار نور علیٰ نور یہدی اللہ لنورہ من یشاء و یضرب اللہ الامثال للناس واللہ بکل شئ علیم (۱۸-۱۱- نور)

اللہ آسمان اور زمین کا نور ہے اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق ہے اور طاق میں ایک چراغ ہے چراغ ایک شیشے کی قندیل میں ہے اور قندیل اس قدر شفاف ہے کہ گویا وہ ایک چمکتا ہوا ستارہ ہے (وہ چراغ) زیتون کے مبارک درخت (کے تیل) سے روشن کیا جاتا ہے جو نہ پورب کے رُخ واقع ہے اور نہ پچھم کے (اس کا تیل) اس قدر صاف ہے کہ اگر اس کو آگ نہ چھوئے تاہم وہ آپ سے آپ روشن ہوجائیگا وہ نور علیٰ نور ہے۔ اللہ جس کو چاہتا ہے اپنے نور کی طرف ہدایت کرتا ہے اور لوگوں کے سمجھنے کے لئے مثالیں بیان کرتا ہے اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

اس وقت اس آیت کی پوری تفسیر کرنا مقصود نہیں اس کے بعض حصے یا بعض الفاظ کا جو معنی و مطلب اکابرین اہل سنت نے بیان کیا ہے اس کو ہم پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ نے اللہ تعالیٰ کے فرمان میں جو شجرہ مبارکہ زیتونۃ ہے اس سے یہ مراد بیان کی ہے۔

قیل الشجرۃ المبارکۃ هو ابراهیم۔ قیل هو القران وقیل هو الایمان و قیل هو النفس المطمئنۃ (غنیۃ الطالبین)

کہا گیا ہے کہ شجرۂ مبارکہ ابراہیم ہیں یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ قرآن ہے اور کہا گیا ہے وہ ایمان ہے اور کہا گیا ہے کہ وہ نفس مطمئنہ ہے۔

مولف ہدیہ اپنے اس قول کو پیش نظر رکھکر کہ " دل سینہ میں ہوا کرتے ہیں بقعۃ من الارض نہیں ہوتے " فرمائیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام۔ قرآن۔ ایمان نفس مطمئنہ کیا زمین سے اگنے والی نباتات کی قسم سے ہیں جو شجر سے مراد لئے گئے۔

اسی طرح مفسرین نے مشکوٰۃ۔ مصباح۔ زجاجہ سے کیا کیا مراد لی ہیں ناظرین کے غور کے قابل ہیں۔ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ بعض نے مشکوٰۃ سے سینہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم

مراد لیا ہے اور بعض نے ذات ابراہیم علیہ السلام اور بعض نے عقل ہیولانی کہا ہے حالانکہ مشکوٰۃ طاق کو کہتے ہیں اور طاق عموماً دیوار میں ہوتا ہے کیا بقول مولف ہدیہ یہاں یہ کہا جائے گا کہ معاذ اللہ صدر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم یا ذات ابراہیم علیہ السلام یا عقل ہیولانی دیوار میں تھے جو مشکوٰۃ سے مراد لی گئی ہے نعوذ باللہ من ہذا الفہم السوء۔

ایک اور صاف مثال دیکھو جس میں بقعۃ من الارض اور قلب کا اطلاق بعینہٖ موجود ہے جس کا مولف ہدیہ نے اپنی کوتہ نظری سے انکار کیا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

فلما اتاھا نودی من شاطی الواد الایمن فی البقعۃ المبارکۃ من الشجرۃ ۔ (۲۰ - ۷ قصص)

جب (موسیٰ) آگ کے پاس آئے تو اس مبارک جگہ میں وادی کے داہنے کنارہ ایک جھاڑ سے آواز آئی ۔

تفسیر تاویلات میں لکھا ہے ۔

ای مقام کمال القلب المسمی من شجرۃ نفسہ القدسیۃ الخ ۔

یعنی کمالِ قلب کے مقام سے جو نفس قدسی کے جھاڑ سے موسوم ہے ۔

اب کہئے کہ یہ کس کے قول کو رد کر رہا ہے اور کس کے فرمان کا شاہد عدل ہے ۔ ناظرین بغور ملاحظہ فرمائیں کوئی ذی عقل و شعور ایسے بیہودہ کلمات کہے گا جیسے مولف ہدیہ کہتے ہیں ۔ مولف ہدیہ کا ہر مقام میں یہی عامیانہ اندازِ کلام ہے جو بالکل بے پایہ اور شانِ علما سے بعید ہے ۔ گویا ان کی یہ تالیف (ہدیہ مہدویہ) ایسے ہی مہمل اعتراضات ولایعنی تحریرات سے ترتیب پائی ہے ۔ شاید یہ نقص و خرابی ان کو اور ان کے ہواخواہوں کو نظر نہیں آتی سچ ہے لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور (آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں لیکن وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں)

مولف ہدیہ یہ بھی کہتے ہیں کہ " دلوں کو سبز کرنے کا دعوی بھی دعوی محض ہے اس کا بھی اثبات چاہئے " اور اثبات بھی اس طرح کہ وہ خصم کے نزدیک بھی مسلم ہو اولاً اس کا جواب یہ ہے کہ مولف ہدیہ اکثر مہدویہ کے عناد میں ایسی یاوہ گوئی کرتے آئے ہیں جو مہدی اصولِ مسلمہ کے خلاف ہے اور جس سے خود بانی اسلام ارواحنا فداہ اور معتقدات اسلامی پر وہی اعتراض وارد ہو سکتا ہے اور معاندینِ اسلام بھی یہی کہہ سکتے ہیں کہ حضرت سرورکائنات محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے

تمام باطنی حالات بھی دعویٰ محض ہیں ان کا ایسا اثبات چاہیئے کہ خصم کے نزدیک مسلّم ہو۔ دوسرے تمام کمالاتِ باطنی کی مثال کے طور پر دیکھو آنحضرت صلعم کا دعویٰ رسالت اس دعویٰ پر مبنی بلکہ اس دعویٰ کی شرطِ اولیں ہے کہ آپ پر جبرئیل نازل ہوتے اور اللہ تعالیٰ کے احکام لاتے ہیں یہ ایسا باطنی معاملہ ہے جس پر تمام مسلمان ایمان رکھتے ہیں مگر منکرینِ رسالت اس کو تسلیم نہیں کرتے بقول مولفِ ہدیہ یہ بھی دعویٰ محض ہے اور جب تک جبرئیل کا حضرت پر نازل ہونا اس طرح ثابت نہ ہو کہ وہ خصم کے نزدیک بھی مسلّم ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ثابت نہ ہونا چاہیئے۔ ماشاء اللہ مولفِ ہدیہ نے حضرت امامنا مہدیؑ موعود کی نعمت تصدیق سے محروم رہنے کے لئے خصم کے تسلیم کرنے کی ایسی انوکھی شرط بیان کی کہ اس سے نہ صرف حضرت خاتم الانبیاء والمرسلین کے دعویٰ رسالت بلکہ تمام انبیا و مرسلین کے دعویٰ ہائے نبوت و رسالت کی صحت سے انکار کی رجعت میں مبتلا ہو گئے کیونکہ ان سب انبیا و خلفاء اللہ کے منکرین کو بھی ان پر اللہ تعالیٰ کے احکام بذریعۂ جبرئیل نازل ہونے کا بنیادی دعویٰ تسلیم نہیں ہے اور بقولِ مولفِ ہدیہ جب تک خصم تسلیم نہ کرے دعویٰ ثابت نہیں ہوسکتا۔

ثانیاً باطنی حالات اور دلی کیفیات عیاناً تو نظر نہیں آسکتیں ان کا اظہار یا تو انہی کے بیان کرنے سے ہو سکتا ہے جن پر وہ کیفیات وارد ہوتی ہیں یا بعض علامات و آثار سے ان کا ثبوت ملتا ہے۔ ایک بیمار کی اندرونی تکلیفات اس کی ٹھیک مثال ہیں کہ وہ عیاناً ظاہر نہیں ہوسکتیں اور نہ کسی کو نظر آسکتی ہیں ان کا اظہار بیمار کے کہنے ہی سے یا بعض علامات و آثار سے ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ انبیا علیہم السلام اور اولیاء اللہ علیہم الرحمۃ کے حالات میں اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں پس جو لوگ حضرت خاتم الانبیا اور حضرت خاتم الاولیاء علیہما الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات سے فیضیاب ہوئے اور ان کے مردہ دل ان تعلیمات کی تاثیر سے کس طرح زندہ ہوئے اس کا ثبوت بھی خود ان کے بیان کرنے سے ہوگا یا ان کے حالات کے انقلاب سے کہ وہ پہلے کیا تھے اور ایمان لانے کے بعد کیا سے کیا ہو گئے جس کا ثبوت کتب تاریخ و سیر سے ملتا ہے۔ مولفِ ہدیہ کو حضرت امامنا علیہ السلام کی

تعلیمات کی جس تاثیر کا انکار ہے اس کا ثبوت بھی کتب تاریخ میں اسی طرح بوجہ احسن موجود ہے۔ منتخب التواریخ میں خود اس کے مصنف نے اپنا حال لکھا ہے۔

بملازمت شیخ ابو الفتح گجراتی داماد حضرت سید محمد جونپوری رسیدم وتلقین ذکر گرفتم وچند گاہے بآں مشغولی داشتم در خود فیضے عجیب وغریب مشاہدہ میکردم ومعنی قرآن بر من مکشوف شد چند گاہ چنیں بود کہ ہر صدا وندائیکہ سمع مرا قرع می کرد ذکر می پنداشتم۔ تا آخر۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ شیخ عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں کہ میں شیخ ابو الفتح گجراتی داماد حضرت سید محمد جونپوری کی خدمت میں پہنچکر آپ سے ذکر کی تلقین لے کر کچھ عرصہ اس میں مشغول رہا تو اپنے میں عجیب وغریب فیضان دیکھتا تھا مجھ پر قرآن کے معانی منکشف ہوگئے کئی وقت تو ایسا ہوتا تھا کہ جو آواز میرے سننے میں آتی میں اس کو ذکر ہی سمجھتا تھا۔

معارضۃ الروایات کی حدیث پنجم مال کی بخشش مساکین پر رحم عمال پر سختی کا بیان	روایت پنجم کا خلاصہ یہ ہے کہ امام مہدی علیہ السلام مال بخشش کریں گے اور عمال پر سختی اور مساکین پر رحم کریں گے۔

اس روایت کا پہلا اور تیسرا جز حضرت امامنا علیہ السلام پر پورا پورا صادق ہے کیونکہ حضرت کا ہمیشہ یہی آئین تھا کہ جس قدر مال فی سبیل اللہ آتا وہ بالسویہ تقسیم فرما دیتے تھے مساکین پر رحم وترحم بھی حضرت کی خاص صفت تھی ان دونوں اجزا کے متعلق اس وقت مولف ہدیہ کو بھی کوئی اعتراض نہیں ہے ان کو اعتراض صرف یہی ہے کہ جناب سید عیسیٰ صاحب نے عمال سے مراد اغنیا بیان کی ہے اور یہ غلط ہے اس واسطے کہ عمال سے مراد عاملان خدمات مملکت ہیں مثل تحصیل صدقات وخراج وغیرہ کے چنانچہ قرآن میں ہے والعاملین علیہا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مولف صاحب ہدیہ کا بیان کردہ معنی کئی وجوہ سے غلط ہے۔

اولاً یہ معنی اس لئے غلط ہے کہ امام مہدی علیہ السلام کا صاحب مملکت وسلطنت ظاہری یعنی بادشاہ ہونا ہی صحیح نہیں ہے جیسا کہ اس سے پہلے اس کے

دلائل ذکر ہوئے ہیں پس جب تک یہ ثابت نہ ہو عمال سے عاملانِ خدمت مملکت مراد لینا بھی صحیح نہیں ہو سکتا۔

ثانیاً عمال عامل کی جمع ہے جو عمل کا اسم فاعل ہے۔ عمال پر سختی کرنیکا مفہوم عمل پر سختی کرنا ہے جو ہر طبقہ کے مناسب تمام اعمال اور ذمہ داریوں کو شامل ہے اور عمل کی تاکیدات اکیدہ حضرت اماماعلیہ السلام کی خاص صفت ہے جس کے ثبوت میں بیشمار روایتیں موجود ہیں۔ جیسے "تصدایق بندہ عمل است" "باعمل مقبول بے عمل مردود" وغیرہ پس عمال سے عاملانِ خدمتِ مملکت کی تخصیص بلاکسی دلیل کے ہے۔ عام اور مطلق اپنے معنیٰ عموم و اطلاق پر باقی اور سب کے لئے حاوی رہنا چاہیئے۔

ثالثاً حدیث میں عمال کی نسبت پشتدا ور مساکین کی نسبت یرحمر کے الفاظ آئے ہیں گویا یہ حدیث آیت شریف "اشداء علی الکفار رحماء بینھم" کی ہم معنی ہے لیکن شدت وسختی کی صفت مملکت وسلطنت سے مخصوص نہیں ہے چنانچہ قرآن شریف میں تمام صحابۂ رسول اللہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی یہی صفت بیان ہوی ہے حالانکہ انھیں مملکتِ ظاہری یعنی بادشاہت حاصل نہیں تھی پس ثابت ہوا کہ صفت اشتداد کے لئے بھی مملکت وسلطنت لازمی نہیں ہے۔

رابعاً آیت والعاملین علیہا کی تشبیہ بھی صحیح نہیں ہے اس لئے کہ اس آیت شریفہ میں صدقات کے مصرف بیان ہوے ہیں "علیہا" کی ضمیر مجرور صدقات کی طرف ہی راجع ہے جو عاملین سے عاملین زکوٰۃ مراد ہونے کا قوی قرینہ ہے لیکن اس حدیث میں کوئی قرینہ عمال سے عاملین زکوٰۃ مراد ہونیکا موجود نہیں ہے لہذا مولف ہدیہ کا بیان کردہ معنی بے دلیل ہے اس کے علاوہ آیت میں تحصیل زکوٰۃ کے لئے مملکت وسلطنت ظاہری ضروری ہونیکا کوئی اشارہ تک نہیں ہے کیونکہ مصارف زکوٰۃ جس طرح حاکم کے لئے لازمی ہیں محکوم کے لئے بھی ہیں جہاں غیر مسلم حکومت ہو وہاں بھی مصارفِ زکوٰۃ یہی ہیں جو مسلم حکومت ہونیکی صورت میں ہوتے ہیں پس ثابت ہوا کہ عمال سے عاملین زکوٰۃ اور عاملین زکوٰۃ سے

مملکت وسلطنت ظاہری یعنی بادشاہت کا مفہوم نکالنا خود صحیح نہیں ہے۔ لہذا مولف ہدیہ کا عمال سے عاملین خدمات مملکت مراد لینا کسی پہلو بھی درست نہیں ہے۔

خامساً۔ اس کے مقابل جناب سید عیسیٰ صاحب نے جو عمال کا مفہوم اغنیا واہل دنیا بیان کیا ہے وہ زیادہ موزوں ومناسب معلوم ہوتا ہے کیونکہ عمال کے مقابل میں مساکین کے الفاظ حدیث میں آئے ہیں جو اغنیا و مالدار اشخاص کے مقابل اکثر مستعمل ہوتے ہیں۔

روایت ششم خشوع و مراقبہ کی تحقیق۔	روایت ششم کا حاصل مطلب یہ ہے کہ امام مہدی علیہ السلام خاشع ومراقب ہوں گے۔

حضرت امامنا علیہ السلام کی پاک سیرت کا مطالعہ کرنے والوں پر کالشمس فی نصف النہار ظاہر ہوگا کہ حضرت کی تمام سیرت اس صفت سے معمور ہے۔

روایت ہفتم امام مہدیؑ کے نام کی تحقیق۔	روایت ہفتم میں یہ بیان ہے کہ امام مہدی علیہ السلام کا نام "محمد" ہوگا۔

درحقیقت یہ روایت ان کثیر روایتوں کا بیان ہے جن میں "یواطی اسمہ اسمی" یا "اسمہ اسمی" وارد ہے (یعنی رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ مہدی کا نام میرے نام کے موافق ہوگا دوسری روایتوں میں تو یہ ہے کہ مہدی کا نام میرا نام ہوگا)۔ یہ بھی ایسی خبر مغیب ہے کہ حضرت امامنا علیہ السلام پر بغیر کسی شک وشبہ کے ایسے یقین کے ساتھ صادق آتی ہے کہ اس میں کسی مورخ یا کسی بڑے سے بڑے معاند کو بھی انکار نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مولف ہدیہ کو بھی جو دوسری روایتوں سے متعلق غلط سلط اعتراض یا شک وشبہ ظاہر کرنے کی جرات بیجا کرتے گئے ہیں اس روایت میں دم مارنے کی طاقت نہیں ہوئی ہے اور روایت نقل کر کے چپ چاپ آگے بڑھ گئے ہیں کوئی اعتراض نہیں کیا ہے۔

حاصل کلام یہ کہ صاحب معارضۃ الروایات جناب سید عیسیٰ صاحب مہدوی نے جو روایتیں لکھی ہیں اور جن کو مولف ہدیہ نے پیش کیا ہے وہ سب روایتیں حضرت امامنا مہدیٔ موعود علیہ السلام پر صادق ہیں۔ مولف ہدیہ نے ان پر جو شکوک وشبہات ظاہر کئے ہیں یا صاحب معارضۃ الروایات پر معترض ہوئے ہیں وہ سب غلط ہیں۔

دلیل (۱۵) بقیہ آثار و احادیث سراج الابصار | دلیل پانزدہم بقیہ احادیث و آثار سراج الابصار ۔

یہاں سے مولف ہدیہ نے اپنی ناقص فہم و دانست کے موافق چند روایات مندرجۂ "سراج الابصار" کی تردید پر کمر باندھی ہے لیکن ہر شخص کو چاہئے کہ وہ اپنے حوصلہ کے موافق جرأت کرے نہ زائد ازاں ۔ ورنہ ظاہر ہے کہ آفتاب پر خاک اڑانے والا خود اپنی ہی ریش و فش کو خاک آلودہ کر لیتا ہے آفتاب پر کوئی دھبہ نہیں آسکتا۔

"سراج الابصار" میں نو اور بھی روایتیں لکھی گئی ہیں ان سات روایتوں پر حصر نہیں کیا گیا ہے بلکہ برمحل و استدلالاً ہر جگہ درج ہیں ۔ پھر نہیں معلوم مولف ہدیہ نے انہی سات روایتوں کو اعتراض کے لئے کیوں انتخاب کیا ہے اس سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ بقیہ روایتیں ان کے نزدیک صحیح ہیں اور ان پر ان کو کوئی اعتراض نہیں ہے

مولف ہدیہ نے "سراج الابصار" کی مندرجہ ان روایات کے متعلق بھی وہی انداز بیاں اختیار کیا ہے جو "معارضۃ الروایات" کی مندرجہ روایتوں کے متعلق کیا تھا یعنی سب روایتیں اول ایک جگہ نقل کر دی گئی ہیں اور ان پر خود کو جو اعتراضات ہیں وہ بعد میں جواب کا عنوان قائم کر کے بیان کرتے گئے ہیں۔ ہم ناظرین کی سہولت کے لئے یہاں بھی ہر روایت معہ شرح و توضیح جو مصنف سراج الابصار رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے اور اس کے متعلق مولف ہدیہ کا اعتراض اور اس اعتراض یا شبہ کا حل و تردید ایک ساتھ درج کرتے ہیں ۔

مولفِ ہدیہ نے جواب کے عنوان کے تحت سب سے پہلے تمہید کے طور پر تمام روایتوں کو کلام رسول اللہ بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ

> "حقیقت حال یہ ہے کہ یہ احادیث نہایت مخالف ہیں احوالِ مہدیٔ متنازع فیہ سے اور کلام رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا سراسر تکذیب و ابطال ان کا کرنا ہے"

مولف ہدیہ کا یہ قول صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ روایتیں کلامِ رسول اللہ صلعم یعنی مرفوع حدیثیں نہیں ہیں بلکہ ان میں اکثر صحابی، تابعی یا اور بھی بعد کے لوگوں کے آثار و اقوال ہیں جو اہل سنت کے نزدیک مغیبات میں موجب قطع و یقین

اور قابل حجت نہیں ہیں۔ ایسا ہی وہ سب روایتیں صحیحؔ و قوی بھی نہیں ہیں۔ جیسا کہ رسالۂ معارضۃ الروایات کی مندرجہ روایتوں کے متعلق لکھا گیا ہے اس قسم کے اقوال کو مرفوع احادیث کی طرح یا غیر صحیح احادیث کو صحیح احادیث کی طرح قابل حجت قرار دینا اور ان میں سے ہر قول کو خواہ اس کا کہنے والا کوئی بھی ہو اور اس کی اسناد میں کتنا بھی ضعف لاحق ہو ثبوت مہدیت کا مدار و موقوف علیہ اور اس کے نہ پائے جانے سے دعوئے مہدیت کو غیر صحیح سمجھ لینا اصول کے خلاف ہے۔ اسی طرح ان روایتوں کے متعلق سب سے پہلے یہ بات تصفیہ طلب قرار پاتی ہے کہ خود مولف ہدیہ اس سے پہلے یہ دعویٰ کر آئے ہیں کہ " اثبات مہدیت کے لئے جو امر پیش کیا جائے اس امر کا مہدیت کے خصائص سے ہونا اور اس کا بروایت صحیحہ مروی ہونا ضروری ہے" تو بالضرور جس امر کے انتفا کو انتفاے مہدیت کا سبب سمجھا جائے وہ بھی اول خصوصیات مہدیت سے ہونا اور پھر وہ بروایت صحیحہ ثابت ہونا چاہئے جبتک یہ دونوں وجہ ثابت نہ ہوں اس سے ابطال مہدیت بھی کبھی لازم نہیں آسکتا۔

لہ۔ علامہ مجیب نے سب روایتوں کے صحیح و قوی نہ ہونے کا جو اشارہ کیا ہے وہ خود حضرت مصنف سراج الابصارؒ کے قول کی تضمین ہے۔ حضرتِ ممدوح نے سراج الابصار میں ان روایتوں کے ماخذ کا جس سے یہ روایتیں نقل کیگئی ہیں حوالہ دیتے ہوے تحریر فرمایا ہے کہ " ہذہ المنقولات من عقد الدرر وان کان بعضہا ضعافاً لکن لما وجدت فیمن ادعی ظہرا نہا کانت صحاحا فی نفس الامر وان لم تبلغ درجتہا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ روایتیں عقد الدرر سے منقول ہیں اگرچہ ان میں بعض ضعیف ہیں لیکن جبکہ وہ اس ذات میں پائی گئیں جس نے (مہدی موعود ہونیکا) دعویٰ کیا تو ظاہر ہوا کہ وہ فی نفسہ صحیح ہیں اگرچہ ظاہر روایت کے اعتبار سے وہ صحاح کے درجہ کو نہ پہنچی ہوں" اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ جب ان روایتوں میں بعض ضعیف ہیں اور بعض صحابہ و تابعین وغیرہ کے اقوال ہیں تو حضرت مصنف سراج الابصار رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو دلیل کے طور پر کیسے پیش فرمایا؟ اس شبہ کا حل یہ ہے کہ یہ ایک عام اصول ہے کہ روایات ظنیہ واقعات کے مطابق ثابت ہوجانے سے وہ صحیح و مفید یقین ہوجاتی ہیں جیسے کسی ناقابل وثوق ذریعہ سے کوئی خبر ملی ہو تو وہ ذریعہ چونکہ قابل اعتبار نہیں ہے اس لئے وہ خبر اس کے راوی کے نظر کرتے قابل وثوق و مفید یقین نہ ہوگی لیکن جب اس خبر کے مطابق واقعہ ہی ظہور میں آجائے تو

پس مولف ہدیہ کا ہر روایت کی نسبت اس کا منصب مہدیت کی خصوصیات سے ہونا اور پھر وہ بروایت صحیحہ مروی ہونا ثابت کئے بغیر اس کو سراسر تکذیب وبطلانِ دعوی مہدیت کا سبب کہدینا خود ان کے بیان کردہ اصول اور اہل سنت کے مسلمہ ضابطہ کے خلاف ایسا غلط اور باطل دعوی ہے جس کی غلطی ثابت کرنے اور اس کی تردید وجواب کے درپئے ہونے کی مطلق حاجت ہی نہیں ہے۔

لیکن ہم تفضلاً اس موقع پر ان احادیث۔ آثار۔ اقوال کی صحت وعدم صحت۔ ضعف وقوت۔ یا ان کے قابل حجت ہونے نہ ہونے کی بحث سے قطع نظر کرکے جن کی ذمہ داری مولف ہدیہ پر ہر وقت باقی ہے اور جس کی جوابدہی کے بغیر ان کا کوئی اعتراض قابل توجہ نہیں رہتا یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہ سب بھی حضرت امامنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات اقدس پر پورے پورے صادق ہیں اور ان کا معنی ومفہوم مولف ہدیہ نے جو کچھ سمجھا اور بیان کیا ہے وہ خود غلط ہے

روایت اول۔ ختمِ دین کمالی دریا وغیرہ کی تحقیق۔ مولف ہدیہ نے سراج الابصار کی جن سات روایتوں پر اعتراض کیا ہے ان میں سے پہلی روایت یہ ہے۔

منہا ما قال علی رضی اللہ عنہ قلت یا رسول اللہ امنا المہدی ام من غیرنا فقال رسول اللہ صلعم بل منّا	ان روایتوں سے ایک وہ ہے جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۹۴۔ اس واقعہ کی مطابقت کی وجہ سے وہی خبر صحیح سمجھی جائے گی اسی اصول پر حضرت سرور کائنات محمد مصطفی صلعم کی سیرت میں راہبوں اور کاہنوں وغیرہ کے ایسے متعدد اقوال پیش کئے جاتے ہیں جو حضرت کے حالات سے مطابق ثابت ہوئے ہیں اگرچہ اسلامی عقائد کے لحاظ سے ان کے کہنے والے قابل وثوق ذرائع نہیں ہیں۔ حضرت مصنف سراج الابصار رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی اصول کے مطابق اس قسم کے اقوال وآثار درج فرمائے ہیں اور اس کی وجہ بھی ظاہر فرمادی ہے کہ وہ دعوئ مہدیت کرنے والی ذات اقدس میں پائے جانے سے ان کا فی نفسہ صحیح ہونا ثابت ہورہا ہے۔۱۲

شہاب بن نصرت غفرلہما

یختم اللہ بہ الدین ای اظہرہ باتم الظہور فی زمانہ واوصل اصحابہ فی منازل المقربین والصدیقین فہم اہل المشاہدۃ والمعاینہ والمکالمۃ ولکن لا یعرفہم الا اللہ واولیاءہ کما قال تعالیٰ اولیائی تحت قبائی لا یعرفہم غیری۔

مہدی ہم میں سے ہوں گے یا اوروں میں سے؟ فرمایا ہم ہی میں سے ہوں گے اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ دین کو ختم کرے گا یعنی دین کو ان کے زمانہ میں اتم اور کامل ظہور کے ساتھ ظاہر کیا اور آپ کے صحابہ کو مقربین وصدیقین کے مراتب میں پہنچا دیا ہیں وہی لوگ صاحب مشاہدہ صاحب معاینہ۔صاحب مکالمہ ہیں ان کو اللہ تعالیٰ اور اولیاء اللہ کے سوا کوئی نہیں پہچانتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے اولیا میرے قبا کے نیچے ہیں ان کو میرے سوا کوئی نہیں پہچانتا۔

مولف ہدیہ کو اس کی نسبت جو نامعقول سوال ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ صاحب سراج نے اس حدیث کے نصف اول کو نقل کیا ہے اور نصف ثانی کو حذف کیا۔ خلاصۂ حدیث چار باتیں ہیں کہ وہ تمام مہدی متنازع فیہ پر مفقود ہیں

اول یہ کہ نسب مہدی کا اہل بیت کو پہنچتا ہے۔

دوسری یہ کہ مہدی کے سبب سے دین کمال پاوے گا۔

تیسری یہ کہ مہدی کے سبب سے مسلمان فتنۂ باہم سے نجات پاویں گے

چوتھی یہ کہ مہدی کے سبب سے مسلمانوں کے دلوں سے اختلاف وعداوت جاکر موافقت ہو جائے گی۔

مولف صاحب ہدیہ نے حدیث کا مضمون بیان کرنے میں جو کمی بیشی کی ہے اور اس کے سمجھنے میں ان سے جو غلطی ہوئی ہے اس کی وضاحت بعد میں ہوگی لیکن انھوں نے نصف حدیث نقل کرنے اور نصف حذف کرنے کا جو اعتراض کیا ہے اولاً اس کا جواب یہ ہے کہ صاحب سراج الابصار رحمتہ اللہ علیہ نے جو حدیث نقل کی ہے وہ پوری حدیث ہے۔ اگر آدھی نقل والے اس کو آدھی سمجھیں تو یہ ان کی کم عقلی اور غلط فہمی ہے۔ مولف ہدیہ نے اس کو آدھی سمجھ کر تتمہ حدیث

نقل کیا ہے وہ در اصل دوسری حدیث ہے چنانچہ یہ دونوں حدیثیں بحوالۂ روایت
نعیم بن حماد وغیرہ عقد الدرر میں موجود ہیں ۔ پہلی حدیث عقد الدرر کے باب اول کی
ہے جو سراج الابصار میں نقل کی گئی ہے اور دوسری حدیث جس کو مولف ہدیہ نے
تتمہ سمجھا ہے اسی کتاب عقد الدرر کے باب پنجم کی ہے ان دونوں حدیثوں میں
اختلاف الفاظ بھی پایا جاتا ہے جس سے ایک ہی حدیث ہونے کی نفی ہوتی ہے۔
یہ دونوں حدیثیں علیحدہ علیحدہ ہونے کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حافظ جلال الدین
سیوطی نے اپنے رسالۂ العرف الوردی فی اخبار المہدی میں یہ دونوں حدیثیں طبرانی
اور نعیم بن حماد وغیرہ کے حوالہ سے لکھی ہیں۔ پہلی حدیث عن عمر بن علی عن علی ابن ابی طالب
مروی ہے دوسری حدیث عن مکحول عن علی ابن ابی طالب روایت ہوئی ہے۔ پس دو
علیحدہ راویوں سے روایت شدہ حدیثیں ان کے مضمون کا کوئی حصہ متحد ہونے سے
ایک ہی حدیث نہیں سمجھی جاسکتیں ۔ مولف ہدیہ کا ان کو ایک ہی حدیث کہنا صحیح نہیں
ہے اور ان کی یہ غلطی ہے کہ وہ جناب صاحب سراج الابصار رحمۃ اللہ علیہ کی طرف
الٹی خطا و غلطی منسوب کر رہے ہیں ۔ حالانکہ خود وہ دو اور ایک میں تمیز نہیں کر سکے
ہیں ۔ احول تو ایک کو دو دیکھتا ہے لیکن یہ عجیب احولی ہے کہ دو کو ایک دیکھا جارہا ہے۔
ثانیاً ۔ مولف ہدیہ کا یہ کہنا کہ حدیث مذکور کا خلاصہ چار باتیں ہیں ان کا
جواب ادا کرنا بھی ہم پر اگرچہ اس لئے لازم نہیں ہے کہ جو حدیث صاحب سراج الابصار
رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی ہے اس میں یہ چار باتیں مذکور نہیں ہیں لیکن ہم ان چار باتوں
کا جواب بھی تفصیلاً علیحدہ علیحدہ ادا کرتے ہیں کہ اس حدیث میں ذکر کی ہوئی چاروں باتیں
بھی امامنا حضرت مہدی موعود علیہ السلام کی ذات اقدس پر بوجہ احسن صادق ہیں۔
البتہ مولف صاحب ہدیہ کی غلط بیانی و غلط فہمی کے ہم جوابدہ نہیں ہیں چنانچہ مولف ہدیہ
نے جو حدیث لکھی ہے اس کا متن یہ ہے "عن علی قال قلت یا رسول اللہ امنا
ال محمد المہدی ام من غیرنا فقال بل منا یختم اللہ بہ الدین کما فتح بنا ینقذون
من الفتنۃ کما انقذوا من الشرک وبنا یولف اللہ بین قلوبھم بعد عداوۃ الفتنۃ
کما الف بین قلوبھم بعد عداوۃ الشرک وبنا یصبحون بعد عداوۃ الفتنۃ اخوانا
کما اصبحوا بعد عداوۃ الشرک اخوانا فی دینھم ۔ اب ناظرین کرام کے سامنے اصل متن

حدیث موجود ہے۔ مولف ہدیہ کو یہ تسلیم ہے کہ یہ چاروں باتیں امام مہدی علیہ السلام ہی سے متعلق ہیں اور یہ بھی کہ ختم دین سے کمال دین مراد ہے پس ترتیب وار مولف ہدیہ کے اعتراضات پر تنقید کرنا آسان ہے۔ پہلا اعتراض صاف باطل ہے چنانچہ دلیل اول میں اس کا جواب اور حضرت امامنا علیہ السلام کا بنی فاطمہ اور اہل بیت سے ہونے کا ثبوت بدلائل شافی ہو چکا ہے جس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں ہے پس امامنا علیہ السلام کا نسب اہل بیت کو پہنچنا ثابت و متحقق ہے

دوسرے اعتراض کا جواب ادا کرنے سے پہلے یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ مولف صاحب ہدیہ کا منشا اور توجہ تو خاص مہدویہ کی طرف تھی لیکن انھوں نے جو کچھ بیان کیا ہے اس کے اثرات بلحاظِ سیاقِ کلام خود ان کے مزعومہ مہدی کی طرف عود کر گئے ہیں جن کا ان کو انتظار ہے بلکہ حضرت ختم رسالت صلعم کی جناب اقدس میں عود کرتے ہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ "بل منا یختم اللہ به الدین" یعنی مہدی ہم میں سے ہوں گے اللہ ان کے ذریعہ دین کو ختم کرے گا۔ ختم سے مراد کمال ظہور ہے چنانچہ خود مولف ہدیہ بھی ختم سے یہی مراد ہونے کے قائل ہیں۔ پس حضرت کے اس فرمان اور حتمی وعدہ کے موافق یہ خصوصیت امام مہدی علیہ السلام کا کام ہونا ثابت ہوا لیکن بقول مولف ہدیہ جب دین سے مراد اسلام ہے اور اسلام کہتے ہیں صرف شہادۃ کلمہ اور ادائے صوم و صلوٰۃ و حج و زکوٰۃ کو اور ان امور کو خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے کامل کر دیا اور صحابہ و تابعین نے تمام مشرق و مغرب میں پھیلا دیا تو دانایان سخن شناس بعدل و انصاف نہ بہ تعصب و اعتساب فرمائیں کہ مولف ہدیہ کے اس بیان کے مطابق معاذ اللہ حضرت سرور کائنات ارواحنا فداہ کی جناب اقدس میں گویا تخلف وعدہ کا یہ مظنہ پیدا کر دیا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت سے تو یہ وعدہ فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ مہدیؑ کے ذریعہ دین کو ختم کرے گا لیکن خود ہی دین کو ختم اور کامل فرما دیا تو اب ہم مولف ہدیہ سے پوچھتے ہیں کہ امام مہدی علیہ السلام کی ضرورت ہی کیا رہی پھر آپ مہدی کے ظہور کے کیوں منتظر ہیں ان کا عدم و وجود یکساں ہے۔ فرمائیے اگر بفرض محال آپ کے خیالی مہدی آئیں گے تو وہ کس خدمت پر مامور ہوں گے اور کون سے دین کو ختم کریں گے۔

مولف صاحب ہدیہ کی یہ جہالت ہزار دریغ و تاسف کے قابل ہے کیونکہ یہ تو وہی مثل ہوئی کہ لکھنے گئے تمسک اور لکھدئے رسید۔ مقصود تو یہ بیان کرنا تھا کہ حدیث کا دوسرا مضمون جو دین کو کامل کرنا ہے امامنا علیہ السلام پر صادق نہیں ہے لیکن چونکہ یہ نری ہٹ دھرمی اور صریح دروغگوئی تھی اس کی رجعت یہ ہوئی کہ شیطان نے ایسا پر مارا کہ خود جناب سرورِ کائنات صلعم کی جنابِ اقدس میں تخلّفِ وعدہ کا مظنّہ عائد کردیا اور اپنے مزعومہ مہدی کی ضرورت اور انتظار کی خود اپنے ہاتھوں جڑ کاٹ لی۔

مہدویہ پر یہ سوال اس لئے وارد ہی نہیں ہوسکتا کہ اُن کے نزدیک دین کا مفہوم۔ اسلام۔ ایمان۔ احسان کے احکام کو جامع ہے جیسا کہ حدیث جبرئیل سے متبادر ہے اور محققین صوفیائے کرام کا بھی مسلمہ و متفقہ مسئلہ یہی ہے پس دین کے وہ احکام جو نبوت و رسالت کا لازمہ اور متعلقات سے ہیں حضرت خاتم الانبیاء والمرسلین (صلعم) کی ذات اقدس سے ان کا کمال ظہور یا حقیقی تکمیل بطریق دعوت ہوی۔ اور احسان کے احکام و مسائل جو ولایت خاصہ محمدیہ سے تعلق رکھتے ہیں ان کا کامل ظہور علیٰ سبیل الدعوۃ حضرت خاتم الاولیا امام مہدی علیہ السلام کی ذات اقدس سے مخصوص ہے یہ مسئلہ محققین صوفیہ کا بھی مسلمہ ہے چنانچہ اس کا بیان اس طرح کیا گیا ہے۔

نبوت را ظہور از آدم آمد — کمالش در وجود خاتم آمد
(خاتم الانبیا علیہ الصلوٰۃ والسلام)

ولایت بود باقی تا سفر کرد — چو نقطہ در جہاں دَور دگر کرد

ظہورِ کلِ او باشد بہ خاتم (یعنی خاتم) — از و یابد تمامی دَورِ عالم
(خاتم الاولیا علیہ الصلوٰۃ والسلام)

وجودِ اولیا او را چو عضواند — کہ او کل است و ایشاں ہمچو جزوند
(گلشن راز)

مفاتیح الاعجاز" شرح گلشن راز" میں لکھا ہے۔

"یعنی ظہور تمامی ولایت و کمالش بخاتم اولیا خواہد بود چہ کمال حقیقت دائرہ در نقطۂ اخیرہ بظہور میرسد و خاتم الاولیا عبارت از محمد مہدی است

کہ موعود رسول است علیہ الصلوٰۃ والسلام "

یہ بحث اس سے پہلے بھی اس کتاب میں بر موقع شرح و بسط کیساتھ کی گئی ہے یہاں مگر اس کی زیادہ تشریح کرنے کی ضرورت نہیں ہے یہاں صرف یہی بتانا ہے۔ کہ مولف ہدیہ کی مذکورہ اور بقیہ غلطیوں سے قطع نظر اور اعراض کر کے قصہ مختصر کیا جائے تو اس حدیث مذکور کا صحیح مطلب و معنی محققین کرام اور مہدویہ کے اصول متفقہ و مسلمہ کے مطابق یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دین کو شروع کیا ہے امام مہدی علیہ السلام کے ذریعہ دین کو ختم کریگا یعنی آپ سے احکام شریعت کی تائید و تقویت اور احکام ولایت محمدی کی علی سبیل الدعوۃ تبلیغ ہو گی چنانچہ امامنا مہدیٔ موعود علیہ السلام پہ پوری طرح صادق ہے حضرت ہمیشہ احکام شریعت کی پابندی و حفاظت اور اس کے احترام کی بڑی تاکید فرماتے رہے اور احکام ولایت کی بر وجہ دعوت نشر و تبلیغ کی۔

صاحب سراج الابصار رحؒ نے اسی حقیقت کو اس طرح واضح کیا ہے ای اظہرہ باتم الظہور فی زمانہ فاوصل اصحابہ فی منازل المقربین والصدیقین الخ اور حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ نے انہی فیوض لاتناہی کی برکات سے جو حضرت امام علیہ السلام سے صحابہ کو پہنچتے رہیں گے صحابۂ مہدی علیہ السلام کی یہ منقبت ظاہر فرمائی۔

لایسبقھم الاولون ولا یدرکھم الاٰخرون	یعنی ان سے پہلے کے لوگ ان پر سبقت نہ لیجا سکیں گے اور ان سے بعد کے لوگ ان کے مراتب کو نہ پا سکیں گے۔

مولف ہدیہ کہتے ہیں کہ

" حضرت امامنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مشرق سے مغرب تک آدمیوں کو کافر ٹھہرایا اور بجز چند مہدیوں کے کسی کو مسلمان نہ سمجھا۔ پس یہ ختم بمعنی کمال دین نہ ہوا بلکہ زوال دین ہوا "

اولاً اس کا جواب یہ ہے کہ مولف ہدیہ نے یہ بھی غلط لکھا ہے کہ حضرت نے مشرق سے مغرب تک کسی کو مسلمان نہ سمجھا حضرت نے یہ کب فرمایا ہے وہ فرمان پیش کیا جائے۔ مولف ہدیہ معنی ایمان و اسلام میں امتیاز نہ کرنے کی جہالت میں خود مبتلا ہیں

اور ہمیشہ ناظرین کرام کو غلط بحث کر کے مغالطہ دینے کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اول انکو خود نفی ایمان اور نفی اسلام کی حقیقت کو سمجھنا چاہیئے۔ رہا کفر کا اطلاق کرنا اس کی تفصیلی بحث اس سے پہلے اس کتاب میں ہو چکی ہے جس سے واضح ہو گیا کہ یہ تمام فرقوں میں بکمال کشادہ پیشانی جاری و ساری ہے۔ خود اہل سنت دوسرے تمام فرقوں کو بلکہ آپس میں ایک دوسرے کو جو اپنے معتقدات کے خلاف ہوں علانیہ کافر کہتے ہیں تو کیا مولف ہدیہ کے پاس اس کا یہ معنی ہے کہ اہل سنت مشرق سے مغرب تک کسی کو مسلمان نہیں سمجھتے۔

ثانیاً۔ سابقہ قول کی طرح یہ قول بھی تمام انبیاء و رسل و خلفاء اللہ علیہم السلام کی سنت جاریہ اور خود اصول اسلامی سے لاعلمی اور اسلام و ایمان و احسان کے مابین عدم امتیاز پر دلالت کرتا ہے کیونکہ تمام خلفاء اللہ انبیاء و رسل کی یہ سنت جاریہ رہی ہے کہ وہ بحکم خدا نہ باتباع نفس و ہوا اپنے منکرین پر حکم تکفیر جاری کرتے آئے ہیں۔ اگر مولف ہدیہ خود کو مسلمان کہتے ہیں تو وہ بتائیں کہ حضرت رسول عربی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں اُن قریشی وغیرہ عربوں کے سوا جنہوں نے حضرت کو رسول برحق مانا اور آپ پر ایمان لایا باقی تمام منکرین رسالت مشرق سے مغرب تک آپ کے اعتقاد میں کافر ہیں یا نہیں؟ اگر آپ اس کے قائل نہیں تو آپ بھی منکرین کے زمرہ میں شامل اور حکم تکفیر کے مورد بن جاتے ہیں اور اگر تمام منکرین پر حکم تکفیر جاری ہونے کے قائل ہیں تو آپ کا اعتراض خود بخود رفع ہو جاتا اور ثابت ہوتا ہے کہ مشرق سے مغرب تک منکرین کو کافر ٹھہرانے سے کمال دین کی نفی لازم نہیں آتی ورنہ کہنا ہو گا کہ مسلمان چونکہ مشرق سے مغرب تک کروروں منکرین اسلام کو کافر ٹھہراتے ہیں اس لئے دینِ اسلام کامل نہیں ہے حالانکہ ایسا کہنا ہرگز صحیح نہیں۔

ثالثاً۔ مولف ہدیہ نے مسلمانوں کی کثرت کو جو کمال دین سمجھا۔ یہ بھی انکی کمال خطا ہے اس لئے کہ اہل دین کی کثرت پر دین کا کمال اور ان کی قلت پر دین کا نقصان مبنی نہیں ہے بلکہ دین کا کمال احکام دین کی خوبی و جامعیت اور احکام کے اظہار و تبلیغ سے ہوتا ہے کہ اس کا کوئی عقدہ فروگذاشت نہ ہونے پائے کثرت اہل دین

نہیں ہوتا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے نبی و رسول کی بعثت اور اظہار دعوتِ حق کو زمین واہل زمین کی اصلاح فرمایا ہے کما قال اللہ تعالیٰ فی قصۃ شعیبؑ ولا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحہا یعنی زمین کی اصلاح و درستی کے بعد تم اُس کو مت بگاڑو۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے اسی جہت سے زمین کو اصلاح شدہ فرمایا ہے کہ نبی مبعوث ہوئے اور انھوں نے سب کو دینِ حق کی طرف بلایا یا راہ راست بتائی عدل وانصاف اور دوسری نیکیوں کا حکم دیا اور تمام برائیوں اور امور قبیحہ سے منع فرمایا اس جہت سے اصلاح زمین کا اطلاق نہیں ہوا ہے کہ سب لوگ ایمان لائے اور فرمان رسول کے موافق معتقد اور عامل ہو گئے کیونکہ یہ معنی یہاں صادق ہی نہیں آیا اس لئے کہ شعیب علیہ السلام پر گنتی کے چند آدمیوں کے سوا کوئی بھی ایمان نہیں لایا تھا۔ غرض کمالِ دین کا اطلاق یا باعتبار نزول شرائع ہوتا ہے یا ان احکام منزلہ کی تبلیغ و بیان کے اعتبار سے ۔

پہلی صورت کی مثال اللہ تعالیٰ کا فرمان " الیوم اکملت لکم دینکم" ہے یعنی خدائے تعالیٰ نے جمیع احکام دینِ محمدی کو نازل فرمادیا اور اسی نزول احکام کے اعتبار سے تکمیل دین اور اتمامِ نعمت کا اطلاق ہوتا ہے اگرچہ کروڑہا آدمی کافر موجود تھے دوسری صورت کی مثال حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان یختم اللہ بہ الدین کما فتحہ بنا ہے یعنی امام مہدی علیہ السلام کے ذریعہ جو دین کے کمال ظہور کا وعدہ فرمایا گیا ہے وہ ان احکام کو بطریقِ دعوت بیان کرنے کے اعتبار سے ہے جو دورِ نبوت میں بطریق دعوت بیان نہیں ہوئے تھے چنانچہ صوفیائے محققین بھی اس کے قائل ہیں پس کمال ظہور دین بھی آپ پر صادق ہے ۔

مولف صاحب ہدیہ کے قول سے اس کے برعکس یہ ثابت ہوتا ہے کسی نبی کے دین میں جب تک متقلبین ولمومنین کی کثرت نہ ہو اس نبی کا دین ناقص رہتا ہے کامل نہیں ہوتا نعوذ باللہ من شرور انفسنا ۔ حالانکہ بہت سے صادق پیغمبر اور ادیان حقہ ایسے گذرے ہیں جن کے متقلبین کی تعداد معدودے چند رہی ہے اور اکثر باطل مذاہب ایسے ہیں جن کے پیرؤں کی کثرت اتنی رہی کہ جملہ اہل اسلام بھی ان کا عشر عشیر نہیں تھے ۔ کیا مولف صاحب ہدیہ ان باطل مذاہب کو احکام اسلامی کے خلاف صرف اہل مذہب کی کثرت کی وجہ سے کامل دین

و مذہب تسلیم کر لیں گے؟

خود اہل اسلام کو دیکھو ان کی جو کثرت اب ہے جناب رسالتمآب صلعم کی حیات طیبہ تک نہیں تھی تو بقول مولف ہدیہ جن کے نزدیک کمال دین کا مدار مسلمانوں کی کثرت پر ہے یہ کہنا لازم آئے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں معاذ اللہ دین ناقص تھا اور اب اس کی بہ نسبت زیادہ کامل ہے حالانکہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے اسی وقت "الیوم اکملت لکم دینکم" فرمایا ہے جبکہ مسلمانوں کی کثرت نہیں تھی جس سے ثابت ہے کہ کمال دین اہل دین کی کثرت پر موقوف نہیں ہے خود حدیث کے الفاظ دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "یختم اللہ بہ الدین" ارشاد فرمایا ہے اہل دین کی کثرت کو ختم دین یا کمال ظہور دین نہیں قرار دیا ہے۔ مولف ہدیہ نے ہر جگہ یہی اصولی غلطی کی ہے کہ دین اور اہل دین دونوں کو ایک سمجھ لیا اور اہل دین کی کثرت کو کمال دین خیال کر لیا ہے جو شخص مذہب حق سے روگردان ہوتا ہے اس کو ایسے ہی غلط خطرات گمراہ کرتے ہیں۔

فتنہ سے نجات پانے کی بحث وتحقیق ۔	مولف ہدیہ کہتے ہیں کہ تیسری بات یعنی فتنہ سے نجات پانا بھی نہیں ہوا بلکہ بدستور اہل اسلام مبتلائے فتن ہیں۔

مولف ہدیہ سے اس مضمون کے سمجھنے اور بیان کرنے میں دو صریح غلطیاں ہوئی ہیں۔

اول تو فتنہ کا معنی غلط سمجھا اور غلط بیان کیا ہے۔

دوم فتنہ سے نجات پانے والوں کے تعین میں بھی ان کو مغالطہ ہو گیا ہے۔

پہلی غلطی کی توضیح یہ ہے کہ مولف صاحب ہدیہ نے "بنا ینقذون من الفتنۃ" کے "ترجمہ میں اپنی طرف سے ایک لفظ اضافہ کر کے یہ لکھا ہے کہ مہدی کے سبب سے فتنہ "باہم" سے نجات پا دیں گے" معلوم نہیں ہوا کہ "باہم" کا لفظ اصل حدیث کے کس لفظ کا ترجمہ ہے حدیث میں تو اس پر دلالت کرنے والا کوئی لفظ نہیں ہے مولف ہدیہ نے اسی کو بنا قرار دیکر فتنہ سے مراد باہمی مخالفتین

اور نزاعین سمجھی ہیں جو بنائے فاسد علی الفاسد اور منشاء حدیث کے خلاف ہے حقیقی فتنہ کیا ہے اس کی تحقیق کے لئے قرآن وحدیث کی طرف رجوع کیجائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا خود ارشاد ہے۔

انما اموالکم واولادکم فتنۃ۔ (۲۸ - ۱۶ - تغابن)	تمہارے اموال اور اولاد فتنہ ہیں۔

رسول اللہ صلعم کا فرمان ہے۔

ان لکل امۃ فتنۃ وفتنۃ امتی المال	ہر امت کے لئے ایک فتنہ ہے اور میری امت کا فتنہ مال ہے۔

عزیزی شرح جامع الصغیر میں اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ

المال معظم فتنھم من اللھو بہ لانہ یشغل البال عن القیام للطاعۃ وینسی الاٰخرۃ	اس میں مشغول ہو جانے کی وجہ سے ان کے فتنوں میں بڑا فتنہ مال ہے کیونکہ وہ دل کو طاعت وعبادت سے غافل کر دیتا اور آخرت کو بھلا دیتا ہے۔

اس سے حقیقی فتنہ کا کھوج مل رہا ہے کہ مال واولاد کی محبتِ مُفرط اصل فتنہ ہے جو ایک طرح کا شرک خفی ہے جس کی طرف یہ آیت شریفہ مشعر ہے ومن الناس من یتخذ من دون اللہ اندادًا یحبونھم کحب اللّٰہ والذین اٰمنوا اشد حبًا للّٰہ (بعض لوگ وہ ہیں جو اوروں کو اللہ کا شریک بناتے ہیں ان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ سے رکھنی چاہیئے اور جو لوگ مومن ہیں وہ اللہ سے سب سے زیادہ محبت رکھتے ہیں) اور اسی معنی کے اعتبار سے شرک خفی وجلی میں گہرا ربط وتعلق ثابت ہوتا ہے اور اسی سے بچنا فتنہ سے نجات پانا ہے۔ پس حدیث کا صحیح مطلب یہ ہوا کہ امام مہدیؑ کے ذریعہ لوگ اس فتنہ سے نجات پائیں گے جیسا کہ حضرت رسول اللہ صلعم کے ذریعہ شرک سے نجات پائے۔ اس اعتبار سے "بنا ینقذون من الفتنۃ" حضرت امامناؑ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر پورا پورا صادق ہے کیونکہ آپ نے ان آیات واحادیث کے موافق مومنین کو راہ راست بتلائی جو خار وخاشاک فتن سے پاک وصاف ہے۔

اگر فتنہ سے باہمی مخالفت و منازعت مراد لیجائے تو یہ مضمون کئی آیات و احادیث کے مخالف و متعارض ہوگا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔

لا یزالون مختلفین الا من رحم ربک ولذالک خلقھم (۱۲-۱۰-ہود)

ان لوگوں کے سوا جن پر آپکے پروردگار نے رحم کیا ہے ہمیشہ وہ اختلاف ہی کیا کرتے رہیں گے اور اسی کیلئے انھیں پیدا کیا ہے ۔

ایضاً ۔ والقینا بینھم العداوۃ والبغضاء الیٰ یوم القیامۃ ۔

ہم نے ان میں قیامت تک باہمی دشمنی اور بغض کا مادہ ڈال دیا ہے ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ۔

اذا وضع السیف فی امتی لم یرفع منھا الیٰ یوم القیامۃ

میری امت میں جب تلوار چل جائے گی پھر قیامت کے دن تک نہ رکے گی ۔

صحیح مسلم میں ایک طویل حدیث عامرہ بن سعد سے مروی ہے جس کا آخری حصہ یہ ہے ۔

فقال (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سألت ربی ثلاثا فاعطانی اثنتین ومنعنی واحدۃ سألت ربی ان لا یھلک امتی بالسنۃ فاعطانیھا وسألت ربی ان لا یھلک بالغرق فاعطانیھا وسألتہ ان لا یجعل باسھم بینھم فمنعنیھا ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے پروردگار سے تین باتیں چاہیں جن میں دو مجھے دی گئیں اور ایک قبول نہیں ہوی میں نے دعا کی کہ میری امت قحط اور غرق کے ذریعہ ہلاک نہ ہو یہ قبول ہوگئی میں نے دعا کی کہ میری امت آپس کی جنگ وجدال میں مبتلا نہ ہو مجھے اس سے منع کیا گیا یعنی یہ دعا قبول نہیں ہوئی ۔

ان کے علاوہ بھی انھی کے ہم معنی و ہم مضمون بہت سی آیات واحادیث ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ اختلافات و منازعات تو قیامت تک برپا رہیں گی ان کا رفع ہونا ممکن نہیں خصوصاً فتنۂ دجال جو سرآمد جمیع فتنہ رہا ہے اور علاماتِ قیامت سے ہے اس کا ظہور ضرور ہی ہونا ہے اور ضرور ہی ہوگا چنانچہ عقیدۂ چہاردہم اور دلیل دوم کے ضمن میں یہ ضرور مسئلہ اور اس کے متعلقات

تفصیلی طور پر معرض بحث میں آئے ہیں۔

غرض فتنہ سے یہ اختلافات باہمی مراد لینا اور امام مہدی علیہ السلام کے ذریعہ ان اختلافات کے رفع ہونیکے قائل ہونا جنکے رفع ہونے پر مشیت ایزدی جاری نہیں ہوئی ہے گویا امام مہدی علیہ السلام سے خلافِ مشیت ایزدی ظہور میں آنے کے قائل ہونا ہے اور یہ محالات سے ہے۔

دوسری غلطی کی توضیح یہ ہے کہ تمام خلفاء اللہ انبیا و مرسلین کی عام سنتِ جاریہ یہ رہی ہے کہ جب کبھی بھی کسی ہادی برحق کا ظہور ہوا ہے بعض لوگ اُن کی ہدایت سے فیضیاب ہوئے اور اکثر لوگ اُن کی ہدایت سے روگردان رہے پہلی جماعت ہی اس ہادی برحق کی تعلیمات کی برکات سے مالا مال ہوئی اور دوسری جماعت جس نے اس ہادی کو نہ مانا وہ اُن کی ہدایات کے فیضان سے محروم رہی چنانچہ حضرت افضل الانبیاء والمرسلین صلعم کے زمانہ میں بھی جو لوگ حضرت کی نبوت و رسالت کے منکر ہوئے وہ حضرت کی تعلیمات سے بے بہرہ رہے جو امت دعوت کہلاتے ہیں اور شرک سے بھی نجات نہیں پا سکے اور وہی لوگ شرک سے نجات پائے جنھوں نے حضرت پر ایمان لایا اور جو حضرت کی امت اجابت ہیں۔

پس اسی سنتِ جاریہ کے مطابق امامنا مہدئ موعود علیہ السلام پر جو لوگ ایمان لائے وہی آپ کی تعلیمات سے مستفیض ہوئے اور فتنہ سے نجات پائے بنا ینقذون من الفتنۃ کا ظہور ہوا مگر جو لوگ آپ پر ایمان نہیں لائے اور آپ کی ہدایت سے دور رہے وہ اس فتنہ سے نجات نہیں پا سکے لہٰذا امامنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ تمام مسلمانوں کے فتنہ سے نجات نہ پانے کا اعتراض سراسر بے جا اور اس سنتِ جاریہ کے صریح خلاف ہے۔ مولف ہدیہ نے اعتراض کرنے کے جوش میں امتِ دعوت و امتِ اجابت کے فرق و امتیاز کو بالائے طاق رکھکر امتِ اجابت کے فضائل و خصوصیات امتِ دعوت میں بھی پائے جانے کا دعوی کر بیٹھے ہیں جو اصولاً غلط ہے۔

الفاظ و عبارت حدیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کیونکہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ بنا ینقذون من الفتنۃ

کما انقذ وامن الشرك اس فرمان میں فتنہ سے نجات پانے کو شرک سے نجات پانے کے ساتھ تشبیہ دیگئی ہے پس جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت سے تمام افرادِ انسانی اور تمام مقامات سے شرک نہیں اٹھ گیا اسی طرح امام مہدی علیہ السلام کے ذریعہ یہ فتنہ بھی سب افراد اور سب مقامات سے نہیں اٹھ سکتا تاکہ تشبیہ بالشرک صحیح ہو اور مشبہ بہ جو الفت بعد الشرک ہے اور مشبہ میں جو الفت بعد الفتنہ ہے مطابقت پائی جائے۔

تالیف قلوب کی بحث و تحقیق۔	مولف صاحب ہدیہ نے چوتھی بات کے متعلق حدیث کے مضمون کا خلاصہ یہ لکھا ہے کہ مہدی کے سبب سے مسلمانوں کے دلوں سے اختلاف

وعداوت فتنوں کی جاکر ایسی موافقت ہو جائے گی کہ مانند بھائیوں کے ہو جائیں گے جیسا کہ بعد جانے عداوت شرک کے ہوگئے تھے۔
(ہدیہ صفحہ (۱۲۷)۔

اس کا جواب بھی پہلے قول کی تردید ہی میں ادا ہو گیا ہے کیونکہ تمام خلفاء اللہ کی سنت جاریہ یہی رہی ہے کہ ان کی ہدایات وتعلیمات کے فیوض وبرکات ان کے مقبلین ہی کے شامل حال رہتی آئی ہیں نہ کہ ان کے منکرین کے۔ اس کے علاوہ مولف ہدیہ نے مضمون حدیث کی تلخیص کرنے میں بھی غلطیاں کی ہیں مثلاً تمام مسلمانوں کے دلوں سے اختلاف جاتے رہنا سمجھا ہے اور "اخوانا فی دینہم" کا مطلب بیان کرنے میں " دینہم" کا مفہوم بالکل نظر انداز کر دیا ہے وغیرہ وغیرہ ان سے قطع نظر کر کے غور کیا جائے تو صاف ظاہر ہے کہ اس حصۂ حدیث میں بھی صحابۂ امام علیہ السلام کے انقلاب حالات کو صحابۂ رسول اللہ صلعم کے انقلاب حالات سے تشبیہ دی گئی ہے کہ وہ شرک کے وقت کی عداوت کے بعد جیسے دین میں بھائی بھائی بن گئے تھے ایسا ہی یہ فتنہ کی عداوت کے بعد دینی بھائی بن جائیں گے

اب دیکھنا یہ ہے کہ امامنا مہدئ موعود علیہ السلام کے زمانہ میں اس دینی الفت واخوت کا جس کی مخبر صادق صلعم نے خبر دی ہے ظہور ہوا یا نہیں؟

مہدویہ کی کتب تواریخ وسیر میں اس کا کافی ثبوت موجود ہے کہ امامنا علیہ السلام پر جن لوگوں نے ایمان لایا اور آپ کی ہدایات وتعلیمات سے بہرہ ور ہوئے اگرچہ ان میں مختلف اقطاع وممالک کے باشندے اور مختلف طبقات یعنی روساؤ امراء اغنیا و فقراء اد نیٰ اعلیٰ غرض کہ ہر طبقہ کے افراد شامل تھے لیکن سب دینی اخوت کے جذبہ سے ایسے سرشار تھے کہ سب بھائی بھائی اور ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے نظر آتے تھے جن سے صحابۂ رسول اللہ (صلعم) رضوان اللہ علیہم کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

عقلی و قیاسی طور پر بھی حدیث میں ذکر کی ہوئی تالیفِ قلوب اور دینی اخوت حضرت امامنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متبعین میں پائے جانے کا قطعی ثبوت اس طرح ملتا ہے کہ عداوت وخصومت کا اصلی منبع طلب دنیا و ہوسِ جاہ ومال دنیا ہے۔ حضرت امامنا علیہ السلام نے باتباع کتاب اللہ وسنت رسول اللہ حب دنیا وجاہ ومال دنیا کے ترک کرنے کے عام احکام صادر فرمائے تو گویا تمام فتنہ و فسادات اور خصومتوں کی جڑ ہی کٹ گئی اسی لئے حضرت کے صحابہ و متبعین میں جو ان احکام کے سختی سے پابند تھے نہ خصومت باقی رہی نہ عداوت وہ سب آپس میں بھائی بھائی کے جیسے متحد ہو گئے ان میں اللہ تعالیٰ کی طلب صادق اور رضاجوئی ذاتِ مطلق اور ماسوی اللہ سے بے اعتنائی کا یہ عالم تھا کہ جناب مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے ان کی جو حالت بیان فرمائی ہے کہ "ان کو کسی کے چلے جانے سے وحشت نہ ہوگی اور نہ کسی کے آنے پر انھیں فرحت ہوگی" اس کے پورے پورے مظہر ومصداق تھے۔

مولف ہدیہ کو بھی مہدویہ کی باہمی الفت واتحاد کا دبی زبان سے اعتراف ہے لیکن اعتراض ہے تو یہ ہے فقط مہدویہ میں نہیں بلکہ سب مسلمانوں میں الفت واتحاد ہونا چاہیئے تھا اور یہ نہیں ہوا ہے۔ شائد مولف ہدیہ کو یاد نہیں رہا یا انھوں نے عمداً اس سے آنکھیں بند کر لی ہیں کہ شرک کے وقت کی عداوت کے بعد تالیف قلوب ہو کر بھائی بھائی بن جانے کا واقعہ جو اس حدیث میں ذکر ہوا ہے قرآنِ شریف میں بھی بیان کیا گیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے

ارشاد فرمایا ہے۔

واذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ کنتم اعداءً فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا وکنتم علی شفا حفرۃ من النار فانقذ کم منہا الآیۃ (۴-۲-)

تم پر اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو جبکہ تم باہم دشمن تھے اللہ تعالیٰ نے تمہارے بین تالیف قلوب کردی پس تم اس کی بدولت بھائی بھائی ہو گئے اور تم جہنم کے کنارہ پر ٹھرے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ نے تم کو اس سے بچالیا۔

اس آیت شریفہ میں خاص وہ صحابہ رسول اللہ صلعم مخاطب اور مراد ہیں جو پہلے شرک میں مبتلا تھے اور بعد میں اسلام وایمان کی نعمت سے مشرف ہوئے اور اسی نعمت کی وجہ سے زمانہ شرک کی کاوشوں اور عداوتوں سے نجات پاکر آپس میں بھائی بھائی بن گئے تھے لیکن وہ لوگ تو اس سے مراد نہیں ہو سکتے جو نعمت اسلام وایمان سے محروم رہے اور ان میں محرومی کی وجہ سے باہم اتحاد بھی نہ ہو سکا۔

پس فتنۂ حُبِّ اولاد وجاہ ومالِ دنیا سے بچنے کے حقیقی سبب یعنی نعمت ایمان سے محروم اور اِس فتنہ میں مبتلا رہ کر باہم اتحاد والفت نہ ہونیکی بیجا شکایت کو مولفِ ہدیہ کسی پر قیاس کریں کہ وہ الفت کیسے حاصل ہو سکتی ہے ؎

ترجو النجاۃ ولاتسلک مسالکہا ؛ ان السفینۃ لاتجری علی الیبس

تم نجات کی آرزو رکھتے ہو اور نجات کے طریقے اختیار نہیں کرتے تو کشتی خشکی پر نہیں چل سکتی۔

حاصل کلام یہ کہ مولف صاحب ہدیہ نے اس حدیث کا جو مطلب ومعنی سمجھے اور بیان کئے ہیں وہ خود غلط اور فرامین الٰہی و فرامین مصطفوی اور تمام انبیا وخلفاء اللہ کی سنت جاریہ کے خلاف ہیں ورنہ اس حدیث کا اصلی وحقیقی مفہوم امامنا علیہ السلام پر صادق ومنطبق ہے۔ اور حدیث سے جو چار مفہوم یا چار باتیں مولف ہدیہ نے مستخرج ہونے کا دعوی کیا تھا وہ چاروں مفہوم امامنا علیہ السلام کی ذات اقدس پر صادق ہیں۔

امام مہدی علیہ السلام کے بادشاہ ہونیکی تردید | مولف صاحب ہدیہ نے "ہدیہ"

ہیں سراج الابصار کی دوسری روایت یہ لکھی ہے اور اس کا جو خلاصہ بیان کیا ہے وہ اس کے محاذی درج کردیا جاتا ہے۔

منها ما روى عن جابر بن عبد الله رضی الله عنه قال دخل رجل علی ابی جعفر محمد بن علی رضی الله عنه فقال اقبض منی هذه الخمسمائة درهم فانها زکوة مالی فقال له ابوجعفر خذ ها انت فضعها فی جیرانك من اهل الاسلام والمساکین من اخوانك المسلمین ثم اذا قام مهدینا اهل البیت قسم بالسویة وعدل فی الرعیة فمن اطاعه اطاع الله ومن عصاه عصی الله اخرجه الامام ابوعبد الله نعیم بن حماد فی کتاب الفتن قلت قد وجد القسمة بالسویة والعدل فی الرعیة ای فیمن اطاعه فقد اطاع الله واما من عصاه فقد عصی الله فلا یقبل عدله۔

روایت دوم کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص نے امام محمد باقر سے عرض کیا کہ مجھ سے یہ پانسو درہم میرے مال کی زکوٰۃ کے آپ لیجئے آپ نے فرمایا تو ہی ان کو اپنے ہمسائے مسلمانوں مساکین میں تقسیم کردے پھر جب ہم اہل بیت میں کا مہدی قائم ہوگا تقسیم برابر کی اور عدل رعیت میں کرے گا پس اس کی اطاعت و نافرمانی خدا کی اطاعت و نافرمانی ہوگی انتہی (مولف ہدیہ نے بقیہ عبارت کا ترجمہ نہیں لکھا ہے جو یہ ہے) امام ابوعبد اللہ نعیم بن حماد نے کتاب الفتن میں اس کی تخریج کی ہے۔ (مولف صاحب سراج الابصار اس روایت کے نتیجہ کے طور پر لکھتے ہیں۔) میں کہتا ہوں برابر برابر تقسیم پائی گئی اور رعیت میں یعنی ان لوگوں میں جنھوں نے آپ کی اطاعت کی عدل بھی پایا گیا جس نے آپ کی اطاعت کی پس اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے آپ کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی پس وہ آپ کے عدل کو نہیں قبول کرتا۔

جناب مولف سراج الابصار رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کے مندرجہ مضامین میں سے امام مہدی علیہ السلام کی دو صفتوں یعنی تقسیم بالسویہ اور عدل فی الرعیت سے استدلال کیا ہے کہ یہ دونوں وصف امامنا علیہ الصلوٰۃ والسلام

میں موجود تھے اصولِ مناظرہ کی رو سے یہ جائز بھی ہے کہ کسی قول کے کسی خاص حصہ سے حجت لی جائے اور اسی قول کے دوسرے حصص اس وقت مقصود بہ نہوں چنانچہ جن آیات واحادیث میں متعدد احکام مندرج ہوتے ہیں ان کے کسی خاص جز کو استدلالاً پیش کیا جاتا ہے اور دوسرے اجزاو حصص سے بحث نہیں کی جاتی مثال کے طور پر ایک آیت شریفہ "واقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وارکعوا مع الراکعین" ہی کو دیکھو جہاں نماز کی بحث ہو وہاں اقیموا الصلوٰۃ سے دلیل لیجائے گی اور اٰتوا الزکوٰۃ سے کچھ بحث نہ ہوگی لیکن جب زکوٰۃ کا ذکر ہوگا تو اسی آیت کے حصہ اٰتوا الزکوٰۃ کو استدلالاً پیش کیا جائے گا اور اقیموا الصلوٰۃ مقصود بہ نہ رہے گا۔ ایسا ہی جہاں نماز باجماعت اور اس کے متعلقات وفضائل کا بیان مقصود ہو تو وہاں آیت کے سی جز "وارکعوا مع الراکعین" سے حجت لی جاے گی اور آیت کے وہ دو اجزا معرض بحث میں نہیں آئیں گے قس علیٰ ذالک۔

ایسا ہی بہت سی احادیث ایسی ہیں جن میں ایک ہی جگہ متعدد اخلاق حسنہ یا احکام دینی درج ہیں چنانچہ بعض محدثین نے ایسی بہت سی حدیثیں علیحدہ جمع کی ہیں چنانچہ مثال کے طور پر یہی ایک حدیث دیکھو جو عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینۂ منورہ تشریف لانے کے بعد سب سے پہلی جو نصیحت آپ سے ہم نے سنی یہ تھی "یا ایہا الناس افشوا السلام واطعموا الطعام وصلوا الارحام وصلوا باللیل والناس نیام (اے لوگو علانیہ اور عام طور پر سلام کرو غریبوں کو کھانا کھلاؤ عزیزو اقارب کے ساتھ نیک سلوک کرو رات میں نماز پڑھو جب کہ لوگ سوتے ہوں) پس اس قسم کی احادیث کے مندرجہ احکام کی یہی کیفیت ہوتی ہے کہ ان میں سے جو حکم یا خلق زیر بحث ہوگا اس کیلئے حدیث کے اسی جز یا حصہ سے حجت لی جائے گی اور باقی احکام اس وقت معرض بحث میں نہیں آئیں گے۔

مولف صاحب ہدیہ کو اس روایت کی نسبت جو اعتراض ہے

انھی کے الفاظ میں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام باقرؓ نے مہدی علیہ السلام کی سلطنت و امامت ظاہری کی طرف اشارہ کیا ہے اس واسطے کہ خراج و عشر و زکوٰۃ چار پایوں چرندہ اور اموال تجارت کی تحصیل کر کے اس کے مصارف میں خرچ کرنا خلفا و سلاطین کا کام ہے۔ اور شیخ جونپوری پر بسبب فقدان سلطنت کے عہدہ اخذ زکوٰۃ کا حوالہ نہیں ہو سکتا۔ (ہدیہ ۱۲۸ و ۱۲۹)۔

اس اعتراض کا جواب دینے یا اس کی تردید کرنے سے پہلے ناظرین کرام پر ایک بات واضح کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مولف ہدیہ نے دلیل پانزدہم کے ضمن میں روایات مندرجۂ سراج الابصار پر ترتیب وار بحث شروع کرنے سے قبل مہدویہ پر یہ غلط طعن کیا ہے کہ وہ کسی حدیث کا ایک ٹکڑا اپنے موافق اور دوسرا مخالف دیکھتے ہیں تو اس میں قطع و برید کر کے پارۂ موافق کو نقل کرتے ہیں، خدا کی شان ہے کہ اس روایت کے متعلق انھوں نے جو کچھ لکھا ہے خود بھی اسی طعن پر عمل پیرا ہوئے ہیں بلکہ دو چار قدم اس سے بھی آگے نظر آتے ہیں کیونکہ انھوں نے جو کچھ لکھا ہے اس کا کوئی ٹکڑا بھی اصل روایت میں نہیں ہے چنانچہ اس اعتراض کی جوابی تقریر یہ ہے کہ مولف ہدیہ کا قول کئی وجوہ سے مخدوش ہے۔

اولاً۔ امام محمد باقرؓ کے اس واقعہ سے امام مہدی علیہ السلام کی سلطنت و بادشاہت کی طرف اشارہ سمجھنا صاف غلط ہے کیونکہ اس روایت میں سلطنت و بادشاہت کا ذکر ہی نہیں ہے بلکہ اس میں کوئی ایسا جملہ بھی نہیں ہے جو امام مہدی علیہ السلام کے بادشاہ صاحب ملک و سلطنت ہونے پر دلالت کرتا ہو۔

ثانیاً۔ اس روایت میں عشر و خراج چار پایوں چرندہ یا اموال تجارت کی زکوٰۃ بھی کہیں مذکور نہیں ہے یہ بھی مولف صاحب ہدیہ کی ایزاد و ایجاد ہے جس کو سلطنت کا مفہوم ثابت کرنے کے لئے بڑھا دیا ہے اور اصل روایت میں ان کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔

ثالثاً۔ عشر و خراج اور زکوٰۃ کو ایک ہی حکم میں شمار کیا ہے حالانکہ ان کے

متعلقہ احکام میں بیّن فرق ہے ۔

رابعاً ۔ مال زکوٰۃ کی وصول تحصیل اور اس کی تقسیم کا مدار علیہ بھی خلفاء سلاطین ہی کو قرار دیا ہے حالانکہ زکوٰۃ خلفاء وسلاطین ہی کو دنیا ضروریات سے نہیں بلکہ زکوٰۃ دینے والے کو اختیار ہے کہ زکوٰۃ کے مصرف جو آٹھ اصناف پر ہیں ان تمام اصناف میں تقسیم کرے یا کسی ایک ہی صنف کو دے یا کسی صنف کے ایک ہی شخص پر اختصار کر دے جیسا کہ ہدایہ و فتح القدیر وغیرہ کتب فقہ میں ہے چنانچہ اس روایت میں جو واقعہ مذکور ہے اس سے بھی ثابت یہی ہوتا ہے کہ صاحب مال نے زکوٰۃ کا مال خود لایا ہے کسی حاکم نے وصول نہیں کیا ہے اور مولف ہدیہ کے بیان کے موافق (اگرچہ وہ صحیح نہیں معلوم ہوتا) امام محمد باقرؓ نے اسکو بطور خود مستحقین میں تقسیم کر دینے کا حکم دیا ہے۔ اگر خلفاء وسلاطین ہی کو دینا ضروری ہوتا تو آپ خلیفۂ وقت کے پاس لے جاکر داخل کرنے کا حکم دیتے پس ان تمام وجوہ سے اس روایت سے امام مہدی علیہ السلام کے بادشاہ اور سلطان ہونے کا نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہے پھر مولف صاحب ہدیہ کا یہ کہنا کہ قسمت بالسویہ کا اشارہ طرف سلطنت اور خلافت عامہ کے ہے یا مہدی علیہ السلام تمام بلاد اسلامیہ کے شرق سے غرب تک حاکم ہوکر عدل و داد کرنے کا مفہوم نکالنا بالکل ایسا خود ساختہ مضمون ہے کہ اس روایت میں اس کا ذکر صراحتاً یا کنایتہً واشارۃً نہیں ہے اور نہ کسی دوسری احادیث سے بھی جو امام مہدی علیہ السلام کی شان میں یہ بات نصاً ثابت ہے ۔

اگر اس روایت سے امام محمد باقرؓ کا منشا امام مہدی علیہ السلام کے دنیوی بادشاہ ہونے کو ثابت کرنا سمجھا جائے تو امام ممدوح کا یہ قول اُن روایتوں کے متعارض و متضاد ہونا لازم آئے گا جن سے ظاہری و دنیوی بادشاہ ہونے کی نفی ہوتی ہے جیسے الدنیا لاینبغی لمحمد ولا لآل محمد (دنیا محمد اور آل محمد کے لئے نہیں چاہیئے) مہدی علیہ السلام بھی آل محمد سے ہیں اسلئے یہ دنیاوی بادشاہت بھی آپ کو نہیں حاصل ہونا چاہیئے جس طرح خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی

حاصل نہیں تھی

حضرت عمر کا حضرت امام حسین رضہ سے یہ کہنا کہ واللہ لا یلیہا احد منکم ابدا (اللہ کی قسم تم میں سے کوئی کبھی خلافت کا والی نہ ہوگا) چنانچہ امام مہدی علیہ السلام کے بادشاہ نہ ہونے کے دلائل اس سے پہلے لکھی گئی ہیں۔ جن کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔

خامساً اگر مولف ہدیہ کو لفظ رعیت سے مہدی علیہ السلام کے بادشاہ ہونے کا دھوکہ ہوا ہے اور اسی لحاظ سے انھوں نے مہدی علیہ السلام کی بادشاہت وسلطنت کا تصور کر لیا ہے تو یہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ رعیت کا اطلاق بادشاہت وسلطنت کے لئے مستلزم نہیں ہے بلکہ اہل وعیال۔ خادموں۔ طالبوں۔ ماتحتوں اور محکوموں پر بھی رعیت کا اطلاق ہوتا ہے چنانچہ خود مولف ہدیہ نے حدیث " کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ " (تم میں ہر شخص صاحب رعیت ہے اور ہر شخص سے اسکی رعیت کی نسبت پرسش ہوگی (ہدیہ ص) نقل کر کے ہزاروں لاکھوں اشخاص پر بغیر بادشاہت وسلطنت کے اس لفظ رعیت کا اطلاق درست ہونے کا اعتراف کیا ہے۔

پس اگر رعیت کے لفظ سے بادشاہت وسلطنت کا تصور لازم ہے تو ان ہزاروں لاکھوں اشخاص پر بھی بادشاہ وسلطان کا تصور کر لیا جائے اور اگر رعیت کے لفظ سے بادشاہت وسلطنت کا وجود لازمی نہیں ہے تو پھر یہاں بھی بادشاہت وسلطنت کے تصور کے بغیر رعیت کا اطلاق درست ہونے کو ماننا چاہئے یہی وجہ ہے کہ جناب مولف سراج الابصار رضہ نے اسی حقیقت کو پیش نظر رکھا ہے اور رعیت میں عدل کرنے کی تفسیر اپنے مطیعین ومتبعین میں عدل کرنا بیان کیا ہے جو تمام اصناف رعایا کو اور عدل کے مفہوم عام کی تمام صورتوں کو حاوی ہے اور تمام انبیا وخلفاء اللہ جو ظاہری بادشاہ نہیں تھے اسی اعتبار سے صفت عدالت سے متصف ثابت ہو سکتے ہیں کہ ان کی امت ان کی رعیت تھی اور یہ باطنی وروحانی ودینی حاکم تھے ورنہ ان کی جناب میں یہ بے ادبی کرنا ہوگا کہ انبیا علیہم السلام بلکہ افضل الانبیا والمرسلین صلعم بھی

صفت عدل سے متصف نہیں تھے یا صفت عدل ان سے ظاہر نہیں ہو سکی کیونکہ وہ ظاہری بادشاہ و سلطان نہیں تھے۔

مولف صاحب ہدیہ نے اس روایت کے مضمون کا خلاصہ بیان کر چکنے بعد یہ لکھا ہے کہ "سائل کے سوال کے جواب میں مہدی کے تذکرہ کو کچھ مناسبت نہیں ہے جب تک مہدی کی سلطنت کی طرف اشارہ نہ لیا جائے امام ابوجعفرؒ کا جواب نامربوط رہتا ہے" اسی سے مولف ہدیہ کی اصل غلطی کا سراغ مل رہا ہے کہ مولف ہدیہ نے مہدی علیہ السلام کا بادشاہ ہونا فقط سوال و جواب میں ربط پیدا کرنے کے لئے تصور کر لیا ہے ورنہ حضرت امام ابوجعفر نے نہیں فرمایا ہے اور اصل روایت کے الفاظ و عبارت سے بھی یہ مستفاد نہیں ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ سوال و جواب میں ربط پیدا کرنے کی ضرورت کیا ہے جیساکہ اس سے پہلے بیان کیا گیا ہے کہ ایک حدیث یا آیت میں ایسے متعدد احکام ہو سکتے ہیں جن میں باہم کوئی ربط نہ ہو۔

اگر بقول مولف ہدیہ ربط پیدا کرنے کی ضرورت ہی فرض کر لی جائے تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ ادائے زکوٰۃ کے مفصل احکام اگرچہ کتب فقہ میں بیان ہوئے ہیں لیکن ان پر جیسا چاہئے عمل کہاں ہو رہا ہے اس لئے امام ابوجعفرؒ نے حقیقی اور کامل عمل کی مثال میں امام مہدی علیہ السلام کی ذات اقدس کو پیش کیا ہے کہ آپ تقسیم بالسویہ اور عدل فی الرعیہ فرمائیں گے اس سے حضرت ابوجعفرؓ کا مقصد اس شخص کو جس نے زکوٰۃ کا مال پیش کیا تھا یہ ہدایت کرتا تھا کہ زکوٰۃ کا مال مستحقین کو احکام فقہ کے موافق دیا جانا چاہئے۔

اگرچہ امام مہدی علیہ السلام کا ذکر اس روایت میں ضمناً آگیا ہے لیکن یہ روایت بھی امام مہدی علیہ السلام کی پیشین گوئی ہے جس میں تقسیم بالسویہ اور عدل فی الرعیہ کے دونوں وصف کو امام ؑ کی علامت بتایا گیا ہے چنانچہ یہ علامتیں امامنا علیہ السلام میں بدرجۂ اتم موجود تھیں جیساکہ حضرت مولف سراج الابصار ؒ نے بیان فرمایا ہے۔ لیکن پھر بھی اس سے سلطنت و بادشاہت

ظاہری کا مفہوم مستفاد نہیں ہوتا کیونکہ تقسیم بالسویہ اور بادشاہت ظاہری لازم و ملزوم نہیں بلکہ اس کے لئے یہ صحیح توجیہ کیوں نہ کی جائے کہ حضرت امام ابوجعفرؓ کو امام مہدی علیہ السلام کی اعلیٰ شان و منزلت سے سائل اور تمام اہل اسلام کو مطلع کرنا مقصد تھا کہ آپ کے منصب خلافت الٰہی سے لوگ واقف ہوں اور بدل و جان آپ کے مشتاق اور بکمال عقیدت آپ کے ظہور و بعثت کے منتظر رہیں۔ چنانچہ اسی مقصد و منشا کی تائید روایت کے ان الفاظ سے ہوتی ہے کہ آپ نے اس کے بعد یہ فرمایا ہے کہ فمن اطاعہ فقد اطاع اللہ ومن عصاہ فقد عصیٰ اللہ (جو مہدی علیہ السلام کی اطاعت کرے اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے آپکی نافرمانی کی گویا اس نے اللہ کی نافرمانی کی) ظاہر ہے کہ ان منقبتی جملوں سے امام مہدی علیہ السلام کی خلیفۃ اللّٰہی شان صاف اور واضح طور پر عیاں ہے کیونکہ "من طاعہ فقد اطاع اللہ" آیت شریفہ "من یطع الرسول فقد اطاع اللہ" کی پوری تضمین ہے جو خلیفۃ اللہ ہی کے لئے مخصوص اور موزوں ہوسکتی ہے نہ کہ کسی بادشاہ کے لئے۔ ایک معمولی سمجھ کا مسلمان بھی اپنے اسلامی عقائد کے لحاظ یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ کسی دینوی و ظاہری بادشاہ کی اطاعت و نافرمانی اللہ تعالیٰ کی عین اطاعت و نافرمانی نہیں کہی جاسکتی یہ تو خلفاء اللہ ہی کی مخصوص شان ہے کہ ان کی اطاعت بغیر کسی تاویل کے عین اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور انکی نافرمانی عین اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہے۔ پس اس روایت سے امام مہدی علیہ السلام کے ظاہری و دنیوی بادشاہ اور سلطان ہونے کا تصور کرنے کے عوض جس کا کوئی صحیح ماخذ اور اصل نہیں ہے آپ کے خلیفۃ اللہ ہونے کا تصور زیادہ مناسب و موزوں اور روایت کے الفاظ وسیاق کلام کا قریبی مفہوم ہے اسی سے یہ روایت ان مرفوع احادیث (یعنی خاص رسول اللہ صلعم کے فرامین) سے بھی جن میں امام مہدی علیہ السلام کی ذات خلیفۃ اللہ ہونے کے صاف و صریح الفاظ وارد ہیں ٹھیک ٹھیک مطابق ثابت ہوتی ہے۔ اور اسی سے "کالشمس فی نصف النہار" ظاہر ہے کہ

یہ روایت اما منا مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلافِ حال نہیں بلکہ آپ پر پوری پوری صادق و منطبق ہے۔

مہدی علیہ السلام کا ذکر اسفار انبیا میں ہونے کی بحث۔

تیسری روایت جو مولف ہدیہ نے لکھی ہے اور اس کا جو خلاصہ بیان کیا ہے یہ ہے۔

منها ماروی عن کعب الاحبار ان قال انی لاجد المهدی مکتوباً فی اسفار الانبياء ما فی حکمه ظلم ولا عيب. اخرجه الامام ابو عبدالله نعيم بن حماد ـ قلت قد تحقق الرواية عن المهدیؑ انه قال ذکری فی کتاب الله وکتب الانبياء ولم يکن فی حکمه ظلم ولا عيب کما هو المشهور۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ کعب نے فرمایا کہ میں مہدی کو اسفار انبیا یعنی انبیاء کی کتابوں میں لکھا ہوا پاتا ہوں کہ اس کے حکم میں ظلم و عیب نہ ہوگا اس روایت کی امام ابو عبداللہ نعیم بن حماد نے تخریج کی ہے۔ (مولف سراج الابصارؒ فرماتے ہیں کہ) اما منا مہدی علیہ السلام سے بھی یہی روایت ثابت و متحقق ہے کہ آپ نے فرمایا ہے "قرآن میں اور انبیا کی کتابوں میں میرا ذکر ہے۔ اور آپ کے حکم میں کوئی عیب اور کسی طرح کا ظلم نہیں تھا جیسا کہ یہ بات مشہور ہے۔

مولف صاحب ہدیہ کو اس روایت کے متعلق دو اعتراض ہیں۔

اول یہ کہ کیونکر معلوم ہوا کہ کتب انبیا میں تمہارا ذکر ہے وہاں ذکر امام مہدی کا ہے تمہارا مہدی ہونا کہاں سے ثابت ہوا یہ مصادرہ علی المطلوب ہے۔

دوم یہ کہ مہدویوں کا یہ دعوی کہ ہمارے مہدی کے حکم میں ظلم و عیب نہیں ہے بلا دلیل ہے چنانچہ اس کی شرح دلیل اخلاق میں آئے گی۔

مولف ہدیہ کا پہلا اعتراض اس قدر نامعقول ہے کہ اس کا جواب ادا کرنے کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ حضرت سرور کائنات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر انبیا و سابقین کی کتابوں میں یقیناً موجود ہے اور اس پر بعض معاندین اسلام کا بھی یہی اعتراض ہے کہ "توریت وغیرہ میں ایک نبی کی بعثت کا ذکر ہے محمد عربی کا ذکر کہاں ہے"

مولف ہدیہ کے اس اعتراض کی بھی ٹھیک یہی مثال ہے گویا مولف ہدیہ معاندین اسلام کے نقش قدم پر چلے ہیں۔ پس معاندین اسلام کا جو جواب اہل اسلام ادا کرتے ہیں وہی مولف ہدیہ کے اس نامعقول اعتراض کا جواب مہدویہ کی طرف سے ہوسکتا ہے۔ چنانچہ ہم مسلمان ہونے اور پیغمبر اسلام کی صداقت پر کامل ایمان رکھنے کی حیثیت سے یہ یقین کامل اور اعتقاد جازم رکھتے ہیں کہ انبیاء سابقین کی کتابوں میں جو بشارتیں نبی آخرالزماں کے ظہور وبعثت کے متعلق آئی ہیں ان سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات اقدس مراد ہے کوئی اور نہیں ہے۔ کیونکہ جو علامات ونشانیاں ان بشارتوں میں بتائی گئی ہیں وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی میں پائی جاتی ہیں۔ کیا مولف ہدیہ کے نزدیک یہ مصادرہ علی المطلوب ہے!

اسی طرح ہمارے اعتقاد میں امامنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات اقدس ہی موعود حقیقی ہے کوئی اور دوسرا نہیں ہے اس لئے اسفار انبیا میں جو مہدی کا ذکر کعب احبار نے بیان کیا ہے یا کتب احادیث میں امام مہدیؑ کا جو ذکر یا جو شان ومنزلت مذکور ہے ان سب سے مراد اور ان کے مصداق امامنا مہدئ موعود علیہ السلام ہی ہیں اس لئے کہ وہ تمام علامات ونشانیاں جو امام مہدی علیہ السلام کی نسبت احادیث سے بتواتر یا بشہرت ثابت اور عندالایمہ معتبر ہیں وہ آپ کی ذات اقدس میں مجتمع پائی جاتی ہیں یہ بھی کسی طرح مصادرہ علی المطلوب نہیں ہے۔

غرض جب انبیاء سابقین کی کتابوں میں مہدی علیہ السلام کا ذکر موجود ہونا کعب احبار کی روایت سے اور خود مولف ہدیہ کے اقرار سے جو سر دفتر اہل انکار ہیں ثابت ہے تو اب صرف مہدئ موعود علیہ السلام کی ان آثار وعلامات کے تعین کرنے پر بحث ختم ہو جاتی ہے جو احادیث صحیحہ سے متواتر یا بشہرت ثابت اور عندالایمہ معتبر ہیں کہ وہ کیا ہیں اور امامنا مہدئ موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات اقدس میں موجود ہیں یا نہیں۔

لیکن مولف ہدیہ نے بعض ایسی غیر صحیح علامات کو بھی بزعم خود معتبر وصحیح قرار دے لیا ہے جن کا کوئی اصل نہیں ہے اور عندالایمہ بالکل غیر معتبر ہیں جیسے امام مہدی علیہ السلام کا بادشاہ ہفت اقلیم ہونا۔ اور کل روے زمین کا عدالت سے

ایسا بھر جاتا کہ اختلافات ونزاعات کا نام تک دنیا میں نہ رہے۔ نیز عیسیٰ و مہدی علیہما السلام کا بیک وقت جمع ہونا۔ زمین کے خزانے آپ کے زمانہ میں ظاہر ہوجانا وغیرہ عـــہ حالانکہ یہ امور ایسے ہیں جو قرآن شریف اور احادیث صحیحۂ معتبرہ کے سراسر مخالف اور عندالائمہ درجۂ اعتبار سے ساقط ہیں چنانچہ اس کی تفصیلی بحث اس کتاب میں متعدد

عـــہ۔ ناظرین کرام کو مولف صاحب ہدیہ کی طرف سے اس طرح کی لاطائل شرائط وعلامات قرار دیئے پر جن کا کوئی صحیح ماخذ نہیں ہے بلکہ من مانے طور پر تاویلات بعیدہ کرکے نکالی گئی ہیں اور پھر آیات قرآنی اور دوسری احادیث صحیحۂ معتبرہ کے مخالف بھی ہیں کوئی حیرت نہ ہونی چاہئے کیونکہ خلفاء اللہ یعنی انبیاء و مرسلین کے منکرین کی طرف سے اس قسم کے اعتراضات و عذرات ہمیشہ ہوا کئے ہیں مثلاً آدمی کے عوض کوئی فرشتہ رسول بناکر بھیجنے کا عذر پیش کیا گیا ہے جس کے جواب میں ارشاد باری تعالیٰ ہوا کہ

قل لو کان فی الارض ملائکۃ یمشون مطمئنین لنزلنا علیہم من السماء ملکاً رسولاً	کہہ دو کہ اگر زمین میں فرشتے اطمینان سے چلتے پھرتے (بستے) ہوتے تو ہم فرشتہ ہی کو آسمان سے پیغمبر بناکر ان کے پاس بھیجتے۔

خاص کر افضل الانبیاء والمرسلین کے منکرین نے حضرت کی ہدایت سے بھاگنے کے لئے ایسے ہی لاطائل عذرات جن کا کوئی اصل اور صحیح ماخذ نہ تھا پیش کئے تھے چنانچہ قرآن خود ان کو بیان فرماتا ہے

قالوا لن نؤمن لک حتی تفجر لنا من الارض ینبوعاً او تکون لک جنۃ من نخیل و عنب فتفجر الانہار خلالہا تفجیرا او تسقط السماء کما زعمت علینا کسفا او تاتی باللہ والملائکۃ قبیلا او یکون لک بیت من زخرف او ترقی فی السماء ولن نؤمن لرقیک حتی تنزل علینا کتابا نقرءہ۔	اے پیغمبر کفار کہتے ہیں کہ ہم اس وقت تک آپ پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک آپ زمین سے ہمارے لئے چشمہ جاری نہ کریں یا آپ کے لئے کھجور اور انگور کا باغ نہ ہو جس کے درمیان آپ نہریں بہائیں یا جب تک آپ اپنے بیان کے مطابق آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے نہ گرائیں یا آپ اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کو روبرو لاکر نہ کھڑا کریں یا آپ کا خالص سونے کا مکان نہ ہو یا آپ آسمان پر نہ چڑھ جائیں آپ کے چڑھ جانے پر بھی ہم [illegible]

موقعوں پر ہوئی ہے۔ حاصل یہ کہ جو باتیں عندالایمہ معتبر نہیں ہیں ان کا مولف ہدیہ کو اقرار ہے اور جو امور عندالایمہ معتبر ہیں ان کا انکار ہے بلکہ ان کو بالکل معمولی اور غیر مخصوص قرار دینے کی جرأت بیجا اور مشاہیر ایمہ کی تحقیق سے علانیہ روگردانی کی ہے۔

مولف ہدیہ کا یہ قول ان کی سب غلط فہمیوں پر طرہ ہے جو وہ کہتے ہیں کہ کعب احبار کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ مہدی کا ذکر قرآن میں نہیں ہے سبحان اللہ کیا فہم رسا ہے اگر کعب احبار نے یہ کہا کہ انبیائے سابقین کی اسفار میں مہدی کا ذکر میں پاتا ہوں تو اس سے آپ کا ذکر قرآن میں نہ ہونا کس طرح لازم آگیا۔

ابوہریرہ سے ایک حدیث مروی ہے جس کا خلاصۂ مضمون یہ ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینۂ طیبہ کو تشریف لانے کے بعد یہود سے دریافت فرمایا کہ تم میں سب سے بڑا عالم کون ہے انھوں نے عبداللہ بن صوریا کا نام بتایا حضرت نے عبداللہ سے علیحدہ ملاقات کی اور پوچھا کیا تو جانتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں عبداللہ نے کہا ہاں میں جانتا ہوں اور میری قوم بھی جانتی ہے آپ کی صفت ونعت توریت میں بیان ہوئی ہے لیکن یہ لوگ آپ سے حسد کر رہے ہیں۔ (اظہار الحق)

پس مولف ہدیہ کے قول کے مطابق رسول اللہ صلعم کے اوصاف توریت میں

بقیہ حاشیہ صفحہ (۴۱۹) نہ لائیں گے جب تک ہم پر آپ کوئی کتاب نہ اتاریں جس کو ہم پڑھیں۔

ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ لاطایل خیالات صحت نبوت ورسالت کی نہ علامات ہوسکتی ہیں نہ شرائط نہ اس کے موقوف علیہ اسی لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان سب خیالات اور تنگ بندیوں کا یہی ایک جواب دیا گیا ہے۔

قل سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولا | اے پیغمبر کہدو کہ اللہ پاک ہے اور میں ایک بشر اور رسول ہوں

یعنی سب انبیا کی سنت اور فطرت انسانی کے خلاف کوئی بات میری نبوت ورسالت کی صحت وصداقت کے لئے مشروط نہیں ہوسکتی۔ پس اسی عادت مستمرہ کے مطابق جو منکرین نبوت کی رہی ہے امام علیہ السلام کی بعض غیر صحیح علامتیں قرار دے لی گئی ہیں تو وہ نہ علامات مہدیت ہوسکتی ہیں اور نہ اس کے موقوف علیہ اور نہ ان کا پایا جانا ضروری ہے ۱۲ شہاب بن نصرت غفرلہا۔

بیان ہونے سے حضرت کا ذکر قرآن میں نہ ہونا لازم آنا چاہئے ظاہر ہے کہ ایسا نتیجہ نکالنا صریح غلط ہے۔ پس امام مہدی علیہ السلام کا ذکر بھی اسفار انبیا میں ہونے سے قرآن میں آپ کا ذکر نہ ہونا کبھی لازم نہیں آسکتا اور کعب احبار کے اس قول سے یہ نتیجہ نکالنا کھلی گمرہی ہے۔ بلکہ اسفار انبیا میں امام مہدی کا ذکر ہونا قرآن شریف میں آپ کا ذکر ہونے کی تاکید و تاسیس ہے کیونکہ جب اسفار میں آپ کا ذکر ہے تو خود قرآن میں کیونکر نہ ہوگا بلکہ مہدی علیہ السلام کا ذکر قرآن شریف میں اسی طرح موجود ہے جس طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر توریت وغیرہ میں موجود ہے

عہ۔ میں کہتا ہوں کہ مولوی محمد زماں صاحب کو وہ دعویٰ کہ نہیں ہے کہ وہ اخبار مغیب کو قرآن شریف میں پاسکیں مجھے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ منجملہ ان اخبار مغیب کے جو امام مہدی علیہ السلام کی شان میں قرآن شریف میں موجود ہیں بعض کو اس جگہ ذکر کروں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے سوف یاتی اللّٰہ بقوم یحبھم ویحبونہ آلایۃ ملاحظہ فرمایا جائے کہ وہ حرف با جو "بقومٍ" میں ہے دو حال سے خالی نہیں ہے اول یہ کہ بائے مصاحبت ہوگا دوم یہ بائے تعدیہ ہوگا۔ دوسری جہت کے اعتبار سے آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ ایک قوم کو لائے گا جس کو وہ دوست رکھیگا اور وہ قوم اس کو دوست رکھے گی۔ اب غور کیا جائے یہ آیت جس میں ایک معزز و مکرم قوم کے پیدا ہونے کی خبر دیگئی ہے وہ قوم صحابہ و تابعین رسول اللہ صلعم نہیں ہوسکتی کیونکہ "سوف" جو زمانہ آیندہ کے لئے مخصوص ہے زمانہ مستقبل بعید کی خبر دے رہا ہے وہ موجودہ اصحاب پر کیونکر محمول ہوسکے گا اور تابعین پر بھی اس وجہ سے محمول نہیں ہوسکتا کہ وہ استقبال بعید کے لئے موضوع ہے پس بالضرور اس قوم سے وہ قوم مراد ہوگی جس کا زمانہ آنحضرتؐ اور صحابہ و تابعین کے زمانے سے بعید ہو۔ یہ نہ خیال کیا جائے کہ اس قوم سے عیسیٰؑ مراد ہے کیوں کہ حضرت عیسیٰؑ کا زمانہ بالاتفاق آخر زمانہ ہے اور مہدیؑ کا زمانہ وسط امت ہے چنانچہ مجیب علامہ نے اس کو ثابت کر دیا ہے صوف کا لفظ اگرچہ وہ استقبال بعید پر دلالت کرتا ہے مگر آخر زمانہ پر دلالت نہیں کرتا پس اس سے مطلق استقبال بعید ہی مراد ہوگا اگر یہ کہا جائے کہ یہ بنسبت صحابہ کے تابعین کا زمانہ بھی استقبال بعید ہے پس اس قوم سے تابعین مراد ہوں گے میں کہتا ہوں کہ امام مہدی علیہ السلام کا ظہور دفع ہلاکت امت کے لئے ہونا احادیث سے ثابت ہے تو یہ اشارہ ہے کہ جب امت میں اسباب

قرآن میں مہدی کا ذکر ہونے کی بحث

دوسرا جواب یہ ہے کہ مولف ہدیہ نے اکثر موقعوں پر مفسرین سے بڑی خوش اعتقادی ظاہر کی ہے بعض جگہ تو مفسرین کے اقوال کو احادیث رسول اللہ کے ہم پایہ اور مفسرین کے اقوال کی مخالفت اور احادیث رسول اللہ کی مخالفت ایک سی ہونا ظاہر کیا ہے چنانچہ لکھا ہے کہ "مسلمان کو چاہئے کہ اپنے احوال کو احادیث و تفاسیر سے مقابل کر کے آزمائے جو موافق نکلے اس پر ثابت رہے اور جو مخالف پاوے اس سے توبہ کرے" گویا احادیث رسول اللہ اور اقوال مفسرین کا ایک ہی حکم اور ایک ہی درجہ ہے۔ حالانکہ احادیث رسول اللہ قول و فعل معصوم ہیں اور مفسرین غیر معصوم۔ کہیں مولف ہدیہ نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ مفسرین نے جو کچھ لکھا ہے روایت کے موافق لکھا ہے جو آیت جس کی شان پر لکھی ہے یا جس آیت سے جو مراد و منشا یا غرض و مفاد لکھا ہے وہ صحیح ہے۔ کہیں لکھا ہے کہ

بقیہ حاشیہ صفحہ (۴۲۱) - ہلاکت پیدا ہو جائیں اس وقت مہدی علیہ السلام کا ظہور ہونا چاہئے تابعین تو خیر القرون میں ہیں جن میں اسباب ہلاکت پیدا نہیں ہو سکتے لہذا تابعین و تبع تابعین وہ قوم بھی نہیں ہو سکتے جس قوم کا وعدہ کیا گیا ہے۔ غرض اس قوم سے قوم مہدیؑ مراد ہوگی اور دوسرا قول اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک قوم کو لائے گا اور پہلا قول اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک قوم کے ساتھ آئے گا اور بوجوہ مذکورہ قوم سے مراد قوم مہدی ہوگی اور اللہ سے مراد ذات مہدی ہوگی کتب انبیا میں بھی امور مغیبہ کا بیان اسی طرح ہوا ہے چنانچہ اردو ترجمہ توریت کتاب پنجم باب ۳۳ - ۲ میں ہے "اور کہا خدا سینا سے نکلا اور سعیر سے چمکا اور فاران کے پہاڑ سے ظاہر ہوا اس کے داہنے ہاتھ میں شریعت ساتھ لشکر ملائکہ کے تھا۔ اس آیت میں سینا سے خدا نکلنے اور سعیر سے چمکنے اور فاران کے پہاڑ سے ظاہر ہونے سے موسیٰ اور عیسیٰ اور محمد صلعم کا ظہور مراد ہے پس جس طرح خدا کے ان خلیفوں کے ظہور کو خود خدا کے نکلنے سے تعبیر کیا گیا ہے اس طرح خدا کے آنے سے خدا کے خلیفہ مہدی علیہ السلام کا آنا مراد ہو سکتا ہے اور یہ تقریر میں نے آیت کے الفاظ اور کتب انبیا کے دستور کے مطابق کی ہے۔ واللہ اعلم۔

اشرف کان اللہ لہ

ان مفسرین کے بیان کے بغیر ہم قرآنی معانی جان نہیں سکتے گویا مولف ہدیہ کے قول کے مطابق مفسرین کا قول عین مفہوم قرآن ہے بلکہ بعینہ خدا و رسول کا فرمان ہے۔ اگرچہ ہمکو مولف ہدیہ کے ان اقوال سے اس حد تک اتفاق نہیں ہے اور ہم نے ہر موقع ان پر تنقید و تبصرہ کیا ہے لیکن خود مولف صاحب ہدیہ تو اپنے ان اقوال کے پابند ہیں اور ان کو پابند رہنا چاہئے پس امام مہدی علیہ السلام کا ذکر قرآن میں موجود ہونے کی بحث کے ضمن میں مفسرین نے جو کچھ وضاحت کی ہے وہ مولف ہدیہ کو تسلیم ہونا بلکہ مفسرین کے اقوال سے جو بات ثبوت و تحقیق کو پہنچے اس کو بے شک و شبہ قرآن کا مفہوم و منشاء ماننا ضرور ہے۔

اب ملاحظہ کیجئے کہ مفسرین نے کن کن آیتوں سے کیا کیا مراد لی ہے اور آیات قرآنی کی کیا کیا توجیہات کی ہیں۔

تفسیر تاویلات القرآن میں آیت عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محمودا کے تحت لکھا ہے کہ مقام محمود سے مراد ولایت محمدیہ ہے جس کے خاتم امام مہدی علیہ السلام ہیں اور بیعثک ربک کے جملہ میں کاف خطاب کا اشارہ ذات مہدی علیہ السلام کی طرف ہے جو نبینا محمد صلعم کا باطن ہیں۔

تفسیر تاویلات ہی میں آیت الٓمٓ ذالک الکتاب لاریب فیہ کی یہ تفسیر کی ہے۔

ذالک الکتاب الموعود بانہ یکون مع المہدی فی آخر الزمان لا یقرہ کما ھو بالحقیقۃ الا ھو۔	وہ موعود کتاب جو آخر زمانہ میں مہدیؑ کے ساتھ ہوگی اس کو جیسی کہ وہ حقیقت میں ہے سوائے مہدیؑ کے کوئی نہیں پڑھے گا۔

تفسیر تاویلات کے اکثر مقامات پر اسی طرح تفسیر کی گئی ہے اور کئی آیتوں سے مراد مہدی علیہ السلام ہونا بیان کیا ہے جن کی تفصیل مناسب موقع و محل پر پیش کیگئی ہے۔

تفسیر نیشاپوری میں آیت کریمہ "سوف یاتی اللہ بقوم یحبہم ویحبونہ" سے قوم مہدی مراد لکھا ہے۔ صاحب فتوحات مکیہ جو بڑے محقق اور بڑے مفسر بھی ہیں جنہوں نے (۹۵) جلدوں میں قرآن کی تفسیر لکھی ہے آیت "قل ھذہ سبیلی ادعوا الی اللہ علیٰ بصیرۃ انا ومن اتبعنی" کے تحت فرماتے ہیں کہ من اتبعنی سے مراد

امام مہدی علیہ السلام ہیں جو جناب خیر الانام کے تابع تام ہیں۔

تفسیر کشف الحقائق کا قول سب سے زیادہ واضح اور مفصل ہے۔ یہ قول اس کتاب کے باب ہشتم کے مطلب دوم میں پورا نقل کیا گیا ہے۔ لیکن یہاں اس کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے جو یہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں مہدیؑ کے نام کو نبی صلعم کے نام کی رعایت کر کے صراحتہً بیان نہیں کیا ہے کیونکہ مہدی کی دعوت مثل نبی صلعم کی دعوت کے ہے اور مہدی علیہ السلام کا علم و صبر و توکل و ذات وصفات مثل ذات وصفات نبی صلعم کے ہی ہیں پس ایک کا ذکر گویا دوسرے کا ذکر ہے مہدی کا ذکر قرآن میں ضمناً وکنایتاً ایسا ہے جیسا کہ نبی صلعم کا ذکر تمام قرآن میں لفظ "قل" کے بعد منوی ومستتر ہے کیوں کہ لفظ "قل" اصل میں "قل انت یا محمد" کے معنی میں ہے۔

ان کے علاوہ اور بھی کئی آیتوں میں امام مہدی علیہ السلام کی طرف اشارہ اور ان سے امام علیہ السلام ہی مراد ہونے کی نسبت مفسرین کے بہت سے اقوال ہیں جن کا استیعاب دشوار ہے پس ان صاف و صریح شواہد کے ہوتے مولف ہدیہ قرآن شریف میں امام مہدی علیہ السلام کا ذکر ہونے کا کبھی انکار نہیں کر سکتے جب کہ ان کے معتقد علیہ مفسرین کے اقوال موجود ہیں۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ ان مذکورہ وجوہ کے قطع نظر خود مولف صاحب ہدیہ سے پوچھا جاتا ہے کہ امام مہدی علیہ السلام کا ذکر قرآن شریف میں ہونا اثبات مہدیت اور اس جناب والا کی رفعت شان و منزلت کے لئے ضروری ہے یا نہیں؟ اگر آپ کے پاس امام مہدی علیہ السلام کا ذکر قرآن میں ہونا ضروریات سے نہیں ہے تو پھر یہ اعتراض ہی سراسر مہمل اور بیجا ہے ایسی صورت میں اگر فرض بھی کر لیں کہ حضرت کا ذکر قرآن میں نہیں ہے تو اس سے کوئی نقصان عاید نہیں ہو سکتا۔

اور اگر اثبات مہدیت کے لئے آپ کا ذکر قرآن میں ہونا ضروری ہے تو آپ کے مزعومہ مہدی کا ذکر بھی جن کے آپ منتظر ہیں قرآن میں ضرور ہونا چاہئے جس کے بغیر وہ مہدی نہیں ہو سکتے پس فرمایئے کہ آپ کے مہدئ منتظر کا ذکر قرآن میں کہاں اور کس طرح ہے وہ جناب عنقا صفت قرآن میں کنایتہً یا اشارۃً یا دلالتہً مذکور ہوئے ہیں یا نصاً

وصراحتہ۔ آپ ان کا قرآن میں جو بھی اور جس طرح بھی پتہ بتائیں گے وہی ہمارا بھی جواب ہوگا۔

دوسرا اعتراض یعنی آپ کے احکام میں ظلم وعیب ہونے کا ادعا بھی غلط ہے کیونکہ امام علیہ السلام کے احکام ظلم وعیب سے پاک ہونا آپ کے خلیفۃ اللہ اور معصوم عن الخطا ہونے کی جہت سے ایسا مسلمہ مسئلہ ہے کہ دلائل وبراہین سے ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہے تاہم مولف ہدیہ نے اپنی عمر بھر کی تلاش وجستجو اور کمال تجسس وتفحص سے اپنی استطاعت وحوصلہ کے موافق بزعم خود جو نقایص وکوتاہیاں دلیل اخلاق کے ضمن میں گنائے ہیں وہ ایسی ہیں کہ مولف ہدیہ کے خیال فاسد میں ظلم کا انحصار گویا انھیں پر ہے اور ان پر زیادتی متصور نہیں ہے انشاء اللہ ہم ان میں سے ہر ایک کا جواب بالتفصیل وہیں دلیل اخلاق کے ضمن میں ادا کریں گے۔

چوتھی روایت۔ سکینہ ووقار۔ عدم احتیاج وغیرہ کی تحقیق۔	مولف صاحب ہدیہ نے سراج الابصار کی جن روایتوں کو قابل اعتراض سمجھا ہے ان میں سے چوتھی روایت یہ لکھی ہے۔

منہا ماروی عن الحارث بن المغیرۃ البصری قال قلت لابی عبداللہ الحسین بن علی کرم اللہ وجہہ بای شئ یعرف الامام المہدی قال بالسکینۃ والوقار قلت وبای شی قال بمعرفتہ الحلال والحرام وبحاجۃ الناس الیہ ولا یحتاج الی احد قلت صدق الحارث ھکذا کان المہدیؑ۔

حارث بن مغیرہ بصری سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو عبداللہ الحسین بن علی کرم اللہ وجہہ سے کہا امام مہدی (علیہ السلام) کس بات سے پہچانے جائیں گے فرمایا سکینہ ووقار سے میں نے کہا اور کس بات سے فرمایا حلال وحرام کی معرفت سے اور اس سے کہ لوگ ان کے محتاج ہوں گے اور ان کو کسی کی احتیاج نہ ہوگی (جناب مولف سراج الابصار کہتے ہیں کہ) حارث نے سچ کہا مہدی علیہ السلام کی حالت ایسی ہی تھی۔

مولف ہدیہ کو اس روایت کے متعلق جو اعتراضات یا شبہات ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے۔

سکینہ ووقار کا اندازہ معلوم نہ ہوا کہ کس قدر سکینہ ووقار مہدیت کی علامت ہے کیونکہ مطلق سکینہ ووقار ہر مسلمان مہذب میں ہوتا ہے بلکہ امرائے اہل دنیا میں بھی

ہوتا ہے مقدار معرفت حلال وحرام بھی معلوم نہیں ہوئی مطلق معرفت ہر مجتہد وعالم کو ہوتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ امور ثلثہ علامت مہدویت کی ہیں نہ فقط ایک ایک۔ شیخ جونپوری میں دو باتیں اخیر کی قطعاً مفقود ہیں اور امر اول میں بھی تردد ہے۔ الخ

ان اعتراضات یا شبہات کی تردید یا جوابات بیان کرنے سے پہلے مولف ہدیہ کی یہ ایک صریح غلط بیانی ظاہر کردی جاتی ہے کہ انھوں نے سب سے پہلے روایت کی تلخیص میں یہ غلطی کی ہے کہ حارث بن مغیرہ نے سکینہ ووقار کو کافی نہ جان کر دوبارہ سوال کیا کہ "و بایّ شئی" یعنی اور کس بات سے پہچاننا۔ فرمایا معرفتِ حلال وحرام سے اس کو بھی راوی مذکور نے کافی نہ سمجھا اس واسطے سہ بارہ سوال کیا کہ اور کس چیز سے پہچاننا فرمایا کہ حاجتِ ناس سے" حالانکہ روایت کی عبارت سے صرف دو مرتبہ ہی سوال کرنا ظاہر ہے تیسری علامت کا ذکر یعنی " وبحاجۃ الناس الیہ ولا یحتاج الی احدٍ (لوگ مہدیؑ کے محتاج ہوں گے اور ان کو کسی کی احتیاج نہوگی) حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بطور خود فرمایا ہے اس کے متعلق سائل کے سوال کرنے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اگر اصل روایت میں اس کا ذکر ہے تو مولف ہدیہ نے روایت غلط لکھی ہے یہاں اس حصّہ کو کیوں ترک کر دیا؟ اور اگر روایت کی عبارت میں یہ سہ بارہ سوال کرنا مذکور نہیں ہے تو مولف ہدیہ نے اپنی طرف سے یہ اضافہ کر دیا ہے دونوں صورتوں میں مولف ہدیہ پر روایت میں تحریف کا الزام ثابت ہے۔

اس کے بعد مولف ہدیہ کے شبہات پر غور کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ کئی طرح سے مخدوش ہیں۔ اولاً جب حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سائل نے امام مہدیؑ کی وہ علامت پوچھی جس سے آپ کو پہچانا جا سکے تو آپ نے سکینہ ووقار کا ہونا بتلایا۔ پھر سایل کے مکرر سوال کرنے پر حلال وحرام کی معرفت اور لوگ آپ کے محتاج ہونا اور آپ کو کسی کی احتیاج نہ ہونا فرمایا۔ پس ان امور ثلثہ کا مجموعہ اگرچہ بدرجہ اولیٰ علامت ہوگا لیکن چونکہ ان تین امور میں سے ہر امر برا سے علیحدہ وصف ہے جس کو دوسرے وصف سے کوئی زیادہ تعلق نہیں ہے اور نہ ایک دوسرے کا موقوف علیہ ہے برا سہ دبالفرادہ علامت ہے پس مولف ہدیہ کا فقط

ایک ایک کو علامت نہ ماننا غلط ہے کیونکہ ایسا کہنے سے حضرت امام حسینؓ کے فرمان کی تکذیب لازم آتی ہے کہ ہر بات یا وصف پہچانت کا ذریعہ نہیں تھا تو آپ نے ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ کیوں بیان فرمایا اور تینوں امور کے جمع ہونے کو شرط کیوں نہیں قرار دیا۔

ثانیاً مولف ہدیہ کی یہ توجیہ بھی سراسر لغو ہے کہ "سکینہ و وقار ہر مسلمان مہذب بلکہ امراے اہل دنیا میں بھی پایا جاتا ہے" اس لئے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب یہ فرمایا کہ سکینہ و وقار سے مہدی کو پہچانا جا سکتا ہے تو سکینہ و وقار اس ذات اقدس میں جو مہدی ہونے کا دعویٰ فرمائے موجود ہونا چاہئے خواہ اور کسی میں یہ وصف پایا جائے یا نہیں اس سے بحث ہی نہیں کیونکہ حضرت نے یہ نہیں فرمایا کہ مہدیؑ کے سوا کسی میں سکینہ و وقار نہ ہوگا۔

ثالثاً مولف ہدیہ کا یہ شبہ بھی لغو ہے کہ "ان کو سکینہ و وقار کا اندازہ نہیں معلوم ہوا ہے کہ "کس قدر سکینہ و وقار مہدیت کی علامت ہے" کیونکہ بہت سے اوصاف کا اطلاق عام مومنین اور انبیا علیہم السلام دونوں پر ہوا ہے لیکن ہر ایک کی ادنیٰ و اعلیٰ حیثیت کے اعتبار سے اس وصف کے بھی ادنیٰ و اعلیٰ مدارج ہوتے ہیں مثلاً صفت ایمان کا اطلاق عام مومنین پر بھی ہوا ہے اور حضرت افضل الانبیاء والمرسلین پر بھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

امن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمومنون (۳ جزء رکوع۔ بقرہ)	رسول اور مومنین اس (کتاب) پر ایمان لائے جو ان کے پروردگار کی طرف سے ان پر نازل ہوئی ہے۔

اس آیت شریفہ میں رسول سے مراد مفسرین کے نزدیک حضرت افضل الانبیاء والمرسلین کی ذات اقدس ہے اگرچہ اس آیت میں ایمان کا اطلاق حضرت پر اور مومنین پر بھی ہو رہا ہے لیکن مراتب و مدارج کے اعتبار سے دونوں کے ایمان میں زمین و آسمان کا بل ہے۔

اسی طرح خود سکینہ کا اطلاق حضرت افضل الانبیاء والمرسلین پر بھی ہے اور عام مومنین پر بھی جیسا کہ قرآن شریف ناطق ہے۔

فانزل اللہ سکینتہ علی رسولہ	پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر اور مومنین پر

علی المومنین وانزل جنودًا لم تروھا (۱۰-۱۰-توبہ) | سکینہ نازل کیا اور ایسا لشکر اتارا جو تم کو نظر نہیں آتا تھا۔

مدارج ایمان کی طرح سکینہ و وقار کے بھی اعلیٰ و ادنیٰ مدارج ہیں عام مومنین میں جس درجہ کا سکینہ پایا جاتا ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سکینہ و وقار سے کوئی نسبت نہیں رکھتا اگر مدارج و مراتب کا یہ اصول مسلمہ تسلیم نہ کیا جائے تو یہاں بھی مولف ہدیہ کو سکینہ و ایمان کے وجود میں تردد ظاہر کرنا ہوگا کیونکہ مطلق ایمان اور مطلق سکینہ ہر مومن میں پایا جارہا ہے اور ایمان و سکینہ کا کوئی اندازہ نہیں بیان ہوا ہے کہ شان رسالت کے موزوں و مناسب کس قدر ہے۔

پس اس روایت میں بھی خلیفۃ اللہ امام مہدی علیہ السلام کی جو علامت سکینہ و وقار بیان ہوئی ہے اس سے سکینہ و وقار کا وہ اعلیٰ و اکمل درجہ مراد ہے جو خلافت الہٰی کی شان و مرتبت کے مناسب ہے اس کو ہر مسلمان کے سکینہ و وقار کے جیسا سمجھ لینا اور اعلیٰ و ادنیٰ کے فرق و امتیاز کو بھول جانا یا عمداً چھپا کر ایک ہی درجہ بتانا غلط فہمی یا مغالطہ دہی ہے۔

کز قیاسش خندہ آمد خلق را   کو چو خود پنداشت صاحب دلق را

رابعاً مولف ہدیہ کا یہ کہنا کہ "حضرت امامنا مہدی موعود علیہ السلام میں سکینہ و وقار ہونے میں تردد ہے۔ اس کے لئے اول یہ ضروری ہے کہ سکینہ و وقار کے معنی کی تحقیق کی جائے کہ کیا ہے؟ اس کی توضیح یہ ہے کہ وقار آہستگی کردن اسم و مصدر۔ و فی المثل وقرہ فی صخرۃ و ایں بجائے استعمال کنند کہ کسے در مصیبت صبور باشد و در وے آں مصیبت اثر نکند (صراح) یہ معنی امامنا علیہ السلام میں کامل طور پر موجود ہے۔ سکینہ سکون سے ہے جو حرکت و پریشانی کی ضد ہے۔ تفسیر تاویلات وغیرہ میں "انزل سکینتہ" کی تفسیر یہ کی ہے "ای انزل ما تسکن قلوبکم الیہ" (اللہ تعالیٰ نے وہ بات تمھارے قلوب پر وارد کردی جو سکون و اطمینان کو مستلزم ہے) گویا مسبب کہکر سبب یا ملزوم کہکر لازم مراد لی گئی ہے جو کلام بلاغت نظام میں رائج ہے اور جس کی بہت سی نظایر ملتی ہیں اور وہ بات یا وہ چیز اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے جو نقلاً موجب سکون و اطمینان ہے۔ نقلی توجیہ یہ ہے کہ مومن اسی وقت ہولناک

موقعوں پر پریشان ہوتا ہے جب وہ خدا سے غافل ہوتا اور اس کو بھول جاتا ہے تو اس کی قدرت و رحمت کے یقین سے اس کے دل میں سکون و اطمینان حاصل ہوتا اور اس کی وہ پریشانی اس کے درجہ یقین کے مناسب دفع ہوجاتی ہے۔

نقلاً ذکر اللہ کا موجب اطمینان قلب ہونا قطعی و یقینی طور پر قرآن شریف سے ثابت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

الذین آمنوا و تطمئن قلوبھم بذکر اللہ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب	وہ لوگ جو ایمان لائے اور جن کے قلوب اللہ کے ذکر سے مطمئن ہوتے ہیں۔ آگاہ رہو کہ اللہ کے ذکر سے قلوب مطمئن ہوتے ہیں۔

اس معنی کے اعتبار سے امام مہدی علیہ السلام کی مخصوص علامت یہی ہوئی کہ ذکر اللہ جو موجب سکون و اطمینان قلب ہے علی الدوام اس ذات اقدس میں پایا جائے اور امامنا علیہ السلام میں یہ علامت اس درجہ تقلیبی طور پر موجود ہے کہ یہاں ذکر زمرۂ مقبلین پر تک فرض ہے اور حضرت امامنا علیہ السلام کے بیشمار متبعین اس صفت سے متصف ہیں تو پھر اس صفت سکینہ و وقار سے حضرت کی ذات اقدس کس اعلیٰ و ارفع درجہ تک متصف ہوگی ظاہر ہے اسی سے یہ بھی ثابت ہے کہ عام لوگوں کے سکینہ و وقار کو خلیفۃ اللہ کے سکینہ و وقار سے وہی نسبت ہے جو حضرت سرور کائنات محمد مصطفےٰ صلی اللہ کے سکینہ و وقار سے عام مومنین کے سکینہ و وقار کو ہوسکتی ہے۔

دوسرے مفسرین نے اور خصوصاً امام فخرالدین رازیؒ نے تفسیر کبیر میں سکینہ کا معنی ثبات۔ امن۔ سکون۔ طمانیت بیان کیا ہے۔ مفسرین اور اہل سیر کا اتفاق ہے کہ یہ آیت سکینہ غزوۂ حنین کے متعلق نازل ہوئی ہے جبکہ مسلمان شکست کھا کر بہت پریشان ہوگئے تھے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ثبات و استقلال میں کوئی فرق نہیں آیا اور اسی سکون و اطمینان کے ساتھ جو حالت امن میں رہتا تھا اس ہولناک موقع پر بھی شکست خوردہ اور پریشان شدہ مسلمانوں کو آپ جمع کرنے کی کوشش فرما رہے تھے اس موقع پر ہی موقوف نہیں بلکہ حضرت رسول اللہ صلعم کسی بھی خطرناک موقع پر کبھی پریشان نہیں ہوئے اور انتہائی مشکلات و مصائب کے ہجوم سے کبھی

دین حق کی تبلیغ و دعوت سے باز نہیں رہے۔ یہی وہ سکینہ و وقار کا اعلیٰ وصف جو ما فوق العادۃ حد تک آپ میں موجود تھا جس سے عام مومنین کے سکینہ و وقار کو کوئی نسبت نہیں ہے۔

یہی معنی اور یہی صورت حضرت امامنا مہدئ موعود علیہ السلام میں بھی باحسن وجوہ موجود ہے چنانچہ حاکم گوڑ را نے دلپت کی جنگ میں حضرت امامنا علیہ السلام سے جو ثابت قدمی و استقلال ظہور میں آیا اس کا واقعہ مولف ہدیہ نے یہ بیان کیا ہے کہ سلطان موصوف (سلطان حسین شرقی) نے بسبب قلت سپاہ کے ہزیمت پائی لیکن شیخ قدم استقلال جما کر بیند رہ سو بیراگیوں سے ایسا حملہ کیا کہ شیخ دلپت را و دوچار ہوگئے اور تیغ شیخ اس پر ایسی کاری پہنچی کہ دو پارہ ہوگیا اور دل اس کا نکل آیا۔ (ہدیہ صفحہ ۲۴۳) اس کے علاوہ آپ نے فی سبیل اللہ صد ہا رنج و محن سہے ہزار ہا مصائب و تکالیف برداشت کئے۔ ایسے فقر و فاقہ میں مبتلا رہے کہ آپ کے کئی اصحاب اس سے شہید ہوگئے۔ کئی مقامات پر وہاں کے حکام نے آپ پر فوج کشی کی قتل و قمع کی دھمکیاں دی گئیں مگر آپ کے ثبات و استقلال میں ذرہ برابر فرق نہ آیا۔ کبھی سفر میں آپ کا جہاز طوفان میں گھر گیا کہیں کشتیوں کے ملاح دریا کی منجدھار میں کشتیوں کو چھوڑ کر ان کی طنابیں کاٹ کر چلے گئے ہمراہی ہراساں و پریشان ہو کر آپ کو اس خطرہ سے اطلاع دیتے اور دعا کی التجا کرتے ہیں تو ارشاد ہوتا ہے کہ کوئی فکر کی بات نہیں خشکی میں جو ہمارا محافظ ہے دریا میں بھی وہی محافظ ہے غرض ایسے ایسے شدائد مصائب میں ابتلا ہوتا رہا کہ اگر کوہ فولاد بھی ہوتا تو پاش پاش ہوجاتا چنانچہ خود مولف نے ان تمام مظالم و محن کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ لیکن ان تمام خطرناک و ہولناک حالات کے باوجود حضرت اپنے دعوئ حق میں ہمیشہ ثابت قدم رہے اس میں اصلا لغزش نہیں ہوئی اور ایسے اطمینان و سکون کے ساتھ تبلیغ و ہدایت کے فرض کو انجام دیتے رہے کہ کسی خطرہ سے اور کسی مخالف و معاند سے کبھی دل میں کوئی خطرہ تک نہیں لایا اور اپنے موافقین و متبعین کی بلکہ کسی فرد بشر کی بھی امداد و اعانت کو قبول نہیں کیا یہی معنی سکینہ و وقار کا ہے اور وہ آپ میں بدرجہ کمال موجود رہا ہے۔

بخلاف دوسرے مدعیان مہدیت کے جن کی تفصیل مولف ہدیہ نے لکھی ہے جن میں سے بعض حکام وقت کے ہاتھوں قتل ہو گئے۔ بعض بہزار ذلت وخواری اسیر ومقید ہو کر اپنے دعویٰ سے باز آگئے بعض دوسرے مقامات پر فرار ہو گئے اس سے ثابت ہے کہ حضرت امامنا مہدیٔ موعود علیہ السلام کے حالات اور ان کے حالات میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ پس حضرت امامنا علیہ السلام کی ذات اقدس میں صفت وعلامتِ سکینہ ووقار موجود ہونے میں مولف ہدیہ کا تردد ظاہر کرنا گویا نصف النہار میں وجود آفتاب میں شک وتردد ظاہر کرنے کے مماثل ہے۔

مولف ہدیہ نے سکینہ ووقار کا معنی **حلم وتحمل** بیان کیا ہے۔ اگرچہ یہ معنی مفسرین کے مذکورہ معنی کے خلاف ہے لیکن اس عدم موافقت اور خلاف کے باوجود مولف ہدیہ کا بیان کردہ معنی ہی اگر صحیح فرض کر لیا جائے تو یہ معنی بھی جناب امامنا مہدی موعود علیہ السلام میں بمرتبۂ کمال وبدرجۂ اتم موجود ہے چنانچہ حضرت جب شہر قندھار اور فرہ میں تشریف لے گئے وہاں کے علمائے سوء کے اغوا سے مقامی حکام کی طرف سے جو ناواجبی سخت برتاؤ ہوا اور حضرت نے جس **صبر وتحمل** سے اس کو برداشت کیا ان واقعات کا خلاصہ مختصراً مولف ہدیہ ہی کے الفاظ میں نقل کیا جاتا ہے وہ ہدیہ کے باب دوم میں لکھتے ہیں[ع]۔

حاکم قندھار میرزا شہ بیگ نے حکم کیا کہ سید ہندی کو روز جمعہ کے مسجد جامع میں حضور علمائے اسلام میں حاضر کرو چنانچہ حسب الحکم ملازمین اس کے دوڑے اور جبراً وقہراً کمر بند شیخ کا پکڑ کر اس عجلت سے لے چلے کہ جوتا بھی پہننے نہ دیا اور مریدوں نے جب ارادہ ہمراہی کا کیا منع کیا بلکہ زد وکوب کی بھی نوبت پہنچی جب شیخ داخل مسجد ہوئے علمانے ہجوم کر کے سخت سست کہنا شروع کیا۔ شیخ نے تحمل کر کے وعظ قرآن

ع۔ ان واقعات کے بیان کرنے میں بھی مولف ہدیہ نے جو ضروری حصے چھوڑ دئے ہیں اور اخفائے حقیقت کی جو کوشش کی ہے اس کا کسی قدر ذکر جلد اول حصہ دوم صفحہ (۵۸) تا صفحہ (۶۳) پر علامۂ مجیب نے فرمایا ہے ۱۲ شہاب بن نصرت غفر لہما۔

شروع کر دیا۔ شہ بیگ کہ جوان بست سالہ تھا ان کے بیان پر فریفتہ ہوگیا الخ

جب فراہ پہنچے وہاں بھی یہی باز پرس پیش آئی کہ اول ایک عہدہ دار نے آکر شیخ اور ہمراہیوں کے ہتھیار چھین لئے اور گوشۂ کمان سب کے سر پر رکھکر ایک ایک کو شمار کر کے کہا کہ کل سب کو قید کریں گے بعد اس کے امیر ذوالنون حاکم شہر بکمال و بدبہ واسطے دریافت کیفیت کے بذات خود آیا لیکن بعد ملاقات کے معتقد شیخ کا ہوگیا۔ ہدیہ صفحہ (۲۸)

انھیں واقعات پر انحصار نہیں بلکہ بہت سے مقامات اور بہت سے موقعوں پر ایسا ہی ہوا ہے اور حضرت کی پاک سیرت میں حلم و تحمل کے سینکڑوں نمونے اور مثالیں ملتی ہیں جہاں آپ نے صبر و تحمل و بردباری سے سب کچھ برداشت فرمایا ورنہ نہ قندھار میں اور نہ فراہ میں اور نہ کسی دوسرے مقام پر اگر حضرت صبر و بردباری کو کام نہ فرماتے تو ان مقامات کے ظالموں کی مجال نہ تھی کہ وہ اس طرح ظلم و زیادتی کرسکتے کیونکہ روحانی قوت اور تائید غیبی کے علاوہ جو خلفاء اللہ کو حاصل رہتی ہے اور جس کی وجہ سے کوئی ان پر غالب نہیں ہوسکتا (الا ماشاء اللہ) اسباب ظاہری بھی بفضلہ تعالیٰ موجود تھے کہ حضرت کے ہمراہی جاں نثاروں کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز تھی خود اُس مقام کے رؤسا و سپہ سالار اور اعلیٰ عہدہ دار حضرت کے ایسے مطیع و منقاد ہو گئے تھے کہ آپکے ذرا سے اشارہ پر بڑے سے بڑے معاند کی سرکوبی کے لئے تیار تھے۔ غرض مولف ہدیہ کا بیان کردہ معنی سکینہ و وقار یعنی تحمل و بردباری کا وصف حضرت میں حد اعجاز تک موجود تھا۔

لیکن تعجب ہے کہ یہاں مولف صاحب ہدیہ ان تمام واقعات سے اور خود اپنی تحریر سے آنکھیں بند کر کے قاضی ملک سندھ کے سر سے پگڑی چھین لینے کے ایک غلط واقعہ کو پیش کر کے حضرت کے اس وصف سے انکار کر رہے ہیں جو صداقت و دیانت کے صریح خلاف ہے اس لئے کہ اگر ایک واقعہ صحیح ہونا فرض بھی کر لیا جائے تو جبکہ اس کے مقابل حلم و بردباری پر دلالت کرنے والے بیشمار واقعات موجود ہیں صرف ایک واقعہ سے (جس کی حقیقت ابھی بعد میں ظاہر ہوگی) حضرت کی ذات اقدس میں حلم و بردباری کے وصف کی نفی لازم نہیں آتی۔

قاضی صاحب سندھ کا واقعہ نقل کرنے میں مولف ہدیہ نے بہت کچھ کمی و بیشی کی ہے اور تحریفِ لفظی و معنوی کے مرتکب ہوئے ہیں چنانچہ مولف ہدیہ نے "مطلع الولایت" کے حوالہ سے جو واقعہ بیان کیا ہے ہم اس موقع پر مطلع الولایت ہی کے اقتباسات درج کرتے ہیں جن سے ناظرین کرام یہ فیصلہ کر سکیں گے کہ اصل واقعہ کی حقیقت کیا ہے اور مولف ہدیہ سے اس واقعہ کے بیان کرنے میں کس قدر لغزشیں ہوئی ہیں۔

اولاً بنائے واقعہ کا معلوم ہونا ضروری ہے۔ مطلع الولایت کے دیکھنے سے بنائے واقعہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب امامنا علیہ السلام ملکِ سندھ میں تشریف فرما ہوئے تو بادشاہِ سندھ نے حضرت کا اخراج کرنا چاہا اور قاضی کو آپ پاس بھیجا چنانچہ مطلع الولایت میں اس کا یہ واقع لکھا ہے۔

بادشاہ سندھ خواست کہ از ملک خود اخراج کند قاضی را فرستاد و گویانید کہ فرمانِ بادشاہ است کہ ازینجا بیشتر شوید۔ حضرت امام علیہ السلام فرمودند فرمانِ بادشاہ تو نزاست ہرگاہ کہ بادشاہ ما بما خواہد گفت تا بیشتر خواہیم شد (مطلع الولایت)

بادشاہ سندھ نے اپنے ملک سے (حضرت) کا اخراج کرنا چاہا قاضی کو بھیجکر کہلایا کہ بادشاہ کا حکم ہے کہ آپ یہاں سے چلے جائیں حضرت نے فرمایا کہ تمھارے بادشاہ کا حکم تمھارے لئے ہے ہمارا بادشاہ (اللہ تعالیٰ) جب ہم کو کہے گا ہم اسوقت یہاں سے آگے جائیں گے۔

اس کے بعد ہی مضمون اس طرح سے ادا کیا گیا ہے۔

فرمودند مر بادشاہ خود را بگو کہ ما بجز امر حق از جائے نرویم پس با جمیع لشکر و شوکت خود بیائی انشاء اللہ تعالیٰ بندہ باذن خدائے خویش بر تو غالب آید (〃)

حضرت نے قاضی کو فرمایا کہ تم اپنے بادشاہ سے کہدو کہ ہم یہاں سے اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر نہیں جائیں گے اگر تم اپنے تمام لشکر اور قوت کے ساتھ بھی آؤ گے تو انشاءاللہ بندہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے تم پر غالب آئیگا۔

اس کے مقابل قاضی سندھ کا قول یہ تھا۔

قاضی گفت کہ اطاعت اولی الامر لازم است

قاضی نے کہا کہ اولی الامر کی اطاعت لازم ہے۔

اس سے بناے واقعہ واضح ہو رہی ہے کہ ایک طرف خالق زمین و آسمان احکم الحاکمین کے حکم پر مدار کار ہے اور اس کے بغیر قدم باہر نہ رکھنے پر استقلال کے ساتھ اصرار ہے افغیر اللہ ابتغی حکماً کیا میں غیر اللہ کو حاکم بناؤں کا حقیقی مظاہرہ ہو رہا ہے جو تمام خلفاء ابتداز آدم تا ایندم کی سنت جاریہ رہی ہے اور جس کی بہت سی نظیریں افضل الانبیاء والمرسلین صلعم کی پاک سیرت میں بھی ملتی ہیں دوسری طرف حاکم حقیقی کے حکم سے بے اعتنائی ہو رہی ہے اور ایک بندہ کے حکم کو اہمیت اور ترجیح دی جا رہی ہے جو صریح بیدینی اور ایک طرح کا شرک ہے مگر مولف ہدیہ نے واقعہ کے اس پہلو پر پردہ ڈال دیا اور اس کو ظاہر نہیں کیا ہے۔

اگرچہ اس حقیقت کے مقابلہ میں تمام حجتیں لاطائل ہیں مگر اس کے باوجود قاضی صاحب کے استدلال کا نقص وضعف شرعی اصول پر بھی بڑی سنجیدگی و متانت و معقولیت کے ساتھ اس طرح ظاہر کیا گیا ہے کہ

آنحضرت فرمودند کہ حالانکہ تو قاضی ہستی بگو کہ شرائط اولی الامر در بادشاہ تو ہستند اگر باحکام شرعی اولی الامر ثابت کنی بندہ بر گفتۂ اولی الحال برود۔	حضرت نے فرمایا حالانکہ تم قاضی ہو کہو تمہارے بادشاہ میں اولی الامر کی شرطیں بھی ہیں اگر احکام شرع کے موافق تم اس کو اولی الامر ثابت کردیں تو بندہ اس کے کہنے کے مطابق ابھی چلا جاتا ہے۔

اس اجمال کی یہ تفصیلات بھی پیش کی گئیں جن کے جواب میں قاضی صاحب کو اپنے بادشاہ کے اصلی حالات کا انکشاف و اعتراف کرنا پڑا

آنحضرت فرمودند کہ بادشاہ تو عادل ست یا ظالم قاضی گفت بلکہ اظلم است بعدہ فرمودند کہ تابع شرع مصطفیٰ ست یا تابع ہوائے خویش۔ قاضی گفت شراب خوار و متکبرست کہ از شرع و ورع بوئے ندارد۔ آنحضرت فرمودند پس این چنین کس را چگونہ اولی الامر می گویند	حضرت نے فرمایا تمہارا بادشاہ عادل ہے یا ظالم ؟ قاضی نے کہا بلکہ اظلم (یعنی بڑا ظالم ہے) اس کے بعد حضرت نے پوچھا (تمہارا بادشاہ) شریعت مصطفیٰ کا تابع ہے یا اپنی خواہش نفسانی کا ؟ قاضی نے کہا شراب خوار اور خود پرست و مغرور ہے شریعت اور پرہیزگاری کی بو تک اسکے دماغ میں نہیں ہے حضرت نے فرمایا پھر ایسے شخص کو اولی الامر

کیسا کہہ سکتے ہیں ۔

چونکہ سندھ کے حاکم کی بدنامی و رسوائی اور قاضی کی نادانی و جہالت اس سے ظاہر ہوتی تھی مولف ہدیہ نے تمام تفصیلات اور خود قاضی صاحب نے اپنے بادشاہ کے اصلی حالات کا جو انکشاف و اعتراف کیا وہ مطلق ذکر نہیں کیا اور ان سب کا اخفا کیا ہے بلکہ تحریف کر کے قاضی صاحب کے بیان کو حضرت امامنا علیہ السلام کی طرف منسوب کر دیا اور یہ لکھا ہے کہ

"میراں نے کہا کہ بادشاہ تیرا ظالم ہے ایسے شخص کو اولی الامر نہیں کہتے ہیں" (ہدیہ صفحہ ۱۳۰)

مطلع الولایت کی اصلی عبارت اور سیاق کلام کو مولف ہدیہ کے اس بیان سے مقابلہ کر کے دیکھا جائے حضرت کے استفہامی انداز بیان کو اس قدر تحریف کر دیا گیا ہے کہ وہ افترا کی حد تک پہنچ گیا ہے ۔

اس کے بعد کے واقعات کا تتمہ یہ ہے کہ قاضی صاحب نے جب اپنے بادشاہ کے اندرونی حالات کا خود اپنی زبان سے اعتراف کر لیا تو وہ حضرت کے اس فرمان کا کہ "ایں چنیں کس را چگونہ اولی الامر می گویند" کوئی جواب نہ دے سکے اور تقریر کا پہلو بدل کر کہنے لگے کہ کوئی حاکم اپنے ملک میں جائے نہ دے تو کیا کیا جائے ۔

حضرت نے ارشاد فرمایا ۔

بگو کہ ملک سند از آن بادشاہ سندہ است و قطعۂ گجرات ازاں امرائے اوست و بوم خراسان ازانِ بادشاہ آں ۔ ہمچنیں ہر ملکے و ہر شہرے و ہر دیہے را بزعم خود ہر کسے حکم وراثت دارد ۔ پس اند کے زمین خدائے تعالےٰ نماکہ خاص مر خدائے را باشد تا آنجا بندگان مخلص خدائے را عبادت کنند ۔

ملک سندہ بادشاہ سندہ کی ملک ہے گجرات کا قطعہ امرائے گجرات کی ملک ہے ۔ سرزمین خراسان وہاں کے بادشاہ کی ملک ہے ۔ اسی طرح ہر شخص ہر ملک اور ہر شہر اور ہر گاؤں کا وارث اپنے زعم میں خود کو سمجھتا ہے پس ایسی تھوڑی سی زمین تو بتاؤ جو خاص اللہ تعالیٰ کی ملک ہو تاکہ اللہ کے خاص بندے وہاں اللہ کی عبادت کریں

مولف ہدیہ نے اس مضمون کو اس طرح بدل دیا کہ میراں نے کہا کہ ۔ ممالک ملوک کا

ملک دور انت نہیں ہیں ؎ غور کا مقام ہے کہ اصل عبارت اور منشاء کلام میں کس قدر تحریف کردی گئی ہے جن ناظرین کے روبرو اصل عبارت نہ ہو وہ مولف ہدیہ کی اس تحریف سے کس قدر دھوکہ اور مغالطہ میں مبتلا رہیں گے۔

حضرت کا یہ فرمان اللہ ملک السموات والارض کی طرف اشارہ ہے کہ آسمان وزمین حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں اور وہی ان کا مالک ہے۔

حاصل کلام قاضی صاحب سندہ یہ سن کر حیران ہو گئے اور ان کو کوئی جواب نہ بنا تو اپنی پگڑی ہاتھ میں لے کر کہا وئے کیا آپ زبردستی کسی کی پگڑی چھین لیں گے۔

قاضی صاحب اصل مسئلہ کے ان تمام پہلوؤں پر دینی و شرعی حجت پیش کرنے سے عاجز ہو کر جس گستاخانہ کلام پر اتر آئے اور جس سے ان کا عجز ان کی جہالت ان کی بلادت ظاہر ہے اسی سے ان کے مفروضہ الزام کی عملی صورت ان پر ظاہر کرنے کی ضرورت داعی ہوئی کہ پگڑی چھیننا کس کو کہتے ہیں اور اس صورت سے ہمارے عمل کو کیا مشابہت ہے؟ اسی لئے حضرت نے یہ سنکر قاضی صاحب کی پگڑی ان کے ہاتھ سے مثال بتانے کے لئے لی اور اپنے زانو پر رکھکر ارشاد فرمایا۔

دستار گرفتن این نوع فعل را می گویند پس بگو کہ ما جائے کسے یا شہر کسے یا دیہ کسے بلکہ باغ وکشت کسے گرفتہ ایم کہ تو چنیں سخن ناسزا بزبان آری

کسی کی پگڑی لینا اس قسم کے فعل کو کہتے ہیں پس کہو کیا ہم نے کسی کی جگہ یا کسی کا شہر یا کسی کا گاؤں بلکہ کسی کا باغ یا کسی کا کھیت لے لیا ہے جو تم ایسی نالائق بات کہہ رہے ہو۔

قاضی صاحب اس کا بھی کوئی جواب نہ دے سکے اور نہ اس گستاخانہ کلام کی کوئی توجیہ احسن کر سکے۔

اس تمام تفصیل سے انصاف پسند ناظرین یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ حضرت امامنا علیہ السلام کی جناب اقدس میں مولف ہدیہ نے سکینہ ووقار کا نقدان ہونے اور سیدھی تقریر مناظرہ دینی میں بھڑک جانے کا جو افترا کیا ہے وہ کس حد تک غلط ہے اور سر سے پگڑی چھیننے کا جو طومار باندھا ہے وہ بھی بے اصل ہے۔

روایت میں کونسی بات تحمل و بردباری کے خلاف ہے جو مولف ہدیہ نے اس روایت کو عدم سکینہ ووقار پر سند قرار دیا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

کسی کی نالائق بات پر اس کو متنبہ کرنا سکینہ و وقار کے منافی نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ اس قسم کی بعض مثالیں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک سیرت میں بھی ملتی ہیں جو درحقیقت حُبّاً للہ و بغضاً لِلّٰہ کی صورت ہے۔

"سراج الابصار" کی مندرجہ روایتِ چہارم تین امور پر مشتمل ہے جن میں سے امر اول سکینہ و وقار کا بیان بتفصیل تمام ہو چکا کہ خواہ اس کا معنی ثبات و استقلال ہو یا تحمل و بردباری دونوں اعتبار سے یہ علامت حضرت امامنا علیہ السلام کی ذات اقدس میں ثابت و متحقق ہے۔

دوسرا امر حلال وحرام کی معرفت بیان کیگئی ہے۔ مولف ہدیہ کو اس پر جو اعتراض ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ "مقدار معرفت معلوم نہیں ہوئی اور مطلق معرفت ہر عالم و مجتہد کو ہوتی ہے یہ علامت بھی امامنا علیہ السلام میں نہیں تھی کیونکہ باوجود دعوی امامت مہدیت کے امامت جماعت کے حلال وحرام بھی نہ جانتے تھے اس واسطے کہ اپنی مہدیت کے منکر کو کافر بلکہ اکفر جانتے تھے اور نماز جمعہ وعیدین میں ان کے پیچھے اقتدا کرتے تھے پس معلوم ہوا کہ اس قدر بھی معلوم نہ تھا کہ اگر یہ لوگ مسلمان ہیں تو ان کو کافر کہنا حرام ہے اور اگر کافر ہیں تو ان کے پیچھے نماز پڑھنا حرام ہے"

اس کا جواب اولاً یہ ہے کہ معرفت حلال و حرام بھی بانفرادہ امام مہدی علیہ السلام کی علامتِ مخصوصہ ہے ہر عالم و مجتہد میں اس کا کچھ حصہ پائے جانے سے اس کے مخصوص ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا جیسا کہ مولف ہدیہ کا خیال فاسد ہے کیونکہ یہ وصف امام مہدی علیہ السلام میں پایا جانا شرط ہے دوسروں میں اس کا نہ پایا جانا شرط نہیں ہے۔

ثانیاً ایمان و سکینہ وغیرہ اوصاف حسنہ کی طرح معرفتِ حلال وحرام کے بھی مدارج و مراتب ہیں۔ عام مسلمانوں کو جس قدر معرفت ہوتی ہے اس کی نسبت ایک عالمِ دینیات کو زیادہ معرفت ہوتی ہے۔ اسی طرح جس میں شرایط اجتہاد موجود ہوں اس کو علماے اسلام سے بڑھکر معرفت حاصل ہوگی ایسا ہی خلیفۃ اللہ کی معرفت مجتہدین سے زیادہ ہونا چاہیئے کیونکہ خلافت الہٰی کا مرتبہ اجتہاد سے برتر و اعلیٰ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مجتہدین کی معرفتِ حلال وحرام کا ماخذ خلیفۃ اللہ کے احکام ہوتے ہیں اور علما کی معرفت کی بنا مجتہدین کے احکام و معلومات پر اور عام مسلمانوں کی

معرفت علماء کی معلومات وبیانات سے ماخوذ ہوتی ہیں۔ پس کمال معرفت امام مہدی علیہ السلام کی علامت مخصوصہ ہے کیونکہ خلافت الہٰی اور معصومیت کے منصب جلیلہ کی وجہ سے آپ کو الہام ربّانی اور روح مبارک رسول اللہ صلعم سے بلا واسطہ قطعی معلومات حاصل ہیں اور یہ مقام کسی عالم ومجتہد کو نصیب نہیں ہے۔

ثالثاً یہ فرق مدارج ومراتب جو بیان ہوا وہ فقط حلال وحرام شرعی سے متعلق ہوسکتا ہے لیکن اس کے علاوہ جبکہ دین کا مفہوم اسلام وایمان واحسان سبکو حاوی ہے جن کو مقام شریعت۔ مقام طریقت۔ مقام حقیقت سے تعبیر کیا گیا ہے اور حلت وحرمت کا اطلاق بھی ان سب مقامات کے حلال وحرام کو شامل ہے اور حلت وحرمت کا اطلاق بھی ان سب مقامات کے حلال وحرام کو شامل ہے پس باعتبار مقام شریعت [illegible] امور پر حلال وحرام کا اطلاق ہوتا ہے مقام طریقت و حقیقت میں ان سے سوا بعض امور حلال اور بعض حرام سمجھے جاتے ہیں چنانچہ یہ اسی فرق وامتیاز کی طرف اشارہ ہے کہ

الدنیا حرام علی اھل الآخرۃ
والآخرۃ حرام علی اھل الدنیا
والآخرۃ حرام علی اھل

دنیا آخرت کی (نعمتوں) والوں پر حرام ہے اور آخرت کی نعمتیں دنیا والوں پر حرام ہیں۔ خدا والوں پر (یعنی خالص طالبان خدا پر) دنیا اور آخرت کی نعمتیں دونوں حرام ہیں۔

اسی مضمون کی اور بھی روایتیں وارد ہیں جن سے اس مضمون کی توضیح وتائید ہوتی ہے۔ ان تمام مقامات کے حلال وحرام کی معرفت مجموعی طور پر خلیفۃ اللہ جناب امام ہمام مہدی موعود علیہ السلام ہی کا خاصہ ہے۔ یہ جامع معرفت امام علیہ السلام کے سوا کسی دوسرے عالم ومجتہد کو حقیقی معنی میں حاصل نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت نے نے جہاں محرمات شرعی سے بچنے کی تاکیدات فرمائی ہیں وہیں محرمات طریقی وحقیقی سے پرہیز کرنے کے احکام دئے۔ ترک دنیا کا حکم دیا کیونکہ جب تک مومنین دنیا کو نہ چھوڑدیں آخرت ان کے ہاتھ نہ آئے گی اس لئے ان دونوں میں ضد ومنافات ہے جیسا کہ اس روایت میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

لا یستقیم حب الدنیا والآخرۃ | مومن کے دل میں دنیا اور آخرت کی محبت جاگزین

فی قلب المومن کما لا یستقیم الماء والنار فی اناء واحد (احیا العلوم)

نہیں رہ سکتی جیسے ایک ہی برتن میں آگ اور پانی نہیں رہ سکتے۔

دوسری طرف حسبِ منشاءِ فرمانِ الٰہی من کان فی ہذہ اعمیٰ فھو فی الاخرۃ اعمیٰ واضل سبیلا (جو شخص اس دار دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا اور گمراہ ہے) دیدار الٰہی کی طلب کو اہم اور لازم قرار دیا کیونکہ خاص طالبان مولا کو ناز ونعیمِ آخرت اور اثمار وانہار وحور وقصور جنت سے کیا غرض ہے بلکہ ان مقامات کی توضیح تو یہ ہے۔

ان جنۃ عامۃ المومنین جنۃ المکاسب وجنۃ العارفین جنۃ المواھب فلما عبدوہ لا خوفاً من نارہ ولا طمعاً فی جنتہ صارت جنتھم النظر الی وجھہ والذالک قال ابو یزید للہ رجال لو حجب اللہ عنھم طرفۃ عین استغاثوا من الجنۃ کما یستغیث اھل النار منھا (شرح المنیر شرح جامع الصغیر)

عام مومنین کی جنت بخشش کی جنت ہے جبکہ انھوں نے اللہ کی عبادت دوزخ کے خوف اور جنت کی طمع سے نہیں کی ہے عارفین کی جنت اللہ کو دیکھنا ہے۔ اس لئے ابو یزید نے کہا ہے اللہ کے بعض بندے ایسے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ دم بھر بھی ان کی نظروں سے چھپ جائے تو وہ جنت سے اس طرح پناہ مانگیں گے جس طرح اہل دوزخ دوزخ سے پناہ مانگتے ہیں۔

پس جو معرفت حلال وحرام امام مہدی علیہ السلام کا خاصہ ہے وہ یہی اعلیٰ وجامع معرفت مراد ہو سکتی ہے جو تمام مقامات کے حرام وحلال کو شامل ہے اور حقیقی معنی میں کسی عالم ومجتہد کو حاصل نہیں ہے۔

مولف ہدیہ کا یہ شبہ کہ "امامنا علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی مہدویت کے منکر کو کافر بلکہ اکفر جانتے تھے اور نماز جمعہ وعیدین میں اپنے منکرین کی اقتدار کرتے تھے" اس کے متعلق دو امر قابل بحث قرار پاتے ہیں۔ ایک انکار کا کفر ہونا۔ دوسرا منکرین کی اقتدار کرنا امر اول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی ترجمانی ہے کہ

من انکر المہدی فقد کفر بما انزل

جس نے مہدی کا انکار کیا وہ اس سے

علی محمد۔ | کافر ہوگیا جو محمد پر نازل ہوا ہے۔

چنانچہ امام مہدی علیہ السلام کا انکار کفر ہونا ان تمام فرقہ ہائے اسلامیہ کا جو امام مہدی علیہ السلام کے وجود کے قایل اور آپ کی بعثت ضروریات دین سے ہونے کے معتقد ہیں مسلّمہ مسئلہ ہے اگر اختلاف ہے تو اس ذات کے صرف تعین میں ہے۔ ایسا ہی کسی مسلمان میں موجبات کفر میں سے کوئی امر پایا جانے سے اُس مسلمان پر کفر کا اطلاق درست ہونا بھی سب فرقوں کے نزدیک مسلم ہے چنانچہ اس کی وجوہ و دلایل اس سے پہلے کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان ہوئی ہیں اور آئندہ بھی برموقع بیان ہوں گی۔

دوسرا امر یعنی اقتدائے منکرین کا شبہ اس لئے صحیح نہیں ہے کہ حضرت نے کبھی ایسے شخص کی اقتدا نہیں کی ہے جس سے انکار ظاہر ہوا ہو چنانچہ خود مصنف سراج الابصار حضرت عالم باللہ میاں عبدالملک سجاوندی رحمتہ اللہ علیہ نے "منہاج التقویم" میں تحریر فرمایا ہے۔

اما الصلوٰۃ المفروضۃ خلف امام غیرامامہ فغیر صحیح لانہ ماصلّی خلف غیرامامۃ قط۔ واما صلوٰۃ العیدین والجمعۃ خلف امام لاتعلم انکارہ رعایۃ لشعارالاسلام وما نقل احد من اصحابہ انہ صلّی خلف امام ظہرانکارہ فلا تقوم حجۃ علینا۔

فرائض پنجگانہ اس شخص کے پیچھے جو مصدق نہو غیر صحیح ہے کیونکہ امامنا علیہ السلام نے غیر مصدق امام کے پیچھے کبھی نماز نہیں پڑھی مگر نماز جمعہ و عیدین اس شخص کے پیچھے جس کا انکار معلوم نہوا ہو شعار اسلام کی رعایت کرتے درست ہے آپ کے کسی صحابی نے یہ روایت نہیں کی ہے کہ امامنا علیہ السلام نے اس امام کے پیچھے نماز پڑھی ہے جس کا انکار ظاہر ہوگیا ہو پس ہم پر یہ مخالف قول حجت نہیں ہے۔

سراج الابصار کی روایت چہارم کی مندرجہ علامتوں میں سے دو کی تفصیلی بحث ہو چکی اور ثابت ہوگیا کہ سکینہ و وقار اور معرفت حلال و حرام امامنا علیہ السلام کی ذات اقدس پر پورے پورے صادق ہیں۔ اب باقی رہی اس روایت کی مندرجہ تیسری علامت کہ یحتاج الناس الیہ ولایحتاج الی احد (یعنی لوگ امام مہدی علیہ السلام کے محتاج رہیں گے اور آپ کسی کے محتاج نہ ہوں گے) مولف ہدیہ نے اس کی نسبت

جو بے اصل شبہ ظاہر کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔

"یہ بات اماماعلیہ السلام میں مفقود تھی کیونکہ آپ امور دینی و دنیوی میں غیروں کے محتاج تھے اس واسطے کہ فقیر و محتاج تھے اور فقر و حاجتمندی ایک ہی چیز ہے اور میاں لاڑ مہاجر امور دینی میں آپ کو تعلیم کرتے تھے۔"

امور دنیوی میں محتاج ہونے کا جواب یہ ہے کہ مولف ہدیہ نے احتیاج مطلب وہی احتیاج مالی سمجھا ہے جو اہل دنیا کا خاصہ ہے کہ ان کی نظر اسی شئی مردار پر رہتی ہے ان کے پاس دینی وملی مقاصد کی احتیاج کوئی چیز ہی نہیں ہے اسی وجہ سے انکا ذہن اس طرف منتقل ہی نہیں ہوتا۔ مولف ہدیہ بھی انہی کے نقش قدم پر چلے ہیں وہ اتنا نہیں سمجھتے کہ مال ایسی شئی نہیں ہے کہ اس سے احتیاج دفع اور سکون قلب حاصل ہوسکے اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ احتیاج وغنا دونوں قلب کی صفتیں ہیں حریصوں کا دل کبھی غنی نہیں ہوتا اگرچہ قارون کا خزانہ بھی ان کے ہاتھ لگ جائے۔

اسی کی طرف اس روایت میں اشارہ کیا گیا ہے

لوکان لابن أدم وادیان من مال لابتغیٰ وادیًا ثالثاً ولایملأ جوفه الا التراب۔	اگر آدمی کے لئے مال سے بھرے ہوئے دو وادی بھی ہوں تو وہ تیسری وادی کا طالب رہے گا اس کے پیٹ کو مٹی کے سوا کوئی چیز نہیں بھر سکتی۔

سعدی علیہ الرحمۃ نے گویا اسی روایت کی تضمین کی ہے۔

ہفت اقلیم ارنگیرد بادشاہ ہمچناں در بند اقلیمی دیگر

اگر یہ روایت مولف ہدیہ نے نہیں دیکھی یا نہیں سنی تو گلستاں کا وہ مذکورہ شعر اور یہ مصرعہ بھی نہیں دیکھا اور نہیں سنا کہ

"آنانکہ غنی تر اند محتاج تر اند"

اس کے مقابل جو لوگ قناعت کی دولت رکھتے ہیں انکے دل بے مال کے غنی ہوتے ہیں۔ مولف صاحب ہدیہ کو اس سن پیری وشیخوخیت کے باوجود اس کی تحقیق کا خیال نہ آیا حالانکہ یہ مقولہ تو اطفال کی تک زباں زد ہے کہ "بزرگی بعقلست نہ بسال و توانگری بدل است نہ بمال" ان پُر از حکمت اقوال سے جو بانیٔ دین صلعم کے عمل

اور احکام کے مطابق ہیں یہ ثابت ہے کہ عدم احتیاج قناعت کا نتیجہ ہے۔ پس اس روایت کے اس حصہ کا مطلب یہ ہوا کہ امام مہدی علیہ السلام قانع ہوں گے اور وصف قناعت کی وجہ سے تمام لوگوں سے مستغنی رہیں گے اور لوگ آپ کے محتاج ہوں گے۔ یہ بات امامنا علیہ السلام کی پاک سیرت میں سراسر موجود ہے لیکن مولف ہدیہ کا یہ خیال کہ کثرت مال اور تقسیم مال کے سبب سے لوگ آپ کے محتاج ہونا اور آپ لوگوں کے محتاج نہ ہونا مراد ہے۔ اس اختلاف رائے کو سنت نبوی کی طرف رجوع کیا جائے تو اس کا صحیح فیصلہ ہو جاتا ہے۔ حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت قولی کو دیکھو ارشاد ہوا ہے۔

الفقر فخری۔	فقر میرے لئے باعث فخر ہے۔
ما اُوحی الی ان اکون تاجراً ولا ان اجمع المال مکاثراً ولکن اُوحی الیّ ان سبح بحمد ربک وکن من الساجدین حتی یاتیک الیقین۔	مجھے یہ وحی نہیں ہوئی ہے کہ میں تاجر بنوں یا کثیر مال جمع کروں لیکن یہ وحی ہوئی ہے کہ تو اپنے پروردگار کی تسبیح کر اور موت آنے تک عبادت کرنے والا رہ۔
اللھم اجعل رزق آل محمد کفافاً	
ان اللہ اذا احب عبداً اجعل رزقہ کفافاً۔	اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ کو محبوب رکھتا ہے تو اس کو ضرورت وگزر کے موافق رزق دیتا ہے۔

اسی قسم کے بہت سے ارشادات موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ نہ آپ مالدار تھے اور نہ آپ کو مال کی خواہش تھی۔ بلکہ بغیر مال کے تمام دنیا و ما فیہا سے مستغنی تھے اور خلق آپ کی محتاج تھی۔

سنت فعلی کو دیکھو تو اس کے بھی بیشمار واقعات ملتے ہیں دو دو مہینے مسلسل گھر میں آگ نہیں سلگتی تھی جو میسر آجائے اسی پر گزر جاتی تھی۔ فاقے کئے جاتے تھے۔ اس فقر کے باوجود جب عمر رضی اللہ عنہما کی روایتیں اس سے پہلے دلیل چہاردہم وغیرہ کے ضمن میں لکھی گئی ہیں ان صحابہ نے آپ کے رہائشی مقام کو دیکھکر رنج و غم سے رو دیا آپ نے فرمایا کہ کسریٰ و قیصر کے لئے دنیا ہے اور ہمارے لئے آخرت ہے۔

پس مولف صاحب ہدیہ اپنی وہی زر پرستی و دنیا طلبی کی عینک چڑھا کر اس سنت قولی و فعلی کو پیش نظر رکھکر بتائیں کہ بقول آپ کے جب فقر و حاجتمندی ایک ہی چیز ہے اور حضرت رسول اللہ صلعم کی پاک زندگی فقر و فاقہ ہی میں گزری ہے تو کیا آپ کی جناب میں یہی کہا جائے گا کہ آپ لوگوں کے محتاج تھے۔

جب آپ لوگوں کے محتاج تھے کہنا صریح البطلان ہے تو اسی طرح امامنا علیہ السلام بھی لوگوں کے محتاج تھے سمجھنا اور کہنا صریح البطلان ہے۔

اگر مولف ہدیہ اپنے خیال کے موافق تقسیم مال کو عدم احتیاج کا مدار و معیار قرار دیتے ہیں تو پھر بھی مولف ہدیہ کو اس سے انکار کرنے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی کیونکہ امامنا علیہ السلام کی یہی عادت تھی کہ جب کبھی جو کچھ مال بطور فتوح آتا باوجود خود فقر و فاقہ میں رہنے کے وہ لوگوں کو تقسیم کر دیا جاتا تھا چنانچہ اس قسم کے واقعات سے آپ کی سیرت بھری ہوئی ہے انہی واقعات میں ایک مشہور واقعہ وہ ہے جب سلطان غیاث الدین نے ساٹھ قنطار مال و زر اور گراں قیمت مروارید کی ایک تسبیح حضرت کی خدمت میں گزرانی تھی۔حضرت نے یہ تمام مال ان لوگوں کو تقسیم کر دیا جو اس کے پیچھے جوق جوق آئے تھے۔اور وہ تسبیح مروارید ایک دفالی کو عطا فرمادی۔کسی نے عرض کیا کہ یہ مال حضرت کے فقرائے مہاجرین کا حق تھا اور ان کو نہیں دیا گیا فرمایا یہ سب اللہ کی طلب میں مال و متاع دنیا کو چھوڑ کر آئے ہوئے ہیں وہ اس کے طالب نہیں ہیں ان کو وہی ملے گا جس کے وہ طالب ہیں۔اور جو لوگ اس مال کے طالب تھے ان کو یہ دیدیا گیا۔کسی نے عرض کیا کہ اتنی بڑی چیز ایک دفالی کو دیدی گئی فرمایا اللہ تعالیٰ تو تمام متاع دنیا کو قلیل فرمایا ہے قل متاع الدنیا قلیل پھر یہ تسبیح تمام دنیا کے مال و متاع سے کیا نسبت رکھتی ہے۔

جبکہ مولف ہدیہ اپنی دنیا طلبی سے مال جمع ہونے اور تقسیم مال کرنے ہی کو عدم احتیاج سمجھ رہے ہیں تو ان کو ان واقعات سے "لوگ آپ کے محتاج ہونے اور آپ کسی کے محتاج نہ ہونے" سے انکار کرنے کے عوض اس پر ایمان لانا چاہئے کیونکہ غنا و عدم احتیاج حقیقتاً یہی ہے جو قدم بقدم اتباع سنتِ افضل الانبیا والمرسلین ہے۔ مال قارونی و اسباب شدادی کا جمع رکھنا عدم احتیاج نہیں ہے۔

اسی سے امامنا علیہ السلام کے فقرائے مہاجرین کا اعلیٰ مقام بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ ان کو اس مال کے اس طرح تقسیم ہونے اور انھیں نہ ملنے کا بال برابر خطرہ وخلجان نہ تھا اور وہ اس سے بالکل مستغنی ولاپروا تھے جو حقیقی فقرا اور خاص پیروان خاتم الانبیا وخاتم الاولیا (علیہما السلام) کا مسلک ہے کیونکہ حقیقی فقرا کو کسی چیز اور کسی شخص کی احتیاج نہیں ہوتی تا آنکہ وہ اللہ سے بھی اپنی احتیاج ظاہر نہیں کرتے چنانچہ سید الطائفہ جنید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ

الفقیر لا یحتاج الیٰ نفسہ ولا الی ربہ اور جیسا کہ ابراہیم خلیل اللہؑ نے خود کو آگ میں پھینکتے وقت بچانے کی دعا نہیں کی اور "کفانی علمہ بحالی" کہا یعنی اس کا میری اس حالت کو جاننا کافی ہے دعا کی کیا حاجت ہے۔

اس سے بھی مولف ہدیہ کے اس قول کی تردید ہو جا رہی ہے جو انھوں نے کہا کہ "فقر و حاجتمندی ایک ہی ہے"۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ فقیر و غیر محتاج ایک ہے۔ لیکن یہ وہ مقام ہے جس کی سمجھ کا حوصلہ ہر کسی کو حاصل نہیں اس کے مرد میدان اور ہی ہیں۔

ع۔ بر دند شکستگاں ازیں میدان گوئے۔

مولف ہدیہ یہ کہتے ہیں کہ لوگوں کو امامنا علیہ السلام سے کیا حاجت تھی؟ اگر حاجت ہوتی تو اپنے ملکوں سے کیوں اخراج کرتے؟ اس کا جواب یہ ہے یہ کسی مسلمان کے پوچھنے کی بات نہیں ہے۔ اسلامی عقائد کے موافق تمام خلفاء اللہ کی انس وجن کو حاجت رہی ہے اور حاجت وضرورت کو پورا کرنے کے لئے وہ مبعوث ہوتے آئے ہیں یہاں بھی وہی حاجت تھی اگر امام علیہ السلام کی لوگوں کو ضرورت نہ ہوتی تو حضرت رسول اکرم صلعم امت کو برف پر سے رینگتے یا گھستے جا کر بھی بیعت کرنے کی کیوں تاکید فرماتے۔ مولف ہدیہ نے صرف اپنے چند ہم جنسوں کو دیکھ لیا اور انھی معاندین ومنکرین کے عمل پر سے یہ رائے قایم کر لی کہ اگر حاجت ہوتی تو اپنے اپنے ملکوں سے کیوں اخراج کرتے؟ لیکن ان بیشمار مومنین ومصدقین کو نہیں دیکھا جو ایمان وتصدیق سے مشرف ہوئے اور اپنی اپنی سلطنت۔ امارت۔ دولت چھوڑ چھوڑ کر حضرت امامنا علیہ السلام کی خدمت اقدس میں آئے اور

حضرت کے ساتھ اخراج۔جلاوطنی۔ہجرت اور اقسام کے مصائب اختیار کرتے رہے۔ نیز ان حکام ورؤساکو بھی نہیں دیکھا جو حضرت سے اپنے ملک میں تشریف رکھنے کی بار بار التجا کرتے رہے مگر حضرت نے اللہ تعالیٰ کا حکم وہاں سے ہجرت کرنے کے لئے ہو جانے کی وجہ سے ان کی التجا قبول نہیں فرمائی لوگوں کو آپ کی حاجت ہونے اور آپ کو کسی کی احتیاج نہ ہونے کا بدیہی ثبوت اس سے بڑھکر کیا چاہئے تعجب ہے کہ مولف صاحب ہدیہ اکثر آنکھیں بند کرکے اعتراض کر بیٹھتے اور اسلامی اصول وعقائد سے بھٹک جاتے ہیں ۔ سچ ہے
لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور
(اکثر لوگوں کی) آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں لیکن وہ دل جو سینوں میں ہیں اندھے ہوتے ہیں مولف صاحب ہدیہ کی اس کج فہمی کے موافق اگر خلفاء اللہ کے فقط منکرین و معاندین کے مخالفانہ اعمال اور کرتوتوں کو ان خلفاء اللہ کی ضرورت وحاجت کا معیار قرار دیا جائے تو کسی بھی خلیفۃ اللہ۔نبی۔پیغمبر۔رسول بلکہ خاتم الانبیاءٔ والمرسلین صلعم کی بعثت اور تعلیمات کی ضرورت وحاجت ہی ثابت نہ ہوگی کیونکہ ان کے معاندین نے ان ذوات مقدسہ کو بے انتہا تکلیفیں دیں ۔ستایا۔اپنے ملکوں سے اخراج کیا چنانچہ سنہ ہجری آج بھی اسی اخراج کی یاد دہی کر رہا ہے۔ غرض وہ سب کچھ بدسلوکی جس کو مولف ہدیہ اپنے خیال میں عدم ضرورت وحاجت کی علامت ودلیل سمجھ رہے ہیں۔

یہاں تک جو بحث ہوئی وہ دنیوی احتیاج کے متعلقات سے تھی دینی اعتبار سے مولف ہدیہ نے حضرت امامنا علیہ السلام کا لوگوں کے محتاج ہونے اور لوگ آپ کے محتاج نہ ہونے کا جو نتیجہ نکالا ہے وہ اس سے بھی زیادہ قایل کی سخافت عقل پر دلالت کرتا ہے۔چنانچہ جس واقعہ پر سے مولف ہدیہ۔نے یہ رائے ظاہر کی ہے اس کا اصل واقعہ صرف اس قدر ہے کہ امامنا علیہ السلام نے صحابہ سے فرمایا کہ اگر کوئی سنتیں ترک ہوتی ہوں تو مطلع کرو۔چند روز کے بعد میاں لاڑمہاجر نے عرض کیا کہ کتب فقہ سے تحقیق ہوتا ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی قبل فرض وبعد فرض سنت حجرہ سے باہر آکر ادا فرماتے تھے۔امامنا علیہ السلام

فرمایا بندہ بھی ایسا ہی کرے گا۔

اب ناظرین کرام خود فیصلہ کریں کہ اس کو مولف ہدیہ نے امور دینی میں حضرت دوسروں کے محتاج ہونا اور میاں لاڑ ھا جر حضرت کو تعلیم دینا جو قرار دیا ہے وہ کس حد تک صحیح ہوسکتا ہے کیونکہ حضرت امام مہدی موعود علیہ السلام کی ذات اقدس جس کو ہر آن و ہر لحظہ اللہ تعالی سے بلا واسطہ معلومات حاصل ہیں اور جو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک سے راست ہر امر کو دریافت کرنے پر قادر رہے وہ اپنے متبعین اور پیروؤں سے کوئی امر دینی دریافت کرنا کیا معنی ؟ صاف ظاہر ہے کہ اس سے متبعین کو اتباع سنت کی عملی تعلیم دینا مقصود تھا کہ وہ بھی سنت کی ایسی ہی اتباع کریں جس طرح خود فرماتے ہیں۔

یا حضرت کو مومنین کی یہ تعلیم منظور تھی کہ کوئی شخص اپنے علم و دانست پر مغرور نہ ہو بلکہ ہمیشہ آیت شریفہ " فوق کل ذی علم علیم " کو پیش نظر رکھنے اور خود کو سرآمد اہل زماں نہ سمجھے کیونکہ یہ بات جناب کبریائی میں گوارا نہیں۔

یا امامنا علیہ السلام نے اس طرح طریقۂ امر معروف و نہی منکر کی تعلیم فرمائی ہے کہ مومنین آپس میں اظہار امر حق کے ایسے درپے رہیں کہ کوئی کسی کے افعال و اعمال میں سہو و خطا پائے تو بلا رو و رعایت اس کو مطلع کرے غرض حضرت امامنا علیہ السلام کے اس عمل کی وہی توجیہ ہوسکتی ہے جو حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز میں سجدۂ سہو کرنے یا اسی طرح کا کوئی عمل آپ سے ظاہر ہونے میں کی جا سکتی ہے کیونکہ حضرت کی ذات تو سہو و خطا سے پاک و مبرا ہے پھر آپ سے سہو ہونا کیا معنی ؟ اس کی توجیہ حسن یہی ہوسکتی ہے کہ امت کی حالت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت کے جیسی نہیں ہے ان سے سہو و غلطی ہونا لازمی ہے اس لئے درحقیقت یہ امت کے لئے عملی ہدایت ہے کہ کسی کو ایسی صورت پیش آئے تو یہی عمل کرے۔ اس کا اہم فائدہ یہ بھی ہے کہ افراد امت کو ان کے سہو و نسیان میں بھی اقتدائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سعادت و سند حاصل رہے۔ پس امامنا علیہ السلام کے اس واقعہ میں بھی یہی فوائد مضمر ہیں۔

اس حقیقت کے قطع نظر باعتبار ظاہر میاں لاڑ ھا جرؓ کے کسی بات کے

یاد دلانے سے امور دینی میں احتیاج یا تعلیم کرنا اس لئے بھی لازم نہیں آتا اور ایسا کہنا سراسر بے ادبی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے حضرت کو بعض باتیں یاد دلائی ہیں چنانچہ عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ ایک روز آنحضرت صلعم نے نماز ظہر کی پانچ رکعتیں پڑھیں۔ صحابہ نے عرض کیا "کیا نماز بڑھ گئی ہے حضرت نے فرمایا یہ کیوں کہتے ہو عرض کیا کہ حضرت نے اس وقت پانچ رکعتیں پڑھی ہیں۔ فرمایا۔

انما انا بشر مثلکم انسی کما تنسون فاذا نسیت فذکرونی (مسلم)	میں بھی تمہارے جیسا بشر ہوں تم جس طرح بھول جاتے ہو میں بھی بھول جاتا ہوں جب میں بھول جاؤں مجھے یاد دلا دو۔

یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ نووی شارح مسلم نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے۔

فیہ دلیل علی جواز النسیان علیہ فی احکام الشرع وھو مذھب جمھور العلماء وھو ظاھر القرآن والحدیث۔	اس میں احکام شرعی کے مطابق حضرت کیلئے نسیان جائز ہونے کی دلیل ہے اور یہی جمہور علما کا مذہب ہے۔ اور یہی قرآن و حدیث کا ظاہری مفہوم ہے۔

اس اعتبار سے بھی حضرت کے اس قسم کے عمل اور صحابہ کے عرض و معروض کو امور دینی میں احتیاج یا صحابہ کے تعلیم کرنا سراسر غلط اور بڑی بے ادبی ہے۔ اس قسم کے واقعات اور بھی آنحضرت صلعم کی پاک سیرت میں ملتے ہیں۔ ابوہریرہؓ کی ایک روایت مشکوٰۃ میں مسلم کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔

ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ابوبکرؓ اور عمرؓ اور دوسرے لوگ بھی تھے۔ آنحضرت صلعم اٹھکر باہر تشریف لے گئے اور بہت دیر تک واپس نہیں آئے تو ہمیں خوف ہونے لگا اور ہم گھبرا کر اٹھے میں سب سے پہلا شخص تھا جو گھبرا کر حضرت کی تلاش میں نکلا اور انصار کے قبیلۂ بنی النجار کے باغ تک پہنچا (آپ اس باغ میں نظر آئے) میں داخل ہونے کے لئے اس کا دروازہ تلاش کیا اور دروازہ نہیں ملا تو میں باغ کی ایک نالی کو گھری کرکے باغ میں داخل ہوا

جس سے بیرونی کنوئیں کا پانی باغ میں آتا تھا جب میں آپ پاس پہنچا تو فرمایا ابوہریرہ کیا کیفیت ہے؟ میں نے عرض کیا آپ ہمارے پاس بیٹھے بیٹھے اٹھکر چلے گئے اور دیر تک واپس نہیں آے جس سے ہم گھبراگئے اور سب سے پہلا گھبرانے والا میں تھا جو یہاں پہنچا اور لومڑی کی طرح نالی کھود کر داخل ہوا۔ آپ نے مجھے اپنی دونوں نعلیں دیں اور فرمایا یہ میری نعلیں لیجا اور اس باغ کے باہر جو شخص لا الٰہ الا اللہ کی قلبی یقین کے ساتھ شہادت دینے والا تجھے ملے اس کو جنت کی بشارت دے۔

ابوہریرہ کہتے ہیں کہ مجھے سب سے پہلے عمرؓ ملے اور پوچھا یہ نعلیں کیسی؟ میں نے کہا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعلین ہیں آپ نے بھیجی ہیں کہ جو شخص قلبی یقین کے ساتھ لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دینے والا ملے اس کو جنت کی بشارت دو۔ یہ سنکر عمرؓ نے میرے سینہ پر اس زور سے کھا مارا کہ میں چت گر پڑا اور کہا واپس چلے جاؤ میں آنحضرت کے پاس واپس گیا اور رونے لگا۔ آپ نے پوچھا کیا ہے میں نے واقعہ بیان کیا کہ عمرؓ مجھ سے ملے آپ نے جو کہلایا تھا میں نے ان کو اس کی خبر دی انھوں میرے سینہ پر کھا مارا جس سے میں چت گر پڑا اور یہ کہا کہ واپس چلے جاؤ عمر بھی میرے پیچھے پہنچے حضرتؐ نے فرمایا عمر تو نے ایسا کیوں کیا عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ پر سے میرے ماں باپ فدا ہو جائیں آپ نے کیا ابوہریرہؓ کو اپنی نعلین دیکر بھیجا ہے کہ جو شخص قلبی یقین کے ساتھ لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دینے والا انہیں ملے اس کو جنت کی بشارت دیں حضرت نے فرمایا ہاں میں نے کہا ہے عمر نے عرض کیا ایسا نہ کیجئے مجھے ڈر ہے کہ کہیں لوگ اس پر بھروسہ کر کے عمل نہ چھوڑ دیں آپ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیجئے تاکہ وہ عمل کرتے رہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا ہے ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ دیکھو حسب فرمان الٰہی فشاورھم فی الامر" آنحضرت صلعم نے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نیک مشورہ و قبول فرمایا اور اپنے حکم کو واپس لے لیا ہے جو میاں لاڑ مہاجرؒ کے ایک سنت فعلی نا ذکر کرنے سے بہت زیادہ تعلیمی نوعیت رکھتا ہے مگر اس کے باوجود یہ کون مسلمان کہہ سکتا ہے کہ عمرؓ نے آنحضرت صلعم کو تعلیم دی۔

پس امامنا مہدئ موعود علیہ السلام کے اس واقعہ کو بھی اسی پر قیاس کیجئے۔ اس پر کسی شبہ یا اعتراض کی کیا گنجائش ہے۔

اس تمام تقریر ماتقدم سے ثابت ہوا کہ اہل سنت کے اصول پر اگرچہ امام حسین رضؓ کی یہ روایت حدیث موقوف ہے جو مغیبات واعتقادیات میں حجت نہیں ہوتی اور اس لحاظ سے اسمیں مندرجہ امور اثبات مہدیت کی اصل شرائط یا علامات میں شمار نہیں ہو سکتے اور ان کا فقدان فرض بھی کرلیا جائے تو اس سے صحت دعویٰ مہدیت کی نفی لازم نہیں آتی لیکن۔ لیکن اس کے باوجود بھی ان امور ثلٰثہ میں سے ہر ایک کو بالفرض صحت مہدیت کی علامت مخصوصہ ہونا تسلیم کرلیا جائے تو ان میں سے ہر امر کا مفہوم امامنا علیہ السلام پر تمامتر صادق و منطبق ہے۔ مولف ہدیہ نے سکینہ و وقار۔ معرفت حلال و حرام۔ غنا و عدم احتیاج کے متعلق جو خیال آرائی کی ہے وہ اس لئے غلط ہے کہ بقول مولف ہدیہ یہ تینوں امور بحیثیت مجموعی بھی مہدیت کی علامت سمجھی جائیں نہ فقط ایک ایک تو اس صورت میں بھی معاذ اللہ جناب امام حسین رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان بیکار و غیر مفید مقصود ہونا لازم آئے گا کیونکہ اس صورت میں ہر اس شخص کو جو حلم و بردباری۔ علم و معرفت حلال و احرام۔ غنا و عدم احتیاج سے کسی قدر بھی متصف ہو اس کو مہدی ماننا پڑے گا کیوں کہ ان امور کا کس قدر اندازہ مہدیت کی علامت ہے مولف ہدیہ کو معلوم نہیں ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک الفہم السوء۔

سراج الابصار کی روایت پنجم جو مولف "ہدیہ" نے نقل کی ہے یہ ہے جس کو ہم ہدیہ ہی سے یہاں نقل کرتے ہیں۔

منہا ما روی عن علی بن الھنزیلی عن ابیہ قال دخلت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو فی الحالۃ التی قبض فیہا فاذا فاطمۃ عند راسہ والحدیث طویل ذکر فی آخرہ یا فاطمۃ والذی بعثنی بالحق ان منہا مہدی ھذہ الامۃ اذا صارت الدنیا ھرجا مرجا و تظاھرت الفتن وانقطعت السبل واغار بعضہم بعضاً فلا کبیر یرحم صغیراً ولا صغیر

یوترکبیرا فیبعث اللہ عند ذالک منہما من یفتح حصون الضلالۃ وقلوباً غلفا یقوم بالدین فی آخر الزمان کما قمت بہ فی اول الزمان اخرجہ الحافظ ابونعیم الاصفہانی فی صفۃ المہدی۔ فانظر ایہا المنصف الی قولہ علیہ السلام وقلوباً غلفا وھو تفسیر لقولہ حصون الضلالہ نعلم ان المہدی یفتح القلوب الغلف فیملأھا بعدلہ وھذا معنی یملا الارض قسطاً وعدلاً کما ملئت جوراً اوظلما کما ذکر الامام احمد بن حنبل فی مسندہ ویملأ اللہ بہ قلوب امۃ محمد غنی ویسعہم عدلہ۔

مولف صاحب ہدیہ نے اس حدیث کا پورا ترجمہ نہیں کیا بلکہ اس کا مختصر خلاصہ لکھا ہے۔ اور ابتدائی حصۂ حدیث کا جو مطلب بیان کیا ہے اس کا بھی نہ ترجمہ کیا ہے نہ خلاصہ چنانچہ مولف ہدیہ نے جو خلاصہ لکھا ہے وہ یہ ہے۔

روایت پنجم کا حاصل یہ ہے کہ حضرت نے فاطمہ زہرا سے قسم کھا کر فرمایا کہ ان دونوں یعنی حسن حسین کی نسل سے مہدی اس امت کا ہے جس وقت دنیا میں ہرج مرج ہوگا اور فتنے ظاہر ہوں گے اور راہیں بند ہو جاویں گے اور ایک دوسرے کو لوٹے گا پس بڑا نہ چھوٹے پر رحم کرتا ہوگا اور نہ چھوٹا بڑے کی توقیر کرتا ہوگا پس قایم کرے گا اللہ تعالے ان دونوں سے ایسے شخص کو کہ فتح کرے گا قلعوں گمراہی کو اور دلوں غلاف دار کو قایم کرے گا دین کو آخر زمانہ میں جیسا کہ قایم کیا میں نے اس کو اول زمانہ میں انتہی (ہدیہ صفحہ ۱۳۲)

مولف صاحب ہدیہ کو جناب مصنف صاحب سراج الابصار رحمۃ اللہ علیہ پر جو اعتراضات ہیں ان سے تو بعد میں بحث کی جائے گی یہاں اوّلاً یہ بتا دینا ضروری ہے کہ علماء مہدویہ نے کہیں اسی قسم کی تلخیص کی ہے اور اس میں کہیں کوئی غیر مقصود مضمون یا الفاظ نظر انداز ہو گئے ہیں تو مولف ہدیہ اس کو بڑے شد و مد سے تحریف وخیانت۔ سرقہ مانتے ہیں پس اس طرح اپنے ان غلط اعتراضات سے رجوع کر کے

یہ تسلیم کرنا چاہیئے کہ اس طرح خلاصۂ کلام بیان کرنے میں غیر مقصود یہ الفاظ وعبارت متروک ہوجائے تو وہ تحریف وخیانت نہیں کہلاتی۔ جناب مصنف صاحب سراج الابصار رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کی نسبت اپنی جو تحقیق بیان کی ہے اس کا اور روایت کے ابتدائی حصہ کا ترجمہ یہ ہے۔

(ابتدائی حصہ کا ترجمہ)
انہی (روایتوں) میں سے علی بن ہلالی کی روایت ہے جو اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا جبکہ آپ اُس حالت میں تھے جس حالت میں آپ کی رحلت ہوئی۔ فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) آپ کے سرہانے بیٹھی ہوئی تھیں۔ حدیث طویل ہے۔ اس کے آخر میں یہ ذکر ہے کہ (رسول اللہ صلعم نے فرمایا) ای فاطمہ اُس قسم خدا کی قسم جس نے مجھے حق پر مبعوث کیا ہے البتہ انہی دونوں (حسن وحسین رضی اللہ عنہما) سے اس امت کا مہدی ہوگا۔ الخ

اس حدیث کی حافظ ابو نعیم اصفہانی نے تخریج (روایت) کی ہے۔

(آخری حصہ کا ترجمہ)
اے منصفو! رسول اللہ صلعم کے اس قول کو دیکھو جو قلوباً غلفاً (غلاف پوش دل) ہے یہ قول آپ کے اس قول "حصون الضلالۃ" (گمراہی کے قلعوں) کی تفسیر ہے۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ مہدی (علیہ السلام) غلاف پوش قلوب کو (جن پر کوئی بات اثر نہیں کرتی) کھول دیں گے اور ان کو اپنے عدل (کی تعلیم) سے بھر دیں گے۔ یملا الارض قسطاً وعدلاً کما ملئت جوراً وظلماً (بھر دے گا زمین کو قسط وعدل سے جیسی وہ بھر گئی ہوگی ظلم وجور سے) کا یہی معنی ہے جیسا کہ امام احمد بن حنبل نے بھی اپنی مسند میں ان الفاظ سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ مہدی کے ذریعہ امت محمدیہ کے قلوب کو غنا ولاپروائی سے بھر دے گا اور ان کو مہدی کا عدل شامل ہوگا۔

مولف ہدیہ کو جناب مصنف صاحب سراج الابصار رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق پر جو اعتراضات ہیں ان میں سے پہلا اور اہم اعتراض یہی ہے کہ آپ نے "حصون الضلالۃ" سے

حقیقی قلعے مراد نہیں لئے ہیں بلکہ "قلوب غلف" کو اس کا بیان اور تفسیر کہا ہے تاکہ یہ مطلب نکلے کہ مہدی حقیقی قلعوں کو فتح نہ کریں گے بلکہ فقط گمراہوں کے دلوں کو اپنے فیض سے فتح کر کے اپنے عدل سے بھر دیں گے دوسرا اعتراض یہ ہے کہ مصنف سراج الابصار نے اس مراد خلاف ظاہر پر حدیث امام احمد بن حنبل کے اس حصہ کو کہ یملاء[1] اللہ بہ قلوب امۃ محمد غنی ویسعھم عدلہ" سے قرینہ ٹھہرایا ہے۔

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ مصنف سراج الابصار نے دونوں روایتوں میں سرقہ کیا ہے۔ روایت ابو نعیم کے آخر کا فقرہ " یملاء[2] الد نیا عدلا کما ملئت جورا" اس لئے حذف کر دیا ہے کہ یہ ان کی تاویل کو رد کرتا تھا۔ امام احمدؒ کی روایت کا ماقبل و مابعد حصہ بھی جو اس تاویل کی تخریب اور ان کے مہدی کی تکذیب کرتا تھا تمام حذف کر دیا ہے"۔

ان اعتراضات کے دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ مولف ہدیہ کے دل و دماغ پر چند غلط تصورات جن کا کوئی صحیح ماخذ نہیں ہے ایسے مسلط ہیں کہ وہ ہر وقت محل بے محل جا بیجا مترشح ہوتے رہتے ہیں۔ یہ اعتراضات بھی امام مہدی علیہ السلام کے بادشاہ ہفت اقلیم ہونے کے غلط تصور پر مبنی ہیں حالانکہ یہ تصور کسی دلیل شرعی سے نصاً ثابت نہیں ہے بلکہ دوسری متعدد شرعی دلایل کے معارض و مخالف بھی ہے۔ پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ " حصون الضلالۃ " سے حقیقی قلعے مراد ہو ہی نہیں سکتے اس موقع پر اس کے معنی سنگ و خشت کے قلعے سمجھنا خود خلاف ظاہر اور غلط ہے کیونکہ " حصون " کا لفظ جب " ضلالت " کی طرف مضاف کر دیا گیا ہے تو گویا ضلالت کو حصون سے تعبیر کیا گیا ہے اس قسم کی تعبیر کی بہت سی مثالیں قرآن و حدیث اور کلام عرب میں بلکہ ہر زبان میں ملتی ہیں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان اس کی واضح مثال ہے۔

---

[1] ۔ ترجمہ ۔ اللہ تعالی امت محمد کے دلوں کو مہدی (علیہ السلام) کے ذریعہ بے پروائی کی صفت سے بھر دے گا اور ان کو آپ کا عدل شامل ہوگا۔ ۱۲

[2] ۔ دنیا کو عدل سے بھر دے گا جیسے وہ ظلم سے بھری ہوگی۔ ۱۲

انا مدینۃ العلم وعلی بابہا | میں علم کا شہر ہوں اور علی اس (علم کے شہر) کا دروازہ ہے۔

پس لفظ مدینہ جب علم کی طرف مضاف کر دیا گیا ہے تو اس کا معنی یہی ہوگا کہ علم کو مدینہ سے استعارہ کیا گیا ہے اور نفس علم مراد ہے یہاں متعارف اور حقیقی شہر کا تصور نہیں آسکتا۔ اگر یہاں مدینہ سے اس کا متعارف معنی یعنی حقیقی شہر لیا جائے تو معاذ اللہ یہ کہنا ہوگا کہ آنحضرت صلعم کی ذات اقدس علم کا شہر نہیں بلکہ متعارف اور حقیقی شہر ہے۔ ایسا ہی حضرت امیر المومنین علی مرتضی کرم اللہ وجہہ کی ذات قدسی صفات علم کا دروازہ نہیں بلکہ متعارف وحقیقی شہر کا دروازہ ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کہنا صریح غلط اور کھلی جہالت ہے۔ اسی طرح "حصون الفضالۃ" سے بھی حقیقی قلعے مراد لینا خلاف ظاہر اور غیر صحیح ہے۔ مولف ہدیہ نے خلاف ظاہر توجیہ کرنے کی نسبت حضرت مصنف صاحب سراج الابصار کی جناب میں جو بدگوئی و بدزبانی کا طومار باندھا ہے وہ سب خود انھیں پر عود کر رہا ہے۔

دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ خود مولف ہدیہ نے اعتراف کیا ہے کہ

ایک آیت کا معنی دوسری آیت سے اور ایک حدیث کے معنی دوسری حدیث سے سمجھے جاتے ہیں

چہ جائیکہ اسی حدیث میں اسی روایت وسند سے ایک کلام مبین دوسرے کلام کا موجود ہے اس کو نظر انداز کردینا اور اس کے خلاف محض اپنی رائے سے ایک معنی ٹھہرانا سخت جرم و خیانت ہے۔

پس جناب مصنف صاحب سراج الابصار نے ابونعیم کی مذکورہ حدیث کا معنی امام احمد حنبل رح کی روایت کردہ حدیث سے مطابق کر کے دکھایا ہے تو اس اعتراف کے پہلے جز کے یہ عین مطابق ہوا پھر اس سے انکار اور اس پر اعتراض کیسا؟ اسی اعتراف کے موافق حدیث کے دوسرے اجزا سے اس مطلب مصنف کی اور بھی تائید ہوتی ہے جس کی تفصیلی بحث تیسرے اعتراض کے جواب کے ضمن میں معلوم ہوگی۔

تیسرے اعتراض کا اولاً جواب یہ ہے کہ ابونعیم کی روایت کا آخری فقرہ جس کو مولف ہدیہ نے حذف کیا جانا بتایا ہے وہ سراج الابصار کے بعض نسخوں میں موجود ہے۔ ان نسخوں کے لحاظ سے مولف ہدیہ کا اس فقرہ کو محذوف بتانا اور اس کو اس تاویل کی تردید سمجھنا غلط ہے۔ ممکن ہے کہ جو نسخہ مولف ضا ہدیہ نے دیکھا ہوگا اس میں شاید وہ فقرہ نہ ہو مگر اس صورت میں بھی اس فقرہ کو صاف کرنے کی جو وجہ سمجھی اور بیان کی گئی ہے وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اگر وہ فقرہ رہتا بھی تو اس سے مقصود بہ تاویل کو کیا ضرب پہنچ سکتا تھا جو اس کے حذف کرنے کی حاجت ہوتی اس لئے کہ حدیث یملأ الارض قسطا وعدلا الخ تو بر ملا کئی مباحث میں متعدد موقعوں پر ذکر ہوتی ہی رہی ہے۔ خود اس موقع پر بھی اس حصۂ حدیث کو ذکر کیا گیا ہے جب وہ حصۂ حدیث قابل حذف سمجھا گیا تو یملا الدنیا کے الفاظ کیوں قابل حذف سمجھے جاتے یملاء الارض کی جو توجیہ حسن ہو سکتی ہے "یملا الدنیا" کے متعلق بھی صحیح توجیہات ہو سکتی ہیں پھر مولف ہدیہ کے زعم باطل میں دنیا کے لفظ میں کیا بات تھی جس کی وجہ سے انھوں نے اس کو لائق حذف خیال کر لیا۔

ثانیاً "دنیا" کی تحقیق باعتبار لغت واصطلاح یہ ہے کہ دنیا دنو سے مشتق ہے جس کا معنی قریب ونزدیکی ہے اسی مناسبت سے حیوٰۃ دنیا اس حیات فانی کو کہتے ہیں جو موت سے قبل تک ہے اور آخرت اُس عالم کو کہتے ہیں جو موت کے بعد سے ہے چنانچہ امام غزالیؒ نے دنیا وآخرت کی یہ مختصر تعریف کی ہے۔

ان الدنیا والاٰخرۃ عبارۃ عن حالتین فالقریب الدانی منہا یسمی دنیا وھو کل ما قبل الموت المتراخی المتاخر یسمی آخرۃ وھو ما بعد الموت (احیاء العلوم)	دنیا اور آخرت دو حالتوں سے مراد ہے ان میں سے قریبی حالت کو دنیا کہتے ہیں اور وہ موت سے پہلے تک ہے اور بعد میں آنے والی حالت آخرت ہے جو موت کے بعد سے ہے۔

اس لحاظ سے عموماً دنیا کا اطلاق آخرت کے مقابلہ میں ہوتا ہے جیسے ان آیات واحادیث میں اسی تقابلی حیثیت سے دنیا کا ذکر کیا گیا ہے۔

اولئک الذین حبطت اعمالھم فی الدنیا	یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں

والاخرہ وما لھم من ناصرین
(۱۳ - ۱۱ - ال عمران)

حبط ہو گئے ہیں اور کوئی بھی ان کا مددگار نہیں ہے۔

من کان یرید حرث الاخرة نزد له فی حرثه ومن کان یرید حرث الدنیا نوته منها وما له فی الاخرة من نصیب (۲۵ - ۴ - شوریٰ)

جو شخص آخرت کی کھیتی کا ارادہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس میں ترقی دے گا اور جو دنیا کی کھیتی چاہے تو ہم اس میں سے اس کو کچھ دیں گے اور آخرت میں اس کیلئے کوئی حصہ نہیں ہے۔

منکم من یرید الدنیا ومنکم من یرید الاخرة (جز ۴ - رکوع ۷ - سورۂ آل عمران)

تم میں سے بعض وہ ہیں جو دنیا چاہتے ہیں اور بعض آخرت۔

من احب دنیاه اضر اخرته ومن احب اخرته اضر بدنیاه فاثروا ما یبقی علی ما یفنی (کنز العمال)

جس نے دنیا سے محبت رکھا اس نے اپنی آخرت کو نقصان پہنچا لیا اور جس نے آخرت سے محبت رکھا اس نے اپنی دنیا کو نقصان پہنچا لیا پس تم باقی رہنے والی (آخرت) کو فنا ہو جانے والی (دنیا) پر ترجیح دو۔

کہیں دنیا کا لفظ دین کے مقابلہ میں استعمال کیا گیا ہے جیسے ان آیتوں اور حدیث وغیرہ میں ہے۔

وذروا الذین اتخذوا دینهم لعبا ولهوا وغرتهم الحیوة الدنیا الایة
(۷ - ۱۴ - انعام)

ان لوگوں کو (ان کے حال پر) چھوڑ دو جنہوں نے اپنے دین کو لہو و لعب سمجھا اور ان کو حیوٰۃ دنیا نے مغرور کر دیا۔

قالوا ان الله حرمهما علی الکافرین الذین اتخذوا دینهم لهوا ولعبا وغرتهم الحیوة الدنیا الایة (۸ - ۱۳ - اعراف)

اہل جنت کہیں گے اللہ تعالیٰ نے آخرت کی نعمتیں ان کافروں پر حرام کر دی ہیں جنہوں نے اپنے دین کو لہو و لعب سمجھا اور جن کو حیوٰۃ دنیا نے مغرور کر دیا۔

اذا عظمت امتی الدنیا نزعت منه هیبة الاسلام (کنز العمال)

جب میری امت دنیا کی عظمت کرنے لگے گی اس سے اسلام کی ہیبت نکل جائے گی۔

کسی شاعر نے کہا -

ترکت للناس دینهم و دنیاهم　　　شغلاً بذکرك یا دینی و دنیائی

(اے میرے دین دنیا میں نے تیرے ذکر (یاد) میں مصروفیت کی وجہ سے لوگوں کے دین و دنیا کو انھی کے لئے چھوڑ دیا ہے) اس سے ثابت ہے کہ دین اور آخرت کے سوا جو کچھ ہے وہ دنیا ہے -

بعض محققین نے دنیا کی یہ توجیہ کی ہے کہ دنیا چونکہ دنو سے ہے اس لئے ماسوی اللہ سے قرب و نزدیکی کا نام دنیا ہے جو اللہ سے بُعد و دوری کو مستلزم ہے۔

بعض نے خودی و نفس پروری کو دنیا کہا ہے چنانچہ سہل تستری کا قول ہے۔

الدنیا نفسك اذا افنیتها فلا دنیا لك	تیرا نفس دنیا ہے جب تو نفس کو فنا کر دے تو پھر تیرے لئے دنیا نہیں ہے -

بعض عارفین نے اللہ سے غافل ہونے کو دنیا کہا ہے چنانچہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

چیست دنیا از خدا غافل بُدن　　　نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے قماش و نقرہ و فرزند و زن کے عین دنیا ہونے کی جو نفی کی ہے وہ صحیح ہے کیونکہ یہ تمام اعیان موجودہ عین دنیا نہیں بلکہ اسباب غفلت و متاع دنیا ہیں چنانچہ خود قرآن شریف ناطق ہے۔

زین للناس حب الشهوات من النساء والبنین والقناطیر المقنطرة من الذهب والفضة والخیل المسومة والانعام والحرث ذالك متاع الحیوٰة الدنیا واللہ عنده حسن الماٰب الاٰیة	اچھی معلوم ہوتی ہے لوگوں کو محبت مرغوب چیزوں کی (جیسے) عورتیں - بیٹے (اولاد) سونے چاندی کے ڈھیر نشان لگے ہوئے گھوڑے مویشی - زراعت یہ سب (چیزیں) متاع حیاۃ دنیا ہیں اور انجام کار کی خوبی اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے -

حاصل یہ کہ دنیا کے حقیقی مفہوم کی خواہ کچھ بھی تعبیر کی گئی ہو وہ سب مذموم ہی ہے اور قرآن کی اکثر آیتیں دنیا کی مذمت کرنے اور خلایق کو اس سے مختلف اور متعدد طریقوں سے نفرت دلانے اور اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے اور دین و آخرت کی

برتری خیالات پر مشتمل ہیں بلکہ تمام انبیا و خلفاء اللہ کی بعثت کا اصل مقصد یہی رہا ہے امام غزالیؒ نے لکھا ہے۔

الآیات الواردۃ فی ذم الدنیا کثیرۃ واکثر القرآن مشتمل علی ذم الدنیا وصرف الخلق عنہا ودعوتہم الی الاخرۃ بل ہو مقصود الانبیاء علیہم السلام ولم یبعثوا الا لذلک (احیاء العلوم)

دنیا کی مذمت میں بہت زیادہ آیتیں وارد ہیں قرآن کا اکثر حصہ دنیا کی مذمت کرنا اور لوگوں کو دنیا سے پھرانے اور آخرت کی طرف بلانے پر مشتمل ہے بلکہ انبیا علیہم السلام کا اصل مقصود یہی ہے اور وہ سب محض اسی لئے مبعوث ہوئے ہیں۔

ثالثاً گاہے مجازاً دنیا کا اطلاق "عالم وجہان" پر بھی ہوتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ "دنیا" کا لفظ کئی معنی میں مشترک ہے لیکن اس کو مشترک تسلیم کرنے کے باوجود حسب ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

متعدد معانی محتملہ میں سے کوئی محتمل معنی مراد لینا کبھی تحریف، تفسیر بالرائے یا سرقہ وخیانت نہیں کہلاتا اور ایسا سمجھنا یا کہنا صحیح نہیں کیونکہ اگر ایک معنیٔ محتمل کو سرقہ یا تحریف وغیرہ کہا جائے تو دوسرے معنیٔ محتمل پر بھی جو تم نے مراد لی ہے ضرور سرقہ وتحریف کا اطلاق جائز ہوگا۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ کوئی معنیٔ محتملہ کسی موقع کی مناسبت یا دوسرے احکام خدا ورسول کی مطابقت کے اصول پر چسپاں نہ ہوں۔

یہ بھی بالکل ظاہر ہے کہ خدا ورسول کے مذکورہ احکام اور ان کے سوا جتنے بھی احکام دنیا کی مذمت اور اس سے پرہیز کرنے کے متعلق وارد ہیں وہ دنیا کے معنی "عالم وجہان" لینے سے متعلق نہیں ہوسکتے کیونکہ نفس عالم وجہان مذموم نہیں بلکہ اہل عالم کے حالات اور ان کے نتائج مذموم یا محمود ہوسکتے ہیں۔ دنیا کے وہ سب مفہوم ومعانی جو پہلے ذکر کی گئی ہیں اور جو "عالم وجہان" کے معنی کے سوا ہیں وہ سب اخلاقیات اور روحانیات وتہذیب نفس سے تعلق رکھتی ہیں اور تمام خلفاء اللہ کی ہدایت وارشاد رہا ہے نہ کہ عالم وجہان کا انتظام۔ پس اس قرینہ سے جب مسلۂ الدنیا سے "عالم جہان" مراد لینا کوئی مناسبت وموزونیت نہیں رکھتا تو دنیا کے دوسرے معنی ہی مراد ہونا اور ان متعدد معانی میں سے ہر معنی ومفہوم کی مناسبت ہی سے

ظلم و جور اور قسط و عدل کا مفہوم و معنی معین کرنا چاہیئے۔

رابعاً۔ اگر مولف صاحب ہدیہ نے "دنیا" کے ان تمام واضح اور روشن مفہوم و معانی سے جو آیات و احادیث سے مستفاد اور ٹھیک مطابق ہیں آنکھیں بند کرکے کر اسکا معنی صرف عالم وجہاں ہی سمجھکر حضرت امامنا علیہ السلام پر وہ صادق نہ آنے کا نتیجہ نکالا اور جناب مصنف سراج الابصارؒ پر اس فقرہ کو اسی وجہ سے حذف کر دینے کا غلط اعتراض کیا ہے تو یہ اعتراض تب بھی صحیح نہیں ہوسکتا کیونکہ اگر اس موقع پر دنیا سے مراد عالم وجہاں لی جائے تو پھر بھی تمام روئے زمین عدل سے بھر جانے کا مطلب اس لئے بر آید نہیں ہوسکتا کہ "الدنیا" میں جو الف ولام ہے وہ قواعد نحوی کے نظر کرتے یا تو بدل مضاف ہوگا کہ آیت واسئل القریہ التی کنا فیھا میں مضاف یعنی "اھل" مقدّر ہے کیونکہ تقدیر کلام واسئل اھل القریہ التی کنا فیھا "ہے (آپ اہل قریہ سے جس میں ہم تھے پوچھ لیجئے)۔ ایسا ہی یہاں بھی یملأ اھل الدنیا عدلا مراد ہوگا ورنہ عین قریہ سے سوال جس طرح متعذر ہے اسی طرح نفس عالم وجہاں عدل سے پُر ہو جانا مقصود بالذات نہیں بلکہ اہل دنیا کا عدل سے مملو ہونا صحیح معنی ہوسکتا ہے پس اس صورت میں جس طرح تمام اہل قریہ سے سوال کرنا ضروری نہیں بلکہ بعض اہل قریہ سے سوال کرنا غرض کلام پوری ہونے کے لئے کافی ہے ایسا ہی یہاں بعض اہل دنیا عدل سے مملو ہو جانا کافی ہوگا اور مقصودِ کلام اس سے پورا ہو جائے گا۔

یا "الدنیا" کا الف ولام عہد ذہنی وعہد خارجی کے لئے یا بمعنی جنس یا بمعنی استغراق ہوسکتا ہے لیکن ان صورتوں میں سے صرف ایک استغراقی معنی کے سوا باقی سب احتمالات سے "بعض الدنیا" ہی کا مفہوم مستفاد ہوتا ہے اور دوسرے سب معنی محتملہ کو نظر انداز کرکے فقط ایک معنی استغراقی ہی کی لینا ترجیح بلا مرجح ہوگی ہی نہیں بلکہ معنی استغراقی جب دوسری دلایل شرعیہ وعقلیہ کے صاف وصریح مخالف بھی ہے تو ایسی صورت میں وہ معنی لینا خود غلط ہوگا۔

خامساً۔ مولف صاحب "ہدیہ" نے اس موقع پر "دنیا" کے معنی عالم جہاں ہی سمجھنے کی غلطی کی بنا پر ایک اور غلط رائے یہ بھی قایم کرلی ہے کہ "دنیا کو عدل سے بھر دینا اس کے تمام یا اکثر حصے مراد لئے بغیر کلام درست

نہیں ہوتا ہے" ان کے اس قول سے کے نظر کرتے یہ لازم آتا ہے کہ حضرت سرور کائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں تیرہ سو سال قبل کا واقعہ (آنحضرت صلعم نے عالم کو ایمان وعمل صالح سے منور کردیا (شرح عقاید وغیرہ) یہ بھی صحیح نہ ہوگا کیونکہ اگر کا معنی بقول مولف ہدیہ تمام عالم یا اکثر عالم کو بالفعل ایمان وعمل صالح منور کرنا لیا جائے تو آنحضرت صلعم پر صادق نہیں آئے گا حضرت نے تمام عالم یا اکثر عالم کو ایمان اور عمل صالح سے کہاں منور فرمایا بلکہ بعض علماء اسلام جیسے صاحب تفسیر البحر المواج کے قول کے مطابق تمام عالم کے سوا سو ۱۲۵ حصوں سے ایک سو چوبیس حصے کافر ہیں اور ایک حصہ مسلمان ۔ پھر حسب صراحت حدیث ابن ماجہ جو اس سے پہلے نقل ہوئی ہے اس ایک حصے کے بھی تہتر فرقے ہیں جن میں بہتر فرقے ہالک اور صرف ایک فرقہ ناجی یعنے نجات پانے والا ہے ۔ پس تمام عالم میں ایمان وعمل صالح کا نور پھیلنا صادق نہیں ہے اور مولف ہدیہ کی رائے کے مطابق جب تک تمام عالم یا اکثر عالم مراد نہ لیں کلام درست نہ ہونا چاہیئے اس سے ثابت ہے کہ مولف ہدیہ کی یہ توجیہ بھی صحیح نہیں ہے بلکہ "نور العالم" کی نسبت بھی وہی توجیہ احسن اور صحیح ہے جو یملاء الدنیا عدلا کی ہوسکتی ہے یا اس سے حضرت پیغمبر اسلام (ارواحنا فداہ) کی تعلیمات اور فیضان کی برکات مراد ہیں جو تمام اہل عالم کے لئے ایمان وعمل وصالح کی نورانی مشعل ہیں جس کے صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ غیر مسلم اقوام کے بڑے بڑے فلاسفر بھی قایل ہیں غرض حضرت سرور کائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت "نور العالم بالایمان والعمل الصالح" جن اعتبارات کے لحاظ سے صحیح ہے حضرت خلیفۃ اللہ امام مہدی علیہ السلام کی نسبت بھی "یملاء الدنیا عدلا" انہی اعتبارات سے صحیح وصادق ہے ۔

اس تحقیق کے بعد اس اصول سے بھی بحث کرنے کی ضرورت ہے جس کا مولف ہدیہ نے بھی اس شد ومد سے اعتراف کیا ہے کہ ایک آیت کے معنی دوسری آیت سے اور ایک حدیث کے معنی دوسری حدیث سے سمجھے جاتے ہیں چہ جائیکہ اسی حدیث میں اسی روایت و سند سے ایک کلام مبین (بیان کرنے والا) دوسرے کلام کا

موجود ہو تو اس کو نظر انداز کر ڈالنا اور اس کے خلاف محض اپنی رائے سے ایک معنی ٹھیرا لینا سخت جرم و خیانت ہے اسی کو تفسیر بالرائے اور تحریف معنوی کہتے ہیں" الخ (ہدیہ صفحہ ۱۳۳)

پس حافظ ابو نعیم اصفہانی کی روایت کردہ حدیث میں غور کیا جائے جو اس وقت مابہ البحث ہے تو امام مہدی علیہ السلام کا ضلالت کے قلعوں اور غلاف دار دلوں کو کھولنا اور دین کو آخر زمانہ میں ایسا قایم کرنا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اول زمانہ میں قایم کیا تھا یہ سب مضامیں ایک ہی حدیث میں جمع ہیں تو گویا ہر دوسرا فقرہ پہلے فقرہ کا بیان واقع ہوتا گیا ہے قلوب غلف بھی حصون الضلالۃ کا بیان واقع ہوئے ہیں کیونکہ اگر حصون الضلالۃ سے حقیقی قلعے مراد لی جائے تو اس مفہوم کو قلوب غلف کو کھولنے سے کوئی ربط اور مناسبت نہ ہوگی خصوصاً اس لئے بھی کہ یہ دونوں "حصون الضلالۃ" اور قلوب غلف ایک ہی فعل "یفتح" کے مفعول واقع ہوئے ہیں تو ایک مفعول کے لئے شاہانہ فتوحات کا تصور کرنا اور دوسرے مفعول کے لئے پیغمبرانہ ارشاد و ہدایت کا مفہوم لینا ایک دوسرے سے کوئی ربط اور میل نہیں رکھتا۔ البتہ یفتح حصون الضلالۃ سے نفس ضلالت کو دفع کرنا مراد ہو تو قلوب غلف کو کھولنا اور ضلالت کو رفع کرنا دونوں میں کامل ربط اور مناسبت قایم رہتی ہے پس جناب مصنف سراج الابصار رحمۃ اللہ علیہ کا غلف کو حصون الضلالۃ کا بیان کہنا اس اصول کے ٹھیک مطابق ہے اور مولف ہدیہ کا اس پر اعتراض کرنا اور حصون الضلالۃ سے مٹی پتھر کے بنے ہوئے قلعے مراد لینا سراسر تفسیر بالرائے اور تحریف معنوی اور خود انہی کے قول کے مطابق "سخت جرم و خیانت ہے"۔

اس کے علاوہ حضرت امام مہدی علیہ السلام آخر زمانہ میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جیسا دین کو قایم کرنا حقیقی قلعوں کو فتح کرنے سے مطابق نہیں ہوتا البتہ قلوب غلف کو کھولنا اس کے ٹھیک مطابق ہے کیونکہ نبیٔ آخر الزمان صلعم کی متعلقہ بشارات میں بھی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصف قلوبِ غلف کو کھولنا ہی بیان ہوا ہے چنانچہ سیر کی مشہور کتاب "مواہب لدنیہ" میں وہب بن منبہ سے یہ روایت لکھی ہے۔

قال اوحی اللّٰہ تعالیٰ الیٰ شعیب علیہ السلام انی باعث نبیا امیا افتح بہ اذ ناً صما و قلو باً غلفاً و اعینا عمیا مولدہ مکۃ ومھاجرہ طیبۃ۔

اللہ تعالیٰ نے شعیب علیہ السلام پر وحی کی کہ میں ایک امی نبی کو مبعوث کرنے والا ہوں جس کے ذریعہ میں بہرے کانوں۔ غلاف دلوں۔ اندھی آنکھوں کو کھول دوں گا جسکی پیدائش کا مقام مکہ اور ہجرت کا مقام طیبہ ہوگا۔

دیکھو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصف بھی قلوب غلف (غلاف دار دلوں) کو کھولنا ہی بیان کیا گیا ہے حقیقی قلعے فتح کرنے کا ذکر نہیں ہے اس روایت سے بھی اس حدیث کے یہی معنی سمجھے جا رہے ہیں کہ حصون الضلالۃ کی فتح سے نفس ضلالت کا دفع مراد ہے اور قلوب غلف کی ہدایت اس کا بیان واقع ہوئی ہے اسی سے امام مہدی علیہ السلام کا کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کام کے جیسا ہونا صادق آتا ہے اور اگر حصون الضلالۃ سے حقیقی قلعے فتح کرنے کا مفہوم نکالا جائے تو یہ نتیجہ برآمد ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو قلوب غلف کو کھولیں گے اور امام مہدی علیہ السلام ظاہری بادشاہوں کی طرح حقیقی قلعے فتح کرتے رہیں گے۔ دونوں کے وصف وعمل میں مشابہت ومماثلت نہ ہوگی۔ حالانکہ حدیث شریف تو مماثلت پر علانیہ دلالت کر رہی ہے۔ اس اعتبار سے بھی حصون الضلالۃ سے حقیقی قلعے مراد لینا جیسا کہ مولف ہدیہ نے سمجھا ہے صاف تحریف معنوی ہے جو اس حدیث کے مطابق نہیں ہے۔ اور جناب مصنف صاحب سراج الابصار رحمۃ اللہ علیہ کا قلوب غلف کو حصون الضلالۃ کا بیان قرار دینا صحیح ہے۔

آخر زمانہ میں مہدیؑ مثل رسول اللہ دین کو قایم کریں گے۔

ابو نعیم اصفہانی کی روایت کردہ حدیث کے آخری حصہ میں ایک اور واضح قرینہ ایسا موجود ہے جو اس حدیث کے دوسرے نصوص کا بلکہ اور دوسری احادیث کے مندرجہ مضامین کا بھی بیان واقع ہوا ہے چنانچہ اس کی اصل عبارت یہ ہے۔

فیبعث اللّٰہ عند ذالک منہما من یفتح حصون الضلالۃ وقلوباً غلفاً یقوم بالدین فی اٰخر الزمان کما قمت بہ فی اول الزمان

پس اس وقت اللہ تعالیٰ ان دونوں سے ایسے شخص کو مبعوث کرے گا جو گمراہی کے قلعوں اور غلاف دار دلوں کو کھولے گا دین کو آخر زمانہ میں ایسا ہی قایم کرے گا جیسا میں نے اس کو اول زمانہ میں قایم کیا۔

اس سے ثابت ہے کہ امام مہدی علیہ السلام دین کو آخر زمانہ میں ایسا قایم کریں گے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اول زمانہ میں قایم کیا۔ اس تشبیہ ومماثلت کو باعتبارِ وسعت حدود واقامتِ دین دیکھا جائے تو "یملا الدنیا عدلاً" جو امام مہدی علیہ السلام کی شان میں وارد ہے اس کا مفہوم ومعنی صاف واضح ہو جاتا ہے کہ اس سے تمام عالم وجہاں کو عدل سے پُر کر دینا مراد ہو سکتا ہے یا نہیں۔ چونکہ اس حدیث کے اُس حصہ کی رو سے امام مہدی علیہ السلام کا دین کو قایم کرنا مشبّہ ہے اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین کو قایم کرنا امام مہدی علیہ السلام کے قیام دین کے لئے مشبّہ بہ اور معیار قرار دیا گیا ہے لہذا مشبّہ اور مشبّہ بہ میں مماثلت پائی جانا ضروری ہے۔ ظاہر ہے کہ حضرت سرور کائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام عالم وجہاں کے سب قلعے کب فتح کئے؟ تمام روئے زمین کے حاکم ہوئے؟ حضرت کی حیاتِ طیبہ میں جملہ عالم وجہاں کے چپہ چپہ میں کہاں عدل پھیل سکا؟ پس اگر "یملا الدنیا عدلاً" یا "یملاء الارض قسطاً وعدلاً کما ملئت جوراً وظلماً" کا معنی دنیا بھر کے حقیقی قلعے فتح کرنا۔ تمام عالم وجہاں کو عدل سے پُر کرنا۔ تمام ربع مسکوں میں ایک دین ہو جانا سمجھا جائے تو اس معنی کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو قایم کرنے سے کوئی شباہت ومماثلت اور مناسبت ومطابقت نہ رہے گی اور ان احادیث کا ایسا مفہوم ومعنی بیان کرنا صریحاً غلط ہوگا۔

اسی حدیث میں اسی روایت اور اسی سند سے ایک ضروری قید بھی درج ہے جو اس حدیث کے بلکہ دوسری احادیث کے مندرجہ مضامین کی بھی مبین یعنی بیان کرنے والی واقع ہوئی ہے وہ "اول الزمان" کی قید ہے یعنی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

اول زمانہ میں قایم کئے ہوے دین سے امام مہدی علیہ السلام کے قیام دین کو تشبیہ دی گئی ہے پس اول زمانہ سے یا تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے پہلے کا کوئی زمانہ مراد ہوگا یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف کا ابتدائی زمانہ جو آنحضرت صلعم کی بعثت یعنی وحی نازل ہونے سے پہلے گزرا ہے یا بعثت کے بعد سے رحلت تک جو زمانہ ہے اس کا ابتدائی حصّہ مقصود ہوگا ؟ ظاہر ہے کہ اس سے وہ زمانہ کسی طرح مراد نہیں ہوسکتا جبکہ آنحضرت صلعم کا وجود باجود اس عالم میں موجود ہی نہیں تھا اور حضرت سے اس وقت اقامتِ دین کا فعل ظہور میں آیا ہی نہ تھا ۔ ایسا ہی آنحضرت صلعم کی عمر شریف کا وہ زمانہ بھی مراد نہیں ہوسکتا جو بعثت سے پہلے ہے کیونکہ اس زمانہ میں بھی اقامتِ دین کا تصور صادق نہیں آتا ۔ حالانکہ حضرت نے اس زمانہ میں اقامتِ دین کی نسبت یا اسناد اپنی ذات اقدس کی طرف کی اور صاف فرمایا ہے " کما قمت به فی اول الزمان (یعنی) جیسا میں نے دین کو اول زمانہ میں قایم کیا) ۔ پس وہ زمانہ مراد نہیں ہوسکتا جس میں اقامتِ دین کا وجود نہ پایا جائے ۔ اب باقی رہ گیا بعثت سے بعد کا زمانہ ہو نہو اول زمانہ سے مراد اول زمانۂ اسلام ہی ہوسکتا ہے اس لئے کہ یہی وہ زمانہ ہے جس میں آنحضرت صلعم کا دین کو قایم کرنا صادق اور متحقق ہے چنانچہ بعض روایتوں میں " کما قمت به فی اول الزمان " کی بجائے " کما قمت به فی اول الاسلام " کے الفاظ ہی ہیں پس اسی اصول کے مطابق کہ ایک حدیث کے معنی دوسری حدیث سے سمجھے جاتے ہیں جس کا مولف ہدیہ کو بھی اعتراف ہے یہ روایت " اول الزمان " کا بیان واقع ہونے کے باعث " اول الزمان " سے اول زمانۂ اسلام مراد و مقصود ہونا صحیح ہے ۔

تاریخ اسلام سے ثابت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت یعنی آپ پر وحی نازل ہونے کے بعد سے حضرت کی دعوت و تبلیغ دینِ اسلام کی جملہ مدت مسلسل تئیس ۲۳ سال رہی ہے اور اس مدت میں اقامتِ دین کے دو نمایاں حصے پائے جاتے ہیں ایک وہ حصہ جو نزولِ وحی کے بعد سے مکۂ معظمہ میں گزرا جس کی مدت تیرہ ۱۳ سال رہی دوسرا وہ حصہ جو ہجرت کے بعد سے

آنحضرت صلعم کی آخر حیات تک مدینہ طیبہ میں گزرا جس کی مدت دس سال رہی ان دونوں زمانوں کی تبلیغ اسلام یا اقامتِ دین کے حالات باہم مختلف اور جدا جدا رہے ہیں۔ جس کا مختصر بیان یہ ہے کہ اس ابتدائی زمانہ میں جہاد کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے آنحضرت صلعم اور مسلمانوں کو بڑی بڑی تکلیفیں اٹھانی پڑی ہیں اور انتقام کی طاقت نہیں تھی۔ یہ تمام زمانہ صبر و شکر سے مصائب برداشت کرنے اور مظالم و شداید جھیلنے میں گزرا ہے۔

ہجرت کے بعد کا زمانہ اس کے برعکس رہا۔ جہاد کے احکام اس زمانہ میں نازل ہو گئے تھے۔ مسلمانوں کو کفار کے مظالم اور ان کی دست درازیوں کا انتقام لینے کی اجازت مل گئی تھی مسلمانوں کی حفاظت اور دین کی حمایت کے لئے غزوات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ خراج۔ غنائم۔ سبایا آنے لگے تھے۔ اطراف و جوانب کے قبائل اور رؤسا کی طرف سے وفود آتے اور اپنے قبیلہ کے اسلام سے مشرف ہونیکی شہادت دیتے تھے اس طرح یدخلون فی دین اللہ افواجاً کا ظہور ہو کر لوگ جوق جوق دین اسلام میں داخل ہو رہے تھے۔

جب امام مہدی علیہ السلام کے زمانہ کو ابتدائی زمانۂ اسلام سے تشبیہ دی گئی ہے تو اس تشبیہ کے مطابق عمل ہونا چاہئے اس زمانہ میں جیسا کہ جہاد و قتال نہیں تھا اور اس زمانہ میں حقیقی قلعے فتح نہیں ہوئے تھے ایسا ہی امام مہدی علیہ السلام کے زمانہ میں بھی نہ ہونا چاہئے۔ پس " یفتح حصون الضلالۃ " سے حقیقی قلعے فتح کرنے کا۔ سنگ و خشت کے مفہوم و معنی سمجھنا اس تشبیہ کے مغائر ہونیکے سبب سے بھی غلط ہے۔

مولف ہدیہ ہر جگہ یہ بھی اعتراض کرتے آرہے ہیں کہ امامنا علیہ السلام نے دعوی مہدیت کرنے کے بعد سے سنت جہاد پر عمل نہیں کیا اس اعتراض کے اس سے پہلے جو جوابات ادا کئے گئے ہیں ان کے علاوہ ایک تحقیقی جواب اس حدیث کے مدنظر یہ بھی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے ثابت ہو چکا ہے کہ امام علیہ السلام اول زمانۂ اسلام کی طرح دین کو قائم کریں گے تو بعد دعوئی مہدیت جہاد نہ کرنا ہی صدقِ مہدیت کی بڑی علامت ہے کیونکہ

اس ابتدائی زمانۂ اسلام یعنی مکۂ معظمہ کے قیام کی تیرہ سالہ وسیع مدت میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے ساتھ سیف و سنان سے کب جہاد وقتال کیا تھا بلکہ اس زمانہ میں تو جہادِ اکبر ہی پر عمل تھا یعنی مظلومیت اور نفس کشی میں بسر ہوتی تھی۔

پس امامنا مہدئ موعود علیہ السلام کی پاک زندگی بھی اسی کا نمونہ تھی اور یہی آپ کے دعوئ مہدیت کی صداقت وحقیقت کی ایک اور بیّن دلیل ہے۔

مولف ہدیہ کا جناب مصنف صاحب سراج الابصار رحمۃ اللہ علیہ پر یہ اعتراض بھی صحیح نہیں ہے کہ جناب ممدوح نے روایت امام احمد بن حنبل کا ماقبل و مابعد حصہ حذف کر دیا ہے کیونکہ اس موقع پر وہ تمام روایت مقصود بہ نہیں تھی جو پوری روایت نقل کرنا ضروری ہوتا۔ جناب مصنف صاحبِ سراج الابصار کو صرف اس جزء کی تائید پیش کرنا مقصود تھا کہ ابو نعیم اصفہانی کی روایت میں جو مضمون الضلالۃ مذکور ہے قلوب غلف اس کا بیان اور تفسیر ہے اس قرینہ سے کہ امام احمد بن حنبل کی روایت کردہ حدیث میں بھی امام مہدی علیہ السلام کا وصف خاص یملاء قلوب امة محمد غنیً ویسعھم عدلہ بیان ہوا ہے (یعنی امت محمدیہ کے قلوب کو غنا و لاپروائی سے پُر کر دے گا اور اس کا عدل ان کو شامل ہوگا) اس سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے کہ امام مہدی (علیہ السلام) کی تعلیمات سے اصلاح قلوب عمل میں آئے گی۔ اسی لئے جس حصۂ حدیث سے مقصود بہ مضمون کی تائید ہوتی تھی جناب ممدوح نے فقط اسی کے ذکر کرنے پر اکتفا کیا نہ یہ تحریف ہے نہ تبدیل ہے نہ تغیر ہے۔

مولف ہدیہ نے یہ بھی شبہ ظاہر کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام احمد حنبل کی روایت میں جو باتیں مذکور ہیں وہ امامنا علیہ الصلوٰۃ والسلام میں نہیں پائی جاتی تھیں اسی لئے مصنف سراج الابصار نے ان کو ذکر نہیں کیا یہ شبہ بھی کئی وجہ سے غلط ہے۔

اولاً۔ کیا بقول مولف ہدیہ اس روایت ہی کو صحت دعوی مہدیت کا معیار قرار دینا اصولِ حدیث کی رو سے صحیح ہے جبکہ مولف ہدیہ نے یہ نہیں بتایا کہ یہ روایت کس سے مروی ہے اور اس کا سلسلۂ روایت کیا اور کیسا ہے؟ جس کے بغیر روایت کی صحت و عدمِ صحت اور اس کی قوت وضعف کا فیصلہ نہیں ہو سکتا۔

ثانیاً برتقدیرِ صحتِ روایت اُن امور کے علاوہ جو متواتر اور مشہور طور پر ثابت ہیں اور جن کو ائمہ محققین متقدمین نے علاماتِ مہدیت قرار دیا ہے اِس روایت کے بعض وہ اجزا جو خبرِ واحد کے طور پر زاید درج ہیں اُن کو بھی متواتر و مشہور کی طرح صحتِ دعویٰ مہدیت کے لئے معیار و موقوف علیہ قرار دینا کیا محدثینِ اہلِ سنت کے اصول کے خلاف نہیں ہے؟

ثالثاً بنابریں مصنفِ صاحبِ سراج الابصار نے اس روایت کے کسی جزکو بطورِ تائید مزید پیش کیا ہے تو اس سے تمام روایت کو مبنئ استدلال یا معیارِ صحت و موقوف علیہ تسلیم کرنا لازم نہیں آتا کیونکہ کسی امر کی تائید مزید تسلیم کرنے اور اس کے بنائے صحت یا موقوف علیہ ماننے میں اصولاً بڑا فرق ہے۔

رابعاً اگر ان اصولی امورِ تنقیح طلب سے جن کا بارِ ثبوت مولفِ ہدیہ کے ذمہ ہے اور اس کے بغیر اُن کے سب اعتراضات وبیانات ہباءً منثورا ہیں فرضاً و تقدیراً قطع نظر کر لیا جائے اور مولف صاحب ہدیہ نے اس روایت کو جس طرح ہدیہ میں درج کیا ہے اُسی پر غور کیا جائے تو اس کو بھی ہم امامنا علیہ الصلوٰۃ والسلام پر منطبق پاتے ہیں چنانچہ اس روایت کا متن اور اس کا ترجمہ جو ہدیہ میں درج ہے مولف ہدیہ ہی کے الفاظ و عبارت میں یہ ہے۔

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلم بشریکم بالمهدی رجل من قریش من عترتی یبعث فی امتی علی اختلاف من الناس و زلازل فیملأ الارض قسطا و عدلا کما ملئت جوراً و ظلما و یرضیٰ عنه ساکن السماء وساکن الارض و یقسم المال صحاحاً بالسویة بین الناس و یملأ قلوب امة محمد غنی و یسعهم عدله حتی انه یامر منادیا ینادی من له	فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت ہو تم کو ساتھ مہدی کے کہ ایک مرد ہے قریش سے اولاد سے میری اٹھایا جائے گا میری امت میں وقت اختلاف آدمیوں کے اور زلزلوں کے پس بھر دے گا زمین کو عدل و انصاف سے جیسا کہ بھر گئی ہوگی ظلم و ستم سے اور راضی ہونگے اس سے رہنے والے آسمان کے اور رہنے والے زمین کے اور تقسیم کرے گا مال کو برابر آدمیوں اور بھر دے گا امت محمدیہ کے دلوں کو غنا سے اور شامل ہو گا انکو عدل اس کا جہاں تک کہ

حاجة الی فما یاتیه احد الا رجل واحد یاتیه یسئله فیقول ایت السادن حتی یعطیك فیاتیه انا رسول المهدی الیك لیعطینی مالاً فیقول راحث فیحثی ولا یستطیع ان یحمله فیلقی حتی یکون قدر ما یستطیع ان یحمله فیخرج به فیندم فیقول انا کنت اجشع امه محمد نفسا کلهم دعی الی هذا المال فترکه غیری فیرده علیه فیقول انا لا نقبل شیئا اعطیناه فیلبث فی ذلك ستا او سبعا او ثمانیا او تسع سنین ولا خیر فی الحیوٰة بعده۔

وہ حکم کرے گا ایک منادی کو پس ندا کریگا کہ کس شخص کو حاجت ہے طرف میرے پھر نہ آوے گا اس کے پاس کوئی مگر ایک مرد کہ امام موصوف کے پاس آکر سوال کرے گا پس کہیں گے کہ جا خادم کے پاس تا کہ دیوے وہ تجھ کو پس آوے گا اس کے پاس کہ میں بھیجا ہوا مہدی کا ہوں تیری طرف تا کہ دیوے تو مجھ کو مال پس کہے گا کہ بھر لے پھر بھرے گا اور نہ اٹھا سکے گا پس ڈال دے گا یہاں تک کہ رہ جائے گا۔ بقدر طاقت اٹھانے کے پھر لے کر نکلیگا پس نادم ہوگا پس کہے گا کہ میرا نفس سب امت محمدیہ سے زیادہ حریص ہے کہ سب بلائے گئے طرف اس مال کے پس سب نے چھوڑ دیا اس کو سوائے میرے پھر پھیرے گا اسکو مہدی پر پس کہیں گے کہ ہم نہیں لیتے ہیں اس چیز کو کہ دیتے ہیں پس ٹھہرے گا امام اس حال میں چھ یا سات یا آٹھ یا نو برس اور نہیں خیر ہے حیات میں بعد اس کے۔

اس روایت میں امام مہدی علیہ السلام کے یہ حالات مذکور ہیں۔

امام علیہ السلام کا بلحاظ نسل وخاندان قریشی اور عترۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہونا۔ لوگوں میں مال علی السویہ یعنی برابر تقسیم کرنا

امت محمدیہ کے دلوں کو غنا و لاپروائی سے مملو کر دینا اور ان کو امام کا عدل شامل ہونا۔ زمین کو عدل سے بھر دینا جیسی وہ ظلم سے بھری ہوگی۔

آسمان والوں اور زمین والوں کا آپ سے راضی رہنا۔

ان حالات واوصاف کے ساتھ جو امام علیہ السلام کی ذات اقدس سے

تعلق رکھتے ہیں امام علیہ السلام کے ظہور کے وقت زمانہ کی جو حالت ہوگی وہ یہ بیان کی گئی ہے کہ اس وقت لوگوں میں اختلافات اور زلزلے برپا رہیں گے۔

امامنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عترۃ سے ہونا ثابت و متحقق ہے جس کی تحقیق دلیل اول کی بحث میں ہو چکی ہے یعنی مولف ہدیہ نے صرف ایک "عمدۃ المطالب" کے بیان پر امامنا علیہ السلام کی سیادت کی نسبت شبہ ظاہر کرکے جو غلط بیانی اور جس قدر بیہودہ گوئی کی تھی اس کی کافی تردید۔ تواتر۔ اہل تاریخ و سیر کے بیانات۔ شجرہ جات۔ دوسری کتب انساب وغیرہ سے جو ناقابل انکار ذرایع ہیں کردی گئی ہے اور امامنا علیہ السلام کا عترۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہونا اور اس سلسلہ نسب کے واسطے سے قریشی ہونا صادق ہے۔

مال بالسویہ تقسیم کرنا بھی امامنا علیہ السلام کا ایسا دوامی طریقہ وآئین رہا ہے کہ جس کے دوست۔ دشمن اپنے بیگانے سب مقر و معترف ہیں۔

امت محمدیہ کے قلوب کو غنا سے معمور کردینا اور ان کو آپ کا عدل شامل ہونا بھی صادق ہے چنانچہ اس کا کسی قدر بیان اس سے پہلے جو ہوا ہے وہ اس کا شاہد عدل ہے کہ امامنا علیہ السلام کے مقبلین مال و زر سے کس مافوق الفطرۃ حد تک متغنی اور کس قدر اعلیٰ صفت قناعت سے متصف تھے اور یہ تو ظاہر ہے کہ کسی کا دل بجز قناعت کے مال و دولت کی بہتات سے ہرگز غنی نہیں ہوتا جیسا کہ اس روایت سے ثابت ہے جو اس سے پہلے لکھی گئی ہے کہ

لو کان لابن آدم وادیان من مال لابتغیٰ وادیاً ثالثاً الخ	اگر آدمی کے لئے مال سے بھرے ہوئے دو وادی بھی ہوں تو وہ تیسرے وادی کا طالب رہے گا۔ الخ

خود مضمونِ حدیث کے اُسی حصہ سے جو بزعم مولف ہدیہ طلب مال و عطاے مال سے متعلق ہے" یملأ قلوب امۃ محمد غنًی " کا مفہوم کالشمس فی نصف النہار ظاہر ہے کہ جہاں منادی یہ ندا کرے گا کہ جس کو حاجت و ضرورت ہو وہ آئے اور مال لیجائے وہاں صرف ایک شخص کے سوا اور کوئی شخص مال کا طالب نہ ہونا اور نہ آنا۔ پھر وہ خود بھی مال پھینک دینا خود کو امت محمدیہ میں سب سے

زیادہ حریص سمجھکر نادم ہونا کہ سب اس مال کی طرف بلائے گئے تھے مگر بجز ایک کے سوائے سب نے اس کو چھوڑ دیا۔ پھر لیا ہوا مال واپس کر دینا یہ سب اجزائے کلام اسی حقیقی غنا ولا پروائی کی تجلیات ہیں جو امام مہدی علیہ السلام کے نورانی زمانہ کے لوازمات وبرکات ہیں۔ مگر مولف ہدیہ اس موقع پر بعض لایعنی شبہات اور جزئیات میں تو الجھ گئے ہیں کہ امامنا علیہ السلام کے ظہور کے وقت زلزلے کہاں تھے اور منادی نے ندا کب کیا۔ لیکن یہی روح کلام جو امام علیہ السلام کی روایات کے الفاظ وعبارت سے ظاہر ہو رہی ہے اور دل دانا و دیدۂ بینا رکھنے والوں کو صاف نظر آ رہی ہے اس سے مولف نے کیوں آنکھیں بند کر لیں حالانکہ انھوں نے امام علیہ السلام کی پاک سیرت اور حالات کی کتابیں مثلاً انصاف نامہ۔ شواہد الولایت وغیرہ دیکھی ہیں ان کے اقتباسات اور حوالے بھی دئے ہیں انصاف نامہ میں لکھا ہے۔

"آواز در دایرہ بلند کردند کہ ہر کس مضطر باشد بگیرد" دایرہ میں بلند آواز سے کہتے تھے کہ جو مضطر ہو وہ لیوے۔ یہ ندا نہیں تو کیا ہے۔ شواہد الولایۃ میں ہے۔

جمیع مرداں وزناں گفتند کہ حضرت میراں فرمودند ہر کہ را مال در کار باشد بر وید و بگیرید ہمہ کساں مرداں وزناں بیک بار گفتند کہ ما را بجز ذات باری تعالیٰ ہیچ در کار نیست۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت امامنا علیہ السلام کے حکم کے موافق میاں سید سلام اللہ رضؓ نے سب صحابہ و مہاجرین امام علیہ السلام سے کہا کہ فلاں جگہ امام علیہ السلام کے تصرف اور کرامت سے مال از قسم زر وجواہرات پڑا ہوا ہے جس کو ضرورت ہو جا کر لے لے تو سب مرد اور مستورات بالاتفاق کہیں کہ ہم کو خدا کی ذات کے سوا کچھ درکار نہیں ہے یہ حقیقی غنا نہیں تو کیا ہے۔ ایسا ہی زلزلوں سے ظاہری زلزلے ہی مراد لئے جائیں تو یہ بھی ثابت ہے چنانچہ حافظ جلال الدین سیوطی کے رسالۂ زلازل کے دیکھنے سے اس کی تصدیق ہوتی ہے اور دوسری تاریخوں سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ امامنا علیہ السلام کی بعثت کے قبل و بعد قریبی زمانہ میں زلزلے ہوے ہیں۔

غرض امامنا علیہ السلام کے عہد میں امت کے قلوب حقیقی غنا سے

معمور ہو جانا بھی ثابت ہے۔ مولف ہدیہ کی پیش کردہ صورتیں بھی صادق ہیں کیونکہ اختلافات۔ ندا۔ اور زلزلوں کا وجود بھی ثابت ہے۔ مولف ہدیہ نے اس موقع پر اس حدیث میں ایک تحریف معنوی یہ کی ہے کہ لوگ امام مہدی علیہ السلام کی تعلیم وصحبت کی برکت اور قناعت کی دولت سے مالامال ہوکر مستغنی نہیں ہوں گے بلکہ امام مہدی علیہ السلام کی سابقہ تقسیم مال کی وجہ سے مستغنی ہوچکے ہوں گے حالانکہ سیاق کلام صاف بتارہا ہے کہ یہ استغنا کی ایک مثال دی گئی ہے سابقہ تقسیم مال کا حدیث میں کوئی ذکر ہی نہیں ہے مال برابر برابر تقسیم کرنا امام مہدیؑ کا مخصوص وصف بتایا گیا ہے تو اس سے سابقہ تقسیم اور اس کی وجہ سے لوگوں کا مستغنی ہونا کہاں مستفاد ہوتا ہے۔

یملأ الارض قسطاً وعدلاً کا مفہوم بھی صادق ہے جس کی تفصیلی بحث اُس کے موقعوں پر پہلے ہو چکی ہے۔

آسمان اور زمین والوں کا آپ سے راضی رہنا بھی ثابت اور صادق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آدم سے تا ایندم جس کو اپنا خلیفہ بنا کر خلق کی ہدایت کیلئے مبعوث کیا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ اور محبوب ترین بندے ہوئے ہیں۔ ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو محبوب رکھتا ہے تو جبرئیل کو فرماتا ہے کہ میں فلاں کو محبوب رکھتا ہوں تم بھی اس سے محبت رکھو پس جبرئیلؑ آسمان والوں (ملایکہ) کو کہتے ہیں کہ تمہارا پروردگار فلاں کو محبوب رکھتا ہے تم بھی اس سے محبت رکھو۔ پس اہل سماں اس سے محبت کرتے ہیں اور اس بندہ کو زمین میں بھی عام مقبولیت دی جاتی ہے"

امام مہدی علیہ السلام بھی فرمانِ رسول اللہ صلعم سے خلیفۃ اللہ ہیں اور اس جہت سے اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ سے محبت کرنا ضروری ہے کیونکہ آسمان والوں کی شان یہ ہے کہ حسب فرمان لا یعصون اللّٰہ ما امرھم ویفعلون مایومرون ہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے اللہ تعالیٰ ان کو جو حکم دیتا ہے

له۔ مسند امام احمد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ

اس کی تعمیل کرتے ہیں ۔

اسی روایت سے زمین والوں میں بھی خلفاء اللہ کو مقبولیت حاصل ہونا ثابت ہو رہا ہے اور واقعات سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے اس کی بہترین مثال حضرت خاتم الانبیاء والمرسلین صلعم کی موجود ہے کہ جو لوگ آپ پر ایمان لائے ان کے دلوں میں آپ کی محبت اور مقبولیت تو کس قدر تھی اس کے بیان کرنے کی حاجت ہی نہیں کہ "عیاں را چہ بیاں" آپ کے منکرین و معاندین بھی جو اگرچہ آپ کے نبی و رسول ہونے کا انکار کرتے تھے مگر آپ کے امین ہونے اور اخلاق حسنہ اور فضائل و کمالات سے مزین ہونے کے قائل و معترف تھے عام مقبولیت کا بیّن ثبوت ہے ۔

پس ایسا ہی امامنا علیہ السلام پر جو لوگ ایمان لائے ان اہل زمین کا حضرت سے راضی رہنا اور آپ کی انتہائی محبت میں سب کچھ چھوڑ کر آپ ہی کے ہو رہنا تو اظہر من الشمس ہے لیکن جو لوگ آپ کے مہدئ موعود ہونے میں مشتبہ ہیں وہ بھی آپ کے ولی کامل ہونے کے قایل اور آپ کے فضائل و کمالات کے معترف ہیں اور یہی آپ کی مقبولیت عامہ کا بیّن ثبوت ہے ۔

ان حقایق کے موجود ہوتے ہوے مولف ہدیہ اپنے جیسے معدودے چند معاندین کی اس حرکت کو کہ وہ اپنے دنیاوی مفاد کے تحت اپنے ملک سے حضرت امامنا علیہ السلام کا اخراج کرتے کے در پے رہے عام لوگوں کی ناراضی کا نتیجہ نکالا ہے چنانچہ لکھا ہے کہ "زمین کے رہنے والے ان سے کب راضی ہوے ہر زمین والا اپنی اپنی زمین سے نکالتا رہا" لیکن ہر قابض زمین کو مالک زمین قرار دینے کی غلطی کے قطع نظر جو فرمان الہٰی ان الارض للّٰہ یورثہا من یشاء ۔ لِلّٰه ملك السماوات والارض کے خلاف اور عقائد اسلامی کے مغائر ہے ۔ مولف ہدیہ کو یہ سمجھنے کی توفیق نہیں ہوئی کہ اگر ان معدودے چند معاندین کے اس نامعقول ارادہ سے تمام رُوے زمین کے رہنے والوں کی ناراضی کا نتیجہ نکالنا صحیح سمجھا جائے تو پھر ان زمین والوں کی عقیدت کی وجہ سے جو اپنی زمین پر حضرت کے تشریف رکھنے کے آرزومند اور ملتجی تھے اور ان بیشمار مصاحبین کی

محبت و رضا جوئی سے جو ہر ملک و دیار میں ان گنت رہے تمام زمین پر رہنے والے آپ سے رضامند رہنے کا نتیجہ کیوں نہ نکالا جائے جبکہ ان کی تعداد اول الذکر معاندین سے ہزاروں درجے زیادہ ہے۔

حضرت امامنا علیہ السلام کا اختلافات و زلازل کے وقت مبعوث ہونا بھی بلا خدشہ صادق ہے کیونکہ اختلافات سے باطل عقائد اور فاسد خیالات آرا کا شیوع مراد ہے چنانچہ خلافت عباسیہ کی تباہی کے پہلے اور اس کے بعد کے تاریخی حالات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے[1] اور یہی زمانہ حضرت امامنا علیہ السلام کی ولادت و بعثت کا ہے۔

---

[1] امامنا مہدی موعود علیہ السلام کی بعثت سے پہلے متعدد فتنے برپا ہوتے رہے ہیں جن میں حسن بن صباح کا فتنہ مذہبی نوعیت و حیثیت سے بڑا فتنہ تھا۔

حسن بن صباح ابتداءاً دیار بکر۔ حلب۔ خوزستان۔ بغداد۔ اصفہان وغیرہ پھرتا اور مذہب اسمٰعیلیہ کی تبلیغ کرتا رہا جب اپنے موافقین کی تعداد زیادہ ہوگئی قلعہ الموت کو اپنا مستقر بنایا۔ اصل میں "آلہ آموت" تھا جس کا معنی دیلمی زبان میں آشیانۂ عقاب ہے۔ اور بعد میں اس نے اور کئی قلعے فتح کئے اور شاہانہ جاہ و جلال قایم کیا۔

حسن نے قلعہ الموت میں ایک باغ بنوایا تھا جس میں مختلف اقسام اقسام کے میووں اور پھولوں کے درخت تھے۔ اس باغ میں خوبصورت عورتیں موجود رہتی تھیں جو ہر قسم کے باجے بجاکر ناچتی اور گاتی تھی اس باغ کو بہشت کہتے تھے۔ اس میں داخل ہونے کا ایک ہی راستہ تھا۔ جن لوگوں کو بہشت دیکھنے کا شوق ہوتا وہ حشیش (بھنگ) پینے پر راضی ہوتے انہیں حشیش پلا کر مدہوش کرکے باغ میں پہنچا دیا جاتا تھا۔ جب ان کو باغ اور نازنین عورتوں کو دیکھکر بہشت کا یقین ہوجاتا دوبارہ مدہوش کرکے باہر نکال دیا جاتا تھا۔ جو لوگ بہشت دیکھ آتے ان کو فدائی کا لقب دیا جاتا تھا۔

حسن اور اس کے متبعین کے عقائد و اعمال اسلامی عقائد و اعمال کے خلاف اور ارتداد عن الاسلام کی حد کو پہنچے ہوئے تھے۔ یہ لوگ قیامت۔ حشر و نشر کے قائل نہ تھے۔ تناسخ کو صحیح مانتے تھے۔ شریعت اسلامیہ کے اصطلاحی الفاظ کے معنی بالکل بدل دئے تھے۔ مثلاً حج امام کی زیارت کرنا۔ طواف کعبہ امام کے گھر کا طواف کرنا۔ نماز امام کو یاد کرنا روزہ امام کے اسرار کی

زلازل سے ظاہری زلزلے مراد لئے جائیں تو جیسا کہ قبل ازیں معلوم ہو چکا ہے یہ بھی بالکلیہ صادق ہے اور اگر زلازل سے باطنی زلزلے مراد ہوں یعنی حقیقی دین سے برگشتہ ہو جانا اور بدعات و ضلالت کا پھیل جانا وغیرہ جو ہادیٔ برحق کے زمانہ سے دوری کا نتیجہ ہوتا ہے تو یہ بھی صحیح ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں بعض قوموں کی نسبت ارشاد فرمایا ہے۔

ولا تکونوا کالذین اوتوا الکتاب من قبل فطال علیہم الامد فقست قلوبہم۔ (۲۷ — ۱۸ — حدید)

مسلمان کہیں ان لوگوں کے جیسے نہ ہو جائیں جنہیں پہلے کتاب دیگئی تھی پھر ان پر طویل مدت گزر گئی پس ان کے دل سخت ہو گئے۔

تفسیر معالم التنزیل میں فطال علیہم الامد کے معنی یہ لکھا ہے۔

ای الزمان بینہم وبین انبیاءہم فقست قلوبہم۔ قال ابن عباس مالوا الی الدنیا واعرضوا عن مواعظ اللہ۔ الخ

یعنی ان اہل کتاب کے اور ان کے انبیاء کے درمیان زمانہ طویل ہو گیا پس ان کے دل سخت ہو گئے ابن عباسؓ کا قول ہے کہ وہ دنیا کی طرف مائل اور اللہ تعالیٰ کی نصائح و احکام سے روگرداں ہو گئے۔

امامنا علیہ السلام سے بھی یہی منقول ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندہ کو اس وقت مبعوث کیا ہے جبکہ حقیقی دین و ایمان لوگوں سے سلب ہو چکا تھا اور صرف مجذوبوں میں باقی رہ گیا تھا یعنی بقول ابن عباسؓ وہ تمام دنیا کی محبت میں مبتلا اور قست قلوبہم کے مورد و مصداق بن گئے تھے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۷۲)۔ حفاظت کرنا۔ اذان و اقامت امام کی اطاعت پر لوگوں کو آمادہ کرنا دین کے اسرار کو ظاہر کرنا۔ وغیرہ وغیرہ (اقتباس از "نظام الملک" مولفۂ عبدالرزاق صاحب) اسی سے مولف ہدیہ کے اس بیان کی غلطی ثابت ہوتی ہے جو انھوں نے مہدویہ کو فرقہ باطنیہ کے مشابہ ہونے کا افترا کیا ہے۔ کیونکہ مہدویہ کا اصول مذہب کتاب و سنت کی پیروی شریعت اسلامیہ کی پابندی اور زہد و اتقا و ریاضت میں سنت قولی و فعلی کی کامل اتباع ہے۔

شہاب بن نصرت غفرلہما

مولف ہدیہ کا یہ خیال بھی باطل ہے کہ " اختلاف و زلازل کے وقت امام مہدی کو مبعوث کرنے سے مقصود یہ تھا کہ مہدی کے سبب سے وہ اختلاف و زلزلے موقوف ہو جائیں گے مگر وہ اختلاف موقوف نہ ہوا " اولاً یہ مقصود روایت کے کسی حصہ میں بھی مذکور نہیں ہے یہ مولف ہدیہ کی تفسیر بالرائے ہے۔ ثانیاً۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بحث اس سے پہلے بھی مفصل طور پر ہو چکی ہے اور آئندہ بھی برموقع ہوگی جس اختلاف کی نسبت مشیت ایزدی جاری ہو گئی ہے وہ عام طور پر نہ کبھی رفع ہوا ہے اور نہ کبھی ہوگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لا یزالون مختلفین الا من رحم ربك ولذالك خلقهم	وہ ہمیشہ اختلاف کرنے والے رہیں گے اور اسی لئے ان کو پیدا کیا ہے سوائے ان لوگوں کے جن پر تمہارا پروردگار رحم کرے۔

تفسیر معالم التنزیل میں لکھا ہے۔

قال الحسن وعطاء للاختلاف خلقهم	حسن اور عطا کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اختلاف ہی کے لئے پیدا کیا ہے۔

پھر مشیت و مصلحت ایزدی کے خلاف تمام دنیا بھر کے لوگوں سے اختلافات بالکلیہ کس طرح رفع ہو سکیں گے۔ البتہ اس آیت میں " الا من رحم ربك " کا جو استثنا موجود ہے اس کے موافق وہی لوگ اس اختلاف سے محفوظ رہیں گے جن پر اس کا رحم اور فضل ہوگا اور وہ مومنین ہی ہو سکتے ہیں نہ علی العموم تمام منکرین و معاندین۔ چنانچہ واقعہ بھی یہی ہوا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے رسول برحق پر ایمان لائے وہی مومنین اختلاف سے محفوظ اور آپس میں بھائی بھائی جیسے رہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسی مخصوص جماعت کو اپنے فضل و رحمت کے احسان و امتنان کے طور پر مخاطب کر کے فرمایا ہے۔

اذکروا نعمة الله علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمته اخوانا الآیه	اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو جبکہ تم (آپس میں) دشمن تھے پس تمہارے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے الفت پیدا کر دی اور تم بھائی بھائی ہو گئے۔

پس اسی طرح امامنا مہدی موعود علیہ السلام پر جو لوگ ایمان لائے وہ اگرچہ متعدد ممالک کے اور مختلف طبقات کے تھے لیکن وہ بھی "الامن رحم ربک" کے مظہر ہونے کی وجہ سے ان سے سب اختلافات رفع ہو کر آپس میں بھائی بھائی جیسے ہو گئے اور "اصبحتم بنعمته اخوانا" کا کامل ظہور ہوا۔ مولف ہدیہ کا یہ کہنا کہ امامنا علیہ السلام کے عہد میں اختلاف موقوف نہ ہوا سراسر خلاف واقعہ ہے۔ البتہ بنائے فساد یہ ہے کہ مولف ہدیہ ہر جگہ مقبلین کے احکام منکرین پر بھی عاید کرنے کی فاحش غلطی کرتے رہتے ہیں۔

روایت میں جو مدت بیان ہوئی ہے وہ بھی امامنا علیہ السلام پر منطبق ہے کیونکہ حضرت کا دعوی جو کعبۃ اللہ میں رکن و مقام کے درمیان ہوا ہے وہ سنہ ۹۰۱ھ میں ہوا ہے اور حضرت کی رحلت سنہ ۹۱۰ھ میں ہے اس حساب سے روایت میں بیان شدہ آخری مدت نو سال بھی منطبق ہے۔

حاصل کلام امام احمد بن حنبلؒ کی مذکورہ روایت بھی امامنا علیہ السلام کی تکذیب نہیں کرتی بلکہ وہ اور اس کا ہر جز و امامنا مہدئ موعود علیہ السلام پر بالکل منطبق اور صادق ہے۔ مولف ہدیہ خود آیات و احادیث اور انکی تصریحات سے آنکھیں بند کرکے "یومنون ببعض و یکفرون ببعض" کے مورد و مصداق بنے ہوئے ہیں اور الٹے ان مہدوی بزرگوں کی جناب میں بدگوئی کا طومار باندھتے ہیں جن کی آنکھیں کھلی ہوئی ہیں اور آیات اللہ و احادیث رسول اللہ کے ہر جز کو دیکھتے اور سمجھتے اور ہر حکم کو اس کے محل و موقع پر رکھتے ہیں اور مولف ہدیہ کی طرح خلط مبحث نہیں کرتے۔ اللہ تعالی ہی مولف ہدیہ کی اس بدگوئی کا انہیں بدلہ دینے والا ہے۔

ازالہ وہدم بدعات کی تحقیق

مولف ہدیہ کو سراج الابصار کی جن احادیث و آثار پر اعتراض ہے ان میں چھٹی روایت یہ ہے مولف صاحب ہدیہ نے اس روایت کا اور صاحب سراج الابصارؒ نے جو استدلال کیا ہے اس کا ترجمہ نہیں کیا ہے بعد میں مختصر تلخیص کردی ہے ہم ناظرین کی سہولت فہم کی غرض سے اس کا ترجمہ اول درج کردیتے ہیں۔

منها ما روی عن عبد اللہ بن عطاء قال سالت اباجعفر محمد بن علی فقلت اذا خرج المہدی بای سیر قال یھدم ما قبلہ کما صنع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ویستانف الاسلام جدیداً کذا فی عقد الدرر ای یھدم البدع وما اخطاء المجتہدون فیہ من العملیات والاعتقادیات وھذا من خصائصہ کما ذکرنا قبل ویدل علیہ قولہ علیہ السلام یقوم بالدین فی آخر الزمان کما قمت بہ فی اول الزمان اذ لو لم یحکم بتخطیۃ المخطئین لا یقوم بالدین کما قام بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فعلم ان المہدی یکون حاکما بین المذاہب کما ذکرت قبل۔

انہی روایتوں میں سے وہ بھی ہے جو عبد اللہ بن عطا سے مروی ہے انھوں نے کہا کہ میں نے ابو جعفر محمد بن علی سے پوچھا کہ مہدی جب خروج کریں گے تو کس سیرت پر عمل کریں گے تو کہا کہ اپنے سے پہلے کی چیزوں کو منہدم کریں گے جیسے کہ رسول اللہ صلعم نے کیا اور اسلام کو ازسرِ نو تازہ کریں گے عقد الدرر میں ایسا ہی ہے یعنی بدعتوں اور عملیات و اعتقادیات میں مجتہدین کی خطاؤں کو منہدم کر دیں گے جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے یہ مہدی علیہ السلام کی خصوصیات سے ہے اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فرمان دلالت کرتا ہے جو فرمایا ہے کہ مہدی آخر زمانہ میں اسی طرح دین کو قایم کریں گے جس طرح میں نے اول زمانہ میں اس کو قایم کیا۔ اس لئے کہ اگر غلطی کرنے والوں کی غلطیوں کو نہ بتائیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح دین کو قایم نہیں کر سکیں گے پس معلوم ہوا کہ امام مہدی مذاہب میں حاکم رہیں گے جیسا کہ میں نے پہلے ذکر کیا ہے۔

مولف ہدیہ نے اس کا خلاصہ صرف یہ لکھا ہے۔

روایت ششم کا حاصل یہ ہے کہ امام محمد باقر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیرت مہدی یہ ہوگی کہ قبل کی بدعات کو ڈھا دے گا جیسا کہ رسولِ خدا نے کیا اور اسلام کو از سرِ نو تازہ کر دے گا۔

صاحب سراج الابصار نے کہا کہ بدعات و خطایا ن مجتہدین کو تعلیمات

واعتقادیات میں ڈھا دے گا اور حاکم ہوگا درمیان مذاہب کے انتہی۔
(ہدیہ صفحہ ۱۳۵)

مولف ہدیہ کو جناب مصنف صاحب سراج الابصار پر جو اعتراضات ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ بدعات کو ڈھانے سے مراد یہ ہے کہ بالکل موقوف و نابود کو دینا نہ کہ اس کے ترک کا زبانی امر کرنا اور یہ تو وقوع میں نہ آیا۔

خطا یلائے مجتہدین کے حکم بننے کے واسطے بہت بڑا علم چاہیئے کہ ماخذ استنباط و طریقہ استنباط و شرایط اجتہاد وغیرہ پہنچانا الخ

مولف ہدیہ نے جناب مصنف صاحب سراج الابصارؒ کے قول کا جو خلاصہ لکھا ہے اس میں ان دلائل کو ذکر نہیں کیا جو جناب ممدوح نے اپنے قول کی تائید میں پیش کئے ہیں۔ چونکہ ان دلائل ہی میں مولف ہدیہ کے ان حالیہ اعتراضات کا جواب موجود تھا اور ان کے نظر کرتے یہ اعتراض ہی وارد نہیں ہو سکتے تھے اس لئے مولف ہدیہ نے ان کو ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھا لیکن یہ خیال نہیں کیا کہ خلاصہ میں ان کا ذکر نہ کرنے سے صرف انہی ناظرین کو ان پر غور کرنے کا موقع نہیں ملے گا جو عربی عبارت پڑھنے اور سمجھنے سے قاصر ہیں مگر جب وہ دلائل سراج الابصار کی اصل عبارت میں جو ہدیہ میں نقل کی گئی ہے موجو ہیں تو ان ذی علم ناظرین سے جو اس کے سمجھنے کی قابلیت رکھتے ہیں وہ دلایل کیسے پوشیدہ رہ سکتے ہیں۔ ان دلایل میں جو صاحب سراج الابصارؒ نے پیش کی ہیں حضرت مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فرمان بھی ہے جو ابونعیم اصفہانی کی روایت کردہ حدیث کا جز ہے کہ" امام مہدی (علیہ السلام) آخر زمانہ میں دین کو ایسا ہی قایم کریں گے جیسا میں نے اول زمانہ میں اس کو قایم کیا" پس اس فرمان میں جو تشبیہ موجود ہے وہی سب کا جواب ہے اور یہ سوال کہ امام مہدی علیہ السلام بدعات کو کس طرح اور کن لوگوں سے مٹادیں گے اسی تشبیہ سے خود حل ہو گیا ہے کہ اسی طرح اور کن لوگوں سے جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹایا تھا" ایسا ہی امام مہدی علیہ السلام کو کونسا اور کسقدر علم ہونا چاہیے؟ یہی تشبیہ اس سوال کا بھی جواب ہے کہ" جو علم اور جس قدر علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو

حاصل تھا "

دلیل پنجم کے ضمن میں اُس حدیث شریف اور اُس کی متعلقہ روایتوں کی نسبت جو اُس حدیث کی شواہد ہیں کسی قدر شرح و بسط کے ساتھ بحث ہو چکی ہے اُس سے بھی مولف ہدیہ کے ان حالیہ اعتراضات کے حقیقی جوابات پہلے ہی ادا ہو گئے ہیں اور یہاں مکرر جواب ادا کرنے کی ضرورت باقی نہیں ہے۔ تاہم مختصر طور پر مولف ہدیہ کے ان اعتراضات پر بھی باندازِ دگر ایک نظر ڈالی جاتی ہے تاکہ ناظرین کرام کو مزید معلومات حاصل ہوں۔

پہلا اعتراض ان آیات واحادیث اور تمام خلفاء اللہ یعنی انبیاء علیہم السلام کی سنت جاریہ کے صریح خلاف ہے جو تبلیغ و دعوت احکام الہٰی سے تعلق رکھتی ہے۔ تمام خلفاء اللہ یعنی انبیا علیہم السلام خلق کو اللہ تعالیٰ کے احکام کی صرف دعوت و تبلیغ کرنے کے لئے مبعوث ہوئے ہیں سب خلایق کو جبراً وعملاً ان احکام الہٰی کے پابند بنا دینا ان کا کام نہیں رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر نبی و رسول (علیہ وعلیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام) اپنے اپنے زمانہ میں جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے تبلیغ کا فرض ادا کرتے رہے تو ان کی تمام قوم ایمان سے مشرف نہیں ہو سکی بلکہ اس قوم کا بڑا حصہ ان کی ہدایت سے روگرداں اور کفر و شرک ہی میں بدستور مبتلا رہا۔ چنانچہ مثال کے طور پر حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغ و دعوت اور اس کے نتائج قرآن شریف ہی کی روشنی میں دیکھو جن کی مدت تبلیغ دوسرے پیغمبروں کی نسبت زیادہ رہی ہے۔

قال رب انی دعوت قومی لیلاً ونہاراً۔ فلم یزدھم دعائی الا فراراً وانی کلما دعوتہم لتغفر لھم جعلوا اصابعہم فی آذانہم واستغشوا ثیابہم واصروا واستکبروا استکباراً۔ ثم دعوتہم جہاراً۔ ثم انی اعلنت لھم واسررت لھم اسراراً فقلت

(نوح) نے کہا میرے پروردگار میں اپنی قوم کو رات دن دعوت کرتا رہا لیکن میری دعوت سے وہ اور بھی زیادہ بھاگتے رہے میں نے جب کبھی ان کو تیری طرف بلایا تاکہ تو ان کو مغفرت عطا کرے انھوں نے اپنی انگلیوں اپنے کانوں میں ٹھونس لیں تاکہ میری آواز انہیں نہ سنائی دے سکے اور اپنے کپڑے

استغفروا ربکم انہ کان غفاراً۔
الآیہ (۲۹۔ ۹۔ نوح)

(منہ پر) لپیٹ لئے (تاکہ میری صورت انھیں نظر نہ آسے) اور (اپنے کفر پر) اصرار اور غرور کی وجہ سے سرکشی کرتے رہے۔ پھر میں نے ان کو پکار کر بلایا پھر ان کو علی الاعلان اور پوشیدہ سمجھایا اور ان سے کہا کہ تم اپنے پرور دگار سے اپنے گناہوں کی مغفرت چاہو کیونکہ وہ بڑا بخشنے والا ہے۔ الخ

اس ضمن میں نوحؑ نے ان کو اللہ کی قدرت اور رحمت کی بہت سی کھلی نشانیاں بھی بتائیں مگر ان پر کچھ اثر نہ ہوا۔ سالہا سال تبلیغ و دعوت کی یہ جد و جہد جاری رہنے کے باوجود جو نتیجہ نکلا وہ یہ تھا۔

قال نوح رب انہم عصونی واتبعوا من لم یزدہ مالہ وولدہ الاخسارا۔ ومکروا مکرا کبارا۔

نوح نے کہا پروردگار انہوں نے میری بات نہ مانی اور ایسے لوگوں کی پیروی کی جن کا مال اور جن کی اولاد ان کے لئے اور زیادہ نقصان کا باعث بنی ہوئی ہے اور انھوں نے بڑا مکر کیا۔ (اور انہوں نے آپس میں کہا کہ تم اپنے خداوں یعنی فلاں فلاں بتوں کو ہرگز مت چھوڑو۔)

آخر میں ان سب حالات کے مد نظر نوح علیہ السلام کو اپنی قوم کیلئے یہ بددعا کرنی پڑی کہ یا اللہ زمین پر کسی بسنے والے کافر کو مت چھوڑ کیونکہ اگر تو انکو چھوڑ دے گا تو وہ تیرے نیک بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان سے فاجر اور کٹّے کافر ہی پیدا ہوں گے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی طرح دوسرے پیغمبروں کی بھی یہی حالت رہی کہ وہ دعوت و تبلیغ کا فرض بجا م دیتے رہے مگر جبراً و عملاً کفر و شرک کو تمام دنیا سے یا کم از کم اپنی تمام قوم سے نہیں مٹا سکے۔

خود افضل الانبیاء و المرسلین صلعم کو اللہ تعالیٰ کا صاف ارشاد ہوا ہے۔

انک لا تھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشاء ما علی الرسول

(اے محمد) تم جس کو پسند کریں اس کو ہدایت نہیں کرسکتے لیکن اللہ تعالیٰ جسکو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے

الا البلاغ ( ) رسول پر سوائے تبلیغ کے کچھ (ذمہ داری نہیں ہے

لست علیھم بمصیطر ( ) (اے محمد) تم ان (کافروں) پر مسلط نہیں بنائے گئے ہو (جو ان پر ایمان کے لئے جبر کریں۔

افانت تکرہ الناس حتی یکونوا مومنین ( ) کیا تم (اے محمد) لوگوں کو مجبور کروگے کہ وہ مومن ہو جائیں۔

ان صاف و صریح فرامین الٰہی کے خلاف مولف ہدیہ کا یہ کہنا کس قدر معاذ اللہ ڈھٹائی ہے کہ

"بدعات کو ڈھانے سے مراد ان کو بالکل موقوف و نابود کر دینا ہے اس کے ترک کا زبانی امر کرنا نہیں ہے۔

گویا مولف ہدیہ کے خیال میں احکام الٰہی کی تبلیغ و دعوت کے متعلق تمام خلفاء اللہ یعنی انبیاء علیھم السلام کی جو سنت جاری رہی ہے امام مہدی علیہ السلام کا عمل اس کے خلاف ہونا اور جو بات تمام خلفاء اللہ یعنی انبیاؑ اور خود افضل الانبیا والمرسلین صلعم سے نہ ہو سکی وہ امام مہدی علیہ السلام سے ظہور میں آنا چاہیئے کہ آپ جبراً و عملاً تمام روئے زمین بلا لحاظ امتیاز مقبلین و منکرین سب سے بدعات کو بالکل موقوف و نابود کردیں آخر یہ مراد کس نے بیان کی ہے اور کس دلیل سے بیان کی ہے؟ حالانکہ ابونعیم اصفہانی کی روایت کردہ حدیث کے مطابق اس روایت میں بھی جس کی یہ مراد مولف ہدیہ بیان کر رہے ہیں حضرت امام مہدی علیہ السلام حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جیسا بدعات کو ڈھانے کی صراحت موجود ہے چنانچہ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

یھدم ما قبلہ کما صنع رسول اللّٰہ صلعم۔ پہلے کی بدعتوں کو امام مہدی علیہ السلام ڈھا دیں گے جیسا کہ رسول اللہ صلعم نے کیا ہے۔

پس اس تشبیہ کا صاف اقتضا یہی ہے کہ جیسا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض صرف تبلیغ و دعوت تھا حضرت امام مہدی علیہ السلام کا فرض بھی صرف تبلیغ و دعوت رہے گا۔ جن لوگوں نے حضرت رسول اللہ صلعم پر ایمان لایا اور حضرت کی تبلیغ و دعوت احکام پر عمل کیا انہی اہل اسلام سے

کفر و شرک و بدعتیں موقوف و متروک ہوئیں لیکن جمیع فرقہائے یہود و نصاریٰ اور تمام مشرکین جو حضرت کی نبوت و رسالت کے منکر رہے ان سے کفر و شرک و بدعت کو حضرت رسول اللہ صلعم نے محو نہیں فرمایا۔

ایسا ہی امام مہدی علیہ السلام پر جو لوگ ایمان نہ لائے اور جو حضرت کی تبلیغ و دعوتِ احکام پر عمل پیرا نہ ہوے ان سے بدعتیں بھی موقوف و نابود نہیں ہونا چاہیئے اور نہیں ہوئیں اور تشبیہ و اتباع کے بھی ٹھیک مطابق یہی ہے۔ البتہ زمرۂ مقبلین سے جنہوں نے امام علیہ السلام پر ایمان لایا اور حضرت کے احکام پر عمل پیرا رہے تمام بدعتیں بالکلیہ موقوف و نابود ہوگئیں اور اسلام از سرنو تازہ ہوگیا اور یہ ہدم بدعات کا مفہوم صادق آنے کے لئے کافی ہے۔

چنانچہ اس بیان کی دلیل اور واضح مثال یہ ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

ان لی خمسۃ اسماء انا احمد وانا محمد وانا الماحی الذی یمحو اللہ بی الکفر وانا الحاشر وانا العاقب

میرے پانچ نام ہیں میں احمد ہوں میں محمد ہوں اور میں وہ ماحی (محو کرنے والا) ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے ذریعہ سے کفر کو محو کرے گا میں حاشر ہوں اور میں عاقب ہوں۔

یہاں دوسرے اسما سے بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اسم مبارک "ماحیٔ کفر" بھی ہے لیکن آنحضرت صلعم کے ذریعہ کفر کا وجود دنیا سے بالکلیہ محو و نابود نہ ہوا بلکہ جہان کے بہت بڑے حصہ میں موجود ہی رہا اس لئے علمائے اسلام نے اس کا معنی یہی کیا ہے کہ اس سے مومنین اور حضرت کے مقبلین متبعین کے سینوں سے کفر کو محو کرنا مراد ہے نہ کہ تمام عالم سے چنانچہ مدارج النبوۃ میں لکھا ہے۔

اگر محو کفر از سینۂ مومناں و آنہا کہ گرویدہ اند بہ وے و در ربقۂ اطاعت و انقیاد آمدند مراد دارند برائے اطلاق ایں اسم کافی ست و موافق ست بایں معنی آنچہ قاضی عیاض ایں را در حدیث نقل کردہ کہ ماحی آنکہ محو کردہ شد بوے سیئات کسیکہ اتباع کردہ اند او را۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر ماحی (محو کرنے والے) سے مراد مومنین اور جو لوگ آپ کو قبول کئے اور آپ کی اطاعت و فرمانبرداری کے بندھن سے بند ھے ہوئے ہیں ان کے سینہ سے کفر کو محو کرنے کے لئے جائیں تو اس نام کا اطلاق صحیح ہونے کے لئے یہ کافی ہے قاضی عیاض نے حدیث میں جو نقل کیا ہے وہ بھی اسی کے مطابق ہے کہ " ماحی وہ ہے جس کے ذریعہ ان لوگوں کے گناہ محو ہو جائیں جنہوں نے اس کی اتباع کی ہے "۔

پس امام مہدی علیہ السلام بھی اسی معنی سے ماحئی بدعات ہیں کہ آپ نے اپنے متبعین سے بدعتوں کو محو فرما دیا ہے اور آپ کی ذات اقدس پر اس روایت کا مفہوم صادق آنے کے لئے یہی کافی ہے ۔

" مواہب لدنیہ سے ہم نے وہب بن منبہ کی روایت اس سے پہلے نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

> اللہ تعالیٰ نے شعیب علیہ السلام پر وحی کیا کہ میں ایک امی نبی کو مبعوث کرنے والا ہوں جس کے ذریعہ میں بہرے کانوں ۔ غلاف دار دلوں ۔ اندھی آنکھوں کو کھول دوں گا ۔ اس کا مقام ولادت مکہ اور مقام ہجرت طیبہ ہوگا ۔

اس پیشین گوئی کے مطابق اس نبیٔ امی (فداہ ابی وامی) صلعم کا ظہور ہوا جن کو اللہ تعالیٰ نے اس نبیٔ امی پر ایمان لانے اور اس کی اتباع کرنے کی ہدایت کی صرف انہی مومنیں کے کان اور دل اور آنکھیں کھل گئیں ان کے سوا تمام دنیا بھر کے کان کب کھلے تمام اہل ضلالت کے غلاف دار دلوں سے غلاف ضلالت کہاں دور ہوا ۔ سب دل کے اندھوں کی آنکھیں کب بینا ہوئیں ۔ بلکہ مولف ہدیہ کی طرح مومنیں کے سوا باقی سب لوگ کلمۂ حق کے سننے سے بہرے نور ہدایت کو دیکھنے سے اندھے خفی وجلی رموز الٰہی کے فہم وتعقل کی صفت سے معرا ہی رہے ۔ اسی سے ثابت ہو رہا ہے کہ اس قسم کے الفاظ مومنین ومصدقین سے مختص ہوتے ہیں منکرین ومکذبین کے لئے عام نہیں ہوتے اگر ایسے الفاظ کا مفہوم عام سمجھا جائے جیسا کہ مولف ہدیہ کا خیال فاسد ہے تو مولف ہدیہ کو تسلیم کرنا ہوگا کہ حضرت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر معاذ اللہ ماحیٔ کفر کا نام صادق نہیں ہے اور آپ مذکورہ پیشین گوئی کے مصداق نہیں ہیں۔

مولف صاحب ہدیہ کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ "مجتہدین کے حَکَم بننے کے لئے بڑا علم چاہیئے" یہ تو صحیح ہے کہ واقعی اس فرض کو انجام دینے کیلئے بڑا علم ہی درکار ہے چھوٹے علم والے سے یہ فرض نہیں انجام پاسکے گا لیکن یہ نہیں معلوم ہوا کہ مولف ہدیہ کی بڑے علم سے کیا مراد ہے ؟ اگر ان کے خیال میں بہت کتابیں پڑھ لینا اور شرایط اجتہاد کے جامع ہونا بڑا علم ہے تو علم کی یہ تعریف اس ہادیٔ امی لقب (صلعم) پر صادق و منطبق نہ ہوگی جو بظاہر امی اور درحقیقت وعلمك[1] مالم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیك عظیما کا مورد و مصداق اور علم ماکان ومایکون کا سب سے بڑا عالم متبحر ہے اور تمام مجتہدین اسی ہادیٔ امی لقب صلعم کے فرامین واحکام کے خوشہ چین ہیں۔ پس بڑے علم سے علم وہبی نہیں بلکہ یہ علم اکتسابی کی غایۃ الامر یہی ہوگی کہ وہ شخص بھی مجتہد ہی ہوگا اور جو مجتہد ہوگا خواہ بڑا ہو یا چھوٹا مخطی و مصیب ہوگا اور جو خود خطا وصواب کا محتمل ہو وہ دوسرے مجتہدین کی خطا وصواب کا قطعی فیصلہ کس طرح کرسکے گا۔ چنانچہ ائمہ اربعہ جو اس معنی سے بڑا علم رکھتے اور علوم اجتہادیہ کے بڑے ماہر تھے ایک نے دوسرے پر بعض مسائل میں خطا وغلطی کا حکم کیا ہے مگر یہ حکم پایۂ اعتبار کو اسی لئے نہیں پہنچ سکا کہ خود حکم کرنے والے محتمل الخطا ہیں پس احتمال ہے کہ خطا کا حکم خود حکم کرنے والے پر ہی عاید ہو اسی جہت سے یہ اعتقاد مقرر ہوا کہ الحق دائر بین المذاھب الاربعة۔ اس سے ثابت ہے کہ یہ علم اکتسابی خواہ کتنا ہی بڑا واعلیٰ ہو وہ چھوٹا علم ہی کہلاتا ہے۔

اس کے مقابل بڑا علم وہ ہے جس کی تعلیم ہر روز آناً فاناً خدائے تعالیٰ سے ہوتی ہو اور رائے وقیاس واجتہاد سے پاک وصاف ہو۔ اس میں خطا وغلطی کا

---

[1] اس آیت شریفہ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرکے فرماتا ہے کہ آپ جو نہ جانتے تھے اللہ تعالیٰ نے وہ سب آپ کو معلوم کر دیا آپ پر اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے۔

احتمال نہ ہو جیسا کہ انبیا علیہم السلام کا علم ہے حقیقت میں یہی علم بڑا علم ہے اور ایسے علم والا ہی مجتہدین کی خطا و صواب کا فیصلہ کرنے والا ہو سکتا ہے کہ وہ جس کو صواب کہے وہی صواب اور جس کو خطا کہے وہی خطا۔

امام مہدی علیہ السلام کی ذات اقدس بھی باتفاق شیعہ و اہل سنت معصوم عن الخطا اور اس علم خاص میں ملحق بالانبیا ہے جس پر حدیث "یقفو اثری ولا یخطی" شاہد عدل ہے چنانچہ اس کی دلائل عقیدۂ ہفتم میں بیان ہوئی ہیں کہ منصب مہدیت فوق الاجتہاد ہے اور امام مہدی علیہ السلام معصوم عن الخطا ہیں اور مجتہدین کو یہ مقام حاصل نہیں ہے۔

سراج الابصار کی روایتوں میں سے ساتویں روایت جو مولف ہدیہ کے زعم میں قابل اعتراض ہے یہ ہے۔

ومنها ماروی عن علی بن ابی طالب فی قصة المهدی قال ولا یترك بدعة الا ازالها ولا سنة الا اقامها كذا فی عقد الدرر	انہی روایتوں میں سے وہ روایت بھی ہے جو علی بن ابی طالب (کرم اللہ وجہہ) سے مہدی علیہ السلام سے متعلق مروی ہے" کہ آپ نے فرمایا کہ مہدی کسی بدعت کو زائل کئے بغیر اور کسی سنت کو بغیر قائم کئے نہ چھوڑیں گے۔ عقد الدرر میں یہ روایت ایسی ہی لکھی ہے۔

جناب مصنف صاحب سراج الابصار نے یہ روایت نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ" ومعنی هذا القول انه یكون فاعلا لنفسه وآمراً لغیره وهذا المعنی موید بما ذكر الشیخ سعدی بالفارسیة۔

یتیمیکہ ناکردہ قرآں درست　　　کتب خانۂ چند ملت بشست

ای حكم بنسخها فصدق المومنون بانها منسوخة لا ان الكتب السماویة مغسولة بالماء بل مغسوله من قلوب من آمن به ای عملها[1]

---

[1] اصل سراج الابصار میں "ای عملها" ہے مگر ہدیہ میں "ای علمه منسوخة" لکھا ہے جو غلط اور مولف ہدیہ کی تحریف ہے۔

اس قول کا خلاصہ یہ ہے کہ (امام مہدی علیہ السلام) خود ترک بدعت واقامت سنت پر عمل کریں گے اور دوسروں کو یہی حکم دیں گے۔ اس معنی کی تائید شیخ سعدیؒ کے فارسی قول سے ہوتی ہے جو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں کہا ہے کہ "وہ یتیم جس نے ابھی قرآن پورا نہیں کیا تھا کئی ملتوں کے کتب خانوں کو دھو ڈالا" یعنی آنحضرت صلعم نے ان کے منسوخ ہونے کا حکم فرمایا پس مومنین نے ان کتابوں کے منسوخ ہونے کی تصدیق کی۔ اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ تمام آسمانی کتابیں واقعی پانی سے دھو ڈالی گئیں بلکہ مومنین کے دلوں سے دھو دی گئیں یعنی ان پر عمل منسوخ ہو گیا۔

ناظرین کرام نے چھٹی روایت کے ضمن میں ملاحظہ کیا ہے کہ مولف ہدیہ نے آیات واحادیث اور تمام خلفاء اللہ علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنت جاریہ کے صریح خلاف ازالۂ بدعات کی یہ غلط توجیہ کی ہے کہ "بدعات کو ڈھا دینے سے مراد ان کو بالکل موقوف ونابود کر دینا ہے اس کے ترک کا صرف زبانی امر کرنا نہیں ہے" گویا جناب مصنف صاحب سراج الابصار نے کرامت کے طور پر ہدیہ کی تالیف سے بہت پہلے ہی اس غلط توجیہ کی تردید کر دی ہے کہ کبھی کوئی کج فہم ازالۂ بدعات کا یہ غلط معنی کرے تو وہ صحیح نہ ہوگا اس پر سعدی علیہ الرحمۃ کا یہ قول تائید ومثال کے طور پر پیش کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی ملتوں کے کتب خانوں کو دھو ڈالا لیکن جبکہ وہ کتابیں آج دنیا میں موجود ہیں تو ان کو پانی سے واقعی دھو ڈالنا مراد نہیں بلکہ ان کے منسوخ ہونے کا حکم دینا مراد ہے اسی طرح جبکہ دنیا میں آج بھی بدعتیں موجود ہیں تو امام مہدی علیہ السلام کے ازالۂ بدعات سے ان کے ترک کرنے کا حکم دینا مراد ہے ان کو دنیا سے بالکلیہ محو ونابود کر دینا مقصود نہیں۔

ترک سنت جہاد کا اعتراض اور اس کا جواب

مولف ہدیہ کو جناب مصنف صاحب سراج الابصار کی اس معقول ومدلل توجیہ پر تو کچھ چوں وچرا کرنے کی جرأت نہیں ہوئی اور قصہ مختصر کرنے کا بہانہ کر کے چپ چاپ گزر گئے ہیں مگر چند بیہودہ اعتراضات یہ کئے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ

امامنا علیہ السلام سے بہت سی سنتیں ترک ہوئی ہیں جہاد کہ بڑی سنت

اور عمدہ سیرت حضرت رسالت ہے اس پر کبھی عمل نہیں کیا۔ زیارت

قبر اطہر حضرت رسالت اور اسی کے ضمن میں مسجد قبا کو جانا مسجد نبوی میں

نماز اور شہدائے احد اور بقیع کی زیارت وغیرہ سنتوں کے تارک ہوے۔

بدعات کو زائل کرنے کے بدلے تازہ تازہ بدعتیں اختراع کیں بس فرض

تازہ نکالے اور چھٹی نماز وعشر فرض ٹھہرائے (ہدیہ صفحہ ۱۳۲)

مولف صاحب ہدیہ کے یہ باطل اعتراضات یا لاطائل شکوک وشبہات اس سے پہلے بھی پیش ہوے ہیں اور جہاں وہ پیش ہوے ہیں وہاں ان کی تغلیط وتردید کر دی گئی ہے چنانچہ کبھی جہاد نہ کرنے کا اعتراض جن وجوہ سے غلط ہوتا ثابت ہے ان کا خلاصہ یہ ہے۔

اولاً۔ مہدوی مورخین اور اہل سیر کا متفقہ بیان ہے اور دوسرے مورخین کے بیانات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ راجہ دلیپ والی گوڑ کی لڑائی میں حضرت امامنا علیہ السلام بنفس نفیس اپنے پندرہ سو پیرووں کیساتھ شریک تھے اور سلطان حسین شرقی کو اس لڑائی میں جو فتح حاصل ہوئی وہ حضرت ہی کے عزم واستقلال اور حضرت ہی کی کرامت واعجاز کا اثر تھا۔ اس سے سنت جہاد پر کبھی عمل نہ کرنے کی تردید کافی طور پر ہو جاتی ہے۔

ثانیاً۔ اس تاریخی واقعے کے قطع نظر معلوم ہوتا ہے کہ مولف ہدیہ کے خیال باطل میں جہاد کا مفہوم صرف جہاد بالسیف والسنان یعنی قتال ہی کی صورت میں منحصر ہے حالانکہ یہ جہاد اصغر کہلاتا ہے اور اس کے مقابل میں جہاد مع النفس والشیطان اور جہاد بالدلیل والبرہان بھی جہاد کی ایک قسم ہے جس کو جہاد اکبر کہتے ہیں جس کے طرف فرمان واجب الاذعان "قد رجعنا عن الجہاد الاصغر الی الجہاد الاکبر" مشعر ہے (یعنی ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف رجوع ہوئے ہیں) حضرت سرور کائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس چونکہ صفات متعلقہ نبوت وولایت دونوں کی جامع ہے ان دونوں صفات کا کامل ظہور حضرت کی پاک سیرت میں پایا جاتا ہے لیکن منصب ولایت کا لازمہ جہاد اکبر ہے یہی وجہ ہے کہ

حضرات اولیائے کرام علیہم الرحمہ سے جو عام مومنین سے بہت زیادہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے پابند تھے جہاد بالسیف والسنان کا بہت کم ظہور ہوا ہے۔ کیا مولف ہدیہ بتائیں گے کہ وہ مشہور اولیاء اللہ جن کے بیشمار اہل سنت اور خود آپ معتقد ہیں جیسے شیخ عبدالقادر جیلانی محبوب سبحانی۔ محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء۔ بایزید بسطامی۔ سید الطائفہ جنید بغدادی وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین جہاں جہاد اکبر میں اپنی عمریں صرف کر دیں اس کے مقابل سنت جہاد بالسیف والسنان پر عمل کرنے میں اپنی عمر کا کس قدر حصہ مصروف رہے اور کونسے ملک فتح کئے؟ کیا ان حضرات پر بھی آپ تارک سنت جہاد ہونے کا اعتراض والزام عاید کرنے کی جرأت کر سکتے ہیں اور کیا کبھی آپ نے ایسی جرأت کی ہے؟

پس یہاں بھی چونکہ سراسر کمالِ ظہورِ ولایت ہے جہاد اکبر ہی پر عمل رہا ہے۔ ثانیاً۔ جہاد بالسیف والسنان بھی ضرورت کے لحاظ سے فرض عین ہوتا ہے۔ مگر ہر وقت ایسا لازمی نہیں ہے کہ کوئی آن اس سے خالی ہی نہ رہے خلفائے راشدین حضرات ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم خلیفہ ہونے کے بعد سے اپنے اپنے دورِ خلافت میں بذاتِ خود ہر غزوہ و ہر سریہ میں شریک نہیں رہتے تھے۔

خود حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ابتدائے اسلام کی تیرہ سالہ مدت میں جب تک آپ مکہ معظمہ میں تشریف فرما رہے اور آپ کو اللہ تعالیٰ کا حکم نہیں ہوا قتال کا ظہور نہیں ہوا۔ البتہ ہجرت کے بعد جب یہ آیت اور اسی نوعیت کی اور آیتیں نازل ہوئیں تو قتال کا سلسلہ جاری ہوا۔

وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا (۲۔۱۰۰ بقرہ)	اللہ کے راستہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہوں اور حد سے تجاوز نہ کرو۔

اس آیت کی تفسیر میں بعض مفسرین نے جو لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔

کان امر اللہ فی ابتداء الاسلام رسوله بالکف عن قتال المشرکین ثم لما هاجر الی المدینة امره بقتال من	ابتدائے اسلام میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مشرکین کی لڑائی سے باز رہنے کا حکم دیا تھا پھر جب رسول اللہ

قاتلہ منہم بہذہ الایۃ

مدینہ کو ہجرت کی تو اس آیت کے ذریعہ ان مشرکین سے لڑنے کا حکم دیا گیا جو آپ سے لڑیں

ربیع بن انسؓ کا قول ہے ۔

ھی اول آیہ نزلت فی القتال بالمدینہ فکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقاتل من قاتل ویکف عمن کف ۔ (تفسیر کشاف)

یہ سب سے پہلی آیت ہے جو قتال کے متعلق مدینہ میں نازل ہوئی پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہی لوگوں سے لڑتے تھے جو (مسلمانوں سے) خود لڑیں اور ان سے تعرض نہیں کرتے تھے جو لڑائی سے باز رہیں ۔

قتال کے احکام نازل ہونے کے بعد مدینۂ طیبہ کی دس سالہ مدت اقامت میں بھی بعض غزوات کے سوا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر غزوہ وہر سریہ میں بنفس نفیس شریک نہیں رہے ہیں ۔ ان ذوات مقدسہ پر اس عرصہ میں ترک جہاد کا اعتراض کرنے کی معاذ اللہ کوئی مسلمان بے ادبی نہیں کر سکتا کیونکہ یا تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہی نہیں ہوا تھا یا جہاد فرض عین ہونے کے اسباب پیدا نہ تھے ۔ پس امامنا علیہ السلام کو بھی اللہ کی طرف سے حکم قتال نہیں ہوا تھا یا جہاد فرض عین ہونے کے اسباب شرائط پیدا نہ تھے ۔

رابعاً ۔ جب حضرت سرور کائنات محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے امام مہدی علیہ السلام کی شان میں " یقوم بالدین فی آخر الزمان کما قمت بہ فی اول الزمان"[۱] کی خبر غیب دی ہے اور ابتدائے اسلام کا وہ زمانہ ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد بالسیف والسنان کا ظہور نہیں ہوا ہے تو امامنا مہدی موعود علیہ السلام کا دعوئ مہدیت کرنے کے بعد سے جہاد بالسیف والسنان نہ کرنا ہی مخبر صادق کی پیشین گوئی کے عین مطابق ہے بلکہ امامنا علیہ السلام کی صداقت کی یہ بھی ایک بیّن دلیل ہے ۔

قبر اطہر حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور دوسرے مشاہد کی زیارتیں ترک کرنے کے اشکال کی تفصیلی تحقیق انشاء اللہ دلیل اخلاق کے ضمن میں

---

[۱] ۔ یعنی مہدی (علیہ السلام) آخر زمانہ میں دین کو ایسا ہی قایم کریں گے جیسا میں نے اس کو ابتدائی زمانہ میں قایم کیا ۔

کی جائے گی جہاں مولف صاحب ہدیہ نے بھی ذرا مفصل طور پر اس اشکال کو پیش کیا ہے
اور اپنی کج فہمی و غلط فہمی کی زیادہ داد دی ہے۔

یہ تو ترک سنت سے متعلقہ اشکال کی بحث ہے۔ تازہ تازہ بدعات اختراع کرنے کی غلط بیانی جو اقرار و بدیہی کی حد تک پہنچ گئی ہے اس کی نسبت اولاً مولف ہدیہ کو یہ بتانا چاہئیے کہ ان کے خیال فاسد میں بدعت کی کیا تعریف ہے اور وہ بدعت کس کو کہتے اور سمجھتے ہیں۔ ثانیاً بدعت کی کتنی قسمیں ہیں؟ کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مشہور واقعہ کتب احادیث میں درج ہے کہ جب آپ نے نماز تراویح پڑھانے کے لئے امام مقرر کئے نماز تراویح ہوتے دیکھکر "نعمت البدعة" (مشکوٰۃ) (اچھی بدعت ہے) فرمایا چنانچہ اس وقت سے آج تک یہی بدعت تمام ملت اسلامیہ میں عام طور پر رائج ہے اور بدعت حسنہ یا بدعت ہدیٰ سمجھی جاتی ہے۔ بعض علمائے اہل سنت نے تصریح کی ہے کہ بعض بدعات واجب اور بعض مندوب اور بعض مباح ہیں (مجمع البحار وغیرہ کتب) اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ ہر بدعت سیئہ ہی نہیں ہے۔ پس مولف صاحب ہدیہ نے مہدویہ کے جن امور کو بدعت کہا ہے انھیں یہ بتانا اور ثابت کرنا چاہئیے کہ وہ بدعت کی کونسی قسم میں داخل ہیں۔ ثالثاً اسی سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس روایت میں امام علیہ السلام کی شان میں جو بدعتوں کو مٹانے کی پیشین گوئی وارد ہے اس سے کونسی بدعتوں کو مٹانا مراد ہے۔ بدعات حسنہ کو؟ یا بدعات سیئہ کو؟ پہلی صورت بالبداہتہ باطل ہے کیونکہ وہ تو عین عبادات وطاعات وکرامات وحسنات ہیں اور خلیفہ اللہ کا کام تو خلق کو طاعات وعبادات اور تعمیل احکام خدا ورسول کی طرف بلانا اور ان کے پابند بنانے کی کوشش کرنا ہے نہ کہ ان کو مٹانا۔

اگر ازالہ بدعات سے بدعات سیئہ کو مٹانا مراد ہے تو یہ حضرت امامنا مہدئ موعود علیہ السلام پر پورے طور پر صادق ہے کیونکہ حضرت ایسی تمام بدعات سیئہ کو جو دین حقیقی کے منافی ہوں ترک کرنے کے احکام دئے اور خاص مقبلین ومصدقین سے ان کا عملاً ایسا ازالہ فرمادیا کہ ان کے طور وطرائق "ما انا علیہ الیوم واصحابی" کا کامل مظہر بن گئے اور "لایبقیٰ الا الدین الخالص" کا

کمال ظہور ہوا۔

چنانچہ اسی ہادم بدعات علیہ افضل السلام والصلوٰۃ کے بدم بدعات کی ایک دلیل ونشانی ہے کہ مولف صاحب ہدیہ اوران کے کئی ہم مشرب اصحاب میں تنقرر معاوضہ قرآن خوانی خدمت موذنی وامامت نماز کی ادائی۔ اعراس کے موقع پر غیر شرعی لوازمات وغیرہ مختلف نوعیتوں اور صورتوں کی بدعات جو پائی جاتی ہیں وہ مہدویہ میں نہیں پائی جاتیں ۔ الحمد للّٰہ الذی ھدانا لھذا وماکنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ۔

یہ تمام صورتیں مولف صاحب ہدیہ کے ایجاد واختراع بدعات کے اعتراض کے ایسے لوازمات ہیں کہ جب تک وہ ان صورتوں کو حل نہ کریں ان کا ایجادِ بدعات کا بے سروپا اعتراض ہی دار د نہیں ہوسکتا لیکن اس موقع پر ہم عام ناظرین کی معلومات کے لئے نفس بدعت کے حقیقی مفہوم ومعنی کو بھی مختصراً واضح کر دینا مناسب سمجھتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہوسکے کہ یہاں بدعت کا اطلاق ہی صحیح ہے یا نہیں۔

باعتبار لغت بدعت کے معنی نو پیدا کے ہیں اور اصطلاح میں اس امر کو بدعت کہتے ہیں جس کی اصول دین کتاب وسنت وغیرہ میں کوئی سند نہو۔ چنانچہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وہ حدیث اس پر واضح دلالت کرتی ہے جو مشکوٰۃ میں درج ہے اور متفق علیہ ہونے کی صراحت کی گئی ہے۔

قالت قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم من احدث فی امرنا ھذا مالیس منہ فھورد۔	جو شخص ہمارے اس دین میں وہ بات نکالے جو اس میں نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔

حاشیہ مشکوٰۃ میں "مرقاۃ" کے حوالہ سے لکھا ہے۔

والمعنی انہ من احدث فی الاسلام رایا لم یکن لہ من الکتاب والسنۃ سند ظاھر اوخفی ملفوظ اومستنبط فھو مردود علیہ۔	معنی یہ ہے کہ جو شخص اسلام میں کوئی نئی رائے نکالے جس کی کتاب وسنت میں ظاہر یا خفی ۔ صاف لفظی ۔ یا استنباط کی ہوی سند موجود نہو تو وہ مردود ہے۔

اس سے ثابت ہے کہ جس دینی امر کی کتاب اللہ و سنت رسول اللہ میں ظاہر یا خفی۔ صاف لفظی یا مفہوم و معنی وغیرہ سے استنباط کی ہوئی سند موجود ہو وہ بدعت نہیں۔ پس مہدویہ کے وہ تمام امور جن کو مولف ہدیہ نے بدعت کہا ہے اُن کی سند کتاب و سنت سے ثابت ہے یعنی وہ سب کتاب اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت قولی و سنت فعلی سے ماخوذ و مستنبط اور ان کے ٹھیک مطابق ہیں جیسے ذکر اللہ۔ توکل علی اللہ ہجرت۔ انفاق فی سبیل اللہ وغیرہ کے صاف و واضح احکام اور ان کے فضائل اور ان کے ترک کے وعیدات وغیرہ سب متعلقات و ضروریات کتاب و سنت میں بکثرت وارد ہیں پس ایسے امور خود اہل سنت کے اصول پر نو پیدا اور بدعت نہیں بلکہ عین دین کے مسایل و احکام اور واجبات و ضروریات ہیں۔ اگر ان کو بدعت کہنا بقول مولف ہدیہ درست ہو تو پھر ان تمام احکام و مسایل کو جو کتاب و سنت سے اسی طرح مستنبط ہیں بدعت کہنا ہو گا حالانکہ ایسا کہنا صریح بیدینی ہے۔ چنانچہ ان احکام کے متعلق اس کے موقع پر بحث و تحقیق کی گئی ہے اور ان کی مزید تفصیلی بحث اور ان کی وجہ موافقت کتاب و سنت وغیرہ اصول دین سے باب ہشتم میں بیان ہوئی ہے ملاحظہ کی جائے۔

اگر کسی امر کو صرف فرض قرار دینا جس کو دوسروں نے مستحب و مندوب کہا ہو مولف ہدیہ کے نزدیک بدعت ہے تو جن آئمۂ مجتہدین اور جن اکابرین اہل سنت نے جن جن امور کو فرض کہا ہے جو دوسروں کے نزدیک مستحب و مندوب تھے ان سب کو بدعتی کہنا ہو گا جن کی بہت سی مثالیں اجتہادی مسایل میں ملتی ہیں اور ایسا کہنا گویا تمام شریعت اجتہادیہ کو بدعات سے مملو تسلیم کرنا ہو گا۔

الحمد للہ والمنۃ مولف صاحب ہدیہ نے دلیل یازدہم بقیہ احادیث "سراج الابصار" کی ابتدائی بحث میں عموماً حضرات مہدویہ اور خصوصاً جناب مصنف صاحب سراج الابصار رحمۃ اللہ علیہ کی جناب میں جو غلط بیانی اور بدگوئی کی تھی وہ سب خود مولف ہدیہ کی غلط فہمی نکلی اور جن روایتوں کو مولف ہدیہ نے اماما علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حالات سے غیر مطبق ہونے کا دعوی کیا تھا اگرچہ

وہ روایتیں خود اہل سنت محدثین کے اصول پر موجب قطع ویقین نہیں قرار پاتیں اور نہ ان کا مطابق ہونا ضروری ثابت ہوتا ہے اس کے باوجود وہ روایتیں بھی امامنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حالات سے پوری منطبق ثابت ہوئیں۔

مولف ہدیہ اب یہاں سے اپنی کج فہمی ونادانی کا ایک نیا باب یہ پیش کر رہے ہیں کہ حضرت امامنا مہدیٔ موعود علیہ السلام کے بعض فرامین پر زبان درازی شروع کی ہے اور اس سے غافل ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ کہ "یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ ولوکرہ المشرکون" ہمیشہ صادق آتا رہا ہے اور یہاں بھی صادق ہے اللہ تعالیٰ کا نور معاندین کے پھونک مار کر بجھانے کی کوشش سے نہ کبھی بجھا ہے اور نہ اب بجھ سکتا ہے۔

مولف ہدیہ نے حضرت امامنا علیہ السلام کے زمانۂ اقامتِ شہر فرہ کے اُس واقعہ کو "دلیل شانزدہم" قرار دیا ہے جبکہ بادشاہِ خراسان کی طرف سے مشہور علمائے ہرات کا ایک با اختیار وفد شہر فرہ آیا اور ارکانِ وفد نے مسئلہ مہدیت کی تحقیق کرنے اور حضرت کا بیان قرآن سننے کے بعد حضرت امامنا علیہ السلام کے "مہدیٔ موعود" ہونے کی تصدیق کی چنانچہ مولف ہدیہ لکھتے ہیں۔

> یہ واقع بتفصیل مطلع الولایت میں لکھا ہے خلاصہ اس کا یہ ہے کہ جب ان کے مہدی ملک خراسان کے شہر فرہ میں پہنچے وہاں کے علماء خبر دعویٰ مہدیت کی سنکر ایک سال تک مباحثہ کرتے رہے جب عاجز ہوگئے وہاں کے حاکم امیر ذوالنون نے تمام ماجرا بادشاہِ خراسان میرزا حسین کی خدمت میں دار السلطنت ہرات کو لکھکر روانہ کیا بادشاہ مذکور نے اپنے ملک میں سے چار عالم یعنی ملا علی فیاضی اور ملا محمد فہروانی اور ملا علی گل اور ملا مقدوم کو انتخاب کرکے تمام کتابیں اپنے کتبخانے اور تمام شہر کے علما کے کتب خانوں کی مع ایک جماعت علما کے ان کے حوالے کیں ان سب نے بکمال جانفشانی دو مہینے تک ان تمام کتابوں کو اولٹ پلٹ کرکے چار سوال انتخاب کرکے چاروں عالم چار سو سواروں کے ساتھ فراہ کو روانہ ہوئے۔ بعد پہنچنے مقام مذکور کے میراں کی خدمت میں

آکر سوال شروع کئے ۔

سوال اوّل ۔ تم اپنے تئیں مہدیٔ موعود کہتے ہو کس دلیل سے اور کہاں سے کہتے ہو ۔

جواب ۔ بندہ نہیں کہتا فرمان حق تعالیٰ کا ہوتا ہے کہ اے سید محمد تو مہدیٔ موعود ہے ۔

سوال دوّم ۔ تم کونسا مذہب رکھتے ہو ۔

جواب ۔ ہم مذہب مصطفیٰ رکھتے ہیں کسی مذہب پر مقید نہیں ہیں

سوال سوم ۔ تم کس تفسیر سے بیان کرتے ہو ۔

جواب ۔ ہم مراد اللہ بیان کرتے ہیں اور جو تفسیر وغیرہ کہ اس بندہ کے بیان کے موافق ہووے وہ صحیح ہے ورنہ غلط ۔

سوال چہارم ۔ کہ تمام امت میں محال ہے پیش کرکے پوچھے کہ تم دعویٰ رویت الٰہی کا کرتے ہو اور خلق کو اس کی طرف دعوت کرتے ہو ۔

جواب میراں نے آیاتِ قرآنی "فمن کان یرجو لقاء ربه فلیعمل عملًا صالحًا" اور "ومن کان فی هذه اعمیٰ فهو فی الاٰخرة اعمیٰ" اور "الا انهم فی مریة من لقاء ربهم الا انه بکل شئ محیط" اور "لا تدرکه الابصار وهو یدرک الابصار" اور "لن ترانی" وغیرہ سے رویت دار دنیا میں ثابت کرکے پوچھا قاضی بجیذ گواہ راضی علما نے کہا کہ دو گواہ معتبر ۔ میراں نے کہا ایک ہم ۔ دوسرے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم گواہی دیتے ہیں رویت باری کی ۔ اور سید سے ہاتھ کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ دیکھو حاضر ہیں جو چاہو سو پوچھ لو ۔ ملا علی فیاضی بار بار کہتا کہ اے میر ہم کو تمہیں ایک گواہ بس ہو ۔ جب سب اشکال حل ہو چکے تصدیق کرکے برخاست کی ۔ الخ

(ہدیہ صفحہ ۱۳۶ و ۱۳۷)

مولف صاحب ہدیہ نے اس واقعہ کی نسبت جو اشکال پیش کئے ہیں ان کو ہم بعد میں ترتیب وار درج کرکے ہر ایک کے مالہ وما علیہ سے بحث کریں گے

لیکن پہلے ناظرین کرام کو مولف ہدیہ کی چند فروگزاشتوں کی طرف توجہ دلانا مناسب معلوم ہوتا ہے جو مولف ہدیہ سے واقعہ کے لکھنے اور اشکالات پیش کرنے میں ہوئی ہیں "مطلع الولایت" کا جو خلاصہ لکھا گیا ہے وہ بھی صحیح نہیں ہے بمثلاً "مطلع الولایت" میں رویت دینوی پر دلالت کرنے والی آیتوں اور اُن آیتوں کو جن سے منکرین رویت نفی رویت پر استدلال کرتے ہیں علیحدہ علیحدہ تلاوت کرکے ان میں تطبیق فرمانے کی تصریح موجود تھی مگر مولف ہدیہ نے خلاصہ نویسی میں دونوں نوعیت کی آیتوں کو خلط ملط کرکے پیش کیا اور تطبیق کا ذکر نہیں کیا ہے۔

واقعات کے بعض ضروری حصے ذکر نہیں کئے ہیں جو مطلع الولایت میں موجود تھے جیسے امیر ذوالنون کی تحریر پر بادشاہ خراسان کا خود تحقیق کے لئے فرہ جانے کا ارادہ کرنا اور ارکان سلطنت کا بادشاہ کی علالت کا عذر پیش کرکے اول چند علما کو بھیجنے کا مشورہ دینا مطلع الولایت میں تھا اور خلاصہ نویسی میں اس کو چھوڑ دیا ہے۔

چار سوالات انتخاب کرنے کے بعد اُن کو بادشاہ کے ملاحظہ میں پیش کرنا اور بادشاہ بھی ان سوالات کو پسند کرنا مطلع الولایت میں درج ہے اور خلاصہ نویسی میں اس کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔

جناب مولف صاحب مطلع الولایت رحمتہ اللہ علیہ نے ہر سوال وجواب نقل کرنے کے بعد ہر جواب کی معقولیت اور وہ جن اصول پر مبنی ہے اس کے وجوہ ودلایل مختصر طور پر ذکر کرتے گئے ہیں۔ اور ارکان وفد کی اس سے تشفی ہوکر اس کو تسلیم کرتے جانے کی صراحت کی ہے مگر مولف ہدیہ نے ان توجیہات پر بالکل پردہ ڈال دیا ہے۔ اگر وہ ذکر کردی جاتیں تو اُن کی روشنی میں ناظرین خود فیصلہ کرسکتے کہ مولف ہدیہ کے پیش کردہ اشکالات کہاں تک واجبی ہیں۔

جبکہ بعض بزرگان مہدویہ کی اس قسم کی تلخیص۔ تضمین۔ اقتباس میں کوئی حصہ ذکر ہونے سے کہیں رہ گیا ہے تو مولف ہدیہ بڑے شدّ و مدّ سے اسکو تحریف۔ تبدیل۔ تغیر۔ اخفا۔ سرقہ قرار دیتے آئے ہیں تو اُن کو خود اپنا یہ عمل بھی تحریف۔ تغیر۔ سرقہ ہونے کا اعتراف کرنا ہوگا ورنہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان بزرگان مہدویہ پر بھی یہ اعتراضات صحیح نہیں ہیں۔

مولف صاحب ہدیہ نے مطلع الولایت میں یہ قصہ تفصیل درج ہونا بیان کر کے تمام واقعہ کی اور اپنے اشکالات کی بنا مطلع الولایت ہی کی روایت پر رکھی ہے حالانکہ جس طرح حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک سیرت کی متعدد کتابیں ہیں اور کسی کتاب میں کوئی واقعہ مجمل ذکر کیا گیا ہے تو دوسری کتاب میں دوسری روایتوں سے اسکی تفصیل بیان ہوئی ہے اور ان دونوں کے ملانے سے پوری تفصیلات معلوم ہو جاتی ہیں۔

امامنا علیہ السلام کی سیرت کی بھی کئی کتابیں ہیں ان کی بھی یہی حالت ہے کہ کسی میں کوئی واقعہ اجمالاً بیان ہوا ہے تو دوسری کتابوں میں دوسری روایتوں سے اس کی تفصیل ملتی ہے مطلع الولایت کی مندرجہ بعض روایتیں بھی واقعات کی تفصیل سے ساکت ہیں۔ مولف صاحب ہدیہ نے یہی غلطی کی ہے کہ دوسری روایتوں کی مندرجہ تفصیلات سے بالکل آنکھیں بند کر لی ہیں۔ حالانکہ وہ تفصیلات جن کتابوں میں درج ہیں وہ کتابیں بھی مولف صاحب ہدیہ کے زیر مطالعہ رہی ہیں اور ان کے حوالہ جات بھی انھوں نے کئی موقعوں پر دئے ہیں تو پھر ان تفصیلات کو نظر انداز کر دینے کی کوئی وجہ نہیں تھی اگر ان تفصیلات سے آنکھیں بند نہ کر لی جاتیں تو وہ اشکال ہی پیدا نہ ہوتا اور اسکے پیش کرنیکی ضرورت داعی نہ ہوتی مثلاً مولف ہدیہ نے یہ اشکال پیش کیا ہے کہ

کیا یہ سوال اس قابل تھے کہ تمام علمائے ہرات دو مہینے کی دردسری کر کے انتخاب کریں" لیکن شواہد الولایت کی روایت سے اس واقعہ کی یہ تفصیل معلوم ہوتی ہے کہ امیر ذوالنون کی عرضداشت پہنچنے کے بعد بادشاہ خراسان نے شیخ الاسلام کو حسب مسئلۂ مہدیت کی تحقیق کرنے کا حکم دیا تو شیخ الاسلام نے اپنے تمام شاگردوں اور دوسرے علما کو دعوت دیکر مجلس مناظرہ منعقد کی اور تمام حاضرین کو دو گروہ میں تقسیم کر کے یہ قرار دیا کہ ایک گروہ اثبات مہدیت کے دلایل پیش کرے اور دوسرا گروہ اس کی تردید کرے خود شیخ الاسلام اس گروہ میں تھے جو درپے اثبات تھا کئی روز تک مناظرہ جاری رہنے کے بعد اس گروہ کے دلایل قوی ثابت ہوئے جو دلائل اثبات مہدیت پیش کر رہا تھا۔

شیخ الاسلام نے اس موقع پر بڑی دیانت سے کام لیا اور یہ خیال کیا کہ ان علما میں اکثر میرے شاگرد ہیں اور کئی میرے ماتحت ہیں چونکہ میں اثبات کا حامی تھا

ممکن ہے کہ انھوں نے میری رعایت کر کے یا مجھ سے مرعوب ہو کر خاطر خواہ تردیدی دلائل پیش نہ کئے ہوں۔ لہٰذا ایک اور مرتبہ از سرنو اس طرح بحث کی جائے کہ جو فریق تردید کر رہا تھا وہ اثبات کے دلایل پیش کرے اور جو درپئے اثبات تھا وہ تردید کرے۔ اس طرح اب شیخ الاسلام تردید کرنے والے گروہ میں شامل ہو گئے اور کئی روز تک یہ بحث مباحثہ بھی جاری رہا۔ آخر میں پھر بھی اثبات ہی کے دلائل پیش کرنے والے یعنی شیخ الاسلام کے مقابل گروہ کا غلبہ رہا۔ اس سے شیخ الاسلام کو کامل اطمینان حاصل ہو گیا کہ دونوں صورتوں میں اثبات کے دلائل راجح ہیں۔

اس تفصیل سے ظاہر ہو رہا ہے کہ دو مہینے کی مدت اس تحقیق میں گزری اس تفصیل کے موجود ہوتے انتخاب سوالات کے لئے دو مہینے کی مدت صرف ہونے کا اشکال ظاہر کرنا مبنی بر دیانت و حقیقت نہیں ہے۔

ایسا ہی شواہد الولایت میں یہ بھی درج ہے کہ وفد علمائے ہرات جس وقت حضرت امامنا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا ہے حضرت آیت " وذرانا لجہنم کثیراً من الجن والانس الآیہ کا بیان فرما رہے تھے۔ ارکان وفد مجلس بیان میں شریک رہے اور بیان سنکر ہی حضرت کے کمالات و فضائل علمی کے ایسے معترف اور معتقد ہو گئے کہ بعد میں انھوں نے شیخ الاسلام کو اطلاع دی کہ ہمارے علم کو حضرت کے علم سے وہ نسبت بھی نہیں ہے جو قطرہ کو دریا سے ہو سکتی ہے۔

ختم بیاں پر ملا علی فیاضی صدر وفد نے عرض کیا کہ حضرت کا بیان سنتے ہی سے ہمارے دل میں جو اشکال تھے وہ سب حل ہو گئے ہیں کچھ پوچھنے کی حاجت نہیں رہی ہے لیکن اجازت ہو تو شیخ الاسلام نے جو سوالات بھیجے ہیں وہ عرض کر دئے جاتے ہیں۔ حضرت نے اجازت دی اور انھوں نے وہ سوالات عرض کئے اور حضرت نے ان سوالات کے جوابات ادا فرمائے ان سے صدر و ارکان وفد کی مزید تشفی ہو گئی اور وہ تصدیق مہدیت سے مشرف ہو گئے۔

واقعہ کی اس تفصیل کی روشنی میں صاف ظاہر ہے کہ وفد علمائے ہرات صدر و ارکان کا اپنے ضمیر کے موافق ہر سوال و جواب میں کامل ربط اور جوابات کی معقولیت تسلیم کر کے دعوئ کی تصدیق کر لینا ایک تاریخی واقعہ ہے جو تمام

مہدوی اہل سیر کا متفق علیہ ہے جس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔

اب یہاں جو سوال حل طلب ہے وہ یہی ہے کہ کوئی واقعہ جس کا وقوع تاریخی اعتبار سے ثابت و متحقق ہو۔ اس واقعہ کے کئی سو سال بعد اس کے متعلق کوئی شخص تاریخی حیثیت سے نہیں بلکہ اپنی ذاتی رائے اور خیال کی بنا پر کچھ قیاس آرائی کرے تو کیا وہ واقعہ غلط قرار دیا جائے گا؟ جیسا کہ ہم نے اس کتاب کے باب دوم میں اشارہ کیا ہے اس کی صحیح مثال حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے مشرف باسلام ہونے کا واقعہ ہے جو یہود کے بڑے اور مشہور علما میں تھے جب حضرت سرور کائنات محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ طیبہ پہنچے اور مدینہ کے لوگ حضرت سے ملنے کے اشتیاق میں جوق جوق آرہے تھے عبداللہ بن سلامؓ بھی ملنے کے لئے حاضر ہوئے۔ حضرت کے چہرۂ انور پر نظر پڑتے ہی ان کے ضمیر نے یہ فیصلہ کیا۔ " ماھٰذا وجہ کذّاب" (یہ جھوٹے کا چہرہ نہیں ہے) وہ خود کہتے ہیں اس کے بعد میں گھر آگیا اور پھر دوبارہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر حضرت سے تنہائی میں علاوہ تین سوال حضرت سے کئے۔

اول۔ قیامت کی سب سے پہلی علامت کیا ہوگی؟

دوم۔ مومنین کے لئے جنت میں سب سے پہلے کیا غذا دی جائے گی؟

سوم۔ بچہ کبھی باپ کے اور کبھی ماں کے مشابہ کیوں ہوتا ہے؟

حضرت نے ارشاد فرمایا۔

۱۔ قیامت کی پہلی علامت ایک آگ ہوگی جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف ہانک کرلے جائے گی۔

۲۔ اہل جنت مومنین کی پہلی غذا زیادہ تر مچھلی کا جگر ہوگا۔

۳۔ ماں باپ میں سے جس کا نطفہ پہلے اور زیادہ رحم میں ٹپکے بچہ اس کی شکل اختیار کرتا ہے۔

عبداللہ بن سلامؓ اپنے سوالات کے جوابات سنکر پکار اٹھے اشہد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وان محمد ارسول اللّٰہ۔ (مدارج النبوۃ جلد دوم)

عبداللہ بن سلامؓ کا حضرت رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہونا سوالات پیش کرنا حضرت کے جوابات سے ان کو اطمینان اور تشفی ہو جانا اور ان کا مشرف باسلام ہونا ایسا تاریخی واقعہ ہے جس پر سب اسلامی مورخین واہل سیر کا اتفاق ہے۔

اگر آج بارہ سو سال بعد کوئی یہودی اس تاریخی واقعہ کو غلط ثابت کرنے کے لئے تاریخی اصول پر نہیں بلکہ اپنی ذاتی رائے وخیال کی بنا پر قیاس آرائی کرے کہ یہ واقعہ اور وہ سوالات جو اسلامی مورخین نے بیان کئے ہیں عبداللہ بن سلامؓ کی فضیلت کے مناسب و موزوں نہیں ہیں اور ان کے جوابات بھی جو پیغمبر اسلام نے دئے ہیں وہ بھی اس قابل نہیں ہیں کہ نبوت کی آزمایش کا معیار ہو سکیں تو ظاہر ہے کہ اس کی قیاس آرائی سے عبداللہ بن سلامؓ کا یہ واقعہ غلط نہیں ہو جائیگا

پس ملا علی فیاضیؒ اور دوسرے ارکان وفد کا حضرت امامنا علیہ الصلوٰۃ السلام کا بیان قرآن سن کر سوالات کے جوابات سے مطمئن ہو کر اپنے ضمیر کے فیصلہ کے مطابق اپنی کم مایگی اور حضرت امامنا علیہ السلام کے نامحدود کمالات و فضائل علمی کا اعتراف کر کے تصدیق مہدیت سے مشرف ہو جانا بھی متفقہ تاریخی واقعہ ہے۔

اس یہودی کی طرح مولف ہدیہ کا اس واقعہ سے کئی سو سال بعد اس پر آج اشکالات پیش کرنا سراسر بے نتیجہ ولا حاصل ہے اس سے نہ وہ واقعہ غلط ہو سکتا ہے اور نہ اس کے کسی حصہ کی صحت و واقعیت پر کوئی اثر پڑ سکتا ہے کیونکہ جن سائلین کو اپنی تشفی مقصود تھی ان کی کامل تشفی اسی وقت ہو گئی۔ جو لوگ آج اشکال پیش کر رہے ہیں یہ ان کی خبث باطنی کے مظاہرے ہیں۔ ظاہر ہے کہ آج کے پیش کردہ اشکالات کی وجہ سے چار سو سال قبل کی اس تشفی و اطمینان قلبی کی ایمانی و روحانی فضا کی نفی کسی طرح لازم نہیں آسکتی۔ صرف اس واقعہ کا ثابت و متحقق ہونا ہی ان تمام اشکالات کے غلط ہونے کا کافی ثبوت اور ان کا شافی جواب ہے اور کسی تازہ جواب کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن ہم تفصیلاً ناظرین کرام کو ان اشکالات کی فی نفسہ غلطی

ظاہر کرنے کے لئے ترتیب وار اُن کے مالہ و ما علیہ سے بھی بحث کرتے ہیں۔

امامنا علیہ السلام کی مدت اقامتِ فرہ کی تحقیق

اس واقعۂ وفد علمائے ہرات پر مولف ہدیہ کو جو پہلا اشکال ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ

ایک برس تک علمائے فرہ مباحثہ کرتے رہے پھر دو مہینے تک علمائے ہرات سوالات اربعہ انتخاب کرتے رہے یہ چودہ مہینے ہوتے ہیں حالانکہ کل قیام شیخ کا فرہ میں نو مہینے ہے جیساکہ تمام کتب مہدویہ سے ثابت ہے پس نو میں اتنے مہینے کیونکر داخل ہو گئے۔

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ امامنا علیہ السلام کی اقامت فرہ میں تقریباً ڈھائی سال رہی ہے۔ باب دوم میں بھی مولف ہدیہ نے یہی غلط بیانی کی ہے اور پھر یہاں اس کا اعادہ کیا ہے اور لطف خاص یہ ہے کہ تمام کتب مہدویہ پر یہ افترا کیا ہے کہ ان سے امامنا علیہ السلام کی اقامت فرہ میں جملہ نو مہینے ثابت ہے حالانکہ کسی کتاب سے فرہ کی جملہ اقامت صرف نو مہینے ثابت نہیں ہوتی۔ تمام کتب سیر و موالیدین یہ صراحت موجود ہے کہ امامنا علیہ السلام فرہ تشریف لائے تو اولاً بیرون شہر ملک سکند رحاجی کی سرائے میں نزول فرمایا اور پھر بہت عرصہ کے بعد اندرون شہر تشریف لے گئے چنانچہ شواہد الولایت میں لکھا ہے کہ

"حضرت امام در فرہ کہنہ قدم سعادت فرمودند و در سرائے ملک سکندر حاجی فرود آمدند"

معراج الولایت میں لکھا ہے کہ

"آنحضرت در فرہ بیرون شہر فرود کش شدہ بودند شاہ بسیار خواست کہ اندرون شہر بیایند اما حضرت اندرون شہر نرفتند و چوں سیدین مخصوصینؓ و بندگیمیاں شاہ نعمتؓ وغیرہ از گجرات آمدند در شہر رفتند"

بندگیمیاں شاہ عبدالرحمٰن نے اپنے مولود میں لکھا ہے کہ

"مقام آں سرور در فرہ بیرون شہر در باغ بود میرذوالنون ہر چند سعی کرد کہ درون شہر بیایند نیامدند تا زمانیکہ میراں سید محمود و بندگیمیاں سید خوندمیر و بندگیمیاں نعمت و میاں عبدالمجیدؒ میاں ابو محمدؒ میاں شیخ محمد کبیر

و میاں یوسف رضی اللہ عنہم کہ بہ گجرات رواں شدہ بودند بیامدند بعد از آمدن ایشاں در شہر آمدند"

ان اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت امامنا علیہ السلام جب فرہ تشریف لائے ہیں تو بیرون شہر فرہ جس کو فرہ کہنہ کہتے ہیں ملک سکندر حاجی کی سرائے میں اقامت فرمائی اگرچہ کہ میر ذوالنون گورنر فرہ نے بہت کوشش اور درخواست کی کہ حضرت اندرون شہر تشریف لائیں لیکن حضرت شہر میں تشریف نہیں لے گئے جب سیدین اور دوسرے مہاجرین رضی اللہ عنہم گجرات سے واپس ہوئے تو امامنا علیہ السلام بیرون شہر فرہ یعنی ملک سکندر کی سرائے سے اٹھکر اندرون شہر فرہ تشریف لائے ہیں۔

بیرون شہر کتنی مدت اقامت رہی اور اندرون شہر کس قدر عرصہ تک حضرت تشریف فرما رہے اس کے متعلق صاحب تاریخ سلیمانی کا قول ہے کہ

سکونت میرانؑ در ظاہر فرہ دو سال شدہ است۔ وبعد از آمدن میرانسید محمود در فرہ امام علیہ السلام مدت شش ماہ روزینہ درحجرۂ میرانسید محمود می ماندند وشبانہ درحجرۂ بندگیمیاں۔

یعنی امامنا علیہ السلام کی ظاہر فرہ یعنی حوالی ومضافات فرہ میں بقول مولف شواہدالولایت فرہ کہنہ میں دو سال سکونت رہی اور سیدین کی واپسی کے بعد خاص فرہ میں چھے مہینے تشریف فرما رہے جہاں دن کو میرانسید محمودؓ کے اور رات کو سید میاں کے کمرے میں رہتے تھے، البتہ مولف شواہدالولایت کی تحقیق یہ ہے کہ امامنا علیہ السلام سیدینؓ کی واپسی سے تین مہینے قبل ہی اندرون شہر فرہ تشریف لا چکے تھے اور سیدین کی واپسی کے بعد چھے مہینے حضرت کی حیات ہوئی اس طرح نو مہینے خاص شہر فرہ میں حضرت مقیم رہے چنانچہ لکھتے ہیں کہ

الغرض بعد از آمدن میرانسید محمودؓ و بندگیمیاں سید خوندمیر حضرت ولایت پناہ را حیات شش ماہ شدہ است و سہ ماہ قبل ہذا در فرہ حضرت امام آمدہ بودند منجملہ نو ماہ حیات شاہنشاہ دریجا شدہ است"

اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ نو ماہ خاص اندرون شہر فرہ کی اقامت کی

مدت ہے جسمیں ظاہر فرہ یعنی حوالی و مضافات شہر فرہ کی مدت اقامت شامل نہیں ہے۔ اسی وجہ سے مولف شواہد الولایت نے ظاہر فرہ یا فرہ کہنہ نہیں لکھا بلکہ صرف فرہ لکھا ہے جس سے اندرون شہر فرہ مراد ہے۔ اندرون و بیرون شہر کی جملہ اقامت کے بارے میں تاریخ سلیمانی کا قول اوپر گزر چکا کہ "در ظاہر فرہ دو سال و در فرہ شش ماہ" اس کے علاوہ قدیم اور مستند موالید میں بھی یہی لکھا ہے کہ

" حضرت میراں علیہ السلام در فرہ دو سال و پنج ماہ ماندند"

(معارج الولایت) بعد از داخل شدن در فرہ دو سال و پنج ماہ حیات آنحضرت ماند (مولود شاہ عبدالرحمٰن)

پس مولف ہدیہ نے ان تمام تصریحات سے چشم پوشی کر کے جو ان کے پیش نظر تھیں انتہائی غلط بیانی سے کام لیا ہے کہ امامنا علیہ السلام کا کل قیام فرہ میں نو مہینے رہا ہے حالانکہ آنحضرت کی اقامت فرہ میں تقریباً ڈھائی سال رہی ہے۔ اس لحاظ سے مولف ہدیہ کی وہ تمام ہرزہ سرائی باطل و ناقابل التفات قرار پاتی ہے جو انہوں نے لکھا ہے کہ " نو مہینے میں اتنے مہینے کیونکر داخل ہوگئے"

مولف ہدیہ کا دوسرا اشکال یہ ہے کہ

سرزمین ہند میں کہ چند غربا و رعایا معتقد ہوے اور سلاطین ہمیشہ نکال نکال کرتے رہے جس پر	خراسان میں مہدویہ کی موجودگی۔

ابتک مذہب واہل مذہب باقی ہیں۔ خراسان میں اگر بادشاہ و علما مصدق ہوے تھے چاہئے تھا کہ وہاں یہاں سے زیادہ یہ مذہب باقی ہوتا۔ الخ

یہ دلائل اثبات کا باب ہے نہ رزایل و واہیات کا۔ ایسے عامیانہ اشکال سے کیا کام نکلتا ہے جو کئی طرح سے مخدوش ہے۔

اولاً مولف ہدیہ نے فرض کرلیا ہے کہ آج خراسان میں مہدوی نہیں ہیں پھر اس مفروضہ نظریہ پر سے ایک اور نظریہ یہ قایم کرلیا ہے کہ خراسان کے بادشاہ اور علما مذہب مہدویہ قبول نہیں کئے تھے اگر قبول کئے ہوتے تو وہاں ہند سے زیادہ مہدوی رہتے حالانکہ کسی مقام پر اس وقت کوئی صورت حال نہ ہونے

گزشتہ زمانہ میں بھی اس کا نہ ہونا ضروری نہیں ہوتا ممکن ہے کہ۔ پہلے وہ حالات ہوں اور اب نہ ہوں۔ ان حالات کی بہترین مثال یہ ہے کہ آج اسپین میں مسلمانوں کی کثرت تعداد اور حکومت نہیں ہے تو اس سے یہ نتیجہ نکالنا سراسر جہالت ہوگی کہ گزشتہ زمانہ میں بھی وہاں مسلمانوں کی کثرت و حکومت نہیں تھی اگر ہوتی تو وہاں زیادہ تعداد مذہب اسلام کے پیرؤں کی باقی رہتی۔ ظاہر ہے کہ ایسا نظریہ قایم کرنا صریحاً غلط ہے اور اس سے مسلمانوں کی کئی سو سالہ شاندار حکومت کے وجود سے انکار یا اس کی نفی لازم نہیں آسکتی فکذا ہہنا (یعنی یہاں بھی ایسی ہی صورت ہے)۔

میں کہتا ہوں کہ مولوی زمان خاں صاحب نے خراسان میں کسی مصدق کے موجود ہونے کا جو انکار کیا وہ غلط ہے کیونکہ مولوی صاحب نے کیا سب خراسان کی سیر کی ہے جو وہاں کسی مصدق کا وجود آپ کو معلوم نہیں ہوا۔ اس انکار سے مولوی صاحب کا مقصد کیا ہے وہ بھی ظاہر نہیں ہوا ہے اگر آپ کے خیال میں مصدقین کی کثرت ہی حقیت مذہب کی دلیل ہوتی ہے تو حضرت شعیب و صالح و لوط وغیرہ انبیا علیہم و علی نبینا الصلوٰۃ والسلام کی نبوت حق ہونے کا آپ کو انکار کرنا پڑے گا اس لئے کہ ان کی امت کثیر نہیں تھی اگر آپ کے خیال میں غربا و فقرا کے ایمان لانے سے حقیت مہدیت باطل ہوتی ہے تو اس کا کیا جواب ہے کہ رسول اللہ صلعم پر اول اول جو لوگ ایمان لائے تھے وہ سب غربا و فقرا ہی تھے ان میں سے ایک بھی بادشاہ و عالم نہیں تھا چنانچہ بخاری نے ہرقل شہنشاہ روم کی جو روایت لکھی ہے اس سے بھی یہی امر واضح ہے کہ انبیا پر غربا و فقرا ہی زیادہ ایمان لاتے ہیں۔ پس یہ امر ظاہر ہے کہ وہ مسلمان جنہوں نے پہلے آنحضرت صلعم کی نبوت کی شہادت دی تھی جب وہ سلاطین نہیں تھے تو اسلام کی بقا اور ترقی کس طرح ہوگئی اور کیا وجہ ہے کہ مذہب اسلام سلاطین اور علما مسلمان ہوے بغیر باقی رہا۔

غرض کہ مذہب کی ترقی اور بقا اس بات پر موقوف نہیں ہے کہ بادشاہان اور علما اس میں داخل ہوں۔ جو لوگ اقوام عالم کی تاریخ اور جغرافیا سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ بہت زمانہ پہلے سے آج تک یہود میں کوئی عظیم الشان بادشان موجود نہیں ہے۔ اور پارسیوں میں بھی کوئی ایسا شخص موجود نہیں ہے جو صاحب تخت و تاج ہو پھر کیا وجہ ہے کہ بغیر سلاطین کے ان کا مذہب موجود ہے۔ غرض خلاصہ بحث یہ ہے کہ مذہب کی حقیت کی دریافت من جانب اللہ ہے

ثانیاً۔ یہ تقریر تو مولف ہدیہ کے ان دو مفروضہ نظریوں میں لزوم نہ ہونے سے متعلق تھی۔ اگر یہ فرض بھی کرلیا جائے کہ خراسان وغیرہ اور ممالک کے بادشاہ حکام ورعایا اور علما وعوام تمام بھی امامنا علیہ السلام کی پُرصدق وصفا ذات قدس کی تصدیق سے بالکل محروم ہی رہے تو حضرت امام علیہ السلام کے دعویٔ مہدیت کی صداقت میں تب بھی کوئی خلل عائد نہیں ہوسکتا اور اعلیٰ مرتبۂ امامت کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا کیونکہ ان طبقاتِ خلائق کا تابع ہونا جو حصول قہر و غلبہ کی ایک صورت ہے اس کا وجود نبوت کے لوازمات سے ہی نہیں ہے تو وہ امامت وولایت کے لوازمات وشرائط سے کس طرح ہوگا جیسا کہ تمہید میں لکھا ہے۔

طاعة الامام فرض على الناس فان لم يكن القهر من تمرد الناس وهو لا يعزله عن الامامة فلو لم يطيعوا الامام فالعصيان حصل منهم و عصيانهم لا يضر بالامامة الا ترى ان النبي صلى الله عليه وسلم ما كان مطاعًا في اول الاسلام وما كان له القهر على اعدائه من طريق العادة و الكفرة قد مردوا عن امره دينه

امام کی اطاعت لوگوں پر فرض ہے اگر امام کو قہر وغلبہ حاصل نہ ہو تو یہ لوگوں کی سرکشی ہے اور اس سے امام امامت سے معزول نہیں ہوگا۔ اگر لوگ امام کی اطاعت نہ کریں تو یہ لوگوں کی نافرمانی ہے اور ان کی نافرمانی سے امامت کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا کیا تم نہیں دیکھتے کہ ابتدائے اسلام میں نبی صلعم کی بھی اطاعت نہیں کی جاتی تھی اور عادتاً آپ کو اپنے دشمنوں پر غلبہ حاصل نہیں تھا اور کفار آپ کے حکم اور

بقیہ حاشیہ صفحہ (۵۰۲): ۔ اور اس کی بقا و ترقی بھی اسی کی مشیت ازلی پر موقوف ہے بس یقین ہے کہ خراسان میں اب بھی ہمارے مذہب کے لوگ موجود ہیں یا منکرین کے اغوا سے مرتد ہوگئے ہوں ارتداد امت سے بھی صاحب امت کو نقصان نہیں ہوتا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہزاروں آدمی مرتد ہوگئے جن سے صدیق رضی اللہ عنہ نے محاربہ کیا تھا۔ خلاصہ یہ کہ غربا کا ایمان لانا اور امرا کا اڑے رہنا اس بات کی دلیل نہیں کہ مدعیٔ مہدیت کی ذات اقدس دراصل مہدیٔ موعود نہیں۔۱۲

اشرف غفرلہٗ

وقد کان هذا لا یضرہ ولا یعزله عن النبوة ـ وکذا الامام خلیفة النبی صلعم لا محالة وکذالک علی ماکان مطاعاً من جمیع المسلمین و مع ذالک ماکان معزولا فصح ما قلنا ـ

آپ کے دین سے سرکشی کئے ہوئے تھے اور ان کی یہ سرکشی آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکی اور نہ آپ کو نبوت سے معزول کر سکی ایسا ہی امام بھی نبی صلعم کا ضرور خلیفہ ہے ۔ ایسا ہی علی کرم اللہ وجہہ کے تمام مسلمان مطیع و منقاد نہیں تھے اس کے باوجود آپ معزول نہیں تھے پس ہم نے جو کہا ہے وہ صحیح ہے ۔

ثالثاً ۔ یہاں تو یہ صورت ہی نہیں ہے بلکہ مولف ہدیہ کے یہ دونوں نظرئے بالکل غلط ہیں ۔ گزشتہ زمانہ میں خراسان کے صدہا علما و فضلا اور حاکم قندھار شاہ بیگ اور صوبہ دار فرہ امیر ذوالنون اور بادشاہ خراسان سلطان میرزا حسین کا بصدق دل جناب امامنا مہدئ موعود علیہ السلام کی تصدیق سے مشرف ہونا اہل سیر کے متفقہ بیان سے ثابت ہے جیساکہ باب دوم میں خود مولف ہدیہ نے بھی اس کا کسی قدر ذکر کیا ہے ۔

ملک خراسان میں مہدوی موجود نہ ہونے کا نظریہ بھی غلط ہے کیونکہ جو مہدوی زایرین شیخ مانعیہ میں حضرت امام علیہ السلام کے روضۂ منورہ کی زیارت کے لئے گئے ہیں ان کی تحریرات سے معلوم ہوتا ہے کہ اثنائے سفر میں ان کا گزر جن دیہات پر سے ہوتا تھا وہاں کے مہدوی جوق جوق آ آکر ان زایرین سے اسی تعلق سے ملتے تھے کہ یہ اہل دیہات بھی مہدوی اور حضرت کے معتقدین و مصدقین ہیں ۔

حال ہی کا واقعہ ہے کہ چند خراسانی بلباس فقیرانہ وارد حیدرآباد ہوئے جوار و زبان سے بالکل ناآشنا تھے ۔ اتفاقاً ان کا گزر راس تقیر محرر اوراق کے محلہ میں ہوا اور فقیر سے ملاقات ہوگئی بزبان فارسی سلسلۂ گفتگو عرصہ تک جاری رہا جیسی کہ عادت ہے طرفین کے حالات و واقعات ایک دوسرے سے دریافت اور بیان ہوتے رہے ۔ سرسری واقفیت ہونے کے بعد انھوں نے کہا کہ ہمارے آغا خاں (اپنے قبیلہ کے رئیس) نے تم کو سلام کہا ہے فقیر نے پوچھا تمھارے آغا خاں ہم کو کیا پہچانتے ہیں جو سلام کہے ہیں جواب دیا کہ ہم جناب

آقا سید محمد مہدی موعود کے مصدق ہیں۔ آغاخاں نے کہا ہے کہ جناب آقا سید محمد مہدی موعود کے جو مصدق تم کو ملیں ان کو ہمارا سلام پہنچانا۔ غرض خراسان کے اکثر شہر و دیار میں امامنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے باصدق و صفا مصدقین موجود ہیں

مولف ہدیہ کا یہ کہنا بھی صریح غلط اور کہنے والے کی کج فہمی اور اہل تاریخ وسیر کے متفقہ اصول اور حالات زمانہ کی علانیہ خلاف ورزی ہے کہ

الملک والدین توامان اور الناس علی دین ملوکہم مشہور قول ہے اور ایسی دستور ہے کہ جس ملک کا بادشاہ و حکام جس مذہب کو قبول کرتے ہیں رعایا بھی اس پر قدم رکھتے ہیں۔ الخ اور کسی تاریخ عجم میں مذکور نہیں ہے کہ سلطان میرزا حسین اور میر ذوالنون اور علمائے خراسان نے تصدیق کی تھی۔ الخ

کسی ملک کی رعایا اپنے بادشاہ کے مذہب و ملت کے مواقق ہو جانا کوئی قاعدۂ کلیہ نہیں ہے۔ نجاشی بادشاہِ ملکِ حبش کا اسلام سے مشرف ہونا تاریخ اسلام میں مشہور ہے لیکن تمام اہل حبش مسلمان ہوجانے کا کسی تاریخ میں ذکر نہیں ہے اس کے علاوہ بہت سے ملک ایسے ہیں جہاں ہزاروں لاکھوں رعایا اپنے حکام کے مخالف مذہب رکھتے ہیں۔ خود اقلیم ہند آپ کے لئے تماشا گاہ ہے کہ حاکم و محکوم میں کس قدر اختلافِ مذہب ہے۔ شہر حیدرآباد ہی کی طرف نظر ڈالئے کہ حاکم۔ وزرا۔ امرا اور عام رعایا میں کس قدر مخالفتِ مذہبی موجود ہے عیاں را چہ بیاں۔

مورخین عجم نے سلطان میرزا حسین۔ امیر ذوالنون اور علمائے خراسان کے تصدیق کرنے کا ذکر نہیں کیا ہے تو اس سے اصل واقعہ غلط نہیں ہوسکتا۔ اگر یہی اصول صحیح تصور کر لیا جائے تو پھر تمام اسلامی تاریخ کے ان واقعات کو غیر صحیح قرار دینا ہوگا جنہیں اسلامی مورخین ہی نے بیان کیا ہے اور یہود و نصاریٰ و مشرکین و دیگر اقوام کے مورخین نے ذکر نہیں کیا ہے چنانچہ اس کتاب کی جلد اول حصۂ دوم میں اس موضوع بحث کے تحت وضاحت کیگئی ہے کہ ہر قوم کی تاریخ کا ماخذ اسی قوم کی معلومات ہوتی ہیں اور دوسری اقوام کو ان تاریخی واقعات کا علم اسی قوم کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔ اگر کسی قوم کی تاریخ کی صحت کا مدار دوسری قوموں کے بیان پر رکھا جائے تو اسلامی تاریخ کا بہت بڑا حصہ غیر صحیح اور ناقابل اعتماد

ہوجائے گا۔ سبحان اللہ مولف صاحب ہدیہ نے جھد و یہ کی کاوش میں ایک تازہ ضابطہ اچھا تراشا ہے کہ اس پر عمل کیا جائے تو تمام اسلامی تاریخ و سیر کا صفایا ہوجاتا ہے کیونکہ معاندین اسلام بھی یہی کہہ سکتے ہیں کہ "نجاشی" بادشاہ حبش کے مشرف باسلام ہونے کا واقعہ جو مسلمان مورخین واہل سیر نے لکھا ہے جب تک اس کو حبش کی تاریخ سے ثابت نہ کیا جائے وہ صحیح نہیں سمجھا جاسکتا۔ حضرت سرورِ کائنات علیہ الف الف تحیات کے حالات و معجزات خصوصاً حضرت کی ولادت باسعادت کے وقت قصر کسریٰ میں تزلزل ہونا۔ کنگرے قصر گر پڑنا۔ غزوات اسلامی اور خصوصاً مسلمانوں کے ملک فارس پر حملہ کرنے کی تفصیلات وغیرہ جو تاریخ اسلام میں مذکور ہیں مگر تاریخ عجم میں جن کا ذکر نہیں ہے اس لئے وہ صحیح نہیں ہونا چاہئیے۔ لیکن اُصولاً نہ معاندین اسلام کا یہ کہنا صحیح ہوسکتا ہے اور نہ مولف ہدیہ کا یہ اشکال صحیح ہے۔ مگر خدا کی قدرت اور امامنا علیہ السلام کی کرامت و اعجاز دیکھئے کہ امامنا علیہ السلام کے یہ واقعات کسی قدر دوسری تاریخوں مثلاً مرأۃ العالم اور منتخب التواریخ وغیرہ میں بھی ملتے ہیں پس اس سے انکار کرنے کے لئے مولف ہدیہ کو اس حیلہ وبہانہ کی بھی گنجائش باقی نہیں ہے۔

مولفِ ہدیہ کے اشکالِ سوم کا خلاصہ یہ ہے کہ

وفد علمائے ہرات کے سوالات پر اعتراضات کے جوابات ۔	یہ چار سوال اس قابل تھے کہ تمام علمائے ہرات دو مہینے کی دردسری کرکے انتخاب

کریں کیا ان کے دلوں پر پردہ پڑگیا تھا کہ تمام علامات وخصائص مہدی جو صحیح احادیث میں مذکور ہیں بھول گئے اور یہی چار باتیں لے کر چلے۔

یہ اشکال بھی کئی وجوہ سے صحیح نہیں ہے۔

اولاً اس سے پہلے تفصیلی واقعات کے ضمن میں لکھا گیا ہے کہ اول علمائے ہرات شیخ الاسلام کے حکم سے ثبوت مہدیت اور علامات وخصائص امام مہدی علیہ السلام کی تحقیق کے درپے رہے اور یہ دو مہینے کی مدت باہمی بحث ومباحثہ میں گزری۔ فقط یہ چار سوال انتخاب کرنے کے لئے دو مہینے صرف نہیں ہوے

جیساکہ مولف ہدیہ نے ناظرین کرام کو مغالطہ دینے کے لئے ظاہر کیا ہے۔

ثانیا۔ سوالات کی نوعیت و ماہیت کے لحاظ سے یہ سوالات بیشک اسی قابل تھے کہ منظہر خلافت الٰہی یعنی مہدی موعود حقیقی ہونے کے مدعی ہی سے پوچھے جائیں لیکن ان سوالات کی ماہیت پر غور کرنے سے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ کسی خلیفۃ اللہ پر ایمان لانے اور دعویٰ خلافت الٰہی کی تصدیق کرنے کے لئے اس قسم کے سوالات کو کس حد تک دخل ہوتا ہے اور کیا وہ سوالات ایمان کے ایسے مدار و موقوف علیہ ہیں کہ ان کے ہونے اور بہتر ہونے سے ایمان درست ہوگا نہ ہوں تو نہ ہوگا۔

خلفائے راشدین اور قریبا کل صحابۂ رسول اللہ آنحضرت صلعم پر ایمان لانے کیلئے نہ کوئی سوالات کرکے جواب کے طالب ہوے اور نہ ان علامات کی چھان بین کی جو توریت و انجیل اور صحف انبیا میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مذکور ہیں یہ اس بات کی دلیل ہے کہ سوالات ایمان کے موقوف علیہ نہیں ہیں۔

عبداللہ بن سلامؓ کا واقعہ میں ۔۔۔ سے پہلے لکھا گیا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر نظر پڑتے ہی نورِ ایمان نے ان کے دل کو منور کر ڈالا اور ان کے ضمیر نے کوئی سوال پیش کرنے سے پہلے ہی "ماھذا وجہ کذاب" کا فیصلہ کر دیا اس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ عبداللہ بن سلامؓ نے بعد میں جو سوالات کئے وہ محض تکمیل حجت ظاہری یا مزید اطمینانِ قلبی کے لئے تھے ان سوالات میں بھی نہ علامات کا ذکر تھا اور نہ عبداللہ بن سلام نے ان علامات کی تحقیق کی ضرورت سمجھی۔ کیا مولف صاحب ہدیہ بتائیں گے کہ ان صحابۂ رسول اللہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ایمان درست تھا کہ نہیں جنہوں نے کوئی سوال ہی نہیں کیا اور توریت و انجیل میں مذکورہ علامات کی تحقیق کے درپے نہیں ہوے اور کیا معاذاللہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے قلب منور پر پردہ پڑ گیا تھا جو وہ ان تمام علاماتِ توریت کو بھول گئے اور صرف وہی تین باتیں لے کر چلے جن کا پہلے ذکر کیا گیا ہے۔

ثالثاً۔ علمائے ہرات کا واقعہ بھی اسی کے مشابہ ہے شواہد الولایت میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ

جب وفد ہرات کے چاروں علما وغیرہ حضرت امامنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے

حضور میں پہنچے ہیں اس وقت حضرت اس آیت شریفہ کا بیان فرما رہے تھے۔

فقد ذرأنا لجہنم کثیرا من الجن والانس لہم قلوب لا یفقہون بھا ولہم اعین لا یبصرون بھا ولہم اذان لا یسمعون بھا اولئک کالانعام بل ہم اضل اولئک ہم الغافلون ۵

ہم نے بہت سے جن وانس کو جہنم کے لئے پیدا کیا ہے جنہیں دل ہیں مگر وہ ان سے سمجھتے نہیں انھیں آنکھیں ہیں ان سے وہ دیکھتے نہیں انھیں کان ہیں مگر وہ ان سے سنتے نہیں وہ چوپایوں کے جیسے بلکہ ان سے زیادہ گمراہ اور غافل ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ کی تعلیم اور مراد کے موافق آیت کی تفسیر پوری ہوئی اور بیان ختم ہوا تو حضرت کا بیان سن کر ہی وہ چاروں علما معہ ساتھیوں کے حضرت کے ایسے معتقد ہو گئے کہ وفد کے رکن ملا درویش ہروی نے منہ میں تنکا پکڑ کر حضرت سے عرض کیا کہ ہم اپنے علم ومعرفت کے باوجود حضرت کے روبرو انعام کے جیسے ہی ہیں اب اللہ تعالیٰ ہم کو حضرت کے قدم مبارک کے صدقہ سے انعام کی صفات سے نکال کر انسانوں کے زمرہ میں داخل فرمائے۔

ملا علی فیاضی صدر وفد نے عرض کیا کہ میرانجی ہمارے دل میں جو کچھ اشکال تھے وہ سب حل ہو گئے ہیں کوئی بات پوچھنے کی حاجت نہیں رہی ہے۔ لیکن اجازت ہو تو چار سوال جو شیخ الاسلام کی طرف سے بھیجے گئے ہیں عرض کئے جاتے ہیں حضرت نے اجازت دی اور انھوں نے وہ سوالات پیش کئے۔ الخ

اس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ ان علما کو بھی امامنا علیہ السلام کی صداقت کا ایقان وایمان حضرت کے بیانِ قرآن کی سماعت اور حضرت کی ملاقات کے ساتھ ہی حاصل ہو گیا تھا اور سوالات کا پیش کرنا صرف پیام رسانی اور تکمیل حجت ظاہری تھی

رابعاً۔ علامات وخصائص امام مہدی علیہ السلام کو بھول جانے کا الزام جو مولف ہدیہ نے علمائے ہرات پر عائد کیا ہے وہ بھی اس وجہ سے صحیح نہیں ہے کہ ہرات کے شیخ الاسلام اپنے شاگردوں اور دوسرے علمائے ہرات کو جمع کر کے عرصہ تک جو بحث مباحثہ کرتے رہے جس کا کسی قدر مفصل ذکر اس سے قبل ہو آیا وہ انہی علامات وخصائص ہی کی تحقیق تھی اور اس تحقیق میں ثبوت کے دلائل تو کہ

ثابت ہو چکے تھے۔

اس کے علاوہ جب سے امامنا علیہ السلام خراسان کے حدود میں داخل ہوئے ہیں اس کے بعد سے علمائے خراسان سے اسی تحقیق کا سلسلہ جاری رہا ہے چنانچہ علمائے قندھار و فرہ وغیرہ نے عرصہ تک بحث مباحثہ کرنے کے بعد وہ تمام علامات جو صحیح احادیث میں مذکور ہیں وہ سب آپ کی ذاتِ والاصفات میں موجود پائے اور حضرت کی تصدیق سے مشرف ہوگئے۔ فرہ میں تو میر ذوالنون نے ایک علامت پیش کرکے ایک ایسا انتہائی امتحانِ صداقت لینے کی حضرت سے اجازت چاہی اور حضرت نے بکمال کشادہ پیشانی اجازت دی جو بہت کم خلفاء اللہ و ہداۃ الی سبیل اللہ کو پیش آیا ہوگا۔ چنانچہ مطلع الولایت میں یہ واقعہ اس طرح لکھا ہے۔

دراں حال (امیر ذوالنون) سوال کرد کہ در حدیث نبوی دیدہ ام کہ تیغ بر مہدی کار نہ کند۔ می گویند کہ آنحضرت شمشیر خود را داد و فرمودند کہ بیازمائید۔ میر ذوالنون در حال ایستادہ تیغ بیدریغ کشیدہ دست برداشت و ہرچند قصد کرد کہ بزند اما دستش ہمچناں ماند بر ضرب نیامد و رویش زرد و سبز گشت و او بیہوش شدہ افتاد حضرت میراں دست گرفتہ ہوشیار کردند بہوش آمدہ باز شمشیر برداشت بار دیگر ہمچناں افتاد۔ ہمیں نوع مرۃ بعد اخریٰ ایں کار سہ بار تکرار کرد آخرالامر شمشیر انداختہ پابوس گشت۔ حضرت امام فرمودند اے میر ذوالنون کارِ آتش سوختن است کارِ آب غرق کردن است و کار تیغ بریدن ست و غرض فرمودن آنحضرت رسالت پناہ آنست کہ کسے بر مہدی قادر نشود

اس حالت میں (میر ذوالنون نے) سوال کیا کہ میں نے حدیث نبوی میں دیکھا ہے کہ مہدی کو تلوار نہیں کاٹے گی راوی کہتے ہیں کہ حضرت امام علیہ السلام نے اپنی تلوار دیکر فرمایا کہ آزمالو میر ذوالنون نے اسی وقت اٹھکر اور تلوار کھینچکر ہاتھ اٹھایا ہرچند مارنے کا ارادہ کیا لیکن ان کا ہاتھ ویسا ہی رہ گیا اور مارا نہ گیا ان کا چہرہ ہرا پیلا ہوگیا اور وہ بیہوش ہوکر گر پڑے حضرت نے ہاتھ پکڑ کر ان کو ہوشیار کیا انہوں نے ہوش میں آکر پھر تلوار اٹھائی پھر دوبارہ ویسا ہی گر پڑے اسی طرح وہ تین مرتبہ بار بار کرتے گئے آخر میں تلوار پھینک کر قدموں پر گر پڑے حضرت نے فرمایا میر ذوالنون آگ کا کام جلانا اور پانی کا کام ڈبونا اور تلوار کا کام کاٹنا ہے حضرت رسالت پناہ کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ مہدی پر کوئی شخص قادر نہ ہوگا اور قتل نہ کرسکے گا

ونتوانند کشت - بعده میرذوالنون رو بتصدیق آورد و گفت کہ ما نوکر مہدی ایم و ما ناصر مہدی ایم پیش مہدی تیغ زنیم آنحضرت فرمودند ناصر مہدی خدائے تعالیٰ است تیغ بر نفس خود بزنید۔

بعد میں میرذوالنون نے تصدیق کرلی اور کہا کہ ہم مہدی علیہ السلام کے نوکر اور معاون ہیں آپ کے روبرو تیغ زنی کریں گے حضرت امام علیہ السلام نے فرمایا کہ مہدی کا ناصر خدا ہے تم یہ تلوار اپنے نفس پر مارو (تا وہ تم کو گمراہ نہ کرسکے)۔

شواہد الولایت میں اس واقعہ کے نتیجہ کے طور پر لکھا ہے کہ

پس یکے از علما کہ نامش مولانا نور کوزہ گر رحمۃ اللہ علیہ بود گفت کہ اگر مہدی آمدنیست ہمیں ذات ست وگرنہ نخواہد آمد۔ میرذوالنون واکثر علما کہ در مجلس بودند بر مہدیت آن ذاتِ پیغمبر صفات ایمان آوردند۔

پس علما میں سے ایک صاحب نے جن کا نام مولانا نور کوزہ گر تھا کہا کہ اگر مہدی کا آنا حق ہے تو یہی ذات مہدی ہے ورنہ کوئی اور نہ آئیگا میرذوالنون اور اکثر علما جو مجلس میں موجود تھے اس ذات پیغمبر صفات کے مہدی ہونے پر ایمان لائے۔

غرض یہ تمام واقعات اور یہ سب کیفیت میرذوالنون کے ذریعہ علمائے ہرات کو معلوم ہو چکی تھی پس انہوں نے علمی امتحانات وسوالات اور انہی علامات کی تحقیقات پھر سے کرنا تحصیل حاصل خیال کیا اور ایسے اصولی سوالات تجویز کئے کہ ان کے جواب ہی سے دعوئ مہدیت کا حق ہونا ظاہر ہو جائے۔

خامساً۔ اس تمام تقریر سے ناظرین کرام پر یہ حقایق منکشف ہو چکے ہیں کہ سوالات وجوابات اور علامات کی تحقیق پر ایمان موقوف نہیں ہے اس کے بغیر بھی ایمان حاصل ہو جاتا ہے۔

ایمان حاصل ہونے پر بھی اطمینان قلبی کے لئے سوال کرنا جائز ہے۔ بعض انبیاء علیہم السلام سے بھی ایسا ہوا ہے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا واقعہ قرآن شریف میں مذکور ہے کہ حضرت نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا

رب ارنی کیف تحیی الموتیٰ قال اولم تومن قال بلیٰ ولکن لیطمئن قلبی۔

یعنی اے میرے پروردگار مجھے دکھا کہ تو مردہ کو کیسا زندہ کرتا ہے فرمایا کیا تو اس پر ایمان

نہیں رکھتا ابراہیم نے کہا ہاں ایمان رکھتا ہوں لیکن (یہ عرض اس لئے ہے کہ) میرا قلب مطمئن ہو جائے۔

اسی سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ اطمینانِ قلبی کے لئے صرف ایک یا چند امور پوچھ لینا کافی ہوتا ہے۔ تمام امور کی نسبت سوال کرنا ضروری نہیں ہوتا۔

اسی اصول پر ان چار سوالات کے ذریعہ خاص خاص امور کی وضاحت چاہنا جو اطمینانِ قلبی کیلئے کافی ہوں صحیح ہے۔

پس مولف ہدیہ کا سوالات کے ناقص ہونے اور علامات کی تحقیق نہ کرنیکا اعتراض محض عبث ولاطائل ہے بلکہ یہ چار سوال واقعی اس قابل تھے کہ مظہرِ خلافتِ الہٰی اور مہدئ موعود حقیقی ہونے کے مدعی ہی سے پوچھے جائیں۔

خود اراکینِ وفدِ علمائے ہرات کے بیان سے بھی ہمارے اس بیان کی تائید ہوتی ہے جو انھوں نے ہرات سے فرہ کو روانہ ہونے سے پہلے بادشاہ خراسان میرزا حسین سے کہا اور اسی سے ان کو علمائے فرہ کی تحقیقات پر بھروسہ ہونا ظاہر ہوتا ہے اور ان سوالات کی ماہیت وحقیقت بھی ظاہر ہو جاتی ہے کہ وہ کس مصلحت پر مبنی تھے چنانچہ مطلع الولایت ہی میں لکھا ہے کہ

ہر چہار کس باحضرتِ بادشاہ عرض داشتند کہ علمائے فرہ افضل علمائے جہانیانند وتنیکہ ایشاں تصدیق کردہ اند البتہ موافق احادیث و قرآن و روایات علمائے سلف دیدہ اند مانیز جز ایں سہ چیز علمی نداریم با تامل بسیار و تفکر بے شمار چیزے حجت قطعی بریم نامعیار دعوی او باشد ھومن امر اللہ اومن غیر اللہ امن قوۃ انواع العلوم اومغالطۃ الشطحیات۔

ان چاروں علما نے بادشاہ سے عرض کیا کہ فرہ کے علما دنیا کے افضل ترین علما ہیں جبکہ انھوں نے تصدیق کر لی ہے البتہ احادیث اور قرآن اور علمائے سلف کی روایتوں کے موافق دیکھا ہے ہم بھی ان تین چیزوں کے سوا کچھ نہیں جانتے ہیں بہت تامل وفکر کے ساتھ ہم ایسی قطعی حجت پیش کریں جو آپ کے دعوی کی معیار ہو سکے کہ آپ اللہ کے حکم سے دعوی کرتے ہیں یا غیر اللہ کے حکم سے یا قوت علمی سے کرتے ہیں یا شطحیات کے مغالطے سے۔

اس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ ان سوالات سے حالاتِ جذبہ وسکر میں دعویٰ ہونے کی بھی تحقیق مقصود تھی اور حضرت کے جوابات سے یہ شبہ بھی رفع ہوگیا۔

۵۔ اگر دقیق نظروں سے ملاحظہ کیا جائے تو وہ چار سوالات جو علمائے ہرات نے مرتب کئے تھے دراصل وہ بہت ہی مطلب خیز ہیں اور ان میں بہت سے نکتے چھپے ہوئے ہیں اور ان کی طبعی ترتیب ایک خاص حالت پر ہوئی ہے جن میں سے ایک سوال دوسرے پر موقوف ہے۔ مختصر طور پر ہر ایک سوال کے فوائد اور ان کی وقعت کو میں بیان کرنا مناسب خیال کرتا ہوں۔

پہلا سوال یہ تھا کہ دعویٰ مہدیت آپ اپنی ذات سے کرتے ہیں یا کیا۔ اس سوال میں چند امور مخفی ہیں پہلا یہ کہ بعض دعاوی حالت سکر میں ہو جاتے ہیں اس درجہ کہ سالک مجذوب کا خیال تجلیات کے سطوات سے متحیر ہو جاتا ہے جس سے اس کو رموز غیبی میں تمیز وافتراق کا موقع نہیں ملتا اس صورت میں اس کے دعاوی شطحیات کے نام سے موسوم ہوتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ دعویٰ مہدیت اگر آپ اپنی ذات سے فرماتے اور اس دعویٰ میں حکم الہٰی کی مداخلت نہ ہوتی تو اس کا تسلیم کرنا فرض نہ ہوتا۔ تیسرا یہ کہ علمائے مذکور کے خیال میں وہ علاماتِ مہدیت جو احادیثِ آحاد سے استخراج کئے گئے ہیں ان سے تعرض نہیں کیا گیا اور صرف مدعیٔ مہدیت سے اس کا استفسار ضروری سمجھا گیا کہ آپ کا دعویٰ خدا کے حکم سے ہے یا نہیں کیونکہ خلفائے راشدین رسول اللہ صلعم نے بھی تصدیق نبوت کے وقت ان علاماتِ رسول صلی اللہ صلعم سے بے اعتنائی کی جو توریت وانجیل میں مذکور تھے اور ذرا بھی علامات کے متعلق دریافت نہیں کیا۔ اسی طرح علمائے مذکور نے بھی علاماتِ مہدی سے بحث نہیں کی اور صرف دعویٰ کی نسبت استفسار فرمایا تو حضرت نے جواب دیا کہ خدا کے حکم سے دعویٰ کرتا ہوں۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ تم کونسا مذہب رکھتے ہو۔ اس سوال کی اشد ضرورت تھی کیونکہ جو شخص اس بات کا مدعی ہو کہ میں خدا کے حکم سے دعویٰ کرتا ہوں تو بالضرور کسی مجتہد کے مذہب کا تابع نہ ہوگا لہٰذا آپ نے یہ جواب دیا کہ ہم مذہب رسول اللہ صلعم رکھتے ہیں اور کسی مذہب کے مقید نہیں ہیں اس جواب سے یہ امر واضح ہوگیا کہ آپ کا دعویٰ سکر کی حالت میں نہیں۔ بے کیونکہ ان کے فلسفیانہ اغراض جو ان کے سوال میں موجود تھیں اگرچہ پہلے جواب سے دفع ہو چکی تھیں مگر اس جواب نے ان کے دفع شبہات میں اور بھی مدد دی جس سے ان کو اس بات کا یقین ہوگیا کہ سوالات کے قائل کو سمجھ کر جواب دینا بغیر اس کے ممکن نہیں ہے کہ مجیب حالت سکر میں نہ بلکہ حالتِ صحو میں ہو۔

مولف ہدیہ کہتے ہیں کہ "یہ چار باتیں ایسی آسان ہیں کہ ہر شخص کہہ سکتا ہے"
اس کے دو پہلو ہو سکتے ہیں یا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ چار سوالات ایسے آسان ہیں کہ ان کے جوابات ہر شخص دے سکتا ہے یا یہ کہ حضرت نے جو ارشاد فرمایا ہے وہی ہر شخص کہہ سکتا اور دعوی کر سکتا ہے۔

شق اول کا جواب یہ ہے کہ ہر مشکل سوال کا حقیقی جواب ظاہر ہو جانے کے بعد وہ آسان ہو جاتا ہے یہاں بھی یہی صورت ہے یا یہ ہوتا ہے کہ کوئی اپنی ناقابلیت کی وجہ سے کسی کلام کی حقیقی خوبیوں کو نہیں سمجھتا اور فیصلہ کر لیتا ہے کہ یہ معمولی کلام ہے جیسا کہ جن کفار کی سمجھ قرآن شریف کے حقیقی معانی کی خوبیوں اور گہرائیوں تک نہیں پہنچ سکی انھوں نے اس کو سطحی نظر سے دیکھکر یہی فیصلہ کر لیا کہ ماھذا الا اساطیر الاولین (یہ فقط گزشتہ لوگوں کے قصے کہانیاں ہی ہیں) اس موقع پر بھی

بقیہ حاشیہ صفحہ (۵۱۲) تیسرا سوال یہ کہ تم کس تفسیر سے بیان کرتے ہو۔ اس سوال کی ضرورت اس وجہ سے ہوئی کہ جو شخص خدا کے حکم سے دعوی کرے اور اس کا مذہب بعینہ رسول اللہؐ کا مذہب ہو تو اس کا بیان کسی تفسیر پر نہ ہوگا کیونکہ جتنی تفسیریں ہیں وہ ظنی ہیں اور جب مدعی مہدیت خدا کے حکم سے دعوی کر رہا ہے تو اس کا ہر ایک قول قطعی ہوگا۔ اس صورت میں حضرت امام علیہ السلام کا جواب ان کی پیش بندیوں کے بالکل موافق تھا۔

چوتھا سوال یہ کہ آپ رویت الہی کا دعوی کرتے ہیں یہ سوال اس واسطے ہوا تھا کہ رویت کا مسئلہ ایک معرکۃ الآرا تھا اور اس میں تین فرقے تھے ایک وہ کہ رویت کا مطلق قایل نہیں تھا۔ دوسرا وہ کہ رویت کا قایل دار آخرت میں تھا تیسرا وہ فرقہ کہ دارین میں رویت کا قایل تھا۔ اور یہ فرقے اس قدر آپس میں اختلاف رکھتے تھے کہ ہر ایک دوسرے کو تکفیر کے خطاب سے مخاطب کرتا تھا پس اس مسئلہ کے تصفیہ کی اشد ضرورت تھی۔ اور دوسرا یہ کہ یہ سوال حقایق سے متعلق تھا اور مہدی علیہ السلام بھی ولایت محمدیہ کے خاتم ہیں اور حقایق کا بیان آپ سے متعلق تھا لہذا علماء نے اس کا استفسار کیا۔ غرض سارے سوالات فلسفیانہ اصول پر مبنی تھے اور ان کے جوابات کی اشد ضرورت تھی۔ جب مہدی علیہ السلام نے ان کے نفس الامری جوابات ادا فرمائے تو علمائے ان کی طبیعتیں انصاف وعدالت سے خمیر ہوئی تھیں امامؑ کے جوابات کو تسلیم فرمایا اور تصدیق کے شرف کرامت سے مشرف ہوئے۔

یہی ہوا ہے کہ مولف ہدیہ نے ان سوالات کے عمیق مضامین و مطالب کو نہیں سمجھا ہے اس لئے ان کو آسان سمجھ لیا ہے بہر حال مولف ہدیہ کا ان کو آسان سمجھنے اور کہنے سے منشا یہ ہے کہ یہ سوالات اور جوابات ثبوت مہدیت کے معیار ہونے کے قابل نہیں ہیں۔ تقریر ما سبق سے اس اشکال کا اچھی طرح رد ہو گیا ہے۔ عبداللہ بن سلامؓ کا واقعہ اسکی نظیر ہے۔ ایک اور واقعہ دیکھو مدارج النبوۃ وغیرہ کتب سیر میں لکھا ہے کہ قبیلۂ قریش کے بعض لوگوں نے علماء یہود سے پوچھا کہ محمد کو نبی ہونے کا دعویٰ ہے نبوت کی علامات کیا ہیں۔ علماء یہود نے کہا محمد سے تین سوال کرو اگر ان کا جواب دے تو نبی و رسول ہے اگر نہ دے تو مرد مفتون ہے۔

اول یہ کہ چند جوانمرد زمانۂ سابق میں خدا کی طلب میں نکلے تھے وہ کون ہیں؟

دوم وہ مرد جو ربع مسکون کی گشت کیا ہے کون ہے۔

سوم روح کی حقیقت کیا ہے۔

جب ان قریشیوں نے حضرت سے یہ سوالات کئے حضرت نے پہلے اور دوسرے سوال کا جواب ادا فرمایا کہ وہ اصحاب کہف اور ذوالقرنین ہیں۔ تیسرے سوال کا جواب نزول وحی پر موقوف رکھا اور وحی نازل ہونے کے بعد ارشاد فرمایا کہ روح خدا کا امر ہے۔

اگر انصاف سے غور کیا جائے تو واضح ہوگا کہ علمائے یہود نے جن سوالات کو دعویٰ نبوت کی صداقت کا موقوف علیہ سمجھا وہ بالکل آسان تھے۔ پہلے اور دوسرے سوال کے جواب میں یہ کہنا ہر تاریخ داں کے لئے آسان ہے کہ وہ اصحابِ کہف اور ذوالقرنین ہیں اور تیسرے سوال کا جواب جو بعدِ نزول وحی دیا گیا نزولِ وحی کے پہلے بھی کہنا ممکن تھا کہ روح خدا کا امر ہے۔

حاصل کلام اگر آسان سوالات اور ان کے جوابات مولف ہدیہ کے زعمِ باطل میں ثبوتِ مہدیت کے معیار نہیں ہو سکتے ہیں تو ضرور ثبوت نبوت و رسالت کے بھی معیار نہیں ہونا چاہئے۔ پس یقین ہے کہ مولف ہدیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بھی قائل نہ ہوں گے کیونکہ حضرت نے آسان سوالات کے

بقیہ حاشیہ صفحہ (۵۱۳)؛۔ خلاصہ یہ کہ مولوی صاحب ہے چونکہ علمائے نکتہ رس اور انصاف پسند لوگوں سے نہیں ہیں لہٰذا ان سوالات کے رموز کو نہیں سمجھا اور بچوں کی طرح اعتراض کر دیا۔ اشرف غفرلہٗ

جوابات ادا فرمائے ہیں جو اور لوگ بھی ادا کر سکتے ہیں ۔ اللّٰھم احفظنا عن الفھم السوٴ وعمن کان غبیًّا دعوّیا (یا اللہ تو ہم کو بُری سمجھ اور دیر فہم اور کج فہم شخص سے محفوظ رکھ)

اب رہی شق ثانی یعنی حضرت امامنا علیہ السلام نے جو کچھ علما کے سوالات کے جواب میں فرمایا ہے ہر شخص وہی کہہ سکتا اور دعوی کر سکتا مراد ہو تو ایسا کہنا اور خیال کرنا مولف ہدیہ کی کم فہمی اور بدیہی کا ایک مزید پروانہ ہوگا ۔ کم فہمی اس لئے کہ مولف ہدیہ نے یہ نہیں سمجھا کہ ہر شخص کو یہ طاقت کہاں کہ وہ وہی دعویٰ کر سکے جو خلیفۃ اللہ کر سکتا ہے اور کیا ہر شخص وہ امتحان بھی دے سکتا ہے جس کی حضرت امامنا علیہ السلام نے میر ذوالنون کو اجازت دی ۔ اور تو اور ہم خود مولف ہدیہ سے پوچھتے ہیں کہ ہر شخص کے مفہوم میں آپ بھی داخل ہیں کیا آپ یہ کہنے کی جرأت کر سکتے ہیں کہ میں کسی مذہب کا پابند نہیں ہوں یا میں امر الٰہی سے کہتا ہوں یا جو تفسیر میرے بیان کے خلاف ہو وہ غلط ہے ۔ یقیناً آپ نے نہ کبھی ایسا کہا ہوگا اور نہ اب کہہ سکتے ہیں ۔

بدیہی اس لئے کہ اگر کسی کا ایسا دعویٰ کرنا فرض بھی کر لیا جائے تو اس سے خلیفۃ اللہ کے دعوی پر کوئی اثر مترتب نہیں ہو سکتا بلکہ وہ جھوٹی نقالی سمجھی جائیگی ۔ اگر مولفِ ہدیہ اس طرح کسی کے بڑ ہانکنے سے خلیفۃ اللہ کے دعوی صادق کا متاثر ہو جانا تسلیم کریں تو ان کو مسیلمۃ الکذاب اسودِ عنسی وغیرہ جھوٹے مدعیانِ نبوت کے دعویٔ نبوت کرنے سے حضرت افضل الانبیا والمرسلین کے دعویٰ صادق کے متاثر ہونے کے قائل ہونا پڑے گا جو کھلی بدیہی ہے ۔

مولف ہدیہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ سب دعویٰ ہائے بے دلیل ہیں ۔ نہیں معلوم مولف ہدیہ کس قسم کی دلیل چاہتے ہیں ورنہ تمام خلفاء اللہ نے اپنے دعوی ہائے خلافت الٰہی یعنی نبوت و رسالت کے ثابت کرنے کے لئے جو دلیل پیش کرتے آئے ہیں اور مومنین با صدق و اخلاص جن دلائل کو دیکھکر ایمان لاتے گئے ہیں یہاں اسی قسم کے دلائل موجود ہیں چنانچہ ان علمائے کرام نے اُنہی دلایل کو دیکھکر اطمینان قلبی حاصل کیا اور ایمان سے مشرف ہوئے اس وقت مولف ہدیہ کی یہ لایعنی بکواس سراسر بے نتیجہ ہے ۔ نہ اس قسم کے خلجان و وساوس اُن مومنین راسخین کے ایمان میں پیدا ہوئے اور نہ اب مولفِ ہدیہ کی اس ہرزہ سرائی سے ان کا ایمان متزلزل ہونے کا امکان ہی ہے ۔

اشکال چہارم بھی کئی وجوہ سے غلط ہے۔	مولف ہدیہ کے چوتھے اشکال کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ سوال وجواب ایسا ہے کہ سوال از آسمان جواب از ریسمان الخ

مولف ہدیہ کا یہ اشکال اور یہ دریدہ دہنی کئی وجوہ سے غلط ہے جن میں سے صرف چند وجوہ ذکر کئے جاتے ہیں۔

اولاً خود مولف ہدیہ نے جو سوال وجواب لکھے ہیں وہ کس حد تک صحیح اور اصل کے مطابق ہیں یا نہیں یہی امر تصفیہ طلب ہے کیونکہ انھوں نے جس کتاب سے یہ نقل کئے ہیں اس کی اصل عبارت نہیں لکھی ہے اپنے الفاظ وعبارت میں اس کا مضمون بیان کر دیا ہے۔ اور مولف ہدیہ کی تضمین وتلخیص پر اس لئے اعتماد نہیں کیا جا سکتا کہ اکثر موقعوں پر انھوں نے اس قسم کی مضمون نویسی میں دیانت سے کام نہیں لیا ہے اور اس میں کمی وبیشی کر دی ہے چنانچہ اس موقع پر بھی انھوں نے مطلع الولایت سے یہ مضمون لینا بیان کیا ہے لیکن مطلع الولایت میں "کس دلیل سے کہتے ہو" مذکور نہیں ہے۔

ثانیاً اس سے قطع نظر کر کے مولف ہدیہ نے جو کچھ لکھا ہے اسی عبارت کو دیکھا جائے تو وہ یہ ہے۔

سوال۔ تم اپنے تئیں مہدیٔ موعود کہتے ہو کس دلیل سے کہتے ہو اور کہاں سے کہتے ہو۔

جواب بندہ نہیں کہتا ہے فرمانِ حق تعالیٰ ہوتا ہے کہ ای سید محمد تو مہدیٔ موعود ہے۔

سوال کی اصلی غرض اس سے صاف ظاہر ہو رہی ہے کہ صرف یہ معلوم کرنا مقصود ہے کہ مسئول عنہ جو مدعیٔ خلافتِ الٰہی ہے وہ خلافت الٰہی (یعنی اپنی مہدیت) کی نسبت اپنی ذات کی طرف کرتا ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف؛

ثالثاً وہ علما متدین وحق شناس تھے جن کا علم مولفِ ہدیہ کے علم کے جیسا جہل مرکب سے ملوّث نہیں تھا انھوں نے غرضِ سوال پوری ہونے اور اپنے منشا کے مطابق جواب ملنے کے سبب جواب کو تسلیم کر لیا اور کوئی چوں وچرا نہیں کیا۔ اگر غرض سوال یہ نہ ہوتی یا جواب سے ان کی تشفی نہ ہوتی تو وہ مکرر سوال کرتے۔

رابعاً مولف ہدیہ کہتے ہیں کہ "جب مہدیٔ موعود ہونے پر دلیل تو حکم حقیقت میں

مہدی بامر الٰہی ہونے پر دلیل پوچھی سوال دلیل کے جواب میں عین دعوی کا اعادہ کردیا ہے
یہ قول بھی اس لئے صحیح نہیں ہے کہ اصل کتاب میں جس سے آپ نے یہ مضمون نقل کیا ہے
طلب دلیل کا سوال ہی نہیں ہے پھر دعوی عین دلیل یا دلیل عین دعوی ہونے کا سوال ہی
خارج از بحث ہے۔ سوال میں مہدی بامر اللہ ہوتے یا بامر اللہ ہونے پر دلیل پوچھنے کا
بھی کوئی ذکر تذکرہ نہیں ہے یہ گویا مولف ہدیہ کی تحریف ہے کہ وہ سوال کی اصل غرض
بدل دے رہے اور اپنا طبعزاد سوال کر رہے ہیں جو اُن علما نے نہیں کیا تھا۔

خاصتاً بامر اللہ ہونے پر دلیل پوچھنا خود سرے سے مہمل سوال ہے کیونکہ یہ
تو ٹھیک ایسا ہی ہے کہ کوئی معاندِ اسلام یہ پوچھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو
خدا کا حکم ہونے یا جبرئیل آپ پر خدا کے احکام لانے کی کیا دلیل ہے؟ ظاہر ہے کہ
مخبر صادق اکے قول کے سوا اس کی خارجی دلیل و شہادت کیا ہوسکتی ہے؟ زیادہ
سے زیادہ نزول جبرئیل کا دعوی کرنے والی مقدس ہستی کے اخلاق و معجزات اس کی
دلیل ہوسکتے ہیں کہ آپ کے اس بیان میں خطا و غلطی کا احتمال نہیں ہے۔

پس یہاں بھی یہی صورت ہے وہ علمائے حق شناس اس قسم کا مہمل سوال
کیسا کرتے اگر ان کو مہدی بامر اللہ ہونے کی تحقیق مقصود ہوتی تو وہ اخلاق کا امتحان
یا معجزات بتانے کی درخواست کرتے۔ اس تمام تقریر سے ثابت ہے کہ سوال وجواب
میں کامل ربط ہے جواب غرض و منشائے سوال کو پورا حادی ہے اس کو سوال از آسمان
وجواب از ریسماں سمجھنے کی بے ادبی کرنا سمجھنے والے کی محض جہالت و ابلہی ہے۔

خلیفۃ اللہ مقلد مجتہد ہونے کی بحث

اشکال پنجم کا خلاصہ یہ ہے۔
سوال دوم بھی ایک دعوی محض ہے فقط ترک تقلید
سے اگر کوئی مہدی ہو جائے تو ہزاروں لامذہب مہدی ہو جائیں ترک تقلید کیلئے
ایک مقام علمی ہے جب تک وہ مقام ثابت نہ کریں ترکِ تقلید حرام ہے۔

یہ بھی مولف ہدیہ کی ایک مہمل تقریر ہے اس لئے کہ ترکِ تقلید کچھ علاماتِ مہدیت
میں داخل نہیں ہے بلکہ یہ خلافتِ الٰہی کا لازمہ ہے یہ کون کہتا ہے کہ جو ترک تقلید کرے
وہ مہدی ہے بلکہ ہم یہ کہتے ہیں اور اہل سنت کا بھی متفقہ مسئلہ ہے جس کی کسی قدر
تفصیلی بحث اس کتاب کی جلد اول حصۂ اول میں امام مہدی علیہ السلام کی ذاتِ اقدس

آئمۂ مجتہدین سے ارفع و اعلیٰ ہونے کے بیان میں کیگئی ہے کہ امام مہدی علیہ السلام کی ذات خلیفۃ اللہ اور معصوم ہے اور معصوم عن الخطا ہے اور ائمۂ مجتہدین معصوم عن الخطا نہیں ہیں پس معصوم غیر معصوم کی پیروی نہیں کرسکتا ۔ البتہ غیر معصوم معصوم کا پیرو ہوسکتا ہے اسی حقیقت کا انکشاف کرنا اس سوال کی اصلی غرض معلوم ہوتی ہے اسی لئے یہ پوچھا گیا ہے کہ "تم کونسا مذہب رکھتے ہو" گویا سوال دوم سوال اول کی مزید توضیح اور ایسا امتحانی سوال ہے کہ اسکے جواب سے ہی دعویٰ مہدیت کی حقیقت و بطلان ظاہر ہوجائے۔

جب اس سوال کا یہ جواب ملا کہ "ہم مذہب مصطفیٰ رکھتے ہیں کسی مذہب پر مقید نہیں ہیں" ۔ تو ان علمائے حق شناس پر اصل حقیقت اور شانِ خلیفۃ اللّٰہی منکشف ہوگئی اور ان کو دعویٰ کی حقیقت کا اطمینانِ قلبی حاصل ہوگیا ۔ پس مولفِ ہدیہ نے جو فقط ترکِ تقلید سے ہزاروں لامذہبوں کے مہدی ہوجانے کا نتیجہ نکالا ہے وہ صریح غلط ہے ۔ کیا مولفِ ہدیہ کے اعتقاد میں یہ ہزاروں لامذہب خلیفۃ اللہ بھی ہیں ؟

مولفِ ہدیہ کا یہ کہنا کہ " ترک تقلید کے لئے ایک مقام علمی ہے جب تک وہ مقام ثابت نہ کریں ترکِ تقلید حرام ہے" ۔ اس دعویٰ میں بھی مولف ہدیہ بہت خود سرانہ غلو کر گئے ہیں ۔ یہ نہیں بتایا کہ اس مقام علمی کا معیار کیا ہے ؟ اس کے ثابت کرنے کا کیا طریقہ اور کیا صورت ہے ؟ ترک تقلید حرام ہونے کی دلیل کیا ہے ؟ جو علمائے مجتہدین ایک دوسرے کی تقلید نہیں کرتے بلکہ خود اپنی رائے و قیاس سے مسائل کا استخراج کرتے ہیں ان کا اس مقام علمی پر فائز ہونا کس طریقہ اور کس صورت سے ثابت ہوا ہے تاکہ معلوم ہو کہ بقولِ مولفِ ہدیہ کون کون اس حرمت میں مبتلا ہیں ؟

؎ ۔ ثوبانؓ کی حدیث میں مذکور ہے کہ مہدی علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہیں پس جو خلیفۂ خدا ہیں وہ کسی مجتہد کے مقلد نہیں ہوسکتے کیونکہ اللہ کے خلیفہ کا علم قطعی ہے اور مجتہد کا علم ظنی ۔ اگر مولوی زمان خاں صاحب اس جگہ حدیث مذکور خیال میں رکھے ہوتے تو یہ سوال نہ کرتے ۔

مولوی صاحب کا یہ قول کہ اگر ترک تقلید سے کوئی مہدی ہوجائے ہزاروں لامذہب مہدی ہوجائیں گے غلط ہے کیونکہ ترک تقلید سے یہ مراد نہیں ہے کہ اپنی نفسانی خواہش سے تقلید چھوڑ دی جائے ۔ امام مہدی علیہ السلام کی ترک ایسی نہیں ہے بلکہ آپ نے اس جہت سے کہ خدا کے خلیفہ ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے تقلید ترک کی ہے اور عام لوگ جو تارکان تقلید ہیں انھوں نے اپنی نفسانی خواہش سے کام لیا وہ اس بحث سے خارج ہیں ۱۲ اشرف کان اللہ لہ

اس ابہام کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ جو مقامِ علمی بیان کیا گیا ہے وہ علم ظاہری کا مقام ہے یا علمِ لدنی کا۔ اگر اس سے علمِ ظاہری کا کوئی مقام مراد ہو تو وہ مقام حضرت نبیٔ امی لقب علیہ افضل الصلوات والتسلیمات اور حضرت عیسٰی بن مریم علیہ السلام کو حاصل ہے یا نہیں ؟ اگر حاصل ہونا تسلیم کیا جائے تو ایسا تسلیم کرنا "نبی امیؐ" کی نص صریح اور حدیث "انا امۃ امیون" کے صریح خلاف ہے۔ نیز اہل سنت کے معتقدات و مسلمات کے مطابق کسی روایت سے عیسٰی بن مریم کا بعد نزول علم ظاہری کی تحصیل و اکتساب کرنا ثابت نہیں ہے لہذا ان ذوات مقدسہ کی طرف نہ علم ظاہر کو منسوب کرنا درست ہے اور نہ علم ظاہر کا کوئی مقام حاصل ہونے کا اطلاق صحیح ہے۔ پس مولفِ ہدیہ کے اس دعوی کے مطابق جب ان ذوات مقدسہ کو یہ مقام حاصل نہیں ہے تو انکو معاذاللہ مجتہدین کے مقلد ماننا ہوگا اور یہ قلب موضوع ہے کیونکہ جس نبیٔ امی (فداہ ابی وامی) کے احکام و فرامین تمام مجتہدین کا ماخذ ہیں اسی کو ان کا مقلد ماننا کھلی گمراہی ہے۔ ایسا ہی عیسٰی بن مریم کی نسبت بھی اکابرین اہل سنت کا قول ہے کہ آپ بعد نزول کسی مجتہد کی پیروی نہیں کریں گے اور علم ظاہری کا مقام حاصل نہ ہونے کی وجہ سے بقولِ مولفِ ہدیہ آپ کو مقلد ماننا اس امر مسلمہ کے خلاف ہے۔ حاصل یہ کہ اس مقام علمی سے علم ظاہر مراد لینا کسی طرح صحیح نہیں ہے۔

اگر اس مقامِ علمی سے علمِ لدنی مراد ہو تو یہ درست ہے کیونکہ یہ وہ علم ہے جو حضرت عیسٰی بن مریم علیہ السلام اور تمام انبیا علیہم السلام کے لئے ثابت ہے اور حضرت نبیٔ امی لقب علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کی شان و عظمت تو اس علم کے لحاظ سے فرمانِ ایزدی "علمک[1] مالم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیک عظیماً" اور حدیث نبوی "اُعطیت[2] علم الاولین والآخرین" سے نمایاں ہے۔ پس ثابت ہوا کہ وہ مقام علمی جس سے ترکِ تقلید درست ہے وہ علم لدنی کا مقام بے خلش ہوسکتا ہے۔

جب اس مقام علمی سے علم لدنی مراد ہونا ثابت ہے تو مولف ہدیہ کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ یہ علم تو امام مہدی علیہ السلام کا مخصوص علم ہے جس میں آپ کی ذاتِ اقدس

---

[1] ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ معلوم کیا جو آپ نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے۔ ۱۲

[2] ۔ مجھے اولین و آخرین کا علم دیا گیا ہے ۔ ۱۲

معصوم عن الخطا اور ملحق بالانبیا ہے اور آپ کی حقیقی شان یہ ہے۔

یقول ما یفعل و یفعل ما یعلم و یعلم ما یشہد من اللہ تعالیٰ۔ — آپ وہی کہتے ہیں جو کرتے ہیں اور وہی کرتے ہیں جو جانتے ہیں اور وہی جانتے ہیں جو اللہ کی طرف سے مشاہدہ کرتے ہیں۔

مزید براں مولفِ ہدیہ کے جیسے معاندین پر اتمام حجت کے لئے اللہ تعالیٰ نے علم ظاہری کی دولت بھی عطا کی ہے اور آپ کی ذات اقدس علم لدنی و علم ظاہری دونوں کی جامع ہے۔ پس یہ مقام علمی امامنا مہدئ موعود علیہ السلام کے لئے یقیناً ثابت ہے اور آپ کے لئے ترکِ تقلید لازمی و ضروری ہے اور "ہم مذہب مصطفیٰ رکھتے ہیں کسی مذہب پر مقید نہیں ہیں" سے یہی حقیقت آشکار ہے۔ حاصل یہ کہ مولف ہدیہ کا ترکِ تقلید کی نسبت یہ اشکال بھی بہر تقدیر مہمل ہے۔

تفاسیر عین بیان خدا اور سول ہونے کی تحقیق۔

مولف ہدیہ کے اشکالِ ششم کا خلاصہ یہ ہے کہ سوال سوم کا جواب بھی دعویٰ محض ہے اور بدتر از دوم اس واسطے کہ تفاسیر علمانے اپنی ہوائے نفسانی سے نہیں لکھی ہیں مدار تفسیر کا روایت پر ہے بروایات صحیحہ ثابت ہوا ہے کہ فلانی آیت کی مراد حضرت رسالت پناہ نے اس طرح بیان فرمائی ہے اس کو مفسروں نے نقل کیا ہے اور بعضے جاے معنی ایک آیت کے دوسری آیت سے سمجھے گئے ہیں پس وہ تفسیر خود رب العزت کی طرف سے ہوئی۔ اب یہ کہنا کہ جو تفسیر بندہ کے بیان کے موافق بیان کریں وہ صحیح ہے وگرنہ غلط ایسا کہنا ہوا کہ خدا و رسول جو معنی بندہ کے بیان کے موافق بیان کریں وہ صحیح ہے وگرنہ غلط الخ۔

تفسیر القرآن بالقرآن اور تفسیر القرآن بالحدیث تو مسلمہ اصول ہیں جن آیتوں کا بیان دوسری آیتوں یا صحیح حدیثوں سے ہوا ہے وہ البتہ خدا و رسول کا بیان ہو سکتا ہے۔ لیکن بقولِ مولفِ ہدیہ یہاں یہ امر تصفیہ طلب ہے کہ

"کیا مفسرین نے جو کچھ لکھا ہے وہ عین خدا اور رسول کا بیان اور ان کا صرف نقل کلام ہی ہے؟

اور کیا تمام آیات قرآنی کی مرادات صحیح روایات سے ثابت ہوئی ہیں؟
امر اول کے متعلق اس کتاب کی جلد اول حصۂ اول میں عقیدۂ ہفتم کے تحت جہاں مولف صاحب ہدیہ نے مسلمانوں کو احادیث رسول اللہ اور تفاسیر سے اپنے احوال کو مطابق کرنا اہل سنت کا اعتقاد بیان کیا ہے یہ توضیح کیگئی ہے کہ احادیث قول وفعل رسول اللہ کو کہتے ہیں اور تفسیر مفسرین کے اقوال وآرا کا نام ہے دونوں کا ایک حکم نہیں ہے۔ مفسرین معصوم عن الخطا نہیں ہیں۔ تفاسیر میں بہت اختلافات بھی ہیں ہر فرقہ کی تفسیر جدا جدا ہے مفسرین کے مختلف بیانات میں سے مسلمانوں کو کس بیان سے اپنے احوال کو مطابق کرنا چاہئے ایک کی مطابقت دوسرے کی مخالفت کو مستلزم ہے وغیرہ وغیرہ۔
مولف ہدیہ یہاں غلو کر کے ایک اور قدم آگے بڑھ گئے ہیں اور مفسرین کا بیان عین بیان خدا ورسول ہونے کا دعوی کر بیٹھے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے مفسرین کا بیان خلیفۃ اللہ کے بیان سے موافق ہونے نہ ہونے کا مطلب ومعنی یہ بیان کیا ہے کہ خدا ورسول جو معنی خلیفۃ اللہ (امام) کے بیان کے موافق بیان کریں وہ صحیح ورنہ غلط۔ ناظرین کرام غور فرمائیں کہ مفسرین کی تفسیر کی صحت وعدم صحت کا مدار خلیفۃ اللہ کے بیان کی موافقت ومخالفت پر ہونا روایت مذکورہ سے صاف ظاہر ہے۔ خدا ورسول کے

ے۔ علامہ مجیب نے تفاسیر کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس اجمال کی مختصر توضیح یہ ہے کہ مولوی زماں خاں صاحب کا یہ قول کئی وجوہ سے باطل ہے۔
اول یہ کہ مفسرین کا لفظ مطلقاً ذکر کیا گیا ہے کسی مفسر یا کسی فرقہ کی تصریح نہیں کیگئی ہے۔ اگر سارے مفسرین کے اقوال خدا ورسول کا بیان ہیں تو فرقۂ معتزلہ اور فرقہ شیعہ کی تفسیریں بھی عین بیان خدا ہونگی اس صورت میں اہل سنت کو ان اقوال کا تسلیم کرنا فرض ہوگا۔ کیونکہ ان کا قول عین بیانِ خدا ہے۔
دوم یہ کہ اگر تمام مفسرین کے اقوال عین بیان خدا ہیں تو ان کے باہمی معارضات ومخالفات کس بنا پر ہیں گویا بیان خدا باہم مختلف ہونا لازم آتا ہے اور اس صورت میں عمل کس قول پر کرنا صحیح ہوگا۔
سوم یہ کہ اقوال مفسرین آحاد اور ظنی ہیں۔ پس اقوال ظنی کیونکر عین بیانِ اللہ جل شانہ ہونگے۔

بیان کی صحت خلیفۃ اللہ کے بیان کی موافقت پر ہونا کہاں کہا گیا ہے یہ مولفِ ہدیہ کی ایجاد و تحریف ہے انھوں نے یہ خیال نہیں کیا کہ یہ معنی اُس ذاتِ اقدس کی طرف کس طرح منسوب کیا جاسکتا ہے جس کا علی الاعلان دعویٰ "مذہب ما کتاب اللہ و اتباع سنت رسول اللہ" ہے اسی سے مولفِ ہدیہ کی اصول تفسیر اور تفاسیر کے حالات سے لاعلمی و بے خبری بھی ثابت ہوتی ہے۔

مفسرین کے اقوال کی صحت و غلطی خلیفۃ اللہ امام مہدیٔ موعود علیہ السلام کے بیان کی موافقت و مخالفت پر ہونا اس لئے بھی صحیح ہے کہ باتفاق اہل سنت مفسرین معصوم عن الخطا نہیں ہیں اور امام مہدی علیہ السلام کی ذات معصوم عن الخطا ہے۔ پس غیر معصوم کے اقوال کی صحت معصوم کے فرامین کی مطابقت پر موقوف ہونا اصول اہل سنت کے ٹھیک مطابق ہے۔

مولف ہدیہ کی اس غلطی سے قطع نظر جو انھوں نے مفسرین کے بیان کو عین بیانِ خدا و رسول کہدیا ہے کس قدر تعجب کی بات ہے کہ خود مولف ہدیہ اپنے اس دعوی کے خلاف مفسرین کے بیان سے علانیہ انکار بھی کرجاتے ہیں۔ چنانچہ مولف ہدیہ کو مہدیٔ موعود علیہ السلام کے خاتم ولایتِ محمدیہ ہونے کا انکار ہے اور کہتے ہیں کہ یہ لفظ متاخرین کی مخترعات سے ہے متقدمین کے نزدیک اس کا وجود ثابت نہیں۔ حالانکہ مفسرین نے آیت "عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محموداً" کی تفسیر میں یہ تحقیق کی ہے کہ مہدیٔ موعود علیہ السلام خاتم الولایت ہیں۔ پس مولف ہدیہ کے اس مذکورہ قول کے مطابق لازم آیا کہ یہ "بعینہ خدا و رسول کا بیان ہے اور بروایت صحیحہ ثابت ہے کہ اس

بقیہ حاشیہ صفحہ (۵۲۱) :- چہارم یہ کہ فرقۂ شیعہ و معتزلہ کی تفسیریں دنیا و آخرت دونوں میں عدم رویت باری تعالی پر دلالت کرتی ہیں اور نیز دوسرے مسایل جیسے لوح محفوظ و نامۂ اعمال و صراط و جنت و دوزخ کی عدم تخلیق پر دلالت کرتی ہیں اور اہل سنت کی تفاسیر ان امور کے ثبوت پر۔ مولوی صاحب جب خود کو اہل سنت بتاتے ہیں تو کن امور پر اعتقاد رکھتے ہیں عدم و نفی پر یا ثبوت پر غرض مولوی صاحب نے بلا تحقیق یہ تقریر کی ہے جس کی خود بھی پابندی نہیں کرسکتے ہیں۔ ۱۲

اشرف غفرلہ۔

اس آیت کی مراد حضرت رسالت پناہ نے اسی طرح بیان فرمائی ہے اس کو مفسرین نے فقط نقل کیا ہے"۔ پھر باوجود اس اقرار کے مولف ہدیہ کا مفسرین کی اس تحریر کے ہوتے خاتم ولایت کے لفظ سے انکار کرنا گویا خدا ورسول کے فرمان سے انکار کرنا ہے جو بجز جہالت وعناد کے اور کیا ہوسکتا ہے۔

ایسے ہی اکثر مقامات اور بھی ہیں جہاں مولف ہدیہ مفسرین کی تفسیر کو نہیں مانتے ہیں تو گویا وہ خدا ورسول کے فرمان سے انکار کر رہے ہیں۔ اگرچہ یہاں گفتگو کی گنجایش بہت ہے مگر بخوف طوالت قصہ مختصر کیا گیا ہے۔ جہاں ضرورت ہوگی ہم ان کے اس قول کا اعادہ کریں گے سامعین وناظرین کرام مولف ہدیہ کی اس تقریر کو ذہن نشین رکھیں۔

امر دوم یعنی تمام آیات قرآنی کی مراد بروایات صحیحہ ثابت ہونا جو مولف ہدیہ نے بیان کیا ہے یہ بھی صحیح نہیں ہے بلکہ بوجوہ عدیدہ محل بحث ہے۔

اولاً تمام آیات قرآنی کی مراد بروایات صحیحہ ثابت نہیں ہوئی ہے۔ اگر ثابت ہوتی تو تمام مفسرین کے بیانات یا تفسیریں متحد ہوتیں حالانکہ مفسرین صحابہ ومفسرین تابعین وتبع تابعین جو اولین مفسرین ہیں ان کے بیانات میں بھی باہم اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس اختلافِ بیان سے خود ثابت ہے کہ ان مفسرین کو جو خیر القرون ہیں تمام آیات قرآنی کی تفسیر حضرت رسول اللہ صلعم سے نہیں پہنچی ہے ورنہ وہ تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کس طرح عدول کرتے۔

ثانیاً یہ حقیقت اس واقعہ سے بھی واضح ہوتی ہے کہ اکثر محدثین نے حدیث کی کتابوں میں ایک باب تفسیر کا بھی لکھا ہے مگر مشہور کتب حدیث مثلاً بخاری ومسلم وغیرہ کے باب تفسیر میں بھی تمام آیات قرآنی کی تفسیر نہیں بلکہ صرف بعض آیات کی مراد یا بیان درج ہے۔ اس سے مولف ہدیہ کے اس قول کی تغلیط وتردید ہوتی ہے جو انھوں نے مطلق اور عام طور پر لکھا ہے کہ مدار تفسیر کا روایت پر ہے بروایت صحیحہ ثابت ہوا ہے کہ فلانی آیت کی مراد حضرت رسالت پناہ نے اس طرح بیان فرمائی ہے اور مفسرین صرف ناقل ہیں"۔

ثالثاً بعض مفسرین نے اپنی تفسیروں میں آیات قرآنی کی تفسیر میں احادیث رسول اللہ پیش کرنے کا التزام کیا ہے۔ لیکن وہ بھی تمام آیات کی تفسیر بالحدیث پیش نہیں کئے ہیں

بلکہ صرف بعض آیتوں کی توضیح حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کی ہے اور اکثر آیتوں کی تفسیر میں تو ان کا شان نزول پیش کر دیا ہے اور بعض آیتوں کے متعلق ان کی ہم معنیٰ و ہم مضمون کوئی حدیث لکھدی ہے جو عام حکم پر مشتمل ہے اور اس آیت سے مخصوص نہیں ہے۔ درحقیقت تفسیر القرآن بالحدیث کی حقیقی صورت یہی ہے۔

شان نزول سے متعلق بھی اکثر مفسرین اہل سنت کا قول ہے کہ کوئی آیت کسی خاص موقع پر نازل ہونے کی وجہ سے وہ اپنے مورد ہی سے مخصوص نہیں ہو جاتی بلکہ اس کا مفہوم اور حکم عام ہوتا ہے پس اس قول کے نظر کرتے کسی آیت کا شان نزول بیان کر دینا اُس آیت کی مخصوص تفسیر یا خاص مراد نہیں ہو سکتی۔

ان وجوہ سے ثابت ہے کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام آیات قرآنی کی مراد یا تفسیر مفسرین کو نہیں پہنچی ہے پس مفسرین نے تمام آیاتِ قرآنی کی تفسیر میں جو کچھ لکھا ہے وہ سب عین بیان رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بیان کی بعینہٖ نقل نہیں ہے۔ اسی لئے اس میں خطا و غلطی کا احتمال ہے۔ اور یہی احتمال خطا و صواب کی وجہ سے خلیفۃ اللہ امام مہدی موعود علیہ السلام کے بیان کی موافقت ان کے بیان کی صحت کے لئے محکِ امتحان ٹھہری کیونکہ آپ کو بلا واسطہ اللہ تعالیٰ اور روح رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے معلومات حاصل ہیں جو عام مفسرین کو حاصل نہیں ہیں۔

یہ حقیقت جو اہل سنت کی بھی مسلمہ و متفقہ ہے اس کی یہ تعبیر یا یہ معنی کبھی صحیح نہیں کہ "خدا و رسول جو معنی بندے کے بیان کے موافق بیان کریں وہ صحیح اور اگر بندے کے مخالف بیان کریں وہ غلط ہیں"

یہ مولف ہدیہ کی کج فہمی یا عمداً تحریف معنوی ہے کہ وہ مفسرین کے قول کی صحت و غلطی کو خدا و رسول کے بیان کی صحت و غلطی بتا رہے ہیں۔

مولف صاحب ہدیہ کے اشکال ہفتم کا بیان یہ ہے کہ

رویت اللہ کے محال یا ممکن ہونیکی تحقیق

صاحب مطلع الولایت نے سوال چہارم میں خود لکھا ہے کہ رویت دنیاوی تمام امت میں محال ہے" الخ۔

صاحب مطلع الولایت نے سائلوں کے خیالات کی ترجمانی کی ہے یعنی چوتھا سوال رویت دنیاوی سے متعلق تھا جس کو تمام امت کے خیال میں محال سمجھا جاتا ہے۔ اس کو صاحب مطلع الولایت کا ذاتی قول کہنا صاف بہتان وافترا ہے۔ صاحب مطلع الولایت اس طرح کیسا لکھیں گے جبکہ وہ دارِ دنیا میں رویت اللہ جائز بلکہ مومن کیلئے اسکا وقوع ضروری ہونیکے معتقد ہیں اور اس باب میں قوی دلایل وبراہین پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ علمائے سائلین کے خیالات کا بیان ہونے اور صاحب مطلع الولایت کا ذاتی قول نہ ہونیکی وضاحت خود صاحب مطلع الولایت کے اس قول سے ہوتی ہے جو آپ نے اس واقع کے نتیجہ کے طور پر لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

> امامنا علیہ السلام نے ان دونوں قسم کی آیتوں کو جو رویت پر دلالت کرتی ہیں اور اُن آیتوں کو جنہیں مخالف رویت گروہ نفی رویت پر دلالت کرنے کا گمان کرتا ہے قواعد علمی سے اس طرح کا حل تطبیق دیکر از روے شرع رویت اللہ کو دار دنیا میں ثابت فرمادیا کہ ان علما، کو کوئی اشکال باقی نہیں رہا اور اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اس ذات عالی درجات کے فیضان کی برکت سے دنیا میں رویت اللہ محال ہوتے کے گمان کو ان کے ساحت سینہ سے ہباءً منثوراً کی طرح زائل فرمادیا۔

اس سے صاف طور پر ظاہر ہورہا ہے کہ جو علما رویت اللہ کو دار دنیا میں محال ہونا گمان کرتے تھے حضرت کے فیضان کی برکت سے ان کا گمان دور ہوگیا یہ صاحب مطلع الولایت کا گمان کہاں ہے۔

کسی مصنف کے ایک صاف وصریح قول سے آنکھیں بند کرلے کر اس کے دوسرے قول کا غلط معنی کرکے ناظرین کرام کو غلط فہمی میں مبتلا رکھنے کی کوشش کرنا اہل دیانت کا طریقہ نہیں ہے اللہ تعالیٰ مولف ہدیہ کو اس سے رجوع کی توفیق عطا فرمائے۔

اشکال ہشتم کا خلاصہ یہ ہے کہ

کشفی والہامی امور میں گواہی کی بحث وتحقیق۔

میراں (امامنا علیہ السلام) نے رویت پر دو گواہ ٹھہرائے ایک آپ اور ایک نسبت حضرت رسالت پناہ کی طرف کی اور یہ نہ سمجھے کہ آپ اس دعوی میں مدعی ہیں گواہ کیونکر ہوسکتے ہیں۔

صاحب شواہد الولایت کہ اس کی تصنیف مطلع الولایت سے متاخر ہے
اسی قباحت کے بند وبست کے واسطے حضرت ابراہیم کا نام بڑھا کر دو گواہ کر دئے
معلوم ہوا کہ جیسا حضرت

ابراہیم علیہ السلام پر افترا ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی افترا ہے
کیونکہ ان حضرات کا نہ کلام کسی نے سنا اور نہ ان کو کسی نے اس مجلس میں دیکھا الخ

مولف ہدیہ کا یہ اشکال اس خوبی سے بیان ہوا ہے کہ کسی کو ان کی قابلیت کی نسبت کچھ حسن ظن تھا بھی تو وہ زائل ہو گیا اس لئے کہ مشہور ضرب المثل "مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید" کے مطابق پایۂ علمی خود کلام سے ظاہر ہو جاتا ہے کسی کے کہنے پر موقوف نہیں ہوتا۔ چنانچہ ہم ناظرین کرام کے منصفانہ غور وفکر کے لئے اس اشکال کے ہر تاریک پہلو پر کسی قدر روشنی ڈالنا مناسب سمجھتے ہیں۔

مولف صاحب ہدیہ نے اپنی بدگوئی کی عادت کے موافق اختلاف روایت کے پہلو کو یہاں بالکل نظر انداز کر دیا ہے اور محض مدعی کے گواہ بننے کی قباحت کو دور کرنیکی غرض سے صاحب شواہد الولایت نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام بڑھا دینے کی بدگمانی ظاہر کی ہے حالانکہ اس قباحت کا خیال بھی خود بے اصل ہے جیسا کہ آگے واضح ہوگا۔ کیا مولف صاحب ہدیہ کو اصول حدیث کا یہ ضابطہ یاد نہیں رہا یا عمداً اس سے آنکھیں بند کر لی ہیں جو "زیادۃ الثقاۃ معتبرۃ" ہے (یعنی ثقہ راویوں کی روایت میں دوسری روایتوں کی بہ نسبت کچھ زیادتی ہو تو وہ معتبر ہے) چنانچہ احادیث میں اسکی بے شمار مثالیں ملتی ہیں کہ کسی ایک محدث کی روایت میں خواہ وہ دوسرے محدثین کا ہم طبقہ ہو یا بلحاظ زمانہ متقدم یا متاخر ہو ایسی زیادتی یا تفصیل و وضاحت پائی جاتی ہے جو دوسرے محدثین کی روایتوں میں نہیں ہوتی لیکن اس روایت کے راوی ثقہ ہونے کی وجہ سے ان کی وہ زیادتی معتبر سمجھی جاتی ہے اور وہ تمام اختلاف روایت جو کتب احادیث میں بکثرت پایا جاتا ہے اسی ضابطہ پر صحیح تصور کیا جاتا ہے۔ خود مولف ہدیہ نے "ہدیہ" میں کئی مقام پر اس ضابطہ کو استدلالاً لکھا اور تسلیم کیا ہے احادیث میں ایسا ہونا جائز ہے تو امامنا مہدی موعود علیہ السلام سے منقولہ روایتوں میں یہی ضابطہ کیوں ملحوظ نہیں رہ سکتا۔

اسی طرح مشہور اولیاء اللہ کے واقعات ۔ حالات ۔ اقوال ۔ اعمال سے متعلقہ روایتوں اور خود عام تاریخی روایات میں بھی اختلافِ روایات کا وجود پایا جاتا ہے اور ان میں سے کسی اختلافی روایت پر بغیر وجہ موجہ کے من گھڑت ہونے کی بدگمانی نہیں کی جاتی تو پھر اس معمولی اختلاف روایت پر مولف صاحب ہدیہ کی بلا وجہ موجہ اس بدگمانی کو ان کی خبث باطنی کے سوا اور کیا سمجھا جائے ۔

مولف صاحب ہدیہ نے ایک اور فاحش غلطی یہ کی ہے کہ واقعہ کو اس لئے افترا بتایا ہے کہ "کسی نے ان حضرات کی آواز نہیں سنی اور ان کو مجلس میں کسی نے نہیں دیکھا" مشہور اولیاء اللہ کے تمام کشفی معاملات اور خود حضرت سرور کائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعۂ وحی پر معاندین اسلام اور منکرین کمالات ولایت یہی شبہات پیش کرتے ہیں ۔ مولف ہدیہ اس موقعہ پر مہدویہ کی کاوش میں ٹھیک انہی معاندین کے نقش قدم پہ چلے ہیں ۔ پس مولف ہدیہ بیان وحی کو بھی جبرئیل پر افترا قرار دیکر علی الاعلان اسلام سے مرتد ہوجانا چاہئے کیونکہ وہی وجہ یہاں بھی پائی جارہی ہے کہ نہ کسی نے جبرئیل کی آواز سنی اور نہ کبھی کسی نے دیکھا ۔

کسی کا حکیمانہ کلام ہے ۔

بے ہنرے چند زخود بے خبر ؛ عیب پسندند بر غم ہنر
دود شوند ار بدماغی رسند ؛ باد شوند ار بچراغی رسند

مولف صاحب ہدیہ کی حقایق و معارف اسلامی سے بے خبری اور ہنر و کمال کی قدر و عظمت کے عوض عیب چینی اسی کا نمونہ ہے ۔ شواہد الولایت کی روایت تو صاف صاف تھی اس پر نصاب شہادت کا کوئی شبہ پیش کرنے کی گنجایش نہ تھی تو اس کو افترا قرار دیکر خود اسلام سے خارج اور مرتد ہوجانے کے سامان فراہم کرلئے ۔ اب اختلافِ روایات کے پہلو سے اسی طرح آنکھیں بند کرکے مطلع الولایت کی روایت پر مدعی اور گواہ کی حیثیت کے بے اصل اعتراض تراش کر ناظرین کے ذہنوں میں خلجان پیدا کرنے کی سعی لاحاصل کی جارہی ہے ۔

لیکن مولف ہدیہ نے یہ بھی کچھ سمجھا کہ جو معاملات بین اللہ و بین العبد ہوتے ہیں ان میں شرعی شہادت کی گنجایش کہاں ہے ۔ خلفاء اللہ کے فرامین و دعاوی

ہو وان کے حالات و معجزات کے گواہ ہوتے ہیں اور معجزات شرعی و ظاہری شہادت سے بالاتر ہیں[1]

حاکم نے مستدرک میں باسناد جید ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ ابن عمرؓ نے کہا کہ ایک سفر میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے ایک اعرابی (بدوی عرب) آنحضرت صلعم کے پاس آیا آپ نے پوچھا کہاں جاتا ہے عرض کیا اپنے اہل و عیال کے نزدیک۔ آنحضرت نے فرمایا کہ تجھ کو اپنے لئے نیکی و سعادت حاصل کرنے کی رغبت ہے اس نے کہا وہ کیا ہے فرمایا لا الٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ وان محمداً عبدہ ورسولہ " کی گواہی دینا۔ اعرابی نے کہا اس دعوی پر گواہ بھی ہے آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ یہ جھاڑ گواہ ہے چنانچہ حضرت نے اشارہ فرمایا اور جھاڑ نے حضرت کے پاس آکر گواہی دی۔ الخ

مدارج النبوۃ میں یہ بھی روایت لکھی ہے کہ حضرت کے حکم سے کنکریوں نے بھی گواہی دی۔

اسی قسم کے واقعات احادیث میں بکثرت آئے ہیں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوی کی صداقت پر خوارق عادات و معجزات گواہی دیتے رہے ہیں ورنہ یہاں کوئی آدمی کیسے گواہی دے سکتا ہے کہ خدائے عالم نے میرے روبرو محمد صلعم کو خلعت رسالت عطا کر کے زمرۂ انام کو خدا کی طرف بلانے کے لئے مقرر کیا ہے

---

[1] میرے خیال میں شق القمر ہونا یا درختوں اور کنکریوں کا شہادت دینا میزان شرعی میں داخل نہیں ہو سکتے کیونکہ امور شرعی وہ چیزیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے خلائق کی ہدایت کے لئے جبرئیل کے واسطہ سے نبی صلعم پر اتارے ہیں۔ پس خوارق ان امور میں داخل نہیں ہیں بلکہ یہ امور محض اس غرض سے انبیا علیہم السلام سے صادر ہوئے ہیں کہ منکرین نبوت کو عجز ہو جائے۔

خلاصہ یہ کہ امامنا مہدی موعود علیہ السلام نے بھی بطور معجزے کے علما سے فرمایا کہ حضرت رسول اللہ صلعم اور ابراہیم خلیل اللہ ؑ اس وقت حاضر ہیں ان سے رویت کے مقدمہ کا تصفیہ کرلو حاصل یہ کہ یہ امور معجزے کے متعلقات سے ہیں شرعی بحث کے قابل نہیں ہیں ۱۲

اشرف غفرلہ

اور مجھ کو اس پر گواہ رکھا ہے۔

بزعم مولف صاحب ہدیہ شرعی لحاظ سے مدعی کی حیثیت گواہ ہونے کی مانع ہے تو شجر و حجر کی گواہی بھی بریں قیاس شرعاً نامقبول ہے۔ مولف صاحب ہدیہ اس کے متعلق کیا رائے ظاہر کریں گے۔

معجزات کے علاوہ روحانی و کشفی معاملات کی بھی یہی حالت ہے کہ ان کا علم بھی صاحب کشف کے بیان کئے بغیر دوسرے کو نہیں ہو سکتا کوئی شخص یہ گواہی نہیں دے سکتا کہ صاحب کشف پر یہ معاملہ منکشف ہوتے ہوئے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا یا اپنے کانوں سے سنا ہے۔ چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے انی اعلم من اللہ ما لا تعلمون (یعنی مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ معلوم ہے وہ تم نہیں جانتے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ قرآن شریف میں مذکور ہے کہ موسیٰ علیہ السلام خدائے تعالیٰ کے حکم سے ایک اور بزرگ کے پاس پہنچے جن کی شان یہ بیان کی گئی ہے۔

فوجدا عبدا من عبادنا اٰتیناہ رحمۃ من عندنا وعلمناہ من لدنا علما	موسیٰ (علیہ السلام) اور ان کے ساتھی نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ کو پایا جس کو ہم نے اپنی رحمت عطا کی اور علم لدنی سکھایا تھا

مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ بزرگ خضر تھے غرض اس واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اور وہ بزرگ ساتھ ساتھ چلے اور اثنائے سفر میں اس بزرگ نے ایک کشتی کو توڑ ڈالا۔ ایک لڑکے کو قتل کر دیا۔ اور ایک گاؤں میں ایک دیوار توڑ کر پھر از سر نو تعمیر کی۔ موسیٰ علیہ السلام اس کی وجہ نہ جان سکے اور اعتراض کر کے وجہ پوچھی آخر میں اس بزرگ نے موسیٰ علیہ السلام کو اس کی یہ وجہ بتائی کہ کشتی اس لئے توڑی کہ ایک ظالم بادشاہ جو اُدھر تھا اس کو (اچھی حالت میں دیکھ کر) چھین نہ لے۔ لڑکے کو اس لئے قتل کیا کہ وہ آگے چل کر اپنے مومن ماں باپ کو اپنی سرکشی سے ایذا نہ دے۔ دیوار اس لئے اٹھائی کہ اس کے نیچے دو یتیم لڑکوں کا خزانہ تھا تاکہ بڑے ہونے کے بعد وہ اس نشانی سے اپنا خزانہ حاصل کر سکیں۔ اور میں نے یہ اپنی رائے سے نہیں کیا۔ پس خدا کے حکم سے ایسا کرنے پر کون گواہ تھا اور موسیٰ علیہ السلام اس جواب کو کافی و شافی

جان کر کیسے چپکے ہو رہے ؟ اس کی بھی وجہ یہی تھی کہ کشفی معاملہ میں کوئی گواہ نہیں ہو سکتا بلکہ صاحب کشف کا بیان ہی اس کی شہادت کے بمنزلہ ہوتا ہے وہی مدعیٔ کشف بھی ہے اور وہی اس کا گواہ بھی۔

اس واقعہ کے علاوہ اسی قسم کے اور بھی بہت سے واقعے قرآن وحدیث میں ملتے ہیں۔ پس یہاں بھی معجزہ وکرامت کا پہلو بھی ہے اور روحانی کشفی صورت بھی نمایاں ہے اور ان دونوں اعتبارات سے صاحب معجزہ وصاحب کشف کا قول خود کافی ہوتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جب حضرت امامنا علیہ السلام نے علمائے ہرات سے یہ فرمایا کہ دائیں بائیں حضرت محمد مصطفیٰ اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ موجود ہیں جو چاہتے ہو پوچھ لو تو وفد علمائے ہرات کے صدر ملا علی فیاضی بار بار یہی کہتے تھے

اے میر ما را شما یک گواہ ہمیں بس است

(یعنی) ہم کو آپ ہی ایک گواہ بس ہیں۔

یہ ساری بحث تو منصب خلافت الٰہی کی موزونیت ومناسبت سے تھی اس کے سوا خالص شرعی اعتبار سے بھی اس اشکال کا واضح جواب یہ ہے کہ از روے شرع شریف ایک ہی شخص کا ایک حیثیت سے مدعیٔ رویت اور وہی شخص دوسری حیثیت سے گواہ بھی ہونا جائز ہے اُن تمام معاملات میں جن میں گواہ کا اپنی آنکھوں سے واقعہ کو دیکھنا شرط ہے اُسی شخص کی گواہی معتبر ہوتی ہے جس نے واقعہ کو دیکھا ہو اور دیکھنے کا دعویٰ اور اقرار کرتا ہو۔ بن دیکھے شخص کی یا اندھے کی گواہی قبول نہیں ہوتی تو ثابت ہوا کہ مدعی رویت ہونا اور گواہ بننا دونوں لازم وملزوم ہیں پھر اس پر تعجب کا اظہار اور معاندانہ انکار کیسا ؟ اس کی ایک اور صاف اور واضح مثال دیکھو جو آئے دن پیش آتی ہے اور ہر ادنیٰ اعلیٰ عالم تو عالم جاہل بھی جانتا ہے کہ جو شخص چاند دیکھتا ہے وہ رویتِ ہلال کا مدعی ہوتا ہے کہ میں نے چاند دیکھا ہے اور شرعاً رویتِ ہلال کا گواہِ معتبر بھی وہی ہے جس کی گواہی پر روزہ کے جیسا فرض رکھا اور کھول دیا جاتا ہے۔ پس خدائے ذوالجلال کی قدرت کاملہ سے دنیا میں رویتِ ہلال بلا کیف وتشبیہہ رویت باری تعالیٰ کی نورانی مثال موجود ہے۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم　　　چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

مولف ہدیہ کے اشکال نہم کا خلاصہ یہ ہے کہ

روبیت اللہ پر دلالت کرنیوالی آیتوں کی معانی کی تحقیق۔

مہراں نے جو آیات مذکورالصدد اثبات روبیت دنیا وی کے واسطے نقل کی ہیں ہرگزان سے

روبیت دنیوی پر استدلال نہیں ہوسکتا ہے کیونکہ آیت اول فمن کان یرجو لقاء ربہ فلیعمل عملاً صالحاً ولا یشرک بعبادۃ ربہ احدا میں مراد لقاء رب سے رجوع طرف اللہ کے دار آخرۃ میں ہے کہ تمام اعمال وعبادات اسی دن کے واسطے ہیں یا دیدار خداوند عالم کا اُس عالم میں کہ اس سے بہتر کوئی نعمت نہیں ہے۔

اصل بحث شروع کرنے سے پہلے اصول مناظرہ کے مطابق چند امور یہاں قابلِ لحاظ ہیں۔

اولاً۔ جو آیات قرآنی جن لوگوں کی افہام وتفہیم کے لئے جس نا محدود تبحر علمی کے ساتھ پیش کیگئی تھیں ان لوگوں کی اس سے پوری تشفی ہوگئی اور انھوں نے اس حجت کو تسلیم کرلیا چنانچہ اس واقعہ کو مولف ہدیہ نے جس کتاب " مطلع الولایت " سے نقل کیا ہے اسی میں یہ صراحت موجود ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

اما منا علیہ السلام نے اپنے علم کامل سے ان آیتوں میں مطابقت کرکے روبیت اللہ کو دار دنیا میں اس طرح ثابت فرمادیا کہ ان دانا وٗں کے دل میں کوئی اشکال باقی نہیں رہا۔

تو اب اس واقعہ سے کئی سو سال بعد آپ ایک نہیں ہزار معاندبھی اپنی جگہ اپنی ناقص سمجھ کے موافق کچھ بھی رد وقدح کرلیں تو اس سے ان تبحر علمائے ہرات کے حصول ایقان وایمان کا واقعہ غلط نہو جائے گا جنھوں نے اپنے تبحر علمی کے باوجود شیخ الاسلام ہرات کو یہ اطلاع دی تھی کہ " ہماری عمر بھر کی تحصیل علم کو حضرت کے علم سے وہ نسبت بھی نہیں ہے جو قطرہ کو دریا سے ہوسکتی ہے۔

اس اعتبار سے بحث کا ایک تازہ پہلو یہ حل طلب قرار پاتا ہے کہ قرآن شریف کے معانی ومطالب کی وسعت جو اس کا معجزہ ہے اور جس کا کسی قدر بیان اس سے پہلے بیانِ قرآن کی بحث کے ضمن میں کیا گیا ہے اس کے نظر کرتے باختلاف مدارج ہر شخص اپنی اپنی قابلیت کے موافق ہی قرآن کے معانی سمجھ سکتا ہے لیکن حضرت خاتم الرسل

اورحضرت خاتم الاولیا کو وہ انتہائی درجۂ علم حاصل ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے مدارج اس کے تحت درج ہیں چنانچہ محققین صوفیا کا قول ہے کہ

وانبیا علیہم السلام مظہر امہات اسمار حق تعالیٰ اند وایں امہات داخل اسم اعظم اند ومظہر اسم اعظم خاتم الرسل وخاتم الاولیا الخ

(شرح فصوص الحکم)

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ انبیا علیہم السلام حق تعالیٰ کے امہات اسما کے مظہر ہیں اور یہ تمام اسما اسم اعظم میں داخل ہیں اور اسم اعظم کے مظہر خاتم الرسل اور خاتم الاولیاء ہی ہیں ایسی صورت میں ان آیات کے حقائق ومعارف کو جس انتہائی واعلیٰ سے اعلیٰ معیار پر حضرت خاتم الاولیا علیہ السلام نے بیان فرمایا ہوگا اُن تک ان رد وقدح کرنے والوں کے ذہن نارسا کی رسائی بھی ہو سکتی ہے کہ نہیں اور جب رسائی ممکن نہیں تو ان کی رد وقدح کس شمار وقطار میں ہے۔

لہذا ہم بھی ان لاہوتی تحقیقات کو معرض بحث میں لانے کے عوض ظاہری اور عام فہم مباحث ہی سے معترضین کے شکوک وشبہات کو رفع اور دیدار دنیوی کے مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کریں گے۔

ثانیاً۔ مولف ہدیہ نے رویت دنیاوی کو بڑے شد ومد سے مدار صدق مہدیت ظاہر کیا ہے لیکن یہ مسئلہ دعوئی مہدیت کی علامات مختصہ سے نہیں ہے جو دعوی مہدیت کی صحت اس مسئلہ کے تحقق وثبوت پر موقوف ہونا خیال کیا جائے اور یہ حکم خارجی دلائل کا محتاج رہے۔ بلکہ منصب خلافت الٰہی کی حیثیت سے بحکم رب العزت آپ نے جو بھی احکام دئے ہیں وہ لائق ایمان و واجب التعمیل ہیں۔ دیدار دنیاوی کا مسئلہ بھی انہی احکام میں داخل اور واجب الایمان والتعمیل ہے۔

ثالثاً۔ مولف ہدیہ نے جن آیتوں سے رویت دنیادی پر استدلال نہ ہونیکا زعم باطل کیا ہے ہم اول انہی آیتوں کے متعلق مختلف پہلوؤں سے بحث کرتے ہیں اور بعد میں اس مسئلہ کے تحقیقی مباحث پیش کریں گے۔

لقاء رب کے معنی کی تحقیق | چنانچہ مولف ہدیہ نے "فمن کان یرجو لقاء ربہ

فلیعمل عملا صالحا ولا یشرک بعبادۃ ربہ احدا" (پس جو شخص اپنے پروردگار کے دیدار کی آرزو رکھتا ہو یس چاہئے کہ عمل صالح کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے) کے متعلق لکھدیا ہے کہ لقاء رب سے مراد دیدار نہیں بلکہ دار آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہونا ہے۔ یہ قول کئی وجوہ سے صحیح نہیں ہے۔

اولاً آیت میں تو عدم شرک و عمل صالح اور لقاء رب بطور شرط و جزا ذکر ہوئے ہیں یعنی لقاء رب کی آرزو عدم شرک و عمل صالح پر موقوف ہے۔ اس کے مقابل آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہونا تو ہر نیک و بد۔ مومن و کافر۔ زاہد و فاجر ہر شخص کے لئے بلا شرط لازمی ہے۔ اس رجوع کے لئے عمل صالح اور عدم شرک کی شرط کہاں ہے۔ پس اس سے خود ثابت ہے کہ اس آیت شریفہ میں لقاء رب سے آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہونا مراد نہیں ہے بلکہ کوئی بڑی نعمت ہے جس کے حصول کے لئے عدم شرک اور عمل صالح شرط واقع ہوئے ہیں اور ان کے بغیر وہ نعمت حاصل نہیں ہوسکتی۔ ظاہر ہے کہ وہ نعمت لقاء رب کا حقیقی معنی دیدار رب ہی ہوسکتا ہے جس سے بہتر کوئی اور نعمت نہ ہوجس کے مولف ہدیہ خود بھی معترف ہیں مگر تعجب ہے کہ سیاق آیت سے آنکھیں بند کرکے اس لقاء رب کا معنی آخرت میں رجوع ہونا کس طرح بیان کر رہے ہیں جو ہر کس و ناکس کو لازماً پیش آنے والا ہے۔

ثانیاً مفسرین اہل سنت نے بھی "لقاء رب" کا معنی دیدار رب ہی بیان کیا ہے چنانچہ امام فخر الدین رازی رہ نے تفسیر کبیر میں اسی آیت کے تحت لکھا ہے۔
واصحابنا حملوا لقاء الرب علی رویتہ والمعتزلۃ حملوا علی لقاء ثواب اللہ۔
یعنی ہمارے اصحاب نے لقاء رب کو رویت رب پر محمول کیا ہے اور معتزلہ چونکہ اللہ تعالیٰ کے دیدار کے قایل ہی نہیں ہیں (نہ دنیا میں نہ آخرت میں) اس لئے انھوں نے لقاء رب کو لقاء ثواب پر محمول کیا ہے۔

اسی تفسیر میں آیت "لا تدرکہ الابصار" کے تحت رویت باری کے اثبات کی جو حجتیں قائم کی گئی ہیں ان کے ضمن میں لکھا ہے۔

الحجة الخامسة التمسك بقوله تعالیٰ فمن کان یرجو لقاء ربه ۔ وکذا القول فی جمیع الآیات المشتملة علی اللقاء

پانچویں حجت اللہ تعالیٰ کا قول ہے جو فرمایا ہے کہ اللہ کے دیدار کی جو آرزو کرے اس کو چاہیئے کہ عمل صالح کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔ ان تمام آیتوں میں بھی جو لقاء رب پر مشتمل ہیں ہمارا یہی قول ہے ۔

مگر یہاں مولف ہدیہ اہل سنت کے اس مسلک سے گریز کرکے معتزلہ کے مسلک پر چلے ہیں اور لقاء کا معنی دیدار نہیں لیتے ہیں ۔

ثالثاً ۔ ناظرین کرام نے بھی ابھی اشکال پنجم کے تحت دیکھا ہے کہ مولف ہدیہ بڑے شد و مد سے مفسرین کے بیان کو عین خدا و رسول کا بیان ہونا تفسیر کا مدار روایت پر ہونا ۔ بروایت صحیحہ ثابت ہونا کہ فلاں آیت کی مراد حضرت رسالتمآب نے اس طرح بیان فرمائی ہے اور مفسرین صرف اس کے ناقل ہونا تسلیم کر آئے ہیں ۔

پس انہی کے قول کے موافق جبکہ مفسرین نے لقاء رب سے رویت رب مراد لی ہے تو یہ عین اللہ و رسول کا بیان ہوا ۔ اور یہی معنی بروایت صحیحہ ثابت ہوتا اور مفسرین فقط اس کے ناقل ہونا ثابت ہو گیا ۔ پھر مولف ہدیہ کا مفسرین کے اس بیان سے انکار کرنا گویا روایت صحیحہ اور اللہ و رسول کے بیان سے انکار کرنا ہے ۔

رابعاً تعجب ہے کہ مولف ہدیہ لقاء رب کا معنی دیدار رب ہونے سے انکار کرکے اس سے مراد آخرت میں اللہ کی طرف رجوع ہونا بیان کرنے کے بعد ہی پھر لقاء رب کا معنی دیدار رب بھی مانتے ہیں چنانچہ مولف ہدیہ اپنے اسی قول کے ساتھ ہی جس میں انھوں نے لقاء رب سے مراد آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہونا بیان کیا ہے یہ بھی اقرار کرتے ہیں کہ " یا اس سے مراد خداوند عالم کا دیدار ہے اس عالم میں کہ اس سے بہتر کوئی نعمت نہیں "

گویا مولف ہدیہ بمصداق عاد الی ما فرمنہ (جس سے وہ بھاگے تھے پھر اسی کی طرف عود کئے ہیں) لقاء رب کا معنی دیدار رب تسلیم کر لئے ہیں۔ فرق صرف رہ گیا ہے تو دیدار اخروی اور دیدار دنیوی کا ہم کہتے ہیں کہ آیت فمن کان یرجو لقاء ربہ مطلق بلا قید دنیا وآخرت وارد ہوئی ہے اس کو آخرت سے مقید کر دینا ترجیح بلا مرجح ہے کیونکہ اہل شرع کے اصول پر بھی مطلق اپنے اطلاق پر قایم رہتا ہے جب تک شارع کی طرف سے کوئی قید وارد نہ ہو وہ مقید نہیں ہو جاتا۔

پس حضرت امامنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ تعلیم الٰہی اس عام اور مطلق کو اس کے عموم واطلاق ہی پر محمول فرمایا ہے۔ اگر بالفرض کسی مفسر کے اقوال اس کے خلاف ہوں بھی تو عام مفسرین اور حضرت امام معصوم علیہ السلام کے مابین جو فرق وامتیاز ہے اس کے نظر کرتے امام علیہ السلام کا فرمان مرجح ہوگا جس کی کسی قدر تفصیل اور دلایل بعد میں ذکر کئے جائیں گے۔ پس مولف ہدیہ کا یہ کہنا کہ ان آیتوں سے رویت دنیاوی پر استدلال نہیں ہو سکتا محض لغو ہے بلکہ یہ آیت جس طرح دیدار اخروی کی دلیل ہو سکتی ہے دیدار دنیاوی کی بھی دلیل ہے۔

آیت من کان فی ھذہ اعمیٰ کی تحقیقی تفسیر۔

مولف ہدیہ نے آیت دوم من کان فی ھذہ اعمیٰ فھو فی الآخرۃ اعمیٰ واضل سبیلا کا ترجمہ تو یہ کیا ہے

اور جو کوئی رہا اندھا اس جہان میں وہ پچھلی جہان میں اندھا ہے اور زیادہ دور پڑا راہ سے۔

لیکن اس آیت کا معنی ومطلب بیان کرنے میں اللہ کی رویت سے اندھا بتانے کے عوض دنیا میں اللہ کی قدرت اور اس کی معرفت اور اسکی نعمتوں کے دیکھنے سے اندھا رہنا مراد بتایا ہے۔ لیکن مفسرین اہل سنت کی توجیہات تو رویت باری تعالیٰ کی طرف مشعر ہیں۔ پھر مولف ہدیہ مفسرین کے اقوال سے اپنے سابقہ اعتراف کے خلاف کیسے انکار کر سکتے ہیں۔

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں۔

ان العلم بالشئ یجلی لذلك الشئ والابصار ایضاً یجلی لذلك الشئ الا ان الابصار فی کونہ مجلیا اکمل من العلم بہ۔

کسی چیز کو جاننا اس چیز کو روشن وظاہر کر دیتا ہے اور اس چیز کو دیکھنا بھی اس کو روشن وظاہر کرتا ہے مگر اس کو دیکھنا اس کے جاننے سے زیادہ مکمل ظاہر کرنے والا ہے۔

ایضاً۔ ان القلوب الصافیۃ مجبولۃ علی معرفۃ اللہ علی اکمل الوجوہ واکمل طرق المعرفۃ ھو الرویۃ۔

صاف قلوب اللہ تعالیٰ کی معرفت اکمل وجہ پر حاصل کرتے کے لئے طبعاً راغب ہیں اور معرفت کا اکمل طریقہ رویت ہے۔

اس آیت من کان فی ھذہ اعمیٰ کی تفسیر کے ضمن میں لکھا ہے۔

القول الثانی ان یحمل العمی الثانی علی اعمی العین والبصر فمن کان فی ھذہ الدنیا اعمی القلب حشر یوم القیامۃ اعمی العین والبصر۔

دوسرا قول یہ ہے کہ دوسرے عمیٰ کو آنکھ اور بصارت کے اندھے پن پر محمول کیا جائے پس جو شخص اس دنیا میں دل کا اندھا ہے وہ قیامت کے دن آنکھ اور بصارت کا اندھا محشور ہوگا۔

علامہ روزبہان نے تفسیر عرائس البیان میں آیت نحشرہ یوم القیامۃ اعمیٰ کے تحت لکھا ہے۔

یعنی جاھلا بوجود الحق کما کان جاھلاً فی الدنیا کما قال علی بن ابی طالب من لم یعرف اللہ فی الدنیا لا یعرفہ فی الآخرۃ۔

یعنی وہ حق کے وجود سے ایسا ہی جاہل رہے گا جیسا وہ دنیا میں جاہل تھا جیسا کہ حضرت علی بن ابی طالب نے فرمایا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو دنیا میں نہ پہچانتا ہو وہ آخرت میں اس کو نہیں پہچانے گا۔

اسی تفسیر میں آیت من کان فی ھذہ اعمیٰ کے تحت لکھا ہے۔

من سمع فی الدنیا ذکرہ ولم یرہ بنعت ظہور الصفات فی الآیات لن یراہ بوصف کشف الذات

جس نے دنیا میں اللہ کا ذکر سنا اور اس کو ظہور صفات فی الآیات کی نعت سے نہیں دیکھا اس کو کشف ذات کے وصف سے بھی نہیں دیکھے گا۔

ذرا سے غور و تامل سے ظاہر ہوتا ہے کہ آیت میں اعمیٰ کا لفظ دو بار آیا ہے ایک دنیا سے متعلق ۔ دوسرا آخرت سے متعلق ۔ سیاق کلام خود بتا رہا ہے کہ پہلا اعمیٰ دوسرے اعمیٰ کے لئے بطور شرط مذکور ہوا ہے

پس جبکہ دنیا کا اندھاپن آخرت کے اندھے پن پر موثر ہے تو آخرت کا دیدار بھی دنیا کے دیدار پر موقوف ہے چنانچہ حضرت عطار رحمتہ اللہ علیہ نے اس آیت کی زیادہ واضح طور پر یہی تفسیر کی ہے ۔ فرماتے ہیں ۔

رمز من کان ھذہ اعمیٰ بشنوید اے قران کو دنہا

ہر کہ اینجا ندید محروم ہست در قیامت ز لذت دیدار[عه]

پس یہ آیت بھی دنیا میں رویت باری ممکن اور واقع ہونے کی بلکہ آخرت میں حصول رویت دنیا میں رویت حاصل ہونے پر موقوف ہونے کی واضح دلیل ہے۔

دوسری آیتوں کے معنی کی تحقیق ۔

آیت سوم الا انھم فی مریۃ من لقاء ربھم الا انہ بکل شئ محیط کی نسبت بھی لقاء رب سے رب کی ملاقات مراد ہونے کا خیال مولف ہدیہ ظاہر کر رہے ہیں ۔ لیکن ابھی پہلی آیت کے بیان میں تفسیر کبیر کا قول پیش کیا گیا ہے کہ جن جن آیتوں میں لقاء کا لفظ آیا ہے اس سے اہل سنت مفسرین نے اللہ کی رویت مراد لی ہے ۔

تفسیر مدارک میں لکھا ہے فیجازیھم علی کفرھم و مریتھم فی لقاء ربھم ان کو اللہ تعالیٰ ان کے کفر اور اپنے پروردگار کے دیدار میں شک کرنے کی سزا دے گا ۔ تفسیر تاویلات میں لکھا ہے ۔

انھم فی مریۃ من لقاء ربھم لاحتجابھم بالکون عن المکون والمخلوق عن الخالق ۔ یعنی رب کے دیدار میں ان کو اس لئے شک ہوگیا ہے کہ وہ کائنات اور مخلوقات میں مشغولی کی وجہ سے خالق و مکون سے حجاب اور

عه ۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ آیت من کان فی ھذہ اعمیٰ کے رمز کو اے نادانو سنو جس شخص نے اس جگہ (دنیا میں) نہیں دیکھا وہ قیامت میں دیدار کی لذت سے محروم ہے ۔

پردہ میں ہیں۔

یہی معنی بہت صاف ہے اس میں تاویل وتوجیہ کی کچھ حاجت نہیں ہے بعض نے لقاء سے مراد قیامت وآخرت اور بعث ونشر بیان کیا ہے لیکن یہ معنی ظاہر لفظ کے خلاف ہے۔ مولف ہدیہ نے چوتھی آیت لا تدرکہ الابصار کی نسبت خود تصریح کی ہے کہ" معتزلہ دنیا اور آخرت دونوں میں دیدار نہ ہونے کی اسی آیت کو دلیل قرار دیتے ہیں۔ مگر اہل سنت کہتے ہیں کہ ادراک کسی شئی کے احاطہ کرنے اور اس کی کنہ کو جان لینے کو کہتے ہیں آنکھیں واقعی ادراک نہیں کرسکتیں لیکن ادراک کی نفی سے دید کی نفی لازم نہیں آتی اس لئے وہ آخرت میں دیدار ہونیکا اعتقاد رکھتے ہیں ابن عباس اور مقاتل نے کہا کہ اس آیت میں دنیا کی رویت کی نفی ہے" انتہا ملخصاً۔

یہاں ناظرین کرام کو دعوت غور وفکر ہے کہ مولف ہدیہ نے اہل سنت کا جو اعتقاد بیان کیا ہے وہ صرف بعض اہل سنت کا ہے نہ کہ کل اہل سنت کا۔ کیونکہ محققین صوفیہ اور بعض متکلمین بھی جو اہل سنت ہی ہیں رویت دنیاوی کے معتقد ہیں۔ خود مولف ہدیہ کے بیان سے متبادر ہے کہ جب اہل سنت کے نزدیک ادراک کی نفی سے دید کی نفی لازم نہیں آتی اس لئے آخرت میں دیدار حق ہوسکتا ہے تو بعینہ یہی حجت رویت دنیاوی کے لئے بھی ہوسکتی ہے کہ نفی ادراک سے دید کی نفی لازم نہیں آتی۔ چنانچہ امام رازی یہی فرماتے ہیں کہ فلم یلزم من نفی الادراک من اللہ تعالیٰ نفی الرویۃ عن اللہ تعالیٰ یعنی ادراک کی نفی سے رویت اللہ کی نفی لازم نہیں آسکتی۔ پس اس آیت سے اہل سنت کے پاس دیدار اخروی کی نفی نہیں ہوتی تو اسی آیت سے وار دنیا میں بھی دیدار حق کی نفی لازم نہیں آسکتی کیونکہ آیت شریفہ میں جبکہ دنیا وآخرت کی قید نہیں ہے تو وہ دنیا وآخرت دونوں کو شامل ہے۔ بلکہ ایک جہت سے یہ آیت خاص ہماری ہی دلیل ہے یعنی اس سے رویت اخروی نہیں بلکہ رویت دنیاوی ہی مستفاد ہوتی ہے جیساکہ تفسیر کبیر میں لکھا ہے اس تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ ابصار جمع کا صیغہ ہے اس پر الف لام استغراقی داخل ہوا ہے لہذا یہ سلب عموم کا فائدہ دیتا ہے نہ کہ عموم سلب کا یعنی اس کا معنی یہ ہوگا کہ لا یراہ

جمیع الابصار" (اس کو تمام ابصار نہیں دیکھ سکتیں لیکن اسی کے ساتھ یراہ بعض الابصار" کا فائدہ حاصل ہوگا۔ جیسے کوئی کہے "زید کو سب نے نہیں مارا" تو خود اسی سے معلوم اور ثابت ہوتا ہے کہ بعض نے مارا ہے۔ ایسا ہی کسی نے کہا حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم پر تمام آدمیوں نے ایمان نہیں لایا تو اس کا یہ معنی ہوا کہ بعض نے لایا ہے اور بعض نے نہیں لایا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان لا تدرکہ الابصار" کا یہ معنی ہوا کہ" لا تدرکہ جمیع الابصار بل تدرکہ بعض الابصار" یعنی تمام آنکھیں اس کو نہیں پا سکتیں بعض پا سکتی ہیں غرض یہ استدلال دیدار دنیاوی ہی سے متعلق ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دار دنیا میں بعض آدمی دیکھیں گے اور بعض محروم و بے نصیب رہیں گے۔ بخلاف دار آخرت کے کہ وہاں تو مومنین اہل بہشت اپنے اپنے مراتب و مدارج کے موافق سب دیکھیں گے وہاں بعض کی تخصیص دون البعض نہیں ہے تو گویا لا تدرکہ الابصار دیدار دنیاوی ہی کی دلیل ہے نہ اخروی کی ۔کفار کا نہ دیکھنا تو قطعی دلایل سے ثابت ہے نہ دیکھنے والے بعض سے وہ کبھی مراد نہیں ہو سکتے پس اس آیت سے بھی دیدار دنیاوی پر استدلال قطعاً صحیح ہے۔

پانچویں آیت لما جاء موسیٰ لمیقاتنا وکلمہ ربہ قال رب ارنی انظر الیک قال لن ترانی الآیہ اس کے ضمن میں مولف ہدیہ نے موسیٰ علیہ السلام کا تمام قصہ بالتفصیل بیان کیا ہے جس میں کوئی بحث نہیں ہے یہاں صرف اسی سے بحث ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا سوال دیدار اور اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں جو ارشاد فرمایا ہے اس کا مسئلۂ دیدار پر کیا اثر ہے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رب ارنی انظر الیک (ای میرے پروردگار تو مجھے نظر آئیں تجھے دیکھوں گا۔) کا سوال اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد لن ترانی (تو مجھے نہیں دیکھے گا) یہ تمام واقعہ بھی کئی وجوہ سے دیدار دنیوی کے امکان، وجواز پر دلالت کرتا ہے۔

اولاً دیدار الٰہی اِس عالم میں اگر ممکن نہ ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا

جہالۃً یا سفاہتہً طلب دیدار کرنا لازم آتا ہے حالانکہ انبیاء علیہم السلام اس سے منزہ و مبرا ہیں تمہید میں لکھا ہے۔

قال اھل السنۃ والجماعۃ الرویۃ علی الباری تعالیٰ جائزۃ وقالت المعتزلۃ والجھمیۃ والیھود بانھا لا تجوز۔ دلیلنا قولہ تعالیٰ فی قصۃ موسیٰؑ قال رب ارنی انظر الیک قال لن ترانی ولکن انظر الی الجبل فان استقر مکانہ فسوف ترانی والاستدلال بھذہ الآیۃ ان موسیٰ علیہ السلام سأل اللہ تعالیٰ الرویۃ ولو علم انہ لا یجوز لکان لا یسأل اللہ تعالیٰ لانہ کان رسول اللہ وکان اعلم بذالک من غیرہ (تمہید۔ القول السادس عشر)

اہل سنت والجماعت کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رویت جایز ہے معتزلہ۔ جہمیہ۔ یہود کہتے ہیں کہ ناجائز ہے ہماری دلیل موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے جو فرمایا کہ موسیٰ نے کہا اے میرے پروردگار تو مجھے نظر آ میں تجھے دیکھوں گا اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو مجھے نہیں دیکھے گا لیکن پہاڑ پر نظر کر اگر وہ اپنی جگہ قایم رہے تو مجھے دیکھے گا اس آیت سے استدلال یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے رویت کا سوال کیا۔ اگر آپ یہ جانتے کہ رویت ناجائز ہے تو سوال نہ کرتے کیونکہ آپ اللہ کے رسول تھے اور اس امر کو دوسروں سے زیادہ جاننے والے تھے۔

نووی شرح مسلم میں لکھا ہے۔

رویۃ اللہ جائزۃ وسوال موسیٰ علیہ الصلوٰۃ ایاھا دلیل علی جوازھا اذ لا یجھل نبی ما یجوز او یمتنع علی ربہ (نووی جلد اول باب قول اللہ ولقد راٰہ نزلۃ اخریٰ)

اور اللہ تعالیٰ کی رویت جائز ہے اور موسیٰ علیہ السلام کا رویت کا سوال کرنا اس کے جواز کی دلیل ہے اس لئے کہ کوئی نبی اس سے لاعلم نہیں ہوتا کہ کونسی بات جائز ہے اور کونسی محال ہے۔

ثانیاً۔ اگر یہ امر محال کا سوال ہوتا تو خود رب العزت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس سوالِ محال پر زجر و توبیخ فرماتا جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کو اپنے فرزند کی نجات کا سوال کرنے پر خطاب باعتاب ہوا تھا کہ

انی اعظک ان تکون من الجاھلین۔ | میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ تو جاہلین میں سے نہ ہو۔

ثالثاً۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رویت کو پہاڑ کے استقرار پر معلّق فرمایا ہے جیساکہ ارشاد ہوا ہے۔

لکن انظر الی الجبل فان استقر مکانہ فسوف ترانی (۹۔۷۔اعراف) | لیکن پہاڑ کی طرف نظر کرو اگر وہ اپنی جگہ قائم رہے تو تم مجھے دیکھو گے۔

چونکہ استقرار جبل فی نفسہ امر ممکن ہے اس لئے جو چیز ممکن پر معلّق ہو وہ بھی ممکن ہوگی اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ دیدار الہٰی اس عالم میں ممکن ہے۔

رابعاً۔ شرح عقاید نسفی وغیرہ میں لکھا ہے کہ اللہ عزوجل کا رب ارنی انظر الیك کے جواب میں لن ترانی (تو مجھے نہیں دیکھے گا) فرمانا دلیل جواز ہے اس لئے کہ لن ترانی کا معنی یہ ہے کہ میں نظر آسکتا ہوں لیکن قدرے نقصان کی وجہ سے جو تجھ میں ہے تو مجھے نہ دیکھے گا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کا دیدار دنیا میں جائز و ممکن نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ لن اُریٰ (میں نظر نہیں آسکتا) فرماتا جیساکہ تفسیر مدارک وغیرہ میں لکھا ہے۔ حسب عادت بھی یہی انداز کلام رائج ہے مثلاً کسی کے ہاتھ میں پتھر ہو اور دوسرا شخص کہے کہ یہ مجھے کھلاؤ تو اس کا جواب یہ دیا جائیگا کہ یہ چیز کھائی نہیں جاتی یعنی یہ ماکولات کی قسم سے نہیں ہے اگر اس کے ہاتھ میں بجائے پتھر کے سیب ہو اور وہ شخص کہے کہ یہ مجھے کھلاؤ تو کہا جائیگا تو نہیں کھائے گا یعنی یہ ماکولات کی قسم سے تو ہے مگر کسی علت یا نقص کی وجہ سے جو تیرے مزاج میں ہے تو نہیں کھائے گا علیٰ ہذا القیاس " لن ترانی " کا معنی بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں جائز الرویت تو ہے مگر تو کسی مانع کی وجہ سے جو تیری طبیعت اور حالت میں ہے تو نہ دیکھے گا۔ ایک لطف اور عمدگی یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی درخواست " ارنی انظر الیك " کے جواب میں رویت کی نفی کلمہ " لن " سے فرمائی گئی ہے جس کے معنی میں نہ توکید نفی ہے اور نہ تابید نفی۔ چنانچہ مغنی اللبیب میں لکھا ہے۔

لا تفید لن توکید النفی خلافاً للزمخشری فی کشافہ ولا تابیدہ خلافاً لہ فی انموذجہ وکلاھما | حرف " لن " تاکید نفی کا فائدہ نہیں دیتا زمخشری نے (جو معتزلی ہیں) اپنی تفسیر کشاف میں اس کا خلاف کیا ہے اور وہ معنی دوام کو

دعوی بلا دلیل ۔ قیل ولو کانت للتابید لم یقید بالیوم فی "فلن اکلم الیوم انسیا" ولکان ذکر الابد فی "ولن یتمنوہ ابداً" تکراراً والاصل خلافہ ۔

بھی مفید نہیں ہے زمخشری نے اپنی تالیف انموذج میں اس کا بھی خلاف کیا ہے یہ دونوں دعوے بلا دلیل ہیں ان کے دعویٰ کی تردید میں کہا گیا کہ اگر کلمہ لن وہ معنی دوام کے لئے ہوتا تو آیت "فلن اکلم الیوم انسیا" میں یوم کی قید نہ لگائی جاتی اور "ولن یتمنوہ ابداً" میں ابد کا ذکر تکرار لا حاصل ہوتا حالانکہ اصل اس کے خلاف ہے ۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوۃ میں جو توجیہ بیان کی ہے وہ اسی کی موید ہے کہ دیدار فی نفسہ ممکن ہے اور اس کے حصول میں ناکامی بعض عوارض و موانع کے سبب ہوئی ۔

مانع دیدار موسیٰ را طلب انبساط شد گاہے ناخواستہ می دہند واگر خواہند خواستہ ہم نہ دہند ۔ غریب آنست کہ قومے می گویند کہ چوں موسیٰ علیہ السلام از و باز ماند و بیہوش شد دید آنچہ دید ولن ترانی جزاے شتابی و بیتابی بود ۔ تحقیق آنست کہ سبب ناکامی موسیٰ علیہ السلام آں بود کہ ہنوز سید المحبوبین ندیدہ و باین دولت نہ رسیدہ دیگر ے راچہ مجال کہ بطلبد و بہ بیند و علما خود ہمہ متفق اند بر امکان رویت در دنیا و بعد از امکان چہ مانع باشد ۔

پس جو لوگ اس کے قایل ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے بیہوش ہو جانے کے بعد جو دیکھنا تھا دیکھا اس سے تو رویت کا وقوع بھی ثابت ہوتا ہے چنانچہ قاضی ابو بکر کا یہی قول ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام دیدار رب العزت سے مشرف ہوئے ہیں جیسا کہ نووی نے لکھا ہے ۔ اگر اس سے قطع نظر کر لیا جائے تو دار دنیا میں رویتِ باری تعالیٰ ممکن ہونے پر تمام علما جب متفق ہیں تو اس کے وقوع کو ناممکن و محال تو نہیں کہا جا سکتا البتہ عدم وقوع کی کوئی نہ کوئی وجہ ہو سکتی ہے خواہ طلبِ انبساط ہو یا جزاء بیتابی و شتابی ہو یا سید المحبوبین کا ابھی

نہ دیکھنا ہو یا بقول صوفیائے محققین بقائے اثنینیت یعنی رائی و مرئی میں دو باقی رہنا ہو وغیرہ وغیرہ

پس جہاں یہ وجوہ یا عوارض نہ ہوں وہاں رویت کا وقوع بھی بیشک وشبہ ہو سکتا ہے جیسا کہ محققین صوفیا کا قول ہے اور جس کی توضیح بعد میں کی جائے گی۔

خود مولف ہدیہ کو بھی یہ اعتراف ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سوال رویت امکانِ رویت پر دلالت کرتا ہے لیکن مولف ہدیہ کا کلام کئی وجوہ سے باہم متضاد و مضطرب ہے کیونکہ وہ اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ دنیا جائے دیدار نہیں ہے اور موسیٰ علیہ السلام یہ جانتے ہوے کہ دنیا جائے دیدار نہیں ہے رب ارنی کا سوال کیا گویا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی معلومات کے خلاف عمل کیا حالانکہ ایسا خیال کرنا درست نہیں ہے۔ تمہید میں لکھا ہے۔

ولاجائز ان یقال بانہ علم ان الرویۃ علی الباری لایجوز ثم سئال لانہ یکون سوالًا عن المحال والسوال عن المحال محال۔	یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام یہ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی رویت جائز نہیں ہے اور پھر بھی آپنے سوال کیا ہو اس لئے کہ یہ محال کا سوال ہوگا اور محال کا سوال محال ہے۔

مولف ہدیہ یہ بھی کہتے ہیں کہ دنیا جائے دیدار بھی نہیں ہے اور موسیٰ علیہ السلام کا سوال دیدار جو دنیا ہی میں ہوا ہے دنیا میں امکانِ دیدار کی دلیل بھی ہے"۔ لن ترانی کا معنی یہ لکھا ہے کہ جناب باری نے فرمایا کہ تو مجھ کو ہرگز نہیں دیکھ سکے گا کیونکہ کسی بشر کو طاقت نہیں کہ دنیا میں مجھ پر نظر کرے۔ جو دنیا میں میری طرف نظر کرے گا مرجائیگا"۔ (ہدیہ صفحہ ۱۴۲)

لن ترانی کے دو لفظی جملہ میں دنیا کی قید کہاں ہے؟ اور جو نظر کرے وہ مرجائے گا کا معنی ومطلب کن الفاظ سے مستخرج ہوا ہے اس پر دلالت کرنے والا تو کوئی جملہ نہیں ہے "لن ترانی" صیغۂ واحد حاضر ہے اور اس کے مخاطب خاص حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں اس کا صحیح معنی " تو مجھے نہیں دیکھے گا" ہے اس میں کسی بشر کو نظر کرنے کی طاقت نہ ہونے کی تعمیم کہاں ہے۔ "لن ترانی"

کے مختصر اور باعتبار خطاب خاص جملہ میں یہ حکم تمام افرادِ بشر کے لئے عام ہونے پر دلالت کرنے والے کوئی الفاظ نہیں ہیں۔[۱]

مولف ہدیہ کا یہ بھی قول ہے کہ "لن ترانی" صاف نفی وقوع پر دال ہے اور یہاں کلام فقط وقوع میں ہے نہ امکان میں۔" دوسرے مقام پر انھوں نے اللہ تعالیٰ کی رویت دنیا میں سوائے حضرت رسالت کے اور وہ بھی صرف شب معراج میں ہونے اور کسی کے واسطے نہ ہونے پر امت کا اتفاق ہونا بیان کیا ہے جو کئی وجوہ سے صحیح نہیں ہے۔

اولاً۔ اتفاق امت کا دعویٰ بلا دلیل ہے اتفاق کب اور کہاں ہوا ہے جبکہ محققین صوفیہ کا مذہب وقوع رویت فی الدنیا کا ہے۔ عقاید سنیہ میں ماتریدیہ کا بھی یہی مذہب ہونا لکھا ہے پھر امت کے اتفاق کا دعویٰ بداہتہً غلط ہے چنانچہ اس کی مزید تحقیق و تفصیل معہ دلایل بعد میں پیش کی جائیگی۔

ثانیاً۔ عدم وقوع پر اتفاق فرض بھی کر لیا جاے تو اس سے رویت فی الدنیا کے جواز و امکان ذاتی پر کوئی اثر نہیں پڑسکتا۔[۵]

ثالثاً۔ ولو بالفرض عدم وقوع پر اتفاق تسلیم کر لیا جائے تو جب کسی کا بھی خدا کو دنیا میں دیکھنا ثابت ہوجائے خواہ بقول بعض موسیٰ علیہ السلام نے بیہوش ہونے کے بعد دیکھا ہو۔ خواہ حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج ہی میں دیکھا ہو۔ خواہ سلف صالحین میں سے کسی نے رویا میں یا دل کی آنکھوں سے دیکھا ہو تو عدم وقوع کا فرض کردہ ضابطہ ٹوٹ گیا اور دنیا جائے دیدار ثابت ہوگئی دوسرے کے لئے واقع نہ ہوسکنے کا بے دلیل دعویٰ ان واقعات کو صحیح تسلیم کرنے کے بعد خود بخود باطل ہوگیا۔

حاصل یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کا سوال "رب ارنی انظر الیک" اور

---

[۵] ۔ اس سے پہلے جو حواشی لکھے گئے ہیں ان سے ثابت ہوگیا ہے کہ رویت باری تعالیٰ جب ممکن ہے تو اس کے حصول یا وقوع میں امتناع نہیں ہے ورنہ ممکن بالذات کا انقلاب امتناع ذاتی کی طرف لازم آئے گا اور یہ امر محال ہے۔ ۱۲ اشرف غفرلہ

خداوند کریم کا جواب "لن ترانی" اوراس کا واقعہ جو قرآن مجید میں مذکور ہے دیدار خدا دنیا میں ممکن ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اور "لن ترانی" کو عدم امکان رویت پر محمول کرنا معتزلہ اور شیعہ کا قول ہے اہل سنت اس کے قایل نہیں ہیں۔ مہدویہ کی کاوش میں مولف ہدیہ معتزلہ بھی بن جاتے ہیں اور مفسرین اہل سنت کے قول سے بھی روگردان ہو جانے سے نہیں جھجکتے حالانکہ وہ مفسرین کے بیان کو خدا و رسول کا بیان ہونا اور مفسرین فقط اس کے ناقل ہونا تسلیم کرآئے ہیں اور خود کو اہل سنت بھی کہتے ہیں۔

مولف ہدیہ نے موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کے ضمن میں حضرت سرور کائنات محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کو شب معراج میں حصول دیدار الٰہی کا مسئلہ اس طرح بیان کیا ہے "اور اتفاق ہے امت کا کہ رویت اللہ تعالیٰ کی دنیا میں واقع نہیں ہے کسی کے واسطے سوائے حضرت رسالت کے شب معراج میں بلکہ بعضوں کا اس میں بھی اختلاف ہے" (ہدیہ صفحہ ۹و۱۴۴) اس کتاب کے باب اول دیدار الٰہی کی بحث کے ضمن میں یہ بتایا گیا ہے کہ مولف ہدیہ کے اس قول میں کس قدر اضطراب ہے۔ اگر حضرت رسالتمآب صلعم کو شب معراج میں دیدار حاصل ہونے پر صرف اہل سنت کا نہیں بلکہ تمام امت کا اتفاق ہے تو پھر اس میں اختلاف کا تصور ہی نہیں ہو سکتا کیونکہ اختلاف کرنے والے بھی تو داخل امت ہی ہیں۔ اور اگر یہ مسئلہ دراصل اختلافی ہے تو اس پر امت کا اتفاق نہ ہوا یہ دونوں ضدین کا اجتماع کیسا۔

اس کے علاوہ مولف ہدیہ کے اس قول میں دو امر قابل بحث ہیں ایک حضرت کو دیدار حاصل ہونے کا اختلاف۔ دوسرا کسی اور کے لئے دنیا میں دیدار الٰہی واقع نہ ہونے میں امت کا اتفاق۔ امر دوم کا صحیح نہ ہونا اس سے قبل واضح ہوگیا ہے۔ حضرت کو دیدار حاصل ہونے میں اختلاف کی تحقیق یہ ہے کہ جو آیاتِ قرآنی کیفیتِ معراج و مقام قرب و دنو اور وقوع دیدار الٰہی پر دلالت کرتی ہیں جیسے۔

۱۔ ثم دنیٰ فتدلّٰی فکان قاب قوسین او ادنیٰ۔	۱	پھر نزدیک آیا اور پھر اور نزدیک آیا پس تھا دو کمانوں کی مقدار یا اس سے بھی نزدیک۔
۲۔ ولقد رایٰ من اٰیات ربہ الکبریٰ	۲	اور البتہ دیکھا اپنے پروردگار کی بڑی نشانیاں
۳۔ ما زاغ البصر وما طغیٰ	۳	نہ نظر کج ہوئی اور نہ اچٹ گئی

۴ ۔ ماکذب الفواد ما رأیٰ افتمارونہ علیٰ مایریٰ | ۴ | جو کچھ دیکھا اس کو دل نے نہیں جھٹلایا جو کچھ (آپ نے) دیکھا اس میں تم جھگڑتے ہو؟

ان آیات کی تفسیر کرنے میں علمائے متکلمین و محققین اپنے اپنے اصول کے مطابق کسی قدر مختلف القول نظر آتے ہیں لیکن معراج سے متعلق جس قدر کثرت سے احادیث وارد ہیں اُن میں سے متعدد احادیث سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج میں دیدار الٰہی کا شرف حاصل ہونا ثابت ہوتا ہے ان احادیث سے تفسیر القرآن بالحدیث کے اصول پر ان آیات کی تفسیر ہو جاتی ہے چنانچہ یہ حدیثیں عبداللہ بن عباس جابر بن عبداللہ۔ انس بن مالک و معاذ بن جبل ابو عبیدۃ بن الجراح وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں ان احادیث کی روایت کئی مشہور محدثین امام احمد بن حنبل۔ مسلم۔ ابو داؤد۔ حاکم۔ ترمذی۔ طبرانی۔ دیلمی۔ ذہبی۔ مناوی۔ خطیب وغیرہ نے کی ہے اور کئی محدثین ان احادیث کے صحیح ہونے کے قایل ہیں شارحین حدیث نووی وغیرہ کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابۂ کرام میں حضرت ابوذر۔ ابو ہریرہ۔ عکرمہ۔ عبیداللہ ابن الحارث انس بن مالک۔ حسن۔ ربیع۔ کعب۔ جابر بن عبداللہ۔ معاذ بن جبل وغیرہم رضی اللہ عنہم اس کے قایل ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے چنانچہ مسلم۔ ترمذی۔ نسائی۔ حاکم۔ طبرانی وغیرہ نے ابن عباسؓ سے جو حدیثیں روایت کی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ

انہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم رائی ربہ بعینہ وبفوادہ | نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پروردگار کو اپنی آنکھوں اور اپنے دل سے دیکھا ہے۔

غرض حضرت سرور کائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو شب معراج دیدار الٰہی کا شرف حاصل ہونا متکلمین اہل سنت کا بھی مسلمہ ہے جو جبوۃ دنیا میں دیدار الٰہی ممکن اور واقع ہونے کی سب سے زیادہ واضح اور قوی دلیل ہے۔ اور محققین اہل سنت یعنی صوفیائے کرام اس شرف کو شب معراج سے مخصوص نہیں کہتے بلکہ حسب فرمان رسول اللہ صلعم لی مع اللّٰہ وقت لا یسعنی فیہ ملك مقرب ولا نبی مرسل" (مجھے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا وقت حاصل ہے جس میں کوئی ملک مقرب اور نبی مرسل کی گنجایش نہیں ہے) کوئی آن اس سے خالی نہیں جانتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شرف دیدار حاصل ہونے میں جو اختلاف بیان کیا گیا ہے اس کی بھی حقیقت یہ ہے کہ خلاف بین الامرین خود دلیل جواز و امکان ہے جیساکہ شرح عقائد کے قول سے جو اس سے پہلے لکھا گیا ہے ثابت ہے۔ اس کے علاوہ اختلاف بین الامرین جب معتبر سمجھا جاتا ہے کہ وہ دونوں قول قوت وضعف میں برابر اور درجۂ مساوات میں ہوں اور کسی ایک کو دوسرے پر وجہ ترجیح نہ پائی جائے۔ فقہاء کا ضابطہ ہے کہ جب اختلافی اقوال میں سے کسی ایک پر فتویٰ ہو جائے اور کوئی ایک قول صحیح وقوی قرار دیا جائے یا ایک طرف جمہور کا متفقہ قول ہو اور اس کے مقابل کسی کا شخصی قول ہو تو وہاں اختلاف موثر نہیں سمجھا جاتا۔ اس ضابطہ پر اس اختلاف کو بھی دیکھا جائے کہ جناب رسالت مآب صلعم نے اللہ تعالیٰ کو شب معراج دیکھا ہے یا نہیں تو ثابت ہوتا ہے کہ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ دیکھا ہے چنانچہ نووی شارح مسلم نے لکھا ہے۔ ذهب الجمهور من المفسرين ان المراد انه صلعم رأى سبحانه وتعالىٰ ثم اختلف هؤلاء فذهب جماعة الى انه صلعم رأى ربه بفواده دون عينه وذهب جماعة الى انه راٰه بعينه (نووی شرح مسلم جلد اول۔ باب لقد راٰه نزلة اخرىٰ) ترجمہ (جمہور مفسرین کا مذہب یہ ہے کہ رسول اللہ صلعم نے اللہ سبحانہ کو دیکھا ہے پھر ان میں اختلاف یہ ہے کہ ایک جماعت کا مذہب ہے کہ آپ نے اپنے پروردگار کو دل سے دیکھا ہے۔ ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ آپ نے اپنی آنکھ سے دیکھا ہے) اور عدم وقوع رویت عائشہ رضی اللہ عنہا وغیرہ کا قول ہے اور عائشہ نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سننے کا ادعا نہیں کیا ہے بلکہ وہ خود اپنے قیاس و اجتہاد کے طور پر کہی ہیں اسی لئے نووی شارح مسلم نے لکھا ہے کہ

وقد قال معمر بن راشد حين ذكر اختلاف عائشة وابن عباس ما عائشة باعلم من ابن عباس۔ ثم ان ابن عباس اثبت شيئا نفاه غيره والمثبت مقدم على النافى هذا كلام صاحب التحرير۔

معمر بن راشد سے جب عائشہ اور ابن عباس کا اختلاف ذکر کیا گیا تو انھوں نے کہا ہمارے پاس عائشہ ابن عباس سے زیادہ جاننے والی نہیں ہیں۔ پھر (ان دونوں میں یہ بھی فرق ہے کہ) ابن عباس نے اس امر کو ثابت کیا ہے جس کی دوسروں نے نفی کی ہے اور ثابت کرنے والوں کا قول

نفی کرنے والوں پر مقدم ہوتا ہے یہ صاحب "تحریر" کا قول ہے۔

نووی ہی نے بیان اختلاف کے بعد قول راجح یہ لکھا ہے کہ

فالحاصل ان الراجح عند اکثر العلماء ان رسول اللہ رای ربہ بعینی راسہ لیلۃ الاسراء لحدیث ابن عباس وغیرہ مما تقدم واثبات ھذا انہم لا یاخذونہ الا بالسماع من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھذا مما لا ینبغی ان لا یتشکک فیہ

حاصل یہ کہ اکثر علما کے پاس یہی قول راجح ہے کہ رسول اللہ صلعم نے اپنے پروردگار کو اپنے سر کی آنکھوں سے شب معراج دیکھا ہے ابن عباس وغیرہ کی وہ حدیث جو پہلے گزری اس کی دلیل ہے اور اس کا ثبوت یہ کہ انھوں نے رسول اللہ سے سنکر ہی کہا ہے اور یہ مسئلہ اس قبیل سے ہے کہ اس میں شک نہ کرنا چاہئے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ بھی فرماتے ہیں کہ

نؤمن بان النبی صلی اللہ علیہ وسلم رای ربہ عز وجل لیلۃ الاسراء بعینی راسہ وبفوادہ ولا فی المنام (غنیۃ)

ہم اس بات پر ایمان لاتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پروردگار عز وجل کو شب معراج میں دیکھا ہے اپنے سر کی آنکھوں سے اور اپنے دل سے خواب میں نہیں۔

حضرت جامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

دید محمد نہ بچشم دگر ؎ بلکہ ہمیں چشم سر و چشم سر

حاصل کلام حضرت رسول اللہ صلعم کو شرف دیدار الٰہی حاصل ہونا قول راجح ہے اور انکار دیدار کا قول مرجوح ہے چونکہ یہ شرف اسی عالم میں حاصل ہوا ہے اس لئے دیدار دنیوی کے امکان و وقوع کی یہ سب سے زیادہ واضح اور قوی دلیل ہے۔

الحمد للہ جن آیتوں سے مولف ہدیہ نے دیدار دنیوی پر استدلال درست نہ ہونے کا ادعا ے باطل کیا تھا ان کے اس دعوی کی خود مفسرین و علماے اہل سنت کے اقوال سے تغلیط ہوگئی اور انہی آیتوں سے دیدار دنیوی پر استدلال کرنا صحیح و درست ثابت ہوا۔

اب اس کے بعد دیدار دنیوی کے اثبات اور منکرین دیدار دنیوی کے شبہات کی

تردید میں کچھ تحقیقی مباحث پیش کئے جاتے ہیں ناظرین کرام کی یاد تازہ کرنے کے لئے دیدار باریتعالی کی نسبت جو اختلاف ہے اول اس کو پھر ذکر کر دیا جاتا ہے۔

فرقۂ شیعہ ومعتزلہ وغیرہ دیدار الہی کے مطلق قایل نہیں ہیں ان کے نزدیک دیدار الہی نہ دنیا میں جائز ہے اور نہ آخرت میں بلکہ وہ دیدار کو محال جانتے ہیں اور اس کے محال ہونے پر کئی حجتیں پیش کرتے ہیں۔

اہل سنت متکلمین اور دوسرے اہل شرع دیدار کے منکرین فرقوں کی تمام حجتوں کی تردید کرتے ہیں اور آخرت میں مومنین اہل جنت کو دیدار حاصل ہونے پر متفق ہیں۔ بلکہ ان کے نزدیک دیدار الہی کو محال کہنا کفر ہے فتاوی ہندیہ (فقہ حنفی) میں ہے۔

من قال باستحاله الرویه فهو کافر	جو شخص رویت الہی کو محال کہے وہ کافر ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ اکبر میں ہے۔

والله تعالیٰ یُری فی الاخرة ویراه المومنون وهم فی الجنة باعین روسهم بلا تشبیه ولا کیفیة ولا تکون بینه وبین خلقه مسافة	اللہ تعالی آخرت میں نظر آئے گا اور مومنین اللہ تعالی کو جنت میں اپنے سر کی آنکھوں سے بلا تشبیہ اور بلا کیفیت دیکھیں گے اور اللہ تعالی کے اور مخلوق کے مابین مسافت نہ ہوگی۔

محققین اہل سنت یعنی صوفیائے کرام دنیا میں بھی دیدار باری تعالی کو ممکن الوقوع اور جائز کہتے ہیں مہدویہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

یہ اختلاف تو نفس دیدار اور مقام دیدار کے متعلق ہے۔ کیفیت دیدار کی نسبت بھی جو اختلاف ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ دنیا میں دیدار الہی تین طرح ہوسکتا ہے خواب میں۔ دل کی آنکھوں سے یعنی بمشاہدۂ قلبی۔ سر کی آنکھوں سے۔ متکلمین اہل سنت دار دنیا میں خواب کی حالت اور دل کی آنکھوں سے یعنی بمشاہدۂ قلبی دیدار الہی ہونے کے قایل ہیں۔ شرح مواقف میں جو علم کلام کی مشہور کتاب ہے لکھا ہے۔

قال الآمدی اجتمعت الایمه من اصحابنا علی ان رویة الله تعالی فی الدنیا والاخرة جائزة عقلا واختلفوا فی جوازها سمعًا فی الدنیا فاثبته بعضهم	آمدی کا قول ہے کہ ہمارے ایمہ کا اس امر پر اجماع ہے کہ اللہ تعالی کا دیدار دنیا و آخرت میں عقلاً جائز ہے اور نقلاً اس کے دنیا میں جائز ہونے نہ ہونے میں اختلاف ہے

ونفاه آخرون وهل یجوز ان یری فی المنام فقیل لا وقیل نعم والحق انه لا مانع من هذه الرویا وان لم تکن رویة حقیقة ولا خلاف بیننا فی انه تعالیٰ یری ذاته عـه ۔

بعض علما نے اس کو ثابت کیا ہے اور بعض نے اس کی نفی کی ہے کیا اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھنا جائز ہے یا نہیں پس بعض نے جائز اور بعض نے ناجائز کہا ہے حق یہ ہے کہ اس میں کوئی امر مانع نہیں ہے اگرچہ حقیقت میں یہ رویت نہیں ہے اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کو دیکھتا ہے ۔

"یواقیت والجواہر" میں فتوحات مکیہ سے نقل کیا ہے ۔

اعلم انہ لا ینبغی لمسلم ان یتوقف فی رویة اللہ تعالیٰ فی المنام لانہ لا شئ فی الاکوان اوسع من عالم الخیال

یہ معلوم رکھو کہ خواب میں اللہ کی رویت حاصل ہونے میں کسی مسلمان کو تامل نہ کرنا چاہیے کیونکہ جہاں میں عالم خیال سے زیادہ وسیع کوئی شی نہیں ہے ۔

شرح عقاید میں لکھا ہے ۔

واما الرویة فی المنام فقد حکیت عن کثیر من السلف ولا خفاء فی انہا نوع مشاهدة یکون بالقلب دون العین

خواب میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنا اکثر اسلاف سے منقول ہے اور یہ ظاہر ہے کہ یہ ایک طرح کا مشاہدہ ہے جو قلب سے ہوتا ہے نہ کہ آنکھ سے ۔

درالمختار میں لکھا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رح نے اللہ تعالیٰ کو (سو) بار خواب میں دیکھا ہے اور اس کا ایک واقعہ بھی مذکور ہے کہ کچھ سوال وجواب بھی ہوے ہیں ۔

یواقیت میں لکھا ہے کہ "حمزہ الزیات" نے خداے عزوجل کو خواب میں دیکھا اور سورۂ طٰہٰ ویٰسین کی قرأت اللہ تعالیٰ کے روبرو کی اور خداوند عالم نے کئی مقام پر ان کی اصلاح فرمائی کہ میں نے اس طرح نازل کیا ہے ۔

چونکہ یہ رویت اس دار دنیا اور اسی حیوٰۃ دنیا میں واقع ہوئی ہے اس لیے یہ ضرور

عـه ۔ میں کہتا ہوں کہ علامہ سید شریف نے شرح مواقف میں بیان کیا ہے کہ علماء کلام کو رویت کے مسئلہ میں اختلاف نہیں ہے بلکہ سب علماء اہل سنت نے جواز رویت کا اعتراف کیا ہے اگر خلاف ہے تو صرف وقوع

دنیادی رویت ہی ہے۔

ان متکلمین کے مقابل محققین اہل سنت یعنی صوفیائے کرام دار دنیا اور حالت بیداری میں دل کی آنکھوں اور سر کی آنکھوں سے دونوں طرح دیدار الٰہی حاصل ہونے کے قایل ہیں مہدویہ کا بھی یہی مذہب ہے۔

ان اقوال سے ثابت ہے کہ آخرت میں دیدار الٰہی ہونے پر سب متفق ہیں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ متکلمین اہل سنت کے نزدیک دار دنیا میں بحالت خواب اور بمشاہدہ قلبی دیدار الٰہی ہونا بھی جائز ہے اور کئی بزرگان سلف کو حاصل ہوا ہے پس محققین صوفیہ اور متکلمین اہل شرع کے مابین جو اختلاف رہ جاتا ہے وہ صرف حالت بیداری اور رویت عینی یعنی بچشم سر بیدار واقع ہونے میں ہے۔

مولف ہدیہ نے بھی یہی لکھا ہے کہ "مذہب اہل سنت کا یہ ہے کہ رویت اللہ کی دنیا میں ممکن ہے عقلاً اور امکان سمعی میں اختلاف ہے" (ہدیہ صفحہ ۱۲۱) لیکن ان کے اقوال میں خود بڑا اختلاف و اضطراب پیدا کیا ہے کہ دنیا میں دیدار نہیں ہے کہہ سکتے کہ سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور وہ بھی شب معراج میں کسی کو دنیا میں دیدار واقع نہ ہونے پر امت کا اتفاق ہے۔ کہیں لکھا ہے کہ کوئی شخص دنیا میں [illegible] دیکھ کر زندہ نہیں رہے گا۔ (ہدیہ صفحہ [illegible]) حالانکہ ان [illegible] اقوال [illegible] کے صریح خلاف ہیں اور متکلمین اہل سنت کے [illegible] [illegible] پس مولف ہدیہ کے اقوال بہت مضطرب ہیں۔

ناظرین کرام کے لئے [illegible] ذیل میں [illegible]

بحث دیدار کے متعلق قابل غور مزید وجوہ

اولاً امکان سمعی [illegible] سے بھی دنیا میں دیدار جائز ہے [illegible] متکلمین

بقیہ حاشیہ (۵۰۵) [illegible] ہوئی اور بعض کا یہ قول ہے کہ رویت [illegible] ہے اور جو ممکن ہے اس کے وقوع میں [illegible] اہل سنت کو [illegible]

اہل سنت اگرچہ اختلاف ہونا ظاہر کرتے ہیں لیکن متکلمین ہی کا ایک ضابطہ ہے کہ کسی امر میں اختلاف ہونا خود دلیل جواز ہے پس سمعاً دیدار دنیوی کے جواز میں بین العلما اختلاف ہونا اس ضابطہ کے موافق اُس کے جائز ہونے کی دلیل ہے۔

ثانیاً۔ اس کے علاوہ جبکہ اختلاف مذاہب کی بنا اختلاف دلایل پر موقوف ہے تو سب سے پہلے یہاں یہ امر تحقیق طلب قرار پاتا ہے کہ کیا کوئی دلیل شرعی دیدار دنیوی کی نفی پر نصاً دلالت کرنے والی پائی جاتی ہے یعنی کسی آیت و حدیث میں کیا یہ وضاحت وصراحت ملتی ہے کہ دیدارِ الٰہی آخرت میں تو ہو سکتا ہے لیکن دنیا میں نہیں ہو سکتا۔ جو لوگ دنیا میں دیدارِ الٰہی کا انکار کرتے ہیں نہیں معلوم وہ آخر کس دلیل کی بنا پر کرتے ہیں دیدار دنیوی کی نفی کرنے والی ایسی کوئی صحیح روایت نہیں پائی جاتی البتہ آخرت میں مومنین کو دیدار الٰہی ہونے کی جو روایتیں ملتی ہیں ان سے آخرت میں مومنین کو دیدار الٰہی کا شرف حاصل ہونا ثابت ہوتا ہے مگر ان سے دیدار دنیوی کی نفی لازم نہیں آتی۔ بلکہ آیت شریفہ "من کان فی هٰذه اعمٰی فهو فی الاخرة اعمٰی واضل سبیلا" سے تو یہ حقیقت ظاہر ہوتی ہے کہ آخرت میں دیدار ہونا دنیا میں دیدار ہونے پر موقوف ہے چنانچہ خود مفسرین وعلمائے اہل سنت کے اقوال سے اس کی تحقیق پہلے ہو گئی ہے۔

ثالثاً۔ وہ سب آیتیں جن سے اہل سنت دیدار اخروی پر استدلال کرتے ہیں وہ مطلق ہیں اُن میں آخرت کی قید نہیں ہے وہ دنیا وآخرت دونوں کو شامل ہیں انھی سے دیدار دنیوی بھی مستفاد ہے۔ پس دیدار دنیوی کے ثبوت میں سمعی دلائل تو پائی جاتی ہیں اور اس کی نفی پر کوئی دلیل سمعی نہیں ہے اس سے اختلاف کی حقیقت پر روشنی پڑتی ہے کہ اس سے جواز وعدم جواز کے ہر دو پہلو میں سے جواز کا پہلو زیادہ راجح ہے۔

رابعاً۔ مولف ہدیہ یا جو لوگ بھی آخرت کو محل دیدار الٰہی تسلیم کرتے ہیں اور وقوع دیدار فی الدنیا کو نہیں مانتے ان سے پوچھا جاتا ہے کیا دار آخرت عام طور پر سب کے لئے محل دیدار ہے یا مخصوص اشخاص کے لئے یعنی آخرت میں اہل نار کو بھی دیدار الٰہی نصیب ہوگا یا نہیں۔ اگر یہ کہیں کہ ان کو بھی نصیب ہوگا تو جیسا کہ ظاہر ہے اس سے نصوص قطعیہ کی مخالفت لازم آئے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی نسبت

صاف طور پر "انہم عن ربہم یومئذ لمحجوبون" فرمایا ہے اور اگر اہل نار کو دیدار نصیب ہونے سے انکار کریں تو ثابت ہوا کہ آخرت بذاتہ عام طور پر محل دیدار نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ صفت رویت کو اہل جنت کی آنکھوں میں پیدا کرے گا اور اہل نار کی آنکھوں میں نہیں پیدا کرے گا پس ہم کہہ سکتے ہیں کہ جب مدار کار اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے پر ٹھہرا تو دنیا و آخرت کا فرق و امتیاز اٹھ گیا آخرت کی تخصیص کیا ہے وہ مختار ہے جب اور جہاں چاہے صفت پیدا کرے۔ جس طرح آخرت میں جس کو چاہے یہ قابلیت دے اور جس کو نہ چاہے نہ دے اسی طرح وہ قادر اور مختار ہے کہ دار دنیا میں بھی جس کو چاہے یہ صلاحیت عطا کرے اور جس کو نہ چاہے نہ عطا کرے۔

خامساً۔ مولف ہدیہ یا جو لوگ دنیا میں دیدار الٰہی کے واقع ہونے کا انکار کرتے ہیں کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ رویت دنیادی کے قایل ہونے سے ذات باری تعالےٰ کے لئے جسم۔ جہت۔ زمان و مکان کا اختصاص لازم آجاتا ہے۔ اگر ایسا خیال کرتے ہیں تو یہ ان کے سمجھ کی غلطی ہے کیا وہ باوجود دعویٰ فہم و فراست کے اتنا بھی نہیں جانتے ہیں کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کی ذات جو واجب الوجود ہے کئی اعتبارات سے تمام مخلوقات کے مغایر ہے جو ممکنات سے ہیں اور بالبداہتہ معلوم ہے کہ جو حکم کسی شیٔ کے لئے ثابت ہو وہی حکم اس کی ضد کے لئے ثابت نہ ہوگا ورنہ وہ ضد ضد نہ رہے گا۔ پس ممکنات کی رویت کے وقت جہت و مکان و زمان کی جو تقیید ہوتی ہے وہ خالق ممکنات کی رویت کے لئے نہ ہوگی۔ پس ممکن کا قیاس واجب پر کرنا باطل ہے بلکہ اس کی رویت بغیر مقابلہ و محاذات اور بغیر تحقق مکان و جہات کے ممکن ہے اس لئے کہ اللہ تعالےٰ بے جہت و مکان اپنی ذات کا خود رائی ہے اور بغیر محاذات و زمان و مکان کے تمام مخلوقات و موجودات کو دیکھتا ہے۔ اگر اس کو اپنی ذات اور تمام کائنات کا رائی نہ کہیں تو اس کے لئے صفت رویت سے عجز کے قایل ہونا لازم آئے گا و ہذا باطل قطعاً۔

چونکہ رویت رائی و مرئی کے درمیان ایک نسبت خاصہ ہے کہ اگر ان میں سے ایک کسی جہت میں ہوگا تو بالضرور دوسرے کے لئے بھی جہت لازم آئے گی اور جب یہ بات ثابت ہو جائے کہ ان میں سے کسی ایک کو رویت میں جہت کا لزوم نہیں ہے تو یقیناً دوسرے کی رویت سے بھی جہت کا ارتفاع ہو جائے گا۔ پس جب حق تعالیٰ

بالاتفاق اپنی مخلوقات وکائنات کا بغیر مقابلہ ومحاذات کے رائی ہے تو اس کی مخلوقات بھی بغیر مقابلہ ومحاذات اور بغیر لزوم جہت کے اس کو دیکھنا ممکن ہے۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پس پشت بغیر مقابلہ کے ملاحظہ فرماتے تھے اور سبحانہ تعالیٰ خود اپنی ذات اور کائنات کا بغیر تقید جہت وزمان ومکان رائی ہے فثبت ان رویۃ اللہ بغیر اعتبار الجھۃ والمحاذات ممکنۃ بل واقعۃ فی الدنیا (پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی رویت جہت ومحاذات کے اعتبار کے بغیر ممکن ہے بلکہ دنیا میں واقع ہے۔)

سادسًا۔ یا وہ لوگ جو دیدار دنیاوی کا انکار کرتے ہیں کیا یہ سمجھتے ہیں کہ حاسۂ حادثہ فانیہ کس طرح ذات پاک قدیم ازلی کا ادراک کرسکے گا اس شبہ کا جواب کئی وجوہ سے ہے

۱۔ ادراک اور رویت میں جو فرق ہے اور نفی ادراک سے نفی رویت لازم نہیں آتی یہ بحث پہلے ہو چکی ہے۔

۲۔ تفسیر کبیر میں آیت لا تدرکہ الابصار کے تحت ضرار بن عمر کوفی سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے کہا کہ

ان اللہ لایری بالعین وانما یری بحاسۃ سادسۃ یخلقھا اللہ تعالیٰ یوم القیامۃ	اللہ تعالیٰ آنکھ سے نہیں نظر آئے گا بلکہ ایک چھٹے حاسہ سے نظر آئے گا جس کو اللہ تعالیٰ روز قیامت پیدا کر دے گا۔

پس جس حاسہ سادسہ سے کہ مومنین قیامت میں دیدار الٰہی پر قادر ہوں گے خدا تعالیٰ قادر ہے کہ اسی حاسۂ سادسہ کو دنیا میں مومنین کو عطا کرے اور وہ نعمت دیدار سے دار دنیا میں مشرف ہو جائیں ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

حاسۂ تازہ پیدا کرتا جیسا کہ ضرار بن عمر کوفی کا قول ہے۔ یا اسی حاسۂ بصر میں نئی کیفیت وصلاحیت پیدا کر دینا جیسا کہ محققین اور مہدویہ کا مذہب ہے ایک ایسی بات ہے جس کی حقیقت بیان میں نہیں آسکتی اس کو ناظرین کرام ایک مثال سے قیاس کرسکتے ہیں وہ یہ کہ جنگ بدر میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تین سو سے کچھ زیادہ صحابہ تھے اور اس کے مقابل ابوجہل وغیرہ رؤسائے قریش کے ہمراہیوں کی تعداد ہزار کے قریب تھی چونکہ مومنین کو فتح ونصرت ہونے کا اللہ تعالیٰ کا وعدہ تھا اس لئے مشرکین میں ایسی بینائی قدرتِ کاملہ سے پیدا کر دی گئی کہ وہ مسلمانوں کو جو حقیقت میں

تین سو سے کچھ زیادہ تھے اپنے دو چند دیکھنے لگے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قد کان لکم ایۃ فی فئتین التقتا فئۃ تقاتل فی سبیل اللہ واخریٰ کافرۃ ترونھم مثلیھم رای العین (۳ - ۱۰ - ال عمران)	ان دو گروہوں میں تمہارے لئے اللہ کی قدرت کی نشانی ہے جو باہم گتھ گئے ایک گروہ اللہ کے راستہ میں لڑ رہا ہے دوسرا گروہ کافر ہے جو ان (مسلمانوں) کو اپنے دو چند دیکھ رہا ہے۔

دوسری طرف مسلمانوں کی آنکھوں میں بھی ایسی بینائی پیدا کر دی کہ مشرکین جو بہت زیادہ تھے انھیں کم دکھلائی دئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اذ یریکموھم اذا التقیتم فی اعینکم قلیلاً (۱۰ - ۱ - انفال)	جب تمھاری کافروں سے مڈبھیڑ ہوئی تمھاری نظروں میں ان (کافروں) کو قلیل دکھایا۔

باوجودیکہ رویت حقیقی کی شرطیں یہاں پوری تھیں خدائے قادر نے طرفین میں ایسی رویت پیدا کر دی کہ ہر دو فریق نے برای العین خلافِ واقعہ حسبِ مصلحت الٰہی دیکھا پس وہ بینائی جس سے ذاتِ باری تعالیٰ کی رویت حاصل ہوتی ہے اسی قسم کی پیدائش تازہ ہے جو خدائے کریم کی محض عطا ہے جو بغیر مقابلہ ومواجہت کے حاصل ہوتی ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پس پشت بغیر مقابلہ و مواجہت کے معائنہ فرماتے تھے اور خدائے عالم بغیر مقابلہ وجہت اپنی ذات کو اور تمام مخلوقات کو دیکھتا ہے اور یہ سب کا اتفاقی مسئلہ ہے کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ شرح مواقف میں اسی حقیقت کی طرف اس طرح اشارہ کیا گیا ہے کہ لاخلاف بیننا انہ تعالیٰ یریٰ ذاتہ (ہم میں کسی کو اس میں خلاف نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کو دیکھتا ہے۔

۳ - جواب یہ ہے کہ یہ مسلم ہے کہ حادث من حیث ہو حادث مع بقاء کثافتِ حدث وامکان وآلائشِ تجدد ونقصان رویت سبحان کے لائق نہیں ہوتا ہمارا تو قول یہ ہے کہ رویتِ رب بعینِ رب ہوتی ہے نہ بعین عبد یعنی جب اس کی ذات وصفت اللہ تعالیٰ کی ذات وصفت میں فنا ہو جاتی ہے تو حق ہی حق رہ جاتا ہے اور حق ہی اپنے آپ کو دیکھتا ہے

بے فنائے خود میسر نیست دیدار شما ؎ می فروشد خویش را اول خریدار شما

تفسیر عرائس البیان میں آیت "سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً" کے تحت لکھا ہے۔

اى اسرىٰ من محل الارادة الىٰ محل
المحبة ومن محل المحبة الىٰ محل المعرفة
ومن محل المعرفة الىٰ محل التوحيد
ومن محل التوحيد الى محل التفريد
ومن محل التفريد الىٰ محل الفناء
ومن محل الفناء الىٰ محل البقاء ومن
محل البقاء الىٰ محل الاتصاف ومن
محل الاتصاف الىٰ محل الاتحاد فلم
يبق منه شئ من رسوم الحدوث من
استيلاء القدم على الحدوث واسرىٰ
من روية فعله واياته الىٰ روية
صفاته ومن روية صفاته الىٰ روية
ذاته واشهده مشاهدة جماله
فراى الحق بالحق وصار هناك موصوفا
بوصف الحق فكان صورته روحه و
روحه عقله وعقله قلبه وقلبه
سره فراى الحق بجميع وجوده لان وجوده
صار بجميعه عيناً من عيون الحق
فراى الحق بجميع العيون وسمع خطابه
بجميع الاسماع وعرف الحق بجميع القلوب
حتى فنيت عيونه واسماعه وقلوبه
وارواحه وعقوله فى الحق فنظر الحق
الى الحق لاجله نيابة عنه لان
عيون الحدوثية فنيت فى عيون
الحق وعيون الحق رجعت الى الحق فراى

یعنی سیر کرایا (اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ کو)
محل ارادت سے محل محبت کی طرف اور محل
محبت سے محل معرفت کی طرف اور محل معرفت
سے محل توحید کی طرف اور محل توحید سے محل
تفرید کی طرف اور تفرید سے محل فنا کی طرف
اور محل فنا سے محل بقا کی طرف اور محل بقا سے
محل اتصاف کی طرف اور محل اتصاف سے
محل اتحاد کی طرف پس حدوث پر قدم کے مستولی
ہو جانے کی وجہ سے حدوث کی نشانیوں سے
کوئی چیز باقی نہ رہی اور اسی کے افعال اور اسکی
آیتوں کے دیکھنے سے اس کی صفات کی رویت
کی طرف سیر کرایا اور صفات کی رویت سے
اس کی ذات کی رویت کی طرف سیر کرایا اور اپنے
مشاہدۂ جمال کا مشاہدہ کرایا پس حق کو حق ہی نے
دیکھا اور حق کے وصف سے موصوف ہو گیا اس کی
صورت اس کی روح ہو گئی اور اس کی روح اس کی
عقل اور اس کی عقل اس کا قلب اور اس کا قلب
کا سر ہو گیا پس حق کو اس کے جمیع وجود کے ساتھ
دیکھا کیونکہ اس کا تمام وجود حق کی نہ آنکھوں میں سے
ایک آنکھ بن گیا پس حق کو جمیع عیون سے دیکھا
اور اس کے خطاب کو تمام اسماع سے سنا اور
حق کو جمیع قلوب کے ساتھ پہچانا تا آنکہ اس کے
عیون و اسماع و قلوب و ارواح و عقول سب
حق میں فنا ہو گئیں پس اس کی وجہ سے حق نے
حق کو اس کی نیابت کے طور پر دیکھا اس لئے کہ

الحق الحق وعرف الحق الحق الخ | حدوث کے عیون حق کے عیون میں فنا ہو گئے اور حق کے عیون حق کی طرف رجوع ہو گئے پس حق نے حق کو دیکھا اور حق ہی نے حق کو پہچانا۔

علامہ روز بہان رح کے اس محققانہ قول سے واضح ہے کہ بندہ کی آنکھ حق کو نہیں دیکھتی بلکہ جب اس کی ذات وصفات اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں فنا ہو جاتی ہیں تو حق ہی حق رہ جاتا ہے اور حق ہی اپنے آپ کو دیکھتا ہے اس لئے تفسیر تاویلات میں "لن ترانی" کی یہی توجیہ بیان کی گئی ہے۔ لن ترانی فی حالة الاثنينية و بقاء الانيه وفی درجة الوجود الفانی یعنی دوئی کی حالت اور بقاء خودی کے ہوتے اور وجود فانی کے درجہ میں رہکر تو مجھے نہ دیکھے گا۔

تفسیر تاویلات کے قول کا بھی خلاصہ یہی ہے کہ جب سالک فنا ہو کر بقا باللہ میں پہنچ گیا یعنی تنگنائے تقید سے نکل کر وسعت آباد اطلاق میں جا پہنچا اور وجود دنیوی کے لباس کو سانپ کی کینچلی کے مثل پھینک دیا یعنی فناء الفنا کے ذریعہ وجود موہوبہ حقانی سے سرفراز ہوا وہاں بجز ترانہ" ترانی" کے "لن ترانی" کا کہاں گزر ہے بلکہ مقدمہ بالعکس ہو جاتا ہے کہ" ارنی انظر الیك" کی پر اشتیاق آواز طرف ثانی سے آتی ہے

بلے ہر جا کہ باشد عشق صادق — کند معشوق را مانند عاشق
بصدق آنکس کہ زد در عاشقی گام — بمعشوقی بر آید آخرش نام

تفسیر مدارک میں جو لکھا ہے اس سے بھی یہی مراد ہے۔

لن ترانی بعين فانية بل بالعطاء والنوال بعين باقية۔ | یعنی فانی آنکھ سے تو مجھے نہیں دیکھے گا بلکہ عطا اور بخشش سے باقی آنکھ سے (دیکھیگا)

تفسیر کبیر کا قول بھی اسی اظہار مطلب کے لئے بہت صاف ہے ونحن نقول بموجبه (ہم بھی اسی کے مطابق کہتے ہیں)

قال هذه الابصار وهذه الاحداق مادامت على هذه الصفات التى هى | یہ آنکھ اور یہ حدقے (گوشہ چشم) جبتک انکی وہ صفات باقی رہیں جن سے وہ دنیا میں

موصوفة بها في الدنيا لا تدرك الله تعالیٰ وانما تدرك الله تعالیٰ اذا تبدلت صفاتها وتغيرت احوالها فلِمْ قلتم ان عند حصول هذه التغيرات لا تدرك الله ۔

موصوف ہیں تو اللہ تعالیٰ کا ادراک نہیں کر سکتیں وہ جب ہی خدا کو پا سکتی ہیں جبکہ ان کی صفات بدل جاتی اور ان کے حالات متغیر ہو جاتے ہیں ۔ پس یہ تغیرات حاصل ہو جانے کے بعد پھر تم کیوں کہتے ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کو نہیں پا سکتیں ۔

حضرت امامنا علیہ السلام کا یہ فرمان واجب الاذعان اسی حقیقت کی پردہ کشائی اور ان اقوال سے جو حقیقت ظاہر ہو رہی ہے اس پر مہر صداقت ثبت کرتا ہے جو حضرت نے صدیق ولایت بندگی میاں سید خوندمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خطاب کر کے فرمایا جبکہ آپ نے کہا کہ میری آنکھیں پھوٹ جائیں اگر میں نے مہدی کو دیکھا ہو میں نے خدا کو دیکھا ۔

"آرے برادر سید خوندمیر آنچہ دید بہ تحقیق ست خدائے را خدا می بیند"

بعض ظاہریں اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اس سے تین خدا ہونا لازم آتا ہے لیکن یہ ان کی سمجھ کی غلطی ہے ۔ زیادہ تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے مختصر یہ کہ یہ اسی فنا فی اللہ کے مقام کی طرف اشارہ ہے جس کی توضیح ان مذکورہ اقوال سے ہو رہی ہے بندگی میاں سید خوندمیر رضؓ کے اس قول کی ایک ظاہری مثال آئینہ اور آفتاب کی ہے آئینہ آفتاب کے سامنے رکھکر اسکو دیکھو تو آفتاب ہی آفتاب نظر آتا ہے آئینہ درمیان میں نظر نہیں آتا ۔

سابعاً ۔ اس تمام تحقیق سے دیدار عینی یعنی بچشم سر دیدار ہونے کا مسئلہ بھی حل ہو گیا ہے ۔ اگر کوئی دیدار منامی اور مشاہدۂ قلبی یعنی خواب میں اور بچشم دل دیدار ہونیکے تو قایل ہوں اور دیدار عینی کو تسلیم کرنے میں انھیں تامل ہو تو بقول محققین صوفیا اس کی مزید توضیح یہ ہے کہ یہ دیدار منامی دو حال سے خالی نہیں یا مشاہدۂ قلبی ہوگا یا مشاہدۂ عینی اگر مشاہدہ بالعین کہیں تو وہ ہمارا عین مطلوب و مقصود ہے اور بداہتہ بھی اسی کی شاہد ہے کہ رویت منامی میں مبصر فی المنام مثل مبصر فی الیقظہ کے ہوتا ہے ۔

اور اگر اس کو مشاہدۂ قلبی قرار دیں جیسا کہ بعض محققین کا قول ہے تو اس سے بھی ہمارا مطلب ثابت ہے کیونکہ حس عجز و قصور کا اطلاق آنکھ کی طرف عاید ہو سکتا ہے

وہی قلب کے لئے بھی ہوسکتا ہے اس لئے کہ یہ دونوں آلائش حدوث وتجدد میں متحد ہیں اس اعتبار سے جس طرح آنکھ قاصر ہے قلب بھی عاجز ہے۔ تفسیر "عرائس البیان" میں آیت لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار کے تحت حضرت بائزید" کا قول نقل کیا ہے

ان اللہ احتجب عن القلوب کما احتجب عن الابصار فان اوقع تجلیاً فالبصر والفواد واحد۔	اللہ تعالیٰ جس طرح ابصار سے پوشیدہ ہے قلوب سے بھی پوشیدہ ہے اگر وہ تجلی ڈالے تو بصر (آنکھ) اور فواد (دل) دونوں یکساں ہیں

حضرت محی الدین ابن عربی" فتوحات کے (۶۴) ویں باب میں رویت فی المنام صحیح ہونے کی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

فعلم انہ کلما جاز وقوعہ فی المنام والدار الاخرۃ جاز وقوعہ وتجلیہ فی الیقظۃ والحیوٰۃ الدنیا	پس معلوم ہوا کہ جب (دیدار الٰہی) خواب میں اور دار آخرت میں واقع ہونا جائز ہے تو اس کا بیداری اور حیات دنیاوی میں بھی واقع ہونا جائز ہے۔

ایضاً باب (۳۶۹) میں لکھتے ہیں۔

واذا صح ان العقل یدرک الحق تعالیٰ جاز ان یدرکہ بالبصر من غیر احاطۃ لانہ لا فضل لمحدث علیٰ محدث من حیث الحدوث۔	جب یہ صحیح ہے کہ عقل خدا تعالیٰ کو پا سکتی ہے تو آنکھ بھی اس کو بغیر احاطہ کے پانا جائز ہے اس لئے کہ یہ دونوں حادث ہیں اور ایک حادث کو دوسرے حادث پر حدوث کی حیثیت سے کوئی فضیلت نہیں ہے۔
ایضاً من قال ان الحق تعالیٰ یدرک عقلاً ولا یدرک بصراً فمتلاعب لاعلم لہ بحکم العقل وبحکم البصر ولا بالحقائق علیٰ ما ھی علیہ	جس نے یہ بات کہی کہ حق تعالیٰ کا ادراک عقل سے ہوسکتا ہے اور آنکھ سے نہیں ہوسکتا وہ کھیل۔ بازی۔ کرنے والا ہے اس کو علم عقل اور علم بصر کا اور حقایق کا جس طرح کہ وہ نفس الامر میں ہیں علم نہیں ہے۔

پس دار دنیا میں اور بچشم سر دیدار الٰہی ہونے سے انکار کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے۔
ثامناً۔ آخرت میں دیدار الٰہی ہونے پر اہل سنت متکلمین اور محققین سب متفق ہیں

کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ پس یہ دیکھنا چاہئے کہ آخرت کس کو کہتے ہیں اور دنیا کیا ہے عالم آخرت کا اطلاق بعد موت پر ہوتا ہے اور عالم دنیا قبل موت تک ہے چنانچہ امام غزالی رح نے دنیا و آخرت کی مختصر تعریف یہ کی ہے۔

ان الدنیا والآخرة عبارة عن حالتین فالقریب الدانی منهما یسمی دنیا وهو کل ما قبل الموت والمتراخی المتاخر یسمی آخرة وهو ما بعد الموت (احیاء العلوم)	دنیا اور آخرت دو حالتوں سے مراد ہے ان میں سے قریبی حالت کو دنیا کہتے ہیں اور وہ موت سے پہلے تک ہے اور بعد میں آنے والی حالت آخرت کہلاتی ہے جو موت کے بعد سے ہے۔

پس ثابت ہوا کہ عالم آخرت بعدِ موت کو کہتے ہیں اور دیدارِ الٰہی آخرت میں بعد موت ہو سکتا ہے لیکن موت دو قسم کی ہے ایک موت حیوانی جس کو موت ظاہری کہتے ہیں دوسری موت انسانی جس کو موت معنوی کہتے ہیں۔ ان دونوں کے حالات و نتائج جدا جدا ہیں۔ جو لوگ بموت حیوانی مرتے ہیں ان کے حق میں آخرت بھی دنیا کا حکم رکھتی ہے یعنی ان کے لئے جو محرومی و بے نصیبی دنیا میں لاحق ہے وہی آخرت میں بھی لاحق حال رہے گی کہ "من کان فی هذه اعمیٰ فهو فی الاخرة اعمیٰ واضل سبیلا"

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا فرمان ہے۔

من لم یعرف الله فی الدنیا لا یعرفه فی الآخرة (تفسیر عرائس البیان)	جس نے اللہ تعالیٰ کو دنیا میں نہیں پہچانا وہ آخرت میں نہیں پہچانے گا۔

امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کا یہ فرمان گویا آیت "من کان فی هذه اعمیٰ الآیة" کی تفسیر ہے کہ جو حالت قرب و کمال ہے اگر وہ دنیا میں حاصل نہ ہو تو آخرت میں بھی حاصل نہیں ہو سکتی۔

اس کے مقابل جو شخص حسب فرمان "موتوا قبل ان تموتوا" (یعنی تم مرنے سے پہلے مر جاؤ) بموتِ انسانی مرجاتا ہے تو یہی دنیا اس کے حق میں آخرت کا حکم پیدا کرتی ہے اور جو امور آخرت میں ہونے والے ہیں اسی عالم میں جاری ہوتے ہیں۔ یواقیت کے بحث (۶۱) میں لکھا ہے۔

ان من مات الموت المعنوی بمخالفة	جو شخص اپنے نفس کی مخالفت کر کے معنوی

النفس حتى لم يبق له مع الله اختيار
ولا ارادة لا يعظم تالمه عند طلوع
روحه لانه عجل بموت نفسه حين
قتلها بسيف المجاهدة واما من وافق
نفسه في هواها وشهواتها فيشتد عليه
الالم عند الموت لاجتماع ثلاث الالام
التي فاتته حين لم يجاهد وايضاح
ذالك ان اهل الله لما علموا ان
لقاء الله لا يكون الا بالموت وعلموا
معنى الموت استعجلوه في الحيواة الدنيا
فماتوا في حين الحيات عن جميع حركاتهم
وارادتهم فلما ظهر عليهم الموت في
في حياتهم التي لا زوال لهم عنها حين
ورد عليهم حيث كانوا القوا الله تعالى
فلقيهم وكان لهم حكم من يلقاه
محبا للقائه والى هذا الموت الاشارة
بقوله من اراد ان ينظر الى ميت يمشي
على وجه الارض فلينظر الى ابي بكر
لانه كان ميتا في حياته من حركاته
وسكناته النفسانيه كلها۔

موت سے مرجائے تاآنکہ اس کا کوئی اختیار
اور ارادہ باقی نہ رہے اس کو اس کی روح نکلنے
کے وقت زیادہ رنج والم نہ ہوگا کیونکہ وہ مجا
کی تلوار سے اپنے نفس کو پہلے ہی سے قتل کرکے
مرگیا ہے لیکن جس نے خواہشات وشہوات
نفسانی میں اپنے نفس کی موافقت کی اس پر
موت کے وقت رنج والم شدید ہوگا کیونکہ وہ
تمام آلام جو مجاہدہ نہ کرنے کی وجہ سے اسے
حاصل نہیں ہوئے ہیں وہ سب جمع ہو جائیں گے۔
اس کی توضیح یہ ہے کہ اہل اللہ نے جب
یہ جان لیا کہ اللہ کا دیدار موت کے بغیر حاصل
نہیں ہوتا اور انھوں نے موت کا معنی بھی معلوم
کرلیا تو انھوں نے دنیاوی زندگی ہی میں موت
کو جلد پالیا اور حیات ہی میں اپنے تمام حرکات
اور ارادوں کو چھوڑ کر مرگئے پس جب ان پر
موت ظاہر ہوگی جس سے انھیں گریز نہیں ہے
اور وہ جہاں کہیں رہیں ان پر وارد ہونے والی
ہے تو وہ ان کو اس طرح ملاسئے گی کہ وہ
اس سے ملنے کو پسند کرنے والوں کے حکم میں
ہوں گے رسول اللہ صلعم کے فرمان میں اسی
موت کی طرف اشارہ ہے کہ جو شخص میت کو
زمین پر چلتے پھرتے دیکھنا چاہے ابوبکر کو
دیکھ لے یعنی وہ اپنی حیات ہی میں اپنے کل
نفسانی حرکات وسکنات کو چھوڑ کر میت
ہو گئے ہیں۔

ہر چند دل تو چاہتا ہے کہ اس مقام پر صاف صاف گفتگو کی جائے لیکن یہ خوف ہے کہ کم استعدادوں کے قدم جادۂ اعتدال سے نہ پھسل جائیں کیونکہ ان کی حالت تو اس کے مماثل ہے جو کسی نے کہا ہے۔

نگنجد نور خورشید ازل در ظرف ہر دیدہ ⁂ بآب دیدۂ مرداں نگر تا عکس آں بینی

تو خفاشی ز نور مہ قیاس نور خور می کن ⁂ تر اسود ایں بود گر نور خور بینی زیاں بینی

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر شخص آفتاب کو نہیں دیکھ سکتا اگر کسی برتن میں پانی ڈال کر آفتاب کے سامنے رکھدو تو اس میں آفتاب کا عکس پڑے گا اور تم اس طرح آفتاب کو دیکھ سکیں گے اسی طرح خورشیدِ ازل کا نور ہر دیدہ میں نہیں سما سکتا تم اہل اللہ کے دیدہ کی آب وتاب میں اس خورشید ازلی کا عکس دیکھو۔ تمھاری حالت شپر کے جیسی ہے تم چاند کے نور پر ہی آفتاب کے نور کا قیاس کر لو تمھارے لئے یہی بہتر ہے آفتاب کا نور دیکھو گے تو نقصان ہو گا۔

تاسعاً۔ دیدار کا مسئلہ ولایت کے متعلقات سے ہے لوازمات نبوت سے نہیں ہے۔ چنانچہ "نقد النصوص" شرح فصوص میں ہے کہ "الولایۃ لاتنقطع ابداً" کی شرح میں لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

علم رویت حقایق ولایت سے ہے لوازم نبوت سے نہیں ہے اور ولایت کے مظاہر میں اکمل ترین مظہر خاتم الاولیا ہے جس کا عہدۂ رویت کا دعویٰ کرنا ہے۔

پس اس مسئلہ میں حضرت خاتم الاولیا کا فرمان قطعی حجت ہے کسی دوسری دلیل کی حاجت نہیں ہے۔ اس مسئلہ کو لوازماتِ نبوت و شریعت سے سمجھنا یا محض اصول شرعی پر جانچنا قلب موضوع ہو گا۔

یہ بحث تو علم حقایق و معارف سے تعلق رکھتی ہے۔ شرعی اصول پر بھی حضرت خاتم الاولیا مہدی علیہ السلام نے دیدار دنیوی کا جو دعویٰ فرمایا ہے وہ امر ممکن کا دعویٰ ہے کسی امر محال کا نہیں ہے کیونکہ متکلمین اہل شرع کے نزدیک بھی دنیا میں دیدار الہٰی ممکن اور جائز ہے۔

متکلمین اہل سنت خواب میں اور دل کی آنکھوں سے (بمشاہدۂ قلبی) اور دنیا میں

دیدار حاصل ہونے کے قایل ہیں چنانچہ شرح عقائد اور شرح مواقف کے ان اقوال سے جو اس سے پہلے پیش کئے گئے ہیں یہ ثابت ہے۔

اس سے پہلے یہ بھی تحقیق ہو چکی ہے کہ یہ دونوں صورتیں دیدار دنیوی ہی کی ہیں اور جب یہ جائز ہیں تو بحالت بیداری اور بچشم سر دیدار حاصل ہونے کا انکار کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے

متکلمین اہل سنت میں سے کسی کو اس کا انکار ہو بھی تو اس سے حضرت خاتم الاولیا کے فرمان سے تعارض لازم نہیں آسکتا کیونکہ تعارض کیلئے دونوں قول مساوی الحیثیت ہونا شرط ہے اور یہاں مساوات مفقود ہے اس لئے کہ یہ دونوں قول قوت وضعف میں برابر نہیں ہوسکتے ایک قوی اور قطعی ہے اور دوسرا ضعیف اور محتمل الخطا ہے۔

امام مہدی علیہ السلام کی ذاتِ اقدس بالاتفاق معصوم عن الخطا ہے خود علمائے اہل سنت متکلمین و محققین دونوں فریق امام مہدی علیہ السلام کے معصوم اور لایخطی ہونے پر متفق ہیں۔

صاحب فتوحات شیخ محی الدین ابن عربی نے فتوحات کے (۳۶۶) باب میں لکھا ہے۔

مانص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی امام من ائمۃ الدین یکون بعدہ یرثہ ویقفواثرہ ولایخطی الا المھدی خاصۃ فقد شھد بعصمتہ فی احکامہ کما شھد الدلیل العقل بعصمۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیما یبلغہ من ربہ من الحکم المشروع لہ فی عبادہ۔

حضرت رسول اللہ صلعم نے ائمہ دین میں سے کسی امام کی نسبت جو آنحضرت صلعم کے بعد ہونے والا ہے یہ تصریح نہیں فرمائی ہے کہ وہ آپ کا وارث ہوگا اور قدم بقدم آپ کی پیروی کرے گا مگر خاص مہدی علیہ السلام کے لئے یہ صراحت فرمائی ہے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ (مہدی علیہ السلام) کے لئے اپنے احکام میں معصوم ہونے کی شہادت دی ہے جیسا کہ دلیل عقلی رسول اللہ صلعم کے اپنے احکام میں معصوم ہونے کی گواہی دی ہے

جو آپ خدا کی طرف سے اس کے بندوں کو پہنچاتے ہیں۔

ایضاً۔ قد اخبر علیہ السلام عن المہدی انہ لا یخطی وجعلہ ملحقاً بالانبیاء علیہم السلام فی ذالک الحکم۔۔

حضرت رسول اللہ صلعم نے مہدی کی نسبت یہ خبر دی ہے کہ آپ خطا نہیں کریں گے اور اس حکم میں حضرت نے مہدیؑ کو انبیا علیہم السلام کے ساتھ ملحق فرمایا ہے۔

امام شعرانی نے کتاب " میزان " میں لکھا ہے کہ

المسائل المستخرجۃ من اقوال العلمآء فی کل دور من ادوار الزمان الیٰ ان یخرج المہدی علیہ السلام فیبطل فی عصرہ التقئید بالعمل بقول من قبلہ من المذاھب۔

ہر زمانہ میں علما کے اقوال سے جو مسائل نکالے گئے ہیں ان پر عمل کرنا حضرت مہدی علیہ السلام کے ظہور تک صحیح ہے حضرت کے زمانہ میں حضرت سے پہلے لوگوں کے مذہب پر عمل کرنا باطل ہے جیسا کہ اہل کشف نے اس کی صراحت کی ہے۔

ملا معین الدین نے "دراسات اللبیب" میں لکھا ہے جس کا ملخص یہ ہے۔

صدور الخطاء عن المہدی مستحیل لضرورۃ صدق المخبر صلعم فالرسول والمہدی اشترکا فی استحالہ الخطاء وامتناع صدورہ عنہما عقلاً وخبراً ونقلاً ومثل ھذا لا یوجد فی غیرہ من الاولیاء

مہدیؑ سے خطا صادر ہونا محال ہے کیونکہ مخبر صادق صلعم کا سچا ہونا ضروریات سے ہے۔ پس رسول صلعم اور مہدی علیہ السلام سے خطا صادر ہونا محال و ممتنع ہونے میں دونوں باعتبار عقل و نقل و حدیث مشترک ہیں اور اسکی مثال دوسرے اولیا میں نہیں پائی جاتی۔

امام طحاوی نے حاشیہ در المختار میں لکھا ہے

المہدی لیس بمجتہد لان المجتہد یخطی وھو لا یخطی قط فانہ معصوم فی احکامہ بشہادۃ النبی صلعم وھو مبنی علی عدم جواز الاجتہاد حق

مہدیؑ مجتہد نہیں ہیں اس لئے کہ مجتہد خطا بھی کرتا ہے اور آپ سے کبھی خطا نہیں ہو سکتی کیونکہ آپ رسول اللہ صلعم کی شہادت کی بنا پر اپنے احکام میں معصوم ہیں اور یہ بات انبیا علیہم السلام کے

حق میں اجتہاد جائز نہ ہونے کے مسئلہ پر مبنی ہے۔

ملک العلماء نے شرح مسلم الثبوت میں تحریر کیا ہے ۔

یکون قول الامام محمدن المہدی حجة یخطی مخالفہ۔ | امام مہدیؑ کا قول حجت ہے اور آپ کے خلاف جو اقوال ہوں وہ خطا ہوں گے ۔

تفسیر تاویلات اور نقد النصوص شرح فصوص کے اقوال کا خلاصہ اس سے پہلے نقل کیا گیا ہے کہ امام مہدی علیہ السلام احکام کو اس معدن سے اخذ کرتے ہیں جہاں سے ملک وحی لیتا ہے ۔

خود مولف ہدیہ کو بھی اعتراف ہے کہ

لایخطی بالاتفاق مہدی کی شان ہے یعنی ہرگز خطا نہیں کرے گا (ہدیہ صفحہ)

غرض حضرت امام مہدی علیہ السلام کی عظمت و بزرگی اور معصومیت اور عدم صدور خطا کے باب میں ان مسطورہ اقوال و دلایل کے سوا اور بہت سی عقلی و نقلی وجوہ و دلایل ہیں جن میں سے بعض اس کتاب کے مختلف موقعوں پر درج ہوئی ہیں سب کا استیعاب یہاں خیلے دشوار ہے ۔

اس کے مقابل جو مفسرین و متکلمین اہل سنت دیدار دنیوی کا انکار کریں انہیں سے کسی کی نسبت بھی معصوم ہونے کی شہادت نہیں ملتی ۔ ان کا مدار رائے وقیاس واجتہاد پر ہوگا پس جو حکم " قد یخطی ویصیب " ائمہ مجتہدین کے لئے ہے وہ بدرجۂ اولیٰ ان کو بھی شامل ہوگا اور ان کا مجرد قول موجب قطع ویقین نہ ہوگا اس صورت میں ان کے اقوال کو حضرت امام مہدی علیہ السلام کے فرمان واجب الاذعان کے مقابلہ میں کوئی فروغ نہیں ہوسکتا ۔ کیونکہ ان کے اقوال قول غیر معصوم اور محتمل الخطا ہیں اور امام علیہ السلام کا فرمان قول معصوم اور موجب قطع ویقین ہے لہذا ان دونوں میں تعارض کا تصور ہی صحیح نہیں ہے ۔

مولف ہدیہ کا شیخ عبدالحق کے قول سے استدلال درست نہیں

مولف صاحب ہدیہ نے دیدار الٰہی کی بحث کے ضمن میں ترجمہ مشکوٰۃ کے حوالہ سے شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا قول لکھا اور اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ

سلف وخلف میں سے کسی شخص سے دیکھنا حق سبحانہ کا صحت کو نہ پہنچا اور اولیا ومشائخ طریقت سے کوئی اس کا قابل نہیں ہے اور کسی نے اس امر کا دعویٰ نہ کیا الخ
اس بیان سے بخوبی ثابت ہوا کہ شیخ عبدالحق کے نزدیک دنیا میں رویت بصری سوائے حضرت رسالت کے کسی کے واسطے شدنی نہیں ہے۔

(ہدیہ صفحہ ۱۴۵)

ہم کو یہاں اس سے بحث نہیں کہ مولف ہدیہ نے جن الفاظ وعبارت میں شیخ کا قول بیان کیا ہے وہ اصل کے کس حد تک مطابق ہے یا نہیں مطابقت کی ذمہ داری مولف ہدیہ پر ہے۔ اس کے دیکھنے سے چند امور قابل غور وتامل ثابت ہوتے ہیں۔

اولاً۔ شیخ عبدالحق کا یہ قول خود شیخ ہی کے دوسرے اقوال سے ناموافق وغیر مطابق ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیدار ہوا یا نہیں اس کی کچھ توجیہات بیان کرکے شیخ نے لکھا ہے کہ

"وعلما خود ہمہ متفق اندبر امکان رویت در دنیا وبعد از امکان چہ مانع باشد"

جناب مولوی سید عیسیٰ صاحب نے استفتائے کبیر کے حاشیہ پر اسی باب کی فصل ثالث سے شیخ کا یہ قول لکھا ہے جس کو خود مولف ہدیہ "ہدیہ" میں نقل کیا ہے کہ

در امکان رویت حق در دنیا خود ہیچکس را خلافے نیست واگر دریں مقام انچہ ممکن ست اورا از غایت قرب وکمال نشدہ باشد دیگر کجا وکے حاصل خواہد شد یا دیگر رویت بصری را بالخصوص بدار آخرت وموقوف بآں نشاۃ داشتہ باشد ونیست براں دلیل قاطع۔ وباوجود حصول رویت بصری درینجا بوجہے کہ مناسب ایں نشاۃ باشد تواند کہ بعضی تفاصیل وجود وحالات موقوف بہ نشاۃ آخرت بودہ باشد تا آخر۔

مولف ہدیہ نے اس قول سے انکار نہیں کیا ہے بلکہ اس کو تسلیم کرکے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ یہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ السلام کی رویت کا ذکر ہے

اس سیاق کلام سے اس میں سرورِ کائنات صلعم کی رویت کا ذکر ہی نہیں ہے بلکہ جو دلیل پیش کی گئی ہے وہ تو عام ہے خصوصاً اس قول کے یہ حصے کہ

دنیا میں دیدار الٰہی ممکن ہونے میں کسی کو خلاف نہیں ہے۔

دیدار جو ممکن ہے وہ قرب وکمال کے باوجود دنیا میں اگر حاصل نہ ہو تو پھر کہاں اور کب حاصل ہوگا۔

رویت بصری دار آخرت ہی پر موقوف ہونے پر کوئی دلیل قاطع نہیں ہے۔

ہوسکتا ہے کہ رویت بصری اس نشأۃ دنیوی کے مناسب یہاں حاصل ہو اور بعض وجوہ و حالات کی تفصیلات نشأۃ آخرت پر موقوف رہے۔

یہ وجوہ ایسے عام ہیں جن سے دیدار دنیوی کا صاف اثبات ہوتا ہے اور ہر اس شخص پر منطبق ہیں جس کو بطفیل آنحضرت قرب وکمال حاصل ہو۔

ثانیاً۔ دیدار کا مفہوم رویت منامی اور مشاہدۂ قلبی کو حاوی اور شامل ہے ان صورتوں کا استثنا اور ان میں فرق و امتیاز کئے بغیر مطلق دیدار کسی کو بھی حاصل نہ ہونے کا دعویٰ شیخ سے کس طرح صحیح ہوسکتا ہے۔ جبکہ امام اعظم ابو حنیفہ رح (جن کے شیخ مقلد اور پیرو ہیں) اللہ تعالیٰ کو خواب میں سو (۱۰۰) مرتبہ دیکھنا حنفیہ کے نزدیک ثابت ہے (در المختار)

امام اعظمؒ کے علاوہ اور بہت سے اسلاف کو اسی طرح دیدار منامی حاصل ہونا متکلمین اہل سنت کا مسلمہ مسئلہ ہے جیسا کہ شرح عقائد میں لکھا ہے۔

اما الرویہ فی المنام لقد حکیت عن کثیر من السلف ولا خفاء انہا نوع مشاہدہ تکون بالقلب دون العین۔

لہ۔ ترجمہ۔ خواب میں اللہ کو دیکھنا اکثر اسلاف سے منقول ہوا ہے۔ یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ یہ ایک طرح کا مشاہدہ ہے جو قلب سے ہوتا ہے نہ کہ آنکھ سے۔ ۱۲

پس خواب میں یا مشاہدہ قلبی سے اللہ تعالیٰ کو دیکھنا جبکہ دیدار ہی کی ایک قسم ہے اور اکثر اسلاف کو حاصل ہونا منقول ہے تو یہ کہنا کہ سلف و خلف میں سے کسی شخص کا حق سبحانہ کو دیکھنا صحت کو نہ پہنچا" کبھی صحیح نہیں۔

ثالثاً۔ اولیاء و مشائخ طریقت سے کوئی بھی دیدار کے قایل نہ ہونے کا ادعا تو شیخ سے نہایت تعجب خیز ہے کیونکہ تمام اہل سنت دنیا میں دیدار الہٰی ممکن ہونے کے قایل ہیں البتہ شیعہ اور معتزلہ وغیرہ دنیا و آخرت کہیں بھی دیدار ہونے کے قایل نہیں ہیں۔

اہل سنت میں محققین صوفیہ دنیا میں دیدار منامی دیدار قلبی دیدار بصری سب کے قایل ہیں۔ بعض متکلمین اہل شرع کو صرف دیدار بصری کے وقوع میں تامل ہے۔ وہ اولیا، مشایخ طریقت جو دیدار بصری کے قایل ہیں ان متکلمین کی تردید میں معقول حجتیں پیش کرتے ہیں پھر بغیر استثنا کے اولیا و مشایخ طریقت میں سے کوئی دیدار کا قایل نہیں ہے کہنے سے اس اختلاف مذاہب سے شیخ کی لاعلمی لازم آتی ہے جسکی جوابدہی مولف ہدیہ کے ذمہ عاید ہوتی ہے جو اس قول کے بایں الفاظ و عبارت خود شیخ نے اسی کتاب میں اسی باب کی فصل ثالث میں رویت کے وجوہات بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ

چوں کلام دریں مقام بر طریقۂ علم و نقل بود ہم بریں قدر اقتصار نمودہ آمدہ و نزدیک اہل معرفت و تحقیق درینجا کلامے دیگر است۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ اہل ظاہر کے مسلک کے موافق کہا گیا ہے اہل معرفت و تحقیق کا یہ قول نہیں ہے چنانچہ نزدیک اہل معرفت و تحقیق درینجا کلامے "دیگر است" کا اشارہ اسی طرف ہے کہ وہ اس مسئلہ میں اہل ظاہر کے موافق نہیں ہیں۔

یہ تو خود شیخ کے اقوال سے تقابل کی بحث تھی کہ مولف ہدیہ نے شیخ کا جو قول بیان کیا ہے وہ قول خود شیخ کے دوسرے اقوال سے منطبق نہیں ہے۔ اب اولیاء و مشایخ طریقت کے اقوال دیکھنے سے یہ حقیقت منکشف ہوسکتی ہے کہ وہ دیدار کے قایل ہیں یا نہیں۔ اس مختصر میں ہر زمانہ کے تمام اولیا و مشائخ طریقت کے نام گنانا اور ان کے بے شمار اقوال کا پورا جائزہ لینا ناممکن ہے اس لئے معدودے چند اولیا و مشائخ طریقت کے جو اقوال و احوال اس مختصر میں انکے موقعوں پر لکھے گئے ہیں ان میں سے مثال کے طور پر یہ قول دیکھو

حافظ رح

اٰ۵ — این جانِ عاریت کہ بحافظ سپرد دوست ۔۔۔ روزے رخش ببینم و تسلیم وے کنم ۔

عبداللہ بلیانی رح

۲ — تا حق بدو چشم سر نہ بینم ہر دم ۔۔۔ از پائے طلب من نہ نشینم ہر دم
گویند بچشم سر خدا نتواں دید ۔۔۔ آں ایشانند و من چنینم ہر دم

حضرت عطار رح

۳ — رمز من کان ھٰذہ اعمیٰ ۔۔۔ بشنوید اے خرانِ کودن سار
ہر کہ ایں جا ندید محروم است ۔۔۔ در قیامت ز لذت دیدار

مولف صاحب ہدیہ سے پوچھا جاتا ہے کہ ان اقوال کے قائلین کا دیدارِ الٰہی کے قایل ہوتا اور اس کا دعویٰ کرنا ثابت ہو رہا ہے یا نہیں۔ پھر اولیا و مشائخ طریقت سے کوئی بھی اس کے (دیدار الٰہی) قایل نہیں ہیں کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟
یہ تمام بحث تو شیخ کے قول سے متعلق تھی کہ وہ کس حد تک صحیح اور خود شیخ کے دوسرے اقوال سے کہاں تک مطابق ہے۔ ایسا ہی مولف ہدیہ نے اس قول سے جو نتیجہ نکالا ہے کہ "شیخ کے اس بیان سے بخوبی ثابت ہوا کہ شیخ کے نزدیک دنیا میں رویت بصری سوائے حضرت رسالت کے کسی کے واسطے شدنی نہیں ہے" یہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ مولف ہدیہ نے شیخ کا قول جن الفاظ و عبارت میں بیان کیا ہے اس میں رویت بصری کا ذکر ہی نہیں ہے اور رویت بصری کی یہ نعمت حضرت ختم المرسلین صلعم ہی کے لئے مخصوص ہونے کی بھی صراحت نہیں ہے۔ نتیجہ اصل سے زاید ہے۔ اگر یہ نتیجہ شیخ کے کسی اور قول سے ماخوذ ہے تو وہ یہاں مذکور نہیں ہے۔

اٰ۵ — یہ مستعار جان جو دوست نے حافظ کو دی ہے ایک روز اس کو دیکھ کر اس جان کو تسلیم بھی کر دوں گا۔

۲ — میں جب تک سر کی آنکھوں سے حق کو ہر دم نہ دیکھوں اس کی طلب چھوڑ بیٹھ نہ جاؤں گا۔ لوگ کہتے ہیں کہ حق کو سر کی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے وہ کہنے والے ایسے ہی ہوں تو ہوں میں ہر دم دیکھتا ہوں۔

۳ — من کان فی ھٰذہ اعمیٰ ... اس فرمان حق کے رمز کو اے نادانو سن لو کہ جو شخص یہاں دنیا میں اندھا ہوگا وہ قیامت میں اس کے دیدار کی لذت سے محروم ہے۔

ان سب مباحث سے قطع نظر اگر مولف ہدیہ نے اس قول کا جو معنی سمجھا ہے اس کو صحیح فرض کیا جائے تو اس سے شیخ کی معلومات کا نقص اور شیخ کا یہ قول آیات و احادیث اور محققین صوفیائے کرام کے قول سے صریح مخالف ہونا لازم آئے گا اور اس صورت میں ظاہر ہے کہ شیخ کے اس قول سے وہ تمام دلائل تو جن سے ویدار کا مسئلہ اور اس کے سب متعلقات ثابت ہیں کبھی ساقط نہیں ہو سکتے بلکہ خود شیخ کا یہ قول ان کے خلاف ہونے کی وجہ سے ساقط ہو جائے گا۔

دلیل ہفدہم اخلاق

مولف صاحب ہدیہ نے اخلاق کو سترھویں دلیل قرار دیا ہے اس ضمن میں انھوں نے جو کچھ لکھا ہے اس کی تقسیم اس طرح ہو سکتی ہے کہ یا تو وہ تمہیدی مباحث ہیں یا اصل اعتراضی مباحث جن کو انھوں نے (خاکش بدہاں) بدخلقی سے تعبیر کیا ہے تمہیدی مباحث میں بھی کئی مسائل زیر بحث آئے ہیں۔ ہم بھی انھی کی ترتیب کے مطابق پہلے ان کے تمہیدی مباحث کے مختلف مسائل سے ترتیب وار بحث کرتے رہیں چنانچہ انھوں نے سب سے پہلے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔

> یہ دلیل مہدویوں کی عمدہ شواہد اور طرۂ دلائل ہے کہ اسی مہدویت شیخ جونپور کا بڑا مدار و قرار ہے اور سب سے اول عبد الملک سجاوندی کو یہ تدبیر سوجھی کہ سب احادیث نبویہ شیخ کے سراسر مخالف ہیں ان سے استدلال مشکل ہے تو اخلاق سے استدلال کیا جائے۔ (ہدیہ ص ۱۴۵)

مولف صاحب "ہدیہ" کا یہ قول بھی کئی وجوہ سے صحیح نہیں ہے۔

اولاً۔ احادیث نبویہ امامنا مہدی موعود علیہ السلام کے سراسر مخالف ہونے کا دعوی خود صریح غلط ہے کیونکہ اس سے پہلے جو تحقیق کی گئی ہے اس سے ثابت ہو گیا ہے کہ وہ علامات جو تواتر معنوی کی حد کو پہنچی ہوئی احادیث سے ثابت ہیں وہ سب امامنا علیہ السلام پر پوری صادق ہیں جیسے امام مہدی علیہ السلام کا فاطمی النسب ہونا۔ امام علیہ السلام کا ہمنام رسول اللہ اور آپ کے والد ماجد کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد کے ہمنام ہونا وغیرہ۔

جن روایتوں کو مولف ہدیہ امام علیہ السلام کے حالات سے غیر مطابق ہونا سمجھے

اور بیان کر رہے ہیں وہ یا تو مولف ہدیہ کی غلط فہمی ہے کہ انھوں نے اصل روایت کا مفہوم و معنی غلط سمجھا ہے یا وہ روایتیں خود اہل سنت محدثین کے اصول پر غیر صحیح اور ناقابل استدلال ہیں چنانچہ مولف ہدیہ کی پیش کردہ بعض روایتوں کی یہی صورت ہے کہ وہ قول نبی صلعم نہیں ہیں بلکہ وہ حدیث موقوف و مقطوع ہیں۔ اور اصول حدیث کے نظر کرتے قابل حجت اور موجب وثوق و یقین نہیں ہیں۔ اس کے باوجود ہم نے اُن روایتوں کو بھی امامنا علیہ السلام کے حالات سے مطابق کر دکھایا ہے جس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں ہے ناظرین کرام ان کے موقعوں پر ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

ثانیاً۔ امام مہدی علیہ السلام کی مہدیت کا مدار و قرار صرف اخلاق ہی پر منحصر ہونا بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ ثبوت مہدیت کی جو علامات و شرائط مخبر صادق صلعم سے امام مہدی علیہ السلام کی شان میں صحیح ذرایع سے وارد ہوئی ہیں ان میں امام مہدی علیہ السلام کا اوصاف و اخلاق محمدی سے متخلق و متصف ہونا بھی ایک علامت ہے۔ جیسا کہ ابو نعیم اور طبرانی نے حذیفہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً امام مہدی علیہ السلام کی نسبت "خلقہ خلقی" (مہدی کے اخلاق میرے اخلاق ہوں گے) روایت کی ہے اور اس کے علاوہ اسی کے معنی اور بھی روایتیں ضرور ہیں لیکن اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ صحت دعویٰ مہدیت کا انحصار صرف اخلاق ہی پر ہے اور دوسری علامتیں قابل لحاظ ہی نہیں ہیں۔

ثالثاً "سب سے اول حضرت عبدالملک سجاوندی مصنف سراج الابصار کو یہ تدبیر سوجھنا بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ تدبیر تو آپ سے کئی سو سال پہلے متقدمین علمائے اہل سنت کو سوجھی ہے کہ انھوں نے حضرت رسالتماب محمد مصطفیٰ صلعم کی نبوت و رسالت ثابت کرنے کے لئے یہی تدبیر اختیار کی ہے چنانچہ سراج الابصار میں شرح عقائد نسفی۔ تفسیر رحمانی۔ طوالع۔ نیشاپوری۔ کاشف المعانی وغیرہ متعدد کتابوں سے جو اقوال نقل کئے گئے ہیں ان سب کا جز مشترک یہی ہے کہ حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم بھی حضرت کی نبوت و رسالت کی دلیل ہیں انھی اقوال میں سے مولف ہدیہ نے بعض اقوال کا خلاصہ ہدیہ میں نقل کیا ہے مثلاً قول طوالع تا یہ خلاصہ لکھا ہے۔

اخلاق عظیمہ صدق حضرت رسالت مآب پر شاہد تھے جیسا کہ ملازمت صدق
اعراض دنیا سے تمام عمر اور سخاوت اس درجہ پر ایک روز کے قوت سے
زیادہ کبھی نہ رکھا اور شجاعت اس حد پر کہ کبھی قدم نہ ہٹا اگرچہ مثل احد
کے واقعہ ہولناک سامنے آیا اور فصاحت اس درجے پر کہ تمام بلغا و
فصحاء عرب کو ساکت کر دیا اور اصرار دعوی پر باوجود تحمل مشاق
ستون کے اور ترفع اغنیا سے اور تواضع سات فقرا کے اجتماع ان
صفات کا اس ذات اطہر میں اعظم معجزات اور قوی دلالت نبوت
و رسالت سے ہے (ہدیہ ص ۳۹)

جناب مصنف سراج الابصار نے ان اقوال کے نقل کرنیکے بعد بطور نتیجہ لکھا ہے۔

فانظر ایہا المنصف اذا کان استدلال ارباب البصائر بالاخلاق الحمیدۃ والاوصاف المحمودۃ فی اثبات النبوۃ فای مانع لک من الاحاد الظنیۃ فی اثبات امر دونہا بالاخلاق لشخص بہاقنہا ونقیضہا الخ

منصفو! دیکھو جب کہ ارباب بصیرۃ کا اخلاق حمیدہ اور اوصاف محمودہ سے اثبات نبوت کے لئے استدلال کرنا صحیح ہے تو ایک ایسے شخص کیلئے جو انہی اخلاق سے پورے پورے متصف ہو ایک ایسے امر کو ثابت کرنے میں جو نبوت سے کم ہو تمھیں کون امر مانع ہے۔

ایضا فانظر ایہا المنصف اذا وجد شخص یدعی امراً ممکنا دون امر النبوۃ متصفا باوصاف توجب تصدیق مدعی النبوۃ فی زمانہا توجب تصدیقہ وترک المعارضۃ بالاحاد الظنیۃ

منصفو! دیکھو کہ جب کوئی شخص ایک امر ممکن کا دعوی کرے جو امر نبوت سے کم ہو اور وہ شخص ان اوصاف سے متصف ہو جن سے زمانہ نبوت میں ایک مدعی نبوت کی تصدیق کرنا واجب ہو جاتا ہو تو ایسے شخص کے دعوی کو سچا جاننا اور احادیث کو (جو مفید ظن ہیں) پیش کرکے اس سے معارضہ نہ کرنا بھی واجب ہے۔

پس ثابت ہوا کہ جب مصنف صاحب سراج الابصار سے بہت پہلے
متقدمین علمائے اہل سنت نے اخلاق حمیدہ کو اثبات نبوت و رسالت کے لئے

بہترین دلیل گنا ہے اور جناب ممدوح نے جہاں احادیث متواترۃ المعنی اور آثار صحیحہ اور علامات معتبرہ عندالائمہ سے حجت لی ہے وہیں ان علمائے متقدمین کی تتبع و نظافت میں اخلاق حسنہ کو بھی امامنا مہدیٔ موعود علیہ السلام کے صدق دعوی کی دلیل قرار دیا ہے تاکہ کسی جہت سے بھی کسی کو شک وشبہ باقی نہ رہے۔

مولف ہدیہ نے سراج الابصار کے ان مباحث کا ہدیہ میں اقتباس کرنے کے بعد بہت طول کلامی کی ہے مثلاً علم اخلاق کے بعض مسائل کی تلخیص کی ہے اسی طرح اخلاق حسنہ کسی غرض فاسد موہوم پر مبنی ہوں یا کوئی خلق حسن اپنی حد سے متجاوز ہو جائے تو خلق مذموم بن جانا وغیرہ لاطائل بحثیں کی ہیں جن میں کوئی بحث ہی نہیں ہے اور ایسے احتمالات پیش کئے ہیں جو کسی معاند و مخالف کی طرف سے انبیاء علیہم السلام کے اخلاق کی نسبت بھی عاید کئے جا سکتے ہیں اور ان کا جواب دیا جائے بعینہ وہی جواب یہاں بھی منطبق ہو سکتا ہے غرض ہم مولف ہدیہ کے ایسے لاطائل بیانات پر کوئی تنقید و تبصرہ کرنے سے اعراض کرکے انھوں نے اس کے بعد "آمدم برسرمطلب" کہکر جو بحث شروع کی ہے اس کی جانب متوجہ ہوتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے۔

مدار واصلی ومحک ومقیس علیہ واسطے تمیز وشناخت اخلاق حسنہ کے اخلاق وسیرت محمدی اور شریعت آنحضرت کی ٹھہری کہ اول یہ بات ثابت ہو جائے کہ اخلاق اس شخص کے موافق کتاب وسنت کے ہیں تب وہ اخلاق اس کی ولایت کی دلیل ہوں گے۔ پس کتاب وسنت کے مطابق اخلاق ہونے پر ولایت کا ثبوت موقوف ہوا۔ اب شیخ جونپوری کو دیکھو وہ بولتے ہیں کہ جو حدیث اس بندے کے حال کے موافق ہو وہ صحیح ہے اور جو حکم و بیان کہ تفاسیر وغیرہ میں مخالف بیان اس بندہ کے ہے وہ صحیح نہیں ہے۔

جو بیان و اعمال اس بندے کے ہیں وہ تعلیم خدا اور اتباع مصطفٰے سے ہیں۔ اگر کوئی چاہے کہ ہمارا صدق معلوم کرے چاہئے کہ کلام خدا اور اتباع رسول علیہ السلام سے ہمارے احوال و اقوال میں ڈھونڈے اور فہم کرے۔ انتہی (ہدیہ ص ۵۳۱)

مولف ہدیہ نے حضرت امامنا مہدی علیہ السلام کے اخلاق حسنہ سے انکار کرنے کی گویا یہی ایک وجہ قرار دی ہے کہ حضرت نے احادیث اور تفاسیر کی صحت اپنے احوال و بیان کی موافقت پر موقوف رکھی ہے اور بزعم خود اس کو اپنی تقاریر میں بہترین حجت سمجھا اور ہدیہ کے متعدد مقامات پر اس کو مکرر مکرر ذکر کیا ہے اور یہاں بھی کسی قدر تفصیل و تشریح کے ساتھ اس کا اعادہ کیا اور یہ اضافہ کیا ہے "کہ یہ دور محال کی صورت ہے اس لئے آپ کے اخلاق حسنہ ثابت نہیں ہوسکتے"۔

اس سے پہلے جہاں مولف ہدیہ نے یہ بحث چھیڑی ہے ہم نے اس مسئلہ کے بعض پہلو واضح کئے ہیں جن سے اس تقریر میں جو فروگزاشتیں اور غلط فہمیاں اور غلط بیانیاں مولف ہدیہ سے ہوی ہیں (ص ۳۵۵ تا ص ۳۵۰) پر روشنی پڑتی ہے ہم یہاں اولاً انہی توضیحات کا خلاصہ پیش کرنا مناسب سمجھتے ہیں جو امامنا علیہ السلام کے اس فرمان سے تعلق رکھتی ہیں اور بعد میں مولف ہدیہ کے دَور محال کے دعوئی باطل سے بحث کریں گے۔

۱- مولف ہدیہ نے حضرت امامنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وہ اصل فرمان نقل نہیں کیا ہے جس پر ان کے یہ شکوک وشبہات مبنی ہیں بلکہ اصل فرمان میں تحریف لفظی ومعنوی کرکے اس کو اپنے الفاظ وعبارت میں بیان کیا ہے اور خود انہی کا ایک بیان دوسرے بیان سے کچھ مختلف بھی ہے۔

۲- حضرت امامنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اصل فرمان جو رسالہ "عقیدہ" میں روایت کیا گیا ہے اور جس پر مولف ہدیہ کی یہ سب تقریر اور یہ تمام شکوک وشبہات مبنی ہیں یہ ہے۔

ہر کسیکہ وے را باحادیث پیش حجت آمد فرمود کہ در
احادیث اختلاف بسیار است و ایں صحیح شدن مشکل است
ہر حدیثیکہ موافق باکتاب خدا و حالِ ایں بندہ باشد آں صحیح است

یعنی جن لوگوں نے امامنا علیہ السلام سے کچھ حدیثیں پیش کرکے حجت کی تو آپ نے فرمایا کہ احادیث میں اختلاف بہت ہے اور یہ صحیح ہونا مشکل ہے جو حدیث اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس بندے کے حال سے

مطابق ہو وہ صحیح ہے۔

یہ اصل فرمان کا آئینہ ناظرین کرام کے سامنے موجود ہے مولف صاحب ہدیہ کی فروگزاشتوں و غلط فہمیوں اور غلط بیانیوں کو اس آئینہ کے مقابل رکھکر ان کے خد و خال دیکھ سکتے ہیں۔

۳۔ اصل فرمان میں احادیث کے مختلف ہونے کی اور ان کی صحت مشکل ہونے کی قید اور صراحت موجود ہے جس سے یہ فرمان خاص مختلف فیہا اور غیر صحیح احادیث سے متعلق ہونا اور جو احادیث صحیح اور متفق علیہ ہوں جیسے احادیث متواتر المعنی وہ احادیث اس فرمان سے مستثنیٰ ہونا ثابت ہو رہا ہے لیکن مولف ہدیہ نے اس فرمان کا مفہوم صحیح و غیر صحیح اتفاقی و اختلافی سب احادیث کے لئے عام بتایا ہے چنانچہ لکھا ہے کہ

عقیدہ ہفتم یہ کہ جو احادیث رسول خدا و تفاسیر قرآن اگرچہ کیسی ہی روایات صحیحہ سے مروی ہوں لیکن شیخ جونپور کے بیان و احوال سے مقابل کرکے دیکھنا اگر مطابق ان کے احوال کے ہو دیں صحیح جانتا ورنہ غلط جاننا (ہدیہ ص ۵)

اصل فرمان میں "کیسی ہی صحیح روایات سے مروی ہونا" کہاں مذکور ہے یہ مولف ہدیہ کی ایجاد ہے جس سے اصل فرمان کی گویا تحریف معنوی کردیگی ہے ایسا ہی "ورنہ غلط جاننا" بھی نہیں ہے یہ بھی مولف ہدیہ کی ایزاد ہے جو تحریف لفظی کو پہنچ گئی ہے۔

۴۔ جس فرمان کا مولف ہدیہ نے خلاصہ لکھا ہے اس میں صراحت ہے کہ جو حکم و بیان کہ تفاسیر وغیرہ میں مخالف بیان اس بندہ کے ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ گویا اقوال مفسرین اور بیان امامؑ کا تقابل ہے۔

لیکن مولف ہدیہ نے یہی حکم کتاب اللہ سے متعلق کردیا ہے جو بے اصل بہتان ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ کتاب و سنت کو اپنے مطابق ہونا چاہتے ہیں (ہدیہ ص ۱۵۳) ایضاً کلام خدا کو اپنی خواہش کے تابع چاہتے ہیں (ہدیہ ص ۱۵۳)

کتاب اللہ یا کلام اللہ کا اپنے بیان کے موافق ہونا کہیں نہیں کہا گیا ہے بلکہ تفاسیر وغیرہ کی صحت اپنے بیان کی موافقت پر موقوف قرار دیگئی ہے اور یہ بالکل صحیح ہے کیونکہ تفسیر مفسرین کے اقوال ہیں اور اہل سنت کے نزدیک تمام مفسرین غیر معصوم ہیں اور

امام مہدی موعود علیہ السلام کی ذات اقدس باتفاق اہل سنت و مہدویہ معصوم عن الخطا اور خلیفۃ اللہ ہے اور قول معصوم۔ غیر معصوم کے قول کی صحت کا معیار ہونا کئی وجوہ سے اصول مسلمہ ہے۔ اس کے علاوہ حضرت امام علیہ السلام نے اپنے قول وفعل کی صحت بھی کتاب اللہ کے موافق ہونے پر موقوف رکھی ہے جس کا بیان آگے ذرا شرح وبسط سے کیا گیا ہے۔

۵۔ مولف ہدیہ نے تفسیر یا اقوال مفسرین کی نسبت کئی طرح سے غلط فہمی وغلط بیانی کے مظاہرے کئے ہیں۔

کہیں مسلمانوں کو احادیث کے جیسا تفسیر پر بھی عمل کرنا ضروری کہا ہے حالانکہ احادیث صحیحہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل کو کہتے ہیں لیکن تفاسیر مفسرین کی ذاتی رائے وبیان ہیں دونوں کا ایک حکم کسی طرح نہیں ہے۔

کہیں مولف ہدیہ نے مطلق تفسیر کو عین بیان خدا ورسول ہونا کہدیا ہے اور کسی مفسر یا کسی فرقہ کی تخصیص نہیں کی ہے حالانکہ

ایسا کہنا کئی وجوہ سے صحیح نہیں ہے کیونکہ تفسیر القرآن بالقرآن اور تفسیر القرآن بالحدیث تو عین بیان خدا ورسول ضرور ہیں لیکن تمام مفسرین کی تفسیروں کو بلاتخصیص مطلقاً عین بیان خدا ورسول کہنا کسی طرح صحیح نہیں کیونکہ مفسرین اہل سنت کے نزدیک معصوم عن الخطا نہیں ہیں اس لئے ان کے بیان میں خطا وغلطی کا احتمال ہے ان کے بیان کو عین بیان خدا ورسول کہیں تو بیان خدا ورسول محتمل الخطا ہونا لازم آئے گا۔

تفاسیر میں بہت اختلافات بھی پائے جاتے ہیں ایسا کہنے سے بیان خدا ورسول باہم مختلف ہونا لازم آئے گا۔

ہر فرقہ کی تفسیریں جدا جدا ہیں ایک کی مطابقت دوسری کی مخالفت کو مستلزم ہے ایسی صورت میں اول یہ فیصلہ کرنا ہوگا کس فرقہ کی کونسی تفسیریں عین بیان خدا ورسول ہیں اور کس فرقہ کی نہیں ہیں۔ مثال کے طور پر اس صورت میں فرقہ معتزلہ، شیعہ کی تفسیروں کو بھی عین بیان خدا ورسول کہنا ہوگا اور اہل سنت کو ان کا قول بھی تسلیم کرنا فرض ہوگا کیونکہ وہ بھی تفسیریں ہیں جن کو بہت سے عین بیان خدا اور رسول ہونا مولف ہدیہ کے استدلال قول سے لازم آتا ہے جو اہل سنت کی تفسیروں کے بھی خلاف ہے۔

غرض مولف ہدیہ خود اہل سنت کے اصول کو چھوڑ کر مہدویہ کی کاوش میں

دور بھٹک گئے ہیں۔

۶۔ مولف ہدیہ نے اس فرمان کا شانِ نزول کیا ہے، یہ بھی نہیں بیان کیا اور اس سے کوئی بحث نہیں کی ہے حالانکہ شانِ نزول سے بھی کلام کے منشا و مفہوم کی توضیح ہوتی ہے جیسا کہ پہلے لکھا گیا ہے اس فرمان کے شانِ نزول کے لحاظ سے اس کی تحقیق یہ ہے کہ بعض معاندین نے امام مہدی علیہ السلام کے مقامِ ظہور و زمانِ ظہور وغیرہ علامات سے متعلق بعض غیر صحیح احادیث پیش کر کے حجت کی تو حضرت نے اس موقع پر ارشاد فرمایا کہ "احادیث میں اختلاف بہت ہے ان کا صحیح ہونا مشکل ہے جو حدیث کتاب اللہ اور بندہ کے حال سے مطابق ہو وہ صحیح ہے۔"

اس کی توضیح یہ ہے کہ امام مہدی علیہ السلام کی علامات کے متعلق جس قدر احادیث محدثین نے جمع کی ہیں ان میں بعض غیر صحیح اور بعض بلحاظ مضمون و مفہوم باہم متضاد بھی ہیں۔ ظاہر ہے کہ غیر صحیح احادیث کا اور دو باہمی متضاد مضامین کا صحیح ہونا مشکل ہے کیونکہ دو متضاد باتوں میں سے کوئی ایک صحیح ہوگی اور ایک غلط۔ دونوں صحیح نہیں ہوسکتیں۔ ایسی صورت میں نبی مبشر یا امام موعود کے ظہور کے وقت اس کے حال سے جو خبر مغیب مطابق ہوگی وہی صحیح ثابت ہوگی اور جو مطابق نہ ہوگی وہ غیر صحیح سمجھی جائے گی۔ جس کی مثالیں ان اخبار مغیب میں بھی ملتی ہیں جو حضرت خاتم الانبیاء والمرسلین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت توریت اور دوسرے انبیاء کی کتابوں میں موجود ہیں ان میں آپ کے مقامِ بعثت "فاران" کے تعین میں اختلاف ہے۔ یہ بنی اسرائیل اولادِ اسحاق علیہ السلام یا اولادِ اسمٰعیل علیہ السلام سے ہونے میں اہل اسلام سے یہود و نصاریٰ مختلف القول ہیں علمائے اہل اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و ظہور کے حالات کی مطابقت ہی کو اس اختلاف کا صحیح فیصلہ تصور کرتے ہیں۔ عہ

عہ۔ علامہ مجیب کے اس بیان کی مختصر توضیح یہ ہے کہ توریت میں ان (بنی اسرائیل) کیلئے ان کے بھائیوں میں سے موسیٰ علیہ السلام کے جیسا نبی مبعوث کرنے کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اور اسی میں نبی کے ظہور کا مقام فاران بتایا گیا ہے ... علمائے اسلام کا قول ہے کہ بنی اسرائیل اسحاقؑ کی اولاد ہیں

اسی طرح امام مہدی علیہ السلام کے مقام ظہور و زمانۂ ظہور کی نسبت جو اختلافِ روایات ہے یا آپ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہما کی اولاد سے ہونے اور اس کے مقابل اولادِ عباس رضی اللہ عنہ سے ہونے کی متضاد روایتیں وارد ہیں ان کی صحت کا فیصلہ بھی امام مہدیٔ موعود کے حال کی مطابقت سے ہو سکتا ہے چنانچہ امامنا علیہ السلام نے جو بنی فاطمہ سے ہیں مہدیٔ موعود ہونے کا دعویٰ فرمایا ہے اور بنی عباس سے کوئی شخص مہدیت کا دعویٰ نہیں کیا۔ پس ثابت ہوا کہ مہدیؑ فاطمی ہونا ہی صحیح ہے عباسی ہونا صحیح نہیں ہے۔ اس فرمانِ مذکور میں اس مطابقت و موافقتِ احوال کی طرف اشارہ ہے کہ جو روایت بندہ کے احوال سے مطابق ہو وہ صحیح ہے اور جو مطابق نہ ہو وہ صحیح نہیں۔

۷۔ ایسا ہی کتاب خدا سے حدیث کا مطابق ہونا علامات امام مہدی علیہ السلام سے بھی متعلق ہے کیونکہ بعض لوگوں نے بعض احادیث کا غلط معنیٰ کر کے یا بعض غیر صحیح احادیث کی بنا پر تمام خلائق کا ایمان لانا امام مہدی علیہ السلام کی علامات میں شمار کیا ہے حالانکہ یہ قرآن شریف کے صریح خلاف ہے اس لئے یہ صراحت فرما دی گئی ہے کہ امام مہدی علیہ السلام کی علامات کی احادیث بھی کتابِ خدا کے مطابق ہونا شرط ہے۔

غرض اس روایت کے شانِ نزول کے نظر کرتے جو خود سیاقِ کلام سے صاف متبادر ہے امام علیہ السلام کے حال سے مطابق احادیث صحیح ہونے کا مضمون علاماتِ مہدی علیہ السلام سے مخصوص ہونا ثابت ہو رہا ہے لیکن مولف ہدیہ نے اس کو عام سمجھا

بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۷۵ — اس لئے بنی اسرائیل کے بھائی اسمٰعیلؑ کی اولاد ہیں لہٰذا وہ نبی بنی اسمٰعیل سے ہونا چاہئے۔ اور فاران مکہ کے اطراف و جوانب کی پہاڑیوں کا نام ہے۔

علماء یہود و نصاریٰ کا قول ہے کہ وہ نبی بنی اسرائیل سے ہوگا اور فاران سے مراد کوئی اور مقام ہے۔

علمائے اسلام اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ تم جس کو فاران کہتے ہو اس مقام سے ان بنی اسرائیل سے اب تک موسیٰ علیہ السلام کے جیسا کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا۔ انبیاء بنی اسرائیل میں سوائے عیسیٰؑ کے کوئی صاحب شریعت نہیں ہے اور عیسیٰؑ نہ ذاتی حالات میں موسیٰؑ سے مشابہ ہیں اور نہ آپکی شریعت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی جیسی معاملات اور حدود و کفارات وغیرہ کے احکام پر مشتمل ہے جبکہ اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد سے اور مکہ سے

اور عام بیان کیا ہے جو شانِ نزول کے ذکر کرتے صحیح نہیں ہے ان کو اصل فرمان کے شان نزول اور اصل فرمان کے سیاق کلام کا لحاظ کرنا ضروری تھا۔

۸۔ ان تمام وجوہ و اسباب کے علاوہ امام مہدیٔ موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معصومیت اور شان خلیفۃ اللّٰہی کے اعتبار سے بھی اس اہم مسئلہ کو اہل سنت کے اصول پر جانچا جائے تو یہ صورت قوی و ضعیف روایت کی سی ثابت ہوتی ہے یعنی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بوسائط کثیرہ ہم تک پہنچی ہیں اور جن راویوں کے ذریعہ پہنچی ہیں وہ سب کے سب بقول اہل سنت غیر معصوم ہیں اسی لئے احادیث متواترہ کے سوا باقی تمام حدیثیں مفید ظن ہیں اور ان سے قطع و یقین کا فایدہ حاصل نہیں ہوتا۔

ان راویوں کے مقابل مہدی علیہ السلام کی ذات اقدس بالاتفاق خلیفۃ اللہ اور معصوم ہے جس کو اللہ تعالیٰ اور روح رسول اللہ صلعم سے بلا واسطہ معلومات حاصل ہیں۔ یہ بھی سب کا متفقہ مسئلہ ہے کہ غیر معصوم کی روایتوں کی صحت معصوم کی روایت کی مطابقت سے ہوگی بصورت مخالفت معصوم کی روایت کے مقابل میں غیر معصوم کی روایتیں مرجوح ہوں گی۔ اگر قول معصوم کی صحت کا معیار غیر معصوم کی روایت کو قرار دیا جائے تو یہ قلب موضوع ہو جائے گا۔

گویا اس مسئلہ کی صورت قوی و ضعیف روایتوں کے مقابلہ کی سی ہے یعنی جس طرح ضعیف اور مطعون راویوں کی روایات قوی اور ثقہ راویوں کی روایت کے مقابلہ میں غیر صحیح قرار دی جاتی ہیں اسی طرح عام راویوں کی روایت جو غیر معصوم ہیں امام مہدی علیہ السلام کی تحقیق کے مقابلہ میں غیر صحیح ٹھہرے گی۔ مولف ہدیہ نے اس کو توہین حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھا ہے اور ناظرین کو بھی یہی باور کرانیکی لاحاصل کوشش کی ہے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۷۸ — حضرت محمد صلعم کا ظہور ہوا جو باعتبار شریعت اور ذاتی حالات کے موسیٰ علیہ السلام سے پورے مشابہ ہیں تو اس سے یہ فیصلہ ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کے بھائیوں سے اسمٰعیل کی اولاد ہی مراد ہے اور فاران سے مکہ اور اس کے اطراف و جوانب ہی متعین ہونا صحیح ہے اور محمد صلعم ہی اس بشارت کے مصداق ہیں ۱۲۔
شہاب بن نعمۃ غفرلہما

جو ان کی غلطی ہے ۔

خبر معصوم غیر معصوم اشخاص کی روایت کے مقابلہ میں مرجح ہونے کی ایک واضح مثال یہ بھی ہے کہ اسرائیلیات یعنی انبیائے سابقین یا سابقہ امتوں کے حالات و واقعات یا عقائد و اعمال جو قرآن و احادیث میں مذکور ہیں وہ مسلمانوں کے پاس قابل وثوق ہیں اور جو بلا واسطہ رسول اللہ صلعم صرف اہل کتاب کی روایتوں سے منقول ہوئے ہیں وہ ویسے مفید قطع و یقین نہیں ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ جن ذرایع سے وہ روایتیں منقول ہوتی آئی ہیں وہ محرفین و وضاعین کے تصرف سے محفوظ نہیں ہیں اس کے مقابل حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ملہم من اللہ اور مہبط جبرئیل ہے اس جہت سے حضرت کے ذریعہ سے دی ہوئی خبر و اطلاع ضرور قابل وثوق ہے ۔

یہ صورت بھی ایسی ہی ہے کہ آئمہ محدثین نے اگرچہ احادیث کی تحقیق و تحفظ میں بقدر طاقت بشری کچھ کوتاہی نہیں کی لیکن پھر بھی وہ خود اہل سنت کے نزدیک سہو و خطا سے معصوم نہیں ہیں یہی وجہ ہے کہ احادیث میں وضاعان حدیث کے تصرف سے جو اختلاط عظیم واقع ہوا وہ کسی پر پوشیدہ نہیں ہے اس کے مقابل امام مہدی علیہ السلام کو خلافت الہی کی جہت سے اللہ تعالیٰ اور روح رسول اللہ صلی اللہ علیہ علیہ وسلم سے بلا واسطہ جو معلومات حاصل ہیں وہ اس نقص سے پاک اور قابل وثوق ہیں چنانچہ اس مسئلہ پر عقیدہ مقتضم میں اور دوسرے موقعوں پر تشریح و توضیح کے ساتھ بحث ہو چکی ہے ۔ حاصل یہ کہ مطابقت احادیث کی نسبت مولف ہدیہ کے سب شکوک و شبہات کی اس تحقیق سے تردید ہو گئی ہے اور دور محال کا دعویٰ باطل بھی جس سے ہم نے بعد میں بحث کرنے کا وعدہ کیا تھا وہ خود بخود باطل ثابت ہو گیا ہے کیونکہ دور محال کی تعریف توقف الشئ علی نفسہ یعنی کسی شئی کا خود اپنی ہی ذات پر موقوف ہونا ہے ۔

دوسری تعریف یہ کی گئی ہے کہ کوئی شئی دوسری شئی پر موقوف ہو اور دوسری شئی پھر اسی شئی پر موقوف رہے جیسے زید اخوک اور اخوک زید یعنی زید کون ہے تو کہے ۔ تیرا بھائی ۔ پھر پوچھے تیرا بھائی کون ہے تو کہے زید ۔

غرض موقوف اور موقوف علیہ من کل الوجوہ ایک ہی ہونا دور ثابت ہونے کیلئے

ضروری ہے اور ان دونوں میں کسی جہت سے بھی غیریت ہونے یا دونوں جدا جدا ثابت ہونے سے دَور باطل ہو جاتا ہے بلکہ انتفاے دَور کے لئے تغایر اعتباری بھی کافی ہے۔

پس اس موقع پر زیادہ باریکیوں میں جانے کی ضرورت ہی نہیں ہے جیسا کہ مولف ہدیہ نے اپنی طرف سے ولایت کا ایک موقوف علیہ بھی قرار دے لیا اور دَور محال کی صورت بھی فرض کر لی جس کا اصل فرمان میں کوئی ذکر یا اشارہ تک نہیں ہے اور اس پر بناے فاسد علی الفاسد کے طور پر فرضی سوالات اپنی طرف سے گھڑ لئے اور چھ اشکال بھی قایم کر لے کر دو ایک صفحے کالے کئے ہیں۔ حالانکہ یہاں دَور محال کا احتمال کسی طرح بھی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ مفسرین کی تفسیریں عین کتاب و سنت نہیں ہیں پس مفسرین کے جو بیانات خلیفۃ اللہ کے بیان کے خلاف ہوں ان کو غیر صحیح کہنے سے معاذ اللہ کتاب و سنت کو غیر صحیح کہنا لازم نہیں آتا

احادیث رسول اللہ میں بھی غیر صحیح اور مختلف فیہ احادیث کا حکم اور ہے اور متفقہ و صحیح احادیث کا اور۔ یہ دونوں باہم متمایز اور متغایر ہیں اس لئے غیر صحیح و اختلافی احادیث کو غیر صحیح قرار دینے سے صحیح اور متفقہ احادیث جیسے متواتر المعنی کا بھی غیر صحیح ہونا لازم نہیں آتا اور نہ یہ دَور کہلاتا ہے۔

ایسا ہی علامات و شمائل امام مہدی علیہ السلام سے متعلقہ احادیث احکام و اخلاق سے تعلق رکھنے والی احادیث کے غیر اور ان سے جدا ہیں۔ پہلی قسم کی احادیث کی صحت مہدی علیہ السلام کے حالات کی مطابقت پر موقوف ہونا تسلیم کیا جائے تو اس سے اخلاقی احادیث کی صحت بھی امام مہدی علیہ السلام کے حالات کی مطابقت پر

سے۔ مولف صاحب ہدیہ نے اخلاق محمدی اور شریعت محمدی کو اخلاق حسنہ کی دلیل اور کتاب و سنت کے موافق ہونا ولایت کا موقوف علیہ ہونے کا دعوی کیا ہے (دیکھو ہدیہ ص۵۲) لیکن اس دعوی کا دعوی صحیح نہیں کیونکہ مجاذیب جن میں اخلاق و شریعت محمدی کی پابندی مفقود ہوتی ہے ولی مجذوب مانے جاتے ہیں پس مولف ہدیہ کے اس قول سے یا تو مجاذیب ولی نہ ہونا یا کتاب و سنت کی موافقت ولایت کا موقوف علیہ نہ ہونا چاہئے کیونکہ بغیر دلیل کے مدلول کا اور بغیر موقوف علیہ کے موقوف کا وجود کس طرح ہو سکتا ہے اولی مولف صاحب ہدیہ کو یہ سوال حل کرنا چاہئے۔ ۱۲ شہاب بن نصرت غفرلہما

موقوف ہونا ضروری نہیں اور یہ صورت بھی دَور محال کی ہرگز نہیں۔

اصولِ حدیث کے ضوابط میں قوی وضعیف وایتوں کا تقابل بہت رائج ہے لیکن اسمیں بھی دَور کا قطعاً احتمال نہیں ہے اور یہاں چونکہ قوی وضعیف روایت ہی کی صورت ہے یہ بھی قطعاً دَور نہیں ہے۔

اہل سنت متکلمین اور محققین صوفیا اپنے اپنے اصول پر امام مہدی علیہ السلام کو خاص طور پر حضرت رسول اللہ صلعم کے ساتھ تبعیت تامہ کی نسبت حاصل ہونے کے قایل ہیں اور اس صورت میں باستثنا خصوصیات منصبی کے تابع ومتبوع کا حال و عمل ایک ہوتا ہے۔ متبوع کے عمل پر تابع کے عمل کو قیاس کیا جاتا اور تابع کا عمل متبوع کے عمل کی کامل نظیر ومثال سمجھا جاتا ہے مگر اس کے باوجود یہ دَور نہیں کہلاتا۔

اِن معقولی ومنطقی اصول کی بنا پر دَور محال کے لزوم کی اس واضح تردید کے علاوہ منقولی اصول پر انتفاء دَور محال کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت امامنا علیہ السلام نے حدیث کی صحت کو فقط اپنے ہی احوال کی مطابقت وموافقت پر موقوف نہیں رکھا ہے بلکہ احادیث کی صحت کا سب سے مقدم معیار کتاب خدا سے موافق ہونے کو فرمایا ہے کہ "ہر حدیثے کہ موافق با کتاب خدا باشد آں صحیح ست" اور یہ مضمون ان احادیث اور انہی کے ہم مضمون احادیث کے ٹھیک مطابق ہے کہ

تکثر لکم الاحادیث بعدی فاذا روی لکم عنی حدیث فاعرضوہ علی کتاب اللہ فما وافق فاقبلوہ وما خالف فردوہ (اصول الشاشی)

میرے بعد احادیث زیادہ ہوں گی پس ان کو کتاب اللہ پر پیش کرو جو اس کے موافق ہو اس کو قبول کرو اور جو اس کے خلاف ہو اس کو رد کردو۔

ایضاً اعرضوا حدیثی علی کتاب اللہ فان وافقہ فھو منی وانا قلتہ۔ (کنز العمال۔ جلد اول بحوالۂ طبری بروایت ثوبانؓ)

ایضاً میری حدیث کو کتاب اللہ پر پیش کرو پس اگر اس کے موافق ہو تو وہ میری ہے اور میں نے کہا ہے۔

امامنا علیہ السلام کے فرمان کا یہ حصہ جو کتاب اللہ سے احادیث کے مطابق ہونے سے تعلق رکھتا ہے صحت احادیث کے جانچنے کا اصل اصول ہے اس سے مولف ہدیہ نے بالکل آنکھیں بند کرلی ہیں اور اس کے متعلق کچھ نہیں لکھا ہے۔ انھیں جو کچھ بحث ہے وہ اس فرمان کے دوسرے حصہ کے متعلق ہے کہ امام علیہ السلام نے

صحتِ احادیث کو اپنے احوال کی موافقت پر موقوف رکھا ہے اور یہ دَور محال ہے اور اسی کو مولف ہدیہ نے بہانہ بنا کر یہ ثابت کرنے کے لئے بڑا زور طبیعت دکھایا ہے کہ امامنا علیہ السلام کے اخلاق سے بحث نہیں ہو سکتی اور آپ کے اخلاق ثابت نہیں ہو سکتے حالانکہ ان تمام وجوہ مذکورہ میں سے ایک ایک وجہ مولف ہدیہ کی اس دَورِ محال کی توجیہ کے غلط ثابت کرنے کے لئے بہت کافی ہے۔

ان سب مباحث کے دیکھنے اور سمجھنے اور اس سے صحیح نتائج اخذ کرنے کی مولف ہدیہ کو توفیق نہیں ہوئی کہ حضرت نے اپنے حال و قال کی صحت بھی کتاب اللہ کی موافقت پر موقوف رکھی ہے چنانچہ فرمایا ہے۔

اگر کسے از بندہ نقل کند باید کہ آں نقل را بہ بیند کہ موافق کلام خدائے تعالیٰ ہست یا نہ اگر موافق ہست آں از بندہ است واگر موافق نیست از بندہ نیست دیا آنکس کہ نقل نمودہ سخن مارا فہم نہ کردہ است۔

جب حدیث نبوی اور نقل مہدی دونوں کی صحت مطابقت قرآن پر موقوف ہے تو یہ دَور کہاں ہے؟ سب سے بڑھکر یہ بات تعجب خیز ہے کہ مولف ہدیہ ایک منطقی اصطلاح " دَورِ محال " کا آسرا لیکر حضرت امام علیہ السلام کے اخلاق ثابت نہ ہونے کی خیال آفرینی وقیاس آرائی پر تو گئی کا عذ سیاہ کئے لیکن بلاچون وچرا امامؑ کے ان دونوں فرامین کو بالکل صحیح تسلیم کرکے منطق ہی کی اس شکل بدیہی الانتاج پر عمل کرکے صحیح نتیجہ پر کیوں نہیں پہنچے جس کی صورت یہ ہے کہ

حدیث صحیح وہ ہے جو صحیح نقل مہدی علیہ السلام کے موافق ہو صحیح نقل مہدیؑ وہی ہے جو کتاب خدا کے موافق ہو پس حدا وسط کو ساقط کرنیکے بعد یہی نتیجہ برآمد ہوگا کہ " حدیث صحیح وہی ہے جو کتاب خدا کے موافق ہو "

آخر وہی احادیث رسول اللہ کا خدا کی کتاب کے موافق ہونا صحت احادیث کے جانچنے کا معیار ثابت ہوا اور مولف صاحب ہدیہ کی دَور محال کی نسبت سب لن ترانیاں بیکار ثابت ہو گئیں اور امامنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے عین مطابق ثابت ہوا۔

یہ سب بحثیں تو جوابی وقت تک ہوئی ہیں مولف صاحب ہدیہ کی اس طرز

استدلال کی تردید و تعاقب میں نہیں کہ "دور محال" کی وجہ سے حضرت امامنا علیہ السلام کے اخلاق کے جانچنے کا صحیح معیار واقعات و حالات ہوتے ہیں جو بدیہیات ہیں چنانچہ آپ نے ہدیہ کے صفحہ (۱۴۶) پر طوالع وغیرہ کتب کے خلاصہ کے طور پر حضرت سرور کائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند خلق عظیم جو نقل کئے ہیں وہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے حالات کا لب لباب ہی ہیں ان کے ثابت کرنے کے لئے معقولی و منطقی دلایل کی حاجت ہی نہیں ہے۔

آپ نے ہدیہ میں یہ بھی اعتراف کیا ہے کہ اخلاق و سیرت محمدی اور آنحضرت کی شریعت اخلاق حسنہ کی تمیز و شناخت کی محک و مقیس علیہ ہے (ہدیہ ص ۱۵۳)

پس امامنا مہدی علیہ السلام کے اخلاق حسنہ کے جانچنے کا سب سے آسان اور صحیح طریقہ یہی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اخلاق عظیمہ سے ہر خلق کو دیکھا جائے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر مغیب "خلقہ خلقی" کے مطابق امامنا علیہ السلام میں کہاں تک پایا جاتا ہے یہی اجلی البدیہیات ہے یہاں بھی معقولی و منطقی دلایل کی حاجت ہی نہیں ہے خود مولف ہدیہ نے صفحہ (۱۴۶) پر جن خلق عظیم کا خلاصہ طوالع کے حوالہ سے پیش کیا ہے ان کو صدق حضرت رسالت مآب صلعم کا شاہد اور ان صفات کا اجتماع اقوی دلالات نبوت سے ہونے کا اقرار و اعتراف کیا ہے پس ہم اول مولف ہدیہ کا قول اور وہ اخلاق یہاں پھر نمایاں طور پر نقل کر دیتے ہیں جو یہ ہیں۔

" اخلاق عظیمہ صدق حضرت رسالت مآب پر شاہد تھے جیسا کہ "
" ملازمہ صدق "
" اور اعراض دنیا سے تمام عمر "
" اور سخاوت اس درجہ پر کہ ایک روز کے قوت سے زیادہ کبھی "
" رکھا۔ "
" اور شجاعت اس حد پر کہ کبھی قدم نہ ہٹا اگرچہ مثل احد کے واقعہ "
" ہولناک سامنے آیا۔ "
" اور فصاحت اس درجہ کہ تمام بلغا و فصحائے عرب عرباء کو "
" ساکت کر دیا۔ "

" اور اصرار دعوی پر باوجود تحمل مصائب کے "

" اور زر فع اغنیا سے۔ "

" اور تواضع ساتت فقراء کے "

" کہ اجتماع ان صفات کا اس ذاتِ اطہر میں اعظم معجزات اور "

" اقوی دلالات نبوت سے ہے۔ انتہیٰ "

اب حضرت امامنا مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پاک سیرت اور حیٰوۃ طیبہ کے حالات و واقعات میں ان اخلاق عظیمہ کی تحقیق کی جاتی ہے تو ظاہر ہوتا ہے کہ

ملازمۂ صدق یعنی ہمیشہ سچ بولنے کا وصف بدرجۂ کمال موجود ہے کہ کبھی آپ سے کلمۂ دروغ و باطل سرزد نہیں ہوا۔

تمام عمر دنیا سے اعراض۔ ایسی خصوصیت ہے جس سے حضرت امامنا علیہ السلام اپنی عمر کے ہر حصہ میں پورے متصف رہے اسی طرح دنیا کے ادنی اعلی ہر درجہ کا رسوخ و حکومت مال و دولت حتیٰ کہ بادشاہت بھی آپ کو پیش کی گئی مگر آپ نے اس سے اعراض فرمایا اور اس کو قبول نہیں کیا۔

سخاوت۔ اس انتہائی درجہ کی کہ جو کچھ فتوح و غنیمت آتی وہ سب کی سب اسی وقت اس کے مستحقین پر تقسیم کردی جاتی اور خود کے لئے دوسروں کے برابر ایک ہی سویت سے زیادہ کبھی نہ لی۔ اگر احیاناً کبھی دو یا تین سو بیس تقسیم ہونیکا موقع آجاتا تو پہلی سویت میں جو شئی جس قدر آئی ہوتی وہ بھی دوسروں کو ایثار کردی جاتی۔

شجاعت۔ اس اعلیٰ درجہ کی کہ بڑے بڑے ہولناک اور مہیب مہیب موقعوں پر نہ کبھی قدم پیچھے ہٹا اور نہ کبھی استقلال میں ذرہ برابر تزلزل آیا۔ رائے دلپت کی لڑائی میں ایسے وقت میں جب کہ شاہی فوج شکست فاش کھا گئی اور سلطان حسین شرقی نے خود میدان جنگ سے ہٹ جانے کا ارادہ کرلیا اور حضرت کو بھی میدان سے نکل چلنے کا مشورہ دے رہا تھا حضرت کا قدم پیچھے نہ ہٹا بلکہ بنفس نفیس اپنے تھوڑے ہمراہیوں کے ساتھ غالب فوج پر حملہ کردیا

اور جوانمردانہ مقابلہ کر کے راے دلپت کو قتل کر کے فتح حاصل کی۔

حج کے سفر میں سمندر میں ایسا طوفان آیا کہ جہاز کے ڈوبنے میں کوئی دقیقہ باقی نہ تھا۔ سفر خراسان کے اثنا میں دریاے سندھ کو عبور کرتے وقت بادشاہ سندھ کے اشارے سے کشتیوں کے تمام ملاح کشتیوں کے مستول توڑ کر اور طنابیں کاٹ کر منجدھار میں کشتیوں کو بے پناہ حالت میں چھوڑ کر دریا میں کود کر نکل جاتے ہیں دونوں موقعوں پر ہمراہی گھبرا کر کیفیت عرض کرتے ہیں تو بڑے اطمینان سے ارشاد ہوتا ہے کہ خشکی میں ہمارا جو محافظ ہے دریا میں بھی ہمارا وہی محافظ ہے۔

غرض شجاعت و استقلال کے بہت سے واقعے حضرت کی حیات طیبہ میں موجود ہیں جن سے یہ وصف ما فوق الفطرت حد تک آپ میں ہونا ثابت ہوتا ہے اور کسی کٹر معاند کو بھی اس سے انکار کرنے کی مجال نہیں ہو سکتی۔

فصاحت و تبحر علمی۔ اس قدر کہ منجانب اللہ و من امر اللہ مہدی موعود ہونیکا دعوی کرنے کے بعد سے ۲۳ سال ہجرت ہی میں گزرے اور ہند۔ سندھ۔ عرب۔ افغانستان خراسان کے بے شمار مقامات پر گزر ہوا اور ہر مقام کے ان گنت لایق فاضل۔ علمائے ظاہر و باطن سے بحث و مناظرے ہوئے لیکن کسی نے بھی تاب مقابلہ نہیں لایا اور ان میں سے اکثروں نے آپ کے دعوی کی تصدیق کر لی۔ ارکان وفد علمائے ہرات نے جس میں خراسان کے منتخب علما شریک تھے حضرت کا بیان قرآن سن کر ہی آپ کے فضایل علمیہ کا اعتراف کر لیا۔ صدر وفد نے ہرات کے شیخ الاسلام کو حضرت کا بیان قرآن سننے کے بعد ہی یہ خط لکھا کہ ہماری عمر بھر کی تحصیل علم کو حضرت کے علم سے وہ بھی نسبت نہیں ہے جو قطرہ کو دریا سے ہوتی ہے۔

اصرار دعوی پر باوجود تحمل مصائب کے۔ اس سے بھی تمام سیرت بھری ہوئی ہے وہ سب مصائب و مظالم جو ابتدائی زمانۂ اسلام میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین اولین کو کفار و مشرکین کی طرف سے پیش آئے قریباً اسی نوعیت کے ابتلا امامنا علیہ السلام اور آپ کے متبعین کو پیش آتے رہے مگر کبھی اور کہیں بھی دعوت الی اللہ اور تبلیغ حق و صداقت میں ان مشکلات کی وجہ سے ذرہ برابر فرق نہیں آیا اور ہمیشہ ہر جگہ اسی استقلال اور مستعدی کے ساتھ تبلیغ و دعوت کا

فرض ادا ہوتا رہا ۔ اور کسی بندہ کی امداد و اعانت کبھی قبول نہیں کی ۔

اغنیا سے ترفع | ایسا دوامی عمل درآمد رہا کہ فقرا کے ساتھ تواضع اور حکام و روسا سے استغنا نیز فقرا کے ساتھ ہمدردی و مواساۃ کے کارناموں سے حیوٰۃ طیبہ معمور ہے انتہا یہ کہ وہ فقرائے مہاجرین جن کی تعداد سینکڑوں سے تجاوز رہی ہے اور جو ہمیشہ حضرت کے ہمراہ رہتے تھے، حضرت کے ساتھ ان کی اجتماعی حیثیت ایک خاندان اور بزرگ خاندان کی سی معلوم ہوتی تھی۔

پس ناظرین کرام دیکھیں کہ حضرت امامنا مہدی موعود علیہ السلام کے اخلاق حسنہ حضرت رسول اللہ صلعم کے اخلاق حسنہ کی اتباع و مطابقت کے اعتبار سے کس قدر طابق النعل بالنعل ہیں اور امام مہدی علیہ السلام کی شان میں یقفو اثری ولایخطی جو وارد ہے امامنا مہدی موعود علیہ السلام اخلاق کے لحاظ سے بھی اس کے پورے مصداق اور "خلقہ خلقی" کے کامل مظہر ہیں ۔ اور یہ حالات اجلی البدیہیات ہیں جن کے ثابت کرنے کے لئے معقولی و منطقی دلایل اور مباحث کی ضرورت ہی نہیں ہے ۔ اسی لئے ہم مولف ہدیہ کے اس نوعیت کے باقی تمام مباحث سے بحث کی ضرورت نہیں سمجھتے ۔

ناظرین کرام دیکھیں کہ مولف ہدیہ کے قول کے موافق جب یہی اخلاق عظیمہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق کے شاہد ہیں اور ان صفات کا اجتماع حضرت کی ذات اقدس میں حضرت کی نبوت کے اقوی دلالات سے ہے تو امامنا مہدئ موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات اقدس میں بھی دوسری علامات صحیحہ کے ساتھ ان اخلاق عظیمہ واوصاف حمیدہ کا اجتماع آپ کے صدق دعویٰ کا شاہد اور آپ کے مہدئ موعود ہونے کی اقوی دلالات سے ضرور ہے ۔

بحث اخلاق کے ضمن میں مولف ہدیہ نے ایک دعوی یہ بھی کیا ہے کہ

> اس تین سو پچاس برس میں ہفت اقلیم میں اہل سنت وجماعت میں صدہا بلکہ ہزارہا ایسے کاملین صاحب اخلاق حمیدہ گزرے ہیں کہ تمام قطعیات وظنیات احادیث پر عمل کرکے کوئی دقیقہ اخلاق واجبہ اور مسنونہ بلکہ مستحبہ و مندوبہ سے بھی فروگذاشت نہ کیا (ہدیہ ص۱۵۶)

مولف ہدیہ کا یہ قول بچند وجوہ مخدوش ہے اول یہ کہ مولف ہدیہ نے سینکڑوں ہزاروں کی تعداد گن دی مگر ان کے نام یا ان میں سے کسی ایک کا بھی نام نہیں بتا سکے اور نہ ان کے حالات سے اس دعوی کو جو مجذوبانہ بڑ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا ثابت ہی کر سکے ہیں ۔

ثانیاً یہ ایک محال عادی کا دعوی ہے اس لئے کہ کسی عام فرد بشر سے نہیں ہو سکتا کہ وہ مرسلین کے اخلاق حاصل کر سکے چہ جائیکہ وہ سید المرسلین کے سارے اخلاق سے متصف ہو جائے کیونکہ خود خداوند عالم نے علی وجہ التخصیص حضرت رسول اللہ صلعم کو خطاب کر کے آپ کی مدح وثنا کے طور پر ارشاد فرمایا ہے ۔

اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ آپ خلق عظیم پر فائز ہیں کیونکہ تمام پیغمبروں کے اخلاق حسنہ کے جامع ہیں۔

اسی نص قطعی کے نظر کرتے محی الدین ابن عربی نے فتوحات میں فرمایا ہے کہ

ولا یکون احد مثل رسول اللہ فی اخلاقہ | یعنی رسول اللہ کا اخلاق میں کوئی شخص (جو غیر معصوم ہو) مماثل نہیں ہے ۔

لیکن وہ ہو سکتا ہے جس کی خود رسول اللہ صلعم نے خبر دی ہے ۔ اور ظاہر ہے کہ اخلاق کی بشارت بھی امام مہدی علیہ السلام کے لئے ہی وارد ہے ۔ پس تمام اخلاق رسول سے کوئی ولی کامل بھی موصوف نہ ہوگا مگر امام مہدی علیہ السلام جو بفرمان رسول اللہ صلعم " المہدی منی یقفو اثری ولا یخطی " (مہدی مجھ سے ہیں میرے قدم بقدم چلیں گے اور خطا نہیں کریں گے) رسول اللہ صلعم کے تابع تام ہیں اور معصوم عن الخطا ہیں چنانچہ آیت[1] " قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ کی تفسیر میں فتوحات میں ذکر کیا گیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔

المراد[2] من هو المهدی بدلیل قوله علیه السلام فی حق المهدی انه یقفو اثری ولا یخطی ۔ غرض صاحب فتوحات " من اتبعنی " میں جو " مَن " ہے اس سے

---

[1] ۔ اے محمد کہہ دو کہ یہ میرا راستہ ہے میں بصیرت پر اللہ کی طرف بلاتا ہوں اور وہ شخص بصیرت پر اللہ کی طرف بلائے گا جو میرا تابع ہے ۔۱۲

[2] من سے مراد مہدی علیہ السلام ہیں کیونکہ رسول اللہ صلعم نے مہدی کے حق میں فرمایا ہے کہ وہ میرے قدم بقدم چلیں گے اور خطا نہیں کریں گے ۔۱۲

مہدی علیہ السلام مراد ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع کرنا اور خطا سے معصوم ہونا آپ کی شان ہے۔ چنانچہ فتوحات کے باب (۳۶۶) میں اس کی مزید یہ توضیح کردی ہے۔

ما نص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی امام من ائمۃ الدین یکون بعدہ یرثہ ویقفوا اثرہ ولا یخطی الا المہدی خاصۃ فقد شہد بعصمتہ فی احکامہ کما شہد الدلیل العقلی بعصمۃ رسول اللہ صلعم!

یعنی رسول اللہ صلی نے ایمہ دین میں سے کسی امام کی نسبت یہ ارشاد نہیں فرمایا ہے کہ میرے بعد وہ میرا وارث ہوگا اور میرے نقش قدم پر چلے گا اور خطا نہ کرے گا یہ بات خاص مہدی علیہ السلام کی شان میں فرمائی ہے پس رسول اللہ صلعم نے مہدی کے اپنے احکام میں معصوم ہونے کی شہادت دی ہے جیسا کہ رسول اللہ صلعم کے معصوم ہونے کی عقلی دلیل شاہد ہے۔

خاص طور پر اخلاق محمدی صلعم سے متصف ہونے کی بشارت بھی رسول اللہ نے مہدیؑ کے حق میں فرمائی ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا ہے خلقہ خلقی (رواہ الطبرانی والبونعیم عن حذیفہؓ وابن مسعودؓ) اس کے سوا خود مولف ہدیہ نے ہدیہ کے صفحہ ۲۷۴ پر یہ حدیث لکھی ہے کہ یشبہہ فی الخُلق ولا یشبہہ فی الخَلق اور اس کا یہ ترجمہ کیا ہے یعنی امام مہدی مشابہ ہوں گے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق محمدی میں اور مشابہ نہوں گے بیچ شکل وصورت کے۔ اگرچہ مولف ہدیہ کا یہ ترجمہ اور روایت کے الفاظ وعبارت بھی دوسرے محدثین کی روایت کے خلاف ہے جن کی روایت میں یشبہہ فی الخَلق والخُلق کے الفاظ ہیں جن سے شکل وصورت اور اخلاق دونوں میں امام مہدی علیہ السلام مشابہ رسول اللہ صلعم ہونا ثابت ہوتا ہے مگر اس موقع پر مولف ہدیہ کی صرف یہ خلاف بیانی ظاہر کرنا مقصود ہے کہ انھوں نے اخلاقی مشابہت کا یہاں تو اعتراف کیا ہے اور اس جگہ اپنی اس تقریر کو بھول کر یہ کہہ بیٹھے ہیں کہ ہزاروں اولیا ایسے کاملین رسول اللہ کے اخلاق سے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیئے۔ اور نہیں خیال کیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ان ہزاروں کاملین کی نسبت اپنے تمام اخلاق سے متصف ہونے کی بشارت بھی دی ہے یا نہیں؟۔

مولف ہدیہ نے یہ بھی خیال نہیں کیا کہ ان کاملین نے جب کہ بقول آپ کے قطعیات وظنیات احادیث سب روایات پر عام ازینکہ وہ ضعیف ہوں یا قوی عمل کئے ہیں تو ایسا کرنے سے ان کے نیک اخلاق ثابت ہونے کے عوض انھیں شبہ لاحق ہو جاتا ہے کیونکہ احادیث صحاح کے سوائے دوسری حدیثیں مختلط ہیں یعنی ان میں ضعیف و موضوع اور صحیح وسقیم ہیں اگر ساری حدیثوں پر عمل ہو تو ظاہر ہے کہ کوئی شخص جہاں حدیثوں کا نام دیکھے بے تحقیق اس پر عمل کرتا جائے تو وہ احادیث موضوعہ پر بھی عمل کرلیگا اور بالضرور اس کا عمل خلاف عمل رسول صلعم ہوگا تو اس کے عاصی ہونے میں شبہ نہیں ہے۔ غرض بے تحقیق حدیثوں پر عمل کرنا دلیل بد خلقی ہوگی۔

مولف ہدیہ نے ایک اور نئی غلطی یہ کی ہے کہ صحابہ کرامؓ سے لیکر آج تک کسی امام و مجتہد نے یہ دعویٰ نہیں کیا ہے کہ میرے اخلاق ایسے ہیں کہ جو حدیث میرے حسب حال ہو وہ صحیح ہے اور باقی غلط ۔ پس یہ دعوی بدعت ہوا اور بدعت بلا شبہ اخلاق سیئہ سے ہے نہ حسنہ سے انتہی ملخصاً ۔

احادیث کی مطابقت کے مسئلہ کی کافی تحقیق ہوگئی ہے جس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے لیکن ہم مولف ہدیہ کے اس ابلہانہ اعتراض پر غور کرتے ہیں کہ کسی نے ابتک یہ دعوی نہیں کیا یا اس قسم کے دعوی کو بدعت سیئہ سے

سہ ۔ کوئی شخص ان کاملین میں اخلاق محمدیہ کا اس لئے جامع نہیں ہو سکتا کہ اخلاق جامعۂ رسول اللہ سے ایک وصف عصمت عن الخطا بھی ہے جو امت محمدیہ میں سوائے مہدی و عیسٰی کے کوئی ولی اہل سنت کے نزدیک صفت معصومیت سے متصف نہیں ہے پھر کوئی غیر معصوم ایک حقیقی معصوم عن الخطا (رسول اللہ صلعم) کے اخلاق حسنہ کی ایسی پیروی کس طرح کر سکتا ہے کہ ان کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ ہو جبکہ وہ عصمت جیسے اہم خلق سے عاری ہو۔ ۱۲ اشرف کان اللہ لہٗ

تعبیر کیا ہے۔

اس اعتراض کی صورت و نوعیت ٹھیک ایسی ہے کہ کوئی معاند اسلام کہے کہ آدم علیہ السلام سے پیغمبر اسلام کے زمانہ تک سینکڑوں مرسلین ہزاروں انبیا اور لاکھوں کروروں حکماء عرفا عباداللہ الصالحین گزرے ہیں مگر کسی نے " انا سید ولد آدم " یا " لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب و لا نبی مرسل " کے جیسے دعوے نہیں کئے مسلمانوں کی طرف سے اس کا یہی جواب ہوگا کہ پیغمبر اسلام صلعم کو جو فضائل اللہ تعالیٰ نے دئے ہیں وہ کسی کو حاصل نہیں تھے تو یہ دعوی کوئی کس طرح کر سکتے تھے۔

پس مولف ہدیہ کے اس طفلانہ اعتراض کا بھی جواب یہی ہے کہ اللہ تعالے نے امام مہدی موعود علیہ السلام کو جو فضیلتیں عطا فرمائی ہیں اور رسول اللہ صلعم نے آپ کے جو فضایل اور خصوصیات بیان فرمائی ہیں وہ ان بزرگان مذکور الصدر میں سے کسی کو حاصل نہیں تھیں مختصر یہ کہ وہ مہدئ موعود نہیں تھے اس لئے انھوں نے یہ دعوی نہیں کیا اور نہیں کر سکتے تھے حقیقت تو یہ ہے کہ اس قسم کے دعاوی تفاخر و تعلی پر مبنی نہیں ہیں بلکہ فرمان الہٰی اما بنعمۃ ربک فحدث کی تعمیل ہیں۔

مولف صاحب ہدیہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ " مہدویوں کی کتاب انصاف نامہ میں مضمرات سے نقل کیا ہے کہ جو شخص خبر واحد اور قیاس کا انکار کرے اور کہے کہ وہ حجت نہیں ہے وہ کافر ہے۔

بقول مولف ہدیہ انصاف نامہ میں یہ قول مضمرات سے نقل کیا گیا ہے مصنف صاحب انصاف نامہ کا ذاتی قول نہیں ہے یہ بھی تحقیق نہیں ہے کہ مصنف صاحب نے کس موقع پر اور کس غرض سے نقل کیا ہے۔

نفس مسئلہ کو دیکھا جائے تو یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ خبر واحد اور قیاس حدیث متواتر اور آیت کتاب اللہ کے مقابل قابل حجت نہیں ہے۔ اس لئے کہ حدیث متواتر اور آیت کتاب اللہ قطعی ہیں اور خبر واحد اور قیاس یہ دونوں ظنی ہیں۔ قطعی سے ظنی کا مقابلہ باطل ہے اور چونکہ خبر واحد اور قیاس میں ظن کا احتمال

موجود ہے لہذا ان کا منکر کافر نہ ہوگا چنانچہ اہل سنت کی مذہبی کتب مثلاً فتاوی عالمگیری اور حواشی تہذیب الکلام اور دیگر کتب معتبرہ میں یہ مسئلہ موجود ہے کہ احادیث متواتر ہی کا منکر کافر ہے پس مضمرات کا قول جمہور کے مخالف ہونیکی وجہ سے درست نہیں ہے۔

الحمد للہ بعونہ تعالیٰ مسئلہ اخلاق کے تمہیدی مباحث کے اہم اور ضروری حصوں پر کافی روشنی ڈالی گئی ہے اور مولف ہدیہ کے غلط شکوک وشبہات کی معقول تردید ہوگئی ہے۔ اب یہاں سے اصل بحث اخلاق سے متعلق مولف ہدیہ نے جن امور کو بزعم فاسد خاکش بدہاں بدخلقیوں سے تعبیر کرکے جو بدگوئی اور عیب چینی کے غلط کرشمے دکھائے ہیں ان سے بحث کی جاتی ہے چنانچہ انھوں نے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ

> اب بعد اس کے بعض احوال و افعال شیخ جونپور کے جن کا منشا اور مبدأ اخلاق بد واقع ہوئے ہیں اس واسطے ہر ایک کی تعبیر بدخلقی سے کی گئی ہے تاکہ ناظرین باانصاف پر ظاہر ہوجائے کہ باوجود دعوی انا ولاغیری کے مقدمہ اخلاق میں کس قدر ان کے اقوال وافعال مخالف قطعیات قرآن اور احادیث کے ہیں۔

مولف ہدیہ نے حضرت امامنا علیہ السلام کی جناب میں جو بدگوئی وعیب چینی کا ارادہ کیا ہے وہ نئی بات نہیں ہے بلکہ قدیم سے ہوتی ہوئی آئی ہے جو شخص بزرگان پیشین کے حالات وواقعات پر ذرا بھی غور کرے تو واضح ہوگا کہ اس عالم میں جو ذوات مقدسہ گزرے ہیں وہ بدگویوں اور عیب جویوں کی ناحق و ناروا عیب چینی سے محفوظ نہیں رہے ہیں۔ ہر زمانہ میں انبیاء و مرسلین علیہم السلام اپنے زمانہ کے جہلا و معاندین کے ہاتھوں ستائے گئے اور ان کے طعن و تشنیع کے آماجگاہ رہے ہیں مثلاً یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ناگفتنی طعن کیا۔ یہود و نصاریٰ نے حضرت پیغمبر اسلام صلعم کی جناب میں بہت سے غلط مطاعن کئے۔

فرقہ معتزلہ نے انبیاء کی معصومیت ہی کا انکار اس قدر مبالغہ سے

گیا کہ ابتداء زمانۂ آدم علیہ السلام سے خاتم الانبیا علیہ السلام تک کسی نبی کو صغائر وکبائر کی نسبت کئے بغیر نہ چھوڑا انبیا علیہم السلام کے علاوہ دوسرے قابل احترام بزرگوں کی جناب میں بھی یہی سلوک ان کے معاندین و مخالفین کی طرف سے جاری رہا ہے چنانچہ خوارج نے امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ اور اہل بیت کرام پر ناسزا حملے کئے۔ فرقہ شیعہ نے خلفاے راشدین اور بعض امہات المومنین کو مطعون کرنے سے دریغ نہیں کیا۔ بعض متعصب متکلمین نے حضرات صوفیائے کرام کی عیب چینی اور بدگوئی کی ہے۔ بعض جہلا نے اولیاے کرام کی جناب میں بدگوئی کا طریقہ اختیار کر رکھا ہے۔

غرض بے جا عیب چینی و بدگوئی ایک عادت قدیم چلی آرہی ہے فی الجملہ شیطان نے مولف ہدیہ کی بھی راہ ماری ہے وہ امام معصوم علیہ السلام کی عیب جوئی کے درپے ہیں۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا۔

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد ✲ میل او در طعنۂ پاکاں برد

حضرت امامنا علیہ السلام کی تمام حیوٰۃ طیبہ احیاے دین اور اتباع آیات قرآنی وسنت قولی وفعلی کی روشنی پھیلانے میں گزری ہے اور مولف ہدیہ اپنی خبث باطنی سے عناداً حضرت اقدس کی عیب چینی کے درپے ہیں اس کی مثال یہی ہے۔

مہ نور می فشاند وسگ بانگ می زند ✲ سگ را بریں خشم تو با مہتاب چیست

سچ پوچھو تو امامنا علیہ السلام کو اعدا ومعاندین کی بدگوئی میں بھی انبیاء ومرسلین اور حضرت ختم المرسلین کی اتباع ومطابقت کا شرف حاصل ہے۔

ایک اور لحاظ سے غور کیا جائے تو یہ بھی حضرت امامنا علیہ السلام کا ایک بڑا معجزہ اور کرامت عظمیٰ ہے کہ مولف ہدیہ نے امام علیہ السلام کے اخلاق حسنہ اور اوصاف حمیدہ سے عمداً جان بوجھکر اغماض کر کے انتہائی تلاش وجستجو کے باوجود حضرت امام علیہ السلام کی تیئیس ۲۳ سالہ مدت دعوت مہدیت میں صرف اکیس بد خلقیاں پیش کر سکے ہیں جن میں سے مکررات خارج کردیں تو اکیس بھی نہیں رہتیں۔ اور جو باقی رہیں گی وہ بھی ایسی ہیں کہ اصول اخلاق اور کتاب وسنت کی مطابقت کے معیار پر جانچی جائیں تو ان کے

عین مطابق ثابت ہوتی ہیں اور مولف ہدیہ کا ان کو بدخلقی کہنا خود انہی کی جہالت کا راز فاش کرتا ہے۔ چنانچہ انشاء اللہ عنقریب ہر ایک کا حال بالتفصیل معلوم ہوگا لیکن ہر قول و فعل پر جس کو مولف ہدیہ نے اپنے خیال فاسد میں بدخلقی سے تعبیر کیا ہے تفصیلی بحث تو بعد میں آئے گی۔ اول ان تمام امور پر مختلف گوشہ ہائے خیال سے ایک سرسری و اجمالی تبصرہ کیا جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ مولف ہدیہ بحث اخلاق کی تمہید میں جس شد و مد سے جو وہم و دعوے کئے تھے اس کے نظر کرتے خیال ہوتا تھا کہ انھوں نے حضرت اماماً علیہ السلام کی بارگاہ اقدس میں خاص اخلاقی معیار سے ہٹی ہوی نئی نئی کیا کیا باتیں تلاش و جستجو کرکے پیش کی ہوں گی۔ مگر ناظرین کرام یہ دیکھکر حیران رہ جائیں گے کہ مولف ہدیہ کوئی اہم اور نئی بات جس کو بدخلقی سے تعبیر کیا جاسکے پیش کرنے میں سراسر ناکام اور عاجز رہے ہیں اور بدخلقیاں جتاتے میں ان سے بہت سی لغزشیں سرزد ہوئی ہیں مثلاً اکثر انھی امور کو جو اس سے پہلے عقاید وغیرہ کے ضمن میں ذکر کر آئے ہیں بدخلقیوں کے ضمن میں پھر دہی دہرائے ہیں فرق یہ ہے کہ وہاں ان کو عقائد بتایا گیا تھا اور یہاں انھی کو بدخلقیوں کا نام دیدیا گیا ہے جیسے۔

بدخلقی دہم مرتکب معاصی کو کافر کہنا وغیرہ وغیرہ۔

بدخلقی یازدہم اپنی مہدیت کے انکار کے سبب سب مسلمانوں کو کافر کہنا۔

بدخلقی شانزدہم اپنے مقبلین کو کافر کہنا۔

حالانکہ عقیدۂ سوم عقیدۂ دوازدہم عقیدۂ سیزدہم وغیرہ انہی مباحث پر مشتمل ہیں اور ان کی کافی تحقیق ہو چکی ہے کہ تمام خلفاء اللہ (انبیا علیہم السلام) اور افضل الانبیاء والرسل (صلعم) اپنی اپنی خلافت الٰہی (نبوت) کے منکرین کو کافر کہتے آئے ہیں وہ تمام اسلامی فرقے جو وجود مہدی علیہ السلام کے قائل و معتقد ہیں وہ اپنے اپنے معتقد علیہ مہدی کی تصدیق فرض اور انکار کفر ہوتے کے بھی قایل ہیں۔ خود مولف ہدیہ بھی اس بدخلقی کے مورد و مصداق ہیں کیونکہ وہ بھی اپنے معتقد علیہ مہدی کا انکار کفر کہتے ہیں۔

اگر ان اطلاقات کو بقول مولف ہدیہ بدخلقی کہا جائے تو خود مولف ہدیہ کو

بتانا ہوگا کہ اس بدخلقی میں معاذ اللہ کون کون مبتلا ہیں ۔

ثانیاً ۔ مولف ہدیہ نے اپنے اس مذکورہ قول میں حضرت امامنا علیہ السلام کی جناب اقدس میں بدزبانی کرکے دعویٰ تو یہ کیا ہے :۔

"تاکہ ناظرین پر ظاہر ہووے کہ باوجود اس دعویٰ انا ولا عجبی کے مقدمہ اخلاق میں کس قدر" ان کے اقوال و افعال مخالف قطعیات قرآن و احادیث کے ہیں"۔

لیکن اس دعویٰ کے خلاف اس ضمن میں جہاں خاص حضرت امام علیہ السلام کے اقوال و افعال سے بحث ہونا چاہیئے تھا بعض خلفاء و صحابۂ امام علیہ السلام کے افعال و اقوال بھی درج کردئے ہیں حالانکہ اہل سنت کے اعتقاد میں جن کے مولف ہدیہ خود کو علمبردار سمجھے ہوئے ہیں آنحضرت صلعم کے خلفا و صحابہ میں کوئی بھی معصوم عن الخطا نہیں ہے ۔ اس اصول اعتقادی کے نظر کرتے اگر کسی صحابی رسول اللہ صلعم میں دلو بالفرض کوئی اخلاقی کمزوری پائی بھی جائے تو کوئی بدباطن اس کو آنحضرت صلعم کے اخلاق عظیم پر حرف گیری کا سبب نہیں قرار دے سکتا ۔

ایسا ہی مہدویہ کے اعتقاد میں بھی حضرت امامنا علیہ السلام کے خلفا و صحابہ میں کوئی معصوم عن الخطا نہیں ہے اور اس اصول اعتقادی کے لحاظ سے کسی صحابی امام علیہ السلام سے کوئی اخلاقی کمزوری ظاہر ہونا فرض بھی کرلیا جائے تو اس سے امام علیہ السلام کے اخلاق کریمہ پر کسی بدباطن کا حرف گیری کرنا بھی صحیح نہیں ہوسکتا ۔

پھر مولف ہدیہ کی اس نادانی کو کیا کہا جائے کہ انھوں نے حضرت امام علیہ السلام کے اقوال و افعال سے بحث کرنے کے دعویٰ کے تحت صحابہ و خلفاء امام علیہ السلام کے اخلاق پر زبان طعن دراز کی ہے چنانچہ بدخلقی سوم ۔ بدخلقی نواز دہم ۔ بدخلقی بستم ۔ بدخلقی بست و یکم وغیرہ یہی نوعیت رکھتی ہیں کہ وہ کسی نہ کسی صحابی امام علیہ السلام سے متعلق ہیں ۔

تحقیق و تعمق کی نظر سے دیکھا جائے تو وہ طعن بھی خود غلط ہیں اُن سے ان صحابہ کا دامن اقدس بھی بدخلقی کی گرد سے گرد آلود نہیں ہوسکتا ان سے امام علیہ السلام کے اخلاق کریمہ متاثر ہونے کا بے ادبانہ تصور تو "ایں خیال ست و محالست و جنوں" کا مصداق ہے ۔

ثالثاً۔ بدخلقیاں بعض صحابۂ امام علیہ السلام سے متعلق بتائی گئی ہیں وہ بھی ان کے اقوال وافعال نہیں ہیں بلکہ ان کے خواب اور کشف کے معاملات اور اخبار مغیبات یعنی پیشین گوئیاں ہیں حالانکہ اہل سنت کے اعتقاد میں غیر معصوم کا کشف قطعی نہیں کہلاتا اور نہ ان کا ہر خواب رویا ے صادقہ ہونا ضروری ہے عموماً خواب اور کشفی معاملات مبہمات ہوتے ہیں جن کے مفہوم ومعانی قطعی طور پر ظاہر نہیں ہوتے اور ان پر احکام مترتب نہیں ہو سکتے ایسا ہی اخبار مغیب کے ظہور کا کوئی زمانہ یا وقت معین نہیں کیا جاتا۔

مولف ہدیہ نے ان اصول کے خلاف بعض خواب اور کشفی معاملات کے خلاف ہونے کو بدخلقی اور پیشین گوئی کا ابتک ظہور نہ ہونے کو اللہ تعالیٰ پر کذب وافترا کہہ دیا ہے چنانچہ

بدخلقیٔ دوم۔ بدخلقی سوم۔ بدخلقیٔ نواز دہم۔ بدخلقی ستم۔ بدخلقیٔ بست ویکم کی بعض ضمن اسی نوعیت کی ہیں۔ حالانکہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بعض خواب اور بعض مکاشفات صحابہ کے روبرو بیان فرمانے کا ذکر بعض احادیث میں مذکور ہے جن کو صحابہ نے نہیں سمجھا اور حضرت سے دریافت کیا کہ آپ نے ان کی کیا تعبیرات فرمائی ہیں پھر حضرت کے ان کی تعبیرات فرمانے سے صحابہ کو یہ معلوم ہوا کہ ان کا مفہوم ومعنی یہ ہے۔

اسی طرح حضرت نے اپنی دو انگلیاں سبابہ اور وسطی ملاکر صحابہ کو بتایا اور یہ فرمایا کہ بُعِثْتُ اَنَا وَالسَّاعَۃَ کَھَاتَیْنِ (میں اور قیامت اس طرح مبعوث ہوئے ہیں جیسے یہ دو انگلیاں ہیں)

قرآن شریف میں ارشاد ہوا ہے

وما امر الساعۃ الا کلمح البصر او ھو اقرب۔	قیامت کا معاملہ آنکھ جھپکنے کے جیسا یا اس سے بھی قریب تر ہے۔

حضرت کے اس فرمان اور قرآن شریف کی اس آیت کے نزول کو تیرہ سو سال سے زیادہ عرصہ ہوگیا ہے اور ابھی تک قیامت کا ظہور نہیں ہوا مگر کوئی مسلمان اس تاخیر کو اللہ تعالیٰ پر کذب وافترا نہیں کہتا جیسا کہ مولف ہدیہ نے کہا ہے۔

رابعاً۔ کہیں اختلاف مذہب و مسالک کو بدخلقی کہا گیا ہے جیسے بدخلقی پنجم آیات قرآنی کو منسوخ نہ ماننا بدخلقی میں شمار کیا ہے لیکن اس کی کوئی وجہ نہیں بتائی کہ صرف آیات قرآنی کو منسوخ نہ ماننا بدخلقی کیوں ہے اور دوسرے بہت سے اختلافات مثلاً خلق قرآن کے مسئلہ کا اختلاف وغیرہ کو بدخلقیوں میں کیوں نہ شمار کیا گیا حالانکہ سب اختلافات کی طرح آیات قرآنی کا منسوخ ہونا نہ ہونا بھی ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ بعض علمائے اسلام بعض آیات کو منسوخ مانتے ہیں پھر نسخ کے قایل علما منسوخ آیتوں کی تعداد اور ان کے تعین میں بھی مختلف الاقوال ہیں۔ کسی نے منسوخ آیتوں کی تعداد دوسو بتائی ہے۔ کسی نے اس سے بہت کم یعنی صرف پانچ آیتیں منسوخ مانی ہیں۔ پھر منسوخ آیتیں خواہ دوسو ہوں یا پانچ ہی ہوں وہ کونسی ہیں اس میں بھی اختلاف ہے بعض علما نے جن آیتوں کو منسوخ کہا ہے دوسرے علما ان کو منسوخ نہیں مانتے۔ ان کے مقابل بعض علما قرآن کی کسی آیت کو بھی منسوخ نہیں مانتے ان کے نزدیک قرآن ناسخ ہی ناسخ ہے اس کا کوئی حکم منسوخ نہیں ہے جن آیتوں کے مضامین بظاہر متضاد معلوم ہوتے ہیں اور جس کی وجہ سے کسی ایک متضاد حکم کو منسوخ ماننا لازم آتا ہے وہ علما ان آیتوں کے مضامین میں تطبیق دیکر تضاد کو دفع کردیتے ہیں اور ہر حکم بجائے خود صحیح مانتے ہیں۔ مہدویہ بھی عدم نسخ کے قایل ہیں غالباً اس لئے مولف ہدیہ نے مہدویہ کی کاوش میں کسی بھی آیت قرآنی کو منسوخ نہ ماننا بدخلقی پنجم کہا ہے اور یہ نہیں بتایا کہ کس نے اور کس دلیل سے اس اختلاف مسلک کو بدخلقی گنا ہے اور یہ نہیں خیال کیا کہ ایسا کہنے سے مہدویہ کے ساتھ ان تمام علما کو بداخلاق ماننا لازم آگیا جو کسی آیت قرآنی کو منسوخ نہیں مانتے۔ اور جب آیات قرآنی کو منسوخ نہ ماننا بدخلقی ہوسکتی ہے تو عدم نسخ کا قایل فریق نسخ کے قایلین کو بھی بدخلقی کا مرتکب قرار دینے کا کیوں حق نہیں رکھتا جبکہ قرآن کو منسوخ ماننے سے قرآن کی توہین و منقصت کا پہلو نکلتا ہے پھر تو بعض آیات قرآنی کو منسوخ ماننے اور غیر منسوخ ماننے والے دونوں بدخلقی کے مورد ہوں گے کوئی بھی بدخلقی سے بچ نہ سکیگا۔

خامساً۔ علمائے اسلام حضرت سرور کائنات محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم کے متعلق عموماً اصول اخلاق سے بحث کرتے ہیں مثلاً حضرت کے خلق عظیم کے

متعلق عموماً اصول اخلاق سے بحث کرتے ہیں مثلاً حضرت کا "حلم" کیسا تھا؟
سخاوت وشجاعت کیسی تھی؟ وغیرہ وغیرہ انھوں نے کسی مخصوص اور اتفاقی
واقعہ کو جو کسی مصلحت وحکمت پر مبنی ہوا اور ہماری فہم نارسا اس تک نہ پہنچ سکتی ہو
بحث اخلاق کی بنا قرار نہیں دی ہے کیونکہ وہ حقیقت میں خاص مصالح تنبیہ وقصاص
پر مبنی تھے۔ اس کے برعکس مولف ہدیہ نے بعض اتفاقی وجزی واقعات ہی کو بحث
اخلاق کی بنیاد قرار دی ہے اور اسی کو بد خلقی سمجھا اور بتایا ہے مثلاً بد خلقی اول
جس کی تفصیلی بحث بعد میں اس کے موقع پر آئے گی۔ بی بی شکر خاتون وغیرہ کا خاص واقعہ
پیش کیا ہے اور اس کو امامنا علیہ السلام کی خصلت کہا ہے حالانکہ خصلت اس فعل کو
کہتے ہیں جو عادت کے طور پر بمقتضائے طبیعت بار بار سرزد ہو اور یہاں اس ایک واقعہ
کے سوا کوئی اور واقعہ مولف ہدیہ نے پیش نہیں کیا ہے اور وہ پیش نہیں کر سکتے۔
پھر وہ بھی ترک ہجرت کی تنبیہ کے طور پر حسب احکام قرآنی "والذین امنوا ولم
یہاجروا مالکم من ولایتہم من شئی حتی یہاجروا" وغیرہ آیات کی تعمیل میں
ہوا ہے ناظرین خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ احکام قرآنی کی تعمیل کو کیا کوئی مسلمان بد خلقی
شمار کر سکتا ہے۔

سادساً بعض بد خلقیاں محض افترا ہیں گویا خود غلط افترا کیا ہے اور اپنی افترا
کی ہوئی صورت کو بد خلقی کہا ہے جیسے بد خلقی نمبر دہم جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

"امامنا علیہ السلام لوگوں کو حج بیت اللہ سے باوجود فرضیت واستطاعت
کے منع کرتے تھے اور اپنے خلیفہ میاں دلاور کے حجرے کو بمنزلہ کعبے کے
ٹھہرایا تھا اس کے تین شوط (طواف) کعبہ کے سات شوط بلکہ تمامی ارکان حج کا
قایم مقام جانتے تھے"

خود حضرت امامنا علیہ السلام نے خلفا وصحابہ کی کثیر جماعت کے ساتھ جسکی
تعداد تین سو سے متجاوز تھی حج کعبۃ اللہ کو تشریف لے گئے اور حج ادا فرمایا ہے۔
جس کا مولف ہدیہ کو بھی اعتراف ہے۔

حضرت کے بعد بھی حضرت کے خلفا وصحابہ وتابعین وتبع تابعین جن کسی کو حج
کے شرائط وجوب وادا میسر ہوئے وہ حج ادا کرتے رہے ہیں اور یہ سلسلہ اب تک برابر جاری ہے۔

مولف صاحب ہدیہ کو یاد ہوگا کہ وہ خود جب ارکان حج ادا کرنے کے لئے گئے تھے عائدین مہدویہ ہی کے قافلہ میں شریک اور انہی کے ہم نوالہ و ہم پیالہ تھے۔

یہ بھی یاد ہوگا کہ مدینہ کے منازل میں سے ایک منزل میں کسی سے یہ افواہ سنی گئی کہ یہاں کوئی صاحب "مہدی" ہونے کا دعوی کر رہے ہیں تو آپ نے میر قافلہ تاتار خاں صاحب جمعدار مہدوی سے بطور تفنن کہا تھا کہ "جمعدار صاحب یہاں بھی ایک مہدی ہیں جائیے" تاتار خاں صاحب جمعدار نے جواب میں کہا تھا کہ ہم مرحلہ تصدیق تو طے کر چکے ہیں، ہم کسی مہدی کے منتظر نہیں ہیں جو منتظر ہیں وہ جائیں ان سب واقعات ہی سے مولف ہدیہ کے بیان کی صاف تردید ہو جاتی ہے کہ امامنا علیہ السلام باوجود فرضیت واستطاعت کے لوگوں کو حج بیت اللہ سے منع کرتے تھے الخ اگر حضرت امامنا علیہ السلام حج سے منع فرماتے تو خود کیوں تشریف لے جاتے؟ خاص متبعین کو حج ادا کرنے کے احکام کیوں دیتے اور حج ادا کرنے کا یہ سلسلہ کیوں جاری رہتا؟ اسی سے ثابت ہے کہ مولف ہدیہ کا یہ سارا بیان بہتان و افترا ہے مولف ہدیہ پر تصحیح النقل کی بڑی ذمہ داری عاید ہے ان کو ثابت کرنا ہوگا کہ انھوں نے یہ بات کن کتابوں سے نقل کی ہے اور ان میں یہ کہاں ہے کہ حضرت نے باوجود فرضیت واستطاعت کے لوگوں کو حج سے منع فرمایا اور میاں دلاور کے حجرہ کے تین شوط کو کعبہ کے سات شوط یا تمامی ارکان حج کا قایم مقام کب قرار دیا تھا؟

اصل واقعہ صرف اس قدر ہے جس پر مولف ہدیہ نے بہتان و افترا کا یہ طومار باندھا ہے ایک نا کتخدا پارسا بی بی نے حضرت امامنا کے حضور میں حاضر ہو کر عرض کی کہ مجھے زاد مہیا ہے مجھے حج کو جانے کا بہت اشتیاق ہے اجازت ہو چونکہ ان کے ساتھ کوئی محرم نہیں تھا جن کے ساتھ وہ سفر کر سکتیں اور اس وجہ سے ان پر حج فرض ہی نہ تھا حضرت نے انھیں حکم دیا کہ اپنا زاد مستحقین پر انفاق کرو اور تم بھائی دلاور کے حجرہ کا طواف کرلو مقصد حاصل ہو جائے گا۔

ان بی بی نے حکم کی تعمیل کی اور تیسری ہی بار میں تجلیات ربانی سے مدہوش ہو گئیں حضرت نے پسخوردہ عنایت کیا اور ان کا مدہوشی صحو سے مبدل ہو گئی اس طرح ان کا مقصد حج حاصل ہو گیا اس واقعہ سے خود مولف ہدیہ کے بیان کئے ہوئے کئی نتیجے غلط ثابت ہو رہے ہیں۔

اول جن کو منع کیا گیا ہے ان پر حج فرض ہی نہیں تھا لہذا مولف ہدیہ کا باوجود فرضیت

کہنا غلط ہے ۔

ثانیاً اس واقعہ کے سوا کوئی اور واقعہ اماماً کی حیوٰۃ طیبہ کا اس نوعیت کا مولف ہدیہ نے پیش نہیں کیا ہے اور نہ وہ پیش کر سکتے ہیں اس لئے لوگوں کو منع کرتے تھے کہنا غلط ہے

ثالثاً حجرہ کے تین شوط (چکر یا طواف) کو کعبۃ اللہ کے سات شوط بلکہ تمامی ارکان حج کا قایم مقام جانتے تھے کہنا بھی غلط اور صریح بہتان ہے کیونکہ تین شوط کو کعبہ کے سات شوط یا تمام ارکان حج کا قایم مقام جاننا بھی کسی روایت میں مذکور نہیں ہے ۔

رابعاً اماماً علیہ السلام کے بعد بند گیمیراں سید محمودؓ کے جو دو واقعے لکھے ہیں ان بزرگوں کو بھی زاد سفر نہیں تھا اور حج کا بہت اشتیاق رکھتے تھے اس لئے باوجود استطاعت کے کہنا بھی غلط ہے ان پر بھی حج فرض نہیں تھا ۔

خامساً اس واقعہ کی مثال حضرت بایزیدؒ کا واقعہ ہے جو مولانا رومیؒ نے مثنوی میں لکھا ہے اور حضرت ابو سعید ابو الخیرؒ کا واقعہ ہے (جو حضرت عبد القادر جیلانیؒ کے سلسلہ شیوخ میں ہیں) اور جس کو مولانا جامیؒ نے نفحات الانسؒ میں بیان کیا ہے بایزیدؒ کے واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ

حضرت بایزید رح حج وعمرہ کے ارادہ سے مکہ کو جا رہے تھے اثنائے سفر میں بایزید کسی خضر وقت کی تلاش میں تھے انھوں نے ایک بوڑھے بزرگ کو دیکھا جس میں خاصا بندگان خدا کی شان نمایاں تھی بایزید نے ان کو قطب پایا اور ان کی خدمت میں عجز وانکساری کے ساتھ گئے ۔ پوچھا بایزیدؒ کہاں کا ارادہ ہے کہا کعبہ کا ارادہ رکھتا ہوں کہا اپنے ساتھ زاد راہ کیا رکھتے ہو کہا دوسو درہم اس بزرگ نے کہا میرے اطراف سات مرتبہ طواف کرو اور اس کو حج کے طواف سے بہتر جانو۔ وہ درہم میرے سامنے رکھدو اور سمجھو کہ تم نے حج کر لیا اور مراد حاصل ہوگئی عمرہ ادا کر لیا اور عمر باقی پالی صفا پر دوڑ لیا اور صاف ہوگئے ۔حق کی قسم کہ حق نے مجھ کو اپنے بیت سے برگزیدہ کیا ہے کعبہ اگرچہ خانہ بیر ہے لیکن میری خلقت بھی اس کا خانہ بیر ہے تو نے مجھے دیکھا خدا کو دیکھا میری خدمت خدا کی اطاعت ہے تو ہرگز یہ نہ سمجھ کہ حق مجھ سے جدا ہے تو یہ سمجھ کہ تو نے کعبہ کے گرد چکر لگایا ۔ اچھی طرح آنکھ کھول کر مجھ کو دیکھ تاکہ بشر میں تو نور حق دیکھے ۔کعبہ کو اللہ نے یکبار "بیتی" (میرا گھر) کہا ہے اور مجھے "یا عبدی" (اے میرے بندے) (ستر) بار کہا ہے ۔اے بایزیدؒ تو نے کعبہ کو پالیا صد عزت وصد بہا پالیا بایزیدؒ نے

ان نکتوں کو سنا اور زریں حلقوں کی طرح کان میں رکھ لیا ان سے بایزیدؒ کو اور ترقی ہوی منتہی منتہا کو پہنچ گیا"۔

مولانا جامیؒ نے نفحات الانس میں لکھا ہے کہ "شیخ ابو سعید ابوالخیر ہر مریدے را اندیشۂ حج بودے ویرا بر سر خاک پیر ابوالفضل فرستادے وگفتے کہ آں خاک را زیارت کن وہفت بار گرداں خاک طواف کن تا مقصود حاصل شود"۔ اولیاے امت مرحومہ کے اسی قسم کے واقعات اور بہت سے موجود ہیں لیکن شرعاً اثبات مدعا کے لئے دو گواہ معتبر کافی ہوتے ہیں اس لئے اسی قدر پر اکتفا کیا جاتا ہے اور مولف ہدیہ کی اُس زبان درازی کی نسبت جو اس موقع پر انھوں نے کی ہے پوچھا جاتا ہے کہ وہ سب زبان درازیاں جو میاں دلاورؓ کے حجرے کے متعلق کی گئی ہیں وہ سب پیر بایزیدؒ اور پیر ابوالفضل کی قبر کی نسبت شیخ ابوسعید ابوالخیر کے عمل پر بھی پوری صادق ہیں کہ نہیں بلکہ میاں دلاورؓ کے حجرے کے واقعہ میں آداب شرعی اور عذر شرعی موجود ہے زاد سفر مستحقین کو نفقہ کر دینے کا حکم دیا گیا ہے خود نہیں لیا ہے اس عمل کو عین حج وعمرہ ادا ہونا اور حج سے بڑھکر نہیں بتایا ہے مقصد حج حاصل ہونا کہا گیا ہے ظاہر ہے کہ عین حج ادا ہونے اور مقصد حج حاصل ہونے میں آداب شرعی کے نظر کرتے بڑا فرق ہے۔

سابعاً ایسا ہی بدخلقی د واز دہم کہ "اماماً علیہ السلام علم سیکھنے سے منع شدید کرتے تھے۔ مطلق علم سے منع کرنا بھی ایک بہتان ہے کیونکہ حضرت کے یہ فرامین بھی موجود ہیں کہ

علم لابدی می باید تا نماز وروزہ وما نند ایں افعال در دین رسول خدا درست شود" (انصاف نامہ)۔	یعنی ضروری علم چاہئے تاکہ نماز وروزہ اور اسی کے مانند تمام افعال رسول خدا کے دین میں درست ہوں۔
ایضاً میراں علیہ السلام میاں نظام را فرمودند کہ چیزے علم حدیث بخوانید	حضرت مہدی علیہ السلام نے میاں نظام کو فرمایا کہ کچھ علم حدیث پڑھو۔

ایضاً۔ آپ کا ارشاد ہے

علمے بطلب کہ باتو ماند ÷ آں علم تراز تو رہاند وغیرہ (وہ علم طلب کرو جو تمھارے ساتھ رہے اور وہ علم تم کو تمھاری خودی سے رہائی دلائے)۔

ان واضح اور صریح فرامین سے ثابت ہے کہ آپ نے علم فقہ اور علم حدیث اور

علوم باطنی سیکھنے کا حکم دیا ہے۔ پس مانعتی احکام غیر ضروری اور غیر مفہوم مفید علم سے مخصوص ہوں گے اور وہ مطلق علم سے اس لئے متعلق نہیں ہیں کہ مطلق علم کا مفہوم دنیا بھر کے تمام علوم سیکھنے کو کوئی بھی نہ ضروری قرار دیتا اور نہ ان سب سے منع کرتا ہے بلکہ علوم کی تقسیم کی جاتی ہے اور ان اقسام میں سے کوئی کسی علم کو ضروری اور کوئی کسی علم کو غیر ضروری سمجھتا ہے مثلاً اہل دین دینی علوم کو ضروری اور علوم دنیوی کو غیر ضروری سمجھتے اور ان سے منع کرتے ہیں علم دین کو بھی کسی نے صرف تفسیر و فقہ و حدیث میں حصر کر دیا اور ان کے سوا دوسرے علوم سیکھنے کی مذمت کی ہے چنانچہ کہا ہے۔

علم دین تفسیر و فقہ است و حدیث ؎ ہر کہ خواند غیر ازین گردد خبیث

ان علوم دین میں سے بھی فقہا علم فقہ کو نہایت ضروری کہتے ہیں اور اہل حدیث علم فقہ کے قائل ہی نہیں ہیں اور علم حدیث ان کے پاس سب سے زیادہ اہم ہے متکلمین علم کلام کو اہم جانتے ہیں۔ صوفیائے کرام علوم باطنی کو سب سے زیادہ ضروری کہتے اور علم فقہ کے متعلق یہ رائے رکھتے ہیں کہ "حق را نشناسی تو باین کنز و قدوری" اور متکلمین کے متعلق ان کا یہ فیصلہ ہے کہ

پائے استدلالیاں چوبین بود ؎ پائے چوبین سخت بے تمکین بود

اس سے ثابت ہے کہ تمام اہل مذہب کسی نہ کسی علم کو غیر ضروری اور غیر مفید کہتے ہیں اور اس سے منع کرتے ہیں پس کسی بھی علم سے منع کرنے کو اگر مطلق علم سے منع کرنا کہا جائے تو مولف ہدیہ ان تمام کو مانع علم ہونیکی بد خلقی میں مبتلا مانتا ہوگا۔

ثالثاً مولف ہدیہ نے حضرات انبیا علیہم السلام کی عین سنت جاریہ کی پیروی کو بد خلقی کہا ہے جیسے ترک کسب حلال کو بد خلقی تہم قرار دیا ہے حالانکہ کسب حلال یعنی اسباب معیشت کو اگر قبل عطائے نبوت و نزول وحی اختیار کئے بھی تھے تو بعد نبوت چھوڑ دینا ہی انبیا علیہم السلام کا آئین رہا ہے چنانچہ امام فیلسوف احمد بن عبد اللہ رح نے رسالۂ ماہیتہ الایمان میں لکھا ہے۔

وذالک ان الانبیاء قبل یوحی الیھم یکونون کاحد من انبیاء الدنیا فی طلب المعیشۃ حتی اذا جاءھم الوحی والنبوۃ ترکوا المعاش واشتغلوا

انبیاء علیہم السلام وحی آنے اور نبوت ملنے سے پہلے تک طلب معیشت میں دوسرے ابنائے دنیا کے جیسے ہوتے ہیں جب ان پر وحی نازل ہوتی اور انھیں نبوت ملتی ہے وہ طلب معاش

لتبليغ الرسالة ويتكلون على الله فيما يحتاجون اليه من عرض الدنيا الخ | چھوڑ دیتے اور رسالت کے احکام کی تبلیغ میں مشغول ہو جاتے ہیں اور اپنے مایحتاج ضروریات دنیوی کیلئے اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے رہے ہیں۔

خود افضل الانبیاء والمرسلین صلعم کے عمل سے اس کی توضیح اور تصدیق ہوتی ہے کہ حضرت نے وحی نازل ہونے سے پہلے تک بی بی خدیجہؓ کے تجارتی کاروبار فرمائے ہیں مگر جب وحی نازل ہوئی اور منصب رسالت پر فائز ہوئے تو یہ سب کاروبار چھوڑ دئے اور نبوت و رسالت کے احکام کی تبلیغ میں ہمہ تن مصروف ہو گئے بلکہ خود کو اس کیلئے وقف فرما دیا اور اپنے ذاتی کاروبار کو خدا پر سونپ دیا اب آپ کے اوقات عزیز طلب معیشت میں صرف نہیں ہوتے تھے کیا مولف ہدیہ بتائیں گے کہ آنحضرت صلعم اس زمانہ سے آخر حیٰوۃ طیبہ تک تجارت یا زراعت یا کسی کی ملازمت یا اور کونسا کسب حلال کا پیشہ اختیار فرمائے ہوئے تھے۔

مولف ہدیہ نے کسب حلال کو فریضہ اور فقرائے مہدویہ کو تارک فرض کہا ہے تو کیا انبیا اور افضل الانبیا علیہم السلام کی جناب اقدس میں جبکہ آپ نے نبوت عطا ہونیکے بعد کسب حلال چھوڑ دیا تھا مولف ہدیہ یہی بےادبی یعنی تارک فرض ہونیکا الزام عائد کرنیکی جرأت بےجا کریں گے۔

تاسعاً دعوی تو یہ کیا گیا تھا کہ قطعیات قرآن و حدیث کے مخالف اقوال وافعال بدخلقیوں کے ثبوت میں پیش کریں گے لیکن کئی ایک ایسی باتیں پیش کردی ہیں جن کا قطعیت قرآن و حدیث کے خلاف ہونا اول ثابت نہیں کیا گیا اور وہ عمل مستحب و مندوب کی حیثیت رکھتا ہے مثلاً بدخلقی بست وہکم کی ضمن میں بعد نماز دعا نہ کرنا اور بعد نماز دعا میں ہاتھ نہ اٹھانا بدخلقی قرار دیا گیا ہے مگر یہ نہیں بتایا گیا کہ اس کو کس نے بدخلقی کہا ہے۔ اگر مطلق دعا میں ہاتھ نہ اٹھانا چاہیئے۔ نماز میں دعا کی جاتی ہے مگر ہاتھ نہیں اٹھائے جاتے مثلاً دعائے قنوت دعا ہے دعائے ماثورہ دعا ہیں جو قیام او رقاعدہ نماز میں پڑھی جاتی ہیں قرآن شریف کی بےشمار آیتیں معنی دعا پر مشتمل ہیں ان سب کی قرأت نماز میں یا خارج از نماز کیجاتی ہے اور ہاتھ نہیں اٹھائے جاتے۔

مولف ہدیہ کے اس بے اصل بیان کو مختلف نقاط نظر سے جانچا جائے تو اس کو بدخلقی کہنا غلط ہے قرآن شریف کا قطعی حکم دعا کی نسبت "ادعوا ربکم تضرعاً وخفیۃ" ہے

پس اس حکم قرآنی کے مطابق جو دعا تضرعاً اور خفیۃً نہ ہو وہ خلاف قرآن ہوگی ۔ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے سے دعا خفیہ نہ رہےگی اور جو شخص اس مخالف قرآن صورت سے بچے بقول مولف ہدیہ وہ بد خلقی ہے گویا قرآنی حکم کے موافق عمل کرنا بد خلقی ہے ؟ العجب ثم العجب ۔

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے " واسجد واقترب بعض مفسرین نے اس آیت کا معنی سجدہ میں جاؤ اور دعا کرو بتلایا ہے متعدد احادیث میں بھی حالت سجدہ میں دعا کرنے کا حکم دیا گیا ہے جیسے "اقرب ما یکون العبد من ربہ اذا سجدؔ (تفسیر کبیر) پس سجدہ میں دعا کرنا حکم قرآن و حدیث سے ثابت ہوا اور یہی صورت تضرع و خفیہ کی بہترین صورت ہے ۔ ہدویہ کا یہی عمل ہے جو قرآن و حدیث کے عین مطابق ہے اور بقول مولف ہدیہ یہ بد خلقی ہے کیونکہ سجدہ میں حسب حکم قرآن و حدیث دعا کرتے وقت ہاتھ نہیں اٹھائے جا سکتے اور ان کے پاس بغیر ہاتھ اٹھائے دعا بد خلقی ہے ۔

عاشراً ۔ بد خلقی سیز دہم مدینۂ طیبہ کو نہ جانا اور قبر نبی صلعم کی زیارت نہ کرنا لیکن روایات سے یہ واقعات ثابت ہیں کہ ارکان حج ادا فرما لینے کے بعد مدینۂ طیبہ جانے کے لئے اونٹ کرائے پر لے لئے گئے تھے مگر امام علیہ السلام کو روح مبارک رسول اللہ صلعم سے حکم ہوا کہ میں تمھارے پاس ہی ہوں مدینہ آنے کی ضرورت نہیں فوراً ہند کو واپس ہو جاؤ کیونکہ دعوئی ٔ مؤکدا ور حدود خراسان میں داخلہ کا وقت قریب رہ گیا تھا ۔ پس بتعمیل حکم مدینۂ طیبہ کا ارادہ فسخ کر دیا گیا ۔ اونٹوں کا کرایہ واپس لیا گیا ۔ اور ہند کو فوراً واپسی ہوگئی ۔ مولف ہدیہ کو سمجھنا چاہیے کہ تعمیل حکم کی بنا پر جو عمل ہو وہ بد خلقی کیسی عین خلق ہے ۔ نیز یہ غور طلب ہے کہ جس کو عیاناً و مشافہۃً خود نبی صلعم کی زیارت کا شرف حاصل ہو اس کو قبر نبی صلعم کی زیارت کی کیا حاجت ہے اس کی حقیقی نظیر معراج کا واقعہ موجود ہے تمام اہل سیر کا اتفاق ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج کی ابتدا مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کو ہوئی خود قرآن ناطق ہے

سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ الذی بارکنا حولہ لنریہ من آیاتنا " بیت المقدس کی نسبت بارکنا حولہ جو ارشاد فرمایا ہے وہ واقعہ ہی ہے تمام زیارتگاہیں مسجد اقصیٰ کے اطراف و جوانب دور و نزدیک واقع ہیں ۔ بی بی مریم کا گنبد مسجد اقصیٰ سے باہر قریب واقع ہے بیت اللحم علیہ السلام کا

مقام ولادت دوسری طرف کسی قدر فاصلہ پر ہے۔ ابراہیم خلیل اللہ اور آپ کے خاندانی پیغمبروں حضرت اسحاقؑ حضرت یوسفؑ وغیرہ کی مزارات مسجد اقصیٰ سے چالیس میل پر ہیں جس مقام کا نام خلیل الرحمٰن ہی ہے دوسری طرف موسیٰ علیہ السلام کا مزار تیس میل پر ہے جس کو موسیٰ نبی ہی کہتے ہیں۔

تمام اہل سیر متفق ہیں کہ شب معراج تمام انبیا مسجد اقصیٰ میں جمع تھے اور حضرت خاتم الانبیا نے تمام پیغمبروں سے ملاقات کی اور دو رکعت نماز سب کو پڑھائی مسجد صخرہ میں محراب محمدؐ اس کی یادگار ہے جہاں یہ دوگانہ ادا فرمایا گیا اور جسکی سمت ٹھیک کعبۃ اللہ کی طرف ہے۔

تمام واقعات معراج میں کہیں یہ مذکور نہیں ہے کہ حضرت خاتم الانبیا علیہ السلام نے مقام خلیل الرحمان یا موسیٰ نبی وغیرہ مقامات پر جاکر ان انبیا کے تربتوں کی زیارت بھی کی تھی جس کی وجہ یہی یقینی ہے کہ جن انبیا سے آپ نے مشافہۃً ملاقات فرمائی ہو ان کی تربتوں کی زیارت کی ضرورت کیا رہی۔ یہاں بھی بعینہٖ یہی صورت ہے۔

بدخلقی چہارم خبر مغیب یا پیشین گوئی کی نوعیت رکھتی ہے جو بدخلقی کی تعریف میں داخل نہیں ہوسکتی اس کے علاوہ جس روایت کو بناء بدخلقی قرار دیا گیا ہے وہ مختلف فیہ ہے اور وہ شاذ روایت ہے کسی شاذ روایت کو بدخلقی کی بنا قرار دینا خلاف اصول ہے اگر شاذ روایتوں کو بنا قرار دینا جائز ہو تو سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں شاذ روایتوں کو بنائے کذب و بدخلقی معاندین اسلام قرار دے سکیں گے۔

بدخلقی ہفتم احادیث بے اصل روایت کرنا لکھا ہے۔ مولف ہدیہ نے اس کو اس قدر مبالغہ کے ساتھ بیان کیا ہے کہ خود دروغ وافترا میں مبتلا ہوگئے ہیں۔ چنانچہ لکھا ہے "پیرو مرید۔ شیخ و شاب سب اس کام میں مبتلا ہیں اور ان کی کتابیں مثل شواہد الولایت و انصاف نامہ وغیرہ اس قدر احادیث باطلہ سے لبریز ہیں کہ حساب و شمار اس کا دشوار ہے۔

اولاً اس قدر مبالغہ آمیز جھوٹے دعویٰ کے نظر کرتے کم از کم سو پچاس حدیثیں تو پیش کئے ہوتے تعجب ہے کہ مہدویہ کی کتابوں میں تو چند حدیثیں ایسی درج ہونگی جنکو مولف ہدیہ نے بے اصل سمجھا ہے اس کے مقابل محدثین اہل سنت کی کتابوں میں

ہزاروں سے متجاوز موضوع حدیثیں ملتی ہیں پس بے اصل حدیث لکھنا بد خلقی ہو تو محدثین اہل سنت کو بہت زیادہ اس میں مبتلا تسلیم کرنا پڑے گا کیونکہ بقول مولف ہدیہ مہدوی مصنفین کی اتنے بے حساب و بے شمار حدیثوں میں سے صرف ایک حدیث الولایۃ افضل من النبوۃ سے کچھ بحث کی ہے جو صوفیائے محققین کی مسلمہ حدیث ہے ۔

ثانیاً صوفیہ کرام اور محدثین کی روایت کا طریقہ اور اصول علیحدہ علیحدہ ہے اور ہر ایک اپنے طریقۂ روایت کو مستند سمجھتا ہے

ثالثاً مصنفین مہدویہ نے جو احادیث استدلالاً پیش کی ہیں وہ محدثین اور صوفیائے کرام سے نقل کی ہیں خود ان احادیث کی تخریج نہیں کی ہے ۔

رابعاً محدثین کا قول ہے کہ کسی روایت کو جھوٹی جان کر یا گمان کر کے روایت کرنا گناہ ہے لیکن جس روایت کو وہ جھوٹی نہ جانتا یا گمان نہ کرتا ہو اس کی روایت کرنے میں گناہ نہیں ہے چنانچہ مشہور محدث نووی شارح مسلم نے لکھا ہے ۔

لم یاثم الا بروایۃ ما یعلمہ او یظنہ کذبا و اما مالا یعلمہ ولا یظنہ فلا اثم علیہ فی روایتہ ۔	جس کو جھوٹ جانتا یا گمان کرتا ہو اس کی روایت کرنے گنہار ہوگا لیکن جس کو جھوٹ نہیں جانتا یا گمان نہ کرتا ہو اس کی روایت میں گناہ نہیں ہے

پس مصنفین مہدویہ نے اپنی کتابوں میں جو حدیثیں سنداً درج کی ہیں وہ ان کو صحیح و مستند جان کر درج کی ہیں ۔ اگر وہ ان کے ضعیف و سقیم ہونے کے قایل ہوتے تو ان سے استناد نہ کرتے اور اس صورت میں ان پر کوئی وبال نہیں ہے ۔

خامساً یہاں ایک اور بوالعجبی مولف ہدیہ کی زیادہ غور طلب ہے کہ بد خلقی مفتم مولفین و مصنفین مہدویہ سے تعلق رکھتی ہے اماما علیہ السلام کی ذات اقدس سے ہرگز متعلق نہیں ہوسکتی کیونکہ بقول مولف ہدیہ جن مصنفین نے بالفرض چند بے اصل حدیثیں اپنی کتابوں میں نقل کی ہیں تو ان کا یہ عمل امام علیہ السلام کی بد خلقیوں کے ضمن میں کبھی نہیں شمار ہوسکتا اور جس حدیث کی نسبت امام علیہ السلام نے نبی صلعم کی طرف فرمائی ہو وہ بے اصل نہیں کہلا سکتی اس لئے آپ کی ذات معصوم اور خلیفۃ اللہ ہونے کی جہت سے آپ کو اناً فاناً خدائے تعالیٰ اور روح رسول اللہ صلعم سے صحیح علم حاصل ہے آپ کے بیان معجز نشان پر ہر شئی کی صحت و غلطی موقوف ہے[عـــہ] ۔

عـــہ معصوم کا بیان نہتہائے دلیل ہونا قریب قریب سب کا متفقہ مسئلہ ہے ۔ اختلاف ہے تو اس میں ہے کہ

بعض بدخلقیاں تکرار لاحاصل ہیں یعنی کسی خلق حسن کی مختلف صورتوں کو بدخلقیوں کی تعداد زیادہ بتانے کے لئے علیحدہ علیحدہ بدخلقی گنا گیا ہے جیسے تعین کو لعین کہنا بدخلقی ہشتم اور ترک کسب حلال کو بدخلقی نہم اور ترک اجابت دعوت کو بدخلقی یازدہم قرار دیا گیا ہے حالانکہ یہ سب توکل علی اللہ کی صورتیں ہیں اور توکل علی اللہ اسلامی فرائض میں وہ اہم فرض ہے جو کتاب وسنت کی رو سے مدار ایمان ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وعلی اللہ فتوکلوا ان کنتم مومنین | اللہ ہی پر توکل کرو اگر تم مومن ہیں۔

اور بہت سی قرآنی آیتیں ہیں جن میں توکل علی اللہ کا حکم دیا گیا ہے اور جن میں توکل علی اللہ کی فضیلت بیان کی گئی ہے ہدیہ نے اس خلق حسن کو خلاف قرآن بدخلقی کہا ہے چنانچہ ترک کسب حلال تمام انبیا اور افضل الانبیا علیہم السلام کا آئین ہونے کا کسی قدر بیان آگیا ہے جس کو مولف ہدیہ انبیا کے اس عین آئین کو بدخلقی کہدینے کی بے ادبی کے مرتکب ہوئے ہیں۔

تعین لعین کا مختصر بیان یہ ہے کہ رزق اور ضروریات مایحتاج میں تعین کی کوئی معین اور مقررہ صورت ہو تو بندۂ مومن کی نظر اللہ تعالیٰ پر سے اٹھ جاتی اور اس کو اس معین اور مقررہ صورت پر بھروسہ ہو جاتا ہے مولف ہدیہ نے خلفائے راشدین اور بعض

بقیہ حاشیہ صفحہ ص۶۰۶ :۔ معصوم کون ہے اور کون نہیں ہے جس کو جو طبقہ معصوم مانتا ہے اس کے نزدیک اس معصوم کے قول کو ثابت کرنے کے لئے کوئی اور دلیل لانے کی ضرورت نہیں ہوتی

تمام مسلمان رسول اللہ صلعم کے فرمان کو منتہائے دلیل سمجھتے ہیں جس کے ثابت ہونے کے لئے کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔

فرقہ اثنی عشریہ جن آئمہ اہل بیت کو معصوم مانتا ہے کسی خبر وحدیث کی سند کبھی معصوم تک پہنچ جانا اس کی صحت کیلئے کافی سمجھتا ہے اور بلا تحقیق رواۃ اس حدیث کو صحیح تسلیم کر لیا جاتا ہے۔

بعض محققین صوفیہ نے اہل اللہ کی تنقید حدیث کا جو طریقہ بیان کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب انھیں حدیث میں شک ہوتا ہے تو وہ روح رسول اللہ صلعم سے تحقیق کر لیتے ہیں اور حضرت عالم مکاشفہ میں معلوم فرماتے ہیں۔

اس معصومیت اور باطنی حالت کے علاوہ کسی مشہور محدث یا کسی مشہور ثقہ راوی کے

امہات المومنین کی صورت تعین اختیار کرنے پر زور دیا ہے اس کی تفصیلی بحث بعد میں آئے گی لیکن یہ تو کھلی حقیقت ہے کہ حضرت سرور کائنات صلعم سے خود اپنی ذات اقدس کے لئے تعین کی صورت قبول فرمانا کہیں ثابت نہیں ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ بلال رضی اللہ عنہ نے ایک روز روزہ رکھا تھا اور کچھ روٹی کے ٹکڑے افطار کیلئے اٹھا رکھے تھے حضرت صلعم نے ارشاد فرمایا۔

انفق یا بلال ولا تخش من ذی العرش اقلالاً۔	اے بلال یہ ٹکڑے اللہ خرچ کر دے اور صاحب عرش سے کمی کرنے کا خوف نہ کر۔

ترک اجازت دعوت کو مولف ہدیہ نے بدخلقی میں شمار کیا ہے حالانکہ دعوت کی بھی کئی قسمیں ہیں۔ بعض دعوت کا قبول کرنا واجب بعض کا مستحب اور بعض کا مکروہ ہے چنانچہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔

ویکرہ حضور طعام الولائم ماعدا العرس اذا کان علی الصفۃ التی وصفنا رسول اللہ صلعم یمنع منہ المحتاج ویحضرہ المستغنی عنہ وھذہ الجملۃ تکرہ اھل العلم والفضل۔	نکاح کے سوا ولیموں کے کھانے کے لئے جانا مکروہ ہے جبکہ اس صورت پر ہو جس کو حضرت رسول اللہ صلعم نے ہم سے بیان فرمایا ہے محتاج اس سے روکے جاتے ہیں اور مستغنی اس پر حاضر ہوتے ہیں یہ سب صورتیں ایسی ہیں کہ اہل علم وفضل کے پاس مکروہ ہیں۔

پس ترک دعوت مکروہ عین خُلق ہوگا یا بدخُلقی؟ مولف ہدیہ کا ترک اجازت دعوت کو بدخلقی کہنا عین بدخلقی ہے۔

بعض معمولی باتیں ایسی ہیں کہ اگر ان کی شرایط پائی جائیں تو تب بھی مندوب ومستحب سے زیادہ نہیں ہیں ان کی خلاف ورزی کو بدخلقی بتایا گیا ہے جیسے بدخلقی ہفد ہم کتا پالنا وغیرہ اس کی نسبت مولف ہدیہ نے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ص ۶۰۷: نام سے حدیث بلا سند تلقی امت بالقبول، کی بنا پر کسی حدیث کی صحت پر اعتماد کرلیا جاتا ہے۔

امام مہدی علیہ السلام کو تو معصومیت اور خلیفۃ اللہی شان حاصل ہے آپ کے معصوم ہونے پر شیعہ سنی قریباً سبھی متفق ہیں تنہا ابن الفضر عفراللہ

گلہ گوسفند یا زراعت کی حفاظت یا شکار کے لئے کتا پالنا جائز ہے ۔ امام علیہ السلام کے پاس یہ تینوں صورتیں بھی نہ تھیں اور آپ کتا پالتے تھے ۔

مولف ہدیہ کا یہ شبہ بچند وجوہ مخدوش ہے ۔

اولاً وہ کتا پالا ہوا نہیں تھا بلکہ اتفاقاً سگ اصحاب کہف کی طرح قافلۂ فقرائے مہاجرین کے ساتھ ہو گیا تھا ۔

مولف ہدیہ پر خوب ظاہر ہے کہ بعض کتا ایسا ہوتا ہے کہ بغیر پالے پالے پڑ جاتا ہے اور ہر چند ٹالنا چاہو نہیں ٹلتا

ثانیاً یہ کتا پالنا جس طرح شکار وغیرہ کے لئے جائز ہے اسی طرح حفاظت خانہ و اسباب و باغ وغیرہ کے لئے بھی پالنا درست ہے چنانچہ عبد الحق محدث دہلوی مدارج النبوۃ کے باب چہارم میں لکھتے ہیں کہ نگاہ داشتن سگ برائے شکار و حراست خانہ و کشت و باغ جائز است (یعنی شکار اور گھر ۔ زراعت اور باغ کی حفاظت کیلئے کتا پالنا جائز ہے) ۔ جب گھر وغیرہ کی حفاظت کیلئے حضر میں کتا پالنا جائز ہے تو حالت سفر میں بدرجۂ اولیٰ درست و جائز ہوگا ۔

ثالثاً مولف ہدیہ کا قول ہے کہ تمام امت اسلامیہ کو اس جانور سے انکار ہے اور صحابہ و ائمہ اہل بیت اور اولیائے کاملین سے کسی کی یہ عادت نہ تھی حالانکہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ مولف ہدیہ کے اعتقاد میں سرد فتر اولیا ہیں ہمیشہ آپ کی خانقاہ پر ایک کتا رہتا تھا اور کوئی عذر شرعی بھی موجود نہ تھا چنانچہ مناقب غوثیہ میں لکھا ہے کہ جب شیخ احمد پاک سوار آپ کی ملاقات کیلئے آئے آپنے ، ایک گائے ان کے شیر کی ضیافت کے لئے بھیجی تھی جب حضرت غوث کے فقرا گائے کو لیکر چلے تو وہ کتا بھی ان کے ہمراہ ہو گیا شیر سے مقابلہ کیا اور بالآخر شیر کو پھاڑ دیا اسی واقعہ کی طرف اس مصرع میں اشارہ کیا گیا ہے ۔ ع ۔ کہ بر شیراں شرف دارد سگ درگاہ جیلانی ۔

رابعاً ارواح مجردہ کا تشکل بدلنا اور جانوروں کی شکل و صورت اختیار کرنا بھی احادیث سے ثابت اور اہل سنت وغیرہ کا مسلمہ مسئلہ ہے جس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امامنا علیہ السلام کی حرم محترم بی بی ملکانؓ نے اس کتے کو مارنے کا ارادہ کیا تو بندگی میراں سید محمود ثانی مہدی رضی اللہ عنہ نے بی بی سے کہا جو حاضرین فرماتے ہیں اگر وہ کتا ہو تو مارو

مولف ہدیہ نے نوبت ازواج کو جو حقوق ازواج کی ادائی سے متعلق ہے
جس کی حضرت امامنا علیہ السلام انتہائی پابندی فرماتے تھے بدخلقیٔ چہاردہم قرار
دیا ہے۔ جو واقعہ انھوں نے بیان کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت امامنا علیہ السلام
اپنی رحلت کے روز اپنی حرم محترم بی بی بون رضؓ کے گھر میں تھے۔ عادت یہ تھی کہ زمین میں وقت
کی شناخت کے لئے میخیں گاڑ رکھی تھیں جب ان میخوں پر سایہ پہنچتا تھا ایک بی بی کے
گھر سے دوسری بی بی کے یہاں منتقل ہونے کی نوبت آتی تھی۔

اس روز بھی جب میخ پر سایہ پہنچا فرمایا کہ مجھ کو بی بی ملکان رضؓ کے گھر لے چلو۔
بی بی ملکان رضؓ وہاں حاضر تھیں انھوں نے عرض کیا کہ آپ کو زحمت بہت ہے میں نے
اپنی نوبت آپ کو بخشدی ہے آپ یہیں تشریف رکھیں دوسرے اصحاب نے بھی کمال
اصرار کیا مگر آپ نے بی بی سے فرمایا تم نے اپنا حق بخشا لیکن شرعِ محمدی کی حدود جو
خدائے تعالیٰ کے حکم ہیں کون بخش سکتا ہے اور اصحاب سے فرمایا کہ برادراں ہماری رعایت
کرتے ہیں مگر شرعِ محمدی کی رعایت نہیں کرتے غرض بہر طور بی بی ملکان رضؓ کے گھر خود کو پہنچا یا۔

ناظرین غور کریں کہ یہ واقعہ حدود شرعی کی انتہائی پابندی اور عین اخلاق کریمہ
اور متبعین کو اتباع شرع کی اعلیٰ عملی تعلیم ہے یا بدخلقی ؟۔ اسی سے مولف ہدیہ کی
خبث باطنی و بدنفسی کا اندازہ ہوسکتا ہے کہ انھوں نے اس واقعہ کو بدنما شکل میں پیش
کرنے کی کوشش کی اور اس پر چند لاطایل اشکال پیش کئے ہیں جن پر مفصل بحث بعد میں کی جائیگی۔

اسی طرح بدخلقیٔ اول بی بی شکر خاتون وغیرہ کے چند امانتی ڈوکرے (اس زمانہ کا
سکہ) ان کو نہ دینا۔ یا بدخلقیٔ بست و یکم کی ایک ضمن کہ بندگی میاں شاہ نعمت رضؓ نے
ایک متوفی مہاجر کا متروکہ فقرائے مہاجرین میں تقسیم کر دیا اور اس مہاجر کے وارثوں کو
نہیں دیا یہ دونوں صورتیں ترک ہجرت کے متعلقات اور اس قرآنی صاف وصریح
حکم کی تعمیل ہیں۔

ان الذین آمنوا وھاجروا وجاھدوا	جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کئے اور خدا کی
باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ	راہ میں جان و مال سے جہاد کئے ہیں اور جنھوں
والذین آووا و نصروا اولئک	نے (ہجرت کرنے والوں کو) پناہ اور مدد دی
بعضھم اولیاء بعض والذین امنوا	وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں

لم یہاجروا مالکم من ولایتہم من شئ حتی یہاجروا (۱۰-۶ - انفال)

جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت نہیں کی جب تک وہ ہجرت نہ کریں تم کو انکی ولایت سے کوئی سروکار نہیں۔

تفسیر کبیر میں اس آیت کے تحت لکھا ہے۔

فقد دلت الآیۃ علی ایجاب الہجرۃ بعد الاسلام وانہم ان اسلموا لم یکن بیننا وبینہم موالات الا بعد الہجرۃ ونظیرہ قولہ تعالیٰ وما لکم من ولایتہم من شئ حتی یہاجروا۔

یہ آیت اسلام کے بعد ہجرت واجب ہونے پر دلالت کرتی ہے اور یہ کہ جو لوگ اسلام لائیں اُن کے اور ہمارے درمیان ہجرت کے بعد ہی موالات ہوگی اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے کہ جب تک وہ ہجرت نہ کریں تم کو ان کی کچھ بھی ولایت حاصل نہیں ہے

پس اس نص صریح سے ثابت ہے کہ مہاجرین اور تارکین ہجرت میں موالات منقطع ہو جاتی ہے اسی لئے تارکین ہجرت کا مال غیر مہاجر ورثاء کے عوض مہاجرین میں تقسیم کر دیا گیا اور اسی لئے بی بی شکر خاتون کے ڈولے جو ہجرت سے منہ موڑ کر جا رہی تھیں واپس نہیں کئے گئے۔

دوسرے واقعہ کی بھی یہی صورت ہے کہ متوفی بزرگ مہاجر تھے اور ان کے ورثاء مہاجر نہ تھے لہٰذا مہاجر کا متروکہ مہاجرین میں تقسیم کر دینا "بعضہم اولیاء بعض" کی تعمیل تھی۔ اس واقعہ کا ایک پہلو اتباع سنت رسول بھی تھی۔ سیرت کی کتابوں میں "باغ فدک" کا واقعہ مشہور ہے کہ رسول اللہ صلعم کی وفات کے بعد جب حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ رسول اللہ ہوئے حضرت عباسؓ اور حضرت فاطمۃؓ الزہرا حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس آئے اور مطالبہ کیا کہ باغ فدک رسول اللہ صلعم کا تھا ہم آپ کے وارث ہیں وہ ہم کو دیدیا جائے۔ ابوبکرؓ نے کہا حضرت رسول اللہ صلعم نے اپنی حیات ہی میں فرما دیا ہے کہ

نحن معاشر الانبیاء لا نرث ولا نورث ما ترکنا صدقۃ۔

"ہم جماعت انبیا ہیں نہ کسی کے وارث ہوتے ہیں اور نہ کوئی ہمارا وارث ہوتا ہے۔ جو کچھ ہم نے چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے"۔

اس لئے وہ کسی کو نہیں دیا جا سکتا۔ اس کی آمدنی حضرت کی حیات میں جن کو دیجاتی تھی اب بھی ان کو دیجائے گی۔

یہ مسئلہ اہل تشیع اور اہل سنت کے مابین اختلافی ہے اہل سنت ابو بکر صدیق رضؓ کے اس عمل کو صحیح کہتے ہیں اور اہل تشیع کو اس پر اعتراض ہے۔ جس کی بحث کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔ لیکن یہاں غور طلب بات صرف یہ ہے کہ کیا کوئی اہل سنت یہ کہہ سکتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کا یہ عمل احکام قرانی کے خلاف تھا کیونکہ آپ نے رسول اللہ صلعم کے جائز ورثاء چچا اور بیٹی کو حضرت کا متروکہ نہیں دیا۔

اسی طرح خدا کے وہ خاص بندے جنھوں نے اپنے رسول کریمؐ کی اتباع میں اپنی حیات ہی میں "ما ترکناہ صدقۃ" کہدیا ہو اور اپنے عشایر اور خانوادہ و اہل قرابت کو چھوڑکر اور اپنے ہم مشرب فقرائے مہاجرین سے عہد مواخات کے پابند ہوکر دایرہ کی بود و باش اختیار کر لی ہو جو خانقاہوں کی طرح دنیا سے یکسو اور خاص فقرائے مہاجرین و گوشہ نشین کا مقام ہوتا تھا ایسے بزرگ کا جو کچھ بھی ترکہ تھا وہ رسول اکرمؐ کی اتباع میں صدقہ تھا اور صدقہ فقرائے مہاجرین کا حق ہوتا ہے ورثا کو نہیں دیا جاتا۔

بعض مولفین نے بھی بندگی میاں شاہ نعمتؓ کے اس واقعہ کو دیکھکر یہ غلط رائے قایم کرلی ہے کہ مہدویہ میں آیت توریث کی پابندی نہیں پائی جاتی اور اس کی حقیقت پر غور نہیں کیا جو ان کی سہو نظری ہے کیونکہ یہ شاذ اور خاص صورت تھی یہاں یہ صورت نہ ہو وہاں عام طور پر متروکہ ورثا ہی میں تقسیم کیا جاتا ہے کیونکہ مہدویہ دوسرے تمام احکام شرعی کی طرح آیت توریث کے پورے عامل اور تقسیم ترکہ کے متعلقہ تمام فقہی احکام کے کامل پابند ہیں۔ مولف ہدیہ نے اس کو جو بدخلقی بتایا ہے یہ ان کی فاحش غلطی اور ناواقف ناظرین کو دھوکہ دہی ہے وہ اصل حقیقت کو نہیں جانتے اور عین اتباع شریعت و سنت کو بدخلقی شمار کرتے ہیں۔

ان واقعات کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ مولف ہدیہ نے جن واقعات کو بدخلقیوں میں شمار کیا اور جن پر اعتراض کیا ہے ان کے خود اہل واقعہ کو اس عمل پر کوئی

عتراض نہ تھا اور وہ خود اس عمل سے راضی تھے اور اس عمل کو واجبی خیال کرتے تھے۔
ا بی فشکر خاتون اپنی ہجرت اور امام علیہ السلام کی صحبت ترک کرنے پر خود نادم تھیں اور
عد میں امام علیہ السلام کے ایک خاص صحابی کے ہاتھ پر اس سے توبہ و رجوع کیا ہے
ہی وجہ ہے کہ ان کو اپنے امانتی ڈوکروں کے واپس نہ کرنے پر اور ان متوفی مہاجر کے
رثا کو ترکۂ مہاجران نہ دینے پر شکایت ہونا کسی روایت میں مذکور نہیں ہے ایسی صورت
ں یہ عمل قانوناً ان کی رضامندی اور اجازت بھی متصور ہوگا۔ اگر مولف ہدیہ کو اس سے
نکار ہو تو وہ ثابت کریں کہ انھوں نے یا ان متوفی مہاجر کے کون سے وارث نے کب
س عمل پر اعتراض کیا یا اس سے ناراضی ظاہر کی اور آپ کو اس پر اعتراض کرنے کے لئے
بنا وکیل مقرر کیا ہے۔

مولف ہدیہ نے یہاں یہ بھی لکھا ہے کہ جو آیت ترک ہجرت سے مہاجرین و
رکین میں موالات منقطع ہونے پر دلالت کرتی ہے وہ منسوخ آیت ہے حدیث
"لا ہجرۃ بعد الفتح" سے منسوخ ہوگئی ہے۔ لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً اس
یت کا منسوخ ہونا اختلافی امر ہے چنانچہ تفسیر کبیر میں لکھا ہے۔

ختلف المفسرون فقال بعضهم الاٰیة نسوخة بآیة السیف وقال قوم نها غیر منسوخة	مفسرین کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ آیت آیتِ سیف سے منسوخ ہے ایک جماعت غیر منسوخ کہتی ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس آیت کا منسوخ ہونا امر اختلافی ہے
ثانیاً امام نووی شارح مسلم نے لکھا ہے کہ علما نے حدیث "لا ہجرۃ بعد الفتح"
، یہ معنی بیان کیا ہے کہ بعد فتح مکہ خاص مکہ سے مدینہ کو ہجرت نہیں ہے نہ کہ کل بلاد سے
تفسیر لباب التاویل میں لکھا ہے۔

قال الحسن الهجرة غیر منقطعة ویجاب ن هذا بان المراد به الهجرة المخصوصة من مکة الی المدینة اما من کان من المومنین فی بلد یخاف علی اظهار دینه من کثرة الکفار وجب علیه	حسن کا قول ہے کہ (مطلق) ہجرت غیر منقطع ہے ہجرت منقطع کی نسبت جواب دیا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ ہجرت مخصوص ہے جو مکہ سے مدینہ کی طرف ہوگی۔ لیکن جو مومنین ایسے شہروں میں ہوں جہاں کثرت کفار کی وجہ سے اپنے دین کے اظہار کا

ان یھاجر الی بلد لایخاف فیہ علی اظہار دینہ | خوف کیا جائے تو ان کو ایسے شہروں کی طرف ہجرت واجب ہے جہاں اپنے دین کے اظہار پر خوف (کفار) نہ ہو۔

ثالثاً خود مولف ہدیہ نے آیت ہجرت منسوخ نہ ہونے کا دوسرے مقام پر اس طرح اقرار کرلیا ہے کہ حسب تحریر شاہ ولی اللہ کے قرآن میں کل پانچ آیتیں منسوخ ہیں اور باقی ناسخ۔ حالانکہ ان پانچ میں یہ آیت ہجرت نہیں ہے۔ پس ثابت ہوا کہ آیت "ما لکم من ولایتھم من شئ حتی یھاجروا" کا مضمون اور تارکین ہجرت سے کے متعلق فلا تتخذوا منھم اولیاء حتی یھاجروا" کا حکم بحال خود ہر زمانہ میں بحال ہے اور خصوصاً جن علماء کے نزدیک قرآن کی کوئی آیت منسوخ نہیں ہے اور ہر حکم بجائے خود قائم ہے ان کے پاس تو نسخ کا تصور ہی کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔

بدغلطیاں قائم کرتے ہیں۔ مولف ہدیہ نے جو غلطیاں کی ہیں ان کی ایک مثال یہ ہے کہ عاصی کو کافر کہنا بدغلطی ہے اور متقبلین کو کافر کہنا بدغلطی شانزدہم قرار دیا ہے اور ان کو مہدویہ سے مخصوص سمجھا اور بتایا ہے۔

اولاً ان دونوں کا مآل ایک ہی ہے کیونکہ عاصی وہی مقبل ہے جو خلیفۃ اللہ کا اقبال کرنے کے باوجود نافرمانی کرے۔ جو مقبل ہی نہ ہو اس کو عاصی نہیں بلکہ کافر کہا جاتا ہے۔

ثانیاً کفر کے کئی درجے ہیں اور اس کا اطلاق اس کے وسیع معانی اور مدارج کے لحاظ سے قرآن وحدیث اور علم کلام اور علم فقہ وغیرہ میں مقبلین پر بھی بعض خلاف ورزیوں پر کثیر الاستعمال ہے قرآن کی مثال جیسے "فمن لم یحکم بما انزل اللہ اولٰئک ھم الکافرون" (خدا نے جو احکام نازل کئے ہیں ان کا جو لوگ حکم نہیں کرتے وہ کافر ہیں) اللہ تعالیٰ کے منزلہ احکام کے مطابق حکم نہ کرنے پر کفر کی وعید انھی مقبلین سے متعلق ہے جو ان احکام کو اللہ تعالیٰ کے منزلہ ہونے کا اقبال رکھتے ہوں۔ جو ان احکام کو اللہ تعالیٰ کے منزلہ ہونے کا مقبل نہ ہو بلکہ انکار کرتا ہو اس پر ان احکام منزلہ کی تبلیغ کی ذمہ داری عاید ہوتی ہے۔ اور حدیث کی مثال جیسے من ترک الصلوٰۃ متعمداً فقد کفر (جو شخص عمداً نماز چھوڑ دے وہ کافر ہوگیا) عمداً نماز ترک کرنے پر کفر کی وعید رسول صلعم

اور دینِ رسول کے مقبل ہی کے لئے ہے۔ کیونکہ مقبل ہی حکماً نماز کی ادائی کا محکوم اور مامور ہے اور حکمِ شارع کی خلاف ورزی کرنے کا عاصی ہو رہا ہے۔ جو رسول کا اور دینِ رسول کا مقبل ہی نہ ہو وہ نماز کا محکوم و مامور بھی نہیں ہے اور جو شخص جس عمل کا شارع کی طرف سے محکوم ہی نہ ہو وہ اس عمل کے عمداً ترک کرنے پر وعید کا مستحق کیسے ہوگا۔

پس ثابت ہوا کہ عاصی اس مقبل ہی کو کہتے ہیں جو کوئی نافرمانی کرے اور مقبل ہی کو کسی معصیت یا نافرمانی کی وجہ سے عاصی کہتے ہیں اور مقبل ہی عاصی کہلاتا ہے نہ کہ منکر۔

جب عاصی اور مقبل پر قرآن و حدیث میں کفر کا اطلاق جائز و رائج ہے تو مہدویہ سے یہ خاص کہاں ہے اور ایسا کرنے کا اعتراض فقط مہدویہ سے متعلق کیسا ہوگا۔ اور یہ بدخلقی کیسی ہوگی؟ یہ تو قرآن و حدیث کی عین اتباع و مطابقت ہوئی اس کو بدخلقی کہنا کہنے والے کی غلطی ہے۔

انبیاء و اولیا اور خود افضل الانبیاء علیہم السلام اپنے ہدایت یافتہ خلفاء، اصحاب کرام وغیرہ میں جو جو فضیلتیں اور قابلیتیں پائی گئیں ان کے مناسب ان کے حق میں منقبتیں فرمائی ہیں اور یہ ایک آئین ہی چلا آیا ہے۔

اما منا مہدئ موعود علیہ السلام نے بھی اسی آئین و اصول کے مطابق اپنے اصحاب و خلفا میں جو فضائل پائے ہیں ان کے مناسب ہر ایک کی منقبتیں فرمائی ہیں چنانچہ آپ سے منقولہ روایتوں میں مناقب و فضایل کا ایک وسیع باب موجود ہے۔

حضرت نے اپنے خلیفۂ اول بندگی میراں سید محمود صدیق اکبرؓ کی منقبت کے منجملہ آپ کو سورۂ والنجم کی بعینہ تو صفتوں کا مظہر فرمایا ہے۔ اور اپنے خلیفۂ ثانی بندگیمیاں سید خوندمیر صدیق ولایتؓ کی منقبت کے منجملہ آپ کو آیت اللّٰہ نور السمٰوٰت والارض مثل نورہ کمشکوٰۃ فیہا مصباح ؕ وغیرہ آخر رکوع تک کی ایات و دیگر دو ایک آیتوں کا مصداق فرمایا ہے۔

مولف ہدیہ نے بدخلقیوں کے ضمن میں مہدویہ پر ایک غلط اعتراض تحریف ایات قرآنی کا بڑے مبالغہ کے ساتھ عاید کیا ہے جو دروغ و افترا کی حد تک پہنچ گیا ہے اور جس سے مولف ہدیہ کی رموز و حقایق سے ناواقفیت اور قلت علم ثابت ہے

ثبوت ملتا ہے اور یہ کہ مولف ہدیہ نے شائد "تفسیر تاویلات" "تفسیر عرائس البیان" "تفسیر بطن" وغیرہ نہیں دیکھی ہیں جو رموز وحقایق اور صوفیائے محققین کی اصطلاحات اور مخصوص مباحث سے مملو ہیں۔

چونکہ ان مواقع پر مولف ہدیہ نے غلط طور پر جو بدخلقیاں سمجھی اور بیان کی ہیں اُنھی پر ایک سرسری واجمالی تبصرہ مقصود ہے اس لئے تحریف آیات کے اعتراضات کا جواب بعد میں ادا کیا گیا ہے ناظرین کرام اس کے مقام پر ملاحظہ کریں گے۔ لیکن تعجب یہ ہے کہ مولف ہدیہ نے ان دونوں منقبتوں کو بدخلقی تشتم اور تحریف آیات میں کس طرح شمار کیا ہے۔ حالانکہ قرآن شریف اخلاق حسنہ کے بیان اور ان کے فضائل اور ان کے اجر و ثواب کے ذکر سے مالا مال ہے اور تمام مسلمانوں کو حکم ہے کہ ان اخلاق حسنہ اور اوصاف حمیدہ سے متصف ہوں۔

ان کے مقابل بعض صفات ذمیمہ کا بھی ذکر ہوا ہے اور ان کی مذمت کی گئی اور ان کے بُرے نتایج و عواقب سے متنبہ کیا گیا اور ان سے احتراز کرنیکا حکم دیا گیا ہے۔

مفسرین نے ان دونوں قسموں کی بعض آیتوں کا بعض خاص افراد انسانی کو مورد و مصداق بتایا ہے بلکہ کئی آیتوں کا خاص اُنہی کے حق میں نازل ہوتا بیان کیا ہے لیکن اہل سنت مفسرین کا یہ بھی مسلمہ مسئلہ ہے کہ جو آیتیں خاص موقعوں اور خاص اشخاص کے متعلق نازل ہوئی ہیں اگرچہ ان کا شان نزول خاص ہے مگر ان کے معانی عام ہیں اور وہ صفات جن میں بھی پائی جائیں وہ بھی انکے مورد و مصداق ثابت ہونگے

تفسیر کبیر میں سورۂ واللیل کے متعلق لکھا ہے۔

قال القفالؒ نزلت ھذہ السورۃ فی ابی بکرؓ وانفاقہ علی المسلمین وفی امیۃ بن خلف وبخلہ وکفرہ باللہ الا انھا وان کانت کذالک لکن معانیھا عامۃ للناس۔

قفالؒ کا قول ہے کہ یہ سورہ ابوبکرؓ کی شان میں اور آپ نے مسلمانوں پر جو انفاق کیا ہے اس کے بیان میں اور امیہ بن خلف کے بخل اور اللہ سے کفر کرنے کے بیان میں نازل ہوا ہے مگر وہ اگرچہ ایسا ہی خاص ہے لیکن اس کے معنی لوگوں کے لئے عام ہیں۔

تفسیر معالم اور تفسیر کبیر وغیرہ میں مذکور ہے کہ سورۂ دہر کی یہ آیتیں۔

یوفون بالنذر ویخافون یوماً کان شرہ مستطیرا ویطعمون الطعام علیٰ حبہ مسکینا و یتیما و اسیرا ۔ الیٰ اخرالآیات ۔	وہ نذر پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی برائی عام ہوگی اور اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور اسیر کو کھلاتے ہیں

حضرت علی کرم اللہ وجہہ وحضرت فاطمۃ الزہرا و حسنین رضی اللہ عنہم کی شان میں نازل ہوئی ہیں کیونکہ ان آیتوں میں جو واقعات وحالات بیان ہوئے ہیں وہ بعینہ انہی حضرات کے حالات اور واقعات سے پورے مطابق ہیں کیونکہ مفسرین اور اہل سیر نے اسکا جو شان نزول بیان کیا ہے اسکا خلاصہ یہ ہے کہ ایک وقت حسنین رض علیل ہوگئے تھے حضرت رسول اللہ صلعم نے حکم فرمایا کہ کچھ نذر قبول کریں حسب الحکم تین روزوں کی نذر کی گئی ۔ بفضل الٰہی حسنین رض صحت یاب ہوگئے نذر کا پورا کرنا ضروری تھا ایک یہودی سے کچھ قرض لیکر کھانے کا انتظام کیا گیا افطار کے وقت پہلے روز ایک مسکین نے آکر مانگا اور دوسرے روز ایک یتیم نے اور تیسرے دن ایک اسیر نے مانگا اور خود بھوکے رہکر تین روز پیہم ان کو دیدیا ۔

اس قسم کی اور بہت سی آیتیں ہیں جن کا شان نزول یا ان کا مصداق یا مظہر خاص خاص اشخاص ہیں ۔ پس ثابت ہوا کہ کسی کو کسی آیت کا مصداق یا مظہر بنانا نہ بدخلقی ہے نہ تحریف ۔

بعض صحابہ رسول اللہ صلعم سے مروی ہے کہ انھوں نے کسی مناسبت سے بعض الفاظِ قرآنی کو بھی بدل کر پڑھا اور دوسرے کسی صحابی رسول اللہ پر اس آیت کو چسپاں کیا ہے ۔

" استیعاب " اور " مدارج النبوۃ " میں لکھا ہے کہ مسروق کہتے ہیں کہ ہم جلیل القدر صحابی ابن مسعود کے پاس بیٹھے تھے ۔ ابن مسعود نے پڑھا " ان معاذاً کان امۃ قانتاً للہ حنیفا " فروہ بن نوفل نے کہا یا ابا عبدالرحمٰن اللہ تعالیٰ کا قول ان ابراھیم کان امۃ قانتا للہ حنیفا ہے ۔ ابن مسعود نے پھر " ان معاذاً کان امۃ قانتاً للہ حنیفاً " پڑھا میں نے سمجھ لیا کہ ابن مسعود نے بھول کر نہیں بلکہ عمداً پڑھا تھا ۔ اس کے بعد ابن مسعود نے کہا جاننا چاہئے کہ امت کس کو کہتے ہیں اور قانت کیا ہے

ہم نے کہا اللہ اور اس کا رسول جانتا ہے۔ کہا امت وہ ہے جو نیکی کی تعلیم دے اور اس کی اقتدا کی جائے قانت وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کا مطیع ہو۔ معاذ بن جبل ؓ ایسے ہی تھے۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ ابن مسعود نے کہا کہ میں بھول نہیں گیا بلکہ معاذ کو حضرت ابراہیم ؑ کے ساتھ تشبیہ کے طور پر کہا ہوں۔ گویا آپ نے معاذ کو ابراہیم ؑ کے بعض اوصاف و فیوض سے متصف و مستفیض پایا ہے۔ اس لئے یہ تشبیہ ہے تحریف نہیں ہے۔

صوفیائے محققین کے پاس دور نبوت میں جتنے انبیا گزرے ہیں ان میں سے ہر نبی جن فیوض سے فیضیاب ہے دور نبوت ختم ہونے کے بعد زمانۂ ولایت میں امت محمدیہ کا ایک ایک ولی ایک ایک نبی کے انہی فیوض سے بہرہ ور اور ان کا مظہر ہے۔

گلشن راز میں اس حقیقت کو اس طرح واضح کیا گیا ہے۔

زنورش شد ولایت سایہ گستر ⁂ مشارق با مغارب شد برابر
کنوں ہر عالمی باشد زامت ⁂ رسولے را مقابل در نبوت

یعنی آنحضرت صلعم کے نور سے ولایت سایہ گستر ہوی اور مشارق مغارب کے برابر ہوگئے اب امت کا ہر عالم دور نبوت کے ایک ایک رسول کے مقابل ہے۔

یہ حقیقت میں علماء امتی کانبیائے بنی اسرائیل کی شرح اور اس کا بیان ہے۔

جواہر السلوک میں ترقی روح انسانی کے نو مرتبے لکھے ہیں۔

یکے مومن۔ دوم عابد۔ سوم زاہد۔ چہارم۔ عارف۔ پنجم ولی۔ ششم نبی۔ ہفتم رسول ہشتم اولوالعزم۔ نہم خاتم۔

ہ۔ طلوع آفتاب کے بعد سے ہر چیز کا سایہ مغرب میں پڑتا ہے اور اس کے طولانی کے درجے مختلف ہی ہوتے ہیں۔ زوال آفتاب کے بعد وہی سایہ مشرق میں پڑتا ہے اور اس کی طولانی کے بھی اتنے ہی درجے قایم ہوتے ہیں صاحب گلشن راز نے حضرت خاتم الانبیا صلعم کے زمانہ کو استواء سے تشبیہ دی ہے اس لئے حضرت کے ظہور سے پہلے زمانہ یعنی دور نبوت کو مغارب سے اور بعد کے زمانہ کو مشارق سے تعبیر کیا ہے یعنی اولیاء و علمائے امت محمدیہ کو انبیا علیہم السلام کے مقابل ہوتا بیان کیا ہے۔

شرح اسرار نصرت غفرلہا

ان مقامات میں سے مقام نبی و رسول کی تعریف کر کے لکھا ہے کہ

بہ تبعیت ایشاں ظلے ازاں مقام نصیبۂ بعضی عظام از اتباع انبیائے کرام می شود کہ ایشاں وار عرف قوم مفہمین می نامند و ایں مقام را قرب فرایض تعبیر می فرمایند

اسی طرح اولوالعزم کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے۔

و ایں مقام بالذات مقام انبیاء اولوالعزم است و بعضی از کبار بہ تبعیت آں اولو الایدی والابصار ظلے ازاں مقام و پرتوے ازیں افتخار بہرہ ور می شود کہ ایشاں را در عرف قوم محجباً اللہ می خوانند و ایں مقام را قرب حکومت می نامند

اولوالعزم کے بعد "خاتم" کی تعریف کرتے ہوئے بہ تصریح کی گئی ہے

اعلیٰ و ارفع ازیں مقام ریاست ادوار و اطوار است و ایں مقام بالذات مقام حضرت خاتم النبوۃ و فاتح الولایت ست علیہ الصلوٰۃ والسلام و بہ تبعیت ایشاں نموئہ ازیں مقام بہ بعضی کرام از اتباع او می بخشند کہ ایشاں را بفاتحین و خاتمین لقب می سازند یعنی بوجود آں شخص نہایت مآل دورۂ سابقہ و بدایت کمال دورۂ لاحقہ متحقق می گردد و ایں مقام را در اصطلاح بمقام فردانیت ملقب می سازند

اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ نبی و رسول ۔ اولوالعزم بلکہ خاتم کے فیوض و کمالات سے ظل و پرتو کے طور پر خاتم الانبیا کے خاص خاص متبعین آنحضرت صلعم کے اذواق و اطوار سے حصہ پاتے ہیں۔

جواہر السلوک میں ایک اور مقام پر اس حقیقت کی مکرر یہ صراحت کی ہے کہ

و طائفۂ از کمل اولیائے امت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام از اذواق و اطوار او علیہ الصلوٰۃ والسلام نصیبے دارند و ایشاں را انبیا و اولیا خوانند و ورثۂ و اخوان آنحضرت مصطفیٰ علیہ السلام علی الحقیقۃ ایشانند و اشوقا الی لقاء اخوانی اشارہ بدیں طائفۂ مخصوص است و علماء امتی کانبیاء سائر الامم ایشانند۔

حضرت امامنا مہدی علیہ السلام نے اپنے جن عظیم المرتبت خلفا کو جن آیات قرآنی کا مصداق و مظہر فرمایا ہے وہ محققین کے اصول پر ہی مبنی ہے اس کی توضیح یہی ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے۔ بعض اولیاء و اقطاب امت محمدیہ بعض انبیا علیہم السلام کے قلب و قدم پر ہوتے ہیں اس سے مقصود یہ ہے کہ جس نبی کے قدم یا قلب یا مقام پر کوئی ولی ہوتا ہے تو وہ ولی اس کے روحانی فیوض و کمالات کا مظہر ہوتا ہے۔ جو کمالات نبی سے اصالتاً صادر ہوتے ہیں اس ولی سے بھی وہی کمالات تبعاً صادر ہوتے ہیں۔ اور جن قدسی فیوض سے وہ نبی مستفیض ہوتا ہے وہ ولی بھی تبعاً ان سے مستفیض ہوتا ہے۔

اسی طرح حضرت خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص متبعین حضرت کے قلب و قدم پر ہیں اور ظل و پرتو کے طور پر حضرت کے قدسی فیوض و کمالات سے مستفیض ہیں۔ پس جو آیتیں آنحضرت صلعم کی شان اقدس میں اصالتاً وارد ہیں یہ بھی ظل و پرتو کے طور پر تبعاً ان کے مورد ہیں۔ کیونکہ یہ اس طائفہ مخصوص سے ہیں جن کی شان میں آنحضرت صلعم نے "علماء امتی کانبیاء سائر الامم" اور "واشوقا الی لقاء اخوانی من بعدی" فرمایا ہے پس امامنا علیہ السلام کا اپنے ان عظیم المرتبت خلفا کو ان آیات کا مظہر و مصدق بنانا محققین صوفیا کے اس اصول کے مطابق بھی صحیح و درست ہے۔ مولف ہدیہ کا اس کو تحریف آیات کہنا بقولِ اہلِ ظاہر تشبیہ و مماثلت اور بقولِ محققین امتیازِ "اصالتاً و تبعاً" کے رموز و حقائق سے لاعلمی ہے۔

اس سرسری و اجمالی تبصرہ ہی سے ناظرین کرام پر واضح ہو گیا ہوگا کہ مولف ہدیہ سے بدخلقیاں قرار دینے میں کتنی غلطیاں اور لغزشیں سرزد ہوئی ہیں۔

الحمد للہ کہ یہاں جلد دوم ختم کی گئی۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس کے بعد جلد سوم بھی پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی امید کہ اللہ تعالیٰ اس میں کامیابی عطا کریگا۔ وما ذٰلک علی اللہ بعزیز۔

صحت نامۂ اغلاط کتاب "کحل الجواہر" جلد دوم

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳	۱	سالقین	سابقین	۱۴	۲۳	اشتہر	اشتہر
۳	۱۲	ان	اُن	۱۴	۲۵	ن	بن
۴	۲۵	بانی	جاتی	۱۵	۱۲	بتا یا ہے	بتایا ہے
۳	۲۵	بہ	بہ	۱۶	۱۰	ہوں قطعی	ہوتا قطعی
				۱۶	۱۵	نوکر کردے	ذکر کرو
۴	۱۳	الکتاب	الکتاب	۲۸	۲۵	سالدن	سال
۵	۱۷	بعض پر پر	بعض پر	۳۱	۸	العبود	العبوة
۶	۲۰	کچھ	کچھ	۳۱	۱۵	عمدہ الطالب	عمدۃ الطالب
۷	۲۵	خیز	تیز	۳۳	۱۴	مزخرفات	مزخرافات
۸	۱۲	دعوئی	دعوی	۳۵	۱۳	قطع و یقین	قطع و یقین
۸	۲۴	شرع	شرح	۳۵	۱۶	ابلست	اہلسنت
۹	۱۷	احالو	اجالوا	۳۵	۱۷	جو	جو
۹	۸	الزہراء	الزہرار	۳۵	۲۲	تبلیس	تبلیس
۱۰	۱۶	بہ ہئیت	بہ ہیئت	۳۶	۳	علی الترتیب	علی الترتیب
۱۰	۲۳	تارج	تاراج	۳۷	۴	حدیث	حدیث
۱۱	۲	گنجایش	گنجایش	۳۸	۸	واسنے	واسطے
۱۱	۱۰	افزا	افترا	۳۹	۲۳	منصرو	منفرد
۱۱	۸	کریا	کرلیا	۴۰	۸	لہ	اور
۱۴	۱۴	کرکر	کر	۴۰	۲۵	کہہ	کہتے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴۱	۱۵	وتقدیر گرنہ ہوتے	وتقدیر اگر نہ ہوتے	۸۴	۲۰	سدّا	جدّاً
۴۱	۲۵	اعتبارات وجوہ	اعتبارات و وجوہ	۸۵	۱۸	اذر	اُذر
۴۲	۱۰	ہوتی	ہوئی	۸۷	۱۹	استاذنتہ	استاذنتہ
۴۲	۱۶	والعباس	والعباس	۸۹	۲۱	النبی	النبیؐ
۴۵	۱۳	الخطاب	الخطاب	۹۲	۱۰	معنی اللبیب	مغنی اللبیب
۴۶	۱۶	عمد	عبد	۹۲	۱۹	ہوا	ہونا
۴۷	۱۴	السبب	النسب	۹۳	۲	بعصبیت	بعضیت
۴۷	۲۰	بن	بن	۹۴	۱	کتات	کتاب
۴۸	۱۸	اربعمائتہ	اربعمائۃ	۹۴	۱۱	روز	اور
۴۹	۲۵	ہونا	ہونا	۹۴	۱۵	اپے	اپنے
۵۰	۲۲	تعل	تعلی	۹۶	۶	عطاتے	عطا کرتے
۶۵	۶	بنثت	بیشت	۹۶	۱۸	بہ سب	بہ سبب
۶۶	۲۲	بچہار	پچہار	۹۸	۲۳	بقاتلون	یقاتلون
۶۸	۶	اسُم	اسمُ	۱۰۰	۵	نبی	بنی
۶۸	۱۶	چھڑی	چھیڑی	۱۰۱	۱	ہوحانا	ہوجانا
۶۹	۴	بلجرد	بمجرد	۱۰۳	۱	عرض	غرض
۷۲	۱۵	مجادیں	مجادلین	۱۰۳	۱۴	الارص	الارض
۷۳	۲۴	مخبری	مجری	۱۰۳	۲۱	فاصل	خلاص
				۱۰۵	۱۹	تاآں کہ	تاآں کہ
۷۵	۳	خو انخضرت	خود انخضرت	۱۰۸	۳	یحو	یمحو
۷۶	۱۵	محکمتہ	محکماً	۱۰۸	۶	العلمیۃ	العلمیۃ
۷۷	۸	ہذا	ہذا	۱۱۰	۸	ہمدیت نہیں ہے	ہمدیت ہیں کہ نہیں
۸۱	۱۷	اس سب کو	اس سے سب کو	۱۱۰	۲۰	لو	تو

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۱۳	۱۶	فتنه	فتنة	۱۴۶	۱۵	حنفیه	حلیفه
۱۱۸	۱	معاتی	معانی	۱۴۶	۲۴	اکابرین	اکابر
۱۱۹	۱۸	جینداں	چنداں	۱۴۶	۲۵	اکابرین	اکابر
۱۱۹	۲۵	معنی	بمعنی	۱۴۹	۱۶	دے	دئے
۱۲۲	۵	لم بیرواد	لم یروا	۱۵۰	۱۷	سال سال	سال
۱۲۵	۱	صحاخ	صحاح	۱۵۰	۲۵	خواله	حواله
۱۲۵	۲۴	اگرایات	الرایات	۱۵۱	۲۱	بعثة	بغتة
۱۲۸	۲۵	براد	راه	۱۵۳	۵	مخبیر	مخبر
۱۳۱	۲۱	نفل	نقل	۱۵۴	۴	دے	دئے
۱۳۲	۱۰	رہتا	رہنا	۱۵۶	۱۳	محذثین	محدثین
۱۳۳	۵	شاویلات	تاویلات	۱۵۸	۱۱	رجو	رجوع
۱۳۴	۹	تہیں	نہیں	۱۵۹	۲	وئی	خوئی
۱۳۵	۱	مفہوم	مفہوم	۱۵۹	۶	شنی	شئی
۱۳۵	۵	ہیں	ہیں	۱۶۱	۱۴	بیشین	پیشین
۱۳۷	۲۲	فسم	قسم	۱۶۲	۱۶	نہیں کہے	نبی نہیں کہنے
۱۴۰	۱۵	کستاخی	گستاخی	۱۶۳	۱۰	بھریق	بہرتی
۱۴۳	۲۴	وجود باوجو	وجود باجود	۱۶۳	۱۶	نانی پر	نالی پر
۱۴۳	۲۴	تاکیدارت	تاکیدات	۱۶۵	۱۸	فیخنف	فیخسف
				۱۶۷	۱۴	بعوز	یعوذ
۱۴۴	۸	ہوئے کا	ہونے کا	۱۶۷	۱۹	ہوکا	ہوگا
۱۴۴	۲۴	اکابزین	اکابر	۱۶۷	۲۳	ہوریا	ہورہا
۱۴۵	۵	یہ ور	یہ اور	۱۷۲	۱۵	متلق بھی	متعلق
۱۴۵	۲۲	یعنی	معنی	۱۷۶	۱۵	روس	رئوس

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۸۷	۷	یملک	یہلک	۲۳۰	۳	فلا یبقی	فلا یبقی
۱۸۹	۲۳	بندکیمیاں	بندگیمیاں	۲۳۲	۱۱	المسلین	والمرسلین
				۲۳۲	۲۲	العیرات	العرف
۱۹۳	۵	عبادت	عبارت	۲۳۲	۲۳	اخبار اخبار	اخبار
۱۹۵	۱۲	الیواقیت	الیواقیت	۲۳۲	۲۴	نی	فی
۱۹۵	۲۴	بواقیت	یواقیت	۲۳۳	۲	خرفا	خوفا
۱۹۵	۲۵	المسموں	المسلمون	۲۳۴	۶	یمینة	یمینہ
۲۰۱	۱۴	تحریف	تحرنیف	۲۳۶	۱۰	غیر مقصود بہیں	غیر مقصود ہیں
۲۰۲	۱۶	عرق	غرق	۲۳۹	۲	صحیحین	تصحیحیں
۲۰۳	۲۳	فسیح	صحیح	۲۴۱	۱۴	کہ تمھارا کہ	کو
۲۰۶	۹	لے	نے	۲۴۱	۱۵	الکم	الہکم
۲۰۶	۲۴	اس سب کے	ان سب کے	۲۴۱	۱۶	معبود تمھارے	تمھارے
۲۱۰	۷	کیھ	کچھ	۲۴۳	۱۵	ہے	پہ
۲۱۶	۲۰	یادعیال	بارعیال	۲۴۳	۱۸	تحزوم	مخزوم
۲۱۶	۲۴	احکام	حکام	۲۴۴	۲۳	تلاثا	ثلاثا
۲۱۹	۶	التفل	التقل	۲۴۵	۹	عشرون	عشرین
۲۲۲	۱۴	جابیہا	جانبہا	۲۴۵	۹	پھران کے بعد	پھر ان کے بعد
۲۲۲	۲۱	المصریح	الصریح	۲۴۵	۲۳	یغرج	یفرج
۲۲۴	۲	کریں کے	کریں گے	۲۴۶	۲	اشحاص	اشخاص
۲۲۵	۱۸	لانفازلہ	لانفاذلہ	۲۴۶	۱۴	وفات	وفات
۲۲۶	۲۵	بال	خیال	۲۴۶	۱۶	ابوالفرخ	ابوالفرج
۲۲۸	۱۲	یضیع	یھصع	۲۴۷	۱۶	الغیت	الغیث
۲۲۹	۳۰	یضیع	یطع	۲۴۷	۲۲	تواب	ثواب

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۴۸	۳	امہ	امۃ	۲۷۳	۲۵	تحصیص	تخصیص
۲۴۸	۸	نہج	نہج	۲۷۴	۹	می	مٹی
۲۴۸	۱۲	ہیں	ہیں	۲۷۴	۱۰	خاتم الاولیاء	وخاتم الاولیاء
۲۴۸	۲۵	النقنید	التقیید	۲۷۴	۲۵	سمجھنا	سمجھانا
۲۴۹	۴	موجودٌ	موجوداً	۲۷۶	۱۴	فی کل	فی کل من
۲۵۱	۲۴	موبد	موّید	۲۷۶	۱۹	المصدلقون	المصدیقون
۲۵۴	۱	صغراوکبرا	صغریٰ وکبریٰ	۲۷۷	۷	ما اخبرہ	ما اخبرہ
۲۵۵	۹	والنستق	والنشق	۲۷۷	۸	ما اخبرۃ	
۲۵۵	۱۳	ذکر یلہم	ذکر ابہم	۲۷۷	۱۶	گئے جاتے ہیں مثلاً	گئے جاتے ہیں مثلاً
۲۶۰	۱	چہار	چہارم	۲۷۷	۲۴	کا جمع	جمع
۲۶۲	۱۹	نمن	ضمن	۲۷۸	۱	مولف	جو مولف
۲۶۳	۱۱	ہذربانی	بدزبانی	۲۷۸	۱	صُریح	صَریح
۲۶۳	۱۸	(شارہ ہے)	(اشارہ ہے)	۲۷۸	۲۴	احسن	حسن
۲۶۹	۴	خُلقی	خُلقی	۲۷۹	۱	حصہ	خضر
۲۶۹	۱۹	شکل وہ صورت	شکل وصورت	۲۷۹	۵	انالصدیق	انا الصدیق
۲۷۰	۴	کوں	کون	۲۷۹	۹	قیاسیات	قیاسات
۲۷۰	۱۴	دل سے	یا دل سے	۲۷۹	۱۴	ہوں گے	ہو گئے
۲۷۰	۱۷	مبحث	منعث	۲۷۹	۲۱	لا یخطی	لا و یخطی
۲۷۱	۱۰	فتوحات	فتوحات میں	۲۷۹	۲۴	پیدا کرنا	پیدا کرتا
۲۷۳	۱۹	سوء طن	سوء ظن	۲۸۱	۸	تواضع	تواضع پیتی ہیں
۲۷۳	۱۲	تحقیق	تخفیق	۲۸۴	۱	تنقیص	جو تنقیص
۲۷۳	۲۳	اس کے	اس کے	۲۸۵	۱۱	حوادث	حوادث

صفحه	سطر	غلط	صحیح	صفحه	سطر	غلط	صحیح
٢٨٥	١٢	ابداءً	ابتداءً	٣٢٣	٢٠	اية	اٰية
٢٨٦	١٢	الاعاجم	الاعاجم	٣٢٧	٢	مرقع	موقع
٢٨٦	٢٤	شہابن نصرت	شہاب بن نصرت	٣٢٧	٥	آرد	بارد
٢٨٨	٢	اشداہ	اشداء	٣٢٧	٦	زہرۂجو	زہرۂ
٢٢٨	٨	رحما بینہم	رحماء بینہم	٣٢٩	٧	حیرہ	چیرہ
٢٨٩	١٣	تنسبة	تنسبه	٣٣١	١١	فثبته	فبثثته
٢٩١	٢٤	والنہا	والنہار	٣٣٢	١٨	لعاہم	لعلہم
٢٩١	٢٥	ثلثمائبة	ثلثمائیة	٣٣٢	٢١	علاله	حلاله
٢٩٢	٧	مقصودیہ	مقصودیہ	٣٣٣	٥	تایل	تاویل
٢٩٥	٢٣	میں	ہیں	٣٣٣	١١	مغر	مغز
٢٩٦	١٠	المعتزله	المعتزلة	٣٣٣	١٥	حفا	حفاظ
٢٩٩	١١	جلال	حلال	٣٣٤	٢٣	کلشن	گلشن
٣٠٣	١٣	اء	وزراء	٣٣٥	١٢	والجامعه	والجامعة
٣٠٤	٧	تعلیم	تعمیل	٣٣٥	٢٠	تعارف	زوارف
٣٠٧	٢١	الصبیا	الصبیان	٣٣٥	٢٤	انتہا	انتہیٰ
٣١٤	٢٥	اکھیں	انھیں	٣٣٦	١٧	انہ ر	انذر
٣١٧	٢١	النطفه	النطفة	٣٣٧	١٥	مقصورة	مقصوره
٣١٩	٦	ے	نے	٣٣٧	٢٥	طور	اطوار
٣٢١	٢	عہد	عہد	٣٣٨	٢٥	قید	قید
٣٢٢	١٧	اکابرین	اکابر	٣٣٩	٥	مفسیرین	مفسرین
٣٢٣	٤	والله	وللّٰه	٣٤٠	١٣	مفسیرین	مفسرین
٣٢٣	٥	نفاذها	نفاذها	٣٤٤	١٢	کرنے	کرتے
٣٢٣	١٧	مسئله	مسئلة				

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۴۶	۱	اہم و	اہم ضرور	۳۷۲	۹	من الاعنیاء	من الاغنیاء
۳۴۶	۱۳	حنفیہؓ	حنیفہؓ	۳۷۲	۱۶	ادمی	آدمی
۳۴۷	۱۳	کرتا	کرنا	۳۷۲	۱۷	اس لحاظ سے	اس کے لحاظ سے
۳۴۹	۱۵	خاتا	جاتا	۳۷۲	۱۸	ان ہمراہی	ان سب ہمراہی
۳۵۰	۱۰	متقدمیں	متقدمین	۳۷۳	۶	اجنبیی	جیسی
۳۵۱	۲	لوہیں	لو ہیں	۳۷۳	۱۳	عنترۃ	جیسے عنترۃ
۳۵۱	۲۴	فخر شرف	فخروشرف	۳۷۳	۲۵	ماخرجہ	ما اخرجہ
۳۵۲	۱۴	تامیلات	تاویلات	۳۷۴	۲۳	فاومآء	فاومأ
۳۵۳	۲۵	بحض	محض	۳۷۵	۱۹	غرفہ	غرفۃ
۳۵۴	۲۵	شریعت تو	شریعتِ نو	۳۷۵	۲۵	بجنبك	بجسنبك
۳۵۷	۷	امامنا علیہ السلام سے	امامنا علیہ السلام سے متعلق	۳۷۶	۹	خزنتك	خزنتاك
۳۵۸	۵	وتوق	وثوق	۳۷۶	۱۳	صلعم	صلعم ہیں
۳۵۸	۲۱	گسائیوں	گسائیوں کے	۳۷۶	۲۰	لکل امۃ فتنۃ امتی المال	لکل امۃ فتنۃ وفتنۃ امتی المال
۳۶۱	۲۴	حنفیہ	حنیفہ				
۳۶۲	۱۱ و ۱۴، ۱۷ و ۲۰، ۱۸ و ۲۵	حنفیہؒ "	حنیفہؒ "	۳۷۷	۱۰	سلت	سات
۳۶۲	۲۲	عبدؒ"	عقلاً"				
۳۶۴	۱۵	کھولنے کے	کھولنے والوں کے	۳۷۸	۹	لم متنعموا	لم یتنعموا
۳۶۶	۵	مکہ معظمہ	مکہ معظمہ سے	۳۷۸	۱۰	اس	اس
۳۶۸	۲۳	معارصہ	معارضۃ	۳۷۸	۲۳	قصر	ان قصر
۳۷۱	۲	پھراس کو	پھراس کو بیل	۳۷۹	۲۲	فیخر	فیخرج
۳۷۱	۸	بلی	بیلی	۳۸۰	۵	فتادہ	قتادہ
۳۷۱	۱۹	ولایت ملوکیت	ولایت وملوکیت	۳۸۱		جوہرکلمہ	جزوکلمہ
۳۷۲	۸	قال	.	۳۸۲	۲	جماعت	جمع
				۳۸۳	۲۱	دادہ دہش	داد و دہش

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
٣٨٣	٣	مشرق سلطاً	مشرق سلطاً	٣٩٦	٤	والمعائنة	وللعاينة
٣٨٣	٢٢	دوسرا یہ کے	دوسرا یہ کہ	٣٩٦	١٧	سب سے	سبب سے
٣٨٣	٢٣	محاورہ استعمال	محاورہ کا استعمال	٣٩٧	٢	موجو ہیں	موجود ہیں
٣٨٤	١٧	جو	تو	٣٩٧	٢٤	احوانا	اخوانا
٣٨٤	٢٠	رویت	روایت	٣٩٨	٦	ثابیت	ثابت
٣٨٥	١٣	فضاص	قصاص	٣٩٨	١٦	خود لمحمد	خود محمد
٣٨٥	١٩	اجھتی	اچھی	٣٩٨	١٨	فرمایں	فرمائیں
٣٨٦	٨	بفعۃ	بقعۃ	٣٩٩	٩	حزئیل	جبرئیل
٣٨٦	٨	فیخضر یورق	فیخضر ویورق	٣٩٩	١٨	(یعنی خاتم	(یعنی خاتم اولیا
				٣٩٩	٢٠		
٣٨٦	٢٠	عیاالطیب	بلدالطیب	٣٩٩	٢٠	والسلام)	والسلام سے)
٣٨٦	٢٤	مزنالیں	مثالیں	٤٠١	٨	علیہ السلام	علیہم السلام
٣٨٧	٩	جموے	جھوٹے	٤٠٣	١٣	تیسر	تیسری
٣٨٧	١٥	اکابرین	اکابر	٤٠٥	٤	خلفهم	خلقهم
٣٨٧	١٧	زیتونہ	زیتونۃ	٤٠٥	١٥	ومعنی	ومنعنی
٣٨٧	٢٠	المطمنۃ	المطمئنۃ	٤٠٥	٢٥	ضرور مسئلہ	ضروری مسئلہ
٣٨٧	٢٠	عنیۃ	غنیۃ	٤٠٦	٢٥	الفنتۃ	الفتنۃ
٣٨٧	٢٠	مطمیۃ	مطمئنۃ	٤٠٧	١٨	وبنهم	دینهم
٣٨٨	٢٤	اروإخنا	ارواحنا	٤٠٨	٢	ہدامات	ہدایات
٣٨٩	٢٤	کیا	کیا	٤٠٩	١٣	باہم	باہم
٣٩١	٢٤	شہات	شبہات	٤٠٩	١٧	لانجری	لاتجری
٣٩٤	٢٠	اقول	اقوال	٤١٠	٧	رهم	درهم
٣٩٤	٢٣	مطابق	مطابق	٤١٠	٧	فقاله	فقال له

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴۱۰	۲۵	فی الرعبت	فی الرعیت
۴۱۱	۸	اقیمو	اقیموا
۴۱۱	۱۰	سی جز	کسی جز
۴۱۱	۱۵	جمع کہ ہیں	جمع کی ہیں
۴۱۳	۱	بیتں	بیّن
۴۱۳	۲	خلفاء	خلفاو
۴۱۳	۸	زکواہ	زکوٰۃ
۴۱۳	۱۸	بھی جو	بھی
۴۱۵	۱۵	گہہ سکتے ہیں	کہہ سکتے ہیں
۴۱۵	۳۰	موافق دیا	موافق دیتا
۴۱۶	۱۲	داطاعۃ	اطاعۃ
۴۱۷	۱۳	لحاظا	لحاظ سے
۴۱۷	۵	ان تالی	اللہ تعالی
۴۱۸	۱	بھی	یہی
۴۱۸	۱۲	انبار	اخبار
۴۱۸	۱۶	مصادر و	مصادرہ
۴۱۸	۱۸	خوو	خود
۴۱۸	۲۰	سحیحہ	صحیحہ
۴۱۹	۲۰	آتاتی	آوتاتی
۴۲۱	۱۱	سوف	خسوف
۴۲۱	۱۹	ہے	ہیں
۴۲۱	۲۱	صوف	سوت
۴۲۱	۲۳	اشتقبال	استقبال
۴۲۳	۹	مفسیرین	مفسرین
۴۲۴	۱۰	موافقت	موافق
۴۲۶	۱۱	ی	ہی

صفحہ	سطر	غلط	تصحیح
۴۲۸	۱۸	صنخرۃ	صخرۃ
۴۲۸	۲۵	ہولناگ	ہولناک
۴۲۹	۲	رل	دل
۴۳۲	۱۶	ورا	ذرا
۴۳۵	۱۹	قراساں	خراساں
۴۳۷	۱	وحہ	وجہ
۴۳۸	۱۳	والآحرۃ	والآخرۃ
۴۳۹	۴	واصل	داخل
۴۴۰	۱۵	محلف	مخلف
۴۴۱	۲	ہیوی	دنیوی
۴۴۱	۱۴	ولایملاً	ولایملأ
۴۴۱	۲۳	ثیخوخیت	شیخوخت
۴۴۲	۱۵	اجب	احب
۴۴۴	۸	کفانی	کفانی
۴۴۵	۲۵	سے	نے
۴۴۶	۳	فرار دیا ہے	قرار دیا ہے
۴۴۹	۷	لیکن بیکن	لیکن
۴۴۹	۲۳	سنہا	منہا
۴۵۱	۱۰	اس قسم خدائی قسم	اس خدائی
۴۵۱	۱۹	جراً وظلماً	جوراً وظلماً
۴۵۱	۲۵	ان پہلا اور اہم	ان میں پہلا اور اہم
۴۵۲	۸	تاویل لو	تاویل کو

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴۵۳	۲	ہے	ہیں	۴۶۶	۲۴	حق	حتی
۴۵۴	۴	اس کو اس کو	اس کو	۴۶۶	۲۵	جہاں تک کہ	یہاں تک
۴۵۴	۱۱	بملاء الارض	یملأ الارض	۴۶۷	۲	بانتیہ	یاتیہ
۴۵۵	۱۱	بغنی	یغنی	۴۶۷	۵	داحث	احث
۴۵۶	۹	افنیتھا	افنیتہا	۴۶۷	۸	اسجع امہ	اشجع امتہ
۴۵۶	۱۰	دسالك	دنیالك	۴۶۷	۱۵	پھرے گا	پھیر دے گا
۴۵۶	۸	ولنبیین	والبنین	۴۶۸	۱۸	ادیاں	وادیاں
۴۵۷	۱۹	یعنے	لینے	۴۶۸	۲۲	قاوب	قلوب
۴۵۸	۲۱	ضربح	صریح	۴۷۰	۱۸	سماں	آسماں
۴۵۹	۴	اگر کا معنی	اگر اس کا معنی	۴۷۲	۹	حسن بن صباح	حسن صباح
۴۵۹	۵	ایمان وعمل صالح	ایمان وعمل صالحے	۴۷۲	۱۱	حسن بن صباح	حسن صباح
۴۵۹	۱۴	تمیارات	اعتبارات	۴۷۲	۱۲	اسمٰعلیہ	اسمٰعیلیہ
۴۶۰	۱۷	مطایق	مطابق	۴۷۲	۱۳	اصل	جو اصل
۴۶۱	۱۸	تحرف	تحریف	۳۷۳	۶	ولا لکونوا	ولا یکونوا
۴۶۱	۲۳	قریبہ	قرینہ	۴۷۳	۷	قفال	فطال
۴۶۲	۱۶	حاکم ہوے	حاکم کب ہوے	۴۷۳	۱۷	اور صرف	اور ایمان صرف
۴۶۴	۶	بہنے	سہنے	۴۷۳	۹	خلفہم	خالفہم
۴۶۵	۱	اسن	اس	۴۷۴	۱۲	للاحسلاف	للاختلاف
۴۶۶	۶	صاحت	صاحب	۴۲۴	۲۴	مہتہ	بنعمتہ
۴۶۶	۶	لو	کو	۴۷۶	۶	عقدالدور	عقد الدرر
۴۶۷	۱۷	بالھدی	بالمھدی	۴۷۶	۹	حصایصہ	خصایصہ
۴۶۶	۲۳	یملأ	یملأ	۴۷۷	۱۶	موجو ہیں	موجود ہیں

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴۷۸	۲۴	انگلیوں	آنگلیاں	۵۰۱	۱۲	انتفات	التفات
۴۷۹	۱	عفارًا	غفاراً	۵۰۱	۱۳	جیسے	جینے
۴۷۹	۲۴	لاهدی	لاتهدی	۵۰۱	۲۴	وبا	وہاں
۴۷۹	۲۴	ویکن اللہ	ولکن اللہ	۵۰۲	۱	ممکں	ممکن
۴۷۹	۲۵	عل	علیٰ	۵۰۲	۲	اسپیں	اسپین
۴۸۰	۷	ڈہانی	دہائی	۵۰۲	۳	ہوکی	ہوگی
۴۸۴	۲۲	معسولہ	مغسولۃ	۵۰۲	۴	زیادد	زیادہ
۴۸۶	۱۲	دلیپ	دلیت	۵۰۲	۲۲	بادشاں	بادشاہ
۴۸۸	۴	ایہ	ایۃ	۵۰۳	۱۷	عن امرہ دینلہ	عن امر دینہ
۴۸۹	۲۳	سیّنہ	سیئہ	۵۰۳	۲۲	ہہدیہ	ہدیت
۴۹۰	۱	بدم	ہدم	۵۰۶	۲۲	تفصلی	تفصیلی
۴۹۰	۲۰	رد	مردود	۵۰۷	۸	اشدین	راشدین
۴۹۱	۱۶	معذوب	مندوب.	۵۰۷	۱۲	داقعہ	واقعہ
۴۹۱	۱۷	اکابرین	اکابر	۵۰۷	۱۴	مس	پیش
۴۹۵	۱	تفصیل	بتفصیل	۵۰۹	۱۶	زرر	زرد
۴۹۷	۱۳	گئے	کئے	۵۱۱	۱۶	چارو	چاروں
۴۹۸	۱۹	سائین	سائلین	۵۱۷	۱۸	ہونے کی بحث	نہ ہونے کی بحث
۴۹۸	۲۵	ناظرین کریں	ناظرین	۵۱۸	۲۱	یہ اقوال	یہ قول
۴۹۹	۱۸	معتراج	معراج	۵۱۸	۲۴	کام لے	کام لیا ہے
۵۰۰	۸	سکنند	سکندر	۵۱۹	۱۲	اکابریں	اکابر
۵۰۰	۱۸	سیدمیاں	بندگی میاں	۵۲۰	۱۲	تحقیق	تردید
۵۰۰	۲۴	زنوماہ	نوماہ	۵۲۱	۵	مقیبرین	مفسرین

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۵۲۴	۵	مفسیرین	مفسرین	۵۷۰	۷	دیل	دلیل
۵۲۸	۱	معجزات کے	معجزات	۵۷۰	۱۵	موار	مدار
۵۳۱	۲	عانی	معانی	۵۷۲	۱	ملازمہ	ملازمۂ
۵۳۵	۸	یہ تعلیم الہی	بہ تعلیم الہی	۵۷۲	۷	ولالات	دلالات
۵۳۵	۲۴	بیں	ہیں	۵۷۳	۱۰	امیا	ایہا
۵۳۹	۳	نہیں مار	نہیں مارا	۵۷۳	۲۲	التطنیہ	الظنیۃ
۵۴۰	۹	پہاڑو پر	پہاڑوں پر	۵۷۳	۲	متقدمین	متعددین
۵۴۱	۲۵	اتموجہ	انمودجہ	۵۷۴	۵	تعصیل	تفصیل
۵۴۲	۲۵	خبزاء	جزاء	۵۷۵	۳	ائینہ	آئینہ
۵۴۹	۱۴	خلفہ	خلقہ	۵۷۵	۱۵	ایسای	ایسا ہی
۵۵۳	۶	صفت	صفت دیدار	۵۷۵	۲۶	تنزدیک	نزدیک
۵۵۴	۱۹	کرتا	کرنا	۵۷۷	۱۴	غیر صحیہ	غیر صحیح
۵۵۶	۱۸	کا سر	س کا سر	۵۷۷	۲۴	اشار	اشارہ
۵۵۹	۱۵	لانہ	لانہ	۵۷۹	۶	پہنچی	پہنچی
۵۶۳	۴	بآب	باُب	۵۷۵	۱۹	توبیں	توہین
۵۶۴	۱۷	استحانہ	استحالۃ	۵۸۰	۲۵	موقوف	موقوف
۵۶۴	۲۴	ابتہسادۃ	بتہسادۃ	۵۸۲	۱۴	تکلتو	تکلثو
۵۶۵	۵	فقل	نقل	۵۸۳	۲۳	دنے	ہونے
۵۷۵	۱۶	جتہا	اجتہاد	۵۸۳	۳	علیہ السلا	علیہ السلام
۵۷۷	۲۰	امام الرویۃ	اما الرویۃ	۵۸۳	۹	بائید	باید
۵۷۷	۲۴	بوشیدہ	پوشیدہ	۵۸۳	۲۳	جا پنجے	جا پہنچے
۵۷۹	۲۰	ہوتا	ہونا	۵۸۴	۲۱	رکھا	نہ رکھا

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۵۸۵	۲	نرفع	ترفع	۶۱۴	۱۳	وہم	دہم
۵۸۵	۲۰	رائے دلیپ	رائے دلیت	۶۱۴	۱۹	فمی	فمن
۵۸۶	۳	دقبقہ	دقیقہ	۶۱۴	۲۳	اس پر	اس پر
۵۹۴	۱۸	عقیداہ	عقیدۂ	۶۱۵	۱۳	خلفاً	خلفاء و
۶۰۱	۵	گرداں خاک	گردآں خاک	۶۱۶	۱۴	ہوتا	ہونا
۶۰۱	۱۱	آدا ـــ	آداب	۶۱۶	۲۳	اللناس	للناس
۶۰۳	۲۶	واستغلوا	واشتغلوا	۶۱۷	۲۰	اُستیعاب	اُستیعاب
۶۰۴	۲	مایکو العبد	مایکون العبد	۶۱۷	۲۳	خانتا	قانتا
۶۰۴	۱۶	اردہ	ارادہ	۶۱۸	۳	کہلا	کہا
۶۰۴	۱۹	دیارت	زیارت	۶۱۹	۴	الشان وادعرف	الیشان را درعرف
۶۰۵	۲۰	شیخ رشاب	شیخ وشاب	۶۱۹	۷	اوالو	اولو
۶۰۶	۱۲	بروایہ	بروایۃ	۶۱۹	۱۲	هزوانیت	فردانیت
۶۰۶	۱۳	وما ما لایعلمہ	واماما لایعلمہ	۶۱۹	۲۳	اخوال	اخوان
۶۰۸	۱۱	الوالایم	الولایم	ب	۱۱	بابو خاں صاحب	بابو خاں صاحب
۶۰۸	۲۲	قلقی	تلقی	ب	۱۴	حکومت	حکومت
۶۰۹	۴	اذ	اذاً	ج	۱۳	نظریاں	لظریاں
۶۰۹	۲۵	بارہ	بارۂ	د	۱	پرگہر	گہر ریز
۶۱۰	۲	اتتہائی	انتہائی	د	۹	نفطتس	لفظش
۶۱۰	۲۴	اودا	اُودا	د	۱۴	باندر	اندر
۶۱۱	۱۳	منہ	منہ	د	۲۱	خلا	جلا
۶۱۳	۱۷	اس آیت	اس آیت				
۶۱۳	۲۱	منقطعہ	منقطعۃ	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
۶۱۳	۲۲	سنہ	بہ				

کتاب ملنے کا پتہ

۵۶۳ / ۱۶-۲

محمد سلطان خان صاحب تاجر کتب

نئی چپل گوڑہ حیدرآباد دکن

قیمت مجلد [illegible]

غیر مجلد [illegible]

مطبوعہ مطبع صحیفہ مشین پریس

[illegible]